

بھدرواہ کی تاریخ وثقافت

(قدیم ہمالیائی ریاستوں کے تناظر میں)

مصنّف: بشیر بھدرواہی

کریسنٹ ہاؤس پبلی کیشنز، جموں

بھدرواہ کی تاریخ و ثقافت

(قدیم ہمالیائی ریاستوں کے تناظر میں)

بشیرؔ بھدرواہی

بھدرواہ کی تاریخ وثقافت

(قدیم ہمالیائی ریاستوں کے تناظر میں)

بشیر بھدرواہی

کریسنٹ ہاؤس پبلی کیشنز، جموں

کتاب کا نام : بھدرواہ کی تاریخ وثقافت
(قدیم ہمالیائی ریاستوں کے تناظر میں)

مصنف : بشیر بھدرواہی

سنہ اشاعت : ۲۰۱۰ء

تعداد : ۱۰۰۰

قیمت : ۱۰۰۰/روپے

کمپوزنگ : کریسنٹ ہاؤس پبلی کیشنز، جموں

سرورق (فوٹو) : شیخ طاہر، یونی ورسٹی کیمپس بھدرواہ

طباعت : اراولی پرنٹرز اینڈ پبلشرز پرائیویٹ لمیٹڈ، نئی دہلی

ناشر : بشیر بھدرواہی

" BHADERWAH KI TAREEKH-O-SAQAFAT "
(QADEEM HIMALIAYEE RIASATOON KE TANAZUR MAIN)
WRITER : BASHIR BHADERWAHI
2010
PRICE : RS.1000/-

COMPOSING, DESIGNING AND LAYOUT
CRESCENT HOUSE PUBLICATIONS
267-JOGI GATE, JAMMU-180001.
JAMMU & KASHMIR STATE, INDIA.
MB: 9419134617, 8803747617

تقسیم کار

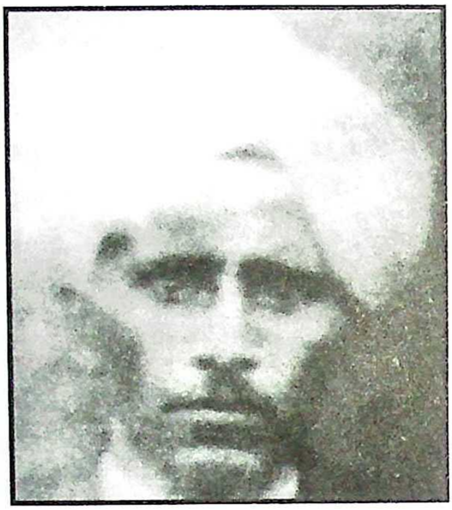
فاروق بک ڈپو، بھدرواہ۔ ۱۸۲۲۲۲

جموں وکشمیر اُردو فورم، جموں۔ ۱۸۰۰۰۴

کوشر مرکزی ادبی فورم، جموں۔ ۱۸۰۰۰۴

ڈائمنڈ بک ہاؤس، پریم نگر، گوجر نگر روڈ، جموں۔ ۱۸۰۰۰۱

اِنتساب

اپنے والد محترم خواجہ محمد سلطان خطیبؒ (مرحوم ومغفور)،
والدہ محترمہ مالا بیگم (مرحومہ ومغفورہ)

اور

اساتذہ کرام کے نام!

جن کی تربیت اور دعاؤں نے

مجھے یہ کتاب لکھنے کا حوصلہ بخشا۔

بشیرؔ بھدرواہی

فہارِس

باب چہارم: قصبہ بھدرواہ

باب پنجم: وادیٔ بھلیس

باب سوم: راجگانِ بھدرواہ

باب ہشتم: عوامی دورِ حکومت (۱۹۴۷ء تا ۲۰۰۹ء)

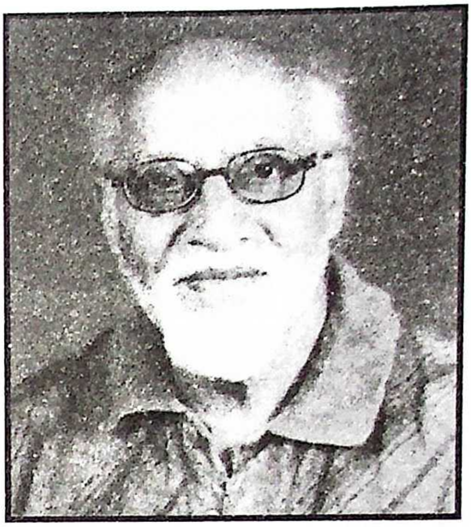
حصّہ سوم - بھدرواہ کی ثقافتی تاریخ

(راجواڑہ بھدرواہ کی تہذیب وثقافت)

باب اوّل: رہن سہن

باب پنجم: شعروادب

باب پنجم: بھدرواہ کی ممتاز شخصیات



دیباچہ

آج مجھے بارہ تیرہ برس کے بعد ڈوڈہ خطے پر تحریر کی گئی ایک جامع اور موقر تاریخ کا دیباچہ رقم کرتے ہوئے اِنتہائی مسرّت محسوس ہو رہی ہے۔ اولاً انگریزی میں لکھی گئی میری کتاب ''کشمیر اینڈ کشتواڑ'' شائع ہوئی۔ اُس وقت میں صرف غلام حسین ارمانؔ کشتواڑی کو اچھی طرح جانتا تھا جنہوں نے مذکورہ تاریخ مرتب کرنے میں میری ہر ممکنہ اعانت فرمائی تھی۔ آنکھوں دیکھے بغیر ہی میں نے کشتواڑ کی سیاسی اور ثقافتی تاریخ تحریر کی جسے بین الاقوامی سطح پر خواب سراہا گیا۔ تاریخ و تحقیق میرا عشق ہے اور بہ فضلِ باری تعالیٰ میری ایک سے بڑھ کر ایک تاریخ عالمی کُتب خانوں اور یونیورسٹیوں کی الماریوں کی زینت بنی ہوئی ہے۔ ۱۹۹۶ء میں اسیرؔ کشتواڑی میرے پاس تشریف لائے اور مَیں نے کشتواڑ سے متعلق اکٹھی کی گئیں کتابیں اور مسودے اُن کے سپرد کیئے۔ چند ہی ماہ کے بعد اُن کی مشہور کتاب ''تصویرِ ضلع ڈوڈہ'' پیش لفظ لکھنے کے لئے میرے پاس آئی تو اُس کو دیکھ کر میرا دِل باغ باغ ہو گیا۔ مجھے ذاتی طور پر کافی خوشی ہوئی کہ نئی نسل میں خاص طور پر کشتواڑ جیسے پچھڑے ہوئے کوہستانی علاقے میں کسی مؤرخ نے جنم لیا ہے، جس کی اِبتدائی کاوشوں کے پیشِ نظر خاطر خواہ قومی خدمت متوقع ہے۔ آج اُسی اسیرؔ کشتواڑی کے توسّل سے خطۂ چناب کے ایک مقتدر شاعر،

ادیب، نقاد، محقق اور تاریخ نگار بشیرؔ بھدرواہی صاحب کی ضخیم، جامع اور پُراز معلومات کتاب ''بھدرواہ کی تاریخ و ثقافت'' کا مسودہ دیباچہ لکھنے کے لئے میرے پاس آیا ہے، جس کو پہلی نظر میں دیکھنے سے ہی میرا دِل خوشی کے مارے مچل اُٹھا کہ ''چھوٹا کشمیر'' (بھدرواہ) کا ایک مخلص اور دیانتدار مؤرخ اپنے حسین و جمیل علاقے کی تاریخ کو قدیم ہمالیائی ریاستوں کے پس منظر میں لکھ کر اپنے ہاتھوں میں لئے ہوئے منصہ شہود پر آ گیا ہے۔

مجھے ذاتی طور پر سر برآوردہ اُردو اور کشمیری شاعر مرحوم رساؔ جاودانی اور مقبول و معروف گلوکار مرحوم غلام نبی ڈولوال جانبازؔ کشتواڑی کی وجہ سے بھدرواہ اور کشتواڑ کے ساتھ ایک خاص لگاؤ رہا ہے۔ مرحوم عشرتؔ کاشمیری، اسیرؔ کشتواڑی اور ڈاکٹر پریتم کرشن کول کی لکھی ہوئی تواریخ کا تو میں پاسدار تھا ہی مگر اب بشیرؔ بھدرواہی کی تہتر برس کی عمر میں لکھی گئی ایک ہزار سے زائد صفحات پر محیط یہ کتاب دیکھ کر اِس بات کا اعتراف کرنا پڑ رہا ہے کہ بھدرواہ کی تاریخ اور ثقافت کا اِتنا معتبر، مفصّل اور خوبصورت نقشہ تا ہنوز کسی اور نے مرتّب نہیں کیا تھا، جس کے لئے مؤرخ و مصنّف دِلی مبارک باد کا مستحق ہے۔ ایک اُستاد اور ماہرِ تعلیم ہونے کے ناتے بشیرؔ بھدرواہی کو اُردو زبان اور فنِ تاریخ نویسی کے بنیادی تقاضوں سے پوری آگہی حاصل ہے۔ اُنہوں نے سچ مچ ایک سپوت کے ناتے محنتِ شاقہ سے کام لے کر اپنی جائے پیدائش (بھدرواہ) کو ایسا معلوماتی اور بیش قیمتی تحفہ عطا کر کے اپنی شناخت اور ابدی شہرت کو یقینی بنایا ہے۔ آج کے دور میں جبکہ اِنسان مادہ پرستی کے چُنگل میں پھنس کر محکوم و مجبور نظر آتا ہے، بشیرؔ صاحب کا اِتنا بڑا تحقیقی کام اُن کی حُب الوطنی، نیک نیتی اور قدما کی قدر شناسی کا مظہر ہے۔ اِس پر طرّہ یہ کہ بھدرواہی صاحب نے ادیبانہ اور بلیغ انداز میں یہ تاریخ لکھ کر تاریخ نویسی کی ایک نئی طرح ڈالی ہے اور اگر ادبی اعتبار سے دیکھا جائے تو زیرِ بحث تصنیف صحیح معنوں میں ایک عظیم ادبی کارنامہ بھی ہے۔

پوری کتاب کو پڑھنے کے بعد اِس بات کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ بشیؔر بھدرواہی نے اِس قدیم مملکت کی ہی کوئی الگ تھلگ تاریخ نہیں لکھی ہے بلکہ اُنہوں نے اِس کو پوری موجودہ ریاست جموں وکشمیر کی سیاسی تاریخ کے ساتھ مربوط کرنے اور ماہرانہ انداز میں جوڑنے کا لائقِ تحسین کام بھی کیا ہے۔ نیز قدیم ہمالیائی ریاستوں کے تناظر میں بھدرواہ کی تاریخ و ثقافت کو منظرِ عام پر لانے کی خاطر اُنہیں عمر کے اِس زینے پر نہ جانے کتنے کُتب خانوں کی خاک بھی چھاننا پڑی ہوگی اور کئی مصائب اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہوگا۔

''بھدرواہ کی تاریخ و ثقافت'' پوری ریاست کو دورِ قدیم سے لے کر عصرِ حاضر تک اپنی گرفت میں لئے ہوئے ہے اور سیاسی تاریخ کے مقابلے میں اِس کے ثقافتی، ادبی اور سیاحتی منظرنامے زیادہ ہی دِلچسپ اور دِل پذیر لگتے ہیں۔ اِس کتاب کی اِشاعت سے جموں وکشمیر پر لکھی گئی تاریخوں کے بیش بہا خزانے میں ایک عمدہ اور منفرد تاریخ کا اِضافہ ہوگیا ہے۔ اگر اِتنے دُور دراز علاقے سے بشیؔر بھدرواہی جیسے ہر دِلعزیز قلمکار سامنے آئے ہیں تو پھر ہماری ریاست میں تاریخ نگاری کا مستقبل یقیناً ہر قیمت پر شاندار اور تابندہ ہوگا۔

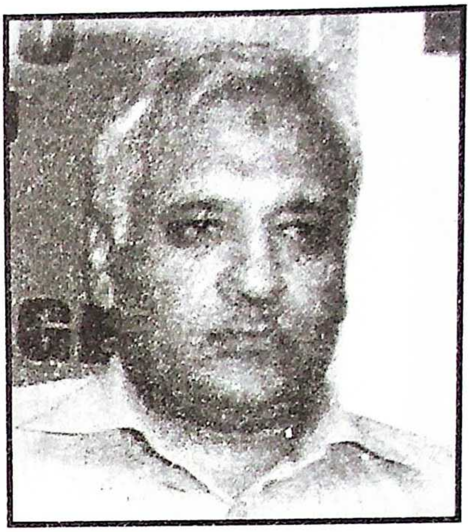
میں اِس قبیل کی تحریروں کا نہ صرف احترام کرتا ہوں بلکہ دِل ہی دِل میں خوشی بھی محسوس کرتا ہوں کہ تحقیق و تجسّس کا سلسلہ ابھی اچھی طرح جاری وساری ہے۔ مجھے پوری اُمید ہے کہ یہ کتاب قارئین کی صفوں میں شرفِ قبولیت حاصل کرے گی۔ اگرچہ بشیؔر صاحب سے پہلے بھی ۱۹۷۶ء میں میری ایک ملاقات ہوئی تھی، جبکہ وہ محکمہ آرکائیوز کی طرف سے اُنہیں تفویض کردہ مقالہ ''صوبہ جموں میں کشمیری زبان کی صوتیات وغیرہ'' کا مسودہ مجھے ذاتی طور پر دینے کے سلسلے میں میرے پاس آئے تھے مگر اِس تاریخ کو پڑھنے کے بعد ہم ایک دُوسرے سے اِس قدر مانوس ہوئے ہیں کہ اِنشاءاللہ آئندہ نہ میں اُنہیں اور نہ ہی وہ مجھے کبھی فراموش کرسکیں گے۔

بشیرؔ بھدرواہی صاحب نے جہاں ایک طرف اپنے تواریخی اور ثقافتی ورثہ کو محفوظ کیا ہے، وہیں حسبِ معمول اِس کتاب کے اندازِ تحریر کی سحر کاری سے بھی اُردو زبان اور ادب کی بیش بہا خدمت سرانجام دی ہے۔ اِس تناظر میں مصنّف کے اِس قلمی شاہکار کی ہر سطح پر جتنی بھی پذیرائی اور عزت افزائی کی جائے کم ہے۔

۱۳/اپریل ۲۰۱۰ء

پروفیسر فدا محمد حسنینؔ
۳۲-دستگیر وِلا، عمر اِنکلیو،
پرے پورہ، باغات
سری نگر، کشمیر

تقریظ



''بھدرواہ کی تاریخ وثقافت'' کے فاضل مصنّف اور میدانِ ادب کے شہسوار جناب بشیؔر بھدرواہی کو میں ۱۹۶۴ء سے جانتا ہوں جب کہ وہ تحصیل ایجوکیشن آفیسر کشتواڑ کے عہدے پر مامور تھے اور اُن کی کشمیری شاعری نامور گلوکار مرحوم غلام نبی ڈولوال جانباز کشتواڑی صاحب کی مخصوص لَے میں شہرتِ عامہ حاصل کر رہی تھی۔ رسا جاودانی کی طرح بشیؔر بھدرواہی بھی خوش شکل، خوش گفتار، خوش پوش اور خوش اخلاق اِنسان ہیں۔ اُن کا عہدِ شباب، اُن کی سحر انگیز شاعری اور اُستادانہ صلاحیتیں میری آنکھوں کے سامنے اُس زمانے کی ایک حسین اور دِلآویز تصویر پیش کرتی ہے جب میں گورنمنٹ ڈِگری کالج بھدرواہ میں (۱۹۷۱ء - ۱۹۷۴ء) زیرِ تعلیم تھا۔ ہمارے مسکن، جو عبدالقیوم شاپو صاحب کے مکان کی تیسری منزل پر واقع تھا، کے ایک طرف تھوڑی دُوری پر بشیؔر صاحب، مرحوم دیوانہ بھدرواہی، مرحوم وفا بھدرواہی اور دُوسری جانب تقریباً اُس سے قدرے کم فاصلے پر رسؔا جاودانی اور غلام نبی گوتؔی گورگانی رہائش پذیر تھے۔ وہاں سے چاروں طرف دیکھنے پر اِن بزرگ شعراٗ میں سے کوئی نہ کوئی اپنی مستی اور بے خودی میں چلتا پھرتا دِکھائی دیا کرتا تھا۔ بشیؔر بھدرواہی صاحب کی شخصیت کو ایک غیر شاعر مگر اِنتہائی باذوق شخص مزید پُرکشش بناتا تھا، جس کا اسمِ گرامی غلام نبی ریشو تھا، جو ۶ رمارچ ۲۰۰۶ء کو اِنتقال کر گئے۔ یہ دونوں اصحاب لیلیٰ اور مجنوں کی طرح

''دو بدن اور ایک جان'' تھے۔ دُوسری طرف محکمہ تعلیم سے وابستگی کی بنا پر بشیر صاحب غلام رسول آزاد (مرحوم) کے قرابتداروں میں سے تھے، جو ناظمِ تعلیم ہونے کے علاوہ ایک اہم اور ہمہ گیر شخصیت کے مالک تھے۔ ڈوڈہ میں اپنی تعیناتی کے دوران بشیر صاحب اور راقم کو ایک دُوسرے کے بغل میں سرکاری کوارٹر الاٹ ہوئے۔ لہٰذا دیکھتے ہی دیکھتے ہماری قربتیں بڑھ گئیں اور ہم ایک دُوسرے سے شیر و شکر ہو گئے۔ اُن کی اور میری عمر کے درمیان اٹھارہ برس کا بڑا فرق نہ جانے کیسے خود بخود مٹ گیا اور ہم بلا ناغہ اور بلا تکلّف آپس میں گھنٹوں ادبی معاملات پر گفت و شنید کرنے لگے۔ بشیر صاحب کی نرالی مُسکراہٹ میں شفقت و خلوص کا ایک بحرِ بے کراں سمویا ہوا نظر آتا ہے۔ مجھے اِس بات کا بھرپور احساس ہے کہ صاحبِ موصوف کی قد آور شخصیت کے سامنے اُن کی اِس ذہن کھولنے والی تصنیف کے لئے تقریظ قلم بند کرنا میرے لئے ایک بہت ہی کٹھن کام ہے مگر قارئین کی خاطر اِس کتاب کے خدوخال واضح کرنا بھی دُوسری جانب میرا فریضہ بنتا ہے۔ میں اُن کے اپنے ہی ایک شعر سے مصنّف کی عمر درازی، صحت و تندرستی اور مزید ادبی خدمت سرانجام دینے کی دُعا کرتا ہوں ؎

ٹورُ ہیو، چھُکھ کھٹُھ وَنس منزڈ ور
پھول بشیر وژ سنگلاۓ بکی پاۓ ٹھی

(ترجمہ: تُم کلی کی مانند دُور جنگل میں چھپے ہوئے ہو۔ اے بشیر تُم سنگلاب کی طرح پھلو پھُولو)

....

بشیر بھدرواہی کا اصلی نام بشیر احمد خطیب ہے۔ آپ ۲۴؍ جنوری ۱۹۳۵ء کو بمقام بھدرواہ تولد ہوئے۔ آپ کے آباواجداد تجارت کے سلسلہ میں ضلع اننت ناگ (کشمیر) سے بھدرواہ آئے اور وہاں کے ہی باشندے ہو گئے۔ آپ کے والد ماجد کا اسمِ گرامی خواجہ محمد سلطان خطیب تھا، جو بطورِ مدرّس کام کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ خواجہ

صاحب (مرحوم) اپنے زمانے کے ایک مشہور معلّم اور نہایت ہی متقی اور پرہیز گار بزرگ تھے۔ بشیؔر صاحب نے پرائمری اسکول نگر بھدرواہ سے پرائمری پاس کرنے کے بعد سری امر ہائی اسکول بھدرواہ سے ۱۹۵۰ء میں میٹرک کا اِمتحان پاس کیا۔ والد صاحب کی محدود آمدنی کے پیشِ نظر کالج میں داخلہ نہ لے سکے۔ لہٰذا ڈھائی تین برس مختلف دُکانوں پر مُنیم کے طور بہت کم مشاہرے پر کام کرتے رہے۔ بالآخر ۲۹؍جنوری ۱۹۵۳ء کو بشیؔر صاحب نے گورنمنٹ سنٹرل اسکول رام بن سے بحیثیت مدرّس سرکاری ملازمت کا آغاز کیا۔ ملیریا کے عارضہ میں مُبتلا ہونے کے سبب وہاں سے اُن کا تبادلہ پرائمری اسکول ڈولیگام بانہال میں ہوا' جہاں اُنہوں نے تقریباً ایک سال تک کام کیا۔ اِسی دوران بھدرواہ میں اساتذہ کے لئے ایک تربیتی اسکول کھولا گیا' جس کے پہلے سیشن میں بشیؔر صاحب کا بھی ڈیپوٹیشن ہوا اور اُنہوں نے ڈِپلوما اِن ٹیچنگ کورس اِمتیاز کے ساتھ پاس کیا۔ اِس کے ساتھ ہی صاحبِ موصوف نے نجی طور پر اپنی تعلیم کو جاری رکھتے ہوئے ۱۹۵۸ء میں گریجویشن کی۔ اُسی سال بی۔ایڈ کے لئے بھیجے گئے اور ۱۹۵۹ء میں یہ ڈِگری بھی اچھے نمبرات لے کر حاصل کی۔ ۱۹۶۲ء میں ایم۔اے۔اُردو کا اِمتحان فرسٹ ڈویژن میں پاس کر کے اپنے علمی شوق کو پورا کیا۔ ایم۔اے۔اُردو کا نتیجہ برآمد ہونے سے قبل ہی اُنہیں ترقی دے کر گورنمنٹ ہائی اسکول جکیاس (بھلیسہ، ضلع ڈوڈہ) کا ہیڈ ماسٹر تعینات کیا گیا تھا۔ ۱۹۶۳ء میں تحصیل ایجوکیشن آفیسر اُدھم پور اور ۱۹۶۴ء میں تحصیل ایجوکیشن آفیسر کشتواڑ مقرر ہوئے۔ بشیؔر صاحب پرنسپل ڈسٹرکٹ اِنسٹی چیوٹ آف ایجوکیشن اینڈ ٹریننگس راجوری' کشتواڑ اور ڈِسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر راجوری' ڈوڈہ اور پونچھ کے اہم عہدوں پر بطریقۂ احسن اپنی خدمات انجام دینے کے بعد ۳۱؍جنوری ۱۹۹۳ء کو ڈِسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر ڈوڈہ کے عہدے سے سبکدوش ہو گئے۔ اُس وقت راقم السطور بھی ڈوڈہ میں ہی تھا اور صاحبِ موصوف کے اعزاز میں دئے گئے الوداعی پروگراموں میں برابر شریک رہا۔ مقررین نے اُنہیں ایک دیانتدار'

ذہین و فطین اور کامیاب ناظم قرار دیتے ہوئے اُن کی علمی و ادبی خدمات کی سراہنا کی تھی۔ یہ سب کی متفقہ رائے تھی کہ بشیرؔ صاحب جیسے مقبول و معروف ماہرِ تعلیم اور آفیسر کم یاب ہی نہیں بلکہ نایاب ہیں۔ بقول شاعر ؎

یا وہ گوہر ہی الگ تھا گوہرِ اِنسان سے
یا نکلتے ہی نہیں اب ایسے جواہر کان سے

....

بشیر احمد خطیب نے جب شعر گوئی کا آغاز کیا تو اُنہوں نے بشیرؔ بھدرواہی کا تخلص پسند کیا۔ اُن کے ادبی سفر پر ایک نظر ڈالتے ہوئے اِس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ اُنہوں نے ادبی دُنیا کو پیار و محبت کی خوشخبری دے کر اپنی شناخت بنالی ہے۔ اُنہوں نے اپنے شعری سفر کا آغاز اُس وقت کیا جب وہ محض ساتویں جماعت کے طالب علم تھے۔ ۱۹۴۷ء میں قصبہ بھدرواہ اور ملحقہ جات میں پیداشدہ فرقہ وارانہ فسادات کے نتیجے میں جو صورتِ حال رُونما ہوئی، بشیرؔ صاحب نے ایک نظم لکھ کر اُس کی ہو بہو عکاسی کی تھی۔ سرکاری ملازمت میں شامل ہونے سے قبل بشیرؔ بھدرواہی اُردو میں شعر کہتے تھے لیکن ۱۹۵۳ء میں اُنہوں نے کشمیری زبان کی طرف رُخ کیا۔ وہ اُن دِنوں رام بن میں تعینات تھے۔ اُن کی پہلی باضابطہ کشمیری غزل کا مطلع یہ ہے ؎

گن تھاؤتم ژہ لِللہ سوٗرُم شباب یارو
ونہابہٕ حالِ دِل ژٕئے مُژرُم حجاب یارو

(ترجمہ: اے دوست خدا کے لئے میری طرف کان رکھ، میرا شباب گزر گیا۔
میں تجھے حالِ دِل بتاتا مگر تُو اپنا پردہ تو اُٹھا دے)

اِس غزل نے بشیرؔ صاحب کے حوصلے بلند کیے اور وہ پوری قوت اور دِلچسپی کے ساتھ مشقِ سخن کرنے لگے۔ آپ کی پہلی اُردو نظم "معلّم" ۱۹۵۶ء میں ماہنامہ "اُستاد" (سرینگر) اور کشمیری غزل ۱۹۶۰ء میں "نوائے قوم" (جموں) میں چھپی۔ رسا جاودانی

کی زِندگی پر اُن کا تحریر کردہ پہلا مضمون ریاستی کلچرل اکیڈمی کے کشمیری ''شیرازہ'' کے رسا نمبر ۱۹۸۰ء میں شائع ہوا' جسے کشمیری حلقہ میں کافی پسند کیا گیا۔ آپ کی اوّلین تصنیف ''ڈوڈہ ضلکی کأشر لکہِ بأتھ'' ریاستی کلچرل اکیڈمی نے ۱۹۷۲ء میں شائع کی جس کی اہمیت کو اُجاگر کرتے ہوئے مقتدر نثر نگار' محقق اور نقاد جناب محمد یوسف ٹینگ (جو اُس وقت اکیڈمی ہذا کے سکریٹری تھے) یوں رقمطراز ہیں:

> ''آج ہم اِس پسماندہ علاقے (پتھ وَن) میں بسنے والے کشمیریوں کے لوک گیت' اِس کتاب کی صورت میں پیش کر رہے ہیں۔ یہ کشمیری لوک گیتوں کے سلسلے کی ساتویں کڑی ہے اور اُمید کی جاتی ہے کہ اِس سے خوبصورت پھولوں کے اِس خوشنما گلدستے میں تیکھا پن اور رنگینی پیدا ہو جائے گی۔ اِس میں کچھ ایسے مصرعے اور بند بھی نظر آئیں گے جو باقی حِصّوں میں بھی درج ہیں مگر بیان اور الفاظ کا اِستعمال قدرے مختلف ہونے کے موجب ہمیں اچھا لگا کہ یہ اِسی صورت میں موجود رہنے چاہئیں۔''

کشمیری لوک شاعری کے تاریخی اور لسانی پس منظر کو بیان کرتے ہوئے مصنّفِ کتاب خود لکھتے ہیں کہ:

> ''سارا علاقہ پہاڑی اور دُشوار گزار ہونے کی وجہ سے راقم اِس باغِ محبت کے وہ سارے پھول جمع نہ کر سکا جن کو صدیوں سے یہاں کے شاعروں' لوگوں اور فنکاروں (جن میں ہماری مائیں اور بہنیں بھی شامل ہیں) نے خونِ جگر سے سینچ کر رکھوالی کی اور سارا سرمایہ

شاید بہت جلد فلمی اور باقی قسم کے گیتوں کے طوفان
میں پامال اور فنا ہو جاتا اگر جناب محمد یوسف ٹینگ
صاحب راقم کو اُنہیں جمع کرنے کی تحریک نہ دیتے اور
مجھے اِس مالا کو پرونے کے لئے سوئی اور دھاگہ اپنے
ہاتھوں میں لینے کی سعادت نصیب نہ ہوتی۔ نہ جانے
ہمارے گُلستانِ ادب کے کتنے پھول پھر بھی آج سے
قبل ہماری لاپرواہی، غفلت اور مجبوری کے دورِ خزاں
نے نیست و نابود کر دئے ہوں۔''

اِس طرح ''ڈوڈہ ضلع کے کشمیری لوک گیت'' اُس تحقیق و تجسّس کا احساس دِلاتی ہے جس کا آغاز بشؔیر صاحب نے آج سے تقریباً چالیس سال پہلے کیا تھا۔ اُنھوں نے تحقیق کے لئے ایک ایسا انوکھا موضوع پسند کیا تھا جس پر اِتنے سال گزرنے کے بعد بھی اور کسی سے اِس نوعیت کا کوئی قابلِ ذِکر کام نہ ہو سکا۔ اِس کتاب میں کشمیری لوک ادب کی تقریباً جملہ اصناف شامل ہیں۔ بشؔیر بھدرواہی کی کشمیری نثر فصیح، تہہ دار اور عمدہ ہے، جس کو پڑھ کر شعر کی سی تاثیر پیدا ہوتی ہے۔ وہ سادہ اور غیر جانبدارانہ طرزِ نگارش کے قائل ہیں اور خوب سے خوب تر لفظی تصویریں بنانے میں مہارتِ تامہ رکھتے ہیں۔ زیرِ بحث کتاب کی صورت میں شاعرِ موصوف نے ایک عظیم ادبی کارنامہ بھی انجام دیا ہے۔

جہاں بشؔیر صاحب کی کشمیری نثر میں ایک عجیب سی مٹھاس موجود ہے وہاں اُن کی شاعری، زبان دانی اور کشمیر شناسی کے جوہر کی آئینہ دار ہے۔ نہ صرف کشمیری شاعری کے مزاج سے بخوبی آشنا ہیں بلکہ اُس کے تقاضوں کو پورا کرنے میں کوئی بھی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے۔ نامور شاعر، محقق، ادیب اور تنقید نگار پروفیسر مرغوب بانہالی، بشؔیر بھدرواہی کی شاعرانہ صلاحیتوں کا اعتراف کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

"یہ شریف النفس اور مخلص اِنسان رؔسا جاودانی کے بعد قابلِ توجہ کشمیری شاعروں میں سرِ فہرست ہے۔"

ایک اور محقق موہن لال آؔش اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"بشؔیر بھدرواہی کو کشمیری شاعری کی مکمل جانکاری حاصل ہے اور وہ ادب میں جدید رُجحانات کا بھی اچھا مطالعہ رکھتے ہیں۔ رسا جاودانی کے بعد بشؔیر بھدرواہی کو کشمیری غزل کا شہزادہ کہا جا سکتا ہے' جن کو نظر انداز کر کے ضلع ڈوڈہ کی سنگیت بھری دِلکش' فرحت بخش اور پُراثر شاعری یتیم سی ہو کر رہ جائے گی۔"

نامور اِنشا پرداز اور ناقد سعد اللہ شاؔد فرید آبادی کا کہنا ہے کہ:

"بشؔیر بھدرواہی نازک خیال شاعر اور منجھے ہوئے ادیب ہیں۔ وہ فنی نزاکتوں کے رمز شناس ہیں۔ اُن کے کلام میں نزاکتِ خیال' نکتہ آفرینی اور تہہ داری بھی پائی جاتی ہے۔ اُن کے اشعار میں سوزِ دروں بھی ہے اور لذتِ وصل کی شادکامی بھی۔ اِنسانی جذبات کو فنی چابکدستی سے اِس خوبصورتی کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ وہ کہیں اور سُنا کرے کوئی۔ کشمیری کے علاوہ اُردو میں بھی خوبصورت اشعار کہتے ہیں۔ بشیر اِس دور میں ضلع ڈوڈہ کے قد آور شاعر ہیں۔"

بھدرواہ کی اوّلین اُردو ادبی تاریخ "کہکشاں" کے مصنّف طالب حسین رؔند بھدرواہی نے اِن لفظوں میں شاعرِ موصوف کا تذکرہ قلم بند کیا ہے:

"بشؔیر بھدرواہی بہترین اخلاق کے حامل' شریف

الطبع اور شیریں بیان شخص ہیں۔ وہ اپنے سے چھوٹوں
اور بڑوں کے ساتھ ہمیشہ خندہ پیشانی سے ملتے ہیں۔
بشیؔر صنائی قدرت اور حُسنِ فطرت سے بہت متاثر
ہیں۔ اُردو اور کشمیری دونوں زبانوں میں اُن کی
تخلیقات معرضِ وجود میں آرہی ہیں۔ علاوہ ازیں
انگریزی میں شعر کہنے کا تجربہ بھی کیا ہے۔ گو اُن کی یہ
تخلیقات ابھی تک منظرِ عام پر نہیں آئی ہیں۔''

جانے مانے کشمیری شاعر' ادیب اور مورخ منشوؔر بانہالی نے اپنی کتاب ''جیمہ صوبس کاشُر زبان و ادبُک توارِیخ'' میں بشیؔر بھدرواہی کا تفصیلی ذِکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''یہ بھدرواہ کی وادیٔ فردوس سے تعلق رکھنے والے
کشمیری زبان کے ایک نامور وقد آور شاعر' ادیب و
تنقید نگار اور رسؔا جاودانی کے بعد اِس علاقہ کے نمائندہ'
قادرالکلام اور پیش رو شاعر و ادیب ہیں' جن کا ایک
خاص اور منفرد شعری انداز' لب و لہجہ اور لفظوں کی
اختراع ہے۔ اُن کا لہجہ نرم و شیریں ہے۔ رُومانی
دِلآویزی اُن کے کلام کا خاص وصف ہے۔''

اُن کی حیات اور شاعری پر بہت سے قلمکاروں اور ادیبوں نے مضامین تحریر کیے ہیں' جن میں رسول پونپُر' مشتاؔق فریدی' شہباز راجوروی' ڈاکٹر شہاب عنایت ملک' تنوؔیر بھدرواہی' فرید احمد فریؔدی اور راقم الحروف (اسیرؔ کشتواڑی) قابلِ ذِکر ہیں۔

بشیؔر بھدرواہی کا کشمیری مجموعۂ کلام ''گوشن ہندِ پوش'' ۱۹۹۸ء میں زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر منصہ شہود پر آیا تھا۔ اِس طرح کشمیری زبان میں لکھی گئی اُن کی شاعری

کا ایک خوبصورت اور موقر حصّہ محفوظ کرلیا گیا ہے۔ ''گوشنِ ہندءِ پوش'' کا مطلب بقول منشور بانہالی ''صحرا کے پھول'' ہے جب کہ محمد یوسف ٹینگ نے حبہ خاتون اور مہجور کے حوالے سے لفظ ''گوشن'' کو ''نظارہ'' سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی اُن کے نزدیک اِس کتاب کا نام ''پھولوں کا نظارہ'' ہے۔ ویسے بھی یہ شعری مجموعہ ہاتھ میں تھمتے ہی اپنی دِلکشی کے سبب ایک اِضطراب سا پیدا کرتا ہے۔ کتاب کا جیکٹ کور بھدرواہ کے خوبصورت پہاڑوں، سرسبز جنگلوں، دھان سے لہلہاتے کھیتوں اور دیگر قدرتی نظاروں کا لُبِ لُباب پیش کرتا ہے۔ ۱۳۹ صفحات پر مشتمل اِس کتاب میں ایک حمد، ایک نعتِ رسولؐ، ۵۴ غزلیں، ۷ نظمیں، ۴ مرثیے اور ۱۸ قطعات شامل ہیں، جن میں سے اکثر تخلیقات مقبول و مشہور رہیں۔ رسمِ اجرا کی پُر وقار تقریب پر بولتے ہوئے اُس وقت کے وزیرِ خوراک و ٹرانسپورٹ بشیر احمد کچلو صاحب (مرحوم) نے بشیر بھدرواہی کو ایک بڑا عوامی شاعر قرار دیتے ہوئے اُن کی کتاب کو کشمیری شاعری میں ایک اہم اِضافہ بتایا تھا۔ محمد یوسف ٹینگ کے لفظوں میں یہ کتاب کشمیری مین سٹریم کی ایک تصنیف ہے۔ میری نظروں میں بشیر بھدرواہی کی کشمیری شاعری اِنتہائی خوبصورت اور دِلآویز اور اُن کی شاعری کا مجموعہ کشمیری شاعری کے انمول خزانے میں کسی بیش قیمت گوہرِ آبدار سے کم نہیں ہے۔ کشمیری بولنے والے حلقوں نے اِسے ہاتھوں ہاتھ لے کر اِس کی مقبولیت کی توثیق کردی ہے۔

بشیر بھدرواہی صاحب نے اُردو نظم و نثر کی بھی گراں قدر خدمت کی ہے۔ چنانچہ پروفیسر ظہور الدین، سابقہ صدر شعبۂ اُردو جموں یونیورسٹی، اُن کی شاعری پر اِظہارِ خیال کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

> ''ایک اُردو شاعر کی حیثیت سے جموں خِطّے میں بشیر بھدرواہی کی شاندار خدمات رہی ہیں۔ وہ غزل، نظم اور قطعات لکھتے ہیں جو اُردو شاعری کی اعلیٰ خصوصیات

سے معمور ہیں۔ بشیرؔ اُردو شاعری کی روایت سے کافی
متاثر تھے۔ لہٰذا اُن کی کافی تخلیقات میں وہی مضامین
باندھے گئے ہیں جو صدیوں سے اُردو شاعری میں
برتے گئے ہیں۔ وہ پُرانے موضوعات کو نِرالے انداز
اور منفرد اسلوب کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ اِس ضمن
میں نظم ''تبسُم'' قابلِ ذِکر ہے۔''

بشیرؔ بھدرواہی کی اُردو غزل میں بھی رُومانیت اور حقیقت کا ایک خوبصورت اِمتزاج ملتا ہے۔ عام فہم زبان اور میٹھے میٹھے الفاظ اِستعمال کر کے وہ اپنی غزل کو دِلکش بنا لیتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی بحروں میں لاجواب غزل لکھنے کا فن اُنھیں خوب آتا ہے۔ اُن کی ایک اُردو غزل کے چند اشعار ملاحظہ ہوں

خِرد کی دُنیا سے جب بے اِختیار ہوتے گئے
راز ہائے عِشق ہم پہ آشکار ہوتے گئے

کِس نشاطِ آرزو میں اشکبار ہوتے گئے
پیرہن دستِ جنوں سے تار تار ہوتے گئے

ہم پرائے لگ رہے ہیں اپنے گُلشن میں بشیرؔ
کیوں حوادث ہم پہ ایسے باربار ہوتے گئے

....

بشیرؔ بھدرواہی صاحب کے اُردو مضامین تحقیق و تنقید سے اُن کی دِلی رغبت کی نشاندہی کرتے ہیں۔ شخصیات اور ادبیات پر اچھے معلوماتی مضامین لکھتے ہیں۔ یہ مضامین اور مقالے معیاری رسائل و جرائد اور کُتب کی زینت دوبالا کرتے رہتے ہیں تاہم ابھی تک اُن کے اُردو اور کشمیری مضامین کا کوئی بھی الگ مجموعہ شائع نہیں ہوا ہے۔

بھدرواہی صاحب ایک خاموش ادبی کارکن ہیں۔ اِس پیرانہ سالی میں بھی جس اِنہماک کے ساتھ مطالعۂ کتب کرتے ہیں وہ نوجوانوں کے لئے باعثِ رشک ہے۔

زیرِ نظر کتاب کسی محبِ وطن سپوت کی جانب سے اپنے وطنِ مالوف کے لئے ایک نادر اور قیمتی تحفہ ہے۔ ''بھدرواہ کی تاریخ وثقافت'' کا مسودہ جب بشیرؔ صاحب نے میرے سامنے رکھا تو میں فہرستِ ابواب کو دیکھ کر ہی ششدر سا ہو کر رہ گیا اور مجھے اندر ہی اندر اپنی سُستی اور کم تری کا احساس بھی ہونے لگا۔ عمر کے ایسے موڑ پر جب کہ اِنسان تساہل پسندی، راحت طلبی اور خود فراموشی وفرار جیسی کیفیات سے ہم کنار ہوتے ہوئے اپنے نوش وطعام تک کی اہم ضروریات سے کنارہ کش ہونا چاہتا ہے، بشیرؔ صاحب نے ایک پُرعزم، باہمت، محنت کش اور سخت جان قلم کار ہونے کے ناتے گزشتہ کئی سال کی مسلسل تحقیق کے بعد اِس موقر اور معتبر دستاویز کو قلم بند کر کے ایک اہم تاریخی کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ اِتنا بڑا کام کرنے کے باوجود بشیرؔ بھدرواہی کسی بھی طرح ناز وفخر نہیں کرتے بلکہ بڑی عاجزی کے ساتھ کہتے ہیں کہ میں نے جو کچھ لکھا ہے اِسے دیکھ کر قارئین خود اندازہ لگائیں کہ میں نے کیا لکھا ہے۔ ورنہ آج کسی تخلیق کار کی کوئی تخلیق چھپ جاتی ہے تو وہ پورے شہر میں اُس کا ڈھنڈورہ پیٹنا شروع کرتا ہے۔

پہلی نظر میں یہ ضخیم کتاب قاری کو مرعوب کرتی ہے مگر جب اِس کا مطالعہ کرنے لگتے ہیں تو پتہ ہی نہیں چلتا کہ صفحوں کے صفحے کیسے آناً فاناً ختم ہو جاتے ہیں۔ پھر جی کرتا ہے کہ پوری کتاب کو ایک ہی نشست میں پڑھ لیا جائے۔ یہی وہ فنی اور لسانی خوبی ہے جس کی بِنا پر کسی کا دِل اُکتانے کے بجائے لحظہ بہ لحظہ خوش ہو جاتا ہے۔ کتاب کا ایک دِلچسپ منظر نامہ پڑھ کر دُوسرے کو پڑھنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ پھر وہ گھڑی آجاتی ہے جب پوری کتاب کا مطالعہ اِختتام کو پہنچ جاتا ہے۔ علم وآگہی کے دریچے کُھل جاتے ہیں اور کسی بھی طرح کی تکان نہیں ہوتی۔ ساتھ ہی ساتھ اِس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ مصنِّف نے کتنی دیدہ ریزی سے کام لیا ہے۔ مواد تلاش کرنے میں

اُنہوں نے کہاں کہاں کی خاک چھان لی ہے اور زبان و بیان پر اُن کو کتنی قدرت حاصل ہے۔ ایک اُستاد ہونے کے ناتے صاحبِ موصوف نے پوری تحقیق کے بعد ہی یہاں کی ارضیاتی، سیاسی، ثقافتی اور ادبی تاریخ کے مختلف گوشوں کو اُجاگر کرتے ہوئے واقعات کا خاکہ مکمل کیا ہے، گو کہ تاریخ نویسی ایک نازک بلکہ نازک ترین معاملہ ہوتا ہے۔ پوری کتاب کو غیر جانبدارانہ ڈھنگ سے مرتّب کیا گیا ہے اور خود ایک راوی کی مانند پردے کے پیچھے سے ہی رُودادِ زمانہ بیان کر کے نئی نسلوں کو ماضی اور حال کی پوری جانکاری فراہم کر رہے ہیں۔ ہمالیائی ریاستوں کے تناظر میں لکھی ہوئی اِس مبسوط کتاب کو غیر منقسم ضلع ڈوڈہ کی تازہ ترین اور مفصل سیاسی و ثقافتی تاریخ قرار دیتے ہوئے میں پورے وثوق سے کہوں گا کہ ''بھدرواہ کی تاریخ و ثقافت'' ریاست جموں و کشمیر میں لکھی گئی تواریخی کُتب میں کافی اہم ثابت ہوگی، جسے مصنّف نے عصری تاریخ کے حوالہ سے بِلا خوف و خطر ایک تدریجی انداز میں قلم بند کر کے اِس موضوع پر آئندہ قلم اُٹھانے والے اسکالروں، محققین اور مورخین کے لئے راہ ہموار کی ہے۔ اِس معتبر تاریخ سے علم وفن کی نہ جانے کتنی اور قندیلیں روشن ہوں گی، یہ اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔

''بھدرواہ کی تاریخ و ثقافت'' کو اُستوار بنیادوں پر قلم بند کرنے کے لئے بشیر بھدرواہی نے چھیاسٹھ کتابوں اور مواخذ سے اِستفادہ کیا ہے۔ بھدرواہ کی تاریخ کو ریاست جموں و کشمیر کی تاریخ بلکہ ہمالیائی ریاستوں کی تاریخ سے جوڑ کر مورخ نے اپنی تاریخ کی اہمیت اور افادیت بڑھا دی ہے۔ اِس میں تاریخ و ثقافت کے موضوع پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ یہ ایک ٹورسٹ گائیڈ سے کہیں زیادہ معلوماتی کتاب بھی ہے جس میں اِس علاقے کے خوبصورت گوشوں اور دِلکش مقامات کے علاوہ ٹریکنگ اور سیاحتی راستوں کی نشاندہی کی گئی ہے، جو سیاحوں کی دِلچسپی کے بڑے بڑے مراکز کے طور پر سیاحتی نقشہ پر لائے جا سکتے ہیں۔ کتاب کا یہ حصّہ سیاحتی سرگرمیوں کے فروغ کے لئے ایک کلیدی رول ادا کر سکتا ہے۔ مصنّف کی طرزِ نگارش تاریخی واقعات اور

ثقافتی منظرنامے کی خوبصورتی میں نمایاں اِضافہ کرتی ہے۔ دیش بدیش کے قلم کاروں کے رُشحاتِ قلم کو ماہرانہ انداز میں پیش کر کے اِس تاریخ کی ماہیئت اور وُسعت کا دامن نمول معلومات سے بھر دیا ہے۔ جامع طور پر تمام چھوٹی بڑی تفصیلات کو ایک ہی کتاب میں سمونا مصنّف کی فنکارانہ مہارت کی روشن دلیل ہے۔ الفاظ وتراکیب کا اِنتخاب قابلِ توجہ ہی نہیں بلکہ قابلِ قدر بھی ہے۔ کتاب کے لئے مواد تلاش کرنا ایک مشکل کام ہے۔ اُس مواد کو اپنے منفرد انداز میں سمیٹنا اُس سے بھی مشکل ہے اور پھر کتاب شائع کرنے کے بعد قارئین کی کج ادائیوں کو سہنا بھی بہت دِل شکن مرحلہ ہوتا ہے۔ لہٰذا صاحبِ کتاب بننا پریشانیوں کو دعوت دینے کے مترادف ہوتا ہے۔ شاید اِسی تناظر میں حضرت علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے ؎

خُدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کردے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اِضطراب نہیں
نہیں ممکن کتاب سے فراغ تجھے کہ تُو
کتاب خواں ہے مگر صاحبِ کتاب نہیں

....

''بھدرواہ کی تاریخ وثقافت'' کو ارضیاتی تاریخ، تاریخِ بھدرواہ دورِ قدیم، بھدرواہ کی ثقافتی تاریخ اور متفرق معلومات کے چار بڑے بڑے حِصّوں میں منقسم کیا گیا ہے۔ پہلے حصّے کو نو (۹)، دُوسرے حصّے کو آٹھ (۸)، تیسرے کو سات (۷) اور چوتھے حصّے کو پانچ (۵) ابواب میں بانٹ کر تفصیلات فراہم کی گئی ہیں۔ حِصّہ اوّل کے باب اوّل میں غیر منقسم ضلع ڈوڈہ کو قدیم ہمالیائی ریاستوں کے تناظر میں پیش کرتے ہوئے بھدرواہ کا ارضیاتی پس منظر، حدودِ اربعہ، بھدرواہ کی جاگیر کی آبادی، وادیٔ بھدرواہ کی قدیم راجدھانی، محلِ وقوع، بھدرواہ قدیم تذکروں اور سفرناموں میں، بھدرواہ طبعی اور ارضیاتی تبدیلیوں کے تناظر میں، بھدرواہ کی قدیم اِنتظامی اکائیوں یا

تھڑوں، بھدرواہ کے دریا اور ندی نالوں وغیرہ کا ذِکر کیا گیا ہے۔ جب کہ باب دوم میں مملکتِ بھدرواہ کی آب و ہوا، موسموں، پیداوار اور خوراک، میوؤں اور پھل پھول، جنگلات، جنگلی جڑی بوٹیوں، پالتو اور جنگلی جانوروں اور پرندوں کے بارے میں معلومات درج ہیں۔ باب سوم میں مملکتِ بھدرواہ کے قدیم و جدید راستوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔ باب چہارم قصبہ بھدرواہ سے متعلق ہے جس میں بیرونی سیاحوں کے حوالے سے موجودہ قصبہ کے محلوں اور گلی کوچوں کی تفصیلات اور پیداوار، گھریلو دھندوں، سڑکوں اور راستوں، لوگوں کے پیشوں، نمائندہ گاؤں، سرکاری دفتروں، تحصیل ہیڈ کوارٹر گندو، بھلیس کے مختلف علاقوں اور دھاروں کی تصویر کشی ہوئی ہے۔ چھٹے باب میں مرمت گلیان یا وادئ کھسال کو متعارف کرتے ہوئے اِس علاقے کے حدود، خدوخال، آبادی، پیداوار، قابلِ دید جگہوں، ندی نالوں، سڑکوں اور راستوں وغیرہ کا تذکرہ ہوا ہے۔ ساتویں باب میں تحصیل ٹھاٹھری کی تشکیل، وہاں کے صدر مقام ٹھاٹھری کی وجہ تسمیہ، آبادی، حدودِ اربعہ، جنگلواڑ اور کانڈوت کی تاریخی اہمیت، قابلِ دید مقامات، لوگوں اور اُن کے پیشوں سے متعلق مکمل حالات قلمبند کئے گئے ہیں۔ آٹھویں باب میں وادئ کیلاڑ کو متعارف کرایا گیا ہے جو وادئ بھدرواہ کا ایک اور اہم اور خوبصورت علاقہ ہے۔ نواں باب سیاحتی سرگرمیوں کے زریں دور سے متعلق ہے جس میں بھدرواہ کے قابلِ دید صحت افزا مقامات مثلاً کوہِ کیلاش، کیلاش کُنڈ، سیوج دھار، جائی دھار، وادئ چنتہ، سبھار دھار، پھُکلانی دھار، علاقہ اُٹھکھار، سرتنگل، کھنی ٹاپ، گرڈنڈی دھار، پدری دھار، بھال پدری، سونگلی کیلاڑ، کھلینی، راک گارڈن بھالا، گاٹھ جھیل، تیلی گڑھ، چابڑہ اور اٹال گڑھ پارک وغیرہ کا بہترین لفظوں میں تعارف کرایا گیا ہے۔ کتاب کو صحت افزا اور خوبصورت مقامات کی تصاویر سے بھی مزیّن کیا گیا ہے۔

حِصّہ دوم کے پہلے باب میں قبل از تاریخ سے پال راجوں کے دور تک کی تاریخ موجود ہے۔ اِس ضمن میں بھدرواہ کی وجہ تسمیہ، ہمسایہ ہمالیائی ریاستوں کے

تناظر میں تاریخِ بھدرواہ کے اِبتدائی نقوش جیسے اہم نکات اُبھارے گئے ہیں۔ دُوسرے باب میں مملکتِ بھدرواہ کے قدیم حکمرانوں، ڈیبری کوٹھی کا ناگپال، راجہ جوبھ ناتھ اور سورما ورمن اور اُستادیو کا اجمالی ذِکر کئے جانے کے ساتھ ساتھ راجگانِ ڈونگانگر کے شجرۂ نسب، خاندانِ بلاوریہ کا تعارف، معتبر تاریخ بھدرواہ کی شروعات اور کانڈوت ایک اہم تاریخی مقام جیسے موضوعات پر بات کی گئی ہے۔ تیسرے باب میں راجہ ناگ پال اوّل سے لے کر راجہ پہاڑ چند (۱۸۱۰ء تا ۱۸۲۱ء) تک کُل ملاکر اُنیس راجگانِ بھدرواہ کے ادوارِ حکومت کے حالات تفصیل کے ساتھ تحریر ہوئے ہیں۔ یہ باب بھدرواہ کی اصلی سیاسی تاریخ کا دِل ہے۔ اِس کے ساتھ دیگر انمول معلومات کا اِضافہ کرکے تاریخ وثقافت کے ابواب ترتیب دئے گئے ہیں۔ بہ الفاظِ دیگر یہی حِصّہ ایک خودمختار مملکتِ بھدرواہ کی مکمل داستان ہے۔ چوتھا باب بھدرواہ پر بیرونی حملوں اور دیگر راجگان کے حالات پر مشتمل ہے۔ اِس میں بھدرواہ مملکت کا چمبہ کے ماتحت آنے اور راجہ چڑھت سنگھ سے لے کر سری سنگھ اور پراکرم سنگھ یعنی ۱۸۲۱ء سے ۱۸۴۵ء تک کے سیاسی حالات تفصیلاً لکھے گئے ہیں۔ پانچویں باب میں اہلِ اِسلام کی ڈوڈہ خِطّہ اور بھدرواہ میں آمد کا ذِکر آیا ہے۔ اِس ضمن میں نہ صرف بھدرواہ بلکہ پوری ریاست میں مذہبِ اِسلام کے پھیلاؤ اور عہدِ سلاطین، چک دور، مغل دور، سکھ دور، مبلغِ دین حضرت شاہ محمد فریدالدین بغدادیؒ کی کشتواڑ تشریف آوری، افغان دور اور ڈوگرہ دور کی تاریخ مختصراً رقم ہوئی ہے۔ نیز بھدرواہ کے شاہی راجواڑے کا ایک نقشہ پیش کر کے قاری کے ذہن میں اِس قدیم مملکت کا صحیح تصوّر اُبھارنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔ آٹھویں باب میں مہاراجہ گلاب سنگھ کے عہدِ حکومت میں رسم بیگار کی تبدیلی اور مہاراجہ رنبیر سنگھ کی تاج پوشی کے ذِکر کے ساتھ ساتھ مملکتِ بھدرواہ میں راجہ محمد تیغ سنگھ کی آمد، والیٔ افغانستان شاہ شجاع کی کھلینی میں تشریف آوری جیسے تواریخی اہمیت کے واقعات کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔ ساتویں باب میں ''بھدرواہ بطورِ جاگیر ڈوگرہ

حکمرانوں کے تحت'' کے عنوان سے راجہ امر سنگھ، مہاراجہ پرتاپ سنگھ اور مہاراجہ ہری سنگھ کے عہدِ حکومت کے دوران عوامی دلچسپی کے حالات پڑھنے کو ملتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ ۱۹۳۰ء میں ریاست جموں و کشمیر میں بھدرواہ کے ادغام، ریاست میں تحریکِ آزادی کی اِبتدا، پرجا سبھا کے قیام، مُسلم کانفرنس کے قیام، آل جموں و کشمیر نیشنل کانفرنس کے قیام، چودھری غلام عباس اور شیخ محمد عبداللہ کی سیاسی رسّہ کشی، برِ صغیر میں فرقہ وارانہ فسادات، شیخ محمد عبداللہ بطور نامزد وزیرِ اعظم، بھدرواہ فرقہ وارانہ فسادات کی لپیٹ میں وغیرہ وغیرہ سیاسی اور سماجی اِنقلاب کا اِختصار کے ساتھ ذِکر ہوا ہے۔ آٹھواں باب عوامی دورِ حکومت (۱۹۴۷ء سے ۲۰۰۹ء) کا احاطہ کیے ہوئے ہے جس میں شیخ محمد عبداللہ سے لے کر عمر عبداللہ تک کی حکومتوں کے احوال بیان ہوئے ہیں۔ اِس دور میں شخصی راج کے بجائے عوامی راج قائم ہونے کے ساتھ ساتھ وادی میں عسکری تنظیموں کی سرگرمیوں اور ڈوڈہ خطّے پر اُن کے منفی اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ دور دِل دہلانے والے واقعات کی یاد دلاتا ہے اور قاری کو اُن خطرات اور مُشکلات کا بھرپور احساس ہوتا ہے جن سے گزشتہ بیس یا تیس برس سے یہاں کے عوام دوچار ہیں۔ اِس باب میں ریاست جموں و کشمیر کے تازہ ترین تاریخی واقعات کا خاکہ کھینچا گیا ہے۔ اِس لئے اِس کتاب میں اِس کی اپنی ہی ایک اہمیت ہے۔

حصّہ سوم بھدرواہ کا ایک اِنتہائی خوبصورت ثقافتی منظرنامہ پیش کرتا ہے۔ مصنّف نے اِس موضوع پر ایک ایکسپرٹ ہونے کے ناتے نہایت اہم تفصیلات فراہم کر کے اپنی تاریخ کی افادیت میں نمایاں اِضافہ کیا ہے۔ باب اوّل بھدرواہ کے لوگوں کے رہن سہن، لباس، زیورات، خوراک، قبیلوں، مذاہب اور فرقے و ذاتوں سے متعلق ہے، جب کہ باب دوم رسم و رواج مثلاً شادی، پیدائش، آخری رسومات، لوک عقائد وغیرہ کی وضاحت کرتا ہے۔ میلوں، یاتراؤں، تہواروں، لوک ناچوں اور تیرتھوں کا خاص تذکرہ حصّہ سوم کے تیسرے باب میں ایک خوبصورت پیرائے میں کیا گیا

ہے۔ اِن میلوں اور تہواروں میں میلہ پٹ، میلہ دھار کنچو تھ، دھرم دیوس وغیرہ کا خصوصی ذِکر ہوا ہے۔ نیز کیلاش یاترا، ڈھکو ناچ، ڈھولک ناچ اور گھورائی ناچ کے بارے میں بھی خاطر خواہ مواد فراہم کیا گیا ہے۔ باب چہارم فنونِ لطیفہ کے بارے میں ہے۔ مصنّف نے بڑی محنت کے ساتھ بھدرواہ کی سنگتراشی، مجسمہ سازی، فنِ مصوّری، پینٹنگ، فنِ تعمیر، فنِ موسیقی اور مشہور سنگیت کاروں اور گلوکاروں کے بارے میں بیش قیمت معلومات شاملِ کتاب کی ہیں۔ باب پنجم شعروادب کی انمول تاریخ کا مختصر خاکہ پیش کرتا ہے۔ اِس میں لسانی منظر نامہ قابلِ توجہ ہے۔ پھر بھدرواہی زبان وادب، اُردو زبان وادب، کشمیری زبان میں شعری، نثری اور تحقیقی ادب کے ذیل میں کئی بنیادی باتوں کی وضاحت ہوئی ہے۔ بھدرواہ کے جن اہم شعرا اور ادباء کے بارے میں رائے زنی کی گئی ہے اُن میں رسا جاودانی، احقر بھدرواہی، وفا بھدرواہی، کنول نین نگہت، طالب حسین رند، ساغر صحرائی، پروفیسر محمد اسد اللہ وانی، تنویر بھدرواہی وغیرہ کے نام خاص طور پر نمایاں ہیں۔ اِسی باب میں ادبی وثقافتی تنظیموں اور مختلف زبانوں میں تخلیق شدہ ادب کی بھی ایک خوش آئندہ طریقے سے بات ہوئی ہے۔ باب ششم قلعہ بھدرواہ اور قلعہ اٹال گڑھ کی تاریخی اہمیت بیان کرتا ہے۔ باب ہفتم بھدرواہ کی مسجدوں اور مندروں کا ایک دِلکش منظر پیش کرتا ہے۔ فاضل مورخ نے اِس باب کو تشکیل دینے میں کچھ زیادہ ہی مغز سوزی کی ہے۔ چھوٹی سے چھوٹی مسجد یا چھوٹے سے چھوٹا مندر بھی اُس کے قلم کی گرفت سے نہ بچ سکا ہے۔ یہ باب اِعتقادی اور مذہبی زاویہ ہائے نظر پر بھی کافی روشنی ڈالتا ہے۔ علاقہ بھدرواہ کی مشہور ومعروف زیارت گاہوں کا حال پڑھتے ہوئے قاری کو ایک رُوحانی سکون ملتا ہے۔

آخری اور چوتھے حصّے میں بھدرواہ میں تعمیر وترقی کی صورتِ حال درج کی گئی ہے۔ پہلے باب میں مملکتِ بھدرواہ میں تعلیمی پیش رفت پر بات کرتے ہوئے ڈوگرہ راج اور عوامی راج میں اُٹھائے گئے ٹھوس اقدامات کی نشاندہی کی گئی ہے اور

دُوسرے باب میں پاور ہاؤس سرتنگل اور بجلی کے نئے منصوبوں کا ذِکر کیا گیا ہے' جب کہ تیسرے باب میں جموں وکشمیر میں قانون ساز اداروں کا ارتقاء دِکھایا گیا ہے۔ یہ باب ۱۹۳۴ء سے ۲۰۰۹ء کے طویل دور پر محیط ہے۔ چوتھا باب بھدرواہ کے سب سے بڑے فوجی اڈے کو متعارف کراتا ہے۔ پانچواں اور آخری باب بھدرواہ کی متعدد شخصیات سے متعلق ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اِس باب میں زراعت' دیہات سُدھار' ڈرگ کنٹرول' حیوانات و پشو پالن' آر اینڈ بی' صحت و خاندانی بہبودی' یوتھ سروسز اینڈ سپورٹس جنگلات' پولیس' سماجی بہبودی جیسے اہم محکمہ جات میں کام کرنے والے کارندوں اور افسران کو متعارف کرایا گیا ہے۔

مجھے طوالت سے دامن بچاتے بچاتے بھی یہ تقریظ مکمل کرنے میں کئی صفحات کا سہارا لینا پڑا جو اِتنی عمدہ' شاندار اور ضخیم کتاب پر بات کرنے کے لئے میری مجبوری تھی۔ اِس کامیاب کتاب کی اِشاعت ایک تاریخ ساز قدم ہے۔ میں مصنّف کو دِلی مبارک باد دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے اُن کی صحت وتندرستی اور عمر درازی کے لئے صدقِ دِل سے دُعا کرتا ہوں اور یہ بھی کہ ''بھدرواہ کی تاریخ وثقافت'' بشیرؔ بھدرواہی صاحب کی عزت اور شہرت میں اِضافہ کرے۔ آمین!

۴مئی ۲۰۱۰ء

ولی محمد اسیرؔ کشتواڑی
مکان نمبر: ۳' گلی نمبر: ۸
فردوس آباد' سنجواں روڈ'
جموں

اِظہارِ تشکّر

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ جس کی کرم فرمائی سے مجھ جیسے ''فرومایہ'' اِنسان کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ میں تحقیقی راہوں کی صبر آزما اور پُرکوفت مسافت طے کرنے کے بعد آج اپنے وطنِ عزیز کی ایک خوبصورت، ممتاز مگر پسماندہ ترین مملکت ''بھدرواہ'' کے پردۂ اخفاء میں پڑے ہوئے تواریخی، ثقافتی اور ارضیاتی گنجینوں کو معتبر تواریخی مواخذ کی عدم دستیابی کے باوجود کسی حد تک کھنگال کر ایک کتابی صورت میں اُسے ''بھدرواہ کی تاریخ و ثقافت'' کے نام سے قارئین حضرات اور فنِ ارضیات اور تواریخ و ثقافت سے دِلچسپی رکھنے والے محققین اور شیدائیوں کے سامنے پیش کرنے کی جسارت کرتے ہوئے، اپنے کندھوں سے وہ بوجھ اُتارنے میں فخر محسوس کر رہا ہوں جس کا میری جنم بھومی مجھ سے عرصۂ دراز سے تقاضہ کر رہی تھی۔ میں نے اِس کتاب کو قلم بند کرتے وقت اُن تمام راہنما اصولوں کو مدِ نظر رکھنے کی کوشش کی ہے جن کا یہ فن مقتضی ہے۔ پچھلے دس سالوں کی مسلسل تحقیق کے دوران ہر وقت میری خصوصی توجہ حق گوئی، رواداری، دیانتداری اور غیر جانبداری کی روایات پر مرتکز رہی ہے۔ اِس لئے اِس کتاب میں مندرج واقعات اور حوادث کے علاوہ یہاں کے مقامی سطح پر مروج ثقافتی، سماجی اور مذہبی عقائد اور روایات کا ''اسطوری رنگ روپ'' برقرار رکھنے کی کوشش کی گئی ہے، جس کی کچھ جھلکیں قارئین کو یہاں کے قدیم ناگ عقائد، رسومات اور ثقافت کے مختلف پہلوؤں میں صاف طور پر دِکھائی دیں گی۔ مذہبِ اِسلام کے وُرُود کے بعد نئی تہذیب و تمدن کی فضا قائم ہونے کے باوجود یہاں کے قدیم ادوارِ تاریخ کے ''دیو مالائی واقعات'' اور ''اسطوریاتی کردار'' لوگوں کی اِجتماعی لاشعور کے تہہ خانوں

میں ابھی بھی تروتازہ ہیں۔ خاص طور پر ''ناگ اسطوریات'' یہاں کی تاریخ وثقافت اور لوک ادب سے کبھی جدا نہیں کیے جاسکتے۔ بقولِ پروفیسر ٹھاکور اُودھے چند ''لوگ اُنہیں سچائی کے طور پر تسلیم کریں یا پھر تاریخ کے اساطیری قصوں کے طور پر........لیکن ایک بات صاف ہے کہ روایت کو آسانی سے رد نہیں کیا جاسکتا۔''[1] فوقؔ صاحب کے مطابق ''جس قوم کی اپنی تاریخ نہ ہو وہ مُردہ ہے۔ اُس قوم کی باعزت زِندگی کی ہم توقع نہیں رکھ سکتے۔''[2] اِس قسم کے چیلنج کے تحت بھی ''مملکتِ بھدرواہ'' کی ایک ایسی منفرد؛ مستند اور جامع تاریخ کی ضرورت محسوس کی جاتی رہی جو اُس کی قدیم وجدید ارضیاتی' تواریخی اور ثقافتی نسخوں کی محافظ ہوتے ہوئے' عصرِ جدید کے تمام تقاضوں کو پورا کرے اور معتبر تواریخی اور یادگاری دستاویزات کے حوالوں سے تہذیبی سفر کی اُن گم شدہ کڑیوں کو جوڑ جوڑ کر تحقیقی قندیلوں سے روشن کرے جو آج تک پردۂ راز میں یا تاریخ کے بکھرے ہوئے اوراق میں قصہ پارینہ بن کر اپنا وجود کھو رہی ہوں۔ ایسی تاریخ کی کمی اور تشنگی کے شدید احساس نے راقم الحروف کو تلاش وجستجو کے ایک لامتناہی سلسلہ کی طرف آمادہ کیا' جس کا ثمرہ آج اِس کتاب کی صورت میں قارئین کے سامنے ہے۔ اب اِنشاءاللہ بھدرواہ کے غیور لوگوں کو آئندہ سُبک سر ہوکر یہ طعنہ نہیں سہنا پڑے گا کہ اُن کی اپنی الگ سے کوئی جامع تاریخ موجود نہیں!

پنڈت کلہن کے بعد' یورپی سیاحوں میں جن قلمکاروں نے اپنے سفرناموں یا یادداشتوں میں مُملکتِ بھدرواہ یا راجواڑہ شاہی بھدرواہ کا تاریخی یا ارضیاتی حوالے سے ذِکر کیا ہے' اُن میں فریڈرک ڈریو' جی.ٹی.وائن' ووگل' ہچی سن اور چارلس ایلی سن بیٹس قابلِ ذِکر ہیں۔ اُن کے قلمی کارناموں کا سب مورخین نے اعتراف کیا ہے۔ اُن کی تحریروں نے ملحقہ راجواڑہ شاہیوں کے علاوہ بھدرواہ راجواڑے کی تاریخ کے

---

[1] کالج میگزین ''شاہین'' ۱۹۷۱ء ڈگری کالج بھدرواہ

[2] ''تاریخِ اقوامِ کشمیر'' محمد دین فوقؔ

خا کے قلم بند کرنے میں ایک کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ قارئین کو اِس کتاب میں بھی اُن کی تحریروں کے اِقتباسات کے حوالے مختلف ابواب میں محظوظ کریں گے۔ حالانکہ اُنہوں نے اپنی یاداشتیں اِس نیت سے قلم بند نہیں کی تھیں کہ وہ کسی زمانے میں اِن علاقوں کی تاریخ سازی میں اِس قدر معاون اور مفید ثابت ہوں گی۔

مذکورہ بالا مغربی سیاحوں کے علاوہ ماضیٔ قریب میں جن مورخین، محققین اور تذکرہ نگاروں نے اپنی کُتب یا رسائل میں راجواڑہ شاہی بھدرواہ کے بارے میں بھی کچھ واقعات کی تصویر کشی کر کے یہاں کی تاریخ و ثقافت کے لئے بڑی اہمیت اور اساسی نوعیت کا کام کیا ہے، اُن میں آنجہانی نرسنگھ داس نرگس، ٹھاکر کاہن سنگھ بلاوریہ، سُکھ دیو سنگھ چاڑک، جی۔ این۔ گنہار، مولوی حشمت اللہ خاں لکھنوی، شِو جی دھر اور عشرت کشتواڑی قابلِ ذِکر ہیں۔ عصرِ حاضر کے جن تذکرہ نگاروں یا مورخین نے اپنے پیشرو قلمکاروں کے حوالوں اور اپنی تحقیق کے بل بُوتے پر ہماری تاریخی اور ثقافتی میراث میں اچھے رنگ بھرے ہیں، اُن میں ڈاکٹر سُد ھیشور ورما، ڈاکٹر پریتم کرشن کول، پروفیسر ٹھاکور اُودھے چند، ولی محمد بٹ اسیرؔ کشتواڑی، نیک چند کوتوال، دُونی چند شرما، موہن لال آش، محمد اقبال سرتاجؔ (مرحوم) اور کچھ جوان قلمکاروں کے علاوہ کچھ ادبی تنظیمیں اور سرکاری محکمے بھی شامل ہیں۔ اِن تنظیموں اور اِداروں میں فریدیہ بزمِ ادب ڈوڈہ، اِقبال بزمِ ادب بھدرواہ، بھدرواہی سنستھا، جموں و کشمیر اکاڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لنگویجز اور محکمہ اِطلاعات ریاست جموں و کشمیر کی خدمات قابلِ تحسین ہیں۔ دورِ حاضر میں، تاریخ سازی میں ''میڈیا'' کے رول کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، خصوصاً اخبارات کو۔ راقم نے اِس کتاب کی تکمیل کے دوران متذکرہ بالا مصنفین یا اِداروں کی کُتب، رسائل اور تحریروں سے ضرورت کی حد تک اِستفادہ کیا ہے اور اِن کے علاوہ ریاست کے موقّر اخبارات اور جرائد، جن میں کشمیر ٹائمز، ایکسلسیئر، سٹیٹ ٹائمز، کشمیر عظمیٰ، صدائے کوہسار (ڈوڈہ)، گریٹر کشمیر، مِلاپ، جے۔ کے۔ رپورٹر، شیرازہ (اُردو) کلچرل اکاڈمی، ڈسٹرکٹ

پروفائل محکمہ اِطلاعات، ''انہار'' شعبۂ کشمیری (کشمیر یونی ورسٹی)' رسالہ ''بزم'' (اِقبال بزمِ ادب بھدرواہ)' رسالہ ''انجمن'' کشتواڑ، ''شاہین'' کالج میگزین بھدرواہ' اسکول میگزین ''کالگنی'' اور ''بھلیس'' وغیرہ سے بھی کافی حدتک اِستفادہ کیا گیا ہے۔

مذکورہ بالا مصنفین حضرات' اُن کی کُتب کے ناشران' رسائل اور اخبارات کے مدیران اور محکمہ جات کے متعلقہ آفیسر حضرات کا میں تہہ دِل سے شُکر گزار ہوں' جن کا فرداً فرداً ذِکر کرنے کے لئے اِس کتاب کے اِس حِصّہ کے اوراق اپنی تنگ دامنی کی وجہ سے نا مکتفی ہیں۔ تاہم کچھ ایسی شخصیات اور اہلِ قلم حضرات کا خصوصی طور پر ذِکر نہ کرنا بڑی قلمی بخیلی کے مُترادف ہوگا' جنہوں نے اپنی ذاتی تصانیف' تخلیقات یا رسائل و جرائد مرحمت فرمانے میں بڑی فراخ دِلی کا ثبوت دے کر مجھے اپنی ''میراثِ عظیم'' کے بکھرے ہوئے موتیوں کی شیرازہ بندی کرنے میں بڑے خلوص اور ہمدردی سے مدد فرمائی۔ اِن حضرات، میں جناب اسیر کشتواڑی' ڈاکٹر پریتم کرشن کول صاحب جیسے مورخین کے علاوہ نیک چند کوتوال صاحب کے اسماءسب سے پہلے سامنے آتے ہیں۔ اِن تذکرہ نگاروں کی متعدد تصنیفات کے حوالے' یہ کتاب پڑھتے ہوئے قارئین کی نظروں سے گزریں گے۔ اِس کے بعد میں پرنسپل ڈگری کالج بھدرواہ کا ممنون و مشکور ہوں' جنہوں نے کالج میگزین ''شاہین'' کے خصوصی نمبر ۱۹۷۱ءسے تاریخ' جغرافیہ اور ثقافت سے جُڑے ہوئے متعدد مضامین سے اِستفادہ کرنے کی اِجازت دی اور ساتھ ہی جناب غلام رسول چوگانی کا تہہ دِل سے اِظہارِ تشکُّر کرتا ہوں' جن کی کتب اور رسائل کے علاوہ کچھ نادر قلمی تحریروں سے اِستفادہ کرکے علاقہ بھلیس کے روز و شب شاملِ کتاب ہوسکے۔ علاقہ مرمت کے معروف سرپنچ جناب نذیر احمد وانی کا بھی شُکر گزار ہوں' جنہوں نے اپنے علاقے کے حوالہ سے کافی مواد اور معلومات بہم پہنچا کر کتاب کی تکمیل میں بڑا حِصّہ ادا کیا۔ بلاشک وشُبہ ''قطرہ قطرہ بہم شود دریا'' کے مصداق' مذکورہ تصنیفات اور دیگر واقعات اور معلومات کے حوالے کتاب کی مجموعی ہیئت اور اِس کی

افادیت میں قابلِ قدر اِضافہ کے باعث بنے ہیں۔ ''کتابیات'' کا باب ماخذِ کتاب کے طور اُن سب کتب وغیرہ کا اِحاطہ کئے ہوئے ہے جن سے مصنف نے اِستفادہ کیا ہے۔

مذکورہ قلمکاروں اور اِداروں وغیرہ کے علاوہ جن اصحاب نے تواریخی نوعیت کی کُتب یا مواد اپنے کتب خانوں یا دیگر لائبریریوں سے کھنگال کر راقم کو فراہم کیں، اُن میں عزیزم پرویز اِقبال خطیب، محترمہ بیگم فاطمہ آزاد، محترم محمد شفیع متو (بھلیس)، ڈاکٹر جاوید اقبال خطیب (پرنسپل)، محترم محمد اشرف زرگر، ڈاکٹر محمد اقبال خطیب، محترم ڈی.سی. منہاس (ایکس. ای. این. ریٹائرڈ)، ڈاکٹر فاروق احمد کچلو، محترم غلام نبی ترک اور محترم خاقان احمد ملک قابلِ ذِکر ہیں۔

اِس کتاب میں شامل کچھ فوٹو گراف بھدرواہ ڈویلپمنٹ اتھارٹی کے توسط سے جناب بشارت احمد شاپو اور عزیزم مقصود احمد خطیب نے فراہم کئے اور کچھ اسیر کشتواڑی صاحب کی تصنیفات اور دیگر رسائل اور اخبارات سے سکین کر کے شاملِ کتاب کیئے گئے ہیں۔ اِن سب حضرات اور رسائل کے مُدیران کا نہایت ہی ممنون اور شکر گزار ہوں۔ عزیزان عاکف اور عدنان کے لئے بھی دُعا گو ہوں جنہوں نے کچھ فوٹوگراف سکین کرنے میں میری مدد کی۔

بقول جناب محمد یوسف ٹینگ ''کسی علاقہ کی تواریخ کے ساتھ وہی شخص اِنصاف کرسکتا ہے جس کی جڑیں وہاں کی زمین میں گہری ہوں[1]'' یا ڈاکٹر رادھا کرشنن کے سُنہرے قول ''تم کہکشاؤں تک اُڑان بھرو لیکن پاؤں اپنی زمین سے ہرگز جُدا نہ ہوں'' پر عمل کرتے ہوئے راقم الحروف نے اپنی جنم بھومی کی طلب وجستجو کے بے سایہ بے نشان اور بے منزل خارزاروں میں، گہرے دُھندلکوں میں، کسی معتبر تاریخی مواد کی عدم موجودگی اور اپنی بے سروسامانی کے باوجود ایک مضبوط اِرادے سے یہ کتاب مرتب کی ہے، جس میں شامل واقعات کی نمود کا پس منظر بین الریاستی اور مُلکی تناظر میں

---

[1] بحوالہ ''شیرازہ'' اُردو شمارہ: ۴-۸، جلد: ۴۴

پیش کر کے یہاں کی تاریخ اور تمدن کو مربوط طریقے سے وسعت دینے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ یہ صرف قدیم مملکتِ بھدرواہ یا اِس کے اڑوس پڑوس کے علاقوں تک ہی مرتکز نہ ہو بلکہ جموں و کشمیر کے علاوہ دیگر سرحدی راجواڑوں اور ملک کی راجدھانی میں رُونما ہونے والی سیاسی، سماجی اور ثقافتی تحریکوں یا تبدیلیوں سے یہاں مرتب ہونے والے اثرات کی بھی پوری عکاسی کرے۔

ظاہر ہے کہ کسی بھی تحقیقی دستاویز کو کبھی حتمی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ محقق کا کام نہ کبھی پورا ہو سکتا ہے نہ ''بشری تقاضوں'' سے مُبرّا۔ تاریخ نویسی ایک مسلسل عمل ہے۔ اِس لئے کتاب کی کچھ فروگزاشتیں بھی واقعتاً تصحیح طلب ہوں گی، جن کی نشاندہی کرنا قارئین کا فرض ہے۔ تاہم توقع ہے کہ میری یہ حقیر سی پیشکش، جسے میں نے ہزاروں دُشواریوں کے باوجود اپنی بساط کے مطابق قلم بند کیا ہے، جہاں بھدرواہ نواسیوں کے لئے خوشی اور انبساط کا باعث ہوگی، وہیں نہ صرف قدیم ہمالیائی راجواڑہ شاہیوں اور دورِ حاضر کی ریاستی تاریخ، جغرافیہ اور ثقافت پر تحقیق کرنے والے اسکالروں، مقالہ نگاروں، اساتذہ کرام، طلباء وغیرہ کو بنیادی معلومات فراہم کرے گی بلکہ عام قارئین کے لئے بھی اِس کے ثقافتی، تہذیبی، سیاسی، ادبی اور تواریخی ابواب کی رنگارنگی اور بوقلمی باعثِ فرحت ہوگی۔ ممکن ہے کہ یہ حُسن کے شائقین اصحاب کو بھی دعوتِ نظارہ دے کر زندگی میں کم از کم ایک بار اِس دِل فریب وادی کی سیاحت کرنے کے لئے آمادہ کرے گی۔ سرکاری اور غیر سرکاری اِداروں، لائبریریوں اور نجی کتب خانوں کے لئے یہ ایک کارآمد اور مفید کتاب کے طور پر اِضافے کا باعث ہوگی۔

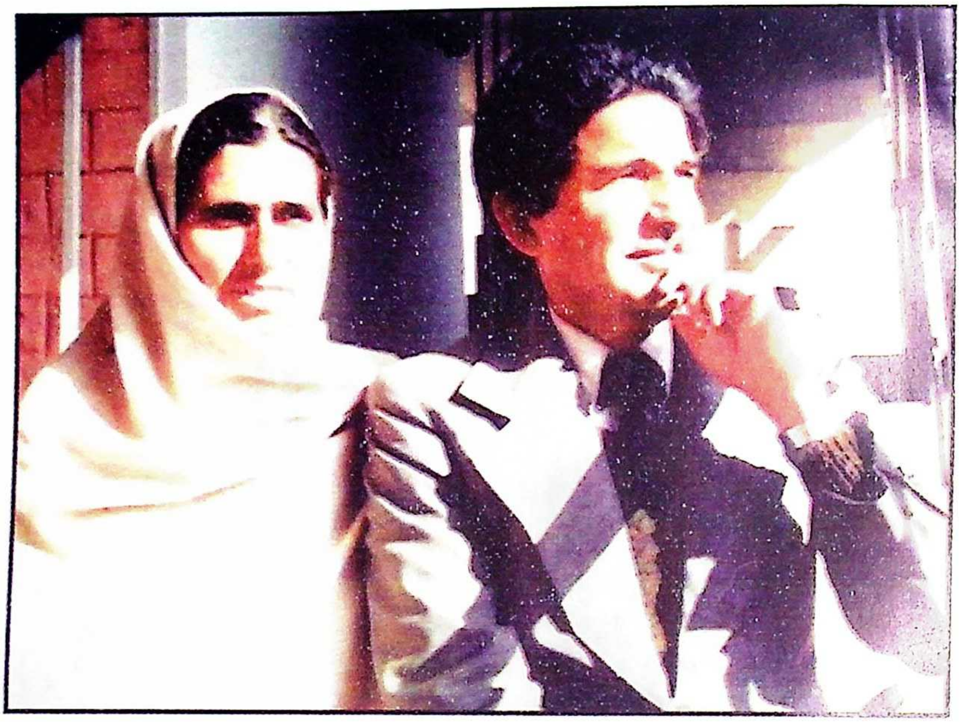
اپنے فرزندِ ارجمند ڈاکٹر جاوید اقبال کی اقبال مندی اور درازیٔ عمر کے لئے بھی دُعا گو ہوں، جس نے سبھاش چندر، نگہت خان، جگ جیون رام، جے کرن بھارتی، محمد عمر مختار قریشی اور اسرار احمد جیسے عالی ہمت ڈی.ٹی.پی. آپریٹروں سے اِس کتاب کی عمدہ طریقہ سے کمپوزنگ وغیرہ کروا کر اِسے اشاعت اور طباعت کے مختلف مراحل

سے گزارنے میں محنتِ شاقہ سے کام لیا اور اِس پروجیکٹ کی تکمیل کو یقینی بنایا۔ میری اہلیہ محترمہ عرشہ بیگم نے اِس تحقیقی عمل کے دوران حسبِ معمول جہاں بلند حوصلگی اور جذبۂ ایثار سے میری کتب، رسائل اور مسودات کی دیکھ ریکھ میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی، وہاں میری ذاتی زِندگی کے بہت سے کٹھن لمحات کو خوشگوار بنانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ اِس کتاب کی تکمیل میں اُس کے مثبت اور اہم رول کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

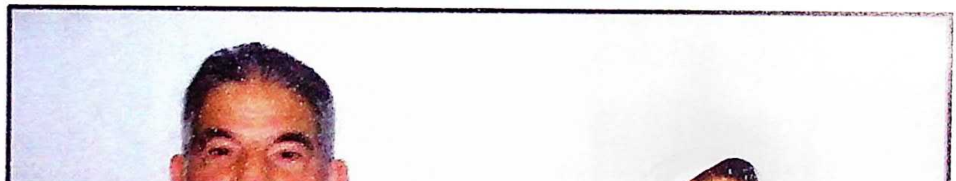
توقع ہے کہ قارئین کتاب کی ترتیب، اسلوبِ تحریر اور مواد کی رنگارنگی کو بھی پسند فرمائیں گے اور راقم کو اپنی بیش قیمت آراء سے نوازیں گے۔ آخر پر میں امین بنجارا جیسے بالغ النظر ادیب، محقق اور ناقد کا ممنون ہوں جنھوں نے اِس کتاب کے گرد پوش کے لیے اپنے بیش قیمت تاثرات تحریر کئے۔ پروفیسر فدا محمد حسنین اور اسیر کشتواڑی جیسے معتبر و معروف تاریخ دانوں کا بھی سپاس گزار ہوں، جن کی تحریر کردہ تقاریظ کو شامل کرتے ہوئے نہ صرف میری حوصلہ افزائی ہوئی بلکہ اِس تاریخی کتاب کی افادیت میں خاطر خواہ اِضافہ بھی ہوا۔ شکریہ!

۱۴رمئی ۲۰۱۰ء

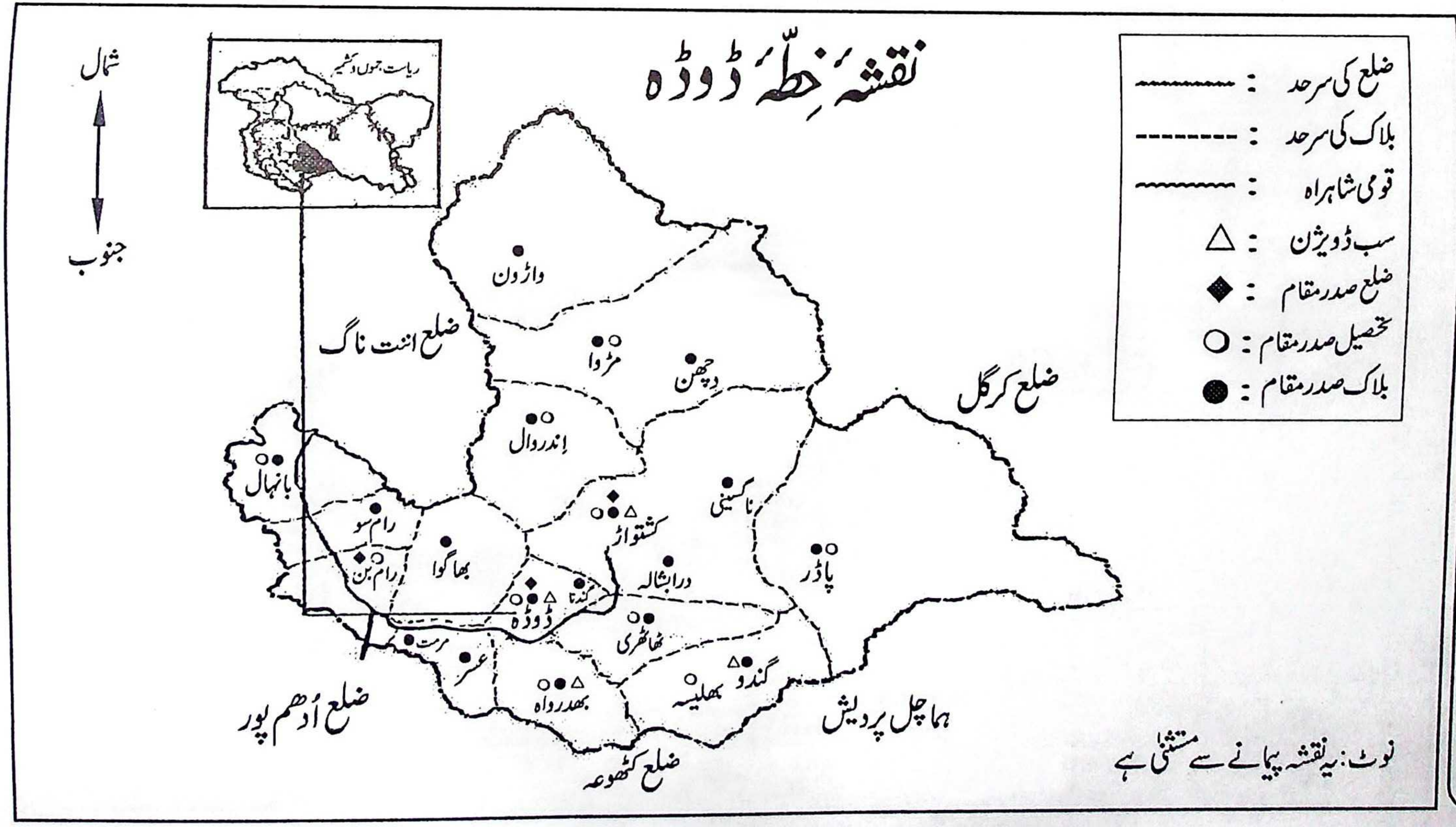
بشیر بھدرواہی



بشیر بھدرواہی اپنی اہلیہ محترمہ عرشہ بیگم کے ساتھ۔ ۱۹۸۰ء کی ایک یادگار تصویر



بشیر بھدرواہی اپنی اہلیہ محترمہ عرشہ بیگم کے ساتھ۔ ۲۰۱۰ء کے تصویری لمحات (فوٹو: عدنان)



نقشہ خطہ ڈوڈہ
ضلع کی سرحد :
بلاک کی سرحد :
قومی شاہراہ :
سب ڈویژن :
ضلع صدر مقام :
تحصیل صدر مقام :
بلاک صدر مقام :
ریاست جموں و کشمیر
شمال
جنوب
واڑون
مڑوا
دچھن
ضلع انت ناگ
ضلع کرگل
اندروال
بانہال
رام سو
رام بن
بھاگوا
کشتواڑ
ناگسینی
پاڈر
دراب شالہ
گندنا
ڈوڈہ
ٹھاٹھری
مرمت
عسر
بھدرواہ
گندو
بھلیسہ
ضلع ادھم پور
ضلع کٹھوعہ
ہماچل پردیش
نوٹ: یہ نقشہ پیمانے سے مستثنیٰ ہے

خطّۂ ڈوڈہ

دو قدیم ہمالیائی ریاستوں کے پسِ منظر میں

پسِ منظر:

ماہرین ارضیات نے ریاست جموں و کشمیر کو اس کے جغرافیائی خدوخال کے علاوہ موسمیات، آب و ہوا، تمدنی اور تاریخی پسِ منظر کو مدِ نظر رکھتے ہوئے چار بڑے خطّوں میں تقسیم کیا ہے۔ ان میں پہلا خطّہ وادیٔ سندھ کہلاتا ہے۔ اِس خطّے میں لداخ، کرگل کے علاقہ جات کے علاوہ پاکستان کے تحت آنے والا ریاست کا حصّہ شامل ہے، جسے آزاد کشمیر کہا جاتا ہے۔ دُوسرا خطّہ جہلم ویلی ہے، جو کشمیر کی پوری وادی پر مشتمل ہے۔ تیسرا خِطّہ بیرونی پہاڑی خطّہ ہے۔ اِس کو ہستانی یا پہاڑی حصّے میں ضلع ڈوڈہ، ضلع کشتواڑ اور ضلع رام بن کے علاوہ ضلع کٹھوعہ اور ضلع اُدھم پور کے سارے ہی پہاڑی سلسلے شامل ہیں۔ اِسے بیرونی ہمالیائی خِطّہ بھی کہتے ہیں۔ فریڈرک ڈریو نے اِسے درمیانی کوہستانی حصّے کے نام سے موسوم کیا ہے۔ چوتھا خِطّہ شوالک اور میدانی خِطّہ ہے، جس میں ضلع جموں اور ضلع سانبہ کے علاوہ اُدھم پور کے میدانی علاقے شامل ہیں۔

خِطّۂ ڈوڈہ کے شمال میں وادیٔ کشمیر کا ضلع اننت ناگ (اِسلام آباد) اور جنوب مغرب میں ہماچل پردیش کا علاقہ چمبہ آتا ہے۔ مشرق اور جنوب مشرق میں ضلع لداخ واقع ہے۔ یہ سارا ضلع دیہاتی آبادی اور پہاڑی علاقوں پر مشتمل ہے۔

''بیرونی ہمالیائی خطّے میں یہ خطّہ ۳۲ ڈگری ۵۳ اور ۳۴ ڈگری ۲۱ (شمالی ارض بلد) اور ۷۵ ڈگری ۱۰ اور ۷۶ ڈگری ۴۷ مشرقی طول بلد کے درمیان واقع ہے۔ ۱۱۶۹۱ مربع کلومیٹر رقبے کا احاطہ کیے ہوئے یہ لیہہ اور کرگل کے بعد سب سے بڑا ضلع ہے۔''[ا] اِس کے نشیبی علاقے سطح سمندر سے ۲۴۲۹ فٹ اور اس کی بلندو بالا چوٹیاں ۱۸۵۰۰ فُٹ تک کی اُونچائی کے درمیان واقع ہونے کی وجہ سے ضلع کی آب وہوا کو عام طور پر سخت سرد' کہیں تھوڑا گرم اور کہیں خوشگوار بنائے رکھتی ہیں۔ اِس کی سالانہ اوسط بارش صرف ۳۵ اِنچ رہتی ہے' جس وجہ سے اِسے خشک سالی سے متاثر ہونے والا علاقہ قرار دیا گیا ہے۔ یہاں کے کم اُونچائی والے علاقوں میں بارش یا برف کم اور زیادہ اُونچائی والے حصّوں میں زیادہ بارش اور برفباری ہوتی ہے۔ یہ سلسلہء پیر پنچال کا ایک اہم ترین خِطّہ ہے۔

دراصل زمانہ حال کا خِطّہَ ڈوڈہ قدیم زمانے میں بہ شمول علاقہ ڈینگ بٹل دو آزاد اور خود مختار ریاستوں پر مشتمل تھا' جس میں ایک ریاست کشتواڑ تھی' جو گیارہ پرگنوں یا اِنتظامی اکائیوں یعنی کشتواڑ خاص' ناگ سینی' پاڈر' مڑوہ' واڑون' دچھن' کونتواڑہ' سرتھل' زانسکار اور بونجواہ کے علاوہ ڈوڈہ' سراج اور بانہال پر مشتمل تھی۔ دُوسری قدیم ریاست بھدرواہ یا ''بھدروکاش'' کے خِطّے پر محیط تھی جس میں موجودہ تحصیل بھدرواہ' موجودہ تحصیل گندوہ (بھلیس)' موجودہ ٹھاٹھری اور موجودہ تحصیل ڈوڈہ کے مرمت' کھسال' گالیاں اور رگی کے علاوہ موجودہ تحصیل رام بن اور بٹوت کے علاقے بھی شامل تھے۔ مرمت کا علاقہ راجہ امرت پال (۱۵۷۵ء) والیء بسوہلی کی فرمانروائی میں رہا۔ کھسال کا علاقہ پرانے شجروں اور پُرانوں کے مطابق ایک اہم علاقہ رہا ہے' جو ایک زمانہ میں کشمیر کے حکمرانوں کے تابع بھی رہا لیکن زیادہ عرصہ تک یہاں کے مقامی حکمران کشمیر کے حکمرانوں سے مختلف قسم کی رعائتیں بھی حاصل کرتے رہے۔

ا جے اینڈ کے ڈسٹرکٹ پروفائل' محکمہ اِطلاعات' ۱۹۹۸ء

ضلع ڈوڈہ کی تشکیل:

''ڈوڈہ کا علاقہ ۱۹۰۹ء سے ۱۹۵۲ء تک رام بن کے ایک حصّے کے طور پر شامل رہا اور بعد میں کیبنٹ آرڈر نمبر: ۵۰۷- سی، مورخہ ۲۴ر مئی ۱۹۵۲ء کے تحت بھدرواہ تحصیل کے سات پٹوار حلقوں یعنی کھلینی، ملہوری، موٹھی، روٹ، منگوتہ تراؤن اور شوا اور رام بن تحصیل کے پندرہ پٹوار حلقوں یعنی محالہ، گڈیتر، شروٹ دھار، جودھ پور، دھار، جٹھیلی ڈوڈہ، بھاگواہ، کاستی گڑھ، چکہ، دھندل، دیسہ اور چرکوٹ پر مشتمل ڈوڈہ کی سب تحصیل وجود میں لائی گئی۔ اِس سب تحصیل کو گورنمنٹ آرڈر نمبر: ۹۲۳- سی- آف ۱۹۵۴ء، مورخہ ۱۲ر جولائی ۱۹۵۴ء کی رو سے ایک مکمل اور علیحدہ تحصیل کا درجہ دیا گیا۔''[1] حالانکہ یہ ضلع کونسل آرڈر نمبر: ۶۴- سی- آف ۱۹۴۷ء، مورخہ ۱۷ر اپریل ۱۹۴۸ء کی رُو سے پہلے ہی وجود میں آیا تھا اور قصبہ ڈوڈہ اِس کا صدر مقام بن چکا تھا۔

غیر منقسم ضلع ڈوڈہ کی تحصیل وار آبادی:

مولوی حشمت اللہ خاں لکھنوی نے اپنی کتاب ''تاریخ جموں وکشمیر'' میں قدیم ریاست کشتواڑ کی دو تحصیلوں (جن پر یہ اُس وقت مشتمل تھی) یعنی کشتواڑ اور رام بن کی ۱۹۳۱ء میں ہوئی مردم شماری کے مطابق بہ لحاظِ مذہب آبادی کا ذِکر کیا ہے۔ اُن کی تحریر کے مطابق مُسلمان ۸۳۰۷۳ اور غیر مُسلم ۴۴۴۶۵ تھے جب کہ تحصیل کشتواڑ کی آبادی بہ لحاظِ مذہب ۳۲۷۰۶ مُسلم اور ۳۳۷۹۰ غیر مُسلم نفوس پر مشتمل تھی۔ ۱۹۳۱ء کی مردم شماری کے دوران بھدرواہ جاگیر کا ضلع اُدھم پور کے ساتھ ادغام ہو چکا تھا۔ اِس لیے یہاں کی آبادی کا شمار اُدھم پور کے ساتھ ہوا تھا۔ ۱۹۶۱ء کی مردم شماری کے مطابق

---

[1] بحوالہ ''تصویرِ ضلع ڈوڈہ''، اسیر کشتواڑی، ص: ۵۴

ضلع ڈوڈہ کی آبادی حسب ذیل تھی:

کُل آبادی	:	۲۶۸۴۰۳			
ہندو	:	۹۲۷۹۷	مُسلم	:	۱۷۷۴۹۹
بدھ	:	۶۱۲	سکھ	:	۴۸۰
عیسائی	:	۱۳			

۱۹۷۱ء کی مردم شماری کے تحت ضلع ڈوڈہ کی مجموعی آبادی ۳۳۴۲۲۲ نفوس پر مشتمل تھی، جو بتدریج بڑھتی رہی اور ۱۹۸۱ء کی مردم شماری کے مطابق ضلع کی کل آبادی ۴۲۵۲۶۲ افراد تک پہنچ گئی تھی۔ بلحاظ مذہب اِس کی تحصیل وار آبادی حسب ذیل تھی:[1]

تحصیل	مُسلمان	ہندو	سکھ	بودھ	عیسائی	دیگر
کشتواڑ	۶۸۲۸۶	۴۹۲۱۲	۴۹	۱۱۱۳	.....	.....
بھدرواہ	۵۴۴۳۶	۴۸۱۴۹	۴۱	.....	.....	.....
ڈوڈہ	۴۷۵۵۱	۴۶۹۸۱	۹۷	.....	۳۹	۴۹
رام بن	۳۵۳۹۳	۳۵۱۹۵	۶۶۰	.....	۱۰	.....

۱۹۸۱ء تک ڈوڈہ کی صرف چار تحصیلیں تھیں۔ اُس سال بھدرواہ تحصیل سے گندوہ اور ٹھاٹھری نیابتوں کو الگ کر کے تحصیلوں کا درجہ دیا گیا۔ اِس طرح نیابت بانہال کو تحصیل کا درجہ ملا اور بدقسمتی سے بھدرواہ تحصیل تین تحصیلوں میں بٹ گئی اور یہ قدیم مملکت، جو کبھی کاہل جگاسر سے مرمت تک کا احاطہ کئے ہوئے تھی، سکڑ کر بھالا سے تھنالہ اور چنتہ سے رُنتہ تک محدود ہو گئی۔

مذکورہ چار لاکھ پچیس ہزار دو سو باسٹھ نفوس پر مشتمل کُل آبادی میں ۲۲۳۳۶۲ مرد اور ۲۰۱۹۰۰ خواتین شامل تھیں۔ اِس میں مسلمانوں کی آبادی کا تناسب ۳۰ء۵۷،

---

[1] بحوالہ "تصویرِ ضلع ڈوڈہ"، اسیر کشتواڑی، ص: ۲۹

ہندؤوں کا ۴۲ء۲۲' سکھوں کا ۲۰ء۵' بودھوں کا ۲۶ء۵ اور عیسائیوں کا ۰۱ء۰ فی صدی تھا اور درج فہرست ذاتوں کا تناسب ۴۷ء۸ فی صدی تھا۔

۱۹۹۱ء میں ریاست جموں و کشمیر میں مردم شماری نہ ہوسکی' البتہ سرکاری ریکارڈ کے مطابق ضلع کی تخمیناً آبادی ۶۱۲۶۱۵ تک جا پہنچی تھی' جس کی تفصیل یوں ہے:

(۱) تحصیل ٹھاٹھری : ۳۹۳۸۲ (۲) بھدرواہ : ۴۷۵۵۳

(۳) رام بن : ۷۱۴۴۳ (۴) بانہال : ۸۸۵۵۸

(۵) ڈوڈہ : ۱۰۴۵۰۳ (۶) کشتواڑ : ۱۷۱۴۲۵

(۷) گندوہ بھلیس : ۴۹۲۱۷

۲۰۰۱ء کی مردم شماری کے مطابق ضلع ڈوڈہ کی کُل آبادی ۶۹۰۴۷۴ افراد پر مشتمل تھی' جس میں ۳۶۲۴۷۱ مرد اور ۳۲۸۰۰۳ خواتین تھیں۔ آبادی کی تحصیل وار تفصیل یوں ریکارڈ کی گئی ہے:

تحصیل	کُل آبادی	مرد	خواتین	دیہاتی
ڈوڈہ	۱۵۵۹۶۵	۸۱۶۶۵	۷۴۳۰۰	۱۳۲۷۱۴
بھدرواہ	۶۱۴۸۵	۳۲۳۱۳	۲۹۱۷۲	۵۰۶۳۶
کشتواڑ	۱۹۲۰۰۹	۱۰۱۳۳۱	۹۰۶۷۸	۱۷۲۰۳
رام بن	۸۶۰۴۲	۴۵۸۹۴	۴۰۱۴۸	۷۶۸۶۶
بانہال	۹۴۲۵۰	۴۹۵۵۷	۴۴۶۹۳	۹۱۵۲۱
ٹھاٹھری	۴۲۶۸۶	۲۱۸۰۴	۲۰۸۸۲	......
بھلیسہ گندوہ	۵۸۰۳۷	۲۹۹۰۷	۲۸۱۳۰	۵۸۰۳۷
میزان ضلع	۶۹۰۴۷۴	۳۶۲۴۷۱	۳۲۸۰۰۳	۲۳۸۶۶۵

''بھدرواہ کی تین سابقہ تحصیلوں کا پیمائش شدہ رقبہ حسب ذیل تھا:[1]

(۱) بھدرواہ : ۲۶۴۸۵ ایکڑ

(۲) ٹھاٹھری : ۲۶۲۴۴ ایکڑ

(۳) بھلیس : ۲۶۱۴۸ ایکڑ

کُل رقبہ : ۳۳۱ء۵ مربع کلومیٹر

دیہاتی : ۳۲۸ء۵ مربع کلومیٹر

شہری : ۵ء۵ مربع کلومیٹر

ڈوڈہ کا جغرافیائی رقبہ ۱۱۶۹۱ مربع کلومیٹر ہے جس میں دیہاتی علاقہ جات کا رقبہ ۱۱۶۵۵ مربع کلومیٹر اور باقی قصباتی رقبہ صرف ۳۵ء۵ مربع کلومیٹر ہے۔''

اِنتظامی لحاظ سے ضلع ڈوڈہ کو رام بن' ڈوڈہ' بھدرواہ اور کشتواڑ کی چار سب ڈویژنوں میں منقسم کیا گیا ہے' جب کہ یہ دس (۱۰) تحصیلوں' اُنیس (۱۹) بلاکوں' بائیس (۲۲) نیابتوں' تین (۳) گرداوری حلقوں' ایک سوسینتیس (۱۳۷) پٹوار حلقوں اور دو صد باسٹھ (۲۶۲) پنچایتوں اور چھ سو باون (۶۵۲) دیہاتوں پر مشتمل ہے۔

۲۰۰۱ء کی مردم شماری کے مطابق ضلع ڈوڈہ میں خواندگی کی شرح تحصیل وار حسب ذیل تھی:

تحصیل	کُل خواندہ لوگ	مرد	خواتین	شرح خواندگی کُل نفوس	شرح خواندگی مرد	شرح خواندگی خواتین
ڈوڈہ	۶۱۹۸۸	۴۴۷۷۴	۱۷۲۱۴	۴۸ء۰۳	۶۵ء۹۰	۲۸ء۱۷
بھدرواہ	۳۶۴۷۲	۲۳۲۵۰	۱۳۲۲۲	۶۹ء۴۲	۸۴ء۱۸	۵۳ء۰۶
کشتواڑ	۶۸۳۴۴	۴۸۵۱۷	۱۹۸۲۷	۴۲ء۶۵	۵۶ء۹۹	۲۶ء۳۹

[1] ''تصویر ضلع ڈوڈہ''، اسیر کشتواڑی' ص: ۲۷

رام بن	۲۹۷۵۸	۲۲۰۹۸	۷۶۶۰	۴۲ء۴۱	۵۸ء۵۷	۲۳ء۶۸
بانہال	۳۲۳۹۸	۲۴۹۸۴	۷۴۱۴	۴۱ء۰۲	۵۹ء۷۷	۱۹ء۹۴
ٹھاٹھری	۱۷۷۶۰	۱۲۲۹۶	۵۴۶۴	۵۰ء۹۸	۶۹ء۳۰	۳۱ء۹۴
بھلیس	۲۲۰۵۸	۱۶۱۴۵	۵۹۱۳	۴۶ء۹۷	۶۶ء۷۰	۲۵ء۹۸
کُل میزان	۲۶۸۷۷۸	۱۹۲۰۶۴	۷۶۷۱۴	۴۶ء۹۲	۶۳ء۵۶	۲۸ء۳۵

تحصیل بھدرواہ کی شرح خواندگی ریاست کی دُوسری تحصیلوں کے مقابلہ میں سب سے زیادہ ہے، جو نہایت ہی حوصلہ افزاء بات ہے۔ شہری سطح پر کل ۸۶۷۰ خواندہ افراد ہیں جن میں مرد ۵۳۲۷ اور خواتین ۲۹۴۳ ہیں۔ اِس طرح سے شہری خواندگی کی شرح فی صدی مرد ۹۲ء۵۶ اور خواتین ۹۳ء۹۱ ریکارڈ ہوئی ہے۔ دیہاتی شرح خواندگی میں کل خواندہ افراد ۲۸۲۰۲ ہیں جن میں ۱۷۹۲۳ مرد اور ۱۰۲۷۹ خواتین شامل ہیں۔ اِس طرح سے دیہاتی شرح خواندگی ۸۱ء۹۷ مرد اور ۴۹ء۱۰ خواتین اور اوسط خواندگی ۶۵ء۸۹ فی صدی بنتی ہے۔

کچھ عرصہ پہلے یہاں سات تحصیلیں تھیں لیکن حکومت کے حالیہ اعلان کے مطابق اِس ضلع میں چھاترو، مڑوہ اور پاڈر کی تین نئی تحصیلیں منظور کی گئیں ہیں۔ گندنا، مرمت، دچھن، ناگ سینی اور دراب شالہ ترقیاتی بلاک بھی کچھ عرصہ پہلے قائم کیے گئے ہیں۔ ۱۹۸۱ء کی مردم شماری میں بھدرواہ اور اِس کی سابقہ نیابتوں کا فرقوں کے حساب سے تناسب یہ تھا:

(۱) تحصیل بھدرواہ: ہندو: ۶۰ فی صد مسلم: ۴۰ فی صد

(۲) تحصیل ٹھاٹھری: ہندو: ۶۰ فی صد مسلم: ۴۰ فی صد

(۳) تحصیل بھلیس: ہندو: ۳۰ فی صد مسلم: ۷۰ فی صد

۲۰۰۱ء کی مردم شماری کے مطابق تحصیل بھدرواہ، تحصیل ٹھاٹھری اور تحصیل

بھلیس میں بہ لحاظِ مذہب، آبادی حسب ذیل تھی:

تحصیل	ہندو	مُسلم	عیسائی	سکھ	بودھ	جین	دیگر
بھدرواہ	۳۵۸۱۱	۲۶۱۴۷	۸۱	۱۱۵	۸	۱	۱
ٹھاٹھری	۲۰۲۷۵	۲۲۶۳۶	۳	۱۷	۳	۱	-
بھلیس	۱۶۴۰۵	۴۱۷۷۷	۷	۴۷	۹	-	-
میزان	۷۲۴۹۱	۹۰۵۶۰	۹۱	۱۷۹	۲۰	۲	۱

۲۰۰۱ء میں ضلع سطح پر بہ لحاظ مذہب ۲۶۶۸۴۹ ہندو، ۴۰۰۷۶۵ مُسلمان، ۴۳۹ عیسائی، ۱۹۴۲ سکھ، ۱۸۶۶ بودھ، ۲۶ جین اور ۴۲ دیگران، یعنی کُل ۶۹۱۹۲۹ نفوس آباد تھے۔[1]

چناب ویلی:

یہ خطّہ ''چناب ویلی'' کے نام سے بھی مشہور ہے، کیونکہ دریائے چناب اِس وادی کے بیچوں بیچ گزرتا ہے اور اِس خطّہ کے تمام چھوٹے دریا اور بڑے بڑے ندی نالے مختلف مقام پر اِس کے معاون بن کر اِس کے جوشِ روانی اور خوبصورتی میں مزید اِضافہ کرتے ہیں۔ یہ دریا دراصل ہماچل پردیش میں واقع لاہول سپتی کے پہاڑوں سے دو ندیوں یعنی چندر اور بھاگا کی صورت میں نمودار ہوتا ہے اور لاچھا درّے کے جنوب مشرق میں ۱۶۲۲۱ فٹ کی بلندی پر ایک برفانی علاقے سے نکل کر ''چندر ندی'' نام پاتی ہے جب کہ دُوسری ندی اِس درّے کے شمال مغرب ڈھلوانی علاقہ سے نکل کر ''بھاگا ندی'' کا نام پاتی ہے۔ چندر ندی تقریباً ۱۱۵ میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد بھاگا ندی سے ٹنڈی کے مقام پر آ کر ملتی ہے۔ دونوں ندیوں کا یہی سنگم ''دریائے چناب''

---

[1] آبادی کے حوالے سے مزید تفصیلات اگلے صفحات پر ملاحظہ کریں۔

کے نام سے جانا جاتا ہے۔

دریائے چناب ہماچل پردیش کے ضلع چمبہ کی وادیء پانگئی سے گزر کر تحصیل کشتواڑ کے علاقہ پاڈر میں چھ ہزار فٹ کی اُونچائی پر اِشتہاری موضع کے سُنساری مقام میں داخل ہوتا ہے۔ چندر کوٹ تک پہنچتے پہنچتے اِس کے ساتھ اور ندی نالے بھی ملتے ہیں۔ بھنڈار کوٹ کے مقام پر اِس کے ساتھ مڑواہ دریا مل جاتا ہے۔ یہ سنگم دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ بھنڈار کوٹ سے یہ دربشالہ ٹھاٹھری' پل ڈوڈہ' رام بن' ریاسی اور اکھنور کے مقامات سے گزرتے ہوئے پاکستان والے پنجاب میں کھیاڑی کے مقام پر داخل ہوتا ہے اور اِس کے ساتھ کئی اور ندی نالے اور دریا مل کر یہ بالآخر بحیرۂ عرب میں جا گرتا ہے۔ مشہور مورخ فدا حسنین کے بقول ''یہ دریا یہاں کی جغرافیائی' ثقافتی' تاریخی اور لسانی صورتِ حال پر نمایاں اثرات ڈالتا ہے۔'' اوّل اوّل پاڈر سے ڈوڈہ اور بھدرواہ تک کے جنگلات سے نکالی جانے والی لکڑی صدیوں سے اِسی دریا میں ڈال کر اکھنور تک پہنچائی جاتی رہی۔ رسل ورسائل میں ترقی کی وجہ سے اب یہ لکڑی ٹرکوں کے ذریعے سے سیدھے جموں پہنچائی جاتی ہے۔ اِس دریا پر ڈول ہستی اور سلال کے علاوہ بغلیار (چندر کوٹ) پن بجلی پروجیکٹ تعمیر کئے گئے ہیں۔ سلال ریاسی پروجیکٹ تو کئی سال سے شمالی ہند اور ریاست جموں و کشمیر کو بجلی فراہم کر رہا ہے۔ ڈول ہستی اور بغلیار پروجیکٹ بھی حال ہی میں اِفتتاحی مراحل سے گزر چکے ہیں۔ یہ خِطّہ سلسلہ وار برف پوش پہاڑوں' گھنے جنگلوں' دِلفریب مرغزاروں' سرسبز و شاداب چراگاہوں' خودرو اور خوبصورت رنگا رنگ صحرائی پھولوں' بل کھاتے ہوئے ندی نالوں' ٹھنڈے اور شفاف پانی کے چشموں اور جھرنوں' دلآویز آبشاروں کے علاوہ جنگلی چرندوں پرندوں' قیمتی جڑی بوٹیوں' معدنیات سے بھرے ہوئے کوہساروں' بلند و بالا چٹانوں اور قدرتی مناظر سے بھرپور ایک قدیم منفرد ثقافتی' ادبی اور تاریخی وِرثے کو صدیوں سے اپنے آغوش میں محفوظ کئے ہوئے ہے۔

مختصر یہ کہ یہ خِطّہ چھوٹی بڑی وادیوں پر مشتمل ہے اور جواہر ٹنل سے کیلاش اور پدری تک اور پاڈر سے پتنی ٹاپ تک پھیلا ہوا ہے۔ دریائے چناب اور اِس کے معاون دریا اِس ضلع کی طبعی تقسیم میں اہم حصہ ادا کرتے ہیں۔ اِس عظیم دریا کے کنارے بہت سے لوگ آباد ہیں۔

بھدرواہ کا ارضیاتی پسِ منظر:

مذکورہ بالا چار خِطّوں میں بھدرواہ کی قدیم ریاست بیرونی ہمالیائی یا بیرونی پہاڑی خِطّے یا بہ قولِ فریڈرک ڈریو درمیانی کوہستانی حصّے میں واقع ہے اور اپنے قدرتی مناظر، گھنے جنگلات، دریاؤں، ندی نالوں اور سرسبز و شاداب میدانوں اور قابلِ دید جگہوں کی بدولت ضلع ڈوڈہ کی حسین ترین وادی یا قدیم ریاست قرار دی گئی ہے، جو عام طور پر ''چھوٹا کشمیر'' کے نام سے مشہور ہے۔

جیسا پہلے بھی اِختصار سے ذِکر کیا جا چکا ہے کہ بھدرواہ کا قدیم ''راجواڑہ شاہی'' چار بڑی پہاڑی وادیوں پر مشتمل تھا جس میں وادیء بھدرواہ، وادیء بھلیس، وادیء کیلاڑ اور وادیء مرمت کھسال شامل تھیں۔ اِن وادیوں کی تخلیقی شناخت، پانی کی فراوانی، پیداوار، خطّوں کی ذیلی تقسیم، آمدورفت، تجارت اور معیشت وغیرہ میں اِس خطّے کے چار بڑے نالوں کا گہرا عمل دخل رہا ہے، جن میں نالہ نیرو (بھدرواہ)، نالہ کالنئی (بھلیس)، نالہ بُن گڑھ (کیلاڑ) اور نالہ رگی (مرمت کھسال) جیسے قدیم نالے شامل ہیں۔

حدودِ اربعہ:

قدیم مملکت بھدرواہ کی حدود کا جہاں تک تعلق ہے، اِسے بقول پریتم کرشن

کول (بحوالہ فریڈرک ڈریو) آشاپتی (سونہ بائیں) کی جنوبی رینج' کوہ کیلاس (کیلاش) کا جنوب مغربی سلسلہ' جو ۳۶۰۰ میٹر سے ۴۵۰۰ میٹر کی بلندی پر واقع ہے' شمال میں ایک بڑا زور آور (اور طوفان خیز) چندر بھاگا (دریائے چناب)' اِس کے مغرب میں گھنے جنگلوں سے گھرا ہوا بڑا اور تنگ رِگی نالہ اور اِس کے مشرق میں پاڈر کے پہاڑوں کی بلند و بالا چوٹیاں' اِس کی قدرتی سرحدوں اور قدرتی جنگلہ بندی کی تشکیل کرتی ہیں۔ گالی گڑھ کا گہرا نالہ اور کالنئی (کادریا) اِسے کشتواڑ سے علیحدہ کرتے ہیں۔ اِسی وجہ سے کشتواڑ' چمبہ' بلاور' بسوہلی جیسی مضبوط اور بااثر راجواڑہ شاہیاں اِس کو مشکل سے ہی مغلوب کرپائیں یا اپنے راجواڑوں میں مدغم کرسکیں۔''[1]

بھدرواہ اور بھلیس بہ شمول کیلاڑ اور مرمت یخ بستہ پہاڑی ڈھلوانوں پر مشتمل ہے۔ ان وادیوں کے پہاڑی اور نشیبی سلسلے سطح سمندر سے بالترتیب ۱۲۰۰۰ افٹ اور ۱۵۰۰۰ افٹ تک کی بلندی کے درمیان واقع ہیں۔ اِن وادیوں کے حیوانات' نباتات' قدرتی مناظر' خاموش اور جداگانہ دِلفریب فضائیں' پُرسکون ماحول' ندی نالے' چشمے' سیرگاہیں اور چراگاہیں' اِن میں چرنے والے قسم قسم کے جانور اور نغمہ ریز جنگلی چرند پرند' برف پوش پہاڑی چوٹیاں اور اِن کے درمیان ٹھنڈے اور شفاف پانی کی جھیلیں (جو کئی ماہ تک یخ بستہ بھی رہتی ہیں)' گھنے جنگلات کے قدرتی سلسلے اور اِن کے اندر رنگارنگ اور خوشنما خودرو پھول اور قیمتی جڑی بوٹیاں' دھان کے لہلاتے اور زینہ در زینہ نیم دائروں میں منقسم ہریالی بھرے کھیت اور ان کو سیراب کرنے والی لاتعداد چھوٹی چھوٹی ندیاں اور نہریں' ان میں گزرتی ہوئی بل کھاتی پگڈنڈیاں' پہاڑوں کی کوکھ میں چھپے ہوئے معدینات کے خزانے' چٹانوں اور پتھروں کی متعدد قسمیں اور قدرت کی بخشی ہوئی انوکھی قسم کی رعنائیاں' ماہرین ارضیات' ماہرین نباتات' جغرافیہ دانوں اور حسنِ فطرت کے شیدائیوں کے علاوہ سیاحوں کو ہمیشہ سے دعوتِ نظارہ دیتی آئی ہیں۔ یہ وادیاں

---

[1] ہمالین پرنسی پیلٹیز۔ ڈاکٹر پریتم کرشن کول' ص:۱۲۲



سونہ بائیں بھدرواہ



وادیٔ بھدرواہ

واقعی ان ماہرین کے لیے عجائب گھروں کے مترادف ہیں۔ یہاں کا ہر موسم اپنی علیحدہ شناخت اور الگ اہمیّت کا حامل ہے۔ جہاں فصل بونے سے لے کر فصل کاٹنے تک کے نظارے اِنسان کا دِل موہ لیتے ہیں وہاں موسم سرما میں ساری وادیوں پر بچھی ہوئی سفید برف کی چادریں اور کھلی دُھوپ میں برف کے ذرّوں سے معکوس ہونے والی جھلملاتی ہوئی شعاؤں کی چکا چوند کرنے والی رمق ماحول کو اور بھی حسن بخشتی ہے۔ یہاں کے بدلتے ہوئے موسموں کی دِل فریب اور جاذب النظر رنگینیاں دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔

''مملکت بھدرواہ'' ایک پہاڑی ریاست ہونے کی وجہ سے جموں اور کانگڑہ جیسی ہمالیائی ریاستوں میں زمانہ قدیم سے ہی ایک منفرد اور الگ شناخت رکھتی تھی اور اِس کی ذیلی وادیاں (بھلیس، کیلاڑ، کھسال اور مرمت وغیرہ) بلند و بالا پہاڑی سلسلوں میں گھری رہنے کی وجہ سے اندرونی طور پر تہذیب و تمدن، زبان اور اپنے رہنے سہنے کے طور طریقوں میں بڑی حد تک تفاوت رکھتی تھیں۔ ایک قدیم شاہراہ کے درمیان واقع ہونے کی وجہ سے، جو ایک طرف اِس وادی کو پنجاب، دہلی، امرت سر، بسوہلی اور چمبہ کے علاقوں سے ملاتی تھی تو دُوسری طرف کانڈوت، بھیلہ جنگلواڑ اور ٹھاٹھری کے علاقہ جات کو مملکتِ کشتواڑ اور وہاں سے وادیٔ کشمیر کے ساتھ ملاتے ہوئے صدیوں تک ایک اہم سیاسی اور تجارتی رابطے کا ذریعہ بنی رہی۔ اِس قدیم مملکت کی دُور افتادہ وادیوں میں حسین ترین وادی ''وادیٔ بھدرواہ'' ہے جسے عرفِ عام میں ''چھوٹا کشمیر'' بھی کہا جاتا ہے۔ پہلے بھی ذِکر آچکا ہے کہ بھدرواہ کا قدیم راجواڑہ شاہی بہ شمول وادیٔ بھدرواہ، بھلیسہ اور کیلاڑ علاقہ بھلیس سے لے کر رام بن، بٹوت اور مرمت گلیان (کھسال) تک پھیلا ہوا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اِس ریاست کے کچھ حصّے اِس سے الگ کئے جاتے رہے اور اِس کا رقبہ سکڑتا گیا۔ موجودہ ڈوڈہ تحصیل کا علاقہ ۱۹۰۹ء لغایت ۱۹۵۲ء رام بن تحصیل ہی کا ایک حصّہ تھا۔

انگریزوں اور سکھوں کے درمیان جنگ کے خاتمے کے بعد عہد نامہء امرتسر (۱۸۴۶ء) کے تحت مملکت بھدرواہ بھی وادیء کشمیر کے ساتھ ساتھ مہاراجہ گلاب سنگھ کی سلطنت میں شامل کی گئی اور صوبہ جموں کے ایک حصّے کے طور پر اِس کا نظم ونسق چلتا رہا۔ جموں سلطنت میں مکمل ادغام کے بعد یہ علاقہ سالہا سال تک ڈوگرہ راجوں مہاراجوں کے تحت جاگیر کی حیثیت میں رہا اور اِس جاگیر پر اُن کا مکمل طور پر ذاتی اِقتدار قائم رہا۔ مہاراجہ ہری سنگھ کے دورِ اقتدار میں کچھ عرصہ یہ علاقہ اُن کی جاگیر کے طور رہنے کے بعد ۱۹۳۰ء میں بہ شمول علاقہ کھسال، بھلیس اور ٹھاٹھری وغیرہ ضلع اُدھم پور کا ایک حصّہ بنایا گیا اور اِس کی خودمختارانہ حیثیت ختم ہوگئی۔ اِس ادغام سے پہلے اِس جاگیر کا کُل رقبہ پانچ سوتینتیس (۵۳۳) مربع میل تھا جو ۱۹۳۱ء میں کم ہو کر صرف دوسو تیرہ (۲۱۳) مربع میل رہ گیا۔

بھدرواہ جاگیر کی آبادی:

۱۹۱۱ء کی مردم شماری کے مطابق بھدرواہ جاگیر کی کل آبادی ۳۷۵۱۲ نفوس پر مشتمل تھی جس میں ۱۴۸۰ مسلمان، ۲۹۱۳۱ ہندو اور ایک بودھ شامل تھے۔

۱۹۲۱ء میں اِس جاگیر کی کُل آبادی ۳۷۶۱۴ تھی جس میں ۲۲۵۶۲ ہندو، ۱۵۰۴۰ مسلمان، ایک عیسائی اور نو سکھ شامل تھے۔

۱۹۳۱ء میں بھدرواہ جاگیر کو ضلع اُدھم پور میں مدغم کردیا گیا جس وجہ سے اُس سال کے شماریات دستیاب نہیں ہوسکے البتہ ضلع اُدھم پور کی آبادی ۱۹۱۱ء کی مردم شماری کے مطابق ۲۰۵۱۳۶ تھی جو ۱۹۲۱ء میں ۲۰۷۶۴۱ اور ۱۹۳۱ء میں ۲۷۳۶۸۴ ہو گئی۔

۱۹۶۱ء کی مردم شماری کے تحت بھدرواہ تحصیل کا کُل رقبہ ۵۲۶۰۲ مربع کلومیٹر دِکھایا گیا ہے، جب کہ اِس میں ۷۶ گاؤں اور ۹۹۸۵ گھرانے آباد تھے۔ تحصیل کی کُل

آبادی ۶۱۷۸۳ نفوس پر مشتمل تھی جن میں ۳۲۳۱۳ مرد تھے اور ۲۹۴۷۰ خواتین شامل تھیں۔ یاد رہے کہ ۱۹۰۱ء میں بھدرواہ میں دیہات کی تعداد ۱۳۳ تھی جو ۱۹۳۱ء میں ۳۰۹ تک جا پہنچی۔

۱۹۸۱ء میں تحصیل بھدرواہ (بہ شمول بھلیس اور ٹھاٹھری) کی مجموعی آبادی ۱۰۲۶۲۶ افراد پر مشتمل تھی جن میں ۵۲۷۴۸ مرد تھے اور ۴۹۸۷۸ خواتین تھیں۔ اِس کی کُل دیہاتی آبادی ۹۶۵۵۱ تھی جس میں مردوں کی آبادی ۴۹۶۳۹ تھی اور خواتین کی آبادی ۴۶۹۱۲ تھی۔ شہری سطح پر اِس کی کُل آبادی ۶۰۷۵ تھی جس میں مردوں کی تعداد ۳۱۰۹ تھی اور خواتین کی ۲۹۶۶۔ اُسی سال کی مردم شماری کے مطابق تحصیل ۲۷۷ مواضعات اور ایک قصبے پر مشتمل تھی۔

مذہبی لحاظ سے تحصیل کی آبادی یہ تھی:

مسلم: ۵۴۴۳۶ ہندو: ۴۸۱۴۹ سکھ: ۴۱ میزان: ۱۰۲۶۲۶

وادیٔ بھدرواہ کی قدیم راجدھانی:

جیسا کہ اگلے اوراق میں تفصیل سے ذِکر کیا گیا ہے کہ مملکت بھدرواہ کی قدیم راجدھانی ڈونگا نگر اور اودھا نگر موضع سرتنگل' علاقہ اٹھکھار کے نزدیک واقع تھی' جو موجودہ قصبہ بھدرواہ کے جنوب کی طرف تقریباً اڑھائی کلومیٹر کے فاصلے پر تھی۔ قدیم زمانے میں ڈونگا نگر ایک بارونق شہر تھا جو ایک اندازے کے مطابق آٹھویں صدی میں ایک طوفانِ عظیم کی نذر ہو گیا۔ موضع سرتنگل کے نزدیک نالہ ہالون کے کنارے ایک مقام ''گرڑھ'' کے نام سے ابھی تک مشہور ہے' جہاں موسم گرما میں مقامی اور ضلع بھر کے لوگ اور سکولوں کے طالب علم سیر و تفریح کے لیے آتے ہیں اور یہاں کے قدرتی مناظر سے لُطف اندوز ہوتے ہیں۔ اِس کے دائیں کنارے کے ساتھ ساتھ ہی بھدرواہ'

بنی، بسوہلی روڈ گزرتی ہے۔

گڑھ سے مراد ''قلعہ'' ہے۔ غالباً یہاں پر کبھی کوئی قلعہ موجود تھا۔ کچھ عرصہ پہلے ایک کھدائی کے دوران اِس مقام پر پرانی عمارات کے کھنڈرات ملنے کی بات بھی عام ہوگئی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ پرانے راجاؤں کے محلات اِسی مقام پر واقع تھے۔ وادیء بھدرواہ کے کلیدی مقامات پر قلعے تعمیر کیے گئے تھے، جن میں مذکورہ قلعہ کے علاوہ اٹال گڑھ، تیلی گڈھ اور موجودہ قلعہ شامل ہیں۔ اوّل الذکر قلعے بہت پہلے امتدادِ زمانہ کی نذر ہو چکے ہیں جبکہ قصبہ بھدرواہ کے مغرب کی طرف کوہِ کیلاش کے نشیبی حصّے میں بڑی اُونچائی پر ایک تاریخی قلعہ گھنے جنگلات کے پسِ منظر میں وادیء بھدرواہ کے حسن و جمال کو دوبالا کرتے ہوئے اب بھی موجود ہے۔

محل وقوع:

بھدرواہ کی قدیم مملکت کو جنوب میں واقع چھتر دھار کے درّے کا پہاڑی سلسلہ بلاور اور بسوہلی سے علیحدہ کرتا ہے جس میں کوہِ کیلاش کے درمیان واقع کیلاش کنڈ (جھیل) بھی ہے۔ اِسی پہاڑی سلسلہ کے مغرب بعید میں واقع دودھیڑ نامی دھار اِس وادی کو چنہنی اور اُدھم پور کے علاقوں سے الگ کرتی ہے۔ جب کہ اِس کے شمال میں دریائے چناب اور شمال مشرق کی اطراف میں بہنے والی ندی کالنئی (جو کئی نالوں کے معاونوں سے یہ نام پاتی ہے) بالترتیب اِس کی حدود کا تعین بھدرواہ ڈوڈہ اور بھدرواہ کشتواڑ کے درمیان کرتے ہیں۔ مشرق کی طرف ڈگانی دھار اِس مملکت کو چمبہ سے علیحدہ کرتی ہے۔

وادیء بھدرواہ کے چاروں طرف ہالہ کے ہوئے فلک بوس پہاڑ اور دیو قامت چٹانیں جہاں ایک طرف سے اِس کو ہزاروں سال سے اِردگرد کے راجواڑوں کی

جانب سے بار بار ہونے والے حملوں سے بچاتی رہی ہیں، وہاں دُوسری طرف جنگلات سے گھرے ہوئے یہ پہاڑ قدرتی صناع کاری کے کمال کا مظہر ہوتے ہوئے سیاحوں کی دِلچسپی کا باعث بنتے آئے ہیں۔ اہلِ شوق اور فطرتی حسن کے شیدائی اِن خوبصورت اور رنگارنگ معطر پھولوں کے حسن و رعنائی سے اپنے ذوقِ جمال کی تسکین کرتے ہیں۔ یہی پہاڑ اپنے سینوں پر سے رواں دواں پانی کے خزانوں کی نعمتِ خدا داد کو بڑی فراخدلی سے بل کھاتے ہوئے ندی نالوں اور نہروں کے ذریعہ وادی کے قرب و جوار میں پھیلے ہوئے زینہ بند کھیتوں کو سیراب کرتے ہیں اور اُن کو سرسبز و شاداب بنا کر نہ صرف وادی کے حسن کو دوبالا کرتے ہیں بلکہ یہاں دھان کی مجموعی پیداوار بڑھا کر لوگوں کی خوشحالی کا باعث بھی بنتے ہیں۔ اِس قدیم وادی کے جنگلات کی لکڑی کی برآمدگی کی بدولت صدیوں سے ریاستی خزانے کا بیشتر حصہ پُر ہوتا رہا ہے۔ یہ دُوسری بات ہے کہ یہاں کی اجتماعی ترقی کے لیے مختلف حکومتوں نے کبھی بھی سنجیدگی سے دھیان نہ دیا۔

بھدرواہ قدیم تذکروں اور سفرناموں میں:

بھدروکاش (بھدرواہ) کی حسین وادی ہمیشہ بیرونی سیاحوں، انگریز پادریوں، تذکرہ نگاروں اور چند ایک مورخین کے لیے اپنے فطری حسن و جمال اور قدیم تہذیبی، ثقافتی اور تاریخی ورثے کی رنگارنگی کی وجہ سے دِلچسپی کا باعث بنی رہی ہے۔ اِس کی سیاحت کرنے اور اِس کے کچھ کچھ سیاسی، جغرافیائی، تمدنی اور اِقتصادی حالات لکھنے کا شرف جن اصحاب کو حاصل ہوا ہے اُن میں تاریخ کشمیر کے ایک عظیم مورخ پنڈت کلہن، مشہور انگریز سیاح جی. ٹی. وائن، یورپی نژاد سیاح فریڈرک ڈریو، ریاست چمبہ کے دو انگریز پادری ووگل اور ہیچی سن، یورپی تذکرہ نگار چارس ایلی سن بیٹس اور کچھ ریاستی اور مقامی مورخین اور تذکرہ نگار شامل ہیں۔ اِن کے علاوہ مولوی حشمت اللہ خاں لکھنوی نے بھی اپنی تاریخ میں بھدرواہ سے متعلق کچھ اہم حوالے دیئے ہیں۔

ان سب سیاحوں اور سفراؤ غیرہ نے اِس قدیم راجواڑہ شاہی کے قدرتی نظاروں، قابلِ رشک اور متنوع تہذیب و تمدن، رنگارنگ ثقافت، گھنے اور شاداب جنگلوں، پیداوار کی بہتات، قسم قسم کے پھولوں، پُر کیف فضاؤں، دلکش اور حسین مرغزاروں اور چراگاہوں کے گن گائے ہیں اور اِس کو شمالی ہندوستان کی ساری ریاستوں میں ایک ممتاز راجواڑہ قرار دیا ہے۔ حالانکہ کچھ مورخین اتفاقیہ طور پر سرکاری، فوجی یا سیاسی نوعیت کے مسائل کی تحقیق کے سلسلہ میں اِس وادی کا رُخ کرتے رہے ہے۔ اُن کے سفرنامے یہاں کی تاریخ کے مستند ماخذ اور جغرافیہ اور ارضیات پر معتبر اور قابل قدر کارنامے ہیں۔

بھدرواہ کی وادی زمانہ قدیم میں برفانی تودوں اور طوفانوں کی مسلسل زد میں رہی ہے۔ اِس کی خارجی سطح کی بناوٹ اُسی عمل کا نتیجہ ہے۔ لاتعداد گول اور نوک دار گرینائٹ کے چمکدار چٹانی پتھروں کی پُرحجم لمبی لمبی اور تہہ در تہہ قطاروں سے آراستہ اور پیراستہ وادی کی سطح سے بھی اِس حقیقت کی طرف اِشارہ ملتا ہے کہ طوفان اِس کی ارضیات میں بسا اوقات تبدیلیاں لاتے رہے ہیں۔

''یہ وادی جنوب مشرق میں علاقہ بھیجہ سے، شمال مغرب میں موضع درنگہ تک تقریباً چھ میل لمبے اور ایک میل چوڑے رقبے کا احاطہ کیے ہوئے ہے، جو بتدریج تین ڈگری ڈھلوانی صورت میں ہے۔ یہ چاروں طرف سے ایسے پہاڑی ڈھلوانوں سے گھری ہوئی ہے، جو دیودار اور کائل کے گھنے جنگلوں سے ڈھکے ہوئی ہیں۔ اِس وادی کے گرد و نواح میں واقع پہاڑوں کے ایسے خشک قطعاتِ ارض موجود ہیں جن پر جنگل نہیں ہیں اور اِن کی ملحقہ گھاٹیوں پر دیہاتی لوگ بسیرا کیے ہوئے ہیں۔ سپاٹ خِطّوں میں مکئی، راجماش، دالیں، سرسوں اور جو کی کاشت کی جاتی ہے جب کہ زینہ نما زمین، جس میں آب پاشی کی جاتی ہے، سے لوگ دھان کی فصل حاصل کرتے ہیں۔ وادی کے دھان کے سارے کھیت، جو ایک دُوسرے کے اُوپر زینوں کی شکل میں بنائے گئے ہیں، تین منصوبہ بند نہروں کے سلسلوں سے سیراب کئے جاتے تھے جو چوروٹ، مونہا اور

نیروج کے نام سے موسوم ہیں۔''[۱]

آب پاشی کے اِس قدیم نظام میں کہیں کہیں سطحِ زمین پر بکھرے ہوئے پتھر رخنہ انداز ہوتے ہیں۔وادی کے بیشتر حصّہ میں نیم دائروں میں منقسم خوبصورت قسم کی ڈھلتی ہوئی ہمواریاں اور زینہ دار کھیت ہیں جن کی شادابی اور حسن بھری ہریالی موسمِ گرما میں اور فصلوں کی دِلکش زردی' موسمِ خزاں میں دعوتِ نظارہ دیتی ہیں۔موسمِ سرما میں تو اِن زینہ در زینہ بنائے ہوئے سوکھے کھیتوں کی سفید اور شفاف برف ایک عجیب وغریب قسم کا منظر پیش کرتی ہے۔وادی کی ڈھلوانی سطح کا اندازہ نیرو نالہ کے طاس یا اِس کے پانی کے بہاؤ سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے' جو جنوبی حصّے سے نکل کر شمال مغرب کی طرف بہتا ہے۔وادیء بھدرواہ' درنگہ کے مقام پر اپنی وُسعتوں کو سمیٹ لیتی ہے جہاں سے نالہ نیرو اور اُس کی معاون ندیاں یکجا ہوکر اِس تنگ سی گھاٹی میں سے اپنی خوبصورت گزرگاہ بنالیتی ہیں۔درنگہ کی گھاٹی کو''بھدرواہ کا صدر دروازہ'' بھی کہا گیا ہے۔یہاں سے ہی ضلع کے صدر مقام اور اِس کے مختلف مقامات کے علاوہ علاقہ بٹوت کو جوڑتی ہوئی ایک پکی سڑک گزرتی ہے جو مہاراجہ ہری سنگھ کی حکومت سے پہلے ایک پیدل راستہ تھا۔

بھدرواہ طبعی اور ارضیاتی تبدیلیوں کے تناظر میں:

راقم کے خیال میں موجود وادیء بھدرواہ کے طبعی خدوخال' زمین کی بالائی ہموار اور ڈھلوانی سطح' کھیتوں کی مخروطی اور نیم دائروں میں زینہ دار بناوٹ' دریاؤں اور ندی نالوں کی گزرگاہوں کا شمال مشرق کی طرف جھُکاؤ' درنگہ گھاٹی کی طرف جاتے ہوئے وادی کے مغربی اور کچھ مشرقی حصّوں میں پھیلی ہوئی زمین کی زرخیزی' نالہ نیرو کا نشیبی طاس اور ایسے ہی کئی جغرافیائی اور ارضیاتی پہلوؤں سے تعلق رکھنے والے مشاہدات

---

[۱] ہمالین پرنسی پیلٹیز - ڈاکٹر پریتم کرشن کول' ص:۱۲۲

اِس حقیقت کی طرف صاف طور پر اِشارہ کرتے ہیں کہ قدیم شہر ڈونگا نگر یعنی آج کل کے موضع سرتنگل سے نیچے ڈھلوانی قطعاتِ ارض سے لے کر موجودہ موضع کرساڑی اور موضع کھروٹی کے بالائی حصّوں تک کسی زمانے میں وادیٔ کشمیر کی طرح ہی ایک بہت بڑی جھیل تھی، جس کا پانی مختلف اوقات یا زمانوں میں برفانی تودوں اور زبردست طوفانوں کے دباؤ سے درنگہ گھاٹی کے قریب سے خارج ہوتا گیا اور بڑی مدّت کے بعد یہ جھیل ایک خوبصورت اور ذرخیز وادی میں تبدیل ہوگئی۔ پانی کے بہاؤ اور اِس کے اخراج میں آتش فشانی محرکات یا داخلی تبدیلیوں کا بھی عمل دخل رہا ہوگا۔ قرینِ قیاس ہے کہ علاقہ کیلاڑ، بہ شمول علاقہ طروَن بھی اِسی بڑی جھیل کا ایک حصّہ رہا ہو اور وادی سے پانی کے اخراج کے ساتھ ساتھ اِس کا پانی بھی گلگندر (متصل موجودہ پلِ ڈوڈہ) کی گھاٹی سے ایسے ہی عوامل کے تحت خارج ہوکر دریائے چناب میں جا گرا ہو۔ اِن علاقوں کی زرخیزی اور گرینائٹ پتھروں کی بناوٹ بھی اس مفروضے کی تائید کرتی ہے۔

پروفیسر اُتم سنگھ نے اپنے ایک اہم مقالے ''جغرافیکل سروے آف بھدرواہ'' میں اِس بارے میں یوں لکھا ہے:

''بھدرواہ کا جغرافیہ اپنی بناوٹ کے لحاظ سے بڑی دِلچسپی کا حامل ہے کیونکہ اِس کی یہ بناوٹ داخلی تبدیلیوں کا نتیجہ ہے۔ وہ جگہیں، جہاں اُونچے پہاڑ نمودار ہوئے ہیں اور جن سے وادی چاروں طرف سے گھری ہوئی ہے، سب کے سب ٹیتھائز سمندر کے نیچے تھے اور بعد میں اندورنی تہہ دار چٹانوں کی حرکیات یا اِن کے شکست وریخ جیسے عوامل کی وجہ سے یہ وادی پیر پنچال کے پہاڑی سلسلوں کے ساتھ عین بیچ میں نمودار ہوئی۔''[1]

نالہ نیرو، نالہ ہلون (جن کا موجودہ سنگم موضع مونڈا کے مقام پر ہے)، نالہ پونیجہ، نالہ چنوت اور نالہ چلّہ وغیرہ نے اپنی موجودہ گزرگاہوں کی شکل سالہا سال کے

---

[1] میگزین ''شاہین'' ڈگری کالج بھدرواہ، ۱۹۷۱ء، ص:۹۰

دوران ہونے والی طبعی اور ارضیاتی تبدیلیوں کے بعد ہی اختیار کی ہوگی؛ جب کہ نالہ نیرو نے اپنا طاس وادی کے مشرقی کنارے سے نکال لیا ہوگا جس سے وادی کے مغربی حصّوں کی زرخیزی محفوظ رہی۔ اِسی دوران نئے نمودار شدہ ٹیلوں اور چھوٹے چھوٹے پہاڑوں اور پہاڑیوں اور بالائی حصّوں پر جنگلات اُگتے رہے۔ اِس بات میں بھی شک نہیں ہے کہ زمانہء قدیم کے طوفان کی طرح ہی؛ جس نے ڈونگا نگر کی راجدھانی کو صفحہء ہستی سے مٹا دیا تھا؛ سال ۱۹۲۸ء میں آئے ہوئے ایک طوفانِ عظیم نے کچھ ایسے ہی عوامل کے تحت نالہ پونیچہ کے درمیان میں اپنی راہ نکال کر وادی کے وسطی حصّے میں نئے سرے سے بسائے ہوئے قصبے کو کافی مالی اور جانی نقصان پہنچایا اور اِس کی ہیئت ہی بدل ڈالی۔

ماہرین ارضیات کے خیال میں بھی ''آٹھ ہزار سال قبل مسیح میں وادیء جہلم اور وادیء چناب زیرِ آب تھیں۔''[1] اِس تحریر سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اگر وادیء چناب بھی کسی زمانے میں زیرِ آب تھی تو یقیناً پانی کی سطح موجودہ قصبہ ڈوڈہ سے کہیں اُوپر رہی ہوگی اور اِس لحاظ سے وادیء چناب اور وادیء بھدرواہ ساری کی ساری ایک ہی جھیل تھی۔ دُوسری صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ جب وادیء چناب والی جھیل کے پانی کا اخراج ہوا تو ساتھ ساتھ بھدرواہ جھیل کے پانی کا بھی آہستہ آہستہ اخراج ہوتا گیا ہوگا اور جھیل کی سطح بھی نیچے آگئی ہوگی اور بھدرواہ کی موجودہ وادی ہلکی ہلکی ڈھلوانی شکل میں زمین کے زرخیز قطعات کے ساتھ نمودار ہوئی ہوگی۔ اِس بارے میں مزید تحقیق کی ضرورت تو خیر ہمیشہ باقی رہے گی۔

طبقات الارض کے ماہرین کی رائے میں بھی اِس وادی میں زمانہء قدیم میں وقتاً فوقتاً بہت سی داخلی اور خارجی ارضیاتی تبدیلیاں رُونما ہوتی رہی ہیں جن کی وجہ سے یہ وادی فلک بوس پہاڑوں کے درمیان موجود حالت یا صورت میں دکھائی دیتی ہے۔

---

1. فدا محمد حسنین؛ بحوالہ ''تصویرِ ضلع ڈوڈہ''، ص: ۷

ڈاکٹر پریتم کرشن کول نے بھدرواہ کالج کے میگزین ''شاہین'' میں چھپے ایک مقالے ''جیالوجیکل اوریجن آف بھدرواہ'' یعنی ''بھدرواہ کی ارضیاتی تشکیل کی ابتدا'' میں ایک بڑے ہی اہم موضوع کی طرف قارئین کی توجہ مبذول کرائی ہے، جس کے بارے میں ۱۹۷۱ء تک کم ہی توجہ دی گئی تھی۔ وہ لکھتے ہیں:

''بھدرواہ کے طبعی خدوخال اِس بات کی شہادت پیش کرتے ہیں کہ یہاں کا کوہستانی سلسلہ یعنی ''کیلاش'' اور ''آشاپتی'' کی ساری رینج ایک بڑے آتش فشانی عمل کی زد میں رہی ہے۔ داخلی تبدیلیوں کے دباؤ اور آتش فشانی عمل سے ''آشاپتی اور کیلاش'' کے بالائی حصّوں میں جو بڑے بڑے دہانے (جوالا مُکھ) رُونما ہوئے ہیں وہ کسی زمانے میں آتشیں مادے کے ساتھ ساتھ لاوا اُگل کر پھیلا دیتے تھے اور خود وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ٹھنڈا ہونے پر اُنہوں نے جھیلوں کی شکل اِختیار کی جن میں سے ایک طرف کیلاش کنڈ (جھیل) اور اُس کے جنوبی حصّے میں واقع قریبی جھیلیں چاروں طرف سے شاندار اُونچی چٹانوں سے گھری ہوئی ہیں۔ جو اکثر برف سے ڈھکی رہتی ہیں اور کیلاش جھیل سردیوں میں برف سے پُر ہونے کے بعد یخ بستہ ہو جاتی ہے۔''[1]

اِن کوہستانی جھیلوں کا پانی دریاؤں ندی نالوں کی صورت میں بہہ کر نہ صرف وادیٔ بھدرواہ کو سرسبز و شاداب بناتا ہے بلکہ یہاں کے کھیتوں میں دھان وغیرہ کی فصل کی فراوانی کا باعث بھی بنتا آیا ہے۔ دُوسری طرف اِن پہاڑی سلسلوں سے نکلنے والے دریا اور ندی نالے بسنت گڑھ، اُدھم پور اور جموں کے علاقوں کو سیراب کرتے ہیں اور ساتھ ہی ضلع کٹھوعہ وغیرہ کی طرف جانے والے دریا بہت بڑے علاقے کی شادابی کا باعث بنتے ہیں۔

وادیٔ بھدرواہ میں پائے جانے والے پتھروں کی بناوٹ کے جائزے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں کی چٹانیں مسلسل آتش فشانی عمل، داخلی اور خارجی

---

1. ڈاکٹر پریتم کرشن کول، ''شاہین'' ۱۹۷۱ء

دباؤ کی وجہ سے بنی ہیں۔ اِس ارضیاتی اور طبعی تغیّر کی ایک اور مثال ہمیں وادی کے مختلف حصّوں میں پائے جانے والے مٹی کے ٹیلوں اور چھوٹی بڑی پہاڑیوں کی بناوٹ سے بھی ملتی ہے، جن کے نشیب و فراز میں بکھرے پڑے آتشیں چٹانوں سے نکلے ہوئے گول گول سفید بھورے اور شفاف قسم کے گرینائٹ پتھروں کے انبار وادی کی خوبصورتی اور دلکشی میں اور بھی اضافہ کرتے ہیں۔ ندی نالوں کے کناروں پر بڑے حجم والے پتھروں اور درمیان میں پائے جانے والے چھوٹے بڑے پتھروں کی موجودگی سے ندی نالے مٹی کے کٹاؤ سے محفوظ رہتے ہیں اور ڈھلوانی کھیتوں کے آب پاشی کے نظام کو یقینی اور دیرپا بنانے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ بصورت دیگر اِن ندی نالوں کے پانی کی سطح نیچے آتی رہتی اور ساری زمین بنجر بن جاتی۔ یہ پتھر تعمیراتی کاموں میں اکثر اِستعمال ہوتے ہیں اور اِن میں پائی جانے والی ریت اِن کاموں کے لیے مفید ترین مانی گئی ہے۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ۱۹۴۷ء سے پہلے اور اُس سال کے آس پاس یہ وادی مسلسل زلزلوں کی زد میں تھی، جو کئی کئی روز تک بڑی شدت سے جاری رہتے تھے۔ جن سے مکانات اور باقی عمارات کو کافی نقصان پہنچا تھا اور مکینوں کو کھلے میدانوں یا ٹیلوں پر پناہ لینا پڑی تھی۔[1] اب بھی یہاں پر زلزلوں کا سلسلہ جاری و ساری ہے۔ اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ وادی زمانہ قدیم سے ہی داخلی دباؤ اور دیگر قسم کے محرکات کے نتیجے میں زلزلوں کی زد میں رہی ہے۔ یہاں پر حالیہ قیامت خیز زلزلے کا ذِکر کرنا مناسب ہوگا جو وادیء کشمیر اور پاکستان آزاد کشمیر کے مختلف مقامات پر ۸/ستمبر ۲۰۰۵ء کو صبح سوا نو بجے وقوع پذیر ہوا۔ جس کے جھٹکے بھدرواہ میں بھی محسوس ہوئے۔ اِس زلزلے سے اوڑی، ٹیتگ دھار کے علاوہ پاکستان کے بہت سے شہر، قصبے اور آزاد کشمیر

---

[1] اِتفاق کی بات یہ ہے کہ اِن سطور کو قلم بند کرنے کے دوران آج یعنی ۱۲/فروری ۲۰۰۸ء کو چار بج کر پانچ منٹ پر بھدرواہ میں ایک زلزلہ کئی سیکنڈوں تک محسوس کیا گیا۔

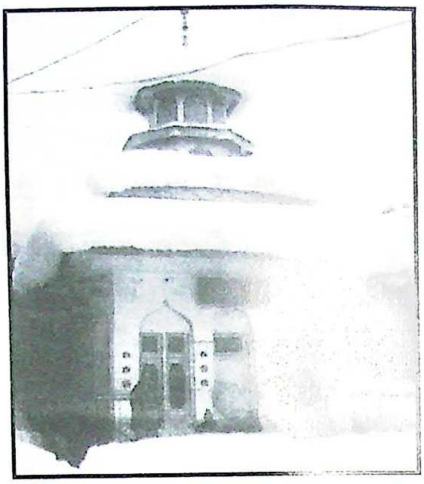
میں مظفر آباد اور کئی شہر اور قصبے نیست و نابود ہو گئے۔ مظفر آباد میں اُس روز راقم کے چچا زاد بھائی کا فرزند عطا اللہ خطیب بھی جاں بحق ہوا۔

بھدرواہ کی قدیم اِنتظامی اکائیاں یا تھڑے:

(قدیم سفرناموں اور تذکروں کی روشنی میں)

چارلس ایلی سن بیٹس، جی. ٹی وائن اور فریڈرک ڈریو وغیرہ سیاحوں نے بھی مختلف اوقات میں اپنے اپنے سفرناموں وغیرہ میں مملکت بھدرواہ کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہے جو بجملہ طور پر نئے محققین اور تذکرہ نگاروں کے لیے مشعل راہ ثابت ہوا ہے۔ چارلس ایلی سن بیٹس نے جی. ٹی. وائن جیسے مشہور انگریز سیاح کی تحریروں سے اِستفادہ کرتے ہوئے اپنی مشہور آفاق کتاب ''اے گزیٹیر آف کشمیر'' میں بھدرواہ کی قدیم تاریخ، یہاں کے جغرافیہ، تمدن اور فطری حسن کے بارے میں اپنے گراں قدر مشاہدات قلم بند کیے ہیں۔ اُس نے ریاست کے دُور دراز علاقوں کا دورہ کر کے وہاں کے دیہات اور قصبوں، لوگوں اور اُن کے رہن سہن، اُن کے پیشوں، تاریخ، جغرافیہ اور اِقتصادیات وغیرہ کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ اِس سلسلہ میں اُنہوں نے یہ اہم کام ۱۸۷۰ء سے ۱۸۷۳ء کے بیچ میں مکمل کیا اور ایک گزیٹیر کی صورت میں شائع کیا۔ چارلس ایلی سن بیٹس کے مطابق راجاؤں کے دورِ حکومت میں بھدرواہ کا قدیم راجواڑہ شاہی، جسے وہ صوبے کا نام دیتا ہے، حسب ذیل پرگنوں یا اِنتظامی اکائیوں یا تھڑوں میں منقسم تھا۔

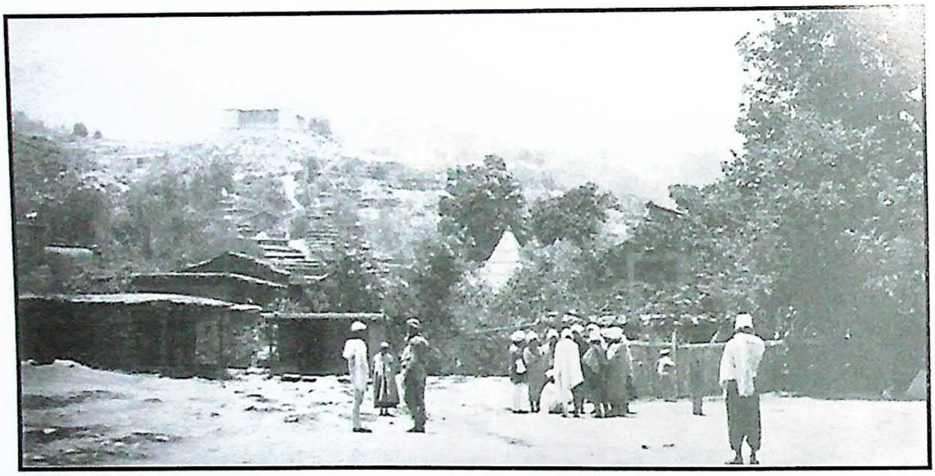
۱۔ اُٹھکھار (بالائی علاقہ)، ۲۔ بھدرروار (بھدرواہ)، ۳۔ گاٹھہ، ۴۔ اُدرانہ (نچلا تھڑہ)، ۵۔ کیلاڑ، ۶۔ ہنزیرا، ۷۔ ترمارا، ۸۔ بدوتا، ۹۔ بارہ سوئی، ۱۰۔ طرون، ۱۱۔ سواڑ، ۱۲۔ گڈیاڑہ، ۱۳۔ بھیلہ، ۱۴۔ چنتہ، ۱۵۔ بسعوتہ، ۱۶۔ منوتا، ۱۷۔ پنگل، ۱۸۔ چلّی، ۱۹۔ نیلی،



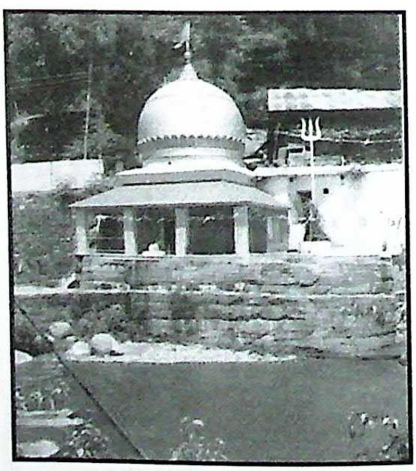
زیارت سائیں صدیق شاہؒ



جامع مسجد ڈوڈہ



قدیم قصبہ، بھدرواہ کی ایک نادر تصویر



گپت گنگا، بھدرواہ



ڈونڈی بھلیس (دریاؤں کا سنگم)

اور ۲۰ - جطوطہ[1]

چارلس ایلی سن بیٹس نے بھدرواہ وادی کی سیاحت ۱۸۷۳ء میں کی۔ وہ اِس وادی کی اہم جغرافیائی معلومات کا ذِکر یوں کرتے ہیں:

''صوبہ بدروار مہاراجہ کشمیر کے علاقوں کی حدود کے جنوب مشرق میں واقع ہے جہاں اِس کی سرحدیں چمبہ کی ریاست سے ملتی ہیں۔ یہ بڑا پہاڑی ضلع ہے۔ دُشوار گزار درّوں کی مشکلات اور دریائے چناب (چندر بھاگا)' جو شمال کی طرف بہتا ہے' کی وجہ سے اِس میں کسی اہم یا عام قسم کی آمد و رفت کے راستے یا گزرگاہیں موجود نہیں ہیں۔ ضلع کی بدرویں (ندی نالے) چندر بھاگا کی طرف بہتی ہیں۔ اہم گزرگاہیں' جن میں یہ پانی سمو جاتا ہے کالنئی گڑھ اور کال گڑھ ندیاں ہیں' جن دونوں کا پانی مل کر جنگلواڑ وادی کے نزدیک اِس دریا میں جا گرتا ہے۔ اور نیرو کا (پانی) بھی' جو اُس میں ڈوڈہ کی مخالف سمت میں مل جاتا ہے۔''[2]

''بھدرواہ کی وادیاں اِنتہائی بارآور ہیں جن میں بڑی مقدار میں چاول کی پیداوار ہوتی ہے' جو مقامی لوگوں کی ضرورت سے بہت زیادہ ہے۔ فاضل چاول یہاں سے کم چاول پیدا کرنے والے اضلاع کو برآمد کیا جاتا ہے۔ اِس ضلع میں پیدا کیا جانے والا تمباکو اچھے قسم کا ہوتا ہے جس کی اچھی مانگ ہے اور کم مقدار میں ہمسایہ منڈیوں میں بھیجا جاتا ہے۔ بھدرواہ میں پیدا ہونے والے میوے اچھی صفات کی میوے وادیٔ کشمیر کے اچھے میووں کا مقابلہ کرتے ہیں۔ شہد کی پیداوار بہت زیادہ ہے اور اس کا ذائقہ خوب تر ہے۔ اِس صوبے کی جنوبی سرحد پر واقع پہاڑیوں میں لوہے کی کچی دھات کو پگھلایا جاتا ہے۔''

وائن اس ضلع کو شاہین یا باز پکڑنے کے لیے ایک مشہور جگہ قرار دیتا ہے۔

۱۔ اے گزیٹیئر آف کشمیر' کلکتہ' ۱۹۹۰ء' ص: ۴۱۳' ۴۱۴

۲۔ غالباً اُن دِنوں ٹھاٹھری قصبہ کا کوئی وجود نہیں تھا۔

اُن کو جالوں میں ٹھیک اُسی طرح سے پکڑا جاتا ہے جیسے سکول کے بچے چڑیوں کو پھندوں میں پھانستے ہیں۔ اُنہیں زندہ کبوتروں کے ساتھ لڑایا جاتا ہے۔''[1]

یاد رہے کہ جی۔ٹی۔وائن ایک فرنگی سیاح تھا جس نے بھدرواہ کے علاوہ ڈوڈہ کی سیاحت بھی کی اور اِن علاقوں کے حالات اپنے سفر نامے موسوم بہ ''کشمیر لداخ' اسکردو کی سیاحت'' میں قلم بند کر کے ۱۸۹۲ء میں لندن سے پہلی جلد کے طور پر شائع کرائے۔ وہ دراصل چھنی سے روانہ ہو کر دودھارا پہاڑوں کو عبور کر کے وادیٔ چناب میں داخل ہوا۔ یہاں پہنچ کر چناب کے بائیں کنارے کے ساتھ ساتھ چلنا اُس کے لیے آسان ہو گیا۔ وہ تیسرے روز ڈوڈہ پہنچا اور چوتھے روز دودھارا کے شمالی دامن سے بھدرواہ پہنچ گیا تھا۔ وائن دراصل علاقہ مرمت کے راستے ڈوڈہ میں داخل ہوا تھا۔ اُس وقت مرمت بھدرواہ میں شامل تھا۔ وائن نے اِن علاقوں کی سیاحت ۱۸۳۹ء میں کی تھی[2]۔ وہ لکھتا ہے کہ ''پہلے بھدرواہ جانا بہتر ہے اور پھر ڈوڈہ کی طرف مراجعت۔ بھدرواہ کے دریا اور چناب کے سنگم سے بھدرواہ تک کا فاصلہ بارہ چودہ میل ہے۔ بھدرواہ کے دریا (نیرو) اور چناب کا سنگم پُل ڈوڈہ کے قریب ہے۔ آج کل اِن دونوں دریاؤں کے مقامِ اتصال سے بھدرواہ کا فاصلہ ۱۹ ر میل ہے۔ وائن نے جو راستہ اِختیار کیا تھا وہ نیرو کے پار قدیم راستہ تھا۔ وائن کو بھدرواہ کے راستہ میں گاؤں کے مناظر دیکھ کر انگلستان یاد آ گیا۔ وہ لکھتا ہے۔ ''گاؤں کے گرد نسبتاً زیادہ کشادہ رقبہ اور خار دار جھاڑیوں کو دیکھ کر مجھے انگلینڈ کے زرعی اور پہاڑی ضلع کی یاد آئی۔'' چارلس ایلی سن بیٹس' وائن کے حوالے سے بھدرواہ کے بارے میں مزید لکھتا ہے کہ ''ان وادیوں میں گُرسو نامی گھاس کی ایک متبرک قسم بکثرت پائی جاتی ہے جسے بھیڑوں کے چارے کے

---

[1] ''سفر نامہ ءوائن اور ضلع ڈوڈہ'' از عشرت کشتواڑی' مشمولہ شیرازہ' ہمارا ادب' کلچرل اکیڈمی' ۱۹۶۵ء' ص: ۶۹-۷۱

[2] سکھدیو سنگھ چاڑک نے وائن کی سیاحت کا سال ۱۸۴۲ء لکھا ہے۔

طور پر اِستعمال کیا جاتا ہے۔اس امر میں شک کی گنجائش ہے کہ آیا اِس میں کبھی سُرخ گوندی قسم کے پھل (سٹرابیری) پیدا بھی ہوتے ہیں یا نہیں؟"

"اِس ضلع میں گھاس کو محفوظ کرنے کا ایک خاص طریقہ ہے، جو کشمیر میں رائج طریقے سے مختلف ہے۔ دو رویا کھمبوں کو زمین میں گاڑھ دیا جاتا ہے جو عام طور پر درختوں کی حفاظت میں ہوتے ہیں۔ اُن کھمبوں کے درمیان قریباً بیس فٹ اُونچی گھاس کی دیوار سی تیار کی جاتی ہے۔ اُوپر والے حصّے سے گزرتا ہو کھمبا گھاس کے انبار پر بنی ہوئی چھت کو سہارا دیتا ہے جو (دیوار) تقریباً بیس فٹ لمبی اور دو فٹ چوڑی ہوتی ہے......"

"وادیاں گھنے دیہاتوں اور جھاڑیوں سے ڈھکی ہوئی ہیں اور اِس فراخ مُلک کے بالائی حصّوں کو انگلینڈ کے کاشت شدہ اور پہاڑی ضلع کے مصداق قرار دیا گیا ہے۔ گھر بھی عام طور پر مٹی اور لکڑی سے بنے ہوئے کم اُونچے اور یک منزلہ ہیں جن کی ہموار چھت پر دُود کشی کے لیے پتھروں کا ایک بڑے سوراخ والا چبوترہ سا بنایا جاتا ہے۔ اِن میں سے کچھ اچھے مکان دو منزلہ ہیں جن کی چھتیں ڈھلوانی یا محرابی قسم کی ہوتی ہیں لیکن ایسے مکان عام نہیں۔ اِس ضلع میں پنجاب کی جیسی بارش ہوتی ہے لیکن مئی مہینے میں گرج چمک کے ساتھ آندھی اور بارش کی بوچھاڑ ہوتی رہتی ہے اور فضائی ہنگامہ بہت دِن تک جاری رہتا ہے۔ اِن کی زبان جو ہندوستانی زبان کی ایک بولی ہے، ایک مقام سے دُوسرے مقام تک بڑی حد تک تفاوت رکھتی ہے۔"[1]

گھاس کو محفوظ رکھنے کا "دوسرا طریقہ یہ تھا کہ گھاس کی ایک موٹی ڈھیلی ڈھالی رسی بٹ کر اُسے درختوں کی شاخوں کے اُوپر سے نیچے کی طرف لٹکا دیا جاتا جس سے برف سے نقصان کا کوئی اندیشہ نہ رہتا اور بوقت ضرورت اِستعمال کے لیے اِسے نیچے سے کھینچ لیا جاتا۔"

827

---

[1] فوکس آن جموں و کشمیر، اسیر کشتواڑی، ص: ۲۲۷، بحوالہ وائن وغیرہ

میرے خیال میں یہ حقیقت ہے کہ ''وادیء بھدرواہ'' کے حسن و جمال اور اس کے مناظر کی دِلآویزی کو الفاظ کا جامہ پہنانا بالکل مشکل امر ہے' تاہم اِتنا کہا جاسکتا ہے کہ حسن فطرت کی رعنائیوں سے بھری اور سرسبز و شاداب جنگلات اور فلک بوس پہاڑوں کے آنگن میں دِلکش اور سحر آفرین مناظر سے گھری ہوئی وادی جو ''وادیء بھدرواہ'' سے موسوم ہے' موسموں کے بدلتے ہوئے دِلآویز رنگوں کی جاذبیت' بل کھاتی ہوئی خوبصورت ندیوں' اپنے بے شمار جھرنوں' میٹھے اور شفاف پانیوں' جائی' سیوج' پدری' بال پدری' چھتر گلہ' چنتہ' جنطر ون' ریوشرو' علاقہ مرمت اور کیلاڑ کے حسن بھرے مرغزاروں' بھلیس کی پھولوں اور سبزے سے لدی ہوئی معطر دھاروں اور مرگوں اور ایسے ہی کئی پُرسکون اور سکون و شانتی بخش صحت افزا اور پُر فضا مقامات کے بسیط میدانوں اور بلند کوہساروں کی دُہائی دے دے کر فریاد کر رہی ہے کہ کیا کلہن' چارلس بیٹس' فریڈرک ڈریو' وائن' ووگل اور ہیچی سن جیسے مُلکی یا مغربی سیاحوں کے علاوہ اُن کی اِس وادی میں آمد سے پہلے کوئی ایسا دیدہ ور نہ تھا جو کبھی کبھار اِدھر کی راہ لے کر قدرت کی اِن حسین ترین رشکِ جنت وادیوں اور کوہساروں میں آ کر یہاں کی خالص ترین آلودگی سے پاک رُوح پرور ہواؤں' پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو سے معطر فضاؤں' زینہ در زینہ اور نیم دائروں میں ڈھلوانی کھیتوں کی شبنم سے لدی بھری ہریالی کی دلکشی اور یہاں کے ندی نالوں اور قدرتی چشموں کے شفاف پانی سے فیض یاب بھی ہوتا اور اِس حسن فطرت کی تصویر کشی کر کے کچھ اور حسن پرستوں اور سکونِ قلب کے طلبگاروں کو دعوت نظارہ دے کر وقت کے حکمرانوں اور لیڈروں کی بے حسی سے پردہ اُٹھا سکتا اور بقول راقم الحروف یہ کہتا۔

ع - کوئی آئے اِس گلشن میں آج وطن فردوس ہے میرا'

چارلس ایلی سن بیٹس نے ''اے گزیٹیر آف کشمیر'' میں مملکت بھدرواہ کے بہت سے دیہات کے بارے میں اہم جغرافیائی معلومات فراہم کی ہیں جن میں سے

چند ایک کا ذِکر کرنا قارئین کی دلچسپی کے لیے لازمی ہے:

(۱) موضع بستی (عرض بلد ۵۶ء۳۲‘ طول بلد ۴۵ء۷۵):

یہ موضع، بھدرواہ کے جنوب میں تقریباً پانچ میل کی دُوری پر نالہ ہلون کے دائیں کنارے بسوہلی کی طرف جاتے ہوئے راستے پر واقع ہے۔ یہ ایک چھوٹا سے گاؤں ہے جو چھ گھروں پہ مشتمل ہے جس کے گرد کاشت کے گئے کھیت کھلواڑ ہیں۔ ان گھروں میں زیادہ ہندو اور دو مسلمان گھر ہیں۔ ہلونی ندی گاؤں کے اُوپر تقریباً ایک میل فاصلے پر ایک پُل کے ذریعے پار کی جاتی ہے۔

(۲) موضع بھیجہ (عرض بلد ۵۶ء۳۲‘ طول بلد ۴۸ء۷۵):

یہ گاؤں بھدرواہ کے شمال مشرق میں پدری میں سے گزرتے ہوئے چمبہ کے راستے پر واقع ہے۔ اِس کے نچلے حصّے میں نالہ نیرو پر ایک پُل بنا ہے۔

(۳) چھتر دھار (عرض بلد ۵۳ء۳۲‘ طول بلد ۴۶ء۷۵):

یہ پہاڑی سلسلہ میں ایک درّہ ہے جو ضلع بسوہلی کو وادیء بھدرواہ سے الگ کرتا ہے۔ درّے کا سرا بھدرواہ کے جنوب میں اور بسوہلی کے شمال میں اِکاون میل کی دُوری پر واقع ہے۔ یہ راستہ بڑے اور بلند پہاڑوں کے اُوپر سے ایک تنگ قسم کے پُل سے گزرتا ہے، جس کے مشرق میں ''سونہ بائیں'' اور مغرب میں ''کپلاس'' واقع ہیں۔ سردیوں میں بھیڑ بکریوں اور حمالوں (بوجھ اُٹھانے والے مزدور) کے لیے ناقابلِ گزر بن جاتا ہے۔ تاہم پیدل چلنے والے لوگ ہر موسم میں اِسے پار کرنے کے عادی ہو گئے ہیں۔ چڑھائی اور اُترائی اِتنی مشکل نہیں، البتہ شمال کی طرف یہ بہت ڈھلوانی ہے۔[۱]

(۴) چنوت (عرض بلد ۵۹ء۳۲‘ طول بلد ۴۵ء۷۵):

یہ گاؤں بھدرواہ کے شمال مغرب میں ایک پہاڑی ڈھلوان پر بھدرواہ کے متصل ہی واقع ہے۔

---

۱ بیٹس نے بھدرواہ کا نام ''بدرواز'' لکھا ہے۔

(۵) چکہ (عرض بلد ۵۹ء۳۲' طول بلد ۴۴ء۷۵):

یہ گاؤں بھدرواہ کے شمال مغرب میں تھوڑی دوری پر ایک ڈھلوانی پہاڑ پر ہے۔ اِس میں تقریباً ۱۲ گھر ہیں، جس کی آبادی ہندو اور مسلم دونوں فرقوں پر مشتمل ہے۔

(۶) درنگہ (عرض بلد ۰۱ء۳۲' طول بلد ۴۲ء۷۵):

یہ گاؤں نالہ نیرو کے بائیں کنارے پر بھدرواہ کے شمال مغرب میں راستے سے تھوڑا اُوپر واقع ہے۔ اِس میں تقریباً تیں گھر ہیں جو سب ہندو (باشندے) ہیں ماسوائے ایک مسلم گھرانہ کے۔ ایک چھوٹی سی ندی سے، جو گاؤں میں سے گزرتی ہے، گھراٹ چلتے ہیں جو عمدہ قسم کے سایہ دار درختوں کے اندر واقع ہیں۔ نالہ نیرو جو تقریباً دو فٹ گہرا ہے، دھیمی روانی سے چلتا ہے جسے ۷۰ فٹ سپین والے اور ۴ فٹ چوڑے پُل پر سے عبور کیا جاتا ہے۔ مسافروں کے لیے سڑک پر ایک دھرم سالہ بھی بنی ہے۔

(۷) بن گڈ (عرض بلد ۰۴ء۳۳' طول بلد ۴۰ء۷۵):

یہ ندی، جو بھدرواہ کے مغرب میں واقع برفیلے پہاڑ کی ڈھلوانوں سے گزرتی ہے اور شمال کی طرف زرخیز وادی میں سے بہتی ہے، بھالہ گاؤں کے نیچے نالہ نیرو میں اِس کے بائیں کنارے کی جانب سے ملتی ہے۔ یہ ندی عام طور پر پیدل بھی پار کی جاسکتی ہے، تاہم کھلینی اور بھالہ گاؤں کے درمیان اِس پر ایک پُل بھی بنایا گیا ہے جہاں بھدرواہ آنے والی سڑک اِس سے گزرتی ہے۔ ندی کے دائیں کنارے پر سب گاؤں ہندوؤں کی آبادی پر مشتمل ہیں۔

(۸) ڈوگہ (عرض بلد ۰۱ء۳۳' طول بلد ۳۹ء۷۵):

یہ بھدرواہ کا ایک وسیع گاؤں ہے جس میں تیں (۳۰) گھر آباد ہیں جن میں صرف ہندو فرقے کے لوگ بستے ہیں۔ یہ نالہ بن گڈ کے دائیں کنارے وادی کے جنوبی سرے پر پہاڑوں کی ڈھلوانوں پر واقع ہے۔

(۹) بھالہ (عرض بلد ۰۴ء۳۳' طول بلد ۴۰ء۷۵):

یہ بھدرواہ ڈوڈہ سڑک پر مسلم باشندگان پر مشتمل ایک گاؤں ہے جس میں

صرف آٹھ گھر ہیں۔ یہ ایک چھوٹی ندی کے بائیں کنارے پر ہے، جو بن گڈ میں نیرو نالہ کے متصل ہی جا گرتی ہے۔ بن گڈ ندی کے اُوپر اِس گاؤں کھلینی کے درمیان ایک پل بنایا گیا ہے۔

(۱۰) اُدرانہ (عرض بلد ۳۳، طول بلد ۷۵ء۴۵):

ایک بڑا کشادہ گاؤں ہے جو بھدرواہ سے ڈیڑھ میل دُوری پر شمال مغرب کی طرف ڈوڈہ بھدرواہ سڑک پر واقع ہے۔ یہ کومیری ندی کے مغربی کنارے کی طرف ہے جس پر ایک عمدہ پُل تعمیر ہوا ہے۔ فریڈرک ڈریو "دی ٹیریٹریز آف جموں اینڈ کشمیر" (کے صفحہ ۱۰۳ تا ۱۰۵) میں بھدرواہ وادی سے متعلق اپنے مشاہدات یوں قلم بند کرتے ہیں۔ "بھدرواہ تقریباً ایک ہموار سطح وادی ہے جس کی چوڑائی ایک میل اور لمبائی تقریباً چار میل ہے۔ وادی کی سطح تقریباً ۳ ڈگری ڈھلوان ہے۔ اِس اُترائی میں زمین چند فٹوں پر ایک زینہ بناتی ہے تا کہ یہ سینچائی کے قابل بن سکے۔ یہاں دھان کی فصل کے لیے کافی پانی دستیاب ہے۔ اِس لیے مئی کے مہینے میں لوگ ہل اور بھاری قسم کی کدالی سے زمین کو نرم کر کے دھان کی فصل لگانے کے لیے تیار کرنے میں مصروف تھے۔ مرد اور عورتیں اکٹھے، دس یا بارہ کے گروہوں میں کھیتوں پر کام کرتے تھے۔ کاندھوں سے کاندھا ملا کر وہ دِن بھر محنت کرتے اور اپنے اوقات مل کر خوبصورت گانے اور تیزی سے کام کرنے میں گزار دیتے تھے۔"[۱]

وادیء بھدرواہ کا بالائی حصّہ کافی کشادہ ہے تاہم اِس کا نچلا حصّہ یعنی نچلا تھڑہ سے آگے اِتنا تنگ ہوتا جاتا ہے کہ پہاڑی ڈھلوانوں کے درمیان مشکل سے ہی کوئی میدانی جگہ باقی رہ جاتی ہے۔ جو پہاڑیاں اِس کو گھیرے میں لیے ہوئی ہیں اُن کے جنگلات کے لمبے سرے (مینڈھے) اِس وادی کی حدود کا تعین کرتی ہیں۔

موجودہ تحصیل بھدرواہ بہ شمول علاقہ چنتہ، بھالڑہ، جائی اور کیلاڑ وغیرہ صوبہ

۱۔ بحوالہ "تصویر ضلع ڈوڈہ"، اسیر کشتواڑی، ص: ۶۶-۶۷

جموں کی سب تحصیلوں سے خوبصورت ترین تحصیل ہے۔ گھنے اور سرسبز وشاداب جنگلوں اور اُونچے برف پوش پہاڑی سلسلوں سے گھرا ہوا یہ علاقہ بقول نیک چند کوتوال، ''روئے زمین پر ایک ایسے چھوٹے مگر چھُپے ہوئے فردوس کے مترادف ہے جو شمال میں سبھار دھار اور ریوشر و جیسے حسین ترین مرغزاروں کو محفوظ رکھے ہوئے ہے۔ جب کہ جنوب کی طرف سیوج دھار کے شاندار میدان اور کیلاش کی متبرک جھیل، مشرق کی طرف سوان بائیں (سونہ بائیں) کے سرد و گرم چشمے اور مغرب کی طرف مشہور دریا چندر بھاگا (چناب) بہتا ہے اور اس پر طرۂ یہ کہ اِس خِطّے کے خوبصورت نباتات اور حیوانات ہر اُس شخص کے لیے سحر آفرینی کا ذریعہ بنتے ہیں، جو بھی اِس حسین وادی کا دورہ کرتا ہے۔ (بحوالہ کلچرل ہیری ٹیج: کوتوال) ایک برطانوی مشنری مِس مارگریٹ ہاوسین نے وادیءِ بھدرواہ کے حُسن کو اپنے ایک انگریزی مقالہ میں اِن الفاظ میں بیان کیا ہے:

''لو'' یہ بھدرواہ ہے۔ میں بس اسٹینڈ کے قریب ایک بڑے چنار کے درخت کے نیچے بیٹھی ہوئی تھی۔ موسم بہار کی شادابی نے میری پُر تجسس نظروں کی ٹکٹکی کو اپنی طرف کھینچا۔ گھنے پتوں سے بُنی ہوئی جالی میں سے مجھے تازہ لگائے ہوئے دھان کے کھیتوں پر نظر پڑی، جو سبز قالین کے زینوں کی طرح دریا کے نچلے کنارے تک غوطہ زن معلوم ہوتے تھے۔ دریا کا ہنگامہ خیز پانی سورج کی روشنی میں شرارے سے برسا رہا تھا۔ ایک بڑے پتھر پر سے ایک پرندہ اُوپر کی طرف اُڑا۔ میں نے اُس کی اُڑان کا تعاقب کیا۔ دریا کے اُوپر، اور اُوپر، اور اُوپر جا کر نیلے گنبد کی اوٹ میں وہ ایک چھوٹے سے غیر مرئی ذرّے کی طرح اوجھل ہوگیا۔ پھر وہ غائب ہی ہوگیا۔''

''ماسوائے بادلوں کے چند جھُنڈوں کے، جو برفیلی چوٹیوں کے گرد خالص ریشمی گلوبند لگائے معلوم ہوتے تھے باقی آسمان صاف ہو چکا تھا۔ کیلاش ابھی اپنا صُوبار جواہرات سے جُڑا ہوا تاج پہنے ہوئے سر اُونچا اُٹھائے ہوئے تھا جو چمکیلی دُھوپ میں اِن کی چمک سے شعلہ بار ہو کر چمکتا دھمکتا تھا۔ یہ ہوشیار دیو قامت پہاڑ اپنی شاندار

اُونچائیوں سے نیچے کی طرف وادی کے باشندوں پر نظریں جمائے کھڑے ہیں۔"[1]

عشرت کشتواڑی کے الفاظ میں۔ "بھدرواہ ضلع ڈوڈہ کی جنت نگاہ ہے۔ بے حد دلکش مقام ہے۔ جس کے اِرد گرد سرسبز و شاداب جنگلات میں جانب جنوب پس منظر میں برف پوش پہاڑ ہیں۔ ندی نالوں کی کثرت ہے۔ سرزمین ڈھلوان اور زرخیز ہے۔ شاعروں کے لئے فردوس اور اہلِ نظر کے لئے گوشہء عافیت ہے۔"[2]

بھدرواہ کی حسین و جمیل وادی کے بارے میں کئی تذکرہ نویسوں اور مقالہ نگاروں نے اپنی قابلِ رشک تحریروں میں اپنے اپنے انداز میں بہت کچھ لکھا ہے جس کو قلم بند کرنے کے لئے اِس کتاب کے صفحات میں گنجائش نہیں۔ البتہ کچھ قلمکاروں کی نوک قلم سے نکلے ہوئے فصیح و بلیغ اور قابلِ داد توصیفی پیرے یہاں پر اس لئے شامل کئے جا رہے ہیں تا کہ یہ امتدادِ زمانہ کے دست بُرد سے محفوظ رہ سکیں۔

مسٹر کیول کرشن گپتا اپنے محسوسات کو یوں الفاظ کا جامع پہناتے ہیں:

"سرسبز و شاداب "وادیء بھدرواہ" کے سلسلہ وار رنگ بدلتے ہوئے مناظر کی بوقلمیاں بہت ہی سحر آفرین ہیں۔ جنت سے سرگوشیاں کرتی ہوئی برف پوش کپلاس کی پُر وقار بلندی، چیڑ اور دیودار کے درختوں کی سدا بہار تابانی، بل کھاتے ہوئے نالہ نیرو اور اِس کے ساز بجاتے ہوئے معاون نالوں کی دِلفریبی، زینے بناتے ہوئے دھان کے کھیتوں کی خوبصورتی، دورِ شباب واپس لانے والی ہیجان خیز ہلکی اور ٹھنڈی ہوائیں اور اِس وسیع اور عریض علاقے کی پُر جمال دُور افتادگی اور قدرت کی طرف سے عطا کی ہوئی بے پناہ اور وافر خوبصورتی کی اِبتدائی اور قدیم صورت میں موجودگی وغیرہ، کی مدح سرائی کرنا ایک کٹھن امر ہے۔ اِس کے وافر تمدنی ورثے کی شان و شوکت، جو اِس وادی کی لوک کہانیوں اور تہواروں میں نمایاں طور پر محسوس کی

---

1. کالج میگزین "شاہین" (مضمون انگریزی از مارگریٹ ہاوسین، مترجم بشیر بھدرواہی
2. "تاریخ کشتواڑ" از عشرت کشتواڑی

جا سکتی ہے' اِس کی اضافی تعریف کے مترادف ہے۔ اِس نمول خزانے کو ضائع ہونے سے بچانے کی اہم ضرورت ہے۔''[1]

مسٹر کیول کرشن سابقہ طالب علم ڈگری کالج بھدرواہ کے الفاظ میں:

''بھدرواہ'' قدرت کے ایک حقیقی دُرتاب کی طرح بڑے دلکش پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے۔ اِس کے نام سے ہی اِس وادی کے دِلفریب حسن کی تصدیق ہوتی ہے۔ بھدرواہ آتے ہوئے جو معجزہ اِنسان محسوس کرتا ہے وہ یہاں کی آب ہوا اور حُسن ہے...... جوں جوں وادی قریب آتی ہے اِنسان اِس کی زینہ دار ڈھلوانوں کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔

آنکھوں کے سامنے پہاڑ سیڑھی بنائے ہوئے دِکھائی دیتے ہیں' جو اِنسانی دل و دماغ پر ایک انوکھا تسکین آور تاثر پیدا کرتے ہیں۔ اطراف میں وادی پہاڑوں کے گھیرے میں ہے جو اِس کے قدرتی حسن کی پاسبانی کرتے ہیں۔ پہاڑوں کی سرسبز شادابی حد درجہ فرحت بخش ہے۔ قسم قسم کے جنگلی معطر پھول پہاڑوں پر کھل آتے ہیں اور اِس حسن فطرت کا ڈنکا بجاتے ہیں۔ اِن پہاڑوں کا ایک دورہ ایک مردہ دل میں نئی جان ڈال دیتا ہے۔''

نالہ نیرو کے کنارے کنارے چلتے ہوئے ایک آدمی اس کی سطح پر ہلکی لہروں کے ناچ کا اور اس میں اِدھر سے اُدھر تیرتی ہوئی مچھلیوں کے علاوہ درختوں پر نغمہ سرا پرندوں کا لطف اُٹھا سکتا ہے۔ انسان اپنے دِل میں یہاں ان جانے قسم کا امن وسکون سرایت کرتے ہوئے محسوس کرتا ہے۔ ایک فنکار یا مصوّر یہاں کے کنوارے حُسن کو اپنی مصوری کی پرتوں پر لاکر اِسے فطری حُسن بخشتا ہے۔ ایک سنگ تراش یہاں کی قدرتی اشیاء اور ماحول کی نقل کر کے اپنے فن پارے میں ڈھال کر اُسے حقیقی رنگ بخشتا

---

[1] مسٹر کیول کرشن گپتا سابقہ رجسٹرار' جموں یونی ورسٹی کے ایک خط سے ماخوذ۔ انگریزی سے اُردو میں ترجمہ: بشیر بھدرواہی

ہے، جس کی بدولت اُس کا فن تکمیل کی حدیں چھو لیتا ہے۔ ایک سائنس دان کے لئے بھدرواہ کا حُسن ایک للکار اور ایک معمہ ہے کیونکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ اُسے اپنے مختلف رنگ دِکھاتا ہے۔ ایک عام شخص کے لئے بھدرواہ کی خوبصورتی لامتناہی ہے۔ وہ اِسے اپنے لئے دُنیا کے رنج وغم اور پریشانیوں کے فرار کا موجب گردانتا ہے۔ بہار بھدرواہ کو سبز خلعت پہناتی ہے۔ خزاں اِسے سنہری اور پیلا رنگ عطا کرتا ہے، جب کہ موسم سرما اِس کے لئے سفید چادر بُن لیتا ہے۔ گھاس پر چمکتے ہوئے شبنمی قطرے، ستاروں بھرے آسمان اور چمکتے ہوئے برف کے ملائم گالے سبھی مسرت بخش ہیں۔ پرندے اور مویشی بھدرواہ میں اپنا ہی جشن پیش کرتے ہیں۔''[1]

پروفیسر ٹی۔ این۔ موزہ، سابقہ پروفیسر ڈگری کالج بھدرواہ نے اِس وادی کے حُسن کی دِلفریبی کے بارے میں اپنے تاثرات یوں لکھے ہیں:

''بھدروہ کی قدرتی خوبصورتی کی شان وعظمت بے نظیر ہے۔ بلند و بالا اور حیرت انگیز پہاڑوں کے درمیان اپنی جائے قرار اِختیار کئے ہوئے بھدرواہ ایک چھوٹی وادی ہے جو چھ میل سے زیادہ علاقے کا احاطہ کئے ہوئے ہے، جس میں بل کھاتے ہوئے نالے اور چکر کاٹتی ہوئی ندیاں گزر کر ڈوڈہ کے مقام پر گرجتے ہوئے اور پُرشکوہ چناب سے مل جاتی ہیں۔ دلکش اور پُرپیچ وتاب دریا، ساکن اور پُرسکون جھیلیں، زینہ دار دھان کے کھیت، سدابہار جنگلات، رنگارنگ قسم کے خوشبودار پھولوں، سرسبز ہریالی، رسیلے میووں، صاف وشفاف چشموں اور صحت بخش آب و ہوا نے اِس مناظر بھری وادی کو زینت بخشی ہے۔ قدرت بھی اِس وادی پر پورے طور پر فیاض اور مہربان رہی ہے۔ یہ بات بے وجہ نہیں کہ اِسے چھوٹا کشمیر کہا جاتا ہے۔''[2]

1۔ مضمون: طالب علم کے۔ کے۔ مام، مضمون انگریزی، مشمولہ ''شاہین'' میگزین ڈگری کالج بھدرواہ، اُردو ترجمہ: بشیر بھدرواہی

2۔ موزہ مرحوم کے انگریزی مضمون سے ماخوذ، ترجمہ: بشیر بھدرواہی

قدیم ریاست بھدرواہ کے ایک اہم تاریخی خِطّے یعنی علاقہ مرمت سے تعلق رکھنے والے بھدرواہ کالج کے سابقہ طالب علم اور اِس وقت کے پروفیسر ڈاکٹر اسد اللہ وانی نے بھدرواہ وادی کی یوں تصویر کھینچی ہے:

''یہاں کے قدرتی مناظر سے لطف اندوز ہو کر ایک قادرالکلام شاعر اور ایک مصوّر الفاظ کی آمیزش سے ایک رنگین، دِلکش اور سحر ساز تصویر کھینچ کر دُوسرے لوگوں کو اِس کا فریفتہ بنا سکتا ہے۔ یہاں کے قدرتی مناظر سے تھکے ماندوں کو راحت اور مایوس دِلوں کو مسرت حاصل ہوتی ہے۔ مختصراً قدرت نے اِس سرزمین کے چپے چپے پر جنت کے جلوے نمایاں کیے ہیں۔ جو لوگ بھی باہر سے یہاں آتے ہیں، اُن کے ہاتھ اِس کی تعریف لکھنے کے بغیر اور زبان بولنے کے بغیر نہیں رہتی۔ لیکن پھر بھی اُن کی قلم یہاں کی بے بہا قدرتی نعمتوں کا ذِکر کرنے سے قاصر ہے۔ اِس ضلع اور تحصیل بسوہلی کے لوگ اِس جگہ کی رنگینی اور دِلآویزی کو دیکھنے ہر سال بہت مصارف برداشت کر کے آتے ہیں اور یہاں سے لطف اندوز ہو کر مضطرب لوٹ جاتے ہیں۔ اُن کا جی چاہتا ہے کہ وہ اِس دلکش وادی میں عمر بھر رہائش پذیر ہوں۔''[1]

پروفیسر عبدالرحیم راہی نے سمندر کو کوزے میں یوں بند کیا ہے:

''بھدرواہ ایک خوبصورت اور دِلکش مقام ہے۔ کشمیر کی طرح یہ خِطّہ بھی خوبصورت پہاڑیوں سے گھرا ہوا ہے اور یہاں پر قدرت نے اپنی رعنائی کا بھرپور مظاہرہ کیا ہے۔ کیوں نہ ہو یہ ''کشمیر صغیر'' جو ہے۔ یہاں کی حسین وادیاں، فلک بوس چوٹیاں اور مچلتی ہوئی نہریں دِل کو سکون بخشتی ہیں اور بھدرواہ کی عظمت کی نشان دہی کرتی ہیں۔''

پروفیسر سنسار چند گپتا (اُدھم پوری) بھدرواہ سے متعلق اپنے دِل کی بات یوں بیان کرتے ہیں:

---

1. کالج میگزین ''شاہین'' ڈگری کالج بھدرواہ ۱۹۷۱ء

''بھدرواہ اپنی جغرافیائی حیثیت، سطح زمین، موسموں کی کیفیت، دریا اور پہاڑ، زرعی، جنگلاتی و باغاتی پیداوار، صنعت وحرفت اور تفریح کے مقامات وغیرہ اسباب کی بنا پر ''چھوٹا کشمیر'' کہلاتا ہے۔ اور واقعی اِس چھوٹی سی وادی کا رنگ و رُوپ اور اِس کے مناظر، اِس کی جغرافیائی مماثلت پر مبنی نام کا حق دار بھی بناتے ہیں۔''

ڈاکٹر قطب الدین اپنے ''بھدرواہ کے خوابناک اور طرب انگیز سفر'' کی رُوداد قلم بند کر کے بھدرواہ کے حُسن کی یوں داد دیتے ہیں:

''صبح ہم تمنائے دید لیے ہوئے بیدار ہوئے تو دریچوں کے اندر سے ہی بھدرواہ کے دِلکش مناظر دیکھ کر کلفت سفر کافور ہوگئی۔ باہر نکلے تو سامنے شور کرتے ہوئے چشمہ کا سیماب صفت شفاف پانی بہتا نظر آیا۔ چاروں طرف پہاڑ ہی پہاڑ ہیں اور پہاڑ سرسبز و شاداب درختوں کے زمردین برگ و بار سے ڈھکے ہوئے ہیں۔ یہ لمبے خوبصورت تناور درخت صرف بھدرواہ کے حسن میں ہی اضافہ نہیں کرتے ہیں بلکہ اِن کی قیمتی لکڑیاں حقیقت میں قدرت کی طرف سے سرزمین بھدرواہ کے لئے بخشا ہو گراں قدر عطیہ ہے......... قدرت کا حُسن بکھرا ہوا ہے۔ یہاں ہر طرف قدرت کے حُسن کی فسوں سازی کارفرما نظر آتی ہے۔ اِس کوہستانی آبادی کے در و بام کا منظر خوبصورت ہے اور خود یہاں کے لوگ حسین ہیں۔ ظاہری صورت وشکل کے اعتبار سے بھی اور باطنی وصف، خلوص و محبت اور سادہ لوحی کے لحاظ سے بھی۔ بھدرواہ حقیقت میں صناع اِزل کے حسن صنعت کا نہایت ہی حسن وجمیل مرقع ہے۔ مجھے اِس پیکرِ جمیل سے پیار ہے۔ یہاں کے سادہ مزاج، ایثار شعار لوگوں کا شیدائی ہوں۔''

اِس میں کوئی شک نہیں کہ ہماری ریاست کے بہت ہی قدیم اور اہم مورخ کلہن کی ''راج ترنگنی'' میں بھدرواہ کی تاریخ کے متعلق کچھ حوالے ملتے ہیں، جن سے ہماری کچھ اُلجھنوں کا ازالہ ہوتا ہے۔ دراصل قدیم زمانے میں لوگ یہاں کے دُشوار گزار راستوں اور اِن راستوں میں پائے جانے والے جنگلی جانوروں اور کہیں کہیں

ڈاکوؤں سے بھی خائف رہتے تھے اور یہ علاقہ بھی اپنی مخصوص جغرافیائی پوزیشن کی بِنا پر ایک صدی پہلے تک الگ تھلگ ہی تھا۔ اور صرف ڈوگرہ راج میں جاگیر کی حیثیت سے اِس کی اہمیّت کو سمجھا گیا اور آنجہانی مہاراجہ رنبیر سنگھ اور ہری سنگھ کی دور میں اِس کی طرف بھی توجہ دی گئی۔ آخر الذکر مہاراجہ ہری سنگھ کی دُور اندیشی کی بدولت یہ وادی ایک موٹر روڈ کے ذریعے سے ریاست اور مُلک کے باقی حصّوں کے ساتھ ملا دی گئی۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ نے یہاں کی تعلیمی ترقی کی طرف خاص توجہ دی جس کو مہاراجہ ہری سنگھ نے بھی جاری رکھا۔

پروفیسر این. کول نے بھدرواہ کی خوبصورتی کے بارے میں اپنے تاثرات بھدرواہ کالج کے میگزین ''شاہین'' میں یوں قلم بند کیے ہیں:

''بھدرواہ کچھ ایسے مسحور کُن قابل دید جگہوں کے خوبصورت مناظر پیش کرتا ہے جو کسی بھی اعتبار سے سوئزرلینڈ سے کم نہیں ہیں۔ اپنی برفیلی چوٹیوں کے ساتھ اِس کے جنگلوں سے بھرے پہاڑ' بڑی سرسراہٹ بھرے تیز دھارے سے بہنے والے ندی نالے اور بادلوں کے جھنڈوں کے مناظر ہر کسی آنکھ کے لئے باعث سکون و راحت ہیں۔ ایسا لگتا ہے جیسے فطرت کے جمال و کمال نے بھی ایسی عمارات کھڑی کی ہیں جو ہماری آنکھوں کے لئے کشش کا باعث بنی ہیں اور اِن میں مساجد و منادر اِنسان کے تئیں خداوند قدوس پر اعتقاد اور اِس کے مظاہر کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔'' [1]

جارج فارسلر' جب ۱۸۳۷ء میں براستہ بھدرواہ سری نگر جاتے ہوئے چھتر گلہ (بلندی ۳۴۰۰ میٹر) پر پہنچا تو اُس نے اِس وادی کی اِن الفاظ میں تعریف کی:

''جب مجھے اِس پہاڑی خطّے میں اِس خوبصورت وادی پر پہلی نظر پڑی تو مجھے یہ سوئزرلینڈ کی طرح کھائی دی۔''

المختصر اِس وادیِ جنتِ بے نظیر کی تعریف ہر اُس شخص نے کی جسے قدرت

---

[1] ''شاہین'' کالج میگزین بھدرواہ' انگریزی سیکشن' ص: ۴۵' اُردو ترجمہ: بشیر بھدرواہی

نے یہاں آنے کا موقع دیا۔ صدیاں بیت جانے کے بعد اگر چہ کچھ اپنوں ہی نے اِس وادی کے حصّے بکھرے کر کے اِسے چند ایک پنچائتوں تک محدود کر ڈالا اور اس کی معیشت، اقتصادیات اور رونق پر ضرب کاری لگائی، تاہم اِس کے فطری حسن و جمال پر وہ لوگ ڈاکہ نہ ڈال سکے اور قدرت اِسے آئے دن سنوارتی اور نکھارتی رہی ؎

میری مشاطگی کی کیا ضرورت حُسنِ معنی کو
کہ قُدرت خود بخود کرتی ہے لالے کی حنا بندی

(غالبؔ)

بھدرواہ کے دریا، ندی اور نالے:

قدرت نے جہاں بھدرواہ کی حسین و جمیل وادی اور اِس قدیم سلطنت کے مختلف حِصّوں کو قسم قسم کی انمول نعمتوں سے نوازا ہے، وہاں فلک بوس پہاڑوں سے نکلنے والے بے شمار دریاؤں، ندی نالوں اور میٹھے پانی کے چشموں کے ایک حیران کُن نظام کی تخلیق کاری بڑی فیاضی سے عمل میں لا کر اِس کی مجموعی ترقی اور خوشحالی کو یقینی بنا دیا ہے۔ یہ ندی نالے نہ صرف اِن علاقوں کی پیداوار کے حوالے سے آبی ضروریات کو کافی حد تک پورا کرتے ہیں اور ساتھ ہی یہاں کی ماہی گیری صنعت کو بڑھاوا دینے میں مدد دیتے ہیں بلکہ اِن کے قدرتی حُسن کو بھی دو بالا کرتے ہیں۔ اِن کے تیز بہاؤ سے پیدا ہونے والی صاف و شفاف پانی کی لہروں اور موجوں کی سرسراہٹ اور نغمگی کسی بھی صاحبِ نظر اور فطرت شناس اِنسان کو ایک فطری سکون بخشتی ہے۔

کوہِ کیلاش سے نکلنے والے ندی نالے:

مرحوم نرسنگھ داس نرگسؔ اپنی مشہور تاریخ ''تاریخ ڈوگرہ دیس'' میں کیلاش

سے نکلنے والے دریاؤں اور ندی نالوں کا ذِکر یوں کرتے ہیں:

''کوہ کیلاش سے مشرق کی طرف سے دریائے سیاوہ، جنوب کی طرف سے دریائے اوجھ، مغرب کی طرف سے دریائے توی اور شمال کی طرف سے دریائے نیرو نکلتے ہیں۔ دریائے سیاوہ بنی پنیالگ تحصیل بسوہلی سے گزرتا ہوا دریائے راوی میں متصل ہٹ گرتا ہے۔ اِس جگہ کا نام سنگم مشہور ہے اور یہاں بسوہلی اور چمبہ کی حدود ملتی ہیں۔ دریائے اوجھ بلاور تحصیل اور رام نگر وادیوں کو سیراب کرتا ہوا گورداس پور کے نزدیک دریائے راوی سے جا ملتا ہے اور موضع مکوال تحصیل جموں کے نزدیک دریائے چناب میں جا گرتا ہے۔ دریائے توی تحصیل جموں کے میدانی علاقہ کو سیراب کرتا ہے اور دریائے نیرو قصبہ بھدرواہ کے نیچے سے گزرتا ہوا ڈوڈہ کے متصل دریائے چناب میں جا ملتا ہے۔''
(تاریخ ڈوگرہ دیس، ص: ۱۶۸)

بھدرواہ کی طرف بہنے والے دریاؤں اور ندی نالوں میں ''نیرو'' اور ''ہلون'' قابلِ ذکر ہیں۔ نالہ ہلون کا رُخ چھتر دھار کے شمالی حصّے سے بہتے ہوئے موضع بستی کی طرف مُڑ جاتا ہے۔ سرتنگل کی طرف آتے ہوئے یہ نالہ ''مچھو گوجر'' کی ہلونی نامی بہک سے گزرتا ہے۔ ہلونی بہک کی نسبت سے اس کا نام ہلونی پڑ گیا ہے۔ موضع گڑھ اور موضع سرتنگل سے آگے نکل کر مونڈہ گاؤں کے مقام پر کوہ آشاپتی سے آتے ہوئے دریائے نیرو کے ساتھ مل جاتا ہے۔ کیلاش کی طرح ہی کوہ آشاپتی وادیٔ بھدرواہ کے حسن اور خوبصورتی میں چار چاند لگاتا ہے۔ مسٹر دیس راج کاٹل اپنے ایک مضمون ''اٹھکھار'' میں نالۂ ہلون کی قدیم گزرگاہ کا یوں ذکر کرتے ہیں:

''موجودہ سرتنگل اور گڑھ کے نیچے جونئی بستی آباد ہو رہی ہے، جس کا نام ''ہروت نگر'' رکھا گیا ہے، ایک ہی سطح پر تھے۔ اِن کے درمیان آج جو گہرا ہلون نالہ بہہ رہا ہے، یہاں پر نہیں بہتا تھا بلکہ یہ سرتنگل کے جنوب مشرق کی جانب سے بہتا ہوا سرتنگل اور پاور ہاؤس سرتنگل کے بیچوں بیچ بہتا ہوا بمقام راؤ نالہ نیرو میں ملتا تھا۔ تب

اِن دونوں نالوں کا سنگم بہ مقام ''راو'' تھا جو کہ آج کل بہ مقام گھانگو بنا ہوا ہے۔ نالہ ہلون کا رُخ غالباً دُوسرے بڑے تباہ کن سیلاب کے بعد بدلا' جس سے کہ اودھانگر (پرانی راجدھانی) بُردِ آب ہو گیا''

کہا جاتا ہے کہ دریائے نیرو دو ندیوں یعنی نیرو'' اور '' کالگنڈی'' کے ملنے سے وجود میں آتا ہے' جو آشاپتی اور کیلاش کے پہاڑوں سے نکلتی ہیں۔ یہ دریا موضع مونڈہ سے نکل کر بڑی آب و تاب کے ساتھ قصبہ بھدرواہ اور اِس کی وادی کے دیگر علاقوں سے مشرق کی طرف سے پہاڑی دامن کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتا ہے۔

دُوسری طرف کوہِ کیلاش سے ہی نالہ پونیچہ نکلتا ہے جو آگے جاکر ''ہالیاں'' کے نام سے موسوم ہوتا ہے۔ یہ نالہ قصبہ بھدرواہ کے بیچوں بیچ نکل کر موضع کوٹلی سے گزرتے ہوئے اور سرولباغ سے بہتے ہوئے نیرو میں مغرب کی طرف ملتا ہے۔ سیوج دھار سے ایک اور اہم نالہ موضع مٹھولہ سے گزرتے ہوئے موضع چلّہ سے آگے نکل کر اُدرانہ کے نشیبی حصّہ میں دریائے نیرو کے ساتھ ہم آغوش ہو جاتا ہے۔ اِس دریا کے ساتھ موضع چنوت کا نالہ بھی کوٹلی کے بالائی حصّے میں مِل جاتا ہے۔ وہ نالہ بھی کیلاش اور سیوج دھار کی دین ہے۔ یہ سب ندی نالے بھدرواہ کی ترقی کے لئے ایک شہہ رگ کے مترادف ہیں۔ نالہ ملینی بھی رینڈہ کے مقام پر نیرو سے جا ملتا ہے۔ یہ پہلے بڑا تیز رفتار نالہ ہوا کرتا تھا لیکن ب کچھ عرصہ سے اِس کے پانی میں بہت کمی آگئی ہے۔ نیرو کے طاس میں موضع مونڈہ' دریچہ' اٹال گڑھ' رینڈہ' سرولباغ' کرساڑی' درنگہ' بھالا' پرانوں اور بیرڑو جیسے معروف دیہات آتے ہیں۔

نالہ نیرو کے ساتھ علاقہ کیلاڑ سے آنے والا نالہ بن کڈ' بھالا کے مقام پر مِل جاتا ہے جس پر ایک پختہ پل تعمیر ہوا ہے۔ آج کل اِس نالہ پر تقریباً پانچ بڑے اسٹیل برج تعمیر کئے جا رہے ہیں' جن پر کروڑوں روپے خرچ ہو رہے ہیں۔ دریائے نیرو پُل ڈوڈہ کے مقام پر دریائے چناب سے مل کر اپنا وجود کھو دیتا ہے لیکن اِس کے نیلے پانی کا

حسن آخر تک قائم رہتا ہے۔ بھدرواہ کی آبی زمین سے حاصل ہونے والی دھان کی پیداوار اور پبلک ہیلتھ سسٹم کے ذریعے پینے کے پانی کی فراہمی کا سارا دارومدار اِن ہی ندی نالوں پر ہے۔ بھدرواہ کے دریا اور ندی نالے بہ حیثیت مجموعی یہاں کی اِقتصادی ترقی کے لئے ریڑھ کی ہڈی کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔

***

مملکتِ بھدرواہ

آب وہوا:

قدیم مملکتِ بھدرواہ کی آب وہوا اپنے محل وقوع، پہاڑی خدوخال کی وجہ سے مخصوص قسم کی ہے۔ تھوڑی تھوڑی تفاوت کے ساتھ جموں کے میدانی علاقوں جیسی اس کے کنڈی علاقوں جیسی گرمی اور کشمیر کے پہاڑی علاقوں جیسی سردی اور برف تقریباً اس کے سارے پہاڑی خِطّوں میں دِکھائی دیتی ہے تاہم جموں کے گرم علاقوں کے نزدیک ہونے کے باوجود وہاں سے آنے والے گرم ہواؤں کے جھونکے اِن پہاڑی وادیوں سے گُزرتے ہوئے ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں جس سے موسم میں خوشگواری آجاتی ہے۔ وادیء بھدرواہ کا موسم گرما میں اوسط درجہء حرارت ۱۸ سے ۳۲ ڈگری رہتا ہے۔ یہاں کی آب وہوا کا دارومدار باقی مقامات کی طرح اِس کی سطح سمندر سے بلندی (عرض بلد) پہاڑوں اور ہواؤں کے رُخ اور موسمی ہواؤں کے دباؤ پر ہے۔ یہ عوامل مل کر کے اِس سارے خطّہ پر اثرانداز ہوکر اِسے متنوع بناتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ زیادہ اُونچے مقامات پر سردیوں میں زیادہ برف باری ہوتی ہے اور سردی بھی بڑھ جاتی ہے لیکن کم اُونچائی والے علاقوں میں سردی اور برف زیادہ نہیں پڑتی۔ موخرالذکر علاقوں میں کنڈی دراب اور نیرو کے ساتھ پڑنے والے مشرقی علاقے شامل ہیں۔ علاقہ بھلیس کے کم اُونچائی والے علاقوں میں موضع بٹھیاس، باٹھری، کاہرا، ملانوں، دوندی کے علاقے اور دراب کے سارے علاقوں اور مرمت کے نشیبی حصّوں میں مقابلتاً کم برف پڑتی ہے اور سردی بھی کم ہوتی ہے۔ تاہم اِن کے بالائی علاقوں میں سردی کہیں

زیادہ ہوتی ہے۔

موسم:

(ا) موسمِ گرما: موسم گرما میں وادیء بھدرواہ کے کیلاڑ' مرمت' چراہلہ' بھلیس کے باقی مقامات پر موسم سہانا اور خوشگوار ہوتا ہے۔ اِن مقامات کے پہاڑ آب وہوا کی تبدیلی میں کچھ کم کردار ادا نہیں کرتے۔ عرض بلد اِن مقامات کی بارش اور درجہء حرارت پر اثر انداز ہوتا ہے گو کہ کبھی کبھی اِن وادیوں میں بھی گرمی اپنا جوبن دِکھا کر کچھ مُشکلات پیدا کرتی ہے' تاہم اِن خِطّوں کے بالائی علاقوں میں اور پہاڑوں پر واقع بے شمار سرسبز شاداب چراگاہوں اور دِل فریب وادیوں کے پُر فضا ماحول میں بہت سے خوش قسمت لوگ رنگا رنگ پھولوں کی خوشبو اور ٹھنڈی اور خوش کُن ہواؤں سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور ذوقِ جمال کی تکمیل اور تسکین کرتے ہیں۔ یہ ہوائیں اِس مملکت کی اندرونی وادیوں کے مختلف حصّوں کی آب و ہوا کو بھی خوش گوار' سکون بخش اور مسرور کُن بنا دیتی ہیں۔ موسم گرما میں یہاں کی بے شمار خوبصورت دھاروں' پہاڑی ڈھلوانوں کی اُونچی ہمواریوں میں مقامی گوجر' گدی' زمیندار اور باہر کے گوجر بکروال اور چرواہے اپنے مویشیوں کے ساتھ آجاتے ہیں۔ سیوج دھار' پدری' بھال پدری' جنطرون' جائی' ریوشرا' پُھکلانی اور سُبھار دھار کی حسین ترین چراگاہوں سے لے کر بھلیس' کیلاڑ اور مرمت کے دِلکش مرغزاروں تک ماہ گرما میں لمبی خاموشی کے بعد ایک نئی زِندگی جنم لیتی ہے۔ پھولوں' جڑی بوٹیوں کی مہک اور جنگلی پرندوں کی چہک اِن مقامات پر جنت کا ساسماں پیدا کرتی ہیں۔ دھان کے کھیتوں میں پنیری لگاتے وقت یا اِس کی نلائی کرتے وقت مرد اور عورتیں ٹولیوں میں مقامی لوک گیت اور کشمیری گانے مسحور کن آوازوں میں گاتے ہیں۔ موسم گرما جون سے لے کر ستمبر کے وسط تک رہتا ہے۔ اگست کے اواخر پر اِن وادیوں میں ایک منصوبہ بند اور مربوط طریقہ سے

رنگا رنگ قسم کے مقامی تہواروں کا مسرت بخش سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جن سے یہ وادیاں پُر رونق ہو جاتی ہیں۔ اکتوبر کے آخری ہفتے میں اِن ڈھاروں اور مرگوں میں ایک لمبی خاموشی طاری ہو جاتی ہے کیونکہ اِن کی ساری آبادی یہاں سے منتقل ہو کر میدانی علاقوں میں چلی جاتی ہے۔

(ب) موسم بہار: یہ موسم بالعموم مارچ کے وسط سے ماہِ مئی کے آخر تک ہوتا ہے جو اپنی پوری رنگینوں اور رعنائیوں کے ساتھ پھولوں کے شگوفوں سے اِس ساری سرزمین، یہاں کے عام قسم کے اور میوہ دار درختوں اور جھاڑیوں کو خلعتِ بہار زیب تن کراتے ہوئے جلوہ افروز ہوتا ہے اور ان وادیوں کو سرسبز و شاداب بنا کر یہاں کے باشندوں کو سکون و فرحت کے سامان فراہم کرتا ہے۔ یکا یک ہر پودے اور درخت کے مردنی چھائے ہوئے جسم کو تازہ برگ و بار سے آراستہ پیراستہ کرتا ہے اور چاروں طرف بے شمار کلیاں اور کونپلیں کھل اُٹھتی ہیں جس سے سردیوں کا چھایا ہوا جمود ٹوٹ جاتا ہے۔ لوگ متحرک ہو جاتے ہیں۔ زمیندار، کسان اور کاشتکار جیسے کسی گہری نیند سے جاگ کر زمینداری کے کاموں میں جُٹ جاتے ہیں۔ مال مویشی بھی جیسے کسی لمبی قید سے چھوٹ کر آزادانہ ماحول میں کھلی سانس لیتے ہیں۔ چاروں طرف زِندگی کی ایک نئی لہر دوڑ جاتی ہے۔

(پ) موسم برسات: موسم گرما کے دوران ہی موسم برسات جولائی کے وسط سے شروع ہو کر ستمبر کے وسط تک جاری رہتا ہے۔ قدیم زمانے میں اِن وادیوں میں زبردست قسم کی بارشیں ہوتی تھیں جن سے بڑے بڑے طوفان نمودار ہوتے تھے لیکن کئی سالوں سے بارشوں میں کمی ہو گئی ہے جس کا اثر یہاں کی پیداوار پر بھی پڑ رہا ہے۔ وادیء بھدرواہ کے مختلف حِصّوں میں ہلالی شکل کے زینے بناتے ہوئے سرسبز اور ہریالی بھرے دھان سے اَٹے ہوئے کھیتوں کا شفاف اور چمکتا ہوا فاضل پانی چھوٹی چھوٹی آبشاروں اور جھرنوں کی شکل دھار کر ایک کھیت سے دُوسرے

کھیت میں گزرتے ہوئے ساری وادی کے حسن کو اور بھی دوبالا کرتا ہے۔ صناع کاری کا یہ کرشمہ موسم سرما میں بھی دِکھائی دیتا ہے۔ فرق صرف اِتنا رہتا ہے کہ ہریالی کی جگہ خالی کھیتوں میں جمع شدہ سفید اور شفاف برف کی لمبی لمبی چادریں پگھل کر رو پہلے پانی کی صورت میں ایک کھیت سے دُوسرے کھیت میں بڑی مست خرامی سے گزرتے ہوئے ایک دِلفریب منظر کو جنم دیتی ہیں۔ یہ بارشیں ہر قسم کی فصل اور پودوں کے لئے مفید ہوتی ہیں، البتہ ان کی شدت طوفانوں اور طغیانیوں کا موجب بن کر فصلوں کی تباہی کا باعث بھی بنتی ہیں۔ ضلع ڈوڈہ کی اوسطاً سالانہ بارش تقریباً ۳۳ء۱۸۹۱ ملی میٹر ریکارڈ کی گئی ہے۔ غالباً یہی اوسط کم و بیش بھدرواہ کے مختلف حصّوں میں پڑنے والی برف و بارش کی بھی ہوگی۔ یہاں مئی جون کے مہینوں میں بھی گرج چمک کے ساتھ بارش ہوتی ہے لیکن موسم برسات میں اِن میں اِضافہ ہوجاتا ہے۔

(ج) موسم خزاں: یہ موسم ماہ ستمبر کے وسط سے نومبر کے آخر تک رہتا ہے اور یہاں کی وادیوں کو اپنی نئی جلوہ سامانیوں سے نوازتا ہے۔ اِن وادیوں کی شادابی اور سبزہ زاروں کو سنہرے اور زرد مائل رنگوں کی پوشاکیں پہنا کر اِنہیں خوشنما بنانے میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھتا۔ کھیتوں پر خزاں کے چھا جانے کے دوران بھی فصلوں کے بدلتے ہوئے رنگ نہایت ہی دِلفریب اور رُوح پرور نظارہ پیش کرتے ہیں۔ فصلیں تیار ہو کر یہاں کے باشندوں کی اُمیدوں اور محنت کو بار آور کر کے اُنہیں مسرت اور اِنبساط کے سمندر میں غوطہ زن کرتی ہیں۔ قسم قسم کے میووں سے باغات لَد جاتے ہیں۔ درختوں پر زردی چھا جاتی ہے اور پتے اِس طرح سے جھڑنا شروع کرتے ہیں جیسے ہزار غیبی پریاں ہوا کے دوش پر ناچ ناچ کر نیچے آرہی ہوں۔ جن کو بعض اوقات ہوا کے جھونکے ایک گردباد کی صورت بخش کر رقص کا سا رنگ عطا کرتے ہیں۔ موسم خزاں کی اپنی بہار ہوتی ہے۔ وادیءِ بھدرواہ کی آب و ہوا کا اِمتیازی وصف اِس کے روزمرہ اور موسمی درجہء حرارت میں کمی بیشی پر ہے۔

(د) موسم سرما: سردیوں کا موسم، موسمِ خزاں کے اواخر یعنی نومبر سے ہی ظہور پذیر ہوتا ہے اور مارچ کے وسط تک جاری رہتا ہے۔ جھاڑے کے اِن مہینوں میں وادیء بھدرواہ کا درجہء حرارت تھوڑی تفاوت کے ساتھ تقریباً ۱۶ ڈگری سینٹی گریڈ سے درجہء انجماد تک بھی رہتا ہے اور اُونچے پہاڑوں پر تو یہ گر کر منفی ۲۰ سے منفی ۳۰ درجہ تک بھی پہنچ جاتا ہے۔ اِس موسم میں اِس قدیم راجوڑے کے تقریباً سبھی اُونچے مقامات اور پہاڑوں پر سخت برف باری ہوتی ہے اور سردی میں شدّت محسوس ہوتی ہے۔ پہاڑی جھیلیں اور نالے جم جاتے ہیں۔ جھیلیں ہموار میدان سی لگتی ہیں۔ کئی مقامات پر پہاڑوں سے برفیلے تودے گرنے لگتے ہیں اور ندی نالے اُن تودوں سے بھر جاتے ہیں۔ پہاڑوں اور نالوں کی برف مئی جون تک پگھل نہیں پاتی۔ وادی کا نزدیک ترین گلیشیر سونہ بانی ہے۔ کیلاش کی ڈھلوانوں میں بھی ایسے ہی تودے گرآتے ہیں۔ اِسی طرح مرمت اور بھلیس وغیرہ کے علاقے بھی اِن برفانی تودوں کی زد میں آجاتے ہیں اور اِن علاقوں کی پہاڑی چوٹیاں برف سے ڈھک جاتی ہیں۔ موسم سرما میں یہ وادیاں سفید برف کی جیسے چادریں اوڑھ لیتی ہیں، ہر طرف برف ہی برف دِکھائی دیتی ہے۔ خاص طور پر صبح کا منظر قابلِ دید ہوتا ہے جب سورج کی کرنیں سفید برف پر ٹکراتی ہیں تو اُن کی عکاسی سے ایسا لگتا ہے جیسے کسی چادر پر سفید موتیوں کی جھلملاتی ہوئی مالائیں پیوست کی گئی ہوں۔ معکوس کرنوں کی رمق آنکھوں میں چکا چوند سی کیفیت پیدا کرتی ہے۔ پہاڑ جیسے دُولہے لگتے ہیں جب کہ وادیء بھدرواہ ایک دُلہن سی دِکھائی دیتی ہے۔ کم اُونچائی والے علاقوں میں بھی برف گرتی ہے یا پھر کم گرتی ہے۔ بھدرواہ میں سرمائی کھیلوں کا اہتمام بھی کیا جاسکتا ہے۔ ویسے بھی بچے برف کے گولے بنا بنا کر ایک دُوسرے پر پھینکتے رہتے ہیں جیسا کہ رسا جاودانی (مرحوم) نے اِس کی منظر کشی اپنے کئی اشعار میں کی ہے۔ ملاحظہ کیجیے ؎

ٹھگوں کے لڑکے اُٹھتے ہیں تڑکے

ہر اِک بولے پھینکورے گولے
پھینکورے گولے......... (نظم: برف باری)

پیداوار اور خوراک:

اِس قدیم مملکت کے باشندوں کی من بھاتی خوراک یہاں مقامی طور پر پیدا ہونے والی مکی تھی، البتہ میدانی علاقوں میں دھان کی بکثرت کاشت کیے جانے کی وجہ سے وادیء بھدرواہ اور علاقہ کیلاڑ میں چاول ہی کا زیادہ اِستعمال ہوتا ہے۔ اِس کے علاوہ یہاں کے مختلف علاقوں میں گندم اور جو کی فصلیں بھی اُگائی جاتی ہیں۔ مکی وادیء بھدرواہ کی پہاڑی ڈھلوان کے علاوہ علاقہ اٹھکھار، چنتہ 'چراہلہ' علاقہ کیلاڑ' دراب کے بالائی علاقوں، علاقہ بھلیس اور علاقہ مرمت گلیاں (کھسال) وغیرہ میں وافر مقدار میں پیدا ہوتی ہے، جو یہاں لوگوں کی خاص خوراک ہے۔ کچھ سال پہلے تک علاقہ بھلیس سے فاضل مکی کے ذخائر ضلع ڈوڈہ کے مختلف حِصّوں کو برآمد کیے جاتے تھے۔ بھلیس سے ہی گھی، راجماش، شہد اور اخروٹ بھدرواہ کی منڈی میں فروخت ہو کر جموں کی منڈی میں بھیج دیئے جاتے تھے۔ یہی حال میووں کا بھی ہے۔ علاقہ مرمت سے بھی گھی، مکی، اخروٹ، سبزیاں جموں کی منڈیوں میں فروخت ہوتی ہیں۔ علاقہ کیلاڑ کی مکی اور چاول بہت لذیز اور ذائقہ دار مانے جاتے ہیں جو نہ صرف بھدرواہ میں بلکہ ڈوڈہ، ٹھاٹھری اور کشتواڑ میں بھی اِستعمال کیے جاتے ہیں۔ آئے دِن اجناس کی کمی محسوس ہوتی جارہی ہے جس کو محکمہ امورِ صارفین پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے بلکہ جموں کی منڈیوں سے بھی چاول کی مختلف قسمیں، دالیں، گندم کا آٹا اور دیگر اشیائے خورد ونوش برآمد کی جاتی ہیں۔ علاقہ بھلیس سے شہد، راجماش، اخروٹ اور میوے وغیرہ اب بھی باہر بھیجے جاتے ہیں۔ کنڈی علاقوں (دراب) میں جو، گندم، پیاز اور باجرے کی کاشت ہوتی ہے۔ بہت سے مقامات پر سرسوں کی پیداوار ہوتی ہے۔ ساگ کے علاوہ اِس

سے تیل بھی حاصل کیا جاتا ہے۔ مجموعی طور پر لوگ چاول، مکی، گندم، سبزیاں اور دالیں وغیرہ کھاتے ہیں۔ علاقہ بھلیس، مرمت، کیلاڑ، ٹھاٹھری اور وادیء بھدرواہ کے تقریباً سبھی علاقوں میں گوشت، مچھلی، انڈوں، پنیر اور دالوں کا اِستعمال ہوتا ہے۔ مقامی طور پر بنی ہوئی بیکری، جس میں کیک، سموسے، بسکٹ اور کئی دیگر چیزیں شامل ہیں، کا اِستعمال ہر جگہ ہوتا ہے۔ گوشت کی بہت سی اقسام کا رواج ہو گیا ہے جس میں رِستہ، قیمہ، روغن جوش، کباب، شاہی کباب، قورمہ، بریانی اور گشتابہ وغیرہ شامل ہیں۔ چاول بھی مختلف قسموں میں پکایا جاتا ہے جیسے خشک چاول، آلو پلاؤ، پلاؤ یا مٹر پلاؤ وغیرہ۔ سری نگر کی طرح یہاں پر بھی تندوری روٹی، نان، باقر خانی اور لواسوں کا رواج قائم ہو گیا ہے۔ پہاڑی علاقوں میں دیسی مرغ بھی دستیاب ہیں لیکن باقی مقامات پر مرغ اور انڈے جموں سے منگوائے جاتے ہیں۔ لوگ عام طور پر نمکین چائے، دُودھ، دہی، گھی اور مکھن کے دِلدادہ ہیں۔ لسّی اور دہی تو پہاڑی لوگوں کی من پسند خوراک ہے۔ یہاں کڑم، کسروڑ اور مولی کا اچار بہت زیادہ اِستعمال ہوتا ہے۔ مقامی طور پیدا ہوئے میووں کے علاوہ جموں سے برآمد کئے ہوئے میوے یعنی سنگترہ، کیلا، انار، سونگی، بادام، تربوزے وغیرہ کا اِستعمال بھی عام ہے۔ گرم علاقوں میں کیلے، سنگترے، کدو، مٹر، بیگن، ٹماٹر، آلو، چقندر، مولی اور کڑم وغیرہ کی پیداوار بھی ہوتی ہے۔

یہ بات خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ وادیء بھدرواہ میں کڑم، ٹماٹر، آلو، چقندر اور مولیاں موضع کنسر میں پیدا ہوتے ہیں۔ علاقہ کیلاڑ میں کڑم، پالک، ٹماٹر، شلغم کی پیداوار ہوتی ہے جبکہ علاقہ مرمت میں آلو، گوبھی، پھول گوبھی اور فراش بین پیدا ہوتے ہیں۔ ٹھاٹھری کے علاقے میں پیاز، لہسن، مٹر، آلو ٹماٹر اور دیگر سبزیاں اور علاقہ بھلیس میں کڑم، مٹر، آلو ٹماٹر وغیرہ پیدا ہوتے ہیں۔ بھلیس، مرمت اور کیلاڑ (بھدرواہ) کے مقامات پر جنگلی گچھیاں (مشروم) بڑی مقدار میں حاصل ہوتی ہیں، جو آمدنی کا ایک بہت بڑا ذریعہ بن گیا ہے۔ جنگلات سے لوگ بنفشہ اور کئی قسم کی جڑی بوٹیاں اور

کچھ جنگلی سبزیاں وغیرہ بھی حاصل کرتے ہیں۔ اِن کو باہر کی منڈیوں میں فروخت کیا جاتا ہے۔ کئی جگہوں پر مچھلیاں پالنے کی ہیچریاں تعمیر کی گئی ہیں، جن میں گاٹھ کی ہیچری سرفہرست ہے۔ کچھ عرصہ پہلے حکومت نے مچھلیوں کی پیداوار بڑھانے کے لئے علاقہ اٹھکھار سے گزرنے والے نالہ نیرو میں ٹروٹ مچھلی پالنے کا سلسلہ شروع کیا تھا جن کی پیداوار خاطر خواہ طور پر بڑھ رہی تھی۔ بدقسمتی سے لوگوں کی لاپرواہی اور محکمہ کی عدم دِلچسپی سے کچھ عناصر نے مچھلیاں پکڑنے کے نت نئے طریقے اِستعمال کر کے اُن کی نسل کو ہی نیست و نابود کر ڈالا۔ لوگوں نے زہریلے پاؤڈر کے اِستعمال سے مچھلیوں کی بیخ کنی کی۔ سیاسی حالات نے بھی محکمہ کی طرف سے اُن کو تحفظ فراہم کرنے کی راہیں مسدود کروائیں۔ اب موجودہ حکومت اِس طرف خاص دھیان دے رہی ہے۔ غالباً نجی طور پر اس صنعت کو فروغ دیا جائے گا۔ گوشت کی پیداوار کو بڑھانے کے لئے محکمہ پشو پالن نے کچھ سکیمیں بنائی ہیں۔ اِسی طرح محکمہ زراعت، محکمہ باغبانی اور محکمہ سریکلچر بھی حرکت میں آرہے ہیں۔ اب دیکھئے یہ لوگ اپنے اپنے شعبوں میں پیداوار بڑھانے کے سلسلہ میں کون سے نئے اِقدامات اُٹھائیں گے۔ سرکار نے سکیمیں بڑی نیک نیّتی سے مرتب کی ہیں لیکن محکموں میں کام کرنے والے اہل کاروں اور عام لوگوں پر ہی اِن سکیموں کی کامیابی کا دارومدار ہے۔

میوے اور پھل:

وادیٔ بھدرواہ کے گردونواح اور اِس کے ملحقہ دیہات کے علاوہ علاقہ بھلیس، ٹھاٹھری، کیلاڑ اور مرمت میں متعدد قسم کے پھل پیدا ہوتے ہیں جن میں سیب امری سب سے قدیم اور اہم پھل ہے۔ اِس کا ذائقہ مزے دار اور خوشبو رُوح پرور ہوتی ہے۔ یہ سال بھر رکھے جانے کے بعد بھی خراب نہیں ہوتا۔ اِس کا درخت عموماً تیسرے سال پھل دیتا ہے۔ محکمہ باغبانی کے ملازمین نے لوگوں کو کریش پروگرام کے

تحت دُوسرے قسم کے سیب اُگانے کی طرف راغب کیا جو ہر سال اچھی مقدار میں پھل دیتے ہیں۔ بدقسمتی سے لالچ میں آ کر لوگوں نے سیب امری کے درختوں کو کاٹنا شروع کیا جس سے اب اِس کی پیداوار میں بہت کمی واقع ہوگئی ہے۔ امری کے علاوہ یہاں پر ہاڑ فرانسی ڈیلی شئیس وغیرہ قسموں کے سیب عام طور پر دستیاب ہیں جو قدیم مملکت کے ہر حصّے میں پائے جاتے ہیں۔ بھلیس میں موضع کنڈولؔ سوتی' چنگا اور بسران کا سیب سب سے اعلیٰ قسم کا مانا جاتا ہے۔ مملکت کے باقی حصوں میں کسی کسی جگہ اِس کے درخت پائے جاتے ہیں۔ ایک پرانی قسم کا سیب ''خوتن'' کہلاتا تھا جو کھٹے میٹھے قسم کا پھل تھا۔ اب اِس کے درخت بھی ختم کردئے گئے ہیں۔ سیبوں کی ایک اور قسم تریلا کہلاتی ہے جو قامت میں بہت چھوٹا لیکن بہت ذائقے دار ہوتا ہے۔ سیبوں کے علاوہ اِن علاقوں میں ناشپاتی' خوبانی' اخروٹ' بہی' آڑو' انار' گلاس' امرود' سنگترہ' لیموں' آلو بخارہ' بگوگوشہ' ساڑی' نارنجی' شہتوت' چلغوزہ اور املوک وغیرہ وافر مقدار میں پائے جاتے ہیں۔ علاقہ بھلیس اور ٹھاٹھری کے کچھ علاقوں کی ناشپاتی' بہی اور سیب وغیرہ اچھی قسم کے ہوتے ہیں۔ مرمت کا انار دانہ مشہور ہے۔ علاقہ کیلاڑ کے سیب بہت مشہور ہیں۔ اِس کے علاوہ وہاں بہی کے درخت بھی پائے جاتے ہیں۔ علاقہ مرمت اور ٹھاٹھری کے کچھ علاقوں میں سنگترے اور کیلے کے درخت لگائے گئے ہیں۔ مرمت' بھلیس اور چراہلہ کے علاقوں میں اخروٹ کی اچھی قسم پائی جاتی ہے۔ وادیء بھدرواہ کے علاقہ چنتہ' بھالٹرہ اور گواڑی میں بھی سیبوں کی بہتات ہوتی ہے۔ ہر سال لاکھوں روپے مالیت کے میوے جن میں سیب' ناشپاتی' بہی اور بگوگوشے وغیرہ شامل ہیں' اِن علاقوں سے جموں برآمد کئے جاتے ہیں اور وہاں سے موسمی پھل درآمد ہوتے ہیں' جن میں سنگترے' کیلا' تربوز' انار' آم' کینو اور خشک میوے جیسے بادام' سونگی وغیرہ شامل ہیں۔ اِس قدیم راجواڑے میں شجر کاری اور باغبانی کو فروغ دینے کی کافی گنجائش موجود ہے اور اِس پر اچھی منصوبہ بندی اور اس پر دیانتداری سے عمل کرنے کی ضرورت

ہے۔اگر دیکھا جائے تو کروڑہا روپے خرچ کرنے کے باوجود یہاں پر اِس سلسلہ میں کوئی نمایاں کام نظر نہیں آتا۔بھدرواہ کی دو نرسریاں کئی ہزار کنال رقبے پر پھیلی ہوئی ہیں اور عرصہ پچاس سال کے باوجود یہ محتاجِ توجہ ہیں۔اِن میں ایک سرتنگل میں ہے اور دُوسری کوٹلی میں۔اِسی طرح سے اسکواٹ کی طرف سے ڈنڈی' گواڑی کے مقام پر عرصہ سے ایک بڑا قطعہءارض خرید اگیا تھا۔توقع تھی کی محکمہ زراعت کے بڑے بڑے تعلیم یافتہ مقامی آفیسر خلوص کے ساتھ اِس میں نئے نئے تجربے کر کے مقامی زراعت سے جُڑے ہوئے اہلکاروں کو تربیت دے کر یہاں کی مجموعی پیداوار میں اضافہ کریں گے لیکن آج تک اِس بڑے فارم پر کوئی قابلِ داد کام نہیں ہوا' جس سے یہاں کی پبلک ہمیشہ ناراض رہی۔کاش کہ اِن سہولیات کا کچھ فائدہ اُٹھایا جاتا جن پر مختلف حکومتوں نے آج تک کروڑہا روپے خرچ کیے۔موجودہ حکومت اِن منصوبوں کی طرف توجہ دے رہی ہے اور توقع ہے کہ کچھ عرصہ تک اِن پر نئی سوچ اور لگن سے اہلکار بھی متوجہ ہوں گے اور لوگوں کو ٹھوس نتائج سے آگاہ کریں گے۔

پھول:

اِس قدیم راجواڑے کے مختلف حصّوں میں پائے جانے والے جنگلوں' وسیع وعریض مرغزاروں' پہاڑی تلہٹیوں' چراگاہوں اور کھیت کھلیانوں میں موسم بہار اور موسم گرما میں قسم قسم کے رنگا رنگ پھول کھل کر اِس سارے علاقے کو رشکِ جنت بنا دیتے ہیں۔اِن دلفریب لہلہاتے جھلملاتے ہوئے پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو سے اِنسان کو ایک عجیب سی فرحت اور سکونِ قلب محسوس ہوتا ہے اور وہ کیف وسرور کے عالم میں کھوسا جاتا ہے۔آپ بھلیس جایئے' جائی' چنتہ' جنطر ون' سبار دھار جایئے یا سیوج دھار اور کیلاش کی چڑھائیاں چڑھیے' بھال پدری یا پدری کے سبزہ زاروں میں ٹہلئے۔مرمت اور کیلاڑ کے جنگلوں کے دِلکش مقامات میں جا کر کچھ دیر رُکیے تو آپ کو محسوس ہوگا کہ

اِن جگہوں میں خودرو پھولوں کی رنگینی اور رعنائی بالکل مختلف ہے اور آپ کا کسی بھی حصّے کو چھوڑنے کا من نہیں کرے گا۔ اِن جگہوں کے میدان اور ڈھلوانیں پھولوں کی حیران کن اقسام سے بھر جاتی ہیں۔ عام مقامات پر سب سے پہلے کھلنے والا پھول چنبیلی کا ہوتا ہے جو نرگس کے ساتھ ساتھ ماہ فروری میں اُگنا شروع ہوتا ہے۔ گلاب کا پھول اپنی کئی قسموں کے ساتھ موسم گرما میں کھلنا شروع کرتا ہے اور سردیاں شروع ہونے تک اپنی بہار جانِ فضا دِکھاتا رہتا ہے۔ فروری کے اواخر اور مارچ کے شروع میں میوہ دار درختوں کے شگوفے پھوٹنا شروع ہوتے ہیں۔ سب سے پہلے بادام اور ساڑی کے درخت اِن شگوفوں سے لد جاتے ہیں اور اِس کے بعد باقی درختوں کی رنگا رنگ پھولوں سے خلعت پوشی ہوتی ہے۔ عام پھولوں میں گل لالہ' ڈیزی' سوسن' پنزی' گل سدا بہار' بنفشہ اور جنگلی پھول نمودار ہوتے ہیں۔ چنبیلی کی کئی قسمیں کھل اُٹھتی ہیں اور جھاڑیوں پر کھلنے والے شگوفے ساری فضا کو معطر اور مسرور کن بنا دیتے ہیں۔ یہاں کے پھولوں کی دِل فریبی دیکھ کر صناعیٔ قدرت کی داد دیئے بغیر کوئی نہیں رہ سکتا۔ وادیٔ کشمیر کی طرح یہاں پر بھی پھول بانی کی طرف توجہ دینے کی بڑی ضرورت ہے۔

مملکتِ بھدرواہ کے جنگلات:

جنگلات کسی بھی پہاڑی علاقے میں قدرتی توازن برقرار رکھنے' اِن علاقوں میں وقتاً فوقتاً آنے والے طوفانوں کے نتیجے میں ہونے والے زمین کے کٹاؤ اور دیگر نقصانات سے بچانے' کھیتوں کھلیانوں کی آب پاشی کے نظام کو باقاعدگی بخشنے' آب وہوا پر اثر انداز ہونے اور اِن علاقوں کو خلعتِ حُسن وشباب پہنانے کے علاوہ عمارتی لکڑی' بالن وغیرہ فراہم کرنے اور جنگلی جڑی بوٹیوں اور دیگر قسم کی نباتات کو پیدا کرنے کے علاوہ وہاں کی مجموعی آلودگی کے مُضر اثرات کو ماحول سے زائل کرنے میں ایک اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ یہی جنگلات مختلف قسم کے جنگلی جانوروں' چرندوں اور پرندوں

کے لئے پناہ گاہوں کا بھی کام دیتے ہیں۔ جنگلات کے سرسبز وشاداب میدان چراگاہوں کے ساتھ ساتھ لوگوں کی سیاحت اور سیر وتفریح کا ایک ذریعہ بھی ہیں اور ان لوگوں کے جمالیاتی ذوق کی تسعید کا وسیلہ بھی۔ اِن کی دِلفریب فضاؤں میں تھکا ماندہ اِنسان اپنی مصروف زِندگی، جو دورِ حاضر کا ایک خاصا ہے، سے کچھ عرصہ کے لیے دُور ہو کر اپنی ذہنی وجسمانی تھکان اور تناؤ کی پریشانیوں سے راحت پا سکتا ہے۔ نئے ماحول میں وہ قدرت کی صناع کاریوں اور پُر اسرار حکمتوں سے شناسائی حاصل کر کے ایک رُوحانی سکون حاصل کرسکتا ہے۔

بھدرواہ، بھلیس، کیلاڑ اور مرمت کے جنگلات میں انواع واقسام کی لکڑی کے علاوہ کثیر مقدار میں گچھیاں پیدا ہوتی ہیں جن کی مانگ اب دُنیا بھر میں آئے دِن بڑھ رہی ہے۔ اِن علاقوں میں کروڑہا روپے کی گچھیاں ہر سال باہر کی منڈیوں سے بیرونی ملکوں کو بھیجی جاتی ہیں۔ یہاں کے جنگلات میں ہزاروں مزدور لکڑی کے چیران، ڈھلان وغیرہ کے کام میں سال کے بیشتر حصّے میں مصروف رہتے ہیں جو اُن کی روزی روٹی کا اہم ذریعہ ہے۔

بھدرواہ زمانہ قدیم میں مکمل طور پر جنگلوں سے گھرا ہوا تھا۔ وادیء بھدرواہ میں بھی جنگل ہی جنگل تھے۔ اِن جنگلوں میں چمبہ، بسوہلی اور بلاور کے چرواہے اپنا مال مویشی چرانے کے لئے موسم گرما میں آتے تھے۔ یہ سلسلہ صدیوں تک جاری رہا۔ جب راجا بھوج پال، والیء بلاور کو کچھ گدیوں کے ذریعے پتہ چلا کہ اُس کی سلطنت کے جنوب مشرق میں ایک خوش نما وادی جنگلات سے بھری پڑی ہے۔ اُس نے اپنے دو بیٹوں میں سے ایک بیٹے رادھک پال کو بھدرواہ روانہ کیا، جس نے یہاں آ کر کچھ جگہوں سے جنگل صاف کروائے اور یہاں بھدرکالی کا مندر تعمیر کروایا۔ کچھ عرصہ پہلے تک محلّہ قلعہ کے نشیبی حصّوں میں دیودار کے درخت پائے جاتے تھے، جنہیں یہاں کے مقامی باشندے آبادی کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ کٹواتے رہے۔

جاگیر کے جنگلات کی حد بندی کا جھگڑا:

۱۹۰۱ء میں مہاراجہ پرتاپ سنگھ نے راجہ امر سنگھ کو بسوہلی جاگیر کے بدلے میں بھدرواہ جاگیر اُن کی ذاتی جاگیر کے طور پر عطا کی۔ حالانکہ اِس سے قبل یہ جاگیر راجہ امر سنگھ کو ایک سند کے تحت دے دی گئی تھی۔ چند سال کے بعد مہاراجہ پرتاپ سنگھ کو اِس بات کا شدّت کے ساتھ احساس ہوا کہ اُس نے راجہ امر سنگھ کو بھدرواہ کی جاگیر دے کر ایک سخت غلطی کی ہے۔ دراصل بھدرواہ کے جنگلات کی لکڑی کی فروخت سے حاصل ہونے والی بھاری آمدنی راجہ امر سنگھ کے ذاتی کھاتے میں جاتے ہوئے دیکھ کر مہاراجہ کا جی للچانے لگا اور اُس نے اُن جنگلات پر اپنا حق جتا کر اُنہیں واپس لینے کی کوشش شروع کر دی۔ بالآخر جھگڑے نے طول پکڑا اور ۱۹۱۱ء میں جاگیر کی ارضیاتی حد بندی کے ساتھ ساتھ جنگلاتی حدود کا بھی تصفیہ ہو گیا۔ دراصل ارضیاتی حددد کا جھگڑا شروع ہونے کے کچھ عرصہ بعد ریاست کے کنزرویٹر آف فاریسٹ نے گلیاںؔ کے جنگلات کی حدود کے تصفیہ کے بارے میں ایک استحقاقی مسئلہ کھڑا کر دیا جس کے نتیجے میں اُن علاقوں کے جنگلات سے لکڑی کی کٹائی اور فروخت بند کر دی گئی۔ کیونکہ مہاراجہ پرتاپ سنگھ نے ان کے مالکانہ حقوق کا دعویٰ کر دیا تھا۔ کشمیر کے ریزیڈنٹ کمشنر نے بھی اِس معاملے میں ٹانگ اَڑانا شروع کر دی اور راجہ امر سنگھ کو ہدایت دی کہ ریاست کے سارے جنگلات کو معہ جاگیروں کے جنگلات کے 'ریاست کے محکمہ جنگلات کے تحت کر دیا جائے اور اِس سلسلے میں ریاستی مفادات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ایک پالیسی مرتب کرنی چاہیے۔ اُس نے اپنے خط میں مرمت' گلیاں کے جنگلات کے تنازعے کا خصوصی طور پر ذِکر کیا۔ مہاراجہ پرتاپ سنگھ کو بھی ریاست کے جنگلات دہلی دربار کو سپرد کرنے کا عندیہ دیا گیا۔ تاہم ریاستی کونسل نے ایک فیصلے کے ذریعے' جو ۲۸ مارچ ۱۸۹۹ء کو ہوا تھا' اِن تجاویز کی مخالفت کی۔ اِس پر کشمیر کے ریزیڈنٹ کمشنر ٹالبوٹؔ نے تجویز

پیش کی کہ بھدرواہ جاگیر کے جنگلات کا ایک ورکنگ پلان تیار کیا جائے۔

بھدرواہ کے جنگلات کا ورکنگ پلان:

ٹالبوٹ کی اِس تجویز کو راجہ امر سنگھ نے سٹیٹ کونسل کے سربراہ کی حیثیت سے قبول کرلیا۔ اُن دِنوں ریاست میں محکمہ جنگلات کے کنزرویٹر مسٹر میکڈونل تھے۔ مسٹر میئرس (MAYERS) کو اسٹنٹ کنزرویٹر آف فاریسٹ کے طور پر بھدرواہ جاگیر کے ورکنگ پلان کی تکمیل کا کام سپرد کیا گیا، جن کی نگرانی میں زیر بحث ورکنگ پلان کا کام باضابطہ طور پر ۱۹۰۰ء میں شروع کیا گیا۔ ''مسٹر میئرس نے ورکنگ پلان کے تخمینے ۱۹۰۲ء کے آس پاس تیار کئے اور اِس پلان کی رپورٹ اُس نے راجہ امر سنگھ کو ۱۹۰۳ء میں بھیج دی۔ پنڈت جناردھن ٹھیکیدار، جس کو جنگلاتی لکڑی نکالنے کے کام سے پہلے روک دیا گیا تھا، کو لکڑی کا چیران وغیرہ کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ اِس طرح سے جاگیر کا ورکنگ پلان ۱۹۰۳ء میں لاگو ہو گیا اور جاگیر کو آٹھ جنگلاتی بلاکوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ یہ ورکنگ پلان ۱۹۳۲ء میں اِس جاگیر کے ریاست جموں وکشمیر میں ادغام کے بعد اختتام پذیر ہوا۔ بھدرواہ جاگیر کے مذکورہ جنگلاتی بلاک حسب ذیل ہیں:

(۱)	نیرو	(۲)	کیلاڑ	(۳)	چراہلہ
(۴)	جائی	(۵)	جنطرون	(۶)	جنگلواڑ
(۷)	بونجواہ	(۸)	بھلیس''۔[1]		

مہاراجہ امر سنگھ اور ریاستی حکومت کے درمیان اگرچہ جنگلات کی حد بندی کا جھگڑا ختم ہو چکا تھا تاہم ریاستی حکومت کو بھدرواہ جاگیر کے جنگلات کی آمدنی ایک سوہانِ رُوح بنی ہوئی تھی۔ راجہ امر سنگھ کی وفات (۱۹۱۱ء) کے بعد جب یہ جاگیر مہاراجہ ہری سنگھ کی تحویل میں آ گئی تو جنگلات کے ریاستی اِستحقاق کے بارے میں پھر سرگوشیاں

---

[1] ہمالین پرنسی پلٹیز، کول، ص: ۲۳۲

ہونے لگیں۔ بالآخر مہاراجہ ہری سنگھ نے ریاستی سرکار کے حقوق کی تائید کی اور مان لیا کہ جاگیرداروں کو ریاستی رقم سے کھلواڑ کر کے اِن کی آمدنی کو ذاتی اخراجات میں برباد کرنے کا کوئی اِختیار نہیں ہے۔ دُوسرے معنوں میں مہاراجہ موصوف نے جاگیر کے جنگلات کو ریاستی حکومت کے دائرہ تحویل اور اختیار میں لا ڈالا۔ ڈوگرہ حکومت کے دوران اِن جنگلات کی لکڑی کے چیران اور ڈھلان وغیرہ کے کام کے ٹھیکے بڑی بڑی فرموں کو دئے جاتے تھے، جن میں سے اکثر فرمیں جنگلات کے ملازمین سے مل کر ناجائیز طریقے سے بھی لکڑی کی کٹائی کرواتی تھیں، جس سے ریاست کے سرکاری خزانوں کو ایک طرف کروڑہا روپے کا نقصان ہو جاتا تھا اور دُوسری طرف جنگلات کی بے دریغ کٹائی سے جنگل صاف ہو جاتے تھے۔ تاہم قانون کی کسی حد تک عمل آوری کے خوف سے فرمیں اور ملازم یہ کام غیر محسوس طریقے سے انجام دیتے تھے۔ عام لوگ ناجائیز طریقوں سے جنگلاتی لکڑی کاٹنا ایک جرم سمجھتے تھے اور قدرتی طور پر گری ہوئی لکڑی کو ہی اِستعمال میں لاتے تھے، جس کی اُن کو اجازت بھی تھی۔ عوامی حکومت کے دوران تو بھدرواہ کے جنگلوں کا ستیاناس ہوا ہی، کشتواڑ اور ڈوڈہ کے بہت سے جنگلات کو بھی کافی نقصان پہنچایا گیا۔ کیلاڑ، اُڈیل، بھلیس، بونجواہ اور نیرو وغیرہ کے کچھ کمپارٹمنٹوں کو تو حد سے زیادہ تباہی کا سامنا کرنا پڑا۔ اِس نقصان کے بارے میں کرائی گئی محکمانہ تحقیقات کی رپورٹوں نے کبھی دِن کی روشنی نہیں دیکھی اور کسی بھی قصوروار کو کوئی بھی سزا نہیں ملی۔ دُوسری طرف بے تحاشہ کٹائی اور غیر منصوبہ بند ڈھلائی کی وجہ سے نئی پود کو زبردست نقصان پہنچتا رہا۔ ساتھ ہی ساتھ جنگلاتی مزدوروں کی مالی حالت بھی آئے دِن خراب ہوتی رہی۔ اُن کی کمائی کا بیشتر حصّہ درمیانہ دار اپنی کمیشن کاٹ کر اور دال آٹے کی قیمت کی وصولی میں ہی اُڑا لیتے تھے۔

بالآخر اِن خرابیوں کو دُور کرنے اور جنگلات اور لوگوں کو مزید نقصان سے بچانے کے لئے اِس محکمہ کے اِنتظامی ڈھانچے میں اضافی طور پر ایک "فاریسٹ کارپوریشن"

کے قیام کے احکامات صادر ہوئے، جس کے اہم مقاصد میں چیران ڈھلان وغیرہ کا کام ترجیحی بنیادوں پر مقامی ٹھیکہ داروں کو سونپنے اور مقامی طور پر دستیاب مزدوروں کو ہی یہ کام سپرد کرنے کی ہدایات وغیرہ شامل تھیں۔ بدقسمتی سے ضلع ڈوڈہ کے جنگلات کا کام بڑے بڑے ٹھیکیدار ہی کسی نہ کسی طریقہ سے حاصل کرتے رہے اور یہاں کے مخدوش حالات میں مختلف جنگلات میں کروڑہا روپے کی لکڑی جل کر خاک ہوتی رہی۔ اِن واقعات میں مبینہ طور پر کچھ بیرونی عناصر کے علاوہ متعلقہ ٹھیکیدار اور نگران عملہ کی ''ملی بھگت'' بتائی جاتی رہی ہے۔ حقیقت حال خدا کو ہی معلوم ہے......!

سٹیٹ فاریسٹ کارپوریشن کا قیام:

بھدرواہ میں بھی سٹیٹ فاریسٹ کارپوریشن کا دفتر کافی عرصہ سے کام کر رہا ہے۔ ناموافق حالات کے باوجود کروڑہا روپے کی جنگلاتی لکڑی ٹرکوں کے ذریعے جموں بھیجی جاتی رہی ہے۔ جائی اور بھالا کے مقامات پر بڑے بڑے لکڑی کے ڈپوؤں میں اچانک آگ نمودار ہونے سے کروڑہا روپے مالیت کی لکڑی آگ زنی کی وارداتوں کی نذر ہو کر دُھواں بن کر فضا کو آلودہ کرتی رہی۔

سائل کنزرویشن اور سوشل فارسٹری:

بھدرواہ میں سائل کنزرویشن اور سوشل فارسٹری کے دفتر بھی ایک ڈویژن کے حصّے کے طور پر کام کرتے ہیں۔ اِن کے ذمہ زمین کے کٹاؤ کی روک تھام کے لئے بندھ اور فاریسٹ نرسریاں لگوانا اور دستیاب جگہوں پر شجرکاری کرنے کے دو اہم فریضے ہیں۔ بدقسمتی سے کاری لفظ تو ہم سنتے آئے ہیں لیکن شجر خال خال ہی نظر آتے ہیں۔ نہ جانے ہر سال لگائے جانے والے اِن ہزاروں نونہالوں کو بقول مرحوم عطا اللہ سہروردی ''فی سبیل للہ'' کون اُکھیڑ ڈالتا ہے۔'' کیوں کہ بڑی دُھوم دھام سے بڑے

بڑے سائن بورڈوں کے سائے میں "شہری سڑکوں کے آر پار لگائے جانے والے اِن درختوں کے کچھ نشان کہیں کہیں نظر آ ہی جاتے ہیں۔" شاید دیہاتوں میں ایسے درختوں کی شرحِ اموات کچھ قدرے کم ہو اور سفید جگہیں سرسبز و شاداب ہو گئی ہوں، تاہم محکموں کی طرف سے ضلعی بورڈ میٹنگوں میں گوشواروں کی مدد سے اپنی اپنی کارکردگی اور اخراجات کی تفصیل پیش کر کے داد حاصل کر لی جاتی ہے۔

سوشل فارسٹری کے پروگرام کے تحت کیکر (رُوبینیا)، سفیدا، آئی لنتھس، بید وغیرہ کے درخت لگائے جاتے ہیں۔ بید جلدی اُگنے والا پیڑ ہے۔ رُوبینیا انگریزی نسل کا پودا ہے۔ امریکن پودا پتھریلی یا ریتلی زمین پر بھی لگایا جا سکتا ہے اور تین ہزار سے دس ہزار فٹ تک کی بلندی پر اُگتا ہے۔ آئی لنتھس بھی بدیشی پودا ہے اور آٹھ نو ہزار فٹ تک کی بلندی پر اُگتا ہے۔ یہ درخت اور پودے زمین کے کٹاؤ کو روکنے میں بڑی مدد دیتے ہیں۔

جنگلاتی رقبہ:

ریاست جموں وکشمیر کے تقریباً آٹھ ہزار مربع میل کے جنگلاتی رقبہ میں ضلع ڈوڈہ میں تقریباً ۹۱۶ء۷۰ مربع میل رقبے پر مختلف قسم کے جنگلات سے تعلق رکھنے والے درخت ہیں، جن میں زیادہ تر دیودار، کائل، فر، چیڑ اور دیگر ملے جلے درخت شامل ہیں۔ اِس رقبے میں سے بھدرواہ فاریسٹ ڈویژن کا رقبہ ۲۶۹ء۰۱ مربع میل تھا۔

"بھدرواہ فاریسٹ ڈویژن میں بھدرواہ کی غیر منقسم تحصیل کے علاوہ کشتواڑ اور ڈوڈہ کے کچھ حصے شامل تھے۔ یہ جنگلاتی رقبہ جات مشرقی طول بلد ۷۵ء۳۲ اور ۷۶ء۱۵ اور شمالی عرض بلد ۳۲ء۵۶ اور ۳۸ء۱۱ کے درمیان واقع ہیں۔ شمال میں دریائے چناب اور کشتواڑ کے علاقے، جنوب میں چمبہ اور بسوہلی کے علاقے اور جنوب میں ڈوڈہ، گلیاں کے علاقے اِس ڈویژن کی حد بندی کرتے ہیں۔ ابرق کی چادروں اور

گرینائٹ کے گلنے سڑنے کی وجہ سے جو مخصوص قسم کی مٹی بنتی ہے' وہ اعلیٰ قسم کی ڈھیلی اور ریتلی مٹی ہے جو درختوں' بالخصوص دیودار کے لئے حد درجہ موافق ہوتی ہے۔ اِس ڈھیلی قسم کی مٹی کو درختوں کی جڑیں مضبوطی سے باندھ دیتی ہیں اور زور کی بارش کو اِن کے پتے روکے رکھتے ہیں' جس کے نتیجے میں زمین کی مٹی کو مضبوطی اور اِستحکام ملتا ہے۔ مجموعی طور پر مٹی کی سطح مناسب حد تک گہری ہے' جو جنگلات کی اچھے قسم کی پیداوار کا بوجھ اُٹھا سکتی ہے۔"[1]

چاروں طرف پھیلے ہوئے بھدرواہ کے سلسلہ وار قدرتی پہاڑوں کے قطعات اپنے مفید محلِ وقوع کی بِنا پر نہ صرف مون سون کی ابر آلودہ ہواؤں کی راہ موافق طور پر روک کر یہاں مقامی طور پر بارش برسانے میں مدد کرتے ہیں بلکہ یہ میدانی اور گرم علاقوں سے آنے والی گرم ہواؤں کو بھی اِن علاقوں میں آنے سے روک لیتی ہیں۔ اِسی وجہ سے بھدرواہ کے تقریباً ہر علاقے میں بارش کی مقدار اچھے اور نمایاں طور پر تقسیم ہو جاتی ہے۔ جس سے بقول مسٹر سوتنترا تقریباً "پچاس فی صدی سالانہ" بخارات کا عملِ تکاثف ہو کر موسم سرما کے چار مہینوں میں برف اور بارش کی صورت اِختیار کرتا ہے۔ اِن علاقوں میں خشک سالی کا سامنا کبھی کبھار ہی ہوتا ہے اور قدرتی طور پر اُگنے والے صنوبری اقسام کے درختوں کے لئے سال بھر مناسب مقدار میں جگہ جگہ پڑنے والی بارش بہت ہی موافق اور سازگار حالات پیدا کرتی ہے۔ دیودار کی پیداوار کے لئے تو اِن علاقوں کی آب وہوا موافق ترین ہے۔ کسی علاقہ کی آب وہوا کا دارومدار وہاں کے جنگلات' سطح سمندر سے بلندی اور پہاڑوں کے رُخ پر بھی ہوتا ہے۔

سرکاری ریکارڈ کے مطابق بھدرواہ فاریسٹ ڈویژن (جس کا ہیڈ کوارٹر قصبہ بھدرواہ میں واقع ہے)' کے کُل رقبہ یعنی ۲،۷۱۹۰۶ ایکٹر کو اِنتظامی مقاصد کے تحت

---

[1] ایس۔ڈی۔ سوتنترا صاحب' سابق اسسٹنٹ کنزرویٹر آف فاریسٹس' بھدرواہ' بحوالہ میگزین "شاہین"' ڈگری کالج بھدرواہ' مطبوعہ: ۱۹۷۱ء' ص: ۵۵

چار رینجوں میں تقسیم کیا گیا ہے، جس میں کیلاڑ، چراہلہ اور بھلیس رینجز شامل ہیں۔ آٹھ فاریسٹ بلاکوں کی تفصیل پہلے ہی آچکی ہے۔ ڈیمارکیٹڈ رقبہ میں سے صرف ۹۳۵۷۱ ایکٹر رقبہ ہی کمرشل رقبہ قرار دیا گیا ہے۔

جنگلاتی لکڑی کی اقسام:

بھدرواہ ڈویژن کے جنگلات ریاست بھر کے بہترین دیودار کے جنگلات میں شمار ہوتے ہیں۔ یہاں کے دیودار کی مانگ صدیوں سے چلی آرہی ہے۔ کہتے ہیں کہ یہاں کے دیودار کی لکڑی سیالکوٹ کے راستے پنجاب اور وہاں سے کئی بیرونی ممالک کو برآمد کی جاتی تھی۔ صنوبر کے اِن قدرتی خزانوں میں اِقتصادی منفعت کے لحاظ سے یہ جن اقسام پر مشتمل ہے، وہ حسب ذیل ہیں:

۱. دیودار
۲. کائل
۳. فر
۴. چیڑ
۵. بدلُو
۶. سَل

اِن اقسام کے علاوہ بھی اِن جنگلوں میں کئی قسم کے درخت پائے جاتے ہیں جیسے ایش، اخروٹ، اڑکھل، برزہ، بنج، مہرو، بن اخروٹ، ہل ٹون اور شیشم وغیرہ۔ اُونچائی پر اُگنے والے درختوں میں بھوج پتر، سل اور جنگلی اخروٹ شامل ہیں۔ کچھ جنگلوں میں سنوں کے درخت بھی پائے جاتے ہیں جن کو ''سُم'' بھی کہا جاتا ہے۔ بھدرواہ کے آس پاس یہاں کے بزرگوں نے کئی مقامات پر یہ درخت لگائے تھے جواب دن بدن کم ہوتے جارہے ہیں۔ بنج اور مہرو کے درخت کے پتے مال مویشیوں کو خصوصی طور پر

سردیوں میں کھانے کے لئے ڈالے جاتے ہیں اور لکڑی بالن کے طور پر استعمال ہوتی ہے۔اخروٹ اور شیشم کی لکڑی فرنیچر بنانے کے کام میں استعمال ہوتی ہے۔

دیودار: یہاں کے دیودار کے جنگلات کا ریاست میں کوئی مقابلہ نہیں ہے۔ اِس کی لکڑی بڑی پکی، ستھری اور خوبصورت ہوتی ہے۔ یہ درخت پانچ ہزار اور آٹھ ہزار فٹ کی بلندی پر آسانی سے اُگتا ہے اور نیرو رینج، کیلاڑ رینج، چراہلہ کھلینی اور بھلیس میں کثرت سے پایا جاتا ہے۔

کائل: یہ درخت بھی اُونچے مقامات پر پایا جاتا ہے۔کہیں کہیں یہ دیودار کے ساتھ ساتھ بھی اُگتا ہے۔ یہ جنگلواڑ بلاک کے مغربی حصوں میں پایا جاتا ہے۔

صنوبر: خالص صنوبر کے درخت وادیء بونجواہ میں پائے جاتے ہیں اور زیادہ تروانگت اور مہاسا گلی میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

چیڑ: نیرو اور چراہلہ کے شمال جنوب میں یہ درخت اچھی قسم کے پائے جاتے ہیں۔سنوں کے درخت کی لکڑی سخت ہوتی ہے جس سے فرنیچر تیار کیا جاتا ہے۔بڑے پتوں والے درخت تجارتی لحاظ سے فائدہ مند نہیں ہوتے ۔ یہ چٹانوں کے کٹے پھٹے سروں پر ملتے ہیں۔جنگلی سفیدے کے درختوں کے پتے دیہاتوں میں لگائے جانے والے سفیدوں کی بہ نسبت چوڑے اور سفیدی مائل ہوتے ہیں۔ اِن کی لکڑی کھیل کا سامان اور پیٹیاں بنانے کے کام آتی ہے۔ جہاں تک وادیء بھدرواہ کے جنگلات کا تعلق ہے اِس میں قسم قسم کے درخت پائے جاتے ہیں۔ بہت زیادہ اُونچائی پر کسی قسم کے درخت نہیں اُگتے البتہ یہاں پر ہلکی سی گھاس اور بکھری ہوئی جڑی بوٹیاں مل جاتی ہیں، جیسے کیلاش کے پہاڑوں میں، جو ۱۴۰۰۰ اور ۱۵۰۰۰ فٹ کی اُونچائی پر واقع ہیں۔سیوج دھار پر کہیں کہیں چیڑ کے درخت یا اِسی قبیل کے درخت پائے جاتے ہیں۔اِس دھار کی سطح سمندر سے اُونچائی قریباً ۱۲۰۰۰ فٹ ہے۔اِس میں سرسبز وشاداب میدان اور بڑی کشادہ چراگاہیں واقع ہیں جن میں گوجر لوگ گرمیوں میں اپنا مال مویشی چراتے

ہیں۔ وادی کے کم اُونچائی والے حصوں میں سدا بہار دیودار اور کائل وغیرہ کے درختوں بھرے جنگل ایک خوشنما منظر پیش کرتے ہیں اور یہاں کی خوبصورتی کو دوبالا کرتے ہیں۔ اِن سے حکومت سالانہ کروڑ ہا روپے مالیت کی لکڑی حاصل کرتی ہے۔ بھلیس، کیلاڑ، مرمت، چراہلہ، جائی، چنتہ کے جنگلات مشہور ہیں۔

جنگلی جڑی بوٹیاں:

وادیء بھدرواہ کے جنگلات قدرتی جڑی بوٹیوں سے بھرے پڑے ہیں، جو ادویات بنانے کے کام آتی ہیں۔ جنگلات کی یہ خفیہ پیداوار سرکاری آمدنی کا ایک اچھا ذریعہ ہے جس کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ یہ دیہاتی لوگوں کے روزگار کا ایک ذریعہ بھی ہیں۔ اِن جڑی بوٹیوں کی مختلف اقسام ہیں، جن میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں:

۱. گل بنفشہ: گلے کی بیماری اور دماغی قوت کے لئے مجرب دوا ہے۔

۲. کاہ زبان: سردی زکام اور بخار کا درد دُور کرتی ہے۔

۳. دھوپ: خوشبو سے تعلق رکھنے والی چیزوں میں اِستعمال ہوتی ہے۔ جیسے اگربتی وغیرہ۔

۴. اجواین: پیٹ درد اور ہاضمہ کے لئے مفید ہے۔

۵. کُش: دماغی طاقت بڑھانے کے لئے مفید جڑی ہے۔

۶. کُٹھ: جوڑوں کے درد کے لئے مفید ہے۔

۷. ٹیٹھ ون: پیٹ کے کیڑے مارنے کے لئے مجرب دوا ہے۔

۸. سیسکی: یہ بھی پیٹ کے کیڑے مارنے کے لئے مجرب دوا ہے۔

۹. زخم حیات: یہ ایک قیمتی جڑی بوٹی ہے۔

۱۰. سلاجیت: سیاہ رنگ کا رقیق مادہ جو پتھروں پر سے نکالا جاتا ہے۔

۱۱. گاؤزبان: ایک مفید دوا ہے جس کے پتوں پر گائے کی زبان کی طرح کے

اُبھار ہوتے ہیں۔ اِسی طرح سے سورج مکھی، دھورا، کستورہ، مشکِ بالا، بجر بھنگ، جنگلی پران، پنج پترا اور بیلا ڈونا وغیرہ جڑی بوٹیاں بھی مختلف دوائیوں کے بنانے میں اِستعمال ہوتی ہیں۔

۱۲۔ گچھیاں: بھدرواہ کے جنگلات میں گچھیاں بکثرت پائی جاتی ہیں جن سے یہاں کے لوگوں کو کافی مالی فائدہ حاصل ہوتا ہے اور حکومت کو بھی اِن کی نیلامی سے اچھی آمدنی حاصل ہوتی ہے۔ اِن کے علاوہ گندہ بیروزہ، چارکول اور دیودار کے تیل کی فروخت سے بھی حکومت کو کافی آمدنی ہوتی ہے۔

جنگلات کی حفاظت:

جنگلات ہمارے لیے ''سبز سونا'' کے مترادف ہیں، جن کا ہر قیمت پر تحفظ کیا جانا ضروری ہے۔ نہ صرف محکمہ جنگلات اور سٹیٹ فاریسٹ کارپوریشن کے ملازمین بلکہ عام باشندوں کو بھی اِن کی حفاظت اور فروغ کے لئے کام کرنا چاہیے۔ طالب علم بھی اِس فریضہ کو انجام دے سکتے ہیں۔ لوگوں میں اِس ضمن میں بیداری اور جاگرتی کی ہمیشہ سے ضرورت محسوس کی جاتی رہی ہے۔

جنگلات کی غیر منصوبہ بند اور بے تحاشہ کٹائی کی وجہ سے جنگلات کا رقبہ آئے دِن سُکڑ رہا ہے۔ پہلے مارکنگ پچاس تا ساٹھ سال کے عرصہ کے بعد کی جاتی تھی۔ اِتنے عرصہ میں سوئی دار درختوں (صنوبری) کی پیداوار میں مطلوبہ حد تک اضافہ ہو جاتا تھا۔ بد قسمتی سے حالیہ اوقات میں یہ حد بھی گھٹ کر پانچ سے دس سال تک ہی رہ گئی ہے۔ اِتنے کم عرصہ میں دوبارہ مارکنگ اور کٹائی کیئے جانے کی وجہ سے سرسبز جنگلات بنجر زمینوں میں تبدیل ہو رہے ہیں۔ نئے اُگنے والے درختوں کی روئیدگی رُک گئی ہے۔ زمین کے کٹاؤ میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ زرخیز مٹی طوفانوں کی نذر ہو رہی ہے۔ اِن نامناسب اِقدامات کی وجہ سے یہاں کی آب وہوا اور پیداوار پر بُرا

اثر پڑ رہا ہے۔ محکمہ جنگلات کے ذمہ دار سربراہان کو اِس اہم مسئلہ کی طرف دھیان دینا چاہئے اور مقررہ معیاد کے بعد ہی جنگلات سے لکڑی کی کٹائی کروانی چاہئے۔ ورنہ یہ خوبصورت علاقہ ایک دِن ایک بنجر میں تبدیل ہو جائے گا۔ حکومت کو چاہئے کہ وہ جنگلات کی زمینوں کے نوتوڑ کو روکنے کے لئے ایک موثر قانون وضع کرائے تاکہ ہماری خوبصورت چراگاہوں اور سرسبز وشاداب میدانوں کو نوتوڑ کے لامتناہی سلسلہ سے بچایا جاسکے اور اِس گل پوش (قدیم) مملکت کی حسین وادیوں کے دِلفریب مناظر کے حسن و جمال کو کسی قسم کی آنچ نہ آنے پائے اور گھنے جنگلوں کے جانوروں اور چرند پرندوں کو اپنے قدرتی مسکنوں سے جلاوطن نہ ہونا پڑے۔

پالتو جانور اور پرندے:

مملکت بھدرواہ سے منسلک قدیم خطوں میں بھی تقریباً اُن ہی پالتو جانوروں کی اقسام پائی جاتی ہیں جو باقی مقامات پر بھی ہوتی ہیں۔ اُن میں گائے، بیل، بھینس، چنورا، گھوڑے، گدھے، خچر، بھیڑ، بکریاں بڑی اہمیّت کی حامل ہیں۔ گائے، بھینس اور بکریوں سے دُودھ حاصل ہوتا ہے، جس سے گھی اور پنیر جیسی مقوی چیزیں تیار کی جاتی ہیں۔ گھوڑے، خچر اور ٹٹو باربرداری اور سواری کرنے کے کام آتے ہیں۔ اِس قدیم راجواڑے کے تقریباً سبھی دُشوار گزار علاقوں میں اِن گھریلو جانوروں سے کام لیا جاتا رہا ہے۔ یہ باربرداری کے لیے موزوں ترین ذریعہ تھے۔ بھدرواہ کی قدیم منڈی میں علاقہ بھلیس، بونجواہ، چراہلہ، کیلاڑ، مرمت سے گھی، پنیر، راجماش، چاول اور دیگر اقسام کی اشیائے خوردنی اِن جانوروں کے ذریعے لائی جاتی تھیں اور وہاں سے جموں، بسوہلی اور پنجاب کی طرف سامان اور مذکورہ اشیاء لے جانے کے لیے یہی جانور کام میں لائے جاتے تھے۔ نئے راستے اور سڑکیں تعمیر ہونے کی وجہ سے اب اِن جانوروں کو اِن علاقوں کے پچھڑے اور پسماندہ حصّوں میں ہی زیرِ اِستعمال لایا جاتا ہے۔ یہ یہاں کی

درآمدات میں اہم کردار ادا کرتے تھے۔ المختصر راجواڑے کے مختلف حصّوں کے سارے کاروبار کا دارومدار اِن ہی جانوروں پر تھا۔ بھیڑ بکریوں کا کاروبار بھی بہت زیادہ تھا۔ علاقہ بھلیس اور بھدرواہ کے دیگر مقامات کے گدی لوگ موسم گرما میں اپنا مال مویشی بڑی بڑی چراگاہوں میں لے جا کر چراتے تھے' جو سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ بھیڑ سے حاصل کی جانے والی اُون مقامی ضروریات کو پورا کرنے کے علاوہ برآمد بھی کی جاتی ہے۔ ان مصنوعات پر ان علاقوں کی خاصی آبادی کے گزر بسر کا انحصار ہوا کرتا تھا' جو اب بھی جاری ہے۔ بھیڑ بکریوں سے گوشت کی پیداوار میں آئے دِن اضافہ ہو رہا ہے' تاہم گوشت کی کمی کو باہر سے لائی ہوئی بھیڑ بکریوں سے بھی پورا کیا جاتا ہے۔ محکمہ پشو پالن اچھے قسم کے نر بھیڑ نسل کشی کے لئے باہر سے منگواتا ہے۔ امریکن ریم بے اور رُوسی اور آسٹریلیائی میرینو بھیڑیں خاص طور پر برآمد کی جاتی ہیں جو اعلیٰ نسل میں شمار ہوتی ہیں اور مختلف علاقوں میں اِنہیں زمینداروں' گدیوں اور چرواہوں میں تقسیم کر کے افزائش نسل میں اہم رول ادا کرتی ہیں۔ اچھے بیلوں اور چھوُروں کو خرید کر بھی متعلقہ محکمہ حیوانات نئی نسلوں کی افزائش کے سلسلہ میں اچھا کام کر رہا ہے۔ کئی مقامات پر مصنوعی طریقۂ تخم ریزی[1] کے مراکز بھی قائم کیے گئے ہیں جس سے مویشیوں کی اچھی قسمیں پیدا کی جا رہی ہیں۔ پالتو پرندوں میں عام قسم کے پرندے جیسے مرغیاں' بطخ' کبوتر' چکور اور چڑیاں چروتے جبکہ دیگر پرندوں میں چیلیں' گدھ' طوطے' باز' مینا' بلبل' کوئل' ہُدہُد' اُلو' ابابیل اور فاختائیں وغیرہ ہر جگہ پائے جاتے ہیں۔

جنگلی جانور اور پرندے:

قدیم مملکت بھدرواہ کا چپہ چپہ گھنے جنگلوں سے ڈھکا ہوا تھا جن میں قسم قسم کے جنگلی جانور پائے جاتے تھے اور اِسی وجہ سے بیرونی سیاح شکار کھیلنے کی غرض سے

---

[1] artificial insemination یعنی

یہاں آتے رہتے تھے۔علاقہ بھلیس کے پاڈر سے ملنے والے جنگلوں میں اور اُونچی چراگاہوں میں آئی بیکس،بلیو شیپ نامی ہرن، کستوری ہرن اور برفانی چیتے وغیرہ بکثرت پائے جاتے تھے۔ان کے علاوہ عام شیر چیتے، جنگلی بکریاں (پجڑ) اور کراس، کالے ریچھ، لال ریچھ، گیدڑ، لومڑیاں، جنگلی مرغے اور جنگلی بلیاں جیسے جانور وادیء بھدرواہ، جائی، چنتہ، چراہلہ، کیلاڑ اور علاقہ مرمت کے جنگلوں اور پہاڑی ڈھلوانوں وغیرہ میں پائے جاتے تھے۔بدقسمتی سے ۱۹۴۷ء کے بعد ۱۹۸۹ء تک کے عرصہ میں اِن علاقوں کے شکاریوں کی مختلف ٹولیوں نے جنگلی جانوروں کا اِتنا بے دردی سے شکار کھیلا کہ کچھ جانوروں کی نسلیں ہی نیست و نابود ہوگئیں۔ہرن کا نافہ اور جنگلی جانوروں کی کھالیں حاصل کرنے کے لیے یہ لالچی شکاری جنگلی ہرن، کراس اور آئی بیکس کی تلاش میں چمبہ اور پاڈر کی حدود تک پھاندتے گئے اور اِس خوبصورت مخلوق کو بے رحمی سے مارنے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔اب اِن کی تعداد صرف اُنگلیوں کی گنتی تک ہی محدود ہو کر رہ گئی ہے۔اِسی طرح سے باقی جنگلی جانوروں اور پرندوں کی اقسام کو بھی بہت نقصان پہنچایا گیا۔متعلقہ سرکاری مشینری یہ تماشہ بڑی بے حسی سے دیکھتی رہی۔ اِس دوران اِس خطہء زمین کے قدرتی توازن اور جنگلوں میں اِن جانوروں کا صفایا ہونے کی وجہ سے اِس علاقے کا فطری حُسن بالکل مجروح اور مفقود ہو کر رہ گیا۔دُوسری طرف جنگلوں کی بے تحاشہ کٹائی سے بھی یہ مخلوق بے گھر ہوگئی۔حضرت اِنسان جن جانوروں کو جنگلی اور وحشی کہتا ہے اب اُن کی مار دھاڑ کرتے کرتے خود وحشی پن کا مظاہرہ کر رہا ہے۔یہاں کے جنگلی پرندوں میں جنگلی مرغے کے علاوہ ایک خوبصورت پرندہ نیل کہلاتا ہے اور اس کی مادہ نیلوا ہے۔نیل کے سر کی زمردی رنگ کی قلغی اور اِس پر نقش نگار بھرے تاج کی رنگینی دیدنی ہوتی ہے۔نیل کی کھال کی دلکشی الفاظ میں بیان نہیں ہوسکتی۔اِس کے علاوہ اِن جنگلوں میں رنگ راول، رام چکور، جنگلی کبوتر، الو، رنگ برنگی چڑیاں، کوئل، مرغابی، ہُدہُد، گِدھ، بلبل، اور تیتر اور دیگر کئی قسم کے پرندے پائے

جاتے ہیں جنہوں نے خوف سے اپنی جائے قرار ہی بدل دی ہے۔ لیکن ۱۹۸۹ء کے بعد حکومت کی طرف سے بندوقوں کی ضبطگی کی مہم سے شکار کھیلنا بند ہو گیا اور وائلڈ لائف ایکٹ کے نفاذ سے بھی یہ جانور محفوظ ہو گئے۔ اب تو حالات ایسے بدلے ہیں کہ کئی دیہاتوں میں چیتے وغیرہ گھس کر اِنسانوں کا ہی شکار کر لیتے ہیں۔ اب تشدد پسندوں اور فوجی کارروائیوں کی وجہ سے جانوروں کی جگہ اِنسان قربانی کا بکرا بن گیا ہے۔ دُوسری طرف جنگلی جانوروں اور پرندوں کی کچھ نسلوں میں اضافہ ہو رہا ہے جو خوش آئند بات ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ اِن جانوروں اور پرندوں کی جمالیاتی' ماحولیاتی اور معاشی اہمیّت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اِن کی پوری حفاظت کریں اور قدرتی ماحول کے توازن کو ہرگز نہ بگاڑیں۔

***

مملکت بھدرواہ کے

قدیم اور جدید راستے

بھدرواہ کے قدیم اور جدید راستے:

قصبہ بھدرواہ، سری نگر سے براستہ بانہال ۲۵۲ رکلومیٹر اور جموں سے براستہ بٹوت ۲۰۱ رکلومیٹر ہے۔ بھدرواہ سے پُل ڈوڈہ ۳۰ رکلومیٹر اور پُل ڈوڈہ سے بٹوت ۵۰ رکلومیٹر کی دُوری پر واقع ہے۔ دُوسری طرف پُل ڈوڈہ سے ٹھاٹھری ۳۰ رکلومیٹر اور ٹھاٹھری سے کشتواڑ کا فاصلہ بھی ۳۰ رکلومیٹر ہے۔ ٹھاٹھری۔ کلہوتران روڈ تقریباً ۳۹ ر کلومیٹر لمبی ہے جب کہ ٹھاٹھری سے گندوہ ۳۵ رکلومیٹر کی دُوری پر واقع ہے۔ بھدرواہ سے ٹھاٹھری ۶۰ رکلومیٹر دُور ہے۔ چمبہ۔ بھدرواہ اور بسوہلی۔ بنی۔ بھدرواہ سڑکوں کی تعمیر سے پہلے یہ مقام چمبہ کے شمال مغرب میں ۶۰ میل کے پہاڑی راستے اور بسوہلی کے شمال مشرق میں ۶۵ میل کی دُوری پر پہاڑی راستے سے ملا ہوا تھا۔ اِسی طرح بٹوت ۔بھدرواہ روڈ تعمیر ہونے سے پہلے قصبہ بھدرواہ جموں کے شمال مشرق میں ۱۰۳ میل لمبے پہاڑی راستے سے ملا ہوا تھا، جو بھدرواہ سے بٹوت تک پیدل طور پر یا گھوڑے خچر کے ذریعے طے کرنا پڑتا تھا۔ بٹوت۔ کشتواڑ روڈ بننے سے پہلے یہ قصبہ براستہ جائی۔ جوڑہ۔ چیڑہ۔ ٹھاٹھری سے ہوتے ہوئے دراب شالہ کاندنی اور کشتواڑ تک ۴۶ میل کی مسافت پر واقع تھا۔ یہ سارا فاصلہ بھی پیدل طور پر یا گھوڑے خچر پر طے کرنا پڑتا تھا۔

اِس راستہ پر واقع موضع جوڑہ سے ایک پیدل راستہ ملانوں اور کاہراہ سے ہوتے ہوئے گندوہ اور کلھوتران کی طرف جاتا تھا اور دُوسرا جائی سے ہوتا ہوا باچھ دار سنوں اور گندوہ وغیرہ مقامات تک جاتا تھا۔ قصبہ بھدرواہ سے جائی تک پیدل راستہ سات میل لمبا تھا۔ قصبہ بھدرواہ بھلیس کے ساتھ براستہ جائی، کنٹھی اور کلھوتران سے بھی ملا ہوا تھا اور دُوسری طرف سے علاقہ اٹھکھار سے ہوتے ہوئے شریکھی گاؤں، قطار دھار میں سے ہوتے ہوئے کئی دیہات کو ملاتے ہوئے کلھوتران تک چلا جاتا تھا۔ یہ سبھی راستے پیدل طور پر یا گھوڑے خچروں پر طے کرنے پڑتے تھے۔ بھلیس میں کئی دُوسرے اندورنی رابطوں کے راستے بھی تھے۔ علاقہ ٹھاٹھری، جائی سے گزرنے والی سڑک کے علاوہ ایک دُوسرے پیدل راستے سے بھی جڑا ہوا تھا، جو قصبہ بھدرواہ سے چھترہ، بھیلا، کانڈوت اور جنگلواڑ سے گزرتے ہوئے ٹھاٹھری پہنچ جاتا تھا۔ ٹھاٹھری سے پیدل راستے علاقہ بونجواہ اور بھلیس کی طرف بھی جاتے تھے۔

علاقہ مرمت گلیاں بھی قصبہ بھدرواہ سے جُڑا ہوا تھا۔ بھدرواہ سے لوگ بھالا پہنچ کر شونگڑو سے ہوتے ہوئے طروَن، وہاں سے سرسی، گوہا سے گزر کر لبڑ باڑی اور رچھو کی طرف جاسکتے تھے۔ یہ سارا پیدل راستہ محکمہ جنگلات نے تعمیر کروایا تھا۔ مرمت سے یہ راستہ سُدھ مہادیو سے ہوتے ہوئے علاقہ اُدھم پور کے ہی علاقہ چنہنی سے مل جاتا تھا۔ اِس راستے کی وجہ سے اُدھم پور اور علاقہ مرمت کے لوگوں کے قدیم باہمی رِشتے اور رابطے تھے۔

محکمہ پی. ڈبلیو. ڈی. اُدھم پور نے ۲۰۰۸ء میں اِس قدیم راستے کی تجدید کی خاطر حکومت وقت کو ۶۹۲ لاکھ روپے کا پلان پیش کیا تھا۔ توقع ہے کہ اُس پر عمل درآمد ہونے کے بعد کھلینی سے سُدھ مہادیو تک ایک پکی سڑک کے ذریعے پھر سے پرانے رابطے قائم ہو جائیں گے۔ اِس علاقہ کے لئے بہت سے رابطہ راستوں کی منصوبہ بندی کی گئی ہے۔

قدیم رابطہ سڑکوں کا ذکر

بیرونی سیاحوں کے سفرناموں میں:

قدیم رابطہ سڑکوں اور راستوں کا ذکر، بیرونی سیاحوں کے سفرناموں میں بھی کیا گیا ہے، جن میں جان فیڈرک ڈریو اور چارلس ہیوگل کے سفرنامے خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اُن رابطہ سڑکوں پر لوگ یا تو پیادہ چلتے تھے ورنہ کہیں کہیں گھوڑے خچر بھی بار برداری اور سواری کے کام میں لائے جاتے تھے۔ اُن قدیم راستوں میں کچھ کی تفصیل حسب ذیل ہے:

کشمیر سے آنے والے یا کشمیر کی طرف جانے والے پیدل راستے:

"۱. جموں۔ سروئیں سر۔ رام نگر۔ ڈوڈہ۔ بھدرواہ (دو پڑاؤ)

۲. مادھوپور۔ تھین۔ بسوہلی۔ لوانگ۔ بھدرواہ۔ جنگلواڑ۔ کشتواڑ۔ سری نگر (گیارہ پڑاؤ)

۳. چمبہ۔ تھین۔ بسوہلی۔ لوانگ۔ بھدرواہ۔ جنگلواڑ۔ کشتواڑ۔ سری نگر (گیارہ پڑاؤ)

۴. جموں۔ اُدھم پور۔ چھنی۔ اسر۔ جنگلواڑ۔ کشتواڑ۔ سری نگر (گیارہ پڑاؤ)

گرم میدانی علاقوں سے آنے والے اور پیدل چلنے والے لوگ اِن پہاڑی وادیوں کی خاموشی اور پر سکون خوبصورتی کا لُطف اُٹھایا کرتے ہوں گے۔ چمبہ۔ بھلیس۔ بھدرواہ اور کشتواڑ کے لوگ جن دُوسرے رابطہ راستوں کا اِنفرادی طور پر اِستعمال کرتے تھے، وہ بلند و بالا مقامات پر واقع درّوں میں سے گزرتے تھے جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱. چھتر گلہ (۷۰۰۰ فٹ اُونچا[1]) بھدرواہ کو بسوہلی سے ملاتا ہے۔[2]

۲. پدری پاس (۱۰۰۰۰ فٹ اُونچا) چمبہ کو بھدرواہ سے ملاتا ہے۔

۳. ڈنگانی درّہ (۱۲۱۰۵ فٹ اُونچا) چمبہ کو بھلیس سے ملاتا ہے۔

۴. میل واڑی پاس (۱۳۰۴۷ فٹ اُونچا) چمبہ کو بھلیس سے ملاتا ہے۔

۵. نے رنگواڑی درّہ (۱۴۷۴۷ فٹ اُونچا)

۶. گیٹو پاس (۱۴۷۶۰ فٹ اُونچا)[3]

علاقہ بھلیس، چمبہ کی چوہڑہ وزارت کے ساتھ مختلف درّوں کے ذریعے ملا ہوا تھا جن میں پدری گلی (۱۰۰۰۰ فٹ)، (درۂ بارُن ۱۲۱۰۰ فٹ)، ڈگانی درّہ (۱۲۸۶۲ فٹ) اور میلوڑای پاس (۱۳۰۴۷ فٹ) شامل ہیں۔

علاقہ مرمت (کھسال)، گلیاں، بٹوت، عصر، حنبل، بلند پور، ملہوری اور کھلینی کے پرانے پیدل راستور [illegible] ا ہوا تھا، جن میں سے ایک راستہ نالہ رگی سے بھی گوا کی طرف جاتا تھا۔

بٹوت بھدرواہ روڈ، مہاراجہ ہری سنگھ کا تحفہ:

بٹوت۔ بھدرواہ موٹر روڈ کی تعمیر مہاراجہ ہری سنگھ کا بھدرواہ نواسیوں کے لئے ایک عظیم تحفہ تھا۔ مہاراجہ ہری سنگھ نے اپنی جاگیر ''بھدرواہ'' کا ۱۹۲۱ء-۱۹۲۲ء کے دوران دورہ کیا۔ اُن کے ساتھ اُن کا اے۔ ڈی۔ سی۔ ویکفیلڈ بھی تھا، جو بعد میں اُن کی اِس ذاتی جاگیر کا ناظمِ اعلیٰ بھی بنا۔ مہاراجہ صاحب بھدرواہ میں تقریباً ایک ہفتہ ٹھہرے۔ بٹوت سے بھدرواہ تک کے سفر کے دوران راجہ کو پیش آنے والی دُشواریوں

---

۱ کچھ حضرات نے اِس کی بلندی ۱۰۱۰۰ فٹ بتائی ہے جو دُرست معلوم ہوتی ہے۔

۲ کوہ پیمائی اور مہم جوئی کی گزرگاہیں اِس باب کے آخر میں ملاحظہ کریں۔

۳ بحوالہ ''ہمالین پرنسی پیلٹیز''، ڈاکٹر کول، ص: ۱۲۶-۱۲۷

اور خطرات کا بخوبی احساس ہوا۔ دُوسری طرف اِس دشوار گزار اور تنگ پیدل راستے کے مختلف مقامات پر لوگوں نے سواگتی تقریبات کے دوران ''بٹوت تا بھدرواہ موٹر روڈ'' کی تعمیر کا پُر زور مطالبہ کیا۔ بھدرواہ جاگیر کے ساتھ اُن کا ذاتی لگاؤ تھا، اِس لئے اُنہوں نے اس دورہ کے دوران ہی جاگیر کی خوبصورتی اور اِس کے جنگلات کی اہمیت کو دیکھتے ہوئے لوگوں کے مطالبے کو پورا کرنے کا اعلان کر دیا اور کہا کہ بھدرواہ تا بٹوت روڈ کا فوری طور پر سروے کروا کر اِس کی تعمیر کا کام شروع کیا جائے گا۔ چنانچہ عوام اور حکومت کے مفاد میں دربار نے اِس سڑک کی تعمیر کے سلسلہ میں ایک منصوبے کی منظوری دے دی، جس کے لئے اِبتداء میں چالیس ہزار روپے رقم منظور کی گئی۔

بھدرواہ سے بٹوت تک کا سارا راستہ پہاڑی اور دُشوار گزار تھا اور لوگ عام طور پر پیدل ہی سفر کرتے تھے۔ اِس سڑک پر تعمیر کا کام ۱۹۳۷ء میں شروع ہوا۔ اس کی مجوزہ لمبائی پچاس میل تھی۔ اِس سڑک پر تقریباً سات سال بڑے زور و شور سے کام ہوا اور ایک کچی سڑک کی شکل میں اِس کو ۱۹۴۳ء میں باضابطہ موٹر ٹریفک کے لئے کھلا چھوڑ دیا گیا۔ پہاڑی چٹانوں سے نکالے جانے کی وجہ سے اِس سڑک کے کچھ موڑ تنگ، خطرناک اور جان لیوا ثابت ہوتے رہے۔ اِس پر کئی حادثات واقع ہوئے جن میں کئی قیمتی جانیں ضائع ہو گئیں۔ رگی نالہ، کھلینی اور ملہوری موڑوں کا نام سنتے ہی لوگ خوف سے لرزہ براندام ہو جاتے تھے۔ جموں سے بھدرواہ تک کا کل فاصلہ دو سو کلو میٹر ہے۔ اوّل اوّل اِس پر دس سیٹوں والی لاریاں چلتی تھیں اور چھوٹی کاریں وغیرہ بھی۔ لاریوں کے پچھلے حصّے میں دُکانداروں کا سامان، سودا سلف لادا جایا کرتا تھا۔ بسا اوقات سواریوں کو مال سے بھری ہوئی بوریوں پر بیٹھ کر سفر کرنا پڑتا تھا اور راستے میں ہچکولوں سے اُن کی کافی دُرگت ہو جاتی تھی لیکن اِس سڑک میں آہستہ آہستہ سدھار آ جانے سے اُن تکالیف کا ازالہ ہوتا گیا۔

۱۹۵۸ء میں پل ڈوڈہ سے ٹھاٹھری تک اور ۱۹۶۲ء میں ٹھاٹھری سے کشتواڑ

تک کا راستہ گاڑیوں کی آمدورفت کے لئے کھلا چھوڑ دیا گیا۔ مرحوم اوم مہتہ نے بٹوت سے کشتواڑ تک کی سڑک کو نیشنل ہائی وے ون-بی کا درجہ دِلا کر کشادہ اور پختہ کروایا۔ اِس کا فاصلہ ۲۰۱ کلومیٹر ہے۔

۱۹۸۱ء میں نیابت ٹھاٹھری کو تحصیل کا درجہ دئے جانے اور نیشنل ہائی وے ون-بی پر واقع ہونے کی وجہ سے اِسے مرکزی مقام کی حیثیت حاصل ہوگئی ہے۔ کشتواڑ گندوہ، سری نگر، جموں، بٹوت، ڈوڈہ، بھدرواہ وغیرہ کے مقامات سے آنے جانے والی گاڑیاں ٹھاٹھری بازار میں رُک کر یہاں کی رونق کو دوبالا کرتی ہیں۔

ٹھاٹھری-گندوہ-کلہوتران روڈ:

سابقہ ناظم تعلیم خواجہ غلام رسول آزاد (مرحوم و مغفور) نے آج سے تقریباً پچپن سال پہلے ۱۱ ستمبر ۱۹۵۴ء کو اٹال گڑھ کے مقام پر علاقہ بھلیس کی ترقی اور خوشحالی کے لئے ایک کنونشن کے دوران ایک قرارداد کے ذریعے اُس وقت کی حکومت سے مطالبہ کیا تھا کہ علاقہ بھلیس کو ایک موٹر روڈ کے ذریعے ٹھاٹھری سے ملایا جائے۔ اُس مانگ کو وہ ایوانِ بالا میں بھی دہراتے رہے۔ خواجہ عبدالغنی گونی، سابقہ ایم.ایل.اے. نے بھی اِس مطالبہ کی تائید کی۔ بخشی غلام محمد مرحوم کی سرکار کو اِس سڑک کی تعمیر کی منظوری دینی پڑی اور تقریباً ۳۹ کلومیٹر لمبی اِس سڑک پر کام شروع ہوا۔ کچھ سال پہلے تک اِس سڑک پر بڑی سست رفتاری سے کام ہو رہا تھا۔ اس فیرویدر روڈ کی بدولت علاقہ بھلیس ڈوڈہ کے مختلف علاقوں اور قصبوں کے علاوہ سری نگر اور جموں کے ساتھ مل گیا ہے اور بھدرواہ قصبے کے ساتھ اِس کی آمدورفت کے پرانے راستے منقطع سے ہو کر رہ گئے ہیں۔ گو یہ سڑک مجموعی طور پر ابھی تک پکی نہیں ہوئی ہے، تاہم جناب غلام نبی آزاد، موجودہ چیف منسٹر ریاست جموں وکشمیر کے مطالبہ پر مرکزی سرکار نے ٹھاٹھری کلہوتران روڈ کی کشادگی اور کلہوتران سے موضع کاہل جگا سر تک ڈبل لین سڑک کی

تعمیر کے لئے چالیس کروڑ روپے کی رقم منظور کی ہے اور ۲۰۰۷ء سے اِس سڑک کی تعمیر وتجدید پر شدومد سے کام جاری ہے۔ یاد رہے کہ کاہل جگا سر علاقہ بھلیس کی سرحد پر اور ریاست چمبہ کے قریب واقع ہے۔

بھلیس میں کچھ رابطہ سڑکیں بھی مختلف سکیموں کے تحت تعمیر کی جا رہی ہیں، جن سے اِس علاقہ کے اِقتصادی حالات مجموعی طور پر بہتر ہونے کی توقع ہے۔ اِن سڑکوں میں بھٹیاس چلی، منو کوٹا روڈ، بھٹیاس جکیاس روڈ، دوندی بنون روڈ، کلہوتران، کاہرا، ملانوں، جوڑہ، جائی روڈ، گندوہ، سنوں، باچھ، جائی بھدرواہ روڈ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مرکزی حکومت نے آزاد صاحب کی سفارش پر ۳۱/ مارچ ۲۰۰۸ء کو سنٹرل روڈ فنڈ سکیم کے تحت کاہرا، جوڑہ، جائی روڈ کی تکمیل کے لئے ۲۰ء۸۷ کروڑ روپے کی رقم منظور کی ہے۔ یہ سڑک ۱۶ کلو میٹر لمبی ہوگی جو کاہرا، ملانوں، گوگاڑا، بتولہ، بگڈیر، ہلارن، جوڑہ اور شام دلینی کی جنگلات سے بھری حسین وجمیل وادیوں سے گزرے گی اور سیاحتی سرگرمیوں کو فروغ دینے میں کافی مفید ہوگی۔ جائی بھدرواہ کی حسین ترین وادیوں میں شمار کی جاتی ہے۔ مجوزہ سڑک دو فیزز میں مکمل ہوگی جس پر تقریباً تیس کروڑ روپے لاگت آنے کا اندازہ ہے۔

بھدرواہ سے شریکھی، وہاں سے قطاری دھار۔ کلہوتران روڈ تعمیر کرنے کا منصوبہ ۱۹۸۶ء میں اُس وقت کے ڈپٹی کمشنر محمد اقبال کھانڈے صاحب نے تیار کروایا تھا، جس کی تعمیر اب تک سرتنگل پاور ہاؤس تک ہی محدود رہی۔ بھدرواہ سے شریکھی دس کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ یہ گاؤں علاقہ بھلیس اور وادیٔ بھدرواہ کے درمیان واقع قطار دھار کے مغرب کی طرف علاقہ اٹھکھار کا آخری گاؤں ہے۔ شریکھی سے کلہوتران روڈ نزدیک ترین رابطہ سڑک ہے جس کو اگر موٹر روڈ میں تبدیل کیا جائے تو بھلیس اور بھدرواہ کے قدیم تاریخی، ثقافتی، سماجی اور معاشی رِشتے پھر سے جوڑنے میں کافی مدد مل سکے گی۔ حکومت وقت جس کی سربراہی جناب غلام نبی آزاد کر رہے

ہیں، اِس بارے میں کافی سنجیدہ ہے۔توقع ہے کہ اِس روڈ پر بھی جلد ہی کام شروع کیا جائے گا اور دونوں مقامات کے لوگوں کے درمیان کھوئے ہوئے رِشتوں کی تجدید میں کافی مدد ملے گی۔

کلہوتران سے بھال پدری مجوزہ موٹر روڈ بھی بڑی اہم ہے۔کلہوتران سے بھال پدری جیسی سرسبز و شاداب وادی کی طرف ایک پیدل راستہ جاتا ہے، جو صرف نو میل لمبا ہے۔اِس صحت افزا اور سیاحتی اعتبار سے اہم سیر گاہ کو اگر موٹر روڈ سے جوڑا جائے تو یہ سیاحتی سرگرمیوں کے لئے ایک دِلکش مرکز بن سکتی ہے۔لوگ تیس سال سے اِس سڑک کی تعمیر کا مطالبہ کر رہے ہیں۔غالباً موجودہ حکومت ہی اِن کا یہ مطالبہ پورا کر سکے گی۔

جناب غلام نبی آزاد کافی عرصہ سے بھلیس وغیرہ کی رابطہ سڑکوں کی تعمیر کے لئے توجہ دیتے آئے ہیں۔ماہ اگست ۲۰۰۵ء کے دوران چنگا کے مقام کالگنی نالہ پر مسٹر محمد شریف نیاز، سابقہ ایم ایل اے بھدرواہ نے ایک سٹیل برج کی بنیاد رکھی تھی، جو اب دو کروڑ کی لاگت سے مکمل کیا جا چکا ہے۔یہ شاہرہ کلہوتران اور کاہل جگاسر تک کے تمام موضع جات کے لئے کافی مفید اور اہم ہے۔مسٹر غلام رسول چوگانی بھلیسوی کے کہنے کے مطابق ۱۹۵۰ء میں جناب غلام رسول آزاد (مرحوم) نے بخشی غلام محمد کے سامنے بھدرواہ-جائی-باچھ دھار-سنوں- گندوہ- کلہوتران روڈ تعمیر کرنے کا مطالبہ رکھا تھا۔میر قاسم صاحب کی حکومت کے سامنے بھی اُنہوں نے اِس سڑک کی تعمیر کا منصوبہ پیش کیا تھا۔۱۹۷۸ء میں شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ نے اِس سڑک کی دوبارہ سروے کروائی تھی۔فاروق صاحب کی حکومت نے محمد شریف نیاز صاحب کی سفارش پر گندوہ کی طرف سے تقریباً چھ کلو میٹر تک اِس سڑک کی تعمیر کروائی۔ کانگرس- پی.ڈی.پی کی مخلوط سرکار نے اِس سڑک کی دوبارہ سروے کروائی ہے۔توقع ہے کہ یہ سڑک آئندہ ایک دو سال تک مکمل کی جائے گی۔

بھدرواہ- چمبہ روڈ:

کشتواڑ سے تعلق رکھنے والے مرحوم اوم مہتہ، جو کافی دیر تک ریاستی اور مرکزی سطح پر کچھ اہم وزارتی عہدوں پر فائز رہے، نے ضلع ڈوڈہ کی ترقی کے حوالے سے بہت سے قابل تعریف کام کئے جن میں ڈول ہستی پن بجلی پروجیکٹ، بٹوت تا کشتواڑ روڈ کو نیشنل ہائی وے کا درجہ دِلا کر اس کی تعمیر، کشتواڑ-پاڈر-منالی ڈیفنس روڈ کی تعمیر اور دفاعی ضروریات کے مدِ نظر بھدرواہ -چمبہ روڈ کی تعمیر کی مرکزی سرکار سے منظوری اور ۱۹۷۰ء میں اِس پر کام کی شروعات کروانا شامل ہیں۔ اُن کی تاریخی خدمات اور کارناموں کے لیے وہ ہمیشہ یاد کئے جاتے رہیں گے۔ اِس سڑک کی تعمیر کے اِبتدائی مراحل میں مرکز کی طرف سے ایک کروڑ پچیس لاکھ روپے کی رقم منظور کی گئی تھی۔ اِس سڑک کو، جو پچھلے اڑتیس (۳۸) سال سے زیرِ تعمیر ہے، ۱۹۸۶ء میں ریاست کے سابقہ چیف منسٹر فاروق عبداللہ نے آمدورفت کے لئے کھلا چھوڑ کر اِس کی افتتاحی رسم انجام دی تھی۔ گو کہ کچھ عرصہ تک اِس سڑک پر سرکاری گاڑیوں کی آمدورفت دیکھی گئی لیکن بدقسمتی سے حالات کی خرابی کی وجہ سے یہ سڑک حکومت کی عدم توجہی اور موسمی حالات کی ناسازگاری کا شکار ہو کر تقریباً بند ہو گئی۔ یہ سڑک چمبہ بارڈر تک (اور اُس سے آگے چمبہ تک) سدا بہار جنگلات اور قدرتی مناظر سے گھری ہوئی ہے اور سرسبز و شاداب سیر گاہوں اور چراگاہوں سے گزرتے ہوئے چمبہ کو جاتی ہے۔ اِس سڑک کی تکمیل سے اِن مقامات کی دِلکشی اور قدرتی دِلفریبی سے ریاستی اور بیرون ریاست کے سیاح آکر لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ ہماچل پردیش گورنمنٹ نے چمبہ بھدرواہ سرحد تک سڑک کی تعمیر مکمل کر لی ہے۔ ساری سڑک مکمل ہونے پر اِس سڑک کا فاصلہ بھدرواہ سے چمبہ تک ۱۰۵ کلومیٹر ہوگا۔ مرکزی سرکار نے وزیرِاعلیٰ غلام نبی آزاد کی سفارش پر سال ۲۰۰۷ء-۲۰۰۸ء کے دوران اِس سڑک کی کشادگی اور تکمیل کے

لئے ۶۷ کروڑ روپے کی رقم منظور کی ہے۔ اِس سڑک پر قدرتی مناظر سے بھرپور مقامات میں علاقہ اٹھکھار کے بہت سے دیہات کے علاوہ پدری' بھال پدری اور ناگ لوٹن جیسے صحت افزا مقامات واقع ہیں۔ یاد رہے کہ پال راجوں کے دور میں چمبہ سے بھدرواہ تک صرف ۵۵ میل کا پیدل راستہ تھا اور جی. ٹی. وائن کے مطابق اُس راستے میں حسب ذیل پڑاؤ آتے تھے:

چمبہ سے نیچپر: ۱۴ میل' نیچپر سے ڈگی تا کرا: ۱۰ میل' ڈگی تا کرا سے ریڑکل: ۱۰ میل' ریکل سے مقام: ۹ میل اور مقام سے بھدرواہ: ۱۲ میل۔

بسوہلی۔ بنی۔ بھدرواہ روڈ:

مرکزی سرکار کی طرف سے ایک متبادل سڑک جو ''بسوہلی' بنی' بھدرواہ روڈ'' سے موسوم ہے' سالہا سال سے زیرِ تعمیر ہے۔ دراصل دفاعی ضروریات کے پیش نظر اور دُوسری لنک روڈ کے طور پر لکھن پور' بسوہلی' بنی' بھدرواہ اور یہاں سے پل ڈوڈہ' ٹھاٹھری' کشتواڑ اور کشتواڑ سے ڈکسم براستہ سنتھن اور وہاں سے کھنہ بل (کشمیر) کے مقام پر اِسے نیشنل ہائی وے سے ملانے کا منصوبہ بنایا گیا تھا۔ اِس سڑک کا کام کچھ حد تک بسوہلی بھدرواہ تا سنتھن مکمل ہے۔ بھدرواہ' بنی' بسوہلی کا فاصلہ ۱۶۱ر کلومیٹر بتایا گیا تھا جو روڈ بننے پر ۱۶۶ر میل ہوگا۔ بدقسمتی سے سیاسی افراتفری' عسکری تنظیموں کی پیدا کردہ رکاوٹوں' ریاستی اور مرکزی سرکار کی عدم توجہی کی بِنا پر اِس شاہراہ پر تعمیری کام کی رفتار مدھم سے مدھم تر ہوتی رہی۔ البتہ کبھی کبھی بھدرواہ سے چھتر گلہ اور بنی تک حفاظتی وجوہات کی وجہ سے پولیس کی کڑی نگرانی اور پہرے کے تحت چھوٹی گاڑیوں کو آنے جانے کی اجازت دی جاتی ہے۔

ایک زمانہ میں سری نگر سے کشتواڑ کے راستے لوگ ٹھاٹھری، جنگلواڑ اور کانڈوت سے گزر کر بھدرواہ اور یہاں سے لوانگ' بنی' بسوہلی اور برصغیر کے دُوسرے

مقامات کی طرف سفر کرتے تھے۔ اِس راستے پر عام طور پر تجارتی قافلے چلا کرتے تھے جس وجہ سے بھدرواہ کو ایک مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ بھدرواہ- بٹوت- جموں اور جموں- ڈوڈہ- ٹھاٹھری- کشتواڑ اور دیگر سڑکوں کے تعمیر ہونے کی وجہ سے آمدورفت اور رسل و رسائل کا قدیم سلسلہ اب بند ہو گیا ہے۔ تاہم اِس سڑک کی تکمیل سے ضلع ڈوڈہ اور وادیء کشمیر کا رابطہ ایک بار پھر ریاست اور دُوسری ریاستوں کے ساتھ بحال ہو جائے گا۔ ساتھ ہی فاصلے اور وقت میں کافی کمی واقع ہو گی۔ لوگوں کو کافی سہولیات میسّر آئیں گی، سیاحتی سرگرمیاں بڑھ جائیں گی جس سے یہاں کی اِقتصادیات پر بھی خوشگوار اثر پڑے گا۔ مختصر یہ کہ پٹھانکوٹ سے وادیء کشمیر تک آنے جانے کے لئے یہ متبادل شاہراہ ہر لحاظ سے سودمند ہو گی۔ نئے نئے مقامات منظر عام پر آئیں گے اور اِس سڑک پر واقع بیشتر دیہی حصوں کو کئی قسم کے فوائد حاصل ہوں گے۔

وزیر اعلیٰ جناب غلام نبی آزاد کی سفارش پر سال ۲۰۰۷ء کے دوران مرکزی سرکار نے بھدرواہ- بنی- بسوہلی سڑک کی تعمیر اور کشادگی کے لئے ساٹھ کروڑ روپے کی رقم منظور کی ہے۔

ترقیاتی اتھارٹیوں اور سیاحتی سرکٹوں کی منظوری:

جموں کلب میں دئے گے ایک تاریخی اِستقبالیہ میں جناب غلام نبی آزاد، چیف منسٹر ریاست جموں و کشمیر نے ضلع ڈوڈہ کے ترقیاتی منصوبوں کا ذِکر کرتے ہوئے اعلان کیا کہ ضلع ڈوڈہ کی ترقی اور یہاں پر سیاحتی سرگرمیوں کو فروغ دینے کے لئے حکومت نے دو (۲) با اِختیار ترقیاتی اتھارٹیوں کے لئے دو افسران کی تقرری کے احکامات جاری کر دئے ہیں۔ بھدرواہ کے ادارۂ ترقی اور سیاحتی فروغ کے لئے تعین کردہ افسر اعلیٰ نے کچھ دِن پہلے اپنا چارج سنبھال لیا ہے۔ اِسی طرح سے کشتواڑ کے لئے بھی ایک حاکم اعلیٰ کا تعین کیا گیا ہے۔ اِن دونوں ترقیاتی اداروں کے حق میں

سیاحتی پروگراموں کے حوالے سے ضروری تعمیری کاموں کی شروعات کے لئے مرکزی سرکار نے بیس بیس کروڑ روپے کی مالی امداد منظور کر دی ہے۔ اپنے دُوسرے اعلان میں وزیر اعلیٰ نے یونی ورسٹی کیمپس بھدرواہ کی وقت مقررہ کے اندر اندر تعمیر کے لئے ایک ہزار کنال زمین کی نشان دہی کئے جاچکنے کا بھی اعلان کیا۔ تیسرا اور اہم اعلان پٹھانکوٹ سے کشمیر تک کے سیاحتی سرکٹ کی منظوری سے متعلق تھا‘ جو بسوہلی۔ بنی۔ بھدرواہ۔ ڈوڈہ۔ ٹھاٹھری۔ کشتواڑ۔ سنتھن کے علاقہ جات کو کوکرناگ کے راستے وادی کے ساتھ ملائے گا۔ اِن مقامات پر سیاحوں کی سہولیات کے لئے خوبصورت رہائشی بنگلے‘ ہٹیں اور مشاہداتی منظر گاہیں تعمیر کی جائیں گی۔

حکومت کے حالیہ اعلان‘ جو ''کشمیر ٹائمز'' کے مورخہ ۲۵/اپریل ۲۰۰۶ء کے شمارے میں چھپا ہے ''اِس سرکٹ پر کل منظور شدہ رقم ۹۹۶ء۷ لاکھ میں سے مرکز نے پچھلے سال یعنی سال ۲۰۰۵ء-۲۰۰۶ء کے دوران (لکھن پور سے سرتھل تک) ۶۳۹ لاکھ روپے دئے تھے اور اُسی سال بھدرواہ۔ کشتواڑ۔ سنتھن۔ سری نگر سیاحتی سرکٹ کے لئے منظور شدہ ۶۹۱ء۳۱ لاکھ روپے کی رقم میں سے ۵۵۲ء۹۰ لاکھ روپے واگزار کے گئے۔'' ڈوڈہ۔ بھدرواہ روڈ کی کشادگی اور پختگی کا کام بڑی سرعت سے جاری ہے‘ جس میں آزاد صاحب ذاتی طور پر دلچسپی لے رہے ہیں۔ توقع ہے کہ یہ ڈبل لین روڈ ۲۰۰۹ء کے اِبتدائی مہینوں تک مکمل ہو جائے گا۔

بھدرواہ-چنتہ-جائی روڈ:

عوامی حکومت کی طرف سے محکمہ پبلک ورکس کے توسط سے بھدرواہ‘ چنتہ‘ جائی روڈ کچھ سال پہلے مکمل کی گئی تھی جو قصبہ بھدرواہ کو مشرق کی طرف واقع چنتہ اور جائی جیسی دو مشہور ترین قدرتی حُسن سے مالا مال وادیوں سے ملاتی ہے۔ چنتہ میں آرمی کنٹونمنٹ قائم کئے جانے کی وجہ سے دفاعی ضروریات کے پیشِ نظر اس سڑک

پر پہلے بیس کلومیٹر کی تکمیل کا کام مکمل کیا جا چکا ہے۔اب چنتہ سے جائی تک کے باقی دس کلومیٹر پر تعمیری کام سرعت سے جاری ہے۔جائی سے آگے اِس سڑک کو جوڑہ کے راستے ملانوں گندوہ سے ملایا جائے گا اور جائی سے ہی باچھ دھار، سقوں اور گندوہ کلھوتران تک لے جایا جائے گا۔اِس سڑک کی تکمیل سے یہ علاقے سیاحت کے نقشہ پر لائے گئے ہیں۔

بھالا - ملوٹھی روڈ اور بھالا - ڈیرکہ روڈ:

یہ سڑک کافی عرصہ سے زیر تعمیر ہے۔اِس سڑک کی تعمیر کا کام کچھ قانونی رکاوٹوں کی وجہ سے ٹھنڈا پڑ گیا تھا' جن کو موجودہ حکومت نے دُور کر دیا ہے۔یہ پانچ کلومیٹر روڈ گاڑیوں کی آمد و رفت کے لئے کھلی ہے۔اِس خوبصورت اور قدرتی مناظر سے بھر پور وادی کی ترقی کے لئے یہ سڑک شہ رگ کی سی حیثیت رکھتی ہے۔بھالا کے ہی مقام سے ڈیرکہ تک سڑک کی تعمیر کا کام شروع ہو چکا ہے۔اِس لنک روڈ کے اِبتدائی تین کلومیٹر کی تکمیل کے لئے سال ۲۰۰۷ء کے دوران پانچ لاکھ چون ہزار روپے کی رقم منظور کی گئی تھی۔بھالا - ملوٹھی روڈ کی گاجوٹھ اور طروَن کے دیہات تک توسیع کی جار ہی ہے۔اِن رابطہ سڑکوں سے لوگوں کو آمد و رفت میں کافی سہولیات فراہم ہوں گی۔

سینائی - کھلینی - ڈوگلی روڈ:

شاہراہ بھدرواہ - ڈوڈہ کے موضع سینائی کے مقام سے کھلینی تک ایک سڑک زیر تعمیر تھی لیکن غلام نبی آزاد' چیف منسٹر ریاست جموں وکشمیر کی نشان دہی پر کھلینی کو ایک سیاحتی مرکز میں تبدیل کرنے' یہاں پر سیاحوں کے لئے رہائشی سہولیات فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ اِس سارے خوبصورت علاقے کو رابطہ سڑکوں سے جوڑنے

کے لئے اِس سڑک کو موضع ڈوگلی' کیلاڑ تک وسعت دینے کی منصوبہ بندی کر دی گئ ہے۔ اِس سلسلہ میں سڑک کی تعمیر' پری فیبری کیٹڈ ہٹس کی تنصیب' پارک وغیرہ کی تکمیل کا کام شروع کر دیا گیا ہے۔ ۲۰۰۷ء-۲۰۰۸ء کے دوران یہ جگہ ٹورسٹ کے لئے کھلی چھوڑ دی گئی۔ اِس سلسلہ میں یہاں پر ایک سیاحتی میلے کا بھی انعقاد کیا گیا جس کا مقصد علاقہ کیلاڑ' جو گھنے اور سرسبز جنگلات اور قدرتی مناظر سے بھرا پڑا ہے' کو سیاحت کے نقشہ پر لاکر اِسے ہر لحاظ سے ترقی کی راہ پر گامزن کرنا ہے۔ توقع ہے کہ یہ حسین وادی ایک دِن ضلع ڈوڈہ کی معروف وادیوں میں شمار ہو گی۔

بھدرواہ میں رابطہ سڑکوں کی تعمیر:

علاقہ بھدرواہ کے اندرونی حصوں کو بہت سی چھوٹی بڑی سڑکوں سے ملایا جا رہا ہے جن میں چکہ زیریں سے مٹھولہ تک ایک سڑک زیرِ تعمیر ہے۔ مٹھولہ بہت ہی خوبصورت مقام ہے' جہاں واسکی ناگ کا ایک مندر بھی قدیم وقتوں سے موجود ہے۔ یہ مقام بھی سیاحوں کی دلچسپی کے لئے موزوں ثابت ہو سکتا ہے۔ دُوسری لنک روڈ موجودہ قبرستان (بھدرواہ) کے مغربی حصے سے گزرتے ہوئے بھدرواہ سرتنگل روڈ سے مل جائے گی۔ موجودہ گاٹھہ -ڈگری کالج لنک روڈ کی تجدید کاری کر کے کالج کے نزدیک اِس پر ایک پل تعمیر کیا گیا ہے۔ گاٹھہ ۔بھدرواہ لنک روڈ پر کوٹلی کے مقام سے ایک رابطہ سڑک سرولباغ سے ہوتے ہوئے موضع رینڈہ اور ہری پور سے گزر کر بھدرواہ چنتہ روڈ سے اٹال گڑھ کے مقام پر ملے گی۔ سرولباغ پل بھی ۲۰۰۷ء کے دوران مکمل کیا گیا ہے۔ ایک رابطہ سڑک کوٹلی اور چابڑہ کی تفریح گاہ تک زیرِ تعمیر ہے۔ بھدرواہ بسوہلی روڈ پر دو رابطہ سڑکیں تعمیر ہو رہی ہیں۔ ایک ہالیاں کے مقام سے تیلی گڑھ (مجوزہ تفریح گاہ) تک اور دُوسری محلّہ قلعہ کے بالائی علاقہ سے قلعہ بھدرواہ تک تعمیر کی گئی ہے۔ قلعہ بھدرواہ کو ایک ثقافتی مرکز کے طور پر ترقی دی جا رہی ہے۔ اِس کے

علاوہ درڈو۔ بھالڑہ روڈ پہلے ہی مکمل کی جا چکی ہے اور درڈو۔ چھترہ اور بھالڑہ۔ چھترہ رابطہ سڑکیں زیرِ تعمیر ہیں۔ چنتہ روڈ کے دلینی گاؤں سے ایک لنک روڈ ملینی تک بھی زیرِ تعمیر ہے۔ گاٹھہ سے لنگا فِش فارم تک بھی حال ہی میں ایک پختہ سڑک کی تعمیر عمل میں لائی گئی ہے۔ یہ سب کام موجودہ حکومت میں انجام پذیر ہوئے ہیں۔

مرمت گلیاں کی رابطہ سڑکیں:

مسٹر عنایت لونؔ کے لکھے ہوئے ایک مراسلے کے مطابق جو ''کشمیر ٹائمز'' کے مورخہ ۲۰/اکتوبر کے شمارے میں شائع ہوا ہے' یہ انکشاف کیا گیا ہے کہ تحصیل ڈوڈہ میں پرائم منسٹر کی جی. ایس. وائی (یوجنا) کے تحت فروری ۲۰۰۷ء کے دوران بیس (۲۰) مجوزہ سڑکوں کے منصوبوں میں سے صرف دس سڑکوں کے لئے ٹینڈر طلب کئے گئے تھے' جن پر دفتری طوالت کی بنا پر ابھی تک عمل درآمد نہیں ہوا ہے۔ جہاں تک علاقہ مرمت کی رابطہ سڑکوں کا تعلق ہے اُن میں نیشنل ہائی وے بی. ون پر کھلینی کے مقام سے گوہا تک تقریباً ۲۷ رکلومیٹر سڑک پہلے ہی تعمیر کی جا چکی ہے' جو اِس علاقہ کے ۱۷۰ مربع کلومیٹر رقبہ پر تقریباً ۳۰۰۰۰ (تیس ہزار) آبادی کو رسل ورسائل کی سہولیات فراہم کر رہی ہے۔ اِس سڑک کو موضع درنگہ تک وُسعت دیئے جانے کا منصوبہ تیار کیا گیا ہے' جس پر ایک کروڑ روپے لاگت کا اندازہ ہے۔ درنگہ تک کی تین کلومیٹر سڑک کے دو کلومیٹر تیار ہو چکے ہیں۔ اِس سڑک کے مکمل ہونے سے ملحقہ دیہات کی دس ہزار آبادی کو فائدہ پہنچنے کی توقع ہے۔ دُوسری سڑکیں بلگرام تا بھوتہ اور بلگرام تاروٹ منظور ہوئی ہیں۔ اِس کے علاوہ مرسُو سے چروٹ سڑک کی تعمیر کا منصوبہ ابھی بھی اِلتواء میں پڑا ہوا ہے۔ ۲۰۰۰ء۔ ۲۰۰۱ء کے دوران محکمہ تعمیرات نے بلگرام سے پربل کی رابطہ سڑک کا کام ہاتھ میں لیا تھا' جس پر ۹۷ لاکھ روپے لاگت آنے کا تخمینہ تھا۔ اِس رقم میں سے دس لاکھ روپے پہلے ہی خرچ کئے جا چکے ہیں۔ اِسی محکمہ نے ۲۰۰۳ء کے

دوران بلگرام - براستہ باڑی سڑک کا کام شروع کیا تھا، جس پر دس لاکھ ستاسی ہزار روپے خرچ آنے کا تخمینہ تھا۔ اِس کام پر بھی دس لاکھ روپے صرف کئے جا چکے ہیں لیکن بعد میں اِس سکیم کو بھی جی۔ ایس۔ وائی یوجنا کے تحت لایا گیا اور نیا تخمینہ ۵۰ء۴۵۷ لاکھ لگایا گیا لیکن اِس سڑک پر ابھی کام کی شروعات نہیں ہوئی ہے۔ حکومت کو مرمت، سُدھ مہادیو سڑک کی تکمیل کی طرف فوری توجہ دینے کی ضرورت ہے، جس کا ذکر کیا جا چکا ہے۔

درنگہ سے رِگی نالے تک ایک سرکلر روڈ تعمیر کئے جانے کا مطالبہ بھی زور پکڑ رہا ہے جس کی تعمیر سے موجودہ سڑک کے مقابلہ میں مرمت تک کے فاصلے میں تقریباً ۴۶ رکلومیٹر کی کمی ہو سکے گی اور لوگوں کو بلا واسطہ طور پر جموں کے ساتھ اپنی پیداوار کی مارکٹنگ کرنے میں کافی فوائد حاصل ہوں گے اور سفر میں ضائع ہونے والے وقت کی بھی بچت ہوگی۔ اِس وقت رِگی تا گُنڈ گوہا تک پندرہ کلومیٹر کا پہاڑی راستہ موجود ہے، جو دُشوار گزار ہے۔

علاقہ مرمت اِس وقت علاقہ طروَن اور کیلاڑ کے ساتھ ایک پہاڑی راستے سے بھی ملا ہوا ہے جو بھالا، شونگڑ، طروَن، سرسی اور گوہا کے دیہات کی قدیم رابطہ سڑک ہے۔ یہ علاقہ جنگلات کے بلند و بالا درختوں اور خوبصورت وادیوں اور سبزہ زاروں اور چراگاہوں کی آماجگاہ ہے، جسے سیاحتی اہمیّت کے ایک مرکز کے طور پر ترقی دیے جانے کی اشد ضرورت ہے۔

ٹھاٹھری کی رابطہ سڑکیں:

تحصیل ٹھاٹھری کے مختلف مقامات سے گزرنے والی ہائی وے ون کے کئی نکات سے اِس تحصیل کے اہم دیہات کو کئی رابطہ سڑکوں کے ذریعے ملایا جا رہا ہے، جس میں ٹھاٹھری - جنگلواڑ روڈ، سوگاڑی - تھلیلہ روڈ، بھیلا - بھیجا چراہلہ روڈ، بھیلا - پرنوت - کانڈوت - جنگلواڑ روڈ شامل ہیں۔ سوگاڑی تھلیلہ روڈ کو پنچھئی کے مقام تک

توسیع دی جا رہی ہے۔ ۱۹۸۱ء سے کراڑہ پونیچہ۔ چراہلہ روڈ تعمیر ہو رہی ہے جس کے اِبتدائی دس کلومیٹر پونیچہ تک مکمل کئے جا چکے ہیں۔ باقی ۲۰، ۲۵ کلومیٹر کی تعمیر کے لئے ٹھاٹھری ڈیویلپمنٹ فرنٹ کے ممبران سر توڑ کوشش کر رہے ہیں۔ اِس فرنٹ کی سربراہی مسٹر اوم پرکاش کوتوال کر رہے ہیں۔ اس فرنٹ نے کاہرا۔ جائی روڈ کی فوری تکمیل کے ساتھ ساتھ چراہلہ۔ سنارٹھاواہ سڑک کی تعمیر اور اس سڑک کو جوڑہ ہلاران تک وسعت دینے کا پرزور مطالبہ کیا ہے کیونکہ علاقہ بنسوتہ اور چراہلہ ابھی تک رابطہ سڑکوں کی عدم موجودگی کی وجہ سے علاقہ ٹھاٹھری سے الگ تھلگ اور پسماندہ رہے ہیں۔ اِس علاقہ میں سیاحتی سرگرمیوں کو فروغ دینے کے کافی اِمکانات موجود ہیں۔

کوہ پیمائی اور مہم جوئی کی گزرگاہیں:

کوہ پیمائی اور مہم جوئی کی سرگرمیوں کے لئے بھدرواہ، بھلیس اور مرمت کے پہاڑی حصّوں میں روشن اِمکانات کے باوجود آج تک اِن کو بڑھاوا دینے کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی گئی ہے۔ حالانکہ مغربی سیاح یہاں کی کچھ ٹریکنگ کی گزرگاہوں (Routs) سے غیر رسمی طور پر گزرتے رہے ہیں، جن میں رام نگر، سیوج دھار، بھدرواہ، بسوہلی، بنی، بھدرواہ، اور چمبہ، پدری، بھدرواہ کے راستے قابلِ ذکر ہیں۔ تاہم یہاں آنے والے ایسی سرگرمیوں کے خواہش مند مہم جو اور کوہ پیماؤں کی سہولیت کے لیے حسبِ ذیل گزرگاہوں کی نشان دہی کی جاسکتی ہے جن کو اِستعمال کرکے وہ یہاں کے قدرتی نظاروں سے لُطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ یہاں کی مقامی ڈویلپمنٹ اتھارٹی اور محکمہ سیاحت سے وابستہ ملازمین کو اِن کا باضابطہ طور پر سروے کرکے ضروری معلومات کی تشہیر کرنی چاہیے تاکہ اخفائے راز میں پڑی ہوئی یہ کوہستانی گزرگاہیں بھی مہم جوؤں اور کوہ پیماؤں کی دِلچسپی کا باعث بن سکیں۔

(۱) بھدرواہ۔ ناٹھی۔ چھترگلہ۔ سرتھل۔ لوانگ۔ بنی رُوٹ: اِس رُوٹ پر

بنیادی کیمپ نالٹھی کے مقام پر ہوگا۔ چھتر دھار ۱۰۱۰۰ رفٹ اُونچائی پر اور نالٹھی سے ۹ر کلومیٹر دُور چڑھائی پر واقع ہے۔ سرتھل قریباً آٹھ ہزار (۸۰۰۰) فٹ کی اُونچائی پر ایک خوبصورت جگہ ہے، جہاں رات کے لیے قیام کیا جا سکتا ہے۔ یہ چھتر گلہ سے تیس (۳۰) کلومیٹر کے فاصلے پر ڈھلوانی راستے سے جڑا ہوا ہے۔ چھتر گلہ کے متصل طبری کے مقام پر ایک ریسٹ ہاؤس ہے۔ سرتھل سے لوانگ ۶۰۰۰ فٹ کی اُونچائی اور ۱۳ر کلومیٹر کی دُوری پر واقع ہے۔ لوانگ سے بنی تقریباً ۱۳ر کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ بنی میں ریسٹ ہاؤس دستیاب ہے اور لوانگ میں بھی۔ بنی اور بونڈ کے درمیان بنجال (۱۰) دس کلومیٹر دُور ہے اور چڑھائی پر واقع ہے۔ بنجال سے بونڈ ۹ رکلومیٹر کی دُوری پر واقع ہے اور وہاں سے بسوہلی تک کا سفر آرام سے بس میں طے ہو سکتا ہے۔ ہر پڑاؤ کے درمیان چار سے پانچ گھنٹے تک لگ جاتے ہیں۔ مہم باز پانچ یا چھے دِنوں میں واپس بھدرواہ پہنچ سکتے ہیں۔

(۲) سیوج دھار۔ کیلاش۔ چھتر گلہ۔ سرتھل رُوٹ: بھدرواہ سے سیوج دھار ۲۰ رکلومیٹر کے فاصلے پر اور ۱۰۲۰۰ افٹ کی بلندی پر واقع ہے اور وہاں سے کیلاش کُنڈ چار کلومیٹر کی دُوری پر واقع ہے۔ سیوج دھار پر محکمہ سیاحت اور مقامی ترقیاتی اتھارٹی کی طرف سے دوران کیلاش یاترا، پری فیبری کیٹڈ ہٹس نصب کیے جاتے ہیں۔ کیلاش کُنڈ (بلندی ۱۲۱۴۵ افٹ) سے چھتر گلہ کٹھن سفر ہے۔ مہم جو دُوسرے دِن چھتر گلہ میں آرام کر کے نمبر ایک پر دیئے گئے رُوٹ کے مطابق ہی بنی تک کا سفر کر کے چار یا پانچ دِنوں میں واپس بھدرواہ آ سکتا ہے۔

(۳) بھدرواہ۔ پدری گلی۔ بھال پدری۔ پرنگل۔ دگی۔ منجری۔ چمبہ رُوٹ: یہ پچپن (۵۵) میل کا پیدل رُوٹ ہے اور چھ دِن کا سفر ہے۔ بھدرواہ سے پدری گلی کا پیدل راستہ پندرہ کلومیٹر ہے۔ بھدرواہ چمبہ موٹر روڈ تقریباً ۱۰۵ اکلومیٹر ہے۔

(۴) بھدرواہ۔ شرکھی۔ قطار۔ کلہوتران۔ کینٹھی۔ جائی۔ بھدرواہ رُوٹ:

یہ راستہ دشوار گزار مگر حسین جنگلات اور دِل فریب مقامات سے گزرتا ہے اور کم وبیش چار دِن کا سفر ہے۔

(۵) بھدرواہ (براستہ بھیجہ، تھنالہ)۔ پدری گلی۔ بھال پدری۔ تھلورن۔ کینٹھی۔ جائی۔ بھدرواہ رُوٹ: یہ سفر کم وبیش پانچ دِنوں پر مشتمل ہے۔ پدری گلی دس ہزار (۱۰۰۰۰) فٹ اُونچی ہے۔

(۶) بھدرواہ۔ جائی۔ کانسر (براستہ باچھ دھار)۔ گندوہ۔ کلہوتران۔ ٹھاٹھری۔ رُوٹ: یہ رُوٹ کم از کم چار دِن کی مسافت پر مشتمل ہے۔ جائی، کانسر، گندوہ اور ٹھاٹھری میں رہائشی اِنتظامات دستیاب ہیں۔ ٹھاٹھری سے آگے بس میں بڑے آرام سے سفر کیا جاسکتا ہے۔

(۷) بھدرواہ۔ سیوج دھار۔ نگار۔ بھوتہ۔ مرمت۔ سدھ مہادیو (اُدھم پور) رُوٹ: سدھ مہادیو سے جموں وغیرہ کے لیے بسیں دستیاب ہیں۔ سدھ مہادیو تک پانچ روز درکار ہیں۔ یہاں اِس امر کا ذکر لازمی ہے کہ مہم جو حضرات چھوٹے اور کم وزن کے خیمے اور اشیائے خوردنی ساتھ لاویں تو بہتر ہوگا۔ نیز کچھ سیاحتی گزرگاہوں اور تیرتھوں کے راستوں پر بھی مہم جوئی ہوسکتی ہے جن کا ذکر مختلف ابواب میں کیا گیا ہے۔

(۸) کشتی بانی یا ریفٹنگ: کشتی بانی (Rafting) دریائے چناب میں ٹھاٹھری سے ڈوڈہ اور اب بغلیار پن بجلی پروجیکٹ کا ڈیم پل ڈوڈہ سے بغلیار تک بننے کے بعد بغلیار بجلی گھر تک ممکن ہوگئی ہے۔ دراصل دریا بانی یا کشتی بانی کی مہم دریائے چناب کے طاس میں ۱۹۸۵ء میں امریکہ سے آئی ہوئی ایک ٹیم نے شروع کی تھی، جو کشتواڑ اور رام بن کے درمیان انجام پذیر ہوئی تھی۔ دُوسری بار ۱۹۸۸ء میں سری نگر اور دہلی سے آئی ہوئی ٹیموں نے کامیابی سے اِس رُوٹ پر ریفٹنگ کی۔ اِس کے بعد کوششوں کے باوجود کوئی ٹیم اِس میں کامیاب نہ ہوسکی۔ کشتی بانی کے دوران موسمی حالات کا بخوبی خیال رکھا جانا ضروری امر ہے۔

قصبہ بھدرواہ:

موجودہ قصبہ ''بھدرواہ''، ضلع ڈوڈہ کا خوبصورت ترین قصبہ ہے، جس کی حسن و خوبصورتی کے بارے میں کئی تذکرہ نگاروں اور سیاحوں نے اپنی اپنی طرز سے قصیدے لکھے ہیں۔ اِس قصبے کی بنیاد تقریباً آٹھویں صدی عیسوی کے بعد ہی پڑی جب کہ پرانے قصبہ ڈونگا نگر اور اودھا نگر کو ایک طوفانِ عظیم نے صفحۂ ہستی سے مٹا ڈالا تھا۔ وہ قصبہ علاقہ اٹھکھار کے خوبصورت ترین مقام پر آباد تھا اور قدیم مملکت بھدرواہ کا دارالخلافہ بھی تھا، جو سر تنگل کے نزدیک گڑھ سے مونڈہ تک پھیلا ہوا تھا۔ نالہ ہالون اِس کے بیچوں بیچ سے گزرتا تھا، جو بالآخر اِس کی تباہی کا موجب بنا۔ ڈونگا نگر اور اودھا نگر کا قصبہ وادیٔ بھدرواہ سے بسوہلی اور بڈھو کے علاوہ چمبہ کے علاقوں کی طرف جانے والے راستوں کا مشہور نقطۂ آغاز تھا۔ وادیٔ بھدرواہ میں داخل ہونے کے لیے بھی یہ ایک گزرگاہ کے مصداق تھا۔ وادیٔ کشمیر سے بھی آنے جانے والے لوگ یہاں سے ہی گزرتے تھے۔ کچھ تذکرہ نگاروں کے مطابق اِس قصبے کے آس پاس ایک قدیم یونی ورسٹی بھی قائم تھی، جس میں سینکڑوں طالب علم رہائش پذیر ہو کر سنسکرت اور دیگر علوم سے فیضیاب ہوتے تھے۔ اِس بارے میں ہمیں کوئی تاریخی سند دستیاب نہیں ہوئی ہے اور نہ ہی مذکورہ قدیم قصبے یا راجدھانی کے بارے میں ہمارے پاس کوئی مستند ثبوت موجود ہے۔ بس سینہ بہ سینہ چلی آ رہی روایات ہی کو ہم مصدقہ ثبوت تسلیم کرتے آئے ہیں۔

تواریخی شواہد سے یہ بات طے ہے کہ موجودہ قصبہ جو عرفِ عام میں ''نگر'' کے نام سے مشہور ہے، پرانے قصبے کی بربادی کے بعد آباد کیا گیا۔ یہ شاید اِس وجہ سے ہوا کہ ہالون اور نیرو کے نالوں کے طوفانی خطروں سے یہ جگہ محفوظ تھی اور موجودہ بازار سیری کسی جاگیردار کی مملکت میں ایک بہت بڑے ہموار قطعۂ زمین کی صورت میں

دستیاب تھا اور ساتھ ہی یہاں پر قدیم منادر کی موجودگی لوگوں کی مذہبی رسومات کی انجام دہی کے لئے سکون و اِطمینان کا باعث تھی۔ اِن میں واسک ڈیرہ میں تعمیر شدہ واسک ناگ کا مندر اور نالہء نیرو کے دائیں کنارے (یعنی مشرق میں) گپت گنگا کا قدیم مندر قصبہ سے ایک کلومیٹر کی دُوری پر واقع ہے' جو بڑے بڑے پتھروں سے تراشی گئی ٹائلوں سے تعمیر کیا گیا ہے۔ واسکی ناگ مندر میں واسکی ناگ کی دو مورتیاں اور جُمت وہاں کی مورتی نصب کی گئی ہے۔ یہ دونوں منادر تاریخی اور مذہبی لحاظ سے بڑی اہمیّت کے حامل ہیں۔ اس قصبہ میں کچھ اور مندر بھی ہیں جن میں بازار سیری میں لکشمی نارائن مندر' پاسری مندر اور محلّہ قلعہ کا مندر پرانے منادر ہیں۔ قصبہ کے بیچوں بیچ ایک عالی شان جامع مسجد ہے اور درجنوں محلّہ مساجد تعمیر کی گیں ہیں۔ بھدرواہ میں کئی زیارت گاہیں بھی موجود ہیں اور مرجع خلائق ہیں۔

موجودہ قصبہ چاروں طرف سے سرسبز و شاداب جنگلات اور پہاڑی سلسلوں سے گھرا ہوا ہے۔ یہ قصبہ محلّہ رُنتہ (محلّہ قلعہ کے بالائی حصے میں قلعہ بھدرواہ کے نزدیک ایک موضع کا نام ہے' جو اب میونسپل کمیٹی کی حدود میں آگیا ہے) کی اُترائی سے گپت گنگا کے نشیبی حِصّے تک اور قصاباں محلّہ (متصل قبرستان) سے گاٹھہ تک پھیلا ہوا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ زمانۂ قدیم میں بھدرواہ قصبہ میں ایک میونسپل کمیٹی قایم تھی' جسے بعد میں ٹاؤن ایریا کمیٹی میں تبدیل کیا گیا۔ کچھ عرصہ پہلے یہ قصبہ نوٹیفائڈ ایریا میں تبدیل کیا گیا لیکن موجودہ گورنمنٹ نے باقی قصبوں کے ساتھ ساتھ اِس کا درجہ بڑھا کر اِسے بھی میونسپل کمیٹی میں بدل ڈالا ہے۔

قصبہ بھدرواہ بیرونی سیاحوں کی نظر میں:

اِس قصبہ کے بارے میں کچھ انگریز سیاحوں نے اپنے سفر ناموں اور تذکروں میں اپنے تاثرات قلمبند کئے ہیں جن میں چارلس ایلیسن بیٹس' جی. ٹی. وائن اور

فریڈرک ڈریو وغیرہ شامل ہیں۔ جی.ٹی. وائن نے اِس علاقے کی سیاحت ۱۸۳۹ء میں کی تھی۔ اُس کے سفرنامے کی پہلی جلد لندن سے ۱۸۹۲ء میں شائع ہوئی۔ بھدرواہ کے بارے میں وہ یوں لکھتا ہے:

''بدرواز'' بدھ کا مضبوط گڑھ نہائت خوبصورت ملک کے مرکز میں واقع ہے۔ کشمیر کو چھوڑ کر ایسا خوبصورت مقام پہاڑوں میں میری نظر سے نہیں گزرا۔ میرا تھرمامیٹر (بیرومیٹر) ۵۰۰۰ فٹ کی بلندی ظاہر کررہا ہے۔ کشمیری اِسے ''بدرکار'' کہتے ہیں اور پہاڑیوں کے باشندے اِسے ''بدر'' پکارتے ہیں۔''

بھدرواہ کی کشمیری آبادی اِسے ''بدرکا'' کہتی ہے ''بدرکار'' نہیں۔ اِسی طرح غیر مسلم باشندے اِسے ''بڈلہ'' کہتے ہیں۔ جی.ٹی. وائن اِس وادی کے بارے میں مزید لکھتا ہے کہ:

''بھدرواہ سے راستہ بھدرواہ ندی کے بائیں کنارے تدریجاً بلند ہوتا جاتا ہے حتیٰ کہ یہ بیضوی دائرے میں جا نکلتا ہے، جس کے نشیبی حصے دھان کے کھیتوں سے وابستہ ہیں جب کہ فراخ اور کم ڈھلوان حصے زیادہ تر قابل کاشت تھے، جہاں آباد گاؤں واقع ہیں اور جن پر دیودار کے درخت سایہ فگن ہیں۔ یہ گاؤں اِن پہاڑی خطوں کے مقابلہ میں، جو میں نے علی العموم دیکھے تھے، نسبتاً بہتر حالت میں تھے۔''

قصبہ بھدرواہ کے بارے میں وائن اپنے تاثرات یوں بیان کرتا ہے:

''.........میرے خیال میں قصبہ بمقابلہ کشتواڑ دوگنا بڑا ہے۔ اِس میں دوسوسے تین سو گھر تھے۔ اِن تمام پہاڑی قصبات کی آبادی کا معتدبہ حصہ کشمیری ہیں، جو اپنے وطنِ مالوف کے سکھ گورنروں کے ظلم وستم سے بچنے کے لئے اِن علاقوں میں فرار ہوئے ہیں۔

خاص بازار کی سمت جنوب مغربی ہے اور شمال کی طرف قلعہ ہے جو قصبہ کی حفاظت کرتا ہے۔ قلعہ بڑا اور مربع (شکل کا) ہے جو سلیٹ کے بڑے بڑے پتھروں

سے بنایا گیا ہے۔ یہ پتھر قرب و جوار میں ملتے ہیں۔ یہ دُوسرے پہاڑی قلعوں کے مقابلہ میں بڑا عجیب و غریب مقام ہے۔ اس قلعہ کی پشت پر جنگلات سے بھرپور پہاڑیاں اِس کی حفاظت کرتی ہیں۔"

وائن نے اُس وقت کی غذائی حالت کا نقشہ کھینچا ہے جس سے عیاں ہوتا ہے کہ بھدرواہ میں ارزانی کا دور دورہ تھا:

"......چار سیر گندم کا آٹا جو تین انگریزی پونڈ کے برابر ہے، عام طور پر ایک پنس سے کم میں فروحت ہوتا ہے۔ اِسی قیمت پر تین سیر چاول اور آٹھ سیر جو دستیاب ہوتے ہیں۔ ایک عمدہ بھیڑ ایک روپے سے، جو دو شلنگ کے برابر ہے، فروخت ہوتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بازار میں اشیائے تجارت کی فراوانی تھی۔ اڑھائی صد کے قریب شال کے کرگھے (کھڈیاں) تھیں لیکن مصنوعات عمدہ قسم کی نہ تھیں۔ سیب کے درخت کی لکڑی سے عمدہ خوبصورت اور منقش کنگھے بنائے جاتے ہیں۔ موسم گرما میں ایک بلند درّہ کو عبور کر کے چار یا پانچ گھنٹے میں چمبہ جا سکتے ہیں یا دُوسرے درّے چھاترو دھار (چھتر دھار) کے ذریعے بسوہلی۔ دونوں درّے برف نے جنوری ۱۸۳۹ء میں، جب کہ میں وہاں تھا، بند کر دئے تھے۔"

وائن نے ڈائینوں کی موجودگی کا یوں ذکر کیا ہے جو کشتواڑ اور بھدرواہ میں اُن دِنوں موجود تھیں:

"......بھدرواہ میں ایک بوڑھی عورت میں نے دیکھی جو اُس وقت ساحرہ یا ڈائین کی حیثیت میں لائی گئی تھی۔ اگر کوئی حاکم بیمار پڑ جائے اور اُس کی بیماری دوا کے اِستعمال سے دُور نہ ہو سکے تو ایسی بوڑھی عورت کی تلاش کی جاتی ہے جس کے پاؤں اندر کی طرف مڑے ہوئے ہوں۔ اُس پر ڈائین ہونے کا اِلزام عائد کیا جاتا ہے اور شاید اُس کی ناک کاٹ لی جاتی ہے، یا شاید اُسے موت کے گھاٹ اُتارا جاتا ہے۔ میری اِستدعا پر اُس ڈائین کو میرے سامنے لایا گیا۔ ڈائین جیسے تاثرات، جو اُس کے

چہرے سے عیاں تھے' یقیناً میں نے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ شروع شروع میں وہ بے حد خوف زدہ تھی لیکن اُس کا خوف کچھ کم ہو گیا۔ جب اُسے معلوم ہوا کہ میں اُس کے لئے حکام سے سلسلہء جنبانی کر رہا تھا۔ جب تک میں قصبہ میں رہا اُسے کسی نقصان سے بچانے میں کامیاب ہو گیا۔ سزا یہ بھی ہے کہ تا بنے کا سکہ گرم کر کے ماتھے پر داغا جاتا ہے.........''

''.......الپائن پنجاب کے باشندے عام طور پر ہندو ہیں۔ وہ تنومند اور پھر تیلی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ میدانی باشندوں کے مقابلے میں کوتاہ قد اور مضبوط جسم کے ہیں۔ اُن کے نقش خوبصورت' رنگ سفید اور اخلاق پسندیدہ ہیں.....''[1]

فریڈرک ڈریو' دی ٹیری ٹریز آف جموں اینڈ کشمیر'' کے صفحہ نمبر ۱۰۳ تا ۱۰۵ پر بھدرواہ قصبے کا یوں ذِکر کرتے ہیں:

''بھدرواہ کا مصروف قصبہ اِس قسم کے پہاڑی علاقے میں مقابلتاً ایک بڑی جگہ ہے۔ یہاں اندازاً چھ یا سات سو گھر اور تقریباً تین ہزار لوگ ہیں۔ بھدرواہ میں ایک کُھلا بازار ہے۔ ایک لمبی گلی قلعہ کی جانب جاتی ہے۔ دو یا تین بازار' دو مسجدیں اور ایک بڑا مندر واقع ہے.........''

''........قصبہ میں بنے ہوئے گھر تقریباً سالم دیودار کی لکڑی کے ہیں اور گھروں کے ڈھانچے بھی لکڑی کے ہی ہیں۔ البتہ دُوسرے تختوں کے درمیان خالی جگہ کو پتھروں سے بھرا جاتا ہے جو بعض اوقات ڈھیلے چھوڑے جاتے ہیں اور بعض دفعہ گارے سے جوڑے جاتے ہیں۔ بہت سے گھروں کی چھتیں ڈھلوانی قسم کی ہوتی ہیں جن پر شنگل لگائے جاتے ہیں۔ کناروں پر کھمبے لگانے کے لئے بعض اوقات انوکھے قسم کے طریقے اپنائے جاتے ہیں۔ اور بعض اوقات مکان یا مندر کے بیچ میں سہارا دینے کے لئے اِنہیں لگایا جاتا ہے۔ کچھ اِنچ موٹے لکڑی کے سِلوں کو جوڑوں کی

---

[1] شیرازہ (ہمارا ادب) ۱۹۶۵ء ص:۷۲-۷۳' عشرت کشتواڑی

صورت میں سیدھے اُوپر کی طرف کھڑا کیا جاتا ہے وہ اِس طرح کہ ایک جوڑا دُوسرے جوڑے کوزاویہ قائمہ پر قابو میں رکھے ہوئے ہو اور وہ بھی یکے بعد دیگرے......"

"......ایک ندی کا پانی قصبہ کے عین درمیان میں سے گزرتا ہے اور اُس میں سے نکالی ہوئی شاخیں تمام گلیوں میں سے گزاری جاتی ہیں۔ عمارتوں کے درمیان اور قصبہ کے گردونواح میں میوے دار درخت لگائے گئے ہیں۔ سیب، ناشپاتی، شہتوت، خوبانی اور گلاس وغیرہ۔ یہاں سفیدوں کے درخت، چنار اور چپٹی سطح کے درخت بھی ہیں۔ درختوں میں سفیدے اور چنار کے درخت پائے جاتے ہیں......"

وہ مزید لکھتا ہے:

"......ان خصوصیات کے علاوہ یہاں کی موسم گرما کی خوشگوار آب و ہوا اور کشمیری نژاد لوگوں کی ایک کثیر تعداد کی وجہ سے اِس علاقے کو "چھوٹا کشمیر" کے نام سے شہرت ملتی ہے......."

"........بھدرواہ کے نصف سے بھی زیادہ باشندے کشمیری ہیں۔ اُنھوں نے یہاں کے اصلی ہندو باشندوں کو پس پشت ڈالا ہے۔ اُنھوں نے تقریباً ہر قسم کی نوکریاں اِختیار کی ہیں۔ اُن میں سے کئی دکاندار اور اُس سے بھی زیادہ امرتسر اور نور پور والوں کی فرمائش پر شالی بافی کے کام میں مصروف ہیں۔ کچھ کشمیریوں کے پاس زمین ہے اور وہ اِس کی خود کاشت کرتے ہیں۔ کچھ یہ کام بے شک نصف سال تک کرتے ہیں اور سال کے دُوسرے نصف حصّے میں شال بافی کرتے ہیں، جو عموماً طویل برفیلے موسم سرما میں کیا جاتا ہے......."

"......گردونواح میں بہت سے کشمیریوں کے گاؤں ہیں لیکن قصبے کے باہر اُن پر بھدرواہیوں کی غالب اکثریت ہے جو یہاں کے قدیم باشندے ہیں۔ میں یہ نہ سمجھ سکا کہ کشمیریوں کی اِتنی بڑی تعداد یہاں پر کب آباد ہوئی۔ لیکن اِس موضوع پر کسی واضع روایت کی عدم موجودگی کی بناء پر ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ ایسا کچھ تین یا چار

نسلوں سے قبل وقوع پذیر ہوا تھا..........''

''........سطح سمندر سے ۵۴۰۰ فٹ کی بلندی سال کے ایسے موسم میں اِس جگہ کو موافق درجہ حرارت بخشتی ہے جسے بہت سے لوگ پسند کرتے ہیں۔ بعض اوقات برطانوی رجمنٹ کے یا گلّو میں مقیم گورکھے اپنے بال بچوں کو یہاں لا کر اپنی چھٹیاں بھدرواہ میں ہی گزارتے ہیں۔ یہاں اُنہیں بہتر آب و ہوا اور سستی بود و باش کے فائدے حاصل ہوتے ہیں......''

''........قصبے کے اُوپر ایک نمایاں مقام پر قریباً تین سو فٹ کی اُونچائی پر ایک قلعہ ہے، جو لکڑی اور پتھر سے بنی ہوئی ایک مربع شکل کی عمارت ہے، جس میں پتھروں سے بنائی گئی بُرجیاں بھی ہیں۔ کچھ تو قدیم راجاؤں کے رہائشی مکانوں کے کھنڈر ہیں۔ بھدرواہ کے راجے میاں راجپوت تھے جن کا شجرۂ نسب گُلّو اور بسوہلی کے خاندانوں سے ملتا تھا۔''

اِس قلعہ کے بارے میں جی۔ٹی۔وائن نے اپنے سفرنامہ (۱۸۳۹ء) میں لکھا ہے کہ:

''قصبہ جنوب کی طرف سے ۳۰۰ فٹ کی اُونچائی پر ایک پہاڑی پر واقع ایک قلعہ کی کمانڈ میں ہے، جو ایک بھاری عمارت ہے اور جس کے کونوں پر تعمیر کی گئی بُرجیاں مقامی مٹی سے بنی بڑی بڑی سِلوں پر مُشتمل ہیں جو ہوا اور سورج کی تپش میں کُھلا رہنے سے پُختہ ہوتی ہیں۔ یہ مٹی مقامی طور پر دستیاب ہے۔ دیواروں میں گولہ باری کے لئے شگاف یا سوراخ بنائے گئے ہیں۔ اِس قلعہ میں چار توپیں داغی جاتی ہیں۔ اِس قلعہ میں پچاس نفوس پر مشتمل ایک حفاظتی دستہ بھی ہے۔ اِس کا محلِ وقوع بڑی جنگلی اُونچائیوں کے دامن میں ہے جہاں تک مغرب اور جنوب کی طرف سے آسانی سے پہنچا جا سکتا ہے.........''

وہ قصبہ کے بارے میں مزید لکھتا ہے کہ:

''........اِس صوبے (یعنی بھدرواہ) کے نام سے موسوم بڑا قصبہ ایک خوبصورت اور زیرِ کاشت وادی میں نالہ نیرو کے بائیں کنارے کے مغرب کی طرف قریباً ایک چوتھائی میل پر واقع ہے، جو قصبہ کے نچلے حصے میں بڑے بڑے پتھروں سے بنے ہوئے اُونچے کناروں میں سے ایک ندی کی صورت میں بہتا ہے۔ یہ دو پُلوں سے عبور کیا جاتا ہے۔ ایک قصبہ کے شمال مشرق میں ہری پور کے نیچے اور دُوسرا جنوب مشرق میں موضع دھریچہ کی طرف جانے والی گزرگاہ پر۔ اِس نالے کو مختلف گھاٹیوں سے بھی عبور کیا جاسکتا ہے............''

''........قصبے میں تقریباً ۴۰۰ گھر ہیں جن میں سے دو سو گھر ہندوؤں کے ہیں۔ یہاں کے بازار میں ساٹھ (۶۰) ہندو دُکاندار اور پچاس (۵۰) شال باف ہیں۔ اِس کے علاوہ ایک سو ساٹھ (۱۶۰) مسلم گھرانے بھی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہاں پر ۴۰۰ کھڈیاں بھی ہیں جن میں سے صرف نصف کھڈیوں پر کام ہوتا ہے........''

''........یہاں کے مکانات بغیر صاف کیئے ہوئے پتھروں اور گارے سے بنائے جاتے ہیں جو لکڑی کی تہوں سے جوڑے جاتے ہیں۔ یہ عام طور پر ایک ہی ہموار چھت والے ہوتے ہیں۔ اِن میں سے کچھ بہتر طرز کے دو منزلہ بھی ہوتے ہیں جن کی چھتیں ڈھلوانی ہوتی ہیں۔ گلیوں میں کُھردرے پتھر لگے ہیں جو غیر ہموار اور گندی ہیں۔ اشیائے خوردونوش سستی اور وافر مقدار میں دستیاب ہیں۔ چاول کافی مقدار میں برآمد کیا جاتا ہے۔ قصبے میں سات چشموں کے بارے میں بتایا جاتا ہے۔ اِس قصبہ میں موضع مونڈہ کے آس پاس سے ایک نہر کے ذریعہ سے پانی لایا گیا ہے جو وہاں سے نالہ نیرو کے ساتھ ساتھ بہتی ہے۔ بھدرواہ کے بنے ہوئے شال کھردرے قسم کے ہیں، تاہم شال بافوں کو کھلی آزادی ہے۔ وہ ساڑھے چار روپے ماہوار کماتے ہیں........''

''........دُشوار گزار درّوں میں سے گزرنے کی مشکلات کی وجہ سے بھدرواہ

کی تجارت یہاں کی مقامی پیداوار پر ہی منحصر ہے' البتہ بسوہلی کے ساتھ پشمینہ کی محدود سی تجارت بھی ہوتی ہے۔ اِس کے بدلے میں چند ایک برطانوی چیزیں درآمد کی جاتی ہے۔ قصبے میں سے گزرنے والی اشیاء پر ایک فی صدی محصول لگایا جاتا ہے۔'' [1]

جارج فانسٹر نے اپنے سفر نامہ میں بھدرواہ کا ذِکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''جب میں پدری کے مقام پر پہنچا تو بھدرواہ مجھے ''سوئزرلینڈ'' جیسا لگا۔'' اُس نے ۱۷۸۷ء میں بھدرواہ کی سیاحت کی تھی۔ قصبہ بھدرواہ کی خوبصورتی کو مرزا عارف بیگ نے اپنے ایک مضمون میں اِن دلکش الفاظ میں سمیٹ لیا ہے۔ ''قصبہ بھدرواہ چھوٹے کشمیر کی طرح ہے۔ پہاڑوں کی زمردی انگوٹھی میں جیسے نیلم کا نگینہ۔ اِس کی ہر شے کشمیر کی طرح ہی حسین و جمیل ہے۔'' [2]

ناصر اے زرگر ''دی ویلی آف چناب'' کے صفحہ ۲۱۱ پر وادی اور قصبہ بھدرواہ کا یوں ذکر کرتے ہیں کہ..... ''وادئ بھدرواہ قدیم قسم کی دیہاتی خوبصورتی اور دورِ حاضر کی چندھیا دینے والی جدّت پسندی کے خوبصورت اِمتزاج اور قصبہء بھدرواہ قدیم حسن و جمال اور عصری تمول اور امارت کا رنگارنگ مظاہرہ پیش کرتا ہے۔ پس اِس حسین وادی کی یہی فسوں گری اور بھدرواہ کا یہی جادو ہے۔'' (ترجمہ: بشیرؔ بھدرواہی)

بھدرواہ کا حدودِ اربعہ اور محلِ وقوع:

چارلس ایلی سن بیٹس کے ''گزیٹیر آف کشمیر'' میں بھدرواہ خاص کا عرض بلد ۳۲ء۵۹ اور طول بلد ۷۵ء۴۵ دِکھایا گیا ہے' جبکہ اِس کی سطح سمندر سے بلندی ۵۴۲۷ فٹ بتائی گئی ہے۔ پروفیسر شبیر احمد قاضی کے مطابق بھدرواہ ۳۵ء۳۰ اور ۷۶ء۱۵ مشرقی طول بلد اور ۳۲ء۵۰ اور ۳۳ء۱۰ عرض بلد شمال کے درمیان واقع ہے۔ جناب

---

[1] ''فوکس آن جموں اینڈ کشمیر'' اسیر کشتواڑی بحوالہ جی. ٹی. وائن وغیرہ' ترجمہ بشیرؔ بھدرواہی

[2] ''شیرازہ'' اکیڈمی آف آرٹ' کلچر اینڈ لنگویجز' رسا نمبر

ایس. ڈی. سوتنترا کے مطابق ''اِس کے جنگلات کی حدود ۳۲ء۷۵ اور ۱۵ء۷۶ مشرق طول بلد اور ۵۲ء۳۲ اور ۱۱ء۳۸ شمالی طول بلد کے درمیان پڑتی ہیں۔ یہ علاقہ شمال میں دریائے چناب اور کشتواڑ کے علاقہ، مشرق میں کشتواڑ اور چمبہ کے علاقوں، جنوب میں چمبہ اور بسوہلی کے علاقوں کی سرحدی حدود میں آتا ہے۔''[1]

مشہور سیّاح جی. ٹی. وائن کے مطابق ''قصبہ بھدرواہ جموں کے شمال مشرق میں ۱۰۲ میل، کشتواڑ کے جنوب میں ۴۶ میل، چمبہ کے شمال مغرب میں ۶۰ میل اور بسوہلی کے شمال میں ۶۵ میل کی دُوری پر واقع ہے۔'' جب وائن سیاحت کرتے ہوئے بھدرواہ پہنچا تو دُور سے بھدرواہ کا محل وقوع دیکھ کر ''اُسے اِنگلستان یاد آیا۔'' ضلع ڈوڈہ کا یہ خوبصورت ترین قصبہ وادیء بھدرواہ کے عین مرکز میں واقع ہے اور چاروں طرف سے فلک بوس اور برف پوش پہاڑوں اور قسم قسم کے جنگلی درختوں کی آغوش میں آباد ہے، جو اِس کی خوبصورتی حُسن اور اِس کی دِلکشی میں اضافہ کرتے ہیں۔ ٹیلوں، اُونچائیوں اور پہاڑوں کی ڈھلوانوں پر گھنے جنگلات کے درمیان بسائے گئے گاؤں اور چھوٹی بڑی بستیاں، جہاں اِس کی رونق کو دوبالا کرتی ہیں وہاں ڈھلوان سطح اور پہاڑوں کے دامن میں ہموار سطح میں زینہ بہ زینہ پھیلے اور لہلاتے ہوئے کھیت اور روادی سے گزرنے والے بل کھاتے ہوئے ندی نالے اور نہریں یہاں پر آنے والوں کا دل موہ لیتے ہیں۔ موسمِ گرما میں یہاں کی خوشگوار آب و ہوا عام لوگوں اور سیاحوں کے لئے باعثِ سکون اور فرحت بنتی ہے۔ گو کہ سردیوں میں یہاں عام طور پر سخت سردی پڑتی ہے۔ یہاں کا درجہء حرارت ۱۸ سے ۳۰ سینٹی گریڈ کے درمیان رہتا ہے۔ پکی سڑکوں کی تعمیر کی بدولت اب یہ قصبہ سری نگر سے ۲۵۲ کلومیٹر اور جموں سے ۲۰۱ کلومیٹر دُور ہے جب کہ بھدرواہ سے بسوہلی کا فاصلہ ۱۶۶ کلومیٹر اور بھدرواہ سے چمبہ کا فاصلہ ۱۰۵ کلومیٹر ہے۔ یہ قصبہ پل ڈوڈہ کے مقام پر نیشنل ہائی وے سے ملا ہوا ہے۔ یہ سڑک ۲۹ کلومیٹر لمبی

---

[1] فاریسٹ ویلتھ آف بھدرواہ، ''شاہین'' ڈگری کالج، ص: ۵۵، ترجمہ: بشیر بھدرواہی

ہے۔ دُوسری طرف یہ علاقہ بھلیس کے ساتھ کچھ پیدل راستوں سے ملا ہوا ہے۔ اِن میں قطار دھار' کنٹھی دھار' باچھ دھار' گندوہ کے علاوہ بھدرواہ جائی' جوڑہ' ملانوں اور کاہرہ کے راستے شامل ہیں۔ اندرونی طور پر بھی کئی سڑکیں اِس قصبہ کو آس پاس کے دیہاتوں سے ملاتی ہیں' جن کی تفصیل علاحدہ باب میں دی گئی ہے۔

''بھدرواہ کا حسین وجمیل قصبہ نیرو نالہ کے مغرب کی جانب دائیں کنارے پر واقع ہے۔ یہاں کی زمین بہت ہی زرخیز اور پانی وافر مقدار میں ہے۔ عام طور پر یہاں کے چشموں کا پانی گرمیوں کے موسم میں سرد اور سردیوں کے موسم میں گرم ہوتا ہے۔ وادیٔ نیرو کا سارا علاقہ سرسبز وشاداب ہے اور جنگلات سبز سونے کے خزانے ہیں۔ ہر سو آبادیاں اور ہریالی پھیلی ہوئی ہے۔ لوگ خوشحال' محنتی' خود کفیل اور تعلیم یافتہ ہیں۔ فطرت کے حسن و جمال کا پرتو لوگوں کی شباہت میں نظر آتا ہے۔ یہاں کی سیر گاہیں اور صحت افزأ مقامات جاذب نظر اور باعث کشش ہیں۔''[1]

بھدرواہ قصبہ کی بلدیاتی تشکیل نو:

بقول پنڈت شِو جی دھر' بھدرواہ ۱۸۸۱ء تک ایک ضلع کی حیثیت رکھتا تھا اور اِس کا صدر مقام بھدرواہ خاص تھا۔ قدیم راجاؤں کے زمانے میں یہ قصبہ ایک مملکت کا دارالخلافہ (راجدھانی) تھا۔ ڈوگرہ راجاؤں کے عہد میں یہ ایک جاگیر کا صدر مقام تھا۔ قصبہ بھدرواہ کے بندوبست کی رپورٹ ۱۸۹۴ء میں تیار کی گئی۔ کچھ سال پہلے تک قصبہ بھدرواہ میں پہلے ٹاؤن ایریا کمیٹی قائم تھی جو بعد میں نوٹیفائڈ ایریا کمیٹی میں تبدیل کی گئی۔ سال ۲۰۰۵ء میں نئی حکومت نے اِس کا درجہ بڑھا کر میونسپل کمیٹی کر دیا۔ ۱۳ وارڈوں پر مشتمل اِس کمیٹی کے باضابطہ چناؤ ۲۰۰۵ء میں عمل میں لائے گئے جن میں کانگریس کے اُمیدواروں نے بھاری اکثریت کے ساتھ دس نشستیں حاصل کیں اور

---

[1] امارہ تبسم' طالبہ ڈگری کالج ڈوڈہ' بحوالہ میگزین ''کوہسار'' ۲۰۰۶ء-۲۰۰۷ء

ایک ایک نشست پی.ڈی.پی اور نیشنل کانفرس کو حاصل ہوئی۔ جب کہ ایک آزاد اُمیدوار بھی کامیاب قرار دیا گیا' جس نے بعد میں کانگریس پارٹی میں شمولیت کی۔ کمیٹی کے ممبران نے اِتفاق رائے سے جناب غلام نبی آزاد' چیف منسٹر ریاست جموں وکشمیر کے چچازاد بھائی اور مرحوم غلام رسول آزاد کے فرزند جاوید اقبال آزاد کو کمیٹی کا چیرمین چُن لیا' جو یہاں کے تعمیری کاموں' حفظانِ صحت اور سیاسی وسماجی امورات میں گہری دلچسپی لے رہے ہیں۔ قبل ازیں یہ کمیٹی سب ڈویژنل مجسٹریٹ کی نگرانی میں کام کرتی تھی۔ میونسپل کمیٹی کا نوٹیفائڈ رقبہ ۵۰ء۵ مربع کلومیٹر ریکارڈ کیا گیا ہے۔ جس میں کئی محلے شامل ہیں۔ نئے وارڈوں کے نام حسب ذیل ہیں:

۱.محلّہ صراف	۲.گُن پتھ محلّہ	۳.محلّہ کھکھل	۴.محلّہ واسک ڈیرہ
۵.گنائی محلّہ	۶.محلّہ حویلی	۷.محلّہ دھرم پورہ	۸.محلّہ جامع مسجد
۹.محلّہ قلعہ	۱۰.قصاباں محلّہ	۱۱.محلّہ پاسری	۱۲.محلّہ قلعہ

قصبہ بھدرواہ وقت کے ساتھ ساتھ چاروں طرف پھیل رہا ہے۔ نئی بستیوں میں محلّہ پاسری کے ساتھ ساتھ گرین کالونی پھیل کر تقریباً موضع کوٹلی تک کو چھو چکی ہے۔ محلّہ اڈہ کے شمال میں اور نالہ ہلیا کے جنوب میں اِقبال کالونی بڑی تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ اِسی طرح محلّہ صرافاں کے نشیبی حصّے میں گرلز ہائر سکینڈری سکول اور بوائز ہائر سکینڈری سکول کے درمیان اپروچ روڈ کے دوطرفہ ایک گنجان محلّہ آباد ہو گیا ہے۔ پاسری محلّہ کے مغربی حصے میں یعنی نالہ چنوت کے بائیں کنارے پر بہت سے مکان تعمیر ہو رہے ہیں۔ محلّہ واسک ڈیرہ کے جنوب میں پنج چلن اور اِس کے بالائی حصّوں میں بہت سے نئے مکانات تعمیر ہو رہے ہیں اور علاقہ کا پھیلاؤ موضع پونیجہ کے نچلے حصّوں تک ہو رہا ہے۔ محلّہ ٹھڑہ' جو ایک قدیم محلّہ ہے' کے بالائی حصے یعنی کاہی ایریا میں بھی ایک نئے محلے نے جنم لیا ہے۔ سیری بازار کے مشرق میں گپت گنگا کی طرف بھی مکانوں اور دُکانوں کی بھرمار ہو رہی ہے۔ دراصل دھان کے وسیع اور بسیط کھیت

مکانات اور بنگلوں کی تعمیر کی وجہ سے دن بدن کم ہو رہے ہیں اور قصبہء بھدرواہ کے گرد و نواح کی خوبصورتی اور شادابی متاثر ہو رہی ہے۔ تاہم قصبے کے چاروں طرف اُونچے پہاڑوں پر گھنے جنگلات کا ہالہ اور ۳۰۰ فٹ کی بلندی پر سرسبز درختوں کے پس منظر میں واقع ایک قلعہ، اِس کے جنوب مغرب میں کیلاش کنڈ کی فلک بوس پہاڑی چٹانیں اور چوٹیاں اور ساتھ ہی واقع سیوج دھار کے مرغزار، چراگاہیں، بھدرواہ بسوہلی روڈ اور بھدرواہ چمبہ روڈ کے عین درمیان جنوب مغرب کی طرف واقع آشاپتی کا برف سے ڈھکا ہوا گلیشئر اور کئی حسین و جمیل بستیاں اور مواضعات اور ہمالیائی پہاڑوں کا جنگلات سے مزین ایک دِلفریب سلسلہ اِس قصبہ کی آن بان کو ہمیشہ چار چاند لگاتے رہیں گے۔ کیلاش پربت قصبہ بھدرواہ سے قریباً پندرہ (۱۵) میل دُور ہے۔ اِس کی بلندی ۱۴۶۰۰ رفٹ ہے۔

قصبہ بھدرواہ کی آبادی (۱۸۳۹ء تا ۲۰۰۱ء):

جی. ٹی. وائن نے اپنے سفرنامے میں لکھا ہے کہ قصبہ بھدرواہ میں اُس وقت یعنی (۱۸۳۹ء میں) صرف تین سو گھر تھے اور کشمیری نسل کے لوگ وادیٔ کشمیر سے، سکھ گورنروں کے ظلم و ستم، قحط اور قدرتی آفات کی وجہ سے نقلِ وطن کر کے یہاں بس گئے تھے۔

چارلس ایلی سن بیٹس جب ۱۸۸۵ء میں بھدرواہ آئے تو اُنہوں نے قصبہ بھدرواہ میں چار سو گھر ہونے کا ذِکر کیا جن میں سے تین سو گھر ہندوؤں کے تھے۔ اُن کی ہی ساٹھ دُکانوں اور پچاس شال بافوں کا تذکرہ اُن کے سفرنامے میں موجود ہے۔ مسلمانوں کے ایک سو ساٹھ گھرانے تھے اور ۴۰۰ کھڈیاں بھی موجود تھیں۔ ڈریو نے یہاں چھ یا سات سو گھر اور تقریباً تین ہزار لوگوں پر مشتمل آبادی کا ذِکر کیا ہے۔ ۱۹۱۱ء کی مردم شماری کے مطابق قصبہ بھدرواہ کی آبادی ۲۵۶۳ ا اشخاص پر مشتمل تھی، جو ۱۹۳۱ء میں ۲۸۹۵ افراد پہنچ گئی۔ یعنی اُس دوران صرف ۳۳۲ اشخاص کا اضافہ

ہوا۔ ۱۹۸۱ء کی مردم شماری کے مطابق قصبہ بھدرواہ کی کل آبادی ۶۰۷۵ نفوس پر مشتمل تھی اور یہاں کی شرح خواندگی ۵۵٫۳۶ فی صدی تھی۔ اُس سال اِس قصبہ میں ۹۵۵ مکانات تھے۔ کل آبادی میں ۳۱۰۹ مرد اور ۲۹۶۶ خواتین شامل تھیں جب کہ ۱۹۶۱ء میں اِس قصبہ کی آبادی ۴۱۲۹ افراد پر مشتمل تھی۔ ۲۰۰۱ء کی مردم شماری کے مطابق قصبہ بھدرواہ کی کل آبادی ۱۰۸۴۹ افراد پر مشتمل تھی جس میں سے ۶۳۵۳ مرد اور ۴۴۹۶ خواتین تھیں۔ قصبہ میں کل خواندہ ۸۲۷۰ لوگ تھے، جن میں ۵۳۲۷ مرد اور ۲۹۴۳ خواتین شامل تھیں۔ کل شرح خواندگی ۸۴٫۹۴ تھی جس میں مردوں کی شرح ۹۲٫۵۶ اور خواتین کی شرح ۹۳٫۹۱ فی صدی بتائی گئی ہے۔ خواتین کی شرح خواندگی ضلع کے باقی حصّوں کے مقابلہ میں سب سے زیادہ ہے۔[۱]

قدیم وجدید محلے، گلی کوچے اور بازار:

محلّہ کھکھل:

بھدرواہ کے قصبے کے مشرقی حصّہ میں ایک میدان کے ارد گرد پھیلے ہوئے محلّہ کو محلّہ کھکھل کا نام اِس لئے دیا گیا ہے کہ اِس میں لوگ اپنی شالی کے گونے لگا کر رکھتے تھے اور پھر دھان کے کھل ڈال کر اُن پر بیل چلا کر اور بڑی بڑی شاخوں سے کُوٹ کر شالی حاصل کرتے تھے۔ اِس جگہ کا نام بھی اِسی وجہ سے پڑا ہے یعنی کھل ڈالنے کا میدان۔ اِس میں ایک پرانا چنار کا درخت بھی ابھی تک موجود ہے، جس کی چھاؤں میں بیٹھ کر لوگ لطف اُٹھاتے ہیں۔

کھکھل کے شمال مشرقی کونے پر ایک قدیم مندر بھی واقع ہے جس کو ''درگا دیوی'' کا مندر کہتے ہیں۔ اسی کھکھل کے میدان میں ہر سال ''میلہ پٹ'' کا اہتمام

۱۔ بھدرواہ تحصیل کی آبادی کی تفصیلات علاحدہ دی گئی ہیں۔

ہوتا ہے۔ عرفِ عام میں اِس کو ''کڈ کا میلہ'' کہتے ہے۔ محلّہ کھکھل میں بھدرواہ کے قدیم پال خاندان کے کچھ لوگ ابھی بھی رہتے ہیں۔ اِس کے مشرق کے آس پاس کوتوال، ٹھکر اور براہمن لوگ آباد ہیں۔ اِس کے جنوبی حصّے میں پنڈت برادری سے تعلق رکھنے والے لوگ ''راجگرو'' رہتے ہیں، جن میں ایک ذات کول بھی ہے، جو وادیٔ کشمیر سے بھدرواہ کے راجاؤں کی تعلیم و تربیت کے لئے بلائے گئے تھے۔ شمالی حصّے میں ٹھکر گھرانے ہیں۔ فراشاں اور کشمیری پنڈت بھی رہائش پذیر ہیں۔ میدان کے ایک طرف مرزائیوں کے ایک دو کنبے اور مغربی حصّے میں کوتوال اور منہاس گھرانے آباد ہیں۔ اِس کے ساتھ ہی نچلی طرف شب سرن ذیلدار کے خاندان کے لوگ آباد ہیں۔ اِس میدان کے آس پاس قدیم پال راجوں کے محلات بھی واقع تھے، جو اِمتدادِ زمانہ کی نذر ہو چکے ہیں۔ اِن محلات کے ساتھ نالہ سرگڑھ واقع ہے، جس کے ساتھ ہی شاہی خاندان کے لئے راجنوگڑی نام کا ٹھنڈے پانی کا ایک بڑا چشمہ ہوا کرتا تھا۔ اِس چشمے کے اُوپر والے حصّے میں کوتوال خاندان سے تعلق رکھنے والے شہری آباد ہیں۔ اب یہ چشمہ غائب ہو چکا ہے۔ یہاں قادیانی اور مرزائی فرقوں سے تعلق رکھنے والے کچھ گھرانے موجود ہیں۔ اِس کے علاوہ جوگی راجپوت اور پروہتوں کے کچھ گھرانے بھی اِس نشیبی حصّے میں رہائش پذیر ہیں۔

محلّہ واسک ڈیرہ:

محلّہ کھکھل کے شمال مشرق کی طرف ایک گنجان آباد محلّہ آباد ہے جس کو واسکی ناگ کے نام کی نسبت سے واسک ڈیرہ کہا جاتا ہے۔ اِسی محلّہ میں ''واسکی ناگ'' کا ایک قدیم مندر واقع ہے، جس میں واسکی ناگ اور اُن کے معتقد جیموت واہن کی مورتیاں نصب ہیں۔ اِس مندر کو راجہ ناگ پال نے سولھویں صدی عیسوی میں تعمیر کروایا تھا۔ ''بھدرکالی'' دیوی کا مندر بھی اِس کی پچھلی طرف واقع ہے۔ اِس مندر کے بارے میں

کہا جاتا ہے کہ اِسے راجہ رادھک پال نے تعمیر کروایا تھا۔ اس محلے میں گپتا، مہتہ، کوہل، شیخ، گونی اور کوتوال گھرانے آباد ہیں۔

کنڈان محلہ:

بازار سیری کے جنوب میں ایک محلہ آباد ہے جسے کنڈان محلہ کہتے ہیں۔ بازار سیری سے یہ محلہ ایک گلی کے ذریعے سے ملا ہوا ہے۔ دُوسری طرف سے نالہ سر گڑھ کے مقام سے اور صدر بازار کے اختتام سے بھی ایک راستہ اِس سے گزر کر محلہ کھکھل کی طرف جاتا ہے۔ یہ محلہ بھی گنجان طور پر آباد ہے۔ اِس میں مہتہ اور کنڈان چاڑک خاندانوں کے علاوہ کچھ مسلم گھرانے بھی آباد ہیں۔ مسلمانوں نے یہاں ایک مسجد بھی تعمیر کی ہے جو ''کاشُو مسجد'' کے نام سے مشہور ہے۔

محلہ دھرم پورہ:

نالہ سر گڑھ اور جامع مسجد کے سامنے سے گزرنے والے نالہ ہالیاں کے درمیانی حصہ میں محلہ دھرم پورہ آباد ہے، جو پہلے ایک چھوٹے پل کے ذریعے اِن دو حِصّوں کو ملاتا تھا۔ اب کئی سال پہلے سے اِس کے مغربی حِصہ میں گاڑیوں کی گزر کے لئے پختہ سڑک پر ایک آہنی پُل بھی تعمیر ہوا ہے۔ یہ سڑک صدر بازار سے گزرتے ہوئے بازار سیری کو جاتی ہے۔ محلہ تھڑہ سے گزرنے والی سڑک محلہ کھکھل کی طرف جاتے ہوئے محلہ دھرم پورہ کو محلہ حویلی سے الگ کرتی ہے۔ دھرم پورہ میں ایک صادر بازار کے علاوہ کئی گھرانے آباد ہیں، جن میں ایک قدیم مسلم خاندان ملکوں کا بھی ہے، جو یہاں کے بڑے مالداروں میں شمار ہوتے تھے۔ کہتے ہیں کہ اِس خاندان کا بانی ایک ہندو راجپوت تھا، جس نے اِسلام قبول کر کے عبدالخالق نام رکھا تھا۔ اُن کی اولاد میں عاصم ملک اور عاصم ملک کی اولاد میں سے مشہورِ زمانہ منشی غلام رسول ملک اور منشی غلام احمد ملک شامل تھے۔ اب اِس خاندان کے کئی کنبے بن گئے ہیں اور مختلف جگہوں پر آباد

ہو چکے ہیں۔ دھرم پورہ کے شمالی حصّے میں موچی خاندان سے تعلق رکھنے والے کئی کنبے آباد ہیں، جو شہر کی صفائی ستھرائی کے کام سے تعلق رکھتے تھے۔ اب اُن میں سے کئی افراد اچھی تعلیم حاصل کر کے اچھے اچھے عہدوں پر کام کرتے ہیں۔ کچھ ابھی تک اپنے آبائی پیشے سے تعلق رکھتے ہیں یا بوٹ سازی کی گھریلو صنعت سے وابستہ ہیں۔ اِس محلے کے جنوبی حصہ میں کیلو، ٹاک، داند، حلوائی اور روانی گھرانے بھی آباد ہیں۔ اِس محلّہ میں ایک قدیم مندر بھی موجود ہے۔

محلّہ حویلی:

محلّہ مسجد اور محلّہ دھرم پورہ کے جنوب مشرقی حصہ میں ''حویلی'' نام سے ایک محلّہ آباد ہے، جہاں پال راج کے دوران اُن کے وزراء کے محلات تعمیر کئے گئے تھے، جن میں وہ رہائش پذیر ہوا کرتے تھے۔ اُسی نسبت سے اِس محلّہ کا نام محلّہ حویلی پڑ گیا ہے۔ اب اُن حویلیوں میں سے کوئی حویلی باقی نہیں رہی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ راجہ دیا پال کے دورِ حکومت میں راجہ محمد تیغ سنگھ والئی کشتواڑ نے اپنے وزیر لکھپت پڑھیار کی سربراہی میں مرزا شاہ کے تحت ایک فوجی دستہ بھدرواہ پر حملہ کرنے کے لئے روانہ کیا تھا، جس نے بھدرواہ کے قلعہ کے علاوہ محلّہ حویلی وغیرہ کے علاقوں کو تاراج کر ڈالا اور قصبہ بھدرواہ کو لوٹ مار کرنے کے بعد خاکستر کر ڈالا۔ اِس واقع کی تفصیل تاریخ بھدرواہ کے متعلقہ باب میں درج کی گئی ہے۔ اُس حملے کے بعد یہ حویلیاں دوبارہ تعمیر نہ ہو سکیں۔ آج اُن کی جگہ یہاں لوگوں کے گھر آباد ہیں۔ یہ محلّہ گنجان آباد ہے۔ اِس محلّہ کو ''محلّہ قصاباں'' بھی کہتے ہیں کیونکہ قصائیوں یعنی گنائیوں کے بہت سے گھرانے یہاں آباد ہیں۔ یہاں پر مرزائیوں کی ایک مسجد بھی تعمیر ہوئی ہے۔ اُن میں سے کچھ گھرانوں نے مرزائیت سے تعلق جوڑا تھا۔ یہاں پر مسلمانوں کے علاوہ دیگر اقوام سے تعلق رکھنے والے گھرانے مثلاً مٹو، کنڈان اور کوتوال آباد ہیں۔ محلّہ کے شمال مغرب

میں ایک قدیم قبرستان، دو مساجد اور ایک درس گاہ کے علاوہ ایک کشادہ عید گاہ بھی موجود ہے۔ جس کے نشیبی حصے میں اب کئی نئی تعمیرات ہوئی ہیں۔ یہ حصہ طوفانِ عظیم کے بعد بڑے بڑے پتھروں سے بھر گیا تھا۔ جسے اب صاف کر دیا گیا ہے اور ایک نیا محلّہ اُبھر آیا ہے۔

محلّہ صرافاں:

بازار سیری کے جنوبی حصے میں ایک گنجان آباد محلّہ کو محلّہ صرافاں کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اِبتداء میں یہاں کشمیری پنڈت گھرانے آباد تھے، جن کی ذات صراف تھی۔ اِسی نسبت سے اِس کا نام محلّہ صراف یا صرافاں پڑ گیا ہے۔ اب بھی اِس محلّے میں ''کول'' ذات سے تعلق رکھنے والے کچھ مشہور تعلیم یافتہ پنڈت گھرانے آباد ہیں۔ ڈاکٹر پریتم کرشن کول جیسے تاریخ دان، ماہر لسانیات اور ارضیات شناس، جنہوں نے ضلع ڈوڈہ کی تاریخ ''ہمالین پرنسی پیلٹیز'' لکھ کر دادو تحسین حاصل کی ہے اور دیگر کئی کتابوں کے مصنف ہیں، اِسی محلّہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ کشمیری پنڈتوں کی دُوسری ذات یعنی رینہ لوگ بھی یہاں آباد ہیں لیکن مسلمانوں کی اکثریت ہے۔

اِس محلّہ میں محکمہ جنگلات کے دفاتر اور ایک سب ڈسٹرکٹ ہسپتال بھی واقع ہے اور اِس کے زیرین حصوں میں اپروچ روڈ پر دو ہائر سیکنڈری سکول، امدادِ باہمی کا دفتر اور ایکسچینج واقع ہے اور عالی شان مکانات تعمیر کئے گئے ہیں، جن کا ایک سرا کوٹلی اور دُوسرا سرا موضع ربنڈہ کے ساتھ بہنے والے نیرو تک پھیل گیا ہے۔ پرنالہ چشمہ ایک قدیم اور مشہور چشمہ ہے۔ محلّہ میں ایک بڑی مسجد بھی تعمیر ہوئی ہے، جس میں نمازِ جمعہ کا بھی اہتمام کیا گیا ہے۔ اِس کی دیکھ ریکھ ایک تعمیری کمیٹی کے ذمہ ہے۔ کشمیری پنڈتوں کے علاوہ یہاں مسلمانوں کے بہت سے گھرانے آباد ہیں جن میں قریشی، دھوبی، شیخ، رنگریز، نجار، گنڈے، کرال، بٹ، ریشی اور ہندو اقوام میں زیادہ تر گپتا، مہتہ اور بھگت وغیرہ

آباد ہیں۔

محلّہ تھڑہ:

محلّہ تھڑہ بھی ایک پرانا محلّہ ہے' جو پولیس اور تحصیل کے دفاتر کے اِرد گرد واقع ہے۔اِس کے جنوبی حصّے میں محلّہ مسجد' مغربی حصہ میں محلّہ قلعہ اور مشرقی حصے میں نالہ ہلیا کے پار محلّہ حویلی واقع ہے۔محلّہ مسجد کے بازار سے محلّہ تھڑہ سے ہوتے ہوئے ایک سڑک گزرتی ہے جو ہلیا نالہ پر بنے ہوئے لکڑی کے پل کے اختتام پر محلّہ حویلی' محلّہ کھکھل اور محلّہ دھرم پورہ کی اطراف میں تین حصّوں میں تقسیم ہوتی ہے۔اِن ذیلی سڑکوں پر لوگوں کی کافی آمدورفت رہتی ہے۔مغربی حصے سے نکلنے ولا ایک چھوٹا نالہ اس کے بیچ میں سے گزرتا ہے اور دُوسری طرف نالہ ہلیا اِس کی مشرقی حدود بناتا ہے۔ اِس کے جنوب کی طرف محلّہ مسجد کے بازار سے گزرنے والی سڑک اِس کی جنوبی حدود قائم کرتی ہے۔

یہ محلّہ بھی گنجان آباد ہے۔اِس کے ایک حصّے میں حجام' منگنوں' میر' گنائی' شیخ وغیرہ ذاتوں کے مسلم لوگ آباد ہیں۔بازار والی سڑک کے اندر اندر خطیب' کچلو' داند' شور گرڑو' ٹاک' بٹ اور سہروردی' فراش اور شال ذاتوں کے مسلم آباد ہیں۔ ماسٹر عبدالغفار کچلو (مرحوم) کی رہائش گاہ بھی اِسی محلّہ میں ہے۔عدالت کی عمارات کے اندونی اور بیرونی صحن میں دو بزرگ صوفیائے کرام کی زیارتیں تعمیر کی گئی ہیں جو سائیں مونچھ مروڑ اور سائیں پتھر توڑ کے ناموں سے مشہور ہیں اور مرجع ٔ خاص وعام ہیں۔ ایس. ڈی. ایم' ایس. پی' ایس. ایچ. او' نائب تحصیلدار' سیشن جج' منصف وغیرہ کی عدالتیں اور دفاتر اِس کے درمیان ہونے کی وجہ سے یہ محلّہ پُر رونق بن گیا ہے۔ یہاں پر ایک پرانی نرسری بھی تھی جو کچھ عرصہ پہلے محکمہ تعلیم کو منتقل ہوئی ہے اور اُس میں ایک ہائی سکول بھی قائم کیا گیا ہے۔ ۱۹۴۷ء سے پہلے اِس نرسری کے متصل ایک گرودوارہ

بھی تعمیر ہوا تھا جس کی تعمیر ایک تحصیلدار نے شروع کی تھی۔ سکھوں کی چھوٹی سی آبادی ہونے کی وجہ سے یہ بے توجہی کا شکار ہو کر زمانے کے نذر ہو گیا۔

محلّہ مسجد:

محلّہ قلعہ اور محلّہ پاسری کے مشرق کی طرف اور سیری بازار کے مغرب کی طرف ایک گنجان محلّہ آباد ہے، جسے محلّہ مسجد کہا جاتا ہے۔ ایک قدیم مسجد کی نسبت سے اِس کا نام محلّہ مسجد پڑا ہے۔

یہ محلّہ ۱۹۲۸ء میں ایک طوفان کی زد میں بھی آ چکا تھا، جس سے لوگوں کا کافی جانی اور مالی نقصان ہوا تھا۔ اب جامع مسجد شریف نئی طرزِ تعمیر پر بنائی گئی ہے اور ضلع کی مشہور مساجد میں سے ایک ہے۔

جامع مسجد نالہ ہلیا کے کنارے پر واقع ہے، جس کے سامنے سے گاڑیوں اور دیگر قسم کی آمد و رفت کے لئے ایک کشادہ سڑک تعمیر کی گئی ہے اور ایک مضبوط پُل بھی تعمیر کیا گیا ہے۔ صدر بازار کو چوڑا کر کے اِس میں سے گاڑیاں آسانی سے گزارے جانے کا بندوبست ہو چکا ہے۔ محلّہ مسجد کے بازار میں دونوں اطراف سے دوکانیں تعمیر کی گئی ہیں۔ جامع مسجد کے ساتھ بھی بہت سی دوکانیں موجود ہیں۔ قصبہ کے اِس محلّہ میں آب پاشی کی غرض سے بنائی گئی ایک قدیم نہر بھی موجود ہے جو محلّہ اڈہ اور اِس کے نشیبی علاقے کو سیراب کرتی ہے۔ اِس کا قدیم نامہ چُروٹ نہر ہے۔

محلّہ مسجد میں گندر شاہؒ کی زیارت موجود ہے، جہاں لوگوں کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ محلّہ مسجد کی تقریباً ساری آبادی مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ اِس محلے میں بہت سے خاندان بسے ہیں جن میں پیر یا رفیق، خطیب، بٹ، ریشو، شالی، منگنوں، ٹاک، زرگر، چھان، شاپو، بابا، نشانی، پٹھان، وانی، قاضی، دیو، نجار، گونی، ملک، کھلڑو، سانبری، بھوانی وغیرہ ذاتوں سے تعلق رکھنے والے لوگ شامل ہیں۔ دراصل یہ محلّہ تعلیم کے لحاظ سے

بھی بہت آگے رہا ہے۔ اِس میں رسا جاودانی جیسے عظیم شاعر نے جنم لیا ہے۔ محلّہ اڈہ بھی اِسی محلّہ کا ایک حصّہ ہے جو پرانے بس اسٹینڈ کے آس پاس آباد ہے۔ اب تو اِس کے نشیبی حصے میں بھی ایک نیا محلّہ نمودار ہو رہا ہے، جس میں ایک مسجد شریف بھی تعمیر ہو گئی ہے۔

محلّہ پاسری:

محلّہ مسجد کی مغربی حدود کے ساتھ لگنے والا محلّہ ''پاسری'' کہلاتا ہے جو محلّہ قلعہ کے جنوب مشرقی حصے کی طرف پھیلا ہوا ہے۔ محلّہ پاسری میں پہلے زیادہ آبادی نہ تھی بلکہ اِس میں دھان کے کھیت زینے بنائے ہوئے بہت خوش نما لگتے تھے لیکن اب مغرب کی جانب اِن تمام کھیتوں میں عالیشان مکانات تعمیر ہو گئے ہیں۔ آبادی میں زیادہ تر ملازم پیشہ اور کچھ تجارت پیشہ لوگ شامل ہیں۔

اِس محلّہ کے عین مرکز میں ایک مسجد شریف تعمیر کی گئی ہے، جو دو منزلہ ہے اور اِس کے ساتھ ایک حمام، ایک رہائشی گاہ، ایک سٹور اور چند غسل خانے ہیں۔ اِس مسجد کی تعمیر میں عبدالعزیز خان (مرحوم) نے کلیدی رول ادا کیا تھا، جب کہ یہاں کے باشندوں نے بڑی فراخدلی سے مالی معاونت پیش کر کے اِس مسجد شریف کی تعمیر مکمل کی۔ اِس محلّہ میں ایک قدیم مندر بھی موجود ہے، جو لکڑی سے تعمیر کیا گیا تھا لیکن اب اُس کو بھی نئی طرز پر دوبارہ تعمیر کیا گیا ہے۔ بیرو جوگی خاندان سے تعلق رکھنے والے پجاری اِس کی رکھوالی کرتے ہیں۔ کشمیری پنڈت بھی عام طور پر یہاں آکر پوجا پاٹ کرتے ہیں۔ محلّہ پاسری میں کئی خاندان آباد ہیں جن میں وانی، زرگر یا گھڑی ساز، شاپو، خطیب، ٹھوکر، بٹ، ٹاک، ملک، آزاد (بٹ)، باغوان، شاہ، قاضی، جولاہے وغیرہ قابل ذِکر ہیں۔ کچھ لوگ باہر سے آکر بھی یہاں آباد ہوئے ہیں۔

محلّہ گرین کالونی:

پاسری کے نشیبی حصّے میں شاہراہ کے دونوں اطراف میں کچھ عرصہ سے ایک نیا محلّہ بڑی تیزی سے آباد ہورہا ہے۔ اِس کا کچھ حصّہ ڈاک بنگلہ اور کالج تک بڑھ گیا ہے اور دُوسری طرف یہ اپروچ روڈ کے ساتھ ساتھ موضع کوٹلی تک چلا گیا ہے۔ اِس کا کچھ حصّہ پاسری کے ساتھ ہی منسلک تھا، جس میں صرف کھیت ہی کھیت تھے۔ اِسی طرح موجودہ اپروچ لائن کے آس پاس بھی دھان کے لہلاتے ہوئے کھیت موجود تھے جن میں اب تین تین دو دو منزلہ مکان تعمیر ہوئے ہیں۔ اِس محلّہ میں میر، قاضی، خطیب، رفیقی، بابا، گونی، ڈوگرہ، ٹاک، شاپو، زرگر، مُغل، ماگرے، جموال اور روانی وغیرہ گھرانے آباد ہیں۔ اِس میں ڈاک بنگلہ بھدرواہ کے متصل ایک تین منزلہ جامع مسجد بھی تعمیر ہوئی ہے۔ اِس میں سے گزرنے والی سڑک کو حال ہی میں کشادہ کرکے پختہ کر دیا گیا ہے۔ اِس میں بجلی کا دفتر بھی واقع ہے اور محکمہ روڈ اینڈ بلڈنگ کے سرکاری کوارٹر بھی بنے ہیں۔ نزدیک ہی ایک ڈِگری کالج اور کلچرل اکیڈمی کا سب آفس وغیرہ موجود ہیں۔ آج کل اِسی محلّہ میں جموں یونی ورسٹی کا سب کیمپس بھی کچھ نجی مکانوں میں کام کررہا ہے، جس کے لئے موضع سونگلی کے وسیع کھیتوں میں عمارتیں تعمیر کی جارہی ہیں۔

محلّہ قلعہ:

ایک سڑک محلّہ مسجد سے ہوتے ہوئے سیدھی چڑھائی پر بنی ہوئی سیڑھیوں سے گزر کر بھدرواہ کے مشہور قلعہ کی طرف جاتی ہے، جس کے دونوں طرف گنجان آباد محلّہ واقع ہے جسے قلعہ کی نسبت سے ہی محلّہ قلعہ کہا جاتا ہے۔ اِس محلّہ کے مغربی حصّے میں ایک خوبصورت مسجد تعمیر کی گئی ہے، جس کے ساتھ ہی حضرت سیّد سعد صاحبؒ کی زیارت بھی واقع ہے۔ قلعہ سرسبز جنگلوں کے پس منظر میں بہت ہی خوبصورت نظارہ

پیش کرتا ہے۔ دراصل یہ قلعہ موضع رُنتہ میں واقع ہے۔ جہاں راجپوت شاخ کے بلوریہ خاندان کے لوگ بستے ہیں۔ اِس موضع کو راجہ میدنی پال کی نسبت سے میدنی پور بھی کہتے ہیں۔

محلّہ قلعہ کے خوبصورت مکانات سارے قصبہ کی زینت بنے ہیں۔ قلعہ سے کچھ فرلانگ نیچے بھدرواہ۔بسوہلی روڈ تعمیر ہوئی ہے' جس کی دُوسری شاخ بھدرواہ۔ چمبہ روڈ' موضع ناٹھی بستی سے چمبہ کی طرف جاتی ہے۔اب اِسی روڈ سے ایک لنک روڈ قلعہ کی جانب تعمیر کے آخری مراحل میں ہے۔

بھدرواہ کے مشہور گلی کوچے اور بازار:

بھدرواہ کا سب سے قدیم بازار' بازار سیری ہے جسے عام طور پر چوگان کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ ڈُونگا نگر کا شہر غرق ہونے کے بعد اُسی جگہ ''سیری'' نام کے بہت بڑے کھیت کے آس پاس نیا شہر آباد ہونے لگا تھا' جو بعد میں مشرق کی طرف بھی پھیل گیا۔ بہت سی دُکانیں سڑک کے دونوں طرف تعمیر ہوئی ہیں جن میں اسٹیل کی کچھ ورک شاپس اور دیودار کی لکڑی سے تیل نکالنے کا ایک چھوٹا سا کارخانہ بھی ہے۔ ''سیری'' زمین کے ایک بڑے ٹکڑے کو کہا جاتا ہے' یہی اِس کی وجہ تسمیہ بھی ہے۔ ۱۹۴۷ء سے پہلے اِس چوگان نما بازار کے صحن میں بڑی منڈی لگتی تھی۔ اُس دوران دنگلوں اور میلوں کا اہتمام کیا جاتا تھا لیکن اِس منڈی اور بازار کی رونق بھلیس۔ٹھاٹھری روڈ تعمیر ہونے کی وجہ سے ماند پڑ گئی۔ کیونکہ اِس منڈی میں کاروبار کا دارومدار علاقہ بھلیس پر ہی تھا۔

اب اِس کے درمیانی حصے کو پختہ کیا گیا ہے۔ ٹاؤن ایریا کمیٹی کی بلڈنگ کو مسمار کر کے اِس ''چوگان'' کو بہت کشادہ کیا گیا ہے۔ اِس میں اب عام طور پر سیاسی قسم کے جلسے جلوس ہوتے ہیں۔ گو کہ سیری کے چاروں طرف دوکانیں ابھی بھی موجود ہیں

لیکن وہ پرانی بات اب کہاں؟ اِسی بازار سے بھدرواہ سے چنتہ - جائی روڈ بھی نکلتی ہے اور شمالی حصّے کی طرف سر تنگل تک ایک اپروچ روڈ تعمیر ہوئی ہے۔ اِسی جگہ سے بھدرواہ سے ڈوڈہ' کشتواڑ' ٹھاٹھری' گندوہ اور بٹوت' سری نگر اور جموں کے لئے بسیں روانہ ہوتی ہیں۔ اِس لحاظ سے اِس کی رونق کچھ حد تک بنی رہی ہے۔ دُوسرا بازار' بازار تکیہ کے نام سے مشہور ہے' جو سیری بازار سے متصل ہے۔ اِس بازار کا نام حضرت سائیں صدیق شاہؒ کے نام کی نسبت سے پڑا ہے۔ اِس میں بھی بہت سی دوکانیں ہیں اور کاروبار کے لحاظ سے یہ سیری بازار کے بعد دُوسرے نمبر پر ہے۔ صدر بازار' محلّہ مسجد کے ساتھ محلّہ دھرم پورہ کے عین درمیان میں نالہ ہلیا کے مشرق کی طرف واقع ہے۔ اِس میں بھی سڑک کے دونوں طرف بہت سی دوکانیں تعمیر ہوئی ہیں۔ سڑک کو کشادہ کئے جانے سے اِس بازار کی رونق بڑھ گئی ہے۔ اٹھارویں صدی میں شہر کا یہ حصّہ راجہ میدنی پال کے عہد ۱۷۰۷ء تا ۱۷۳۵ء میں تعمیر ہوا تھا۔ بھدرواہ کے اچھے بازاروں میں سیری کے متصل شمال مشرق کی طرف ''مندر بازار'' شامل ہے' جو سیری بازار کے نشیبی حصّہ میں واقع ہے۔ اِس بازار کی وجہ تسمیہ لکشمی نارائن مندر سے ہے جو مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے زمانے میں مقامی وزیروں نے تعمیر کروایا تھا۔ اس کو ''وزیر مندر'' بھی کہتے ہیں۔

''گنپت بازار'' بھدرواہ سر تنگل اپروچ روڈ پر سیری بازار کے جنوب مشرق کی طرف واقع ہے۔ درمیان میں گنپت مڑی کا مندر ہونے کی وجہ سے اِس کا نام گنپت بازار پڑ گیا ہے۔ یہ بارونق بازار ہے' جس میں گزرتی ہوئی سڑک کو مزید کشادگی کی ضرورت ہے۔ اِسی بازار کے مشرق میں واسکی ناگ کا مندر بھی واقع ہے۔ موضع دھریچہ کی طرف بھی اِسی بازار سے ایک پیدل راستہ جاتا ہے۔ گاڑیوں کی آمدورفت سے اِس میں چہل پہل نظر آتی ہے۔

بھدرواہ کے قدیم بازاروں میں ایک بازار محلّہ مسجد کے بیچ واقع ہے۔ سڑک

کے دونوں طرف بہت سی دُوکانیں تعمیر کی گئی ہیں۔ کاروبار کے لحاظ سے یہ کوئی زیادہ اہم بازار نہیں، البتہ موسم گرما میں گوجر لوگوں کی آمدورفت سے اِس کی پژمردگی دُور ہوجاتی ہے۔ عدالتوں کے نزدیک ہونے سے بھی اِس میں لوگوں کی رونق لگی رہتی ہے۔ اِس کی دُوسری شاخ جامع مسجد سے پرانے بس اڈے تک چلی جاتی ہے۔ سڑک کشادہ ہونے سے اِس پر بنی ہوئی بوسیدہ دُوکانیں ہٹادی گئی ہیں اور اِن کو نئے طرز پر تعمیر کیا گیا ہے۔ کچھ گلی کوچوں میں بھی دُوکانیں تعمیر ہوئی ہیں، جو محلوں کی ضروریات کو کسی حد تک پورا کرتی ہیں۔

وادیٔ بھدرواہ آفاتِ سماوی کی زد میں:

سطح سمندر سے ۱۶۳۴ میٹر کی اُونچائی اور ۳۲٫۰۹ عرض بلد شمالی اور ۷۵٫۴۳ طول بلد مشرق پر واقع قصبہ بھدرواہ کو معرض وجود میں آنے کے بعد سے ہی کئی قسم کی آفات سماوی سے گزرنا پڑا، جن سے اِس کی ارضیاتی تاریخ بدلتی رہی۔ جہاں ۱۹۲۸ء کے طوفانِ عظیم نے اِس کے وسطی حصّہ کے علاوہ اِس کے گردونواح میں واقع بہت سے علاقوں کو کافی جانی اور مالی نقصان پہنچایا، وہاں بیسویں صدی کی اِبتداء میں صدر بازار میں ایک خوفناک آگ سے درجنوں دوکانیں جل کر خاکستر ہوگئیں جس سے بہت سے صاحبِ ثروت گھرانے اُجڑ کر رہ گئے۔ پھر اِسی صدی کی چوتھی دہائی میں بازار سیری اور بازار تکیہ کو آگ نے اپنے گھیرے میں لے لیا اور کئی دوکانیں راکھ کے ڈھیروں میں تبدیل ہوگئیں، جس سے مالکان کو کافی نقصان ہوا۔ اِس کے بعد ۱۹۴۷ء کے فرقہ وارانہ فسادات کے دوران قصبے کی دوکانوں، اطراف کے مکانوں اور املاک کو آتش زنی کی وجہ سے بھاری نقصان ہوا۔ اِس سے کچھ ماہ قبل وادیٔ بھدرواہ زبردست زلزلوں کی زد میں آگئی جن سے مکانوں وغیرہ کو بہت سارا نقصان پہنچا۔ ۱۹۸۷ء میں بھی ایک زبردست طوفان نے وادیٔ بھدرواہ کے علاوہ بہت سے دیہات میں اراضی،

پلوں، فصلوں اور گھراٹوں وغیرہ کو نقصان پہنچایا۔ بھدرواہ- ڈوڈہ شاہراہ بھی اُس طوفان کے نذر ہو گئی اور کئی قیمتی جانیں بھی ضائع ہو گئیں۔ اِس طوفان نے ندی نالوں کی سطح کو بہت گہرا کر ڈالا۔ کافی دیر تک سڑکوں کا رابطہ منقطع ہو جانے سے علاقہ کے لوگ پریشان حال رہے۔

***

وادیٔ بھلیس

بھلیس - ایک تعارف:

ضلع ڈوڈہ کے ایک مایہ ناز ادیب اور تنقید نگار مسٹر سعد اللہ شاؔد فرید آبادی صاحب اپنے ایک اہم مقالہ ''ضلع ڈوڈہ اور اُردو زبان و ادب'' میں علاقہ بھلیس کو اِن خوبصورت الفاظ میں متعارف کراتے ہیں:

''اُونچے اُونچے پہاڑوں کے اندر چھُپا' دُبکا یہ پہاڑی علاقہ اپنے خوبصورت مرغزاروں اور قدرتی حسن و جمال کی وجہ سے باعث کشش تو ہے مگر آرائش جمال کا ابھی تک منتظر ہے۔ لوگ جفاکش اور مہم پسند ہیں۔ پہاڑوں کی دیواریں اور دُور اُفتادگی علم کی روشنی کو اندرونی حصّوں تک پہنچنے سے روک نہیں پائی ہے۔ لوگوں میں تعلیم کے ساتھ ساتھ سیاسی بیداری اور خود شناسی کا احساس انگڑائیاں لے رہا ہے' ورنہ سالہا سال تک ڈوڈہ کی طرح یہاں کے سادہ لوح عوام باہر کے لوگوں کو اپنے مضبوط کندھوں پر اُٹھا کر ناچا کرتے تھے۔ شعر و سخن کی روایات پرانی ہیں مگر اسے بنانے اور سنورانے میں لوگوں کو فرصت کہاں۔ بہت سے شاعر اور ادیب وقتاً فوقتاً نمودار ہوتے رہے ہیں۔ کچھ پھول نکھر کر بہارِ جاں فزا دِکھلا گئے ہیں' کئی اپنی مہک سے پہچانے جانے لگے ہیں اور اکثر اپنے آپ میں گُم ہو کر رہ گئے ہیں۔ حُسن کی فراوانی ہے' صرف حُسن شناسوں کی تلاش ہے۔ یہاں فن بھی ہے' فنکار بھی ہیں' صرف جوہر شناسوں کی کمی ہے۔ جو تھے وہ دُور شہروں میں جا بسے........!''[1]

---

1 ''صدائے کوہسار'' ڈوڈہ' یکم جولائی ۲۰۰۵ء

قدرت کی کاریگری دیکھئے جس جوہر شناس کی کمی جناب شآد صاحب کو شدّت سے محسوس ہو رہی تھی اُسے اللہ میاں نے بھلیس کے ہی ایک نامور اور ممتاز مُحب وطن سیاست دان مسٹر غلام نبی آزاد کی صورت میں ریاست کے افق سیاست پر بحثیت چیف منسٹر لا کھڑا کر دیا جنہوں نے اپنے حُسن تدبر' قابلیت اور ایمان دارانہ طرزِ عمل کو بروئے کار لا کر ریاست جموں وکشمیر میں خوشحالی اور امن کا ایک نیا دور شروع کر دیا اور ریاست کے لوگوں کو خون خرابے کے ماحول سے نکال کر تعمیر و ترقی کے تاریخ ساز دور میں داخل کر دیا ہے۔ موصوف نے حلقہء اِنتخاب بھدرواہ سے ریکارڈ توڑ ووٹ حاصل کر کے اپنی ہر دِلعزیزی کا بھی ثبوت پیش کیا ہے۔ توقع ہے کہ ریاست جموں وکشمیر کے باقی دُور اُفتادہ حِصّوں کے ساتھ ساتھ وادیء بھلیس بھی ترقی اور خوشحالی کی راہ پر گامزن ہو گی۔

محلِ وقوع:

''وادی بھلیس'' قدیم مملکت بھدرواہ یا راجواڑہ شاہی کا ایک اہم ترین خطّہ رہی ہے۔ یہ وادی ریاست جموں وکشمیر کے دُور اُفتادہ اور آخری کونہ میں ہماچل پردیش کی سرحدوں سے ملتی ہے۔ بقول ماسٹر محمد شفیع متو... ''یہ دیہاتوں' وادیوں' مرغزاروں' سبزہ زاروں اور آبشاروں پر مشتمل ایک وسیع علاقہ ہے۔ اِس کے مشرق میں پانگئی پاڈر' مغرب میں بھدرواہ' شمال میں علاقہ ٹھاٹھری اور سیراج اور جنوب میں ہماچل پردیش واقع ہیں.........کسی مُلک یا علاقہ کی وجہ تسمیہ میں کوئی خاص بات ہوا کرتی ہے۔ نہ معلوم بھلیس کو بھلیس کہہ کر کیوں پکارا جاتا ہے۔ ہمیں یہ قیاس آرائی کرنے میں عار نہیں کہ جب بنی آدم نے اِس چاند سے حصّہ پر چہل قدمی کی ہوگی تو ضرور کہا ہوگا ''بھلا''، ''لاثانی''، ''یکتا'' اور ''سندر''۔ اِن ہی الفاظ کے حروفِ اوّل کے سنگم سے لفظ ''بھلیس'' بنا ہوگا۔ فی الحقیقت یہ منبع حُسن' دلکش اور دِلربا مناظر سے مالا مال ہے۔

یہاں صاف اور شفاف پانی کے چشمے ہیں۔ اِس کے علاوہ جھرنیں اور آبشاریں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ اِس کے چاروں جوانب بلند و بالا جبین سائی کرنے والے پہاڑ ہیں جن پر کُٹھ، بنفشہ، پتیس اور دھوپ جیسی انمول جڑی بوٹیاں پائی جاتی ہیں۔ یہ فلک بوس پہاڑ زمستان میں برف پوش ہوتے ہیں۔ ازاں بعد سال کے تین چوتھائی حصّے میں اِن کے بالائی حصّوں پر برف جمی رہتی ہے۔ جب مہر عالم تاب پورے شباب پر ہوتا ہے تو نظارا کرنے والی آنکھ کو ایسا لگتا ہے کہ گویا قدرت نے دستارِ فضیلت باندھ دی ہے۔ ذرا پستی کی طرف آئیں تو بھوج پتر، ہُم اور اخروٹ کے درخت دیکھنے میں آتے ہیں اور پھر جنگلات کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہوتا ہے، جن میں دیودار، کائیرو، بدلو، وغیرہ انواع و اقسام کے لاتعداد اشجار ملتے ہیں۔

یہ جنگلات طرح طرح کی جڑی بوٹیوں، بنفشہ، بیلا، ڈوتا، بن ککڑی، تصلب مصری، مشک بالا، کنکس وغیرہ سے بھرپور ہوتے ہیں۔ اِن جنگلات کے چوطرفہ محیط میدانوں میں رنگ برنگے پھول عین جوبن پر ہوتے ہیں اور یہ چھوٹی چھوٹی وادیاں حُسن و جمال کی بے مثال پریاں لگتی ہیں، جن کے مناظر دیکھنے سے خلدِ بریں بھی رشک کرے گا...... اِس پر طرُہ یہ کہ دریائے بھلیس ''کال گنی'' کا ہل جگا سرتا ٹھاٹھری بل کھاتا، سریلی لَے میں گنگناتا، طرب بجاتا ہوا مادرِ چناب میں جاگزیں ہو جاتا ہے۔ یہ دریا علاقہ کو دو حصّوں میں تقسیم کرتا ہے۔ دریا کے طاس کے دائیں اور بائیں گنجان آبادیاں ہیں، جن میں آغازِ آفرینش سے ہندو اور مسلمان دو فرقے آباد ہیں۔''[1]

آب وہوا اور پیداوار:

بھلیس کی آب و ہوا گرمیوں میں معتدل اور کم گرم ہوتی ہے اور سردیوں میں باوجود کافی برف باری کے زیادہ سرد نہیں ہوتی۔ یہاں زیادہ تر مکی پیدا ہوتی ہے

---

[1] ''بھلیس''، مرتبہ محمد شفیع متو، ۱۹۷۰ء

لیکن شالی، گندم، سرسوں اور مختلف قسم کی دالیں بھی پائی جاتی ہیں۔ راج ماش اور گھی کے علاوہ یہاں کا شہد مشہور تھا۔ کہا جاتا ہے کہ بھلیس میں گھی، دُودھ اور شہد کی نہریں بہتی تھیں جن پر لوگوں کی آمدنی کا دار و مدار تھا لیکن آبادی بڑھ جانے سے اِن اجناس کی پیداوار میں کمی آتی رہی ہے۔ مختلف جگہوں پر الگ الگ قسم کی سبزیاں اُگائی جاتی ہیں جن میں کرَم، مولی، شلجم، آلو، کریلے، کدو اور پالک وغیرہ شامل ہیں۔ میوہ جات میں یہاں کا امری سیب مشہور تھا۔ اِس کے علاوہ آڑو، ناشپاتی، ساڑیاں، اخروٹ اور آلو بخارے بھی کثرت سے پیدا ہوتے ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے تک یہاں سے دیسی گھی، راج ماش، اخروٹ اور اُون برآمد کی جاتی رہی ہے۔ یہ سب برآمدات بھدرواہ منڈی میں لا کر بیچی جاتی تھیں، لیکن ٹھاٹھری۔ کلہوتران روڑ تعمیر ہونے کی وجہ سے اب اِن میں سے کچھ اضافی اشیاء سیدھے طور پر ٹھاٹھری اور جموں برآمد کی جاتی ہیں۔ یہاں کا فاضل اناج موجودہ ضلع کے مختلف علاقوں میں خوراک کی کمی کی کفالت کرتا تھا۔

گھریلو دھندے:

مال مویشی اور بھیڑ بکریاں پالنا، چیران ڈھلان، شہد کی مکھی پالنا، جڑی بوٹیاں اور گُچھیاں جمع کرنا لوگوں کے معمول کے کام ہیں۔ گھریلو دستکاریوں میں سب سے اہم اور پرانی دستکاری اُونی کمبلوں اور پٹوؤں کی بُنائی پر مشتمل ہے۔ بھلیس کے کمبل اور پٹو اب بھی مشہور ہیں۔ یہاں ریشمی کیڑے کی کویوں (COCOONS) کے علاوہ جنگلوں سے گُچھیاں اور جڑی بوٹیاں وافر مقدار میں جمع کر کے سُکھا کر برآمد کی جاتی ہیں۔ ساتھ ہی یہاں سے عمارتی لکڑی اب سیدھے جموں بھیجی جاتی ہے، جس سے ہر سال سرکار کو کروڑہا روپے کی آمدنی حاصل ہوتی ہے اور لوگوں کو بھی مزدوری مل جاتی ہے۔ پہلے یہ لکڑی نالہ کالگنی اور چناب میں بہا کر اکھنور کے مقام پر ایک بُوم لگا کر پکڑی جاتی تھی، لیکن اب وہ سلسلہ ختم ہو چکا ہے۔

سڑکیں اور راستے:

مملکت بھدرواہ کا یہ دُوسرا بڑا خطّہ، تین بڑے پیدل راستوں سے راجدھانی بھدرواہ سے ملا ہوا تھا، جن کا ذِکر پہلے آچُکا ہے۔ وادیء بونجواہ بھی کافی دیر تک اِس کے ایک اہم حصّے کے طور پر اِس کے ساتھ مُنسلک رہی۔ بھلیس اور بونجواہ کی دونوں وادیاں قدیم وقتوں میں چمبہ ریاست کی چوہڑہ وزارت کے ساتھ کئی درّوں کے راستوں سے ملی ہوئی تھیں۔ بھدرواہ اور بھلیس وغیرہ کی وادیوں کا چمبہ کے ساتھ رابطہ دس ہزار فٹ کی بلندی پر واقع پدری گلی کے مقام پر ملنے والے راستے اور وہاں سے آگے جانے والے راستے کے ذریعے قائم تھا۔ دُوسرا راستہ ۱۲۱۰۰ فٹ کی اُونچائی پر واقع بارن گلی یا درّے سے ہو کر جاتا تھا۔ تیسرا راستہ ڈگانی درّے سے گزرتا تھا، جو ۱۲۸۶۲ فٹ کی اُونچائی پر واقع ہے۔ چوتھا رابطے کا راستہ میلواڑی درّے میں سے گزرتا تھا، جو ۱۳۰۴۷ فٹ کی اُونچائی پر واقع ہے۔ یہ دُشوار گزار راستے آج تک علاقہ بھلیس کو ریاست ہماچل پردیش کے ساتھ جوڑے ہوئے ہیں۔ قصبہ بھدرواہ کو پھر علاقہ بھلیس اور بونجواہ سے ملانے کے لئے بھدرواہ۔ جائی روڈ میں توسیع کر کے اِسے جوڑہ ہلارن ملانوں کے راستے ٹھاٹھری۔ کلہوتران روڈ کے ساتھ کاہرہ کے مقام پر ملائے جانے کا منصوبہ حکومت کے زیرِ غور ہے[1]۔ دُوسرا منصوبہ کلہوتران روڈ کے آخری سِرے سے بہ راستہ قطار دھار، بھدرواہ تک سڑک تعمیر کئے جانے کا ہے اور تیسرا منصوبہ جائی سے آگے باچھہ دھار کے راستے گندو تک موٹر روڈ تعمیر کرنے کا ہے۔ توقع ہے کی موجودہ حکومت، جس کی سربراہی خواجہ غلام نبی آزاد کر رہے ہیں، اِن منصوبوں کو پایہء تکمیل تک پہنچانے کی پوری کوشش کرے گی۔ فی الحال ٹھاٹھری اور کلہوتران روڈ کو کشادہ کرنے اور اِس کو پکا کرنے کے اِقدامات اُٹھائے جا رہے ہیں۔ قریباً اڑتیس

1۔ اِس منصوبہ کی تکمیل کے لئے مرکز سے کافی رقومات واگزار کرائی گئی ہیں۔

(۴۸) کلومیٹر لمبی اِس روڈ سے یہ پسماندہ علاقہ ڈوڈہ' کشتواڑ' بھدرواہ' بٹوت' بانہال اور وادی سے ملا ہوا ہے اور بٹوت سے ہی جموں اور ریاست کے بیرون علاقوں کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ یہ سڑک ۱۹۸۰ء اور ۱۹۹۰ء کے دوران مکمل ہونے اور اِس کی وجہ سے آمدورفت میں بہتری آنے سے بھلیس کی اِقتصادی حالت میں نمایاں طور پر تبدیلی آرہی ہے۔ اِس کے کاروبار کا دائرہ کافی حد تک وسیع ہوا ہے۔ حکومت اندرونی طور پر رابطہ سڑکیں تعمیر کرنے کی طرف بھی توجہ دے رہی ہے۔ سالہا سال سے زیرِ تعمیر ''دوندی- پشانہ- بنون سڑک'' اور ''بٹھیاس- چلی روڈ'' جن پر کافی عرصہ سے کام بند تھا' تعمیر کی جا رہی ہیں۔ اِن پر مناسب جگہوں پر پُل تعمیر کئے جا رہے ہیں۔ سال ہی میں چنگا کے مقام نالہ ءکالگنی پر تقریباً دو کروڑ روپے کی لاگت سے تعمیر کیا گیا پُل آمدورفت کے لیے کھول دیا گیا ہے جس کی اِفتتاحی رسم وزیر برائے بجلی' مسٹر محمد شریف نیاز نے انجام دی۔

لوگوں کے پیشے:

یہاں کے مقامی لوگ بڑے جفاکش' محنتی اور دیانت دار ہیں۔ اِن لوگوں کا عام پیشہ زمینداری اور زراعت ہے۔ آبادی کا خاصا حصّہ محنت مزدوری کر کے پیٹ پالتا ہے۔ بہت سے لوگ چمبہ' کلو' کانگڑہ اور ریاست کے دیگر پہاڑی علاقوں میں جنگلاتی لکڑی کے چیران اور ڈھلان کے کام میں مصروف رہتے ہیں۔ اب بہت سے پڑھے لکھے لوگ سرکاری ملازمت کو ہی ترجیح دے رہے ہیں اور اُن کی ایک خاص تعداد یہاں کے سرکاری سکولوں میں کام کرتی ہے اور کچھ دیگر شعبوں میں بھی ملازمت اِختیار کئے ہوئے ہیں۔ اِس علاقے نے مرحوم پروفیسر عمر الدین ملک' مرحوم غلام رسول آزاد' خواجہ عبدالعزیز بٹ' کوتوال دینا ناتھ بھال' خواجہ غلام نبی آزاد' پروفیسر سلطان محمد خان (مرحوم) جیسی مشہور ہستیاں پیدا کی ہیں' جو ریاستی اِنتظامیہ کے اُونچے عہدوں پر فائز

رہے۔ خواجہ غلام نبی آزاد ۲/اکتوبر ۲۰۰۵ء کو ریاست جموں و کشمیر میں وزیرِ اعلیٰ کی کرسی پر رونق افروز ہوئے۔ ریاستی قانون ساز کونسل میں منشی محمد انور، غلام رسول آزاد (مرحوم) اور عبدالعزیز گوئیا (بٹ) جیسے معروف لیڈروں نے اپنے علاقے کی بخوبی نمائندگی کی۔ اِن سب اصحاب نے بالعموم اور آزاد (مرحوم) نے بالخصوص اپنی ذہانت، دیانت اور قابلیت کا مظاہرہ کر کے اپنا اور اپنے علاقے کا نام روشن کیا۔ اِس وقت بھی ریاستی اِنتظامیہ کے مختلف محکموں میں یہاں کے بہت سے ذی عزت اصحاب مصروف العمل ہیں اور کئی اب ریٹائر ہو چکے ہیں۔ اِن سبھی اصحاب کے بارے میں اِس کتاب کے آخر پر ذِکر کیا جائے گا۔

تحصیل ہیڈ کوارٹر گندو (بھلیس):

بھلیس تحصیل کا صدر مقام گندو کے نام سے مشہور ہے۔ جیسا کہ پہلے بھی ذِکر کیا جا چکا ہے کہ ۱۹۸۱ء میں تحصیل بھدرواہ کی نئی حد بندی عمل میں لائی گئی جس کے نتیجے میں بھدرواہ میں سے نیابت گندو اور نیابت ٹھاٹھری کو الگ کر کے اِنہیں دو الگ تحصیلوں کا درجہ دیا گیا۔ اِن احکامات سے بھدرواہ کی قدیم تحصیل کا رقبہ کم ہو گیا اور ضلع ڈوڈہ کے نقشے میں دو (۲) اہم تحصیلوں کا اِضافہ ہو گیا۔ یہ علاقے مملکت بھدرواہ کے اہم ترین حصّے تھے۔ علاقہ بھلیس ۱۹۶۰ء میں ایک نیابت کا درجہ رکھتا تھا، جو ایک ذیلی تحصیل تھی۔ ۱۹۸۱ء کی نئی حد بندی کے تحت نیابت گندو کے تین پٹوار حلقوں کو نئی تشکیل کردہ تحصیل ٹھاٹھری میں ضم کیا گیا جن کے نام بالترتیب حلقہ پٹوار جوڑہ، حلقہ پٹوار ملانوں اور حلقہ پٹوار کنسو ہیں۔ اِس طرح سے حلقہ جوڑہ کے چھ موضع جات یعنی جوڑہ خورد، جوڑا کلان، شامدلینی، گوئلہ ہلارن، سرنگہ، اور ہوجہ بالا، حلقہ ملانوں کے آٹھ موضع جات یعنی ملانوں، گوگاڑہ، ترہنکل، ٹانٹہ، چبہ، گوئیلا، دروٹھ باتھری، پیا گل، دوگرون نیابت ہذا سے الگ کر کے نئی تحصیل ٹھاٹھری میں ملا دیئے گئے اور نئی تحصیل،

پرانی نیابت کے رقبہ سے گھٹ گئی ۔نئی تحصیل گندو (بھلیسہ) اب کھڑانگل، گندو، کلہوتران، چینسر، کاہل جگاسر، ڈوڈواڑ، دھریوٹھ، چلّی، جکیاس اور بدھلی کے دس پٹوار حلقوں پر مشتمل ہے۔

سرکاری دفاتر:

تحصیل صدر مقام گندو ایک خوبصورت قصبے کی صورت میں اُبھر رہا ہے۔ اِس کے مشرق کی طرف ٹھاٹھری۔ کلہوتران سڑک اِس کے ساتھ کال گنی نالہ پر بنائے گئے ایک پُل کے ذریعے ملی ہوئی ہے۔ بہت سی دُوکانیں اور مکانات مذکورہ سڑک کے کنارے تعمیر کئے گے ہیں کیونکہ اِس قصبے میں مزید مکانات بنانے کی گنجائش نہیں رہی ہے۔البتہ یہاں پر بہت سے سرکاری دفاتر قائم کئے گئے ہیں اور ایک بڑا ایڈمنسٹریٹو کمپلیکس تعمیر کیا گیا ہے، جس میں کئی سرکاری دفاتر کام کرتے ہیں۔یہ سب سے بڑی عمارت ہے۔اس کے ساتھ ہی ایک جوڈیشل کمپلیکس اور ہسپتال کی عمارتیں ہیں۔پُل کے مشرق کی طرف ایک چھوٹا مگر خوبصورت ڈاک بنگلہ اور ایک کشادہ جامع مسجد شریف تعمیر ہوئی ہے۔گندو خاص میں کچھ دوکانیں بھی ہیں اور ایک دو ہوٹل بھی۔ تحصیل دار، ٹریجری، بلاک میڈیکل آفیسر، نائب تحصیل دار، منصف کورٹ، پروجیکٹ آفیسر آئی.ایس.ڈی، زونل ایجوکیشن آفیسر، بلاک ڈویلپمنٹ آفیسر اور ٹی.ایس.او کے دفاتر موجود ہیں۔رینج آفس بھی ایک اُونچے ٹیلے پر تعمیر کیا گیا ہے۔اِس کے علاوہ گندو میں ایک ہائی سکول کی عمارت بھی تعمیر ہوئی ہے اور ایک ڈاک خانہ بھی نجی عمارت میں رکھا گیا ہے۔ قصبے کے نزدیک ہی ایک مندر بھی ہے۔یہاں کے لئے ایک ایگزیکٹیو انجینئر دفتر کے علاوہ پولیس تھانہ اور دیگر دفاتر بھی منظور ہو چکے ہیں[1]۔گندو پوری تحصیل کے مرکز میں واقع ایک خوبصورت مقام ہے جو کئی پیدل راستوں کا سنگم

1۔ ۲۰۰۸ء میں یہاں سب ڈویژنل مجسٹریٹ کا دفتر بھی کھولا گیا ہے۔

بھی ہے۔ یہ قصبہ دُور سے ہی ایک گھنے جنگل کے پس منظر میں بہت دِلکش محسوس ہوتا ہے۔ گرمیوں میں قصبے کا موسم بہت خوشگوار ہوتا ہے لیکن سردیوں میں دُھوپ نہ پڑنے کی وجہ سے سخت سردی ہو جاتی ہے۔

بھلیس کے نمائندہ گاؤں:

وادیء بھلیس کے نمائندہ دیہات میں کلہوتران' بھرتھی' پورہ' چنگا' سوتی' گوالو بٹارہ' تھلورن سمائی' بسران' گوڑیکڑہ سنوار' چلی بالا' منو ہڈل' ملت بٹولی' گندو' چنیاس' تلوگڑہ' تینڈلہ' منوئی بٹھیاس' النی ٹپری' دھنوڑی سیرو جگاسر' چالر بھاتھری' کنسو بتولہ' کینچہ' ترہنکل' بٹوگڑہ' رانوت' ہلارن' جوڑہ' چبہ کھڑنگل' بھڑگی' درائی' چونوری' انگنول وغیرہ شامل ہیں۔ اِن میں سے اب یعنی ۱۹۸۱ء کی حد بندی سے کچھ دیہات تحصیل ٹھاٹھری میں منتقل ہو گئے ہیں۔ گندو اِس ساری وادی کا مرکزی مقام ہے۔

"بھلیس کی آبادی بکھری ہوئی ہے۔ ۱۹۳۱ء کی مردم شماری کے مطابق (غیر منقسم) بھلیس کی آبادی بیس ہزار نفوس پر مشتمل تھی۔ یہ خطہء زمین بالکل پہاڑی ہے اور زمین کی پہاڑی نوعیت نے بہت ہی کم رقبہ قابلِ کاشت بنا رکھا ہے۔ آبادی کا بیشتر حصّہ زمین کی کاشت پر گزر بسر کرتا ہے لیکن زراعت قدیم طریقوں سے ہی کی جاتی ہے۔ کم پیداوار حاصل ہونے کی بہت سی وجوہات ہیں۔ جن میں ناخواندگی' لاعلمی[1]' ذرائع آمد و رفت کی عدم دستیابی اور دیگر متعدد اسباب ذمہ وار ٹھہرائے جا سکتے ہیں۔"[2]

خواتین خود کو گھریلو صنعتوں جیسے کمبلوں اور پٹوؤں کی بُنائی اور مال مویشی پالنے میں مصروف رکھتی ہیں۔ بہت سے لوگ ابھی بھی غریبی اور افلاس کی چکی میں پسے جاتے ہیں۔

---

[1] علاقہ بھلیس میں کشمیری عام لوگوں کی زبان ہے۔

[2] پُراز مناظر بھلیس (انگریزی مقالہ) کچھمن سنگھ 'شاہین' ڈگری کالج بھدرواہ ۱۹۷۱ء ترجمہ بشیر بھدرواہی

تعلیمی پیش رفت:

حکومت نے سکولوں کا جال بچھا رکھا ہے۔ کچھ جوان اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے باہر جاتے ہیں۔ تعلیمی پھیلاؤ نے لوگوں میں ایک نئی تبدیلی لائی ہے۔ پرانی اقدار اور رویّے تیزی سے تغیر پذیر ہو رہے ہیں۔ لوگ مقامی بولی جسے بھلیسی کہا جاتا ہے بولتے ہیں، جو بھدرواہی سے تھوڑی سی مختلف ہے۔

علاقہ بھلیس میں اِس وقت پانچ ہائر سیکنڈری سکول، پانچ ہائی سکول اور لوئر ہائی سکول، ایک گرلز ہائی سکول (گواڑی)، درجنوں مڈل سکول اور سینکڑوں پرائمری سکول قائم ہیں۔ اِن کے علاوہ بہت سی دینی درسگاہیں نجی سطح پر قائم کی گئی ہیں جن میں دینی تعلیم کے علاوہ مروّجہ تعلیم کا بھی اِہتمام کیا گیا ہے۔ اِن درس گاہوں میں موضع بھٹیاس اور کلہوتران کی درس گاہیں مشہور ہیں۔ اِس تحصیل کے ہر گاؤں میں ایک پرائمری سکول کھولا گیا ہے جب سکولوں کی نگرانی کے لئے دو زونل تعلیمی بلاک بھی قائم کئے گئے ہیں۔ اِن میں سے ایک بلاک، تحصیل ہیڈ کواٹر گندو اور دُوسرا موضع بھٹیاس کے مقام پر واقع ہے۔ یہ دونوں بر لب سڑک ہیں۔

حال ہی میں غلام نبی آزاد کی ملی جلی سرکار نے علاقہ بھلیس کے لئے ایک ڈِگری کالج کی منظوری بھی دے دی ہے، جس کے لئے ایک پرنسپل کی تعیناتی بھی عمل میں لائی گئی ہے اور اِس کے لیے کلہوتران کے مقام پر زمین کی نشاندہی بھی کی گئی ہے اور بنیادی امورات پر کام شروع کر دیا گیا ہے۔ توقع ہے کہ اِس سال یعنی ۲۰۰۸ء میں ہائر سیکنڈری سکول کلہوتران کی عمارت کے کچھ کمروں میں بی. اے کی چند کلاسیں شروع کی جائیں گی۔ تحصیل گندو میں ایک صنعتی ادارے یعنی آئی. ٹی. آئی کی عمارت بھی زیرِ تعمیر ہے جس میں نوجوانوں کو پیشہ وارانہ تعلیم کی سہولیات مہیا کی جائیں گی۔

شرح خواندگی:

۲۰۰۱ء کی مردم شماری کے مطابق تحصیل گندو (بھلیس) کی شرح خواندگی حسب ذیل تھی:

کل خواندہ لوگ: ۲۲۰۵۸ مرد: ۱۶۱۴۵ خواتین: ۵۹۱۳

شرح خواندگی کل: ۴۶ء۹۷ مرد: ۶۴ء۹۷ خواتین: ۲۵ء۹۸

ایک مایہ ناز ماہر تعلیم، سماجی کارکن، ایک ہر دلعزیز لیڈر، مشفق سیاست دان اور ریاست جموں و کشمیر کے سابق ناظم تعلیم خواجہ غلام رسول آزاد (مرحوم) کے ایک تاریخی نوعیت کے مضمون ''بھلیس - تب اور اب'' جو رسالہ بھلیس کے مارچ ۱۹۹۱ء کے شمارے میں شائع ہوا ہے، کے چند اقتباسات ذیل کی سطور میں درج کیے جاتے ہیں تاکہ بھلیس پر آئندہ کچھ لکھنے والے قلمکاروں کو یہاں کے اِقتصادی، تعلیمی اور ثقافتی حالات قلم بند کرنے میں کچھ راہنمائی حاصل ہو سکے۔

مسٹر غلام رسول چوگانی ہیڈ ماسٹر ہائی سکول کے حوالے سے وہ لکھتے ہیں کہ:

''اُنہوں نے اِس رسالے کا نام شاید اِس لئے چنا تھا کیونکہ ''کالگنی'' بھلیس کی تاریخ کے ایک دور میں یعنی ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۷ء تک بھلیس کی سیاست، ثقافت اور بھلیس کی تعلیمی اور اِقتصادی ترقی کا مرکز بنا رہا۔ اُس دور میں کالگنی کا میدان ہی تھا، جو بھلیس کے سیاسی اور سماجی کارکنوں کی تربیت گاہ تھا۔ اِس جگہ کوئی آبادی نہیں تھی۔ ۱۹۲۹ء سے پہلے یہاں صرف ایک مندر اور ایک دھرم سالہ تھی، پھر دھرم سالہ کی جگہ پرائمری سکول کلہوتران نے لے لی تھی اور یہی سکول اپ گریڈ ہو کر بھلیس کا سب سے پہلا مڈل سکول بنا، پھر سب سے پہلا ہائی سکول اور پھر ہائر سکینڈری سکول بنا۔ اِسی کالگنی کے میدان میں ''انجمن اسلامیہ بھلیس'' قائم کی گئی اور بھلیس کی پہلی جامع مسجد چنگا کا منصوبہ تیار ہوا۔ پھر اِسی میدان میں موجودہ کالگنی مندر کی تعمیر کا پلان بھی بنا اور

تعمیر بھی۔ کالُگنی سے ہی بھلیس کی شہ رگ یعنی ٹھاٹھری کلہوتران روڈ، جس کا بیج اٹال گڑھ (بھدرواہ) میں بویا گیا تھا کی تحریک پروان چڑھی تھی.........ویسے بھلیس تلائی دھار، ڈاگن، نرگواڑی، کالنئی نالہ، گلو، باچھ، گنٹھی قطاری اور بڈہ پدری گلی کے اندر کا ایریا ہے۔ یہ سارا علاقہ کتنا خوبصورت ہے اور اِس کو قدرت نے کس کس دولت سے نوازا ہے، اِس کے بارے میں ''کالُگنی'' اور ''بھلیس'' کے پہلے شماروں میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے......''

بھلیس کی تعلیمی حالت کے بارے میں وہ یوں رقم طراز ہیں:

''۱۹۲۴ء میں، یعنی جس سال میں سکول میں داخل ہوا تھا، اُس وقت کے تمام بھلیس میں صرف تین پرائمری سکول تھے۔ کلہوتران، جکیاس اور ہلارن۔ چنانچہ تمام علاقے میں صرف چند حضرات نے تعلیم حاصل کی تھی اور صرف دو لوگوں نے مڈل سکول بھدرواہ (موجودہ ہائر سکینڈری سکول) سے ''مڈل'' پاس کیا تھا۔ یہ تھے ماسٹر پنالال جی اور ماسٹر انیرودھ سنگھ جی (مرحوم)۔ پنالال جی ۱۹۲۴ء سے پہلے ہی ٹیچر بنے ہوئے تھے اور ٹھاکر انیرودھ سنگھ ۱۹۲۴ء میں ہی پرائمری سکول کلہوتران میں ٹیچر بن کر آئے تھے اور تمام بھلیس سے یہی دو حضرات گورنمنٹ کی ملازمت میں تھے۔ ہاں ہر گاؤں میں ایک نمبردار اور ایک چوکیدار ہوتا تھا۔ نمبردار کو پنچوترا ملتا تھا، یعنی گاؤں کا جتنا مالیہ اُسے وصول کرنا ہوتا تھا اُس کا پانچ فی صد اسکو سال میں دو بار ملتا تھا۔ چوکیدار دار کو ایک روپیہ ماہوار تنخواہ ملتی تھی۔ پرائمری سکول ٹیچر کی تنخواہ بیس روپے ماہوار تھی۔

عام لوگ سادہ زِندگی بسر کرتے تھے اور صرف کھیتی باڑی کرنا، مال مویشی پالنا، بھیڑ بکریاں پالنا اور جنگلوں میں چیران کا کام کرنا اُن کے کام اور واحد ذرائع آمدن تھے۔ آمدنی کم تھی اور مال مویشی کی وجہ سے علاقہ میں سچ مچ دودھ، گھی اور شہد کی نہریں بہتی تھیں۔ سرکار کی طرف سے کچھ ظلم بھی ہوتے تھے لیکن آج کی طرح کے نہیں۔ سماج میں کسی قسم کی تفریق یا کشیدگی نہ تھی اور نہ اِس قدر اِستحصال تھا۔''

''اب بھلیس کا کم از کم ایک پہلو بدلا ہے۔ اِس کا اندازہ اِس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ بھلیس میں آج ایک ہائر سیکنڈری سکول اور آٹھ ہائی سکولوں کے علاوہ درجنوں مڈل سکول اور سینکڑوں پرائمری سکول ہیں۔ پوسٹ گریجویٹ' انجینئرنگ' میڈکل گریجویٹ' لاء گریجویٹ اور عام گریجویٹ' ہائر سکنڈری سکول (میٹرک) پاس ہزاروں کی تعداد میں تعلیم یافتہ لوگ ہیں۔ انجینئر اور ڈاکٹر ہیں۔ کالجوں کے پروفیسر' پولیس اور فاریسٹ آفیسر ہیں۔ ٹیچر' کلرک اور چپڑاسی ہیں۔ کئی حضرات ریاستی محکموں کے سربراہ ریٹائر ہوئے ہیں۔ کچھ عزیز ریاستی محکموں کے وزیر اور مرکزی حکومت کے وزیر بنے اور آئندہ بھی اُن کے اور دُوسروں کے بننے کی توقع ہے۔ لیکن بھلیس ابھی تک پسماندہ اور پچھڑا ہوا علاقہ ہے۔ یہاں کا عام آدمی اب بھی عسرت' جہالت اور غربت کی زِندگی بسر کرتا ہے۔ رشوت خوری اور لوٹ کھسوٹ کا شکار ہے۔''

''پڑھے لکھے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں بیکاری اور بے روزگاری کی نہایت پریشان کُن مصیبت میں مبتلا ہیں۔ ایسا کیوں ہے؟ بھلیس میں اب بھی دردِ دل رکھنے والے دیانتدار' مخلص اور ہمدرد اِنسانوں کی کمی نہیں ہے لیکن بھلیس اور بھلیسیوں کا اِستحصال کیا گیا ہے.........''

''.........بھلیس کے ساتھ گذشتہ چالیس سال سے ایسا ہی ہوا ہے۔ مقامی دیانتدار اور مخلص نوجوانوں کو کبھی بھی بھلیس کی نمائندگی کرنے کا موقع نہیں دیا گیا اور ہمیشہ باہر کے سیاست دان کچھ مقامی خودغرض اور مفاد پرست لوگوں کی مدد سے بھلیس پر نمائندوں اور حکمرانوں کی شکل میں مسلط رہے اور اب بھی کچھ مسلط ہیں' جنہوں نے بھلیس اور بھلیس والوں کا کچھ بھی نہیں بنایا۔ نگر بھدرواہ کے ایک صاحب ۱۹۵۱ء سے ۱۹۷۷ء تک بھلیس' بونجواہ اور پھر بھلیس اندروال سے اسمبلی' پارلیمنٹ اور ریاستی کابینہ میں بھلیس کے نمائندہ کی حیثیت سے رہے اور پھر نگر بھدرواہ کے ہی دُوسرے ایک صاحب ۱۹۷۷ء سے ۱۹۸۷ء تک بھلیس اندروال کے ممبر اسمبلی اور ریاستی کونسل

آف منسٹرس میں بھلیس کے نمائندے بنتے رہے۔ آخرکار بھلیس والوں کو ہوش آیا اور ۱۹۸۷ء میں اُنہوں نے ایک مقامی دیانتدار، مخلص اور دردِ دل رکھنے والے نوجوان کو اپنا نمائندہ چُن لیا۔ مئی ۱۹۸۹ء میں اُس نوجوان کو کونسل آف منسٹرس میں آنے کا موقع دیا گیا۔ ۱۹ر جنوری کو یہ گُل بھی جگموہنی خزاں سے فی الحال مرجھا گیا ہے۔"

بھلیس کی دو حصّوں میں تقسیم:

"۱۹۶۷ء میں بھلیس کے دو حصّے کیے گئے تاکہ باہر کے حکمرانوں کو بھلیس اور ایسے ہی پسماندہ علاقوں کے لوگوں کا اِستحصال کرنے میں سہولت ہو۔ یہ بھلیس اور دُوسرے ایسے ہی علاقوں کے ساتھ سخت بے انصافی تھی کہ بھلیس بونجواہ حلقہء اِنتخاب کی جگہ اِندرول حلقہ بنایا گیا جس کا ایک کنارہ چمبہ سے منوکٹا، ایک بھدرواہ سے شام دلیلی جوڑہ اور ایک اننت ناگ سے چنگام سنگھ پورہ ملتا ہے اور اَپر بھلیس یعنی جطوطا اور نیلی گندو کو بھدرواہ نگر کی کالونی بنا دیا گیا جس پر چنتہ اور بھالڑہ سے حکومت کی جاتی ہے۔ اِس سب اِستحصال کا نتیجہ یہ ہے کہ بھلیس میں کوئی ترقیاتی کام علاقہ کی ضرورت اور قدرتی وسائل کی دستیابی کے مطابق تو کیا، بالکل ہی نہیں ہوتا۔"

ٹھاٹھری کلہوتران روڈ، جس کی تعمیر کا کام تیس (۳۰) برس پہلے یعنی ۱۹۶۰ء میں شروع کیا گیا تھا، ابھی تک فیرویدر روڈ کا درجہ رکھتی ہے۔ یہ سڑک ۳۸ء۸ کلومیٹر لمبی ہے۔

اِن تحریروں کی روشنی میں بھلیس بونجواہ حلقہء انتخاب کے دو حصّے کیے گئے جن میں سے ایک حصّہ بھدرواہ حلقہء انتخاب اور دُوسرا حصّہ حلقہء اِنتخاب اِندرول کے ساتھ جوڑا گیا ہے۔ بھلیس کے لوگوں کے دو اہم مطالبے ہیں۔ اولاً بھلیس بونجواہ کے حلقہء انتخاب کی بحالی اور دوم گندو۔ باچھ۔ جائی بھدرواہ روڈ کی تعمیر۔ موخرالذکر مطالبے کا منصوبہ بقول جناب غلام رسول آزاد (مرحوم) "۱۹۷۸ء سے زیرِ غور ہے جبکہ

اِس سڑک کی سروے کرائی گئی تھی۔'' وہ لکھتے ہیں کہ ''ٹھاٹھری کلہوتران روڈ کے بعد اِس سڑک کی تعمیر پر بہت زور دینے کی ضرورت ہے۔''

بھدرواہ اور بھلیس کے

قدیم تجارتی' ثقافتی اور سماجی رِشتے:

بھلیس کا علاقہ بہ شمول علاقہ بونجواہ زمانہ قدیم سے لے کر ۱۹۸۲ء تک وادی بھدرواہ کا ایک جزو لاینفک رہا ہے۔ یہ علاقے دیرپا تجارتی' ثقافتی' تعلیمی' سماجی اور اِنتظامی رِشتوں میں بندھے ہوئے تھے۔ اِن بندھنوں کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے اِس علاقے کے مشہور مجسمہ ساز مسٹر اِندر منہاس اپنے ایک جذبات بھرے انگریزی مضمون ''بھدرواہ - کاہرا روڈ' ایک تحفہ جبکہ بھدرواہ- کلہوتران روڈ ایک انعامی تحفہ کے مترادف ہوگی'' میں یوں رقمطراز ہیں:

''بھدرواہ اور بھلیس کافی عرصہ تک ایک دُوسرے کے ساتھ بڑے قریبی رِشتوں میں بندھے رہے۔ اِن کی تجارت مشترک تھی۔ اِن کے تعلقات مشترک تھے۔ اِن کا ہائی سکول مشترکہ تھا۔ اِن کا اِنتظامی ڈھانچہ مشترک تھا لیکن یہ رِشتے آہستہ آہستہ ماند پڑنے لگے۔ پہلے بھلیس میں بہت سے ہائی سکول کھلنے' پھر کچھ اِنتظامیہ کے دفاتر کھلنے کی وجہ سے آخری ضرب تب پڑی' جب ٹھاٹھری۔ گندو روڈ تعمیر ہوئی۔ اِس سڑک نے ہمارے تجارتی تعلقات منقطع کر ڈالے۔ دونوں علاقوں کے درمیان سماجی تعلقات کو ختم کر ڈالا۔ لوگوں کے باہمی روایتی میل جول کو زک پہنچا۔ ایک ہی کنبے کی طرح رہنے والے لوگ اجنبی سے دِکھائی دینے لگے۔ بعد میں وہ ڈِگری کالج میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے آتے تھے جن میں غلام نبی آزاد جیسی ایک قابل فخر اور ممتاز شخصیت بھی شامل ہے۔ بھلیس میں اب ایک کالج کی بھی منظوری دی گئی ہے اور گندو کو ایک

مکمل سب ڈویژن کا درجہ دیا گیا ہے۔ ڈسٹرکٹ کورٹ اور ڈسٹرکٹ جیل ابھی بھدرواہ میں ہی ہونے کی وجہ سے بھدرواہ کی طرف اب ماسوائے مقدمہ باز لوگوں کے اور کوئی شخص (وہاں سے) بھدرواہ نہیں آتا۔"[1] اِن رِشتوں کی تجدید کی خاطر اُنہوں نے بھدرواہ، شریکھی، کلہوتران روڈ براستہ قطار دھار بنائے جانے کی تجویز پیش کی ہے۔

دُوسری طرف بھلیس کے معروف اُستاد اور نثر نگار مسٹر غلام رسول چوگانی اپنے دِل کی بھڑاس اِن الفاظ میں نکالتے ہیں:

"بھدرواہ اور بھلیس ایک ہی سکے کے دو رُخ ہیں۔ شیر کشمیر نے بہ حیثیت وزیر اعلیٰ جموں و کشمیر ۱۹۸۶ء میں بھدرواہ سے علاقہ بھلیس اور دراب کو الگ کر کے تحصیل گندو اور تحصیل ٹھاٹھری کو وجود میں لایا۔ اِس واقع کے چند برس قبل ہی ٹھاٹھری کلہوتران روڈ کی تعمیر و تکمیل سے بھدرواہ ویلی، دراب اور بھلیس سے کٹ کر الگ تھلگ رہ گئی۔ ورنہ قصبہ بھدرواہ، بھلیس، دراب اور دیگر علاقہ جات کا واحد کاروباری، تعلیمی اور اِنتظامی مرکز تھا۔ بھدرواہ اور بھلیس کے درمیان مثالی میل جول تھا۔ کاروباری وجوہات کے علاوہ بھی بھدرواہ کے لوگ بھلیس کے میلوں میں اور بھلیس کے لوگ بھدرواہ کے میلوں میں شرکت کیا کرتے تھے۔ روزمرہ کی آمد و رفت کے پیشِ نظر بھدرواہ سے بھلیس کے لیے چار سڑکیں بنائی گئی تھیں۔ ایک بھدرواہ۔ جائی ۔ بسوتہ۔ بھلیس سڑک، جو قدیم وقتوں میں بھدرواہ اور کشتواڑ قصبہ کے درمیان رابطے کا واحد ذریعہ تھی۔ دُوسری بھدرواہ ۔ جائی۔ سنوں۔ گندو۔ بھلیس سڑک اور تیسری بھدرواہ۔ جائی۔ گن تھک۔ کلہوتران۔ نیلی۔ بھلیس سڑک۔ اِس سلسلے میں قابل ذکر چوتھی سڑک بھدرواہ۔ قطاری۔ نیلی۔ بھلیس سڑک تھی ...... بھدرواہ اور بھلیس کی سطح سمندر سے بلندی یکساں ہے، اِس لیے آب و ہوا بھی یکساں اور بود و باش بھی ایک جیسی ...... بسوہلی کے بیوپاری خچروں پر سرتھل کے راستے سے بھدرواہ، کشتواڑ

[1] جے اینڈ کے رپورٹر، مئی ۲۰۰۷ء (انگریزی) ترجمہ: بشیر بھدرواہی

ڈوڈہ اور بھلیس کے لئے نمک، چائے اور گڑ وغیرہ لانے لگے اور بدلے میں یہاں سے گھی، شہد اور اناج وغیرہ لے جانے لگے۔ اِس دوران قصبہ بھدرواہ سے چند تجارت پیشہ آدمی اور کاریگر لوگ روزی روٹی کمانے کے لیے بھلیس آئے اور کچھ گھرانے ترکِ سکونت کر کے بھلیس میں آباد ہوئے......" وہ مزید لکھتے ہیں کہ "......زراعت اور مال مویشی پالنے کے علاوہ بھلیس والوں کا اہم پیشہ لکڑی چیرنا تھا، جس وجہ سے بھلیس والوں کو بھدرواہ کی "دیو فرم" اور اُس کے بعد "ملک فرم" سے واسطہ رہا، جس سے بھدرواہ اور بھلیس کے لوگوں میں دوستی کے تعلقات اور بڑھ گئے۔ ۱۹۲۴ء میں ڈوگرہ حکومت نے کلہوتران میں ایک پرائمری سکول کھلوایا۔ اُس کے چند برسوں بعد جکیاس اور ہلارن (بھلیس) میں بھی بنیادی اسکول کھلوائے۔ اُن سکولوں میں اکثر و بیشتر بھدرواہ ویلی کے اساتذہ تعینات ہوا کرتے تھے۔ ثانوی تعلیم حاصل کرنے کے لئے بھلیس کے باہمت طلبا نے بھدرواہ ویلی کا رُخ کیا، جہاں ضلع کا پہلا ہائی سکول ۱۹۲۴ء میں ہی منظور ہوا تھا۔ بھلیس کا پہلا گروپ، جو بھدرواہ اسکول میں داخلہ لینے کے لئے آیا اُس میں سرفہرست یہ نام آتے ہیں: (۱) ملک عمرالدین (۲) پروفیسر عبدالعزیز بٹ (۳) غلام رسول آزاد (۴) سلطان محمد خان (۵) کوتوال دیناناتھ بھال (۶) چوہدری نور محمد (ایم۔ایل۔سی)۔ اِن کی تقلید میں سینکڑوں نوجوانوں نے بھدرواہ میں رہنے والے لوگوں کا ہمدردانہ سلوک دیکھ کر بھدرواہ ہی میں ثانوی تعلیم حاصل کرنے کا سلسلہ جاری رکھا اور بعد ازاں ۱۹۵۵ء سے ڈِگری کالج بھدرواہ سے ہی گریجویشن کی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ یہ بھدرواہ اور بھلیس کے درمیان خوشگوار تعلقات کا نتیجہ تھا کہ بھدرواہ اور بھلیس کے درمیان متعدد رِشتہ داریاں قائم ہوئیں۔ سب سے پہلے پروفیسر عمرالدین نے بھدرواہ کے ایک معزز دیو گھرانے سے رِشتہ لیا۔ اِس کے چند برس بعد کوتوال دیناناتھ بھال نے بھدرواہ کی ایک ہیڈ مسٹرس سے شادی کی۔ مرحوم ماسٹر بہارالدین وانی اور (آنجہانی) ماسٹر گھمبیر چند نے بھلیس سے بیویاں

لائیں۔حالیہ برسوں میں بھلیس کے سینکڑوں گھرانے بھدرواہ آکر مستقل سکونت اِختیار کر رہے ہیں۔یہ بھلیس اور بھدرواہ کے لوگوں کی گہری دوستی اور بھائی چارے کا نتیجہ ہی تھا کہ مرحوم غلام رسول آزاد نے بھدرواہ میں مستقل سکونت اِختیار کی۔فی الوقت بھدرواہ ویلی کے ہر گاؤں اور قصبہ کے ہر محلے میں بھلیس یا بونجواہ کا جوان امامت کا فرض ادا کر رہا ہے۔اِسی پر اِکتفا نہیں اب ''سیاسی امامت'' پر بھی بھلیس کے جوانوں نے تسلط جمایا ہے۔ایک طرف سے لوگ اپنے نمائندہ نیاز کی خدمت پر نازاں ہیں تو دُوسری طرف اپنے مقامی وزیر اعلیٰ ''گوہر کشمیر'' غلام نبی آزاد کی فکری اور تعمیری صلاحیتوں کی داد دیتے ہیں اور اِس بات پر بھی خوش ہیں کہ آنریبل غلام نبی آزاد نہ صرف خوبصورت اِنسان اور خوب سیرت سیاست دان ہیں بلکہ اُن کے اندر ایک خوبصورت، اعلیٰ ظرف اور اعلیٰ پایہ کا ایڈمنسٹریٹر بھی ہے۔اِسی سال آزاد صاحب نے بھدرواہ کو یونی ورسٹی کیمپس دِلا کر بھدرواہ سے کی گئی چالیس سالہ حق تلفیوں کا ازالہ کرایا۔ممکن ہے مستقبل قریب میں بھدرواہ، بھلیس اور ٹھاٹھری تحصیلوں پر مشتمل ایک نیا ضلع معرضِ وجود میں آئے جس سے بھدرواہ زیادہ خوش اور خوشحال ہوگا۔''[1]

گندو کے ندی نالے:

علاقہ بھلیس کا مشہور اور اہم نالہ ''کالگنی'' کے نام سے موسوم ہے، جو کاہل جگاسر سے ہوتے ہوئے چنگا اور وہاں سے گندو پہنچ جاتا ہے۔اِس مقام پر اُس کے ساتھ کانسر نالہ مل جاتا ہے۔وہاں سے بٹھیاس کے زیریں حصے نلسُو کے مقام پر اِس کے ساتھ چلی نالہ مل کر آگے بڑھتے ہوئے کاہرہ پہنچ جاتا ہے، جہاں پرجائی سے آنے والا نالہ اِس میں شامل ہو جاتا ہے۔کاہرہ اور ملانوں کے علاقے ایک پل کے ذریعے سے ملے ہوئے ہیں۔نالہ کالگنی آگے گزرتے ہوئے دوندی کے مقام پر پہنچ جاتا ہے۔

---

1. رسالہ ''بزم'' اقبال بزمِ ادب بھدرواہ، مضمون ''بھدرواہ بھلیس'' غ.ر.چوگانی

اِس مقام پر نالہ کالنئی اِس کے ساتھ مل جاتا ہے۔ نالہ کالنئی، پاڈر اور کیتھر علاقوں سے گزرتے ہوئے بونجواہ کی طرف سے آتا ہے۔ یہ دونوں ندیاں دوندی کے مقام پر مل کر آگے ٹھاٹھری کے مقام پر دریائے چناب میں شامل ہو جاتی ہیں۔

کچھ عرصہ پہلے علاقہ بھلیس سے برآمد ہونے والی لکڑی اِن ہی ندیوں کے پانی میں بہا کر ٹھاٹھری پہنچائی جاتی تھی اور وہاں سے دریائے چناب میں بہا کر اکھنور کے مقام پر ایک بوم کے ذریعے پکڑ کر جمع کی جاتی تھی لیکن اب ٹھاٹھری کلہوتران روڈ کھلنے کی وجہ سے لکڑی مختلف مقامات سے ٹرکوں کے ذریعے سے سیدھے جموں کی منڈیوں یا سرکاری ڈپوؤں پر پہنچا دی جاتی ہے۔ اِس لکڑی کی فروخت سے حکومت کو کافی آمدنی حاصل ہوتی ہے۔ بھلیس کی خوشحالی میں اِن ندی نالوں کا کافی حصہ رہا ہے۔

نالہ بونجواہ کا نام کالنئی اِس لئے پڑا ہے کیونکہ اِس دریا کا منبع کالنئی ناگ ہے جو ایک بڑا تالاب ہے۔ اِس نالے کا پانی بہت ہی صاف و شفاف ہے۔

رنگیلا دوندی پن بجلی پروجیکٹ:

دوندی کے ساتھ ہی ایک پن بجلی گھر تعمیر کئے جانے کا منصوبہ منظور کیا گیا ہے۔ اِس میں بارہ (۱۲) میگاواٹ بجلی پیدا ہونے کی توقع ہے۔ یہ بجلی گھر نالہ کالنئی کے پانی سے ہی پایہ تکمیل تک پہنچایا جائے گا۔ نالہء کالنئی کے ساتھ دو اور نالے مل جاتے ہیں جن میں دودھیڑ اور نالہ کیھتر شامل ہیں۔ توقع ہے کہ رنگیلا دوندی کے نام سے منسوب اِس پن بجلی پروجیکٹ پر ۲۰۰۷ء سے ہی کام شروع ہوگا۔

اِس علاقہ میں نالہ کل گڈی بھی تحصیل کشتواڑ کے علاقہ شروت سروڑ سے ہوتا ہوا بطرف ٹھاٹھری آتا ہے، جو کل گڈ کے مقام پر دریائے چناب کے ساتھ مل جاتا ہے۔ یہ بونجواہ سروڑ کے علاقے کے درمیان سے گزرتا ہے۔

بھلیس کی قابل دید دھاریں اور

سیاحتی سرگرمیوں کے اِمکانات:

وادیء بھلیس یوں تو ساری کی ساری ایک صحت افزا مقام کی حیثیت رکھتی ہے تاہم اِس کے مختلف علاقوں میں بہت سے خوبصورت اور صحت افزا مقامات واقع ہیں، جو درج ذیل ہیں:

(۱) علاقہ نیلی: بھال پدری، ناگ لوٹن، گوہا ہیٹرن، تلائی ڈاگن، چونڈی میرون، سرلا، امر سنگھ پورہ، جوالی گھٹی اور روہاڑی (اپر چانٹی) کینٹھی چنیسر۔

(۲) علاقہ جلوطہ: باچھ لالو ہانی، کانسر گا برون، سرولا درائی، بھتنی، گہل کنان۔

(۳) علاقہ چلی پنگل: امرئی چاپنل، گاڑ گونڈو، مہاڑ کینٹھا چلی، کیہن، ہڈل، نرگواڑی، منوئی۔

(۴) علاقہ بسوتہ: درمن ٹانٹہ، ہوجا بھالا، گلو دھار ہلارن، جطر ون، جوڑہ بالا، سرنگہ، ملہوت، ہلارن۔

(۵) علاقہ ننوتہ: ناگنی، پیا کل درہوٹھ، چبہ نان۔[1]

اِس علاقہ کے خوبصورت اور صحت افزا مقامات کا ذِکر کرتے ہوئے کچھ دھاروں کا ذِکر ضمنی طور پر پہلے ہی آچکا ہے لیکن وہاں کی کچھ قابل دید دھاروں کا تفصیلی ذِکر قارئین کی دلچسپی کا باعث ہوگا۔ کیونکہ اِن دھاروں پر چرنے والے مال مویشی اور بھیڑ بکریوں کی بدولت اِس علاقے میں دُودھ گھی کی ندیاں بہتی تھیں اور منوں وزن کی اُون یہاں سے برآمد ہوتی تھی۔ آبادی میں اضافے کی وجہ سے ضرورت مند لوگوں نے اِن دھاروں میں نوتوڑ کر کے سرسبز و شاداب زمینوں پر ناجائز طور پر قبضہ جمالیا اور

---

[1] علاقہ بسوتہ اور علاقہ ننوتہ اب ٹھاٹھری کے ساتھ شامل کیے گئے ہیں۔

کھیتی باڑی شروع کردی، جس سے اِن دھاروں کا رقبہ سُکڑتا گیا، جس سے دُودھ اور گھی وغیرہ کی پیداوار میں کمی آگئی ہے۔

ا. ناگ لوٹن: بھال پدری کے متصل ہی بائیں جانب ناگ لوٹن نامی ایک لالہ زار ہے۔ بھدرواہ چمبہ روڈ کے نزدیک ہونے کی وجہ سے اِسے اور بھال پدری جیسی مرگوں کو سیاحت کے نقشہ پر لایا جاسکتا ہے۔ منشی رام چند پرہار نے ناگ لوٹن کی خوبصورتی اور سحر آفرین مناظر دیکھ کر ''ناگ لوٹن'' نام سے موسوم اپنی کتاب کا مسودہ مرحوم سیّد میر قاسم، سابقہ وزیراعلیٰ ریاست جموں وکشمیر کو پیش کیا تھا، جسے پڑھ کر قاسم (مرحوم) نے کلھوتران ناگ لوٹن روڈ تعمیر کرانے کے احکامات صادر کئے تھے لیکن بدقسمتی سے حکومت کی تبدیلی کی وجہ سے اُن کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا۔ توقع ہے کہ آزاد صاحب کی موجودہ حکوت اِن مقامات کو بھی ٹورسٹ ڈیولپمنٹ اتھارٹی کے ذریعے سیاحتی نقشے میں لاکر اِنہیں بھلیس وغیرہ سے اچھے راستوں سے جوڑنے کی سعی کرے گی۔ کچھ لوگ بھال پدری اور ناگ لوٹن کو ایک ہی مرگ تصوّر کرتے ہیں۔ مرحوم عبداﷲ خان طالب، وفا بھدرواہی (مرحوم) اور غلام رسول چوگانی وغیرہ نے بھال پدری اور ناگ لوٹن پر بہت اچھی نظمیں قلم بند کی ہیں۔

۲. گوھا دھار: مسٹر غلام رسول چوگانی نے لکھا ہے کہ یہ ''دھار، بھال پدری کے مشرق میں بینہ (گواڑی) بس اڈے سے بارہ کلومیٹر کی دُوری پر اور نو ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ہے جب کہ اِس کے اُوپر پیٹرن ٹاپ کی بلندی ۱۳۰۰۰ رفٹ ہے۔ پیٹرن ٹاپ نو دس ماہ برف سے ڈھکا رہتا ہے۔ اِس کے سامنے علاقہ کاہل جگا سر اور روہاڑی دھار قریب نظر آتی ہے۔ اِس ٹاپ سے ہم ڈلہوزی کو بھی دیکھ سکتے ہیں۔ گوھا دھار ڈھلوان شکل میں ایک اُونچے پلیٹ فارم کی طرح ہے۔''

قسم قسم کی جڑی بوٹیوں اور رنگ برنگے پھولوں کی حامل گوھا دھار جنگلات سے گھری ہوئی ہے۔ قدرتی مناظر کی دِلفریبی اور دِلکشی کی وجہ سے یہ بہت مشہور ہے۔

دُوسری دھاروں اور مرگوں کی طرح اِس میں بھی گوجر لوگ موسم گرما میں اپنا مال مویشی چراتے رہتے ہیں۔ اِس دھار کے بائیں طرف ڈاگن دھار اور جشو دھار اور بائیں جانب تعابر کی چوٹی ہے۔

۳. روہاڑی دھار: یہ دھار بس سٹینڈ بینہ گواڑی سے تقریباً دس کلومیٹر دُور اور ۷۰۰۰ فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ اِس کے جنوب میں کاہل جگاسر (بھلیس) کا سرحدی گاؤں ہے۔ مغرب میں گوہا دھار اور اِس کے نشیبی حصے میں گوہا گاؤں ہے۔ اِس دھار کے شمال میں موضع اَلنی ہے۔ روہاڑی دھار چھ کلومیٹر لمبی اور اوسطاً دو کلومیٹر چوڑی ہے۔ فطرت کی پُر فریب رعنائیوں کی مظہر اِس دھار کو ایک صحت افزا مقام اور سیاحتی مرکز کے طور پر ترقی دی جاسکتی ہے۔ بھلیس کے عوام اِسی جگہ پر گلمرگ کی طرح ہی گنڈولے لگوائے جانے کی مانگ کررہے ہیں تا کہ اِس دلفرب اور حسین وجمیل دھار کی سیاحتی حیثیت اور بھی نمایاں ہوسکے۔

۴. چونڈی دھار: یہ دھار بھال پدری سے چار کلومیٹر شمال مشرق میں اور کلھوتران (بھلیس) سے چھ کلومیٹر کی دُوری پر اور سطحِ سمندر سے سات ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ یہ بھی خوبصورت ترین دھاروں میں شمار کی جاتی ہے۔ اِس دِلکش دھار سے نشوٹھن، تلائی، جوالی اور گٹھی جیسی سرحدی دھاریں صاف نظر آتی ہیں اور دُوسری طرف کینٹھی دھار کا سبزہ زار بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ کلھوتران سے بھال پدری کے لئے نزدیک ترین راستہ چونڈی دھار سے گزرتا ہے۔

۵. سوئی بگار دھار: یہ دراصل دو دھاریں ہیں جو ایک دُوسرے کے متصل ہیں اور خوبصورت ترین مانی جاتی ہیں۔ بگار کا رُخ نیلی کی طرف اور سوئی دھار کا علاقہ کاہل جگاسر کی طرف ہے۔ گواڑی اڈے سے یہ چھ کلومیٹر کی دُوری اور آٹھ ہزار فٹ کی اُونچائی پر واقع ہیں۔ اِس کے سِرے سے چلی اور منگل کے علاقے صاف طور پر دِکھائی دیتے ہیں۔ یہ دھاریں کائل اور دیودار کے سرسبز جنگلات سے گھری ہوئی ہیں

جن میں جنگلی بوٹیاں بہتات سے پائی جاتی ہیں۔

٦.ناگنی، ڈبچی اور دھموٹھ دھاریں: یہ تینوں دھاریں ایک دُوسرے کے ساتھ ملتی ہیں اور بھرتی ڈھونسہ کے عقب میں واقع ہیں۔ گواڑی (بینہ) اڈہ سے بھرتی چار کلومیٹر کی دُوری پر ہے۔ بھلیس کا قریباً بیشتر علاقہ یہاں سے نظر آتا ہے۔ بھرتی کے قابل دید میدان سے بھلیس کے موضع جات مثلاً کلہوتران' چنگا' سوتی' ٹھلورں، پورہ اور بسران کا نظارہ کیا جا سکتا ہے۔ نیلی گاؤں سے بھرتی ڈھونسہ اور ناگنی دھار تک گنڈولا کے لئے لائن بچھائی جا سکتی ہے۔

٧. کینٹھی دھار: بینہ اڈے سے کینٹھی دھار چھ کلومیٹر مغرب کی طرف ٧٠٠٠ فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ بقول چوگانی صاحب ''یہ بے حد دِلکش' عریض اور طویل مرگ ہے۔ گن تھک سے شروع ہو کر یہ گوڑ یکہ اور رلورہ بالہ تک قریباً آٹھ کلومیٹر پر پھیلی ہوئی ہے۔ اِس دھار کے نشیب میں چنیسر' چوچلو' انہاڑہ' مانڈان' بسران اور کلہوتران کے موضع جات ہیں۔ کینٹھی ٹاپ سے تحصیل کشتواڑ دِکھائی دیتی ہے۔ اِس دھار میں ''راج بائیں'' نام کا ایک ٹھنڈے پانی کا چشمہ نکلتا ہے' جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ پانڈوؤں نے اِسے اپنی جلاوطنی کے دوران بنایا تھا۔ اِس دھار میں بھی رنگ برنگے خودرو پھول اور انواع و اقسام کی جڑی بوٹیاں پائی جاتی ہیں۔''

٨.گھل دھار: بھلیس کے عین مرکز میں گھل کنان سے تھوڑی دُوری پر واقع گھل دھار سے بھلیس کے تقریباً سارے گاؤں نظر آتے ہیں۔ یہ گندو سے سات کلومیٹر اور سطح سمندر سے ٨٠٠٠ فٹ کی بلندی پر ایک دِلکش اور پُر فضا دھار ہے جس کے اِرد گرد جنگلات ہیں' جو قدرتی دولت سے مالا مال ہیں۔ مرکزی دھار ہونے کی وجہ سے یہ بڑی اہمیّت کی حامل ہے۔ اِس دھار میں جلوط علاقے کے سارے لوگ اپنا مال مویشی چرانے آتے ہیں۔

٩.کینٹھا' بوجھاڑی دھار: یہ دھار ملک پورہ بھلیس سے پندرہ کلومیٹر دُور

اور ۸۰۰۰ فٹ کی بلندی پر انتہائی دلکش اور دلفریب سرحدی دھار ہے۔ اِس کے قریب ہی مہاڑ اور مشھوڈ کی وسیع وعریض دھاریں ہیں، جن کے نشیبی حصّے میں گھنے جنگلات اِس کے حُسن کو چار چاند لگاتے ہیں۔ اِن جنگلات میں بھی قسم قسم کی جڑی بوٹیاں، رنگ برنگے پھول اور جنگلی چرند پرند بکثرت پائے جاتے ہیں۔ یہاں پر ''گگوسر'' نامی ایک اُونچی چوٹی بھی قابل دید ہے۔ اِن جنگلات کے نچلے حصّوں میں گوجر بستیاں آباد ہیں، جن کا مال مویشی اِس دھار پر موسم گرما میں چرتا رہتا ہے۔ منوکینٹھا میں کچھ پرانے زمانے کے کھنڈرات کی موجودگی یہاں پر کسی زمانے میں کسی بستی کے موجود ہونے کی طرف اِشارہ کرتی ہے۔

۱۰۔ کانسر گابرون دھار: یہ دھار باچھ دھار کے قریب علاقہ بھلیس کی ایک پُر فضا دھار ہے، جو تحصیل ہیڈ کوارٹر گندو کے جنوب میں تقریباً سات کلومیٹر کی دُوری اور سطح سمندر سے چھ ہزار فٹ کی بلندی پر تحصیل کے عین مرکز میں اور باچھ دھار کے مشرق میں واقع ہے۔ یہ بہت ہی خوبصورت اور قابل دید مرگ ہے۔ باچھ دھار کو عبور کرتے ہوئے پہلے ''لالو پانی'' کا ڈھلوانی مرگ آتا ہے جو ڈوگرہ حکومت کے دوران ایک شکارگاہ بھی رہا ہے۔ اِس کے متصل ہی کئی خوبصورت مقامات واقع ہیں، جن میں کانسر، لڈو اور درائی شامل ہیں۔ عام روایت ہے کہ مہاراجہ ہری سنگھ (مرحوم) اپنے بھلیس بھدرواہ کے دورے کے دوران ''لالو پانی'' کے مقام پر بھی ٹھہرے تھے۔ اِس دھار کے نشیبی حصّے میں بہت سے خوبصورت اور دِلکش مقامات ہیں، جن میں ایک ''ستھاڑ'' مرگ ہے۔ ڈوگرہ راج کے دوران جنگلات میں کام کرنے والے انگریز آفیسر اور ٹھیکیدار اِسی پر خیمہ زن ہو کر چیران اور ڈھلان کے کام کی ذاتی طور پر نگرانی کرتے تھے۔

۱۱۔ گاشر دھار: یہ دھار موضع بٹھیاس سے نو کلومیٹر دُور قریباً آٹھ ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ اِس کے متصل ہی امرئی چمپل کی ایک خوبصورت دھار ہے۔ اِن

دھاروں میں علاقہ پنگل کے لوگ مال مویشی چراتے ہیں۔ یہاں کے جنگلوں میں قسم قسم کی جڑی بوٹیاں بھی پائی جاتی ہیں۔ بٹھیاس۔جکیاس کے درمیان ایک موٹر روڈ کی تعمیر ہو رہی ہے۔ اگر روڈ کو چانپل تک تعمیر کروایا جاتا تو یہ سرسبز و شاداب علاقے اور دھاریں سیاحتی مرکزوں میں تبدیل کیے جاسکتے تھے۔

۱۲۔ جنطروٗن دھار: بقول مسٹر غلام رسول چوگانی ''جنطروٗن دھار علاقہ بسوتہ (بھلیس)' علاقہ دراب اور علاقہ چنتہ کی تین پہاڑیوں کا سندر مقامِ اتصال ہے۔ جہاں ایک قدرتی اسٹیڈیم بھی بنا ہوا ہے' جس میں ہزاروں کی تعداد میں لوگ ایک ساتھ دنگل وغیرہ دیکھ سکتے ہیں۔ جنطروٗن سے علاقہ سیراج نظر آتا ہے۔ یہ اِنتہائی پُرفضا اور قابل دید جگہ ہے جو کافی بلندی پر واقع ہے۔ اِس دھار کے متصل ہی جوڑہ بالا' شام دلینئی' ہلارن اور گلو دھار کے پُرفضا گاؤں واقع ہیں۔ نزدیک ہی ایک گھنے جنگل میں اور ہلارن کے مشرق میں سچل گاؤں کے بالائی حصّے میں ایک خوبصورت چراگاہ بھی واقع ہے۔'' (استفادہ: ''بھلیس کی دھاریں'' از غلام رسول چوگانی)

اِن دھاروں کے علاوہ علاقہ بھلیس کی گھٹی تلائی' جوالی' ڈگن دھار اور کئی دُوسری دھاریں اپنے قدرتی حُسن' ٹھنڈے پانی کے چشموں اور سبزہ زاروں کی وجہ سے مشہور ہوئی ہیں۔ توقع ہے کہ حکومت وقت قدرت کے اِن حسن بھرے لالہ زاروں کے درمیان مناسب رابطہ سڑکوں کی تعمیر کا اہتمام کر کے انہیں سیاحتی مقاصد کے لئے ترقی دے گی' جس سے یہاں کے عوام الناس کو بہت فائدہ ہو گا۔ بہت سی ایسی دھاروں کی بھی نشاندہی ہوسکتی ہے' جن میں گنڈولا تعمیر کرنے کے منصوبے تیار کیے جا سکتے ہیں۔ یہ پُرفضا اور دلکش مقامات اپنی دُور اُفتادگی اور حکومتوں کی عدم توجہی کی بنا پر اہلِ نظر اور حسن کے شیدائی لوگوں کی نظروں سے آج تک اوجھل رہے ہیں۔ حالیہ منظور کی گئی ٹورازم ڈویلپمنٹ اتھارٹی کا فرض ہے کہ وہ اِن مقامات کی ترقی کی طرف فوری توجہ دے تاکہ مقامی اور بیرونی سیاح اِن مقامات کی خوبصورتی اور حُسن سے

لطف اندوز ہوسکیں اور حکومت کی آمدنی میں بھی اضافہ ہو۔ مسٹر غلام نبی آزاد اِس پسماندہ علاقے کی ترقی کے لئے بھرپور کوشش کر رہے ہیں۔ اِس سلسلہ میں اُنہوں نے مرکز سے کرڑوہا روپے کی امداد حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کی ہے۔

بھلیس کی آبادی:

اِس سارے علاقے کی آبادی بکھری ہوئی ہے اور وہ بھی ڈھلوانوں اور پہاڑیوں کے اُن حصّوں میں، جہاں قابلِ کاشت زمین دستیاب ہوسکی ہے۔ علاقہ اندرونی طور پر دُشوار گزار ہے اور تھوڑے ہی مواضعات ایسے ہیں جو ہموار سی سطح پر آباد ہیں۔ ۱۹۳۱ء کی مردم شماری کے مطابق بھلیس کی آبادی بیس ہزار تھی جو ۱۹۹۱ء میں ۴۹۲۱۷ اور ۲۰۰۱ء میں ۵۸۰۳۷ نفوس تک پہنچ گئی۔ ۲۰۰۱ء میں یہاں کی کُل آبادی میں سے ۲۹۹۰۷ مرد اور ۲۸۱۳۰ خواتین تھیں۔ اِس تحصیل کا کُل پیمائشی رقبہ ۲۶۱۴۸ ایکڑ ہے۔

بھلیس میں ماڈل وِلیج کی منظوری:

ریاست میں ایک سو ساٹھ (۱۶۰) ماڈل ولیج (نمونے کے گاؤں) تعمیر کئے جانے کی منظوری دی جاچکی ہے جن میں سے بھلیس کے لئے اِبتدائی طور پر دو گاؤں چُنے گئے ہیں جن میں ایک گونڈو (جکیاس) میں اور دُوسرا موضع نالی بونجواہ میں ہوگا۔ اِن میں صحت، تعلیم، بجلی، پینے کے صاف پانی، حفظان صحت کی سہولیات، انٹرنیٹ سے جڑے ہوئے اِطلاعاتی مراکز، تفریح گاہیں اور کھیلنے کے میدان فراہم کئے جائیں گے۔ ہر گاؤں کی تجدید کاری پر بڑی لاگت آنے کا اندازہ ہے۔ یہ کام محکمہ دیہات سدھار کے ذریعے ۲۰۰۸ء کے آخر تک مکمل کیا جائے گا۔

بھلیس کا رقبہ اور پنچائتیں:

بھلیس بلاک کا رقبہ ۱۰۲۶۷ ہیکٹر ہے اور اِس میں دس (۱۰) پنچائتیں اور چھیاسٹھ (٦٦) مواضعات ہیں۔ مسٹر محمد شریف نیاز' سابقہ وزیر برائے بجلی نے اپنے دورہ بھلیس کے دوران ۳۰/ اگست ۲۰۰۵ء کو اعلان کیا تھا کہ بھدرواہ اور بھلیس علاقوں کو سیاحتی مراکز میں بدلنے کے لئے مرکزی حکومت کو ریاستی سرکار نے ۲٦۲ کروڑ روپے کا ایک منصوبہ پیش کیا ہے جس کے منظور ہونے پر علاقہ بھلیس کے خوبصورت علاقوں کو بھی سیاحتی نقشہ پر لایا جائے گا۔ اُس روز موصوف نے کالگنی نالہ پر تقریباً دو کروڑ روپے لاگت سے تیار ہوئے پُل کا اِفتتاح کیا تھا۔

***

مرمت گلیاں یا وادیٔ کھسال

پسِ منظر:

علاقہ مرمت گلیاں، جو وادیٔ کھسال کے نام سے بھی مشہور ہے، قدیم مملکت بھدرواہ کی ایک خوبصورت وادی تھی جس کے کچھ علاقے وقتاً فوقتاً اِس سے علاحدہ کر کے ملحقہ تحصیلوں، ضلعوں یا قدیم مملکتوں کے ساتھ ملائے جاتے رہے۔

کہا جاتا ہے کہ یہ علاقہ ۵۷۷اء میں بسوہلی کے راجہ امرت پال کی فرمانروائی میں بھی رہا ہے اور گلاب سنگھ (۱۸۴۶ء - ۱۸۵۷ء) کے زمانے تک اپنی مخصوص جغرافیائی پوزیشن کی وجہ سے ایک الگ تھلگ راجواڑہ بھی رہا۔ بعد میں ۱۸۴۵ء میں مملکت بھدرواہ کو جموں کے ساتھ ملائے جانے پر یہ علاقہ بھی جموں کا ایک حصّہ بنا۔ اپریل ۱۹۴۸ء میں ضلع ڈوڈہ معرضِ وجود میں آنے پر یہ علاقہ بھی اِس ضلع میں شامل کیا گیا۔ جب کہ یہ ڈوڈہ کے علاقہ کے سمیّت ۱۹۰۹ء سے ۱۹۵۳ء تک رام بن تحصیل کے ساتھ منسلک رہا۔ ۱۹۵۲ء میں سب تحصیل ڈوڈہ کے منظور ہونے پر بھدرواہ تحصیل کے سات پٹوار حلقوں یعنی کھلینی، ملہوری، روٹ، موٹھی، منگوتہ، طروَن، شیوا اور تحصیل رام بن کے پندرہ پٹوار حلقوں کو علاحدہ کر کے اِس میں شامل کیا گیا۔ بعد میں، یعنی ۱۹۵۴ء کو سب تحصیل ڈوڈہ کو ایک الگ اور مکمل تحصیل کا درجہ دیا گیا۔ ۲۰۰۲ء تک یہ علاقہ این۔ای۔ایس بلاک عسر کے ساتھ منسلک رہا۔ اب مرمت کے لئے علاحدہ بلاک منظور کیا گیا ہے۔

قدیم کھسال کی حدود:

بقول ڈاکٹر پریتم کرشن کول ''کھسال کے لغوی معنی کھسوں کی زمین ہے' جو کشتواڑ کے جنوب مشرق سے لے کر مغرب میں وادیءِ جہلم تک پھیلی ہوئی تھی اور اِس میں سیراج اور رِگی (موجودہ بلاک عسر اور بلاک مرمت) وادیوں کی مجموعی پہاڑی حدود کے علاوہ سلال (ریاسی) کی پہاڑیاں اور راجوری پونچھ تک کے علاقے شامل تھے۔ ''راج ترنگنی'' میں کھس قبیلے کے بارے میں اکثر حوالے ملتے ہیں۔ اِس علاقہ کے آثارِ قدیمہ اور لوگوں کا ثقافتی وِرثہ پہاڑوں کے دامن میں اور میدانی حصوں میں رہنے والے لوگوں سے کافی مختلف اور بہتر تھا۔ یہ علاقہ ابھی تک اِس قبیلے کی بے شمار عمارات' پتھروں سے بنائے ہوئے مجسموں' کندہ کاری کے نمونوں' زبانوں' رسموں اور رواجوں اور روایات سے بھرا پڑا ہے۔ حالانکہ کھس لوگوں کو مبینہ طور پر غیر مہذب علاقے کے لوگ کہا گیا ہے' جس کی جموں کے میدانی حصّوں سے کوئی نسبت نہیں۔''[1]

دُوسری طرف اِس ضلع میں سفر کرنے والے ایک مغربی سیاح مسٹر آٹو روتھ فیلڈ اپنی مشہور کتاب ''وِدپین اینڈ رائفل'' میں رقمطراز ہیں کہ ''کھش لوگ کوہ ہمالیہ کے دامن اور اِس کی وادیوں میں آباد تھے۔ یہ لوگ زراعت پیشہ تھے۔ تنگ نظری اور خود غرضی سے دُور تھے۔ چنانچہ جہاں جہاں یہ لوگ آباد تھے وہاں باہر سے آئے ہوئے دُکھی لوگ آباد ہوتے گئے۔ کھشوں نے اُن کو زمینیں دیں اور آباد کاری کے لئے جو سہولیات درکار تھیں' مہیا کیں۔ آج بھی بلاک عسر تحصیل ڈوڈہ میں ''گنڈگراں'' کے متصل ایک موہڑے کا نام ''کھاسل'' ہے اور جو لوگ وہاں آباد ہیں' وہ اپنے آپ کو راجپوت کہتے ہیں۔ وقت کی رفتار کے ساتھ پہاڑی علاقوں میں رہنے والے کھش'

---

[1] ہمالین پرنسی پیلٹیز' از: پریتم کرشن کول' ترجمہ: بشیر بھدرواہی

راجپوت اور ٹھکر سلسلوں سے منسوب ہو گئے۔''[1]

پروفیسر فدا محمد حسنین اپنی کتاب ''اے کلچرل ہسٹری آف کشمیر اینڈ کشتواڑ'' میں کھس قبیلے کے بارے میں اپنی رائے یوں قائم کرتے ہیں:

''آریوں کی ایک شاخ پامیر کو عبور کر کے کاشغر اور پھر کشمیر میں داخل ہو گئی۔ وہاں سے اُس نے آہستہ آہستہ ہمالہ کے وسطی خطّے کی جانب پیش قدمی کرتے ہوئے اور مقامی باشندوں کو مطیع بنا کر کشمیر، ہماچل پردیش، گڑھوال، کمان اور نیپال کے پہاڑوں اور وادیوں میں نو آبادیاں قائم کیں۔ یہ اہم شاخ کھش کہلائی جانے لگی جنہیں کھشتری خیال کیا جاتا ہے۔ کھش دریائے سندھ کو پار کرنے کے بعد کشمیر اور کشتواڑ پہنچے۔ اُنہوں نے دونوں وادیوں کو کشمیر اور کشتواڑ کے نام دئے.....''

یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ کشمیری حکمرانوں کی فرمانروائی کے باوجود یہ علاقہ (کھسال) بانہال کے سردار ڈینگ پال یا بھیگا پال کے ماتحت تھا۔ اِس کی سرحد ڈینگ بٹل (بانہال) تک بھی پھیلی ہوئی تھی۔

ماضی قریب میں کانگڑہ کے کٹوچ راجپوتوں نے یہاں کے مقامی باشندوں کو بھگا کر یہاں اپنا تسلط جما لیا تھا اور بعد میں اٹھارویں صدی میں جموں کے رنجیت دیو نے مرمت اور کھسال کے رانوں کو مطیع کر لیا تھا۔

مرمت گلیاں کے خدوخال:

موجودہ علاقہ مرمت گلیاں اُونچی پہاڑی ڈھلوانوں، برفیلی چوٹیوں اور سرسبز شاداب جنگلوں کے درمیان، رِگی نالہ کے آس پاس کے دُشوار گزار مگر حسن بھری وادیوں پر مشتمل ہے۔ بقول مسٹر عنائت اللہ لون .... ''رِگی نالہ کے آس پاس واقع یہ ''یُو'' شکل کی وادی ریاست کا ایک پچھڑا ہوا علاقہ ہے جس کی سرحدیں ضلع اُدھم پور،

[1] بحوالہ تصویر ضلع ڈوڈہ، اسیر کشتواڑی اور تاریخ کشتواڑ، عشرت

ضلع کٹھوعہ، بھدرواہ اور رام بن تحصیلوں اور تحصیل ڈوڈہ کے دیگر مواضعات کو چھوتی ہیں۔ اِس میں کھلینی کے مقام سے ایک یک طرفہ فیئر ویدر روڈ تعمیر ہوئی ہے۔ کیونکہ یہ سارا خطہ اُونچے پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے اِس لئے یہاں تک رسائی ناممکن ہے۔ جس وجہ سے سرکاری اداروں کے کام کاج کی نگرانی کا عمل ایک کارِ دارد والی بات ہے۔ ''اِس بات کا ثبوت وزیر کمیشن کی رپورٹ ہے جس کی سفارش پر اِس خطہ کے ایک این۔ای۔ایس۔ بلاک کی منظوری سال ۲۰۰۲ء میں دی گئی تھی، جو ابھی کم سِنی کے دور سے گزر رہا ہے۔''[1]

ضلع ڈوڈہ کے جنوب مشرق میں واقع مرمت کا یہ علاقہ بہت سے گاؤں اور موہڑوں پر مشتمل ہے جن کی آبادی جھنڈوں کی صورت میں بکھری ہوئی ہے۔ یہ علاقہ جنگلات کی دولت سے مالا مال ہے۔ اِس سرسبز سونے میں دیودار، چیڑ، کائل، سل، بدلو اور دیگر قسم کے درخت شامل ہیں۔ اِس کے علاوہ اِن جنگلوں میں قسم قسم کی جڑی بوٹیاں، رنگ برنگے جنگلی پھول بکثرت پائے جاتے ہیں۔ جنگلات کی لکڑی نالہ رِگی سے مہان کے ذریعے بہا کر نیشنل ہائی وے تک لے جائی جاتی ہے۔ جو پہلے وقتوں میں دریائے چناب میں ڈال کر اکھنور کے مقام پر پکڑی جاتی تھی۔ جنگلات کی آمدنی پر مہاراجہ پرتاپ سنگھ اور راجہ امر سنگھ کے درمیان کافی دیر تک رسہ کشی رہی۔

آبادی:

علاقہ مرمت کی آبادی تقریباً تیس ہزار (۳۰۰۰۰) سے زائد نفوس پر مشتمل ہے، جو اِس کے ۱۷۰ ارکلومیٹر رقبہ میں بستی ہے۔ بقول نذیر احمد وانی، آبادی کا تناسب مسلمانوں اور ہندو فرقوں میں بالترتیب ۶۰ اور ۴۰ فی صدی کے قریب ہے۔ اِس میں پندرہ سے بیس فی صدی درج فہرست ذاتیں آباد ہیں۔ صدیوں سے یہاں کے مقامی

[1] مسٹر لون، صدر مرمت ڈویلپمنٹ فورم، کشمیر ٹائمز، ۳؍فروری ۲۰۰۷ء ترجمہ بشیر بھدرواہی

بھائی چارے کو بہ نظر تحسین دیکھا جاتا رہا ہے۔ بدقسمتی سے ۱۹۴۷ء کے فسادات کی مار یہاں کے مسلم باشندوں پر پڑی جنہیں گھر بار چھوڑ کر دُوسرے علاقوں میں بھاگ جانا پڑا۔ کچھ فرقہ پرست عناصر جموں اور اُدھم پور سے ایک سابقہ فوجی جنرل اور ڈوگرہ فوج کا ایک دستہ ساتھ لے کر سدھ مہادیو کے راستے علاقہ مرمت میں داخل ہوئے، جس وجہ سے یہاں کی مسلم آبادی اپنی جائدادیں اور مال چھوڑ کر ضلع کے دُوسرے علاقوں میں بھاگ نکلیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہاں کے کچھ بزرگ اور مقتدر ہندو اصحاب نے مسلمانوں کو یہاں سے دُوسرے مقامات کی طرف احتیاطی طور پر جانے کا مشورہ دیا تھا۔ نیشنل گارڈز کی سری نگر سے ضلع ڈوڈہ میں آمد پر اِس علاقے میں بھی باز آبادکاری کا کام شروع کیا گیا اور تب سے اب تک یہاں کے مختلف فرقے بھائی بھائی کی طرح ایک دُوسرے کی خوشی اور غم میں شریک رہتے ہیں اور یہ بھائی چارہ قابل تقلید ہے۔

لوگ، پیشے اور پیداوار:

علاقہ مرمت کے لوگ بڑے محنتی، خوش اخلاق، ملنسار اور شریف النفس قسم کے ہیں۔ عام لوگوں کا پیشہ زمینداری ہے۔ کچھ لوگ سرکاری نوکری کرتے ہیں اور کچھ لوگ مال مویشی پالنے میں مصروف رہتے ہیں۔ یہاں پر زمین نامکتفی ہونے اور آئے دِن بیروزگاری میں اضافہ ہونے کی وجہ سے لوگ ریاست اور بیرونی ریاست کے مختلف علاقوں جیسے ہماچل پردیش، پنجاب، اُترانچل اور دیگر پردیشوں میں محنت مزدوری کرنے کے لئے بالعموم موسم سرما میں چلے جاتے ہیں۔ گرمیوں میں لوگ زمینداری کے علاوہ اپنے گھریلو دھندوں میں مصروف ہوتے ہیں۔ یہاں کی عام پیداوار میں مکی، گندم، سرسوں، دالیں وغیرہ ہیں۔ اِس کے علاوہ سبزیاں بھی اُگا کر برآمد کی جاتی ہیں جو نالہ کنڈیری یا رِگی وغیرہ تک گدھوں یا گھوڑوں کے ذریعے پہنچا کر جموں بھیجی جاتی ہیں۔ اِن اشیاء کا کچھ حصہ گاڑیوں میں لاد کر کھلینی کے راستے باہر بھیجا جاتا ہے، جن

میں آلو، فراش بین، ٹماٹر، راج ماش، مٹر، کڑم، کسروڑ وغیرہ وافر مقدار میں برآمد کئے جاتے ہیں۔ یہاں کی گچھیاں، شہد، گھی، پٹو، لوئیاں اور اُونی کمبل بہت مشہور ہیں، جو لوگوں کی آمدنی کا ذریعہ بھی ہیں۔ اشیائے درآمد میں کھانڈ، چاول، آٹا، نمک، سوتی کپڑا، چائے، گڑ اور چند ایک قسم کی دالیں، خشک میوے اور دیگر مصنوعات شامل ہیں۔

لوگ مویشی بڑی تعداد میں پالتے ہیں، جن میں گائے، بھینس، بیل، گھوڑے گدھے، بھیڑ، بکریاں اور خچر شامل ہیں۔ موسم گرما میں آبادی کا بیشتر حصّہ پہاڑی ڈھوکوں کے وسیع اور عریض سبزہ زاروں میں اپنا مال مویشی چرانے کے لئے منتقل ہو جاتا ہے، جو سردیاں شروع ہونے سے پہلے پہلے اپنے گھروں کو واپس لوٹ آتا ہے۔ یہاں پر اچھے قسم کے میوے اور پھل پیدا ہوتے ہی جن میں سیب امری، ناشپاتی، اخروٹ اور بگوگوشہ آمدنی کا ایک اہم ذریعہ ہیں۔ پھلوں کی نئی اقسام پیدا کرنے کے لئے محکمہ ہارٹی کلچر تھوڑی بہت توجہ دے رہا ہے اور اب لوگ بھی اِس شعبہ میں دلچسپی لے رہے ہیں۔ موسمی لحاظ سے اِس علاقے میں سردیوں میں سخت سردی اور گرمیوں میں کچھ حصّوں میں اچھی گرمی پڑتی ہے۔ موسم برسات میں بارش بھی ہوتی ہے۔ سال کے بیشتر حصّے میں یہاں کے فلک بوس پہاڑوں پر برف جمی رہتی ہے، جو یہاں کی آب و ہوا اور پیداوار میں نمایاں حصّہ ادا کرتی ہے۔ برف پگلنے سے ندی نالوں اور چشموں میں وافر مقدار میں پانی آتا ہے۔ یہاں کے دستکاروں میں کمہار، لوہار، ترکھان وغیرہ شامل ہیں جو غالباً وادیٔ کشمیر سے یہاں آکر آباد ہوئے ہیں۔

سڑکیں اور راستے:

علاقہ مرمت قدیم زمانے سے بھالاطروَن کی طرف سے آنے والے پیدل راستے سے ملا ہوا ہے، جو غالباً محکمہ جنگلات نے بنوایا تھا۔ یہ سرسی، دیدنی، موٹھی، گوہا، باڑی اور رچھو وغیرہ دیہات کا ایک رابطہ راستہ بھی ہے۔ دُوسرا پیدل راستہ رِگی تا کنڈ

ہے جو گوہا تک جاتا ہے۔ اِس کا فاصلہ سولہ (۱۶) کلومیٹر کے قریب ہے۔ رِگی سے ہی براستہ کنڈ دُوسرا راستہ باڑی تک تقریباً سات (۷) میل لمبا ہے۔ دیگر پیدل راستوں میں کنڈ تا رُوٹ پندرہ (۱۵) کلومیٹر کی مسافت پر ہے[1]۔ اِس علاقہ میں بلگراں سے رُوٹ، بلگراں سے بہوتہ اور سرسی سے جنگوڑا وغیرہ سڑکیں تعمیر کئے جانے کے منصوبے بھی تیار کئے گئے ہیں۔

اِس وقت سب سے بڑی اور کچھ سال پہلے تیار کی گئی سڑک نیشنل ہائی وے پر واقع موضع کھلینی کو گوہا سے ملاتی ہے، جو ساڑھے چھبیس کلومیٹر لمبی ہے۔ یہ سڑک تقریباً ۳۰ ہزار لوگوں کی ضرورت پورا کر رہی ہے، جو ۱۷۰ مربع کلومیٹر رقبے میں آباد ہیں۔ اِس سڑک کو موضع درنگہ تک وسعت دی جا رہی ہے۔ کچھ عرصہ پہلے گوہا سے درنگہ تک کا دو کلومیٹر لمبا راستہ تیار کیا گیا تھا لیکن تیسرا کلومیٹر نہ بننے کی وجہ سے اُس پر صَرف کی گئی ایک کروڑ کی رقم ضائع ہوتی نظر آ رہی ہے۔ نالہ بالدری کے مقام پر اس پر ایک پُل بھی بنائے جانے کا منصوبہ تھا جس پر ابھی تک عمل درآمد نہیں ہو سکا ہے۔

اُدھم پور کے حکّام کی طرف سے سدھ مہادیو کو گوہا سے ایک موٹر روڈ کے ذریعے ملانے کا منصوبہ بھی تیار کیا گیا تھا جس پر ۶۹۲ لاکھ روپے خرچ آنے کا تخمینہ لگایا گیا تھا۔ قدیم وقتوں میں چنھنی، سدھ مہادیو اور مرمت پیدل راستہ ہی رابطے کا راستہ تھا۔ یہ سڑک بننے سے اِس علاقہ کے قدیم سیاسی، اقتصادی اور تمدنی رِشتوں کو اُدھم پور کے ساتھ اُستوار کیا جا سکتا ہے۔ اِس سے سیاحت کی صنعت کو بھی فروغ مل سکتا ہے۔

کھلینی، گوہا، درنگہ روڈ کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ اِس کی مرمت کرنے اور کشادہ کرنے کی اشد ضرورت ہے کیونکہ چند ایک سال پہلے اِس روڈ پر ایک بس حادثے میں کئی لوگ ہلاک یا زخمی ہوئے تھے۔ وہ ایک دِل دہلا دینے والا حادثہ تھا۔

---

1. استفادہ ''ڈوڈہ کی سڑکیں'' از عنایت اللّٰہ لون' (انگریزی) کشمیر ٹائمز، مورخہ ۳۰ راکتوبر ۲۰۰۷ء اور مزید تفصیلات مسٹر نذیر احمد وانی سرپنچ نے فراہم کیں۔

مذکورہ سرپنچ کے بیان کے مطابق لوگوں کی مانگ ہے کہ موضع درنگہ سے رِگی نالہ تک سرکولر سڑک تعمیر کی جائے۔ جس کے بننے سے اِس علاقہ کا کاروباری رابطہ بلا واسطہ طور پر جموں کی منڈیوں تک ہو سکے گا اور درآمد و برآمد کی اشیاء پر کافی حد تک لاگت کم ہو سکے گی اور دُوسری طرف کھلینی تک کے بڑے چکر سے لوگوں کو راحت بھی مل سکے گی کیونکہ فاصلہ میں کئی کلومیٹر کی کمی ہو جائے گی۔

قابلِ دید جگہیں:

اِس علاقہ میں قدرتی مناظر سے بھری ہوئی اور سرسبز جنگلات سے گھری ہوئیں کئی خوبصورت وادیاں، چراگاہیں اور سیر گاہیں واقع ہیں، جن کو چھوٹے سیاحتی مراکز میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ ''شب گڑھ'' کی دھار نہائت ہی پُر فریب مناظر کی آماجگاہ ہے جو سدھ مہادیو اور مرمت کی سرحد کے عین درمیان میں گلمرگ سے بھی زیادہ پُرکشش معلوم ہوتی ہے۔ یہ ایک پہاڑی راستے سے جڑی ہوئی ہے۔

علاقہ مرمت کے سلہوتہ اور حنبل مواضعات کے درمیان کھانکھ نالے میں ایک دیدہ زیب آبشار قدرت کے ایک شاہکار کے مترادف ہے جو لگ بھگ نصف کلومیٹر کی اُونچائی سے نیچے آتی ہے۔

دھیرہ ٹاپ سطح سمندر سے دس ہزار فٹ کی اُونچائی پر ایک خوبصورت مقام ہے۔ موسمِ بہار میں اِس کے رنگا رنگ پھولوں کی دِلکشی قابل دید ہے۔ اِس جگہ سے پانی ایک چشمہ کی صورت میں بہتا ہے جس کا منبع یہاں معرضِ وجود میں آیا ہوا ایک تالاب ہے۔ اِس کا پانی اِس کے مشرقی حصّوں سے بہہ کر رام نگر کی حدود میں داخل ہوتا ہے۔ دھیرہ ٹاپ میں کچھ پرانے زمانے کی مورتیاں بھی دستیاب ہوئی ہیں۔ مرمت کے دُوسرے علاقوں میں بھی کچھ مجسمے اور پتھروں سے بنی ہوئی بڑی بڑی سِلیں پائی جاتی ہیں۔ روایت ہے کہ موضع منگوتہ کنٹھی کی یہ سِلیں پانڈوؤں کے زمانے میں

بھیم سین نے تراشی تھیں۔

گوہا، کلھوتہ، سندرا، منگوتہ، رچھو، پدری اور جنبل جیسے مقامات کو بڑھاوا دے کر اچھے سیاحتی مراکز میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ موضع کلھوتہ میں قدرتی خوبصورتی کے علاوہ ایک مندر ''سوراخ ناگ'' کے نام سے مشہور ہے۔ یہ اِس علاقے میں واسکی ناگ کا پہلا مندر ہے۔ اِسی طرح چندی ماتا سے منسوب دیدنی کا مندر بھی قریباً نو ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ اِس مندر کی تعمیر نئی طرز پر کی جارہی ہے جس پر ایک کثیر رقم خرچ کیے جانے کا منصوبہ بنایا گیا ہے۔ موسمِ گرما میں یہاں ہزاروں یاتری جمع ہوتے ہیں۔ اِن جگہوں کو مذہبی سیاحت کے مراکز میں بدلا جا سکتا ہے۔ موضع کلھوتہ کو جلد ہی ایک ''ماڈل ولیج'' کے طور پر ترقی دیئے جانے کی منصوبہ بندی کی گئی ہے۔ گڑنگل کے مقام پر پتھروں سے تراشے گئے کئی چشمے بھی موجود ہیں۔ چھ چھ سات سات فٹ لمبے پتھروں کو تراش کر انہیں تیار کیا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ کھدائی کے دوران یہاں کچھ مجسمے بھی ملے ہیں لیکن نئی نسل اِن سے نابلد ہے۔

ندی نالے:

علاقہ مرمت کا سب سے بڑا نالہ رِگی سے موسوم ہے جو اِس علاقہ کے درنگہ اور بالداری نالوں کا پانی بڑی تیز رفتاری کے ساتھ بہا کر چناب میں گرا دیتا ہے۔ دُوسرا بڑا نالہ کنڈیری کہلاتا ہے جو عسر اور جنھی کے درمیان سے گزر کر چناب میں شامل ہو جاتا ہے۔ لوگا نالہ اور سرناڈری نالہ ایک دُوسرے کے ساتھ بجیر اور لوگھا نالوں کے سنگم پر مل کر ہی رِگی نالہ کا نام پاتے ہیں۔ اِس کے ساتھ ارتھوڑا نالہ مغربی حصّے کی طرف سے اُدھم پور کی سرحدی ڈھلوان سے نیچے آ کر موضع گھبّر کے نچلے حصّے میں رِگی نالہ سے مل جاتا ہے۔ نالوں کے اِس جائے سنگم کو دوّ کھڈو کہتے ہیں۔ مشرق کی طرف سے بہوتہ گاؤں کے شروع ہونے کے مقام سے گزرنے والا پانی نالہ درنگہ کے ساتھ مل کر

درنگہ کے مقام پر ہی رِگی نالہ کے ساتھ مل جاتا ہے۔ اُدہم پور کی سرحدوں سے اِس طرف موضع بہوتہ سے نیچے آنے ولا پانی شُنشالہ' دُوکھڈُو' لوگھا اور نادری نالہ کے راستے رِگی سے مل جاتا ہے۔

صدر مقام:

علاقہ مرمت کا صدر مقام گوہا ہے' گو کہ اِس کے بڑے گاؤں بہوتہ اور حنبل ہیں۔ یہاں پر ایک ہائر سکینڈری سکول ایک ڈسپنسری' نیابت کا دفتر اور این.ای.ایس بلاک وغیرہ قائم کئے گئے ہیں۔ این.ای.ایس بلاک سال ۲۰۰۲ء میں منظور ہوا ہے جس کے ساتھ اٹھارہ (۱۸) پنچائتیں شامل کی گئی ہیں جن کے نام مہوری' حنبل' سرسی' موٹھی-اے' موٹھی-بی' موٹھی-سی' منگوتہ-بی' گوہا اور پربل لبڑ ہیں۔ بلوریہ کمیٹی نے جولائی ۲۰۰۷ء میں اِسی علاقہ کی نیابت کو تحصیل کا درجہ دئے جانے کی سفارش کی ہے۔

یہاں کے کچھ دفاتر ابھی نیشنل ہائی وے کے کھلینی کے مقام پر کام کر رہے ہیں' جنہیں گوہا منتقل کرنے کی مانگ کی جاتی رہی ہے۔ اِن میں نیابت' سی.ڈی.پی.او وغیرہ کے دفاتر شامل ہیں۔ مرمت کا رینج آفس بھی کھلینی میں ہی قائم ہے۔

ڈویلپمنٹ فورم نے یہاں پر بلاک لیول کے ایسے سبھی دفاتر کھولنے کی مانگ کی ہے' جو ابھی تک اِس بلاک میں موجود نہیں ہیں۔

تعلیمی پیش رفت:

اِس علاقہ میں آج تک بہت سے تعلیمی اِدارے قائم کئے گئے ہیں جن میں ہائی سکینڈری گوہا' ہائی سکول منگوتہ' ہائی سکول باڑی' ہائی سکول بہوتہ' ہائی سکول بُلند پور' مڈل سکول رُوٹ' مڈل سکول سیوٹ' مڈل سکول رانکا' مڈل سکول موٹھی' مڈل سکول لبڑ اور کئی پرائمری سکول شامل ہیں۔ تاہم مجموعی طور پر یہاں تعلیمی حالت اچھی نہیں ہے۔

باہر کے اساتذہ سڑکوں اور رہائشی سہولیات کی کمی کی وجہ سے اِن دُور اُفتادہ جگھوں پر جانے سے کتراتے ہیں۔[1] پھر بھی لوگوں کا مطالبہ ہے کہ کچھ مزید ہائی سکولوں کا درجہ بڑھا کر اُن کو ہائر سیکنڈری کر دیا جائے اور مڈل سکولوں کو ہائی سکولوں کا درجہ دیا جائے تاکہ بچوں کو تعلیمی سہولیات گھروں کے نزدیک فراہم ہو سکیں۔

اِس علاقے کا تعلیمی بلاک ''عسر'' کے مقام پر واقع ہے جو یہاں سے میلوں دُور ہے۔ مسٹر عنائت اللہ لون کے مطابق ''عسر'' کے تعلیمی بلاک میں ۱۴۰ تعلیمی ادارے کام کر رہے ہیں جن میں سے پچاس فی صدی سے زیادہ یا تو مرمت بلاک میں پڑتے ہیں، نہیں تو پھر اُن ملحقہ دیہات میں قائم ہیں جو مرمت بلاک میں شامل ہیں۔ عسر کے بلاک ایجوکیشن آفیسر (زونل ایجوکیشن آفیسر) کو (اِن حالات میں) سکولوں کا معائنہ کرنے کے لئے ۱۰ سے ۶۵ کلومیٹر تک کا فاصلہ طے کرنا پڑتا ہے۔ اگر مرمت بلاک کے لئے ایک زونل دفتر اِس کے صدر مقام گوہا کے لیے الگ طور پر منظور کیا جائے تو مرمت بلاک کے سارے تعلیمی ادارے صفر سے ۱۳ کلومیٹر کی رینج میں آتے اور اِس طرح سے فاصلہ موجودہ ۱۰ سے ۶۵ کلومیٹر کے مقابلہ میں ۱۰ سے ۵۰ کلومیٹر تک کم ہو جاتا۔''[2]

اِس علاقے میں سب سے پہلا سکول ۱۹۳۷ء میں بھوتہ کے مقام پر کھولا گیا تھا جو کسی دُوسری جگہ سے یہاں منتقل ہوا تھا۔ یہ گاؤں رقبہ کے لحاظ سے سب سے بڑا گاؤں ہے جس کا کل رقبہ ۱۳۲۲۷/۱ ایکڑ ہے جس میں سے ۱۱۱۵۱/۱ ایکڑ جنگلاتی اور باقی خشک اور آبی زمین پر مشتمل ہے۔ یہاں پر ایک ڈِگری کالج کھولے جانے کا مطالبہ زور پکڑ رہا ہے۔ نیز سکولوں کی عمارات تعمیر کرنے اور اساتذہ فراہم کرنے کی اشد ضرورت بھی محسوس کی جا رہی ہے۔

---

[1] یہ اطلاعات مسٹر نذیر احمد دانی سرپنچ نے فراہم کی ہیں۔

[2] مسٹر عنائت اللہ لون، انگریزی مراسلہ، کشمیر ٹائمز، ۳۰ فروری ۲۰۰۷ء

دیگر مسائل اور مشکلات:

یہ علاقہ بھی باقی دُور اُفتادہ علاقوں کی طرح ہی سڑکوں، بجلی اور صاف پانی کی فراہمی سے کافی حد تک محروم رہا ہے۔ یوں تو کچھ مقامات پر بجلی کے کھمبے نصب کئے گئے ہیں لیکن لوگوں کی عام شکایت ہے کہ یہ علاقہ عموماً شام ہونے کے بعد اندھیرے کی چادر اوڑھ لیتا ہے جبکہ ضلع کے باقی علاقے بجلی کے قمقموں کی روشنی سے منوّر ہو جاتے ہے۔ بجلی نہ ہونے کی وجہ سے سب سے بڑا نقصان طالب علموں کا ہوتا ہے۔ ایک اِطلاع کے مطابق بارکوٹ، کوٹلی، چروٹ، سندرداس، بونتھا موضع جات اور پربل علاقے کا ڈھیرا موضع ابھی تک بجلی کی نعمت سے محروم رکھے گئے ہیں گو کہ حکام ہر دَور میں بجلی کی فراہمی کے وعدے کرتے آئے ہیں۔ یہی حال صاف پانی فراہم کرنے کا ہے۔

مسٹر دیو اِندر سنگھ رانا نے، جو اِس علاقے سے تعلق رکھتے ہیں اور اِس وقت آئین ساز کونسل کے نیشنل کانفرس کی طرف سے رُکن ہیں، ہر سال اپنے کانسٹی چیونسی فنڈ میں سے اِس علاقے کی بنیادی ضروریات کی کمی کو پورا کرنے کے لئے دس لاکھ روپے دینے کا وعدہ کیا ہے۔

ماڈل وِلیج کلھوتہ:

موجودہ ملی جلی سرکار نے مرمت کے خوبصورت گاؤں کلھوتہ کو ایک نمونے کے گاؤں ''ماڈل وِلیج'' میں تبدیل کرنے کا فیصلہ کیا ہے جس کی تجدید کاری اور دیگر سہولیات فراہم کرنے پر لاکھوں روپے خرچ ہوں گے۔ اِس گاؤں میں صحت، تعلیم، بجلی، پینے کا صاف پانی، حفظان صحت کی سہولیات کے علاوہ ایک اِطلاعاتی مرکز، تفریح گاہ اور کھیل کے میدان وغیرہ کی سہولیات فراہم کی جائیں گی۔

تحصیل ٹھاٹھری

تحصیل بھدرواہ کی نئی حد بندی اور
تحصیل ٹھاٹھری کی تشکیل:

جیسا کہ پہلے بھی ذِکر کیا جا چکا ہے کہ ۱۹۸۸ء میں تحصیل بھدرواہ کی نئی حد بندی عمل میں لائی گئی جس کے نتیجہ میں بھدرواہ تحصیل میں شامل دو نیابتوں یعنی نیابت گندو (بھلیس) اور نیابت ٹھاٹھری کو علیحدہ کر کے اُن دونوں کو تحصیل کا درجہ دیا گیا۔ یہ دونوں علاقے مملکتِ بھدرواہ کے اہم ترین حصّے تھے۔ علاقہ بھلیس میں ۱۹۶۰ء سے قبل ایک نیابت (ذیلی تحصیل) قائم تھی اور اِسی طرح سے ٹھاٹھری کے مقام پر کچھ عرصہ پہلے لوگوں کی تکالیف اور اِنتظامی ضرورت کے پیشِ نظر نیابت کا ہیڈ کوارٹر قائم کیا گیا تھا۔ ۱۹۸۱ء کی نئی حد بندی کے تحت نیابت گندو کے تین پٹوار حلقوں کو نئی منظور شدہ تحصیل ٹھاٹھری میں ضم کیا گیا جن کے بالترتیب نام حلقہ پٹوار جوڑہ، حلقہ پٹوار ملانوں اور حلقہ پٹوار کنسُو ہیں۔ اِسی طرح سے حلقہ جوڑہ کے چھ موضع جات جوڑہ خورد، جوڑا کلاں، شامدلینی، گوئلہ ہلارن، سرنگہ اور ہوجہ بالا، حلقہ ملانوں کے آٹھ موضع جات ملانوں گوگاڑہ، ترہنکل، ٹانٹہ، چبہ، گوئلہ دروٹھ باٹھری، پیاکل، ڈوگرون نئی تشکیل شدہ تحصیل ٹھاٹھری میں مِلا دئے گئے۔ اِسی طرح سے تحصیل بھدرواہ کے آٹھ پٹوار حلقوں کو بھی الگ کر کے اِس نئی تحصیل میں شامل کیا گیا جن کے نام بالترتیب حلقہ بھیجہ،

حلقہ رکالی' حلقہ پانشئی' حلقہ بھلارہ' حلقہ جگوتہ' حلقہ کانڈوت اور حلقہ جنگلواڑ ہیں۔نئی تحصیل کا صدر مقام ٹھاٹھری کے نام سے ہی موسوم ہوا' جو جموں سے ۲۰۱ کلومیٹر' بھدرواہ سے ۶۰ کلومیٹر' پُل ڈوڈہ سے ۲۹ کلومیٹر' کشتواڑ سے ۲۹ کلومیٹر اور گندو بھلیس سے ۳۰ کلومیٹر کی دُوری پر واقع ہے۔ٹھاٹھری نیشنل ہائی وے (بٹوت۔ کشتواڑ) پر واقع ہونے اور اپنے مرکزی محل وقوع کی وجہ سے ایک تجارتی مرکز کے طور پر اُبھر رہا ہے۔غیر مُلکی سیاحوں کے سفرناموں میں اِس علاقہ کو ''جنگلواڑ'' سے ہی منسوب کیا گیا ہے۔دراصل ایک زمانے میں ٹھاٹھری رہائش کے لئے یا کاشتکاری وغیرہ کے لئے کوئی موزوں جگہ نہ تھی کیونکہ دریائے چناب سے آنے والے طوفانوں نے اِسے ہمیشہ ایک ریگزار کی ہی صورت بخشی تھی اور نہ ہی اِس کے اِردگرد کوئی قابلِ کاشت زمین دستیاب تھی ۔پیدل راہوں میں آنے والے پڑاؤں میں اِس کے قرب و جوار میں ٹپری' بڈانوں' چیڑہ اور جنگلواڑ جیسے دیہات تھے' جو یہاں سے کچھ ہی دُور اور اُونچائی پر واقع ہیں۔جنگلواڑ کے مقام پر ایک پولیس چوکی بھی ہوا کرتی تھی۔

کچھ تواریخی کتب میں ٹپری جنگلواڑ کا ذِکر بطور جاگیر بھی آیا ہے۔عین ممکن ہے کہ باقی چھوٹے راجواڑوں کی طرح یہ علاقہ کسی وقت کانڈوت کے سردار گھمبیر سنگھ کے ماتحت بھی رہا ہو' جن میں رانا یا ٹھکر قبیلے بھی بستے تھے جو اپنے اپنے علاقوں میں حکومت کرتے تھے۔

صدر مقام ٹھاٹھری:

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ ٹھاٹھری پہلے کوئی جگہ نہیں تھی۔یہاں زمانہ قریب میں کچھ گھر آباد ہو گئے اور اِس موہڑہ کا نام ''ہوسی'' پڑ گیا۔قدیم زمانہ میں موضع ٹپری اور اِس کے ملحقہ موضع جات آمد و رفت کے مراکز تھے۔موٹر روڈ کی تعمیر سے پہلے اِن موضع جات میں سے لوگ بطرفِ بھدرواہ یا تو چیٹرہ' جوڑہ' جائی کے علاقوں سے

گزر کر آتے جاتے یا پھر موضع جات جنگلواڑ، کانڈوت، بھیلا سے ہوتے ہوئے ڈوڈہ اور بٹوت کی طرف اُن کی آمد و رفت رہتی۔ بھدرواہ کے لئے دُوسرا پیدل راستہ پانتھان، جگوتہ اور چراہلہ سے ہوتا ہوا بھالڑہ کر ساڑی سے گزر کر بھدرواہ قصبہ کی طرف جاتا تھا۔ وادیٔ کشمیر اور کشتواڑ سے آنے والے لوگ اِن ہی راستوں سے بھدرواہ اور وہاں سے بسوہلی، بلاور، چمبہ یا پنجاب کے علاقوں میں آتے جاتے تھے۔ اِسی طرح سے بیرونی علاقوں سے آنے والے لوگ بھدرواہ پہنچ کر یہی راستے اِختیار کر کے کشتواڑ سے سنتھن عبور کر کے وادی کی طرف جاتے تھے۔ لوگ زیادہ تر پیدل سفر کرتے تھے ورنہ گھوڑوں اور خچروں کو سواری اور بار برداری کے کام میں لایا جاتا تھا۔

وجہ تسمیہ:

اسیر کشتواڑی نے بحوالہ عبدالحکیم زرگر اِس جگہ کی وجہ تسمیہ یوں تحریر کی ہے:

''ایک خیال یہ ہے کہ ٹھاٹھری کے مقام پر زمانہ قدیم ہی سے جنگلوں کے شہتیروں کو اِکٹھا کیا جاتا تھا۔ پوری طرح گنتی کرنے کے بعد اِن سلیپروں کو دریائے چناب میں ڈالتے تھے۔ ٹھاٹھری میں لکڑی کے ٹھاٹھ نظر آتے تھے۔ ٹھیکیداروں نے پہلے اِسے ''ٹھاٹھر'' اور بعد میں ''ٹھاٹھری''، یعنی ٹھاٹھوں کی جگہ کہنا شروع کیا۔ چنانچہ یہی نام مشہور ہو گیا۔'' (بحوالہ ''تصویرِ ضلع ڈوڈہ'' ص:۷۶)

ٹھاٹھری نام پڑنے کی یہی وجہ دُرست معلوم ہوتی ہے۔ ٹھاٹھری کا قصبہ بہت بارونق ہے۔ قومی شاہراہ بی-ون اِس کے بیچوں بیچ سے گزرتی ہے، جس کے دونوں طرف سینکڑوں دوکانیں تعمیر ہوئی ہیں۔ زمین کی کمی کی وجہ سے لوگوں نے سڑک کے بائیں طرف چناب کے کنارے تک مکانات اور دفتر وغیرہ تعمیر کئے ہیں اور دائیں طرف کی پہاڑی دوکانوں اور مکانوں سے بھر گئی ہے۔ گاڑیوں کا اڈہ موجود نہ ہونے کی وجہ سے لوگوں کو کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہاں گاڑیوں کی بہت زیادہ

آمد و رفت سے بازار میں بھی بھیڑ ناقابلِ برداشت حد تک بڑھ گئی ہے۔ بہت سے ٹی سٹال اور ہوٹل بھی برلبِ سڑک تعمیر ہوئے ہیں۔ یہاں پر ایک تحصیل آفس، ایک سب ڈسٹرکٹ ہسپتال، جموں و کشمیر بنک، ٹریجری، ہائر سکینڈری سکول، ایک مڈل سکول، زونل ایجوکیشن آفیسر، بلاک ڈوپلپمنٹ آفیسر، اسسٹنٹ انجینئر اریگیشن، اے.ای. پبلک ہیلتھ، تحصیل سوشل ویلفیئر آفیسر اور کئی دیگر محکموں کے دفاتر اور عمارتیں موجود ہیں۔ اِس جگہ کے لئے اب ایک ڈِگری کالج کی مانگ بھی کی جا رہی ہے۔

سڑک کے قریب ہی پہاڑی کی طرف ایک جامع مسجد زیر تعمیر ہے۔ ٹھاٹھری کے آخری حصّہ میں ایک شیوجی کا مندر بھی بنایا گیا ہے، جہاں ایک میٹھے پانی کا چشمہ بھی ہے۔ پہلے پہل باہر کے کچھ مہاجن یہاں آ کر بس گئے تھے اور اُنہوں نے یہاں اپنا کاروبار شروع کیا تھا۔ بعد میں آس پاس کے مسلمانوں نے بھی دوکانیں تعمیر کر کے اپنی روزی روٹی کمانا شروع کی۔ اِس قصبہ کی رونق تو آئے دِن بڑھ رہی ہے لیکن مناسب طور پر پیشاب خانوں اور پاخانوں وغیرہ کا اِنتظام نہ ہونے کی وجہ سے لوگوں کو رفعِ حاجات میں مشکلیں پیش آ رہی ہیں۔ بازاروں میں گندگی کے ڈھیر پڑے نظر آتے ہیں اور نالیاں بھی کیچڑے۔ سے بھری رہتی ہیں۔ یہاں مجموعی طور پر صفائی ستھرائی کی طرف توجہ نہیں دی جا رہی۔ ہے۔

آبادی:

۲۰۰۱ء کی مردم شماری کے مطابق اِس تحصیل کی کُل آبادی ۴۲۶۸۶ نفوس پر مشتمل ہے، جس میں ۲۱۸۰۴ مرد اور ۲۰۸۸۲ خواتین شامل ہیں۔ جنسی لحاظ (نسبت) سے ایک ہزار مردوں کے مقابلے میں ۹۵۸ خواتین اور لڑکے لڑکیوں کا تناسب ۱۰۰۰ نسبت ۹۳۳ پایا گیا۔ ہے۔ ترقیاتی بلاک کی سطح پر کل آبادی ۷۵۰۸۴ ہے، جس میں ۳۸۹۳۸ مرد اور ۳۶۱۴۶ خواتین ہیں۔

تعلیمی پیش رفت:

تعلیمی لحاظ سے یہاں خواندگی کی شرح (بحوالہ مردم شماری ۲۰۰۱ء) حسب ذیل ہے۔کل پڑھے لکھے لوگ ۱۷۷۶۰ ہیں جن میں مرد ۱۲۲۹۶ اور خواتین ۵۴۶۴ ہیں۔ مردوزن کی مجموعی شرح خواندگی ۵۰٫۹۸ ہے لیکن مردوں کی شرح خواندگی ۶۹٫۳۰ اور خواتین کی شرح خواندگی ۳۱٫۹۶ دِکھائی گئی ہے۔اِس وقت تحصیل ٹھاٹھری میں سات ہائر سکینڈری سکول، کئی ہائی سکول، متعدد مڈل، سنٹرل اور پرائمری سکول کام کررہے ہیں۔تقریباً ساٹھ ہزار افراد پر مشتمل اِس تحصیل کی آبادی اِس کے ۲۸۲۴۴/ایکڑ رقبے میں پھیلی ہوئی ہے جس کا تقریباً سارا حصّہ پہاڑی ہے۔شمال مغرب میں دریائے چناب اِس کی حدود کا تعین کرتا ہے جبکہ مشرقی حصّے میں علاقہ بنون اور جنوب مشرقی حصّے میں علاقہ بھلیس پڑتا ہے۔جنوبی حصّے میں چراہلہ رینج کی حدود اِسے تحصیل بھدرواہ سے الگ کرتی ہیں۔اِس میں ابھی تک حکومت نے کوئی کالج منظور نہیں کیا ہے جس کے لئے یہاں کا مقامی ترقیاتی فورم سرتوڑ کوشش جاری رکھے ہوئے ہے۔

حدودِ اربعہ:

اِس تحصیل کا پیمائش شدہ رقبہ ۲۸۴۴۴/ایکڑ ہے۔اِس میں ایک ترقیاتی بلاک بھی کچھ سال سے کام کررہا ہے، جس کا کُل رقبہ ۳۸۵۸۴ ہیکٹر بتایا جاتا ہے۔پیمائش کے وقت اِس میں سترہ پنچائتیں اور ایک سوبیس مواضعات تھے۔یہ تحصیل کُل گیارہ پٹوار حلقوں پر مشتمل ہے جن کے نام جنگلواڑ، کنسو، ملانوں، جوڑہ، بھیجہ، رُکالی، پانشئی، بھلارہ، جگوتہ، بھیلا اور کانڈوت ہیں۔اِس کے مغرب کی طرف ایک ہموار سطح مرتفع، جو تقریباً ۲۵ کلومیٹر لمبی اور قریباً ۳ کلومیٹر خطۂ زمین پر احاطہ کئے ہے، حلقۂ دراب کے نام سے مشہور ہے جس میں موضع ٹھاٹھری بڈانوں سے تھلیلہ تک زرخیز میدانی حصّے اِس کی

قدرتی خوبصورتی کو دوبالا کرتے ہیں اور نشیبی حصّے میں ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے چناب اِس کے پاؤں دھو رہا ہے۔ حکومتِ وقت اِس سارے علاقہ کو سیراب کرنے کے لئے ضروری اِقدامات اُٹھا رہی ہے۔ توقع ہے کہ علاقہ بھلیس سے عنقریب ہی بھاری لاگت کے بعد ایک نہر لائی جا کر اِس علاقے کو سیراب کرے گی۔

جنگلواڑ اور کانڈوت کی تاریخی اہمیت:

یہاں یہ ذِکر کرنا باعثِ دلچسپی ہوگا کہ علاقہ جنگلواڑ ایک زمانے میں ضلع کے طور پر ریاست بھدرواہ کا ایک اہم ترین حِصّہ رہا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ راجہ پرتاپ سنگھ والیٔ کشتواڑ (۱۶۰۵ء تا ۱۶۱۸ء) نے جب مُغل میدان کے مقام پر مُغل فوجوں کو شکست دی تھی، اُس وقت اُس نے کشمیر وادی سے بھاگے ہوئے چک شہزادوں کو پہلے اپنی مملکت کشتواڑ میں پناہ دی تھی اور بعد میں بھدرواہ کے حکمران سے رابطہ کر کے اُنہیں ضلع صدر مقام جنگلواڑ میں ہی پناہ دِلوائی تھی۔ اِس طرح موجودہ تحصیل ٹھاٹھری کے علاقہ کانڈوت کی بھی بڑی تاریخی اہمیّت رہی ہے، جس کا ایک الگ راجواڑہ تھا۔ بعد میں راجہ تیغ محمد سنگھ والیٔ کشتواڑ کے لواحقین کو بھی علاقہ ٹپری جنگلواڑ میں پناہ ملی تھی۔

قابلِ دید مقامات اور ٹھاٹھری ڈویلپمنٹ فورم کے مطالبات:

تحصیل ٹھاٹھری بہت سے سیاحتی مقامات سے بھی بھرا پڑا ہے جن کی ابھی تک کسی قسم کی تشہیر نہیں ہوئی ہے۔ اُن خوبصورت اور دِلکش مقامات میں ست ڈل، بھلارہ بنگلہ، سبھار دھار، جنطر وان، رہوشری دھار، روہو ڈل، بھوگڑ اگ، گلوکڈ، چمپا ہن دھار اور لموت وغیرہ مشہور ہیں۔ اِسی طرح مذہبی لحاظ سے اہم مقامات میں بنگلہ ناڑ کا

آستانہ، ناگ ناگنیوں کے تیرتھ، چھمندن دُرگا اور کالی ماتا کے منادر (شکتی شالائیں)، بابا بدھی داس کی سمادھی یہ مقام جنگلواڑ اور گُندھی میں سدھ بابا لال دیو کی سمادھی وغیرہ شامل ہیں، جہاں بہت سے زائرین اور یاتری ہر سال آکر اپنی عقیدت مندی کا اظہار کرتے ہیں۔ یہاں یہ کہنا مناسب ہوگا کہ اِس علاقے کا ہر ایک سیاحتی مقام کسی نہ کسی مذہبی بابا یا دیوی دیوتا سے منسوب ہے۔ اِس لئے ایسے مقامات کو مذہبی سیاحت کے تحت ترقی دی جاسکتی ہے۔ اِس کے علاوہ یہ سارا علاقہ جنگلات سے گھرا ہوا ہے، جس میں چھوٹے پیمانے پر بجلی بھی پیدا کی جاسکتی ہے۔ اِس علاقہ کی زرخیزی کو مدنظر رکھتے ہوئے اِس میں زراعت، ریشم کے کیڑے کی صنعت، باغبانی، پھولبانی، پشو پالن جیسے پیشوں کو بڑھاوا دینے کی کافی ضرورت ہے۔ اس کے جنگلاتی رقبے میں جڑی بوٹیاں اور گچھیاں بڑی کثرت سے پائی جاتی ہیں۔ چراہلہ رینج سے ہر سال لاکھوں روپے کی مالیت کی عمارتی لکڑی برآمد کی جاتی ہے۔ اِتنا کچھ ہونے کے باوجود پچھلی حکومتوں نے اِس تحصیل کے بڑھاوے اور ترقی کے لئے کوئی خاطر خواہ دھیان نہیں دیا ہے، جس وجہ سے یہ سارا علاقہ ابھی تک بھی پسماندہ ہے۔ اندورنی طور پر اِس میں رابطہ سڑکوں کی بہت ضرورت ہے۔ یہاں کے ترقیاتی فورم کے مطابق اِس تحصیل کو تین اسمبلی حلقوں میں بانٹا گیا ہے اور اِس کے لئے مختص کردہ رقومات کو ''ڈوڈہ اور کشتواڑ'' تحصیلوں کی ترقی کے لئے خرچ کیا جاتا ہے۔ یہاں کے سکول، ڈسپنسریاں، بجلی کا ترسیلی نظام وغیرہ سٹاف کی کمی، ادویات کی عدم دستیابی اور عمارات، سامان اور دیگر سہولیات کے فقدان کے ساتھ ساتھ محکموں کے سربراہوں کی طرف سے اچھے قسم کے معائنہ اور نگرانی کے نظام کی عدم موجودگی کی وجہ سے تسلی بخش طور پر کام سرانجام نہیں دے پاتے۔ اُن کا مزید کہنا ہے کہ صرف چراہلہ - کاہرہ روڈ کی ہی تعمیر سے تقریباً ساری تحصیل کو اندرونی طور پر رابطہ قائم کرنے میں مفید ثابت ہوسکتی تھی، جو خوبصورت سیاحتی مقامات سے گزرتے ہوئے گندو تحصیل کے لئے بھی ایک متبادل ہائی وے کا کام دیتی۔ اِس سڑک

پر ۱۹۸۰ء میں سنگل لائن ایڈمنسٹریشن کے تحت کام شروع کیا گیا تھا لیکن اِس پر تھلیلا تک ہی چار کلومیٹر تعمیر ہونے کے بعد کام بند کر دیا گیا اور ان ۲۷ سالوں میں پونیجہ تک اِس کے پانچویں کلومیٹر کا کچھ تھوڑا سا کام مکمل کیا گیا ہے۔ موجودہ چیف منسٹر غلام نبی آزاد صاحب نے اِس سڑک کی تکمیل کا کام اب پھر سے شروع کروا دیا ہے۔ مذکورہ فورم جس کی سربراہی اوم پرکاش ٹھاکر کر رہے ہیں' نے حکومتِ وقت کے سامنے اپنے میمورنڈم میں ٹھاٹھری کے لئے ایک علیٰحدہ حلقۂ انتخاب منظور کرنے' اِس علاقہ کو قانون سازیہ کے دونوں ایوانوں میں نمائندگی دینے' رابطہ سڑکوں کی تعمیر' بلاک ٹھاٹھری کو تین بلاکوں میں تقسیم کرنے' ٹھاٹھری میں ڈِگری کالج اور آئی.ٹی.آئی منظور کئے جانے کی مانگ کی ہے۔

لوگ اور پیشے:

تحصیل ٹھاٹھری کے سب حِصّوں کے لوگ شریف النفس' زِندہ دل' ذہین' بیدار مغز' دین دار' محنتی' خوش شکل اور اچھے اوصاف کے مالک ہیں۔ ماسوائے ٹھاٹھری خاص' اِس تحصیل کی بیشتر آبادی کا پیشہ زمینداری اور مال مویشی کی پرداخت ہے۔ البتہ لوگ فوج میں ملازمت کرنے کے بھی اِبتداء ہی سے خواہش مند رہے ہیں۔ بہت سے لوگ سرکاری ملازمت اِختیار کئے ہوئے ہیں' جن میں اکثر مدرسین' کلرک' ڈاکٹر' پولیس آفیسر' انجینئر اور دیگر سرکاری پیشوں کے کاموں میں مصروف العمل ہیں۔ لوگ مزدور پیشہ بھی ہیں اور ٹھیکیدار بھی۔ آبادی کا کچھ حصّہ جنگلاتی کاموں میں مصروف رہتا ہے۔ کچھ لوگ گھریلو دھندوں میں جُٹے رہتے ہیں جیسے اونی کمبلوں اور پٹو کی بُنائی' شہد کی مکھیاں پالنا اور باغبانی وغیرہ۔ یہاں کے کچھ اشخاص فوج میں اچھے عہدوں پر فائز رہے ہیں۔ علاقہ دراب کی سرزمین بڑی مردم خیز ہے جس نے بہت سی نامور شخصیات کو جنم دے کر اِس کی شہرت کو عروج تک پہنچایا ہے۔ اُن اصحاب میں مسٹر ست لال

کوتوال، ریٹائرڈ چیف انجینئر، مسٹر رام لال راؤ جیسے ماہر تعلیم، مسٹر جیالال کوتوال جیسے ذہین وفطین پرنسپل ڈگری کالج اور ماہر تعلیم، مسٹر پورن چند بھگت ریٹائرڈ ڈی.ای، مسٹر ڈونی چند بھگت ریٹائرڈ پرنسپل ہائر سکینڈری سکول، مسٹر پریم لال بھگت پرنسپل ہائر سکینڈری سکول، مسٹر سوامی راج پرنسپل، مسٹر اوم پرکاش راؤ پرنسپل، ڈاکٹر سلیم (سرجن آرتھو)، متعدد ہیڈ اساتذہ صاحبان اور تعلیمی آفیسر، پولیس آفیسر، بلاک آفیسر، ڈسٹرکٹ ویلفیئر آفیسر، کلرک حضرات، کامریڈ حضرات بھوری چند ڈپٹی سیکریٹری بورڈ، کامریڈ کوتوال ہرنام سنگھ (مرحوم) اسسٹنٹ سیکریٹری وغیرہ اور کئی دیگر ملازمین، سیاستدان، وکلاء اور ٹھیکیدار شامل ہیں۔ مسٹر اوم پرکاش ٹھاکور یہاں کی ترقیاتی کمیٹی کے سربراہ ہیں، جو اِس علاقے کی ترقی اور لوگوں کی فلاح و بہبود کے لئے سر توڑ کوشش کر رہے ہیں اور مشہور قلم کار اور صحافی بھی ہیں۔

یہاں کے لوگ گانے بجانے کے بھی شوقین ہیں۔ میلوں، تہواروں اور شادی بیاہ کے موقع پر علاقہ کی رونق دیدنی ہوتی ہے۔ عام طور یاتراؤں کے دِنوں میں وہ لوگ اچھے اچھے لباس پہن کر ناچتے گاتے ہوئے سبھار دھار اور ریویو شرو کے مندروں کی طرف کوچ کرتے ہیں لیکن کبھی کبھار دیسی شراب کی مستی کچھ بدمزگی بھی پیدا کرتی ہے۔ تاہم عام لوگ اِس کے عادی نہیں ہیں۔ لوگ آپسی بھائی چارے میں یقین رکھتے ہیں۔ ایک دُوسرے کی شادی غمی میں شریک ہوتے ہیں۔ رسم ورواج وہی ہیں جو وادیٔ بھدرواہ کے قدیم حِصّوں میں مروّج تھے۔ علاقہ میں ہریجن بھی کافی تعداد میں آباد ہیں جن کی معاشی حالت اُتنی خراب نہیں ہے۔ سب لوگ اپنے بچوں کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کرنا چاہتے ہیں۔ تعلیم نِسواں کی طرف بھی کافی دھیان دیا جارہا ہے۔ سکولوں میں بچوں کی تعداد آئے دِن بڑھ رہی ہے لیکن اِن کی عمارتیں نامکتفی اور شکستہ ہیں۔ اِس طرف خاص توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

یہاں کے لوگ شعر وادب میں بھی دِلچسپی رکھتے ہیں۔ یہاں کے شعراٗ

حضرات میں جلال الدین تسکینؔ بڈھانوی ضلع کے اچھے شعراٗ میں شمار ہوتے ہیں۔
سیاسی میدان میں بھی یہاں کے باشندوں کی دِلچسپی بڑھ گئی ہے۔ مقامی سیاست دانوں میں مسٹر پورن چند بھگت' بی. ایس. پیٔ صادق حسین کچلو (مرحوم) انڈین نیشنل کانگریس اور بشیر احمد زرگر نیشنل کانفرنس سے تعلق رکھتے ہیں۔ مسٹر محمد حسین آباد بھی نیشنل کانفرنس کے سرگرم کارکن ہیں۔

پیداوار:

ٹھاٹھری کے زرخیز علاقے میں گندم' جو اور پہاڑی حِصّوں میں زیادہ تر مکی' راجماش اور دیگر قسم کی دالیں پیدا ہوتی ہیں۔ چاول پانی کی نایابی کی وجہ سے بہت کم پیدا ہوتا ہے۔ یہاں کا شہد اور گچھیاں بہت مشہور ہیں۔ چناب کے ساتھ والے علاقے میں انار دانہ بھی ملتا ہے۔ پھلوں میں سیب' ناشپاتی' آڑو' خوبانی' اخروٹ اور بہی مشہور ہیں۔ گرم حِصّوں میں سنگترہ اور لیموں بھی پایا جاتا ہے۔ لوگ گوشت' مچھلی اور انڈوں کا بھی اِستعمال کرتے ہیں۔ یہاں دُودھ کی پیداوار اچھی ہے' اِس لئے اِس کا اِستعمال بھی دہی اور پنیر کی شکل میں کیا جاتا ہے۔

ٹھاٹھری کے بالائی سرد علاقوں میں سردیوں میں پٹو کے کوٹ اور دُوسرے گرم کپڑوں کا اِستعمال ہوتا ہے۔ مقامی طور پر گرمیوں میں سرد لباس اور ریڈی میڈ سوٹ زیادہ پہنے جاتے ہیں۔ خواتین میں نئے فیشن اور ڈیزائنوں کے کپڑے پہننے کا رواج عام ہوگیا ہے۔

***

وادئ کیلاڑ

وادئ کیلاڑ:

علاقہ مرمت کھسال اور وادئ بھدرواہ کے درمیان میں اور نالہ نیرو کے مغرب کی طرف بہت ہی خوبصورت اور گھنے جنگلات سے گھری ہوئی وادی' وادئ کیلاڑ کہلاتی ہے۔ یہ علاقہ دیودار' کائل' چیڑ' سل اور دُوسری قسم کی جنگلاتی لکڑی کے لئے مشہور ہے۔ نالہ ءبن گڑھ اِس کے بیچوں بیچ نکل کر اِس کی زرخیز زمین کو سیراب کرتے ہوئے بھالا کے مقام پر دریائے نیرو کے ساتھ جاملتا ہے۔ اِس نالہ کے پانی کا بہاؤ قدیم وقتوں سے ہی جنگلات کی لکڑی کی آسان ترسیل کے لئے موزوں رہا ہے۔ آج تک ارب ہا روپے کی لکڑی اِسی نالے سے مہانؔ کے ذریعے اِس علاقہ کے مختلف مقامات سے بھالا تک لائی جاتی رہی جو اُن وقتوں میں نالہ نیرو میں ڈال کر دریائے چناب میں بہادی جاتی تھی۔ اب بھالا سے یہ لکڑی ٹرکوں کے ذریعہ جموں کی منڈیوں میں بھیجی جاتی ہے۔ حالیہ دور میں اندرونی رابطہ سڑکوں کے تعمیر ہونے سے لکڑی مختلف مراکز سے بلاواسطہ طور پر جموں روانہ کی جاتی ہے۔ نالہ ءبن گڑھ اِس حسین اور زرخیز وادی کو سیراب بھی کرتا ہے اور اِس کا حُسن بھی دوبالا کرتا ہے۔ پانی کی بہتات کی وجہ سے اِس علاقہ میں دھان کی پیداوار اچھی ہوتی ہے۔ یہاں کے چاولوں کا فاضل حصّہ ڈوڈہ ضلع کے مختلف مقامات کی منڈیوں میں بھیج دیا جاتا ہے۔ اِس کے علاوہ یہاں مکی' دالیں' سرسوں اور سبزیاں وغیرہ بھی بہتات میں پائی جاتی ہیں۔ جنگلی جڑی بوٹیاں اور گچھیاں یہاں کے لوگوں کے روزگار اور آمدنی میں اہم رول ادا کرتی ہیں۔ شہد' راج ماش'

سیب اور دُوسرے قسم کے پھل یہاں بہتات میں پائے جاتے ہیں جو باہر کی منڈیوں میں بھیجے جاتے ہیں۔

یہاں کے لوگ بہت ملنسار، خوبصورت، محنتی اور تعلیم یافتہ ہیں۔ لوگوں کا عام پیشہ زمینداری ہے لیکن بہت سے تعلیم یافتہ لوگ سرکاری ملازمت اِختیار کیئے ہوئے ہیں۔ کچھ لوگ اچھے عہدوں پر کام کرر ہے ہیں۔ کیلاڑ کے لوگ سیاسی طور پر کافی بیدار ہیں اور مذہبی شعور بھی رکھتے ہیں۔ عموماً امن پسند اور مہمان نواز ہیں۔ یہاں کا بھائی چارہ قابلِ رشک رہا ہے۔ مقامی طور پر یہاں ایک ہائر سیکنڈری اسکول، ایک ڈسپنسری، پولیس پوسٹ، شفاخانہ حیوانات، زونل ایجوکیشن آفس، نیابت اور کئی مڈل اور پرائمری اسکول ہیں۔ بھالا تعلیمی زون میں اِس وقت ۶۸ تعلیمی اِدارے قائم ہیں (جو سرکاری اِدارے ہیں)۔ اِس زون میں مجموعی طور پر ۳ ہائر سیکنڈری اسکول، ۶ ہائی اسکول (جن میں ایک گرلز ہائی اسکول بھی ہے)، ایک لوئر ہائی اسکول، ۱۴ مڈل اسکول اور ۴۲ پرائمری اسکول واقع ہیں۔

اِس علاقے میں ایک نہر بھی عوامی حکومت نے تعمیر کی ہے۔ لوگوں نے نجی طور پر دھان، تیل اور اون صاف کرنے کی مشینیں نصب کرر کھی ہیں۔ اِس کے علاوہ لکڑی چیرنے کی مشینیں بھی لگائی گئی ہیں۔ بھالا کے مقام پر کچھ پولٹری فارم بھی کھولے گئے ہیں۔

راجہ ناگ پال دوم کے دور کے کچھ سال بعد پانگئی (ہماچل پردیش) کے رُودر پال رانا کے کنبے کے کچھ لوگ سلہی سے علاقہ کیلاڑ کی طرف چلے آئے تھے۔ پہلے پہل وہ بھدرواہ میں وارد ہوئے اور پھر بعد میں ملوٹھی اور طروَن کے درمیانی علاقہ میں آباد ہوئے۔ یہ ایک خوبصورت ترین وادی ہے جس میں بن گرڑھ نالہ بہتا ہے۔ نئے باشندوں نے علاقہ چمبہ کی کیلاڑ وادی کے نام سے ہی اِس علاقہ کا نام کیلاڑ رکھا۔

اِس علاقہ میں سیاحتی سرگرمیوں کو فروغ دینے کی کافی گنجائش ہے کیونکہ یہ

علاقہ قدرتی مناظر، ندی نالوں، جھرنوں، پھولوں، پھلوں، سرسبز وشاداب چراگاہوں اور گھنے جنگلات کی قدرتی دولت سے مالا مال ہے۔ یہ ٹریکنگ اور دیگر قسم کی مہم جویانہ مشاغل کے لئے بھی موزوں ہے۔ خواجہ غلام نبی آزاد کی ملی جلی سرکار نے اِس علاقہ کو سیاحتی نقشہ پر لانے کے لئے بہت سے اِقدامات کیے ہیں جن میں اندرونی رابطہ سڑکوں کی تعمیر، موضع کھلینی (کیلاڑ) کو ایک سیاحتی مرکز میں تبدیل کرنے، وہاں پر فیبری کٹیڈ ہٹس تعمیر کرنے، قدرتی مناظر سے لطف اندوز ہونے کے لئے مناظر گاہ اور پارکیں تعمیر کرنے جیسے منصوبے شامل ہیں۔ کھلینی کے مقام پر آزاد صاحب نے حکومت کی طرف سے ہر سال سیاحتی میلہ لگائے جانے کا فیصلہ کیا ہے جو سیاحتی سرگرمیوں کے فروغ کے لئے ایک موزوں قدم خیال کیا جاتا ہے۔[1]

***

[1] علاقہ کیلاڑ کی ممتاز شخصیات کا ذکر اگلے صفحات میں کیا گیا ہے۔

سیاحتی سرگرمیوں کا زرّیں دور

(ا) قدیم راجواڑہ شاہی

بھدرواہ میں سیاحتی سرگرمیاں:

قدیم مملکت بھدرواہ کے متنوع، رنگارنگ اور حسین وجمیل خدوخال کو کوئی مقامی ''کلہن'' اِس کے سیاحتی یا منفرد ثقافتی تناظر میں برصغیر ہندو پاک یا بیرونِ ہند متعارف تو نہیں کروا سکا اور نہ ہی پچھلے ساٹھ سالوں میں کسی بھی عوامی سرکار نے اِس دُورافتادہ علاقے میں کسی قسم کی سیاحتی سرگرمی کا آغاز کیا۔ شائد اِس ایک وجہ سے کہ کہیں وادیٔ کشمیر کو سیاحتی لحاظ سے کوئی نقصان نہ اُٹھانا پڑے۔ البتہ کچھ مغربی سیاحوں کی حُسن شناس نظروں نے یہاں کے فطری حُسن کا مشاہدہ کر کے اپنی تحریروں میں اِس مملکت کی کچھ دیدہ زیب اور دِلفریب منظر گاہوں، چراگاہوں، لالہ زاروں، سرسبز وشاداب جنگلات، آب وہوا، پیداوار، محل وقوع وغیرہ کے علاوہ لوگوں کے رہن سہن کے بارے میں بڑے غیر جانبدار طریقہ سے مقدور بھر ذِکر کر کے اِن وادیوں کے قدرتی مناظر کی تعریف کی ہے جنہیں پڑھ کر بھی حکومت کے کسی اہلکار یا وزیر کے کان پر جوں تک نہیں رینگی۔ چہ جائے کہ اِن حسین وادیوں کو وادیٔ کشمیر کی طرح سیاحتی نقشہ پر لانے کی کوشش کی جاتی۔ اِن وجوہات کی بناء پر یہ دِلکش مقامات سیاحوں اور قدرتی مناظر کے پرستاروں کی نظروں سے اوجھل ہی رہے۔ اِس تناظر میں ہمیں فریڈرک ڈریو، جی۔ ٹی۔ وائن، چارلس ایلی سن، بیٹس، ہیچی سن اور رووگل جیسے مغربی سیاحوں اور کلہن جیسے قدیم

مورّخ کے اُن رشحاتِ قلم کا شکر گزار رہنا چاہیے جن کے ذریعہ اُنہوں نے اِن علاقوں کو ہندوستان اور مغربی دُنیا سے متعارف کروایا۔

بھلا قدرت کب تک اپنے قدرتی معجزوں کو حکومتوں کی بے قدری اور تغافل کا شکار رہنے دیتی۔ خدائے بزرگ نے اِس مملکت کے ہی ایک نوجوان کو اپنی فطری تربیت گاہ اور بھدرواہ اور بھلیس کے سرکاری اِداروں سے تحصیلِ علم کے بعد سری نگر اور جموں میں اعلیٰ تعلیم کے ایسے مواقع فراہم کئے کہ وہ اولاً ریاستی سیاست اور بعد میں ملکی سیاست کے اُفق پر ایک روشن ستارے کی مانند نمودار ہوا اور ملکی سطح پر بے شمار سیاسی عہدوں پر فائز رہ کر نومبر ۲۰۰۵ء کو ریاست جموں و کشمیر کے وزیر اعلیٰ کے عہدہ پر جلوہ افروز ہوا۔ غلام نبی آزاد نے وزیر اعلیٰ کی کرسی سنبھالتے ہی ریاست کے پسماندہ اور دُور افتادہ علاقوں، جو صدیوں سے ترقی کے ہر شعبے میں نظر انداز کئے جاتے رہے تھے، کی ترقی کے لئے منصوبے تیار کروائے اور اُن میں سے ایسے علاقوں کو سیاحتی نقشہ پر لایا جن میں ایسی سرگرمیوں کی کافی گنجائش تھی۔ ظاہر ہے کہ صوبہ جموں کے بہت سے علاقے ان منصوبوں میں شامل کئے گئے۔ اِس سلسلہ میں سیاحتی سرگرمیوں کے اِمکانات کا جائزہ لینے کے لئے آزاد صاحب اور مفتی محمد سعید کی ملی جُلی سرکار نے ضلع ڈوڈہ (اب جو تین ضلعوں پر مشتمل ہے) اور ریاست کے باقی ضلعوں میں مختلف مقامات پر مقامی طور پر ترقیاتی اتھارٹیوں کا قیام عمل میں لایا، جن کے ذِمہ ترجیحی بنیادوں پر سیاحتی سرگرمیوں اور دیگر ترقیاتی کاموں کی مرحلہ وار منصوبہ بندی کر کے اُن پر عمل درآمد کرنا تھا۔

اِسی سلسلہ کی کڑی کے طور پر بھدرواہ کے لئے بھی ایک بااِختیار ترقیاتی اتھارٹی کا قیام عمل میں لایا گیا جس کے سربراہ مسٹر طلعت پرویز مقرر ہوئے۔ اِس اتھارٹی نے فروری ۲۰۰۶ء سے اپنا کام شروع کیا جس کی آزاد صاحب بذاتِ خود رہنمائی کر رہے ہیں۔ فی الحال ہر اتھارٹی کو اِن منصوبوں کی تکمیل کے لئے ۲۰/۲۰

کروڑ روپے کی رقم فراہم کی گئی ہے۔توقع ہے کہ آزاد سرکار کی طرف سے منظور کروائے گئے پٹھانکوٹ ۔بسوہلی ۔بنی ۔بھدرواہ ۔ڈوڈہ ٹھاٹھری ۔ کشتواڑ سنتھن ٹورسٹ سرکٹ کے ذریعے اِن علاقہ جات کو وادی کے اننت ناگ ضلع سے ملا دیا جائے گا۔یہ اِن علاقوں کی سیاحتی سرگرمیوں کے فروغ کے لئے اہم ترین قدم ہے۔ بھدورہ کو اندورنی طور پر رابطہ سڑکوں سے ملانے کے منصوبوں پر عمل درآمد کرنے کے علاوہ یہاں کے متعدد دیدہ زیب اور سیاحتی اہمیّت کے مقامات کو ترقی دی جارہی ہے اور اِن میں سیاحوں کے لئے مختلف قسم کی رہائشی اور تفریحی سہولیات (موجودہ نئے طرزِ تعمیر پر) فراہم کی جارہی ہیں۔سیاحت کے مختلف شعبوں جیسے عام سیاحت، مذہبی یا زائرین سیاحت، مہم جوئی، پیرا گلائڈنگ، رافٹنگ وغیرہ کو فروغ دیا جارہا ہے۔اِن مقامات کو مزید دِلکش اور خوبصورت بنانے کے لئے وہاں پر سیر گاہیں اور مناظر گاہیں تعمیر کی جارہی ہیں۔اِس سلسلہ میں منظوٗر شدہ رقومات کے علاوہ آزاد صاحب کی حکومت نے مرکزی سرکار کو مزید رقوم فراہم کرنے کے لئے کروڑہا روپے کے منصوبے بھیج دئے ہیں۔ چمبہ بھدرواہ روڈ کے لئے سال ۲۰۰۸ء-۲۰۰۹ء کے لئے ۴۷ کروڑ روپے کی رقم واگزار کی گئی ہے، جس سے پچاس کلومیٹر فاصلے کی سڑک کشادہ کی جائے گی۔اِسی طرح سے اِسی دوران بسوہلی۔بنی۔بھدرواہ تک کی سڑک کے ۸۰ کلومیٹر حصّے کی توسیع، کشادگی اور پُلوں کی تعمیر کے لئے ۱۶۴ کروڑ روپے کی رقم جناب آزاد صاحب نے واگزار کروائی ہے۔اِن سڑکوں کی تعمیر سے سیاحتی سرگرمیوں میں تیزی آنے کی توقع ہے۔

(ب) بھدرواہ کے قابل دیداور

صحت افزاءمقامات:

اگلی سطور میں بھدرواہ کے قابل دیداور صحت افزاءمقامات، مسحور کن مرگوں،



سیوج دھار بھدرواہ



کوہ کیلاش بھدرواہ

چراگاہوں، دھاروں اور تفریح گاہوں کا ذِکر کرنے کے علاوہ موجودہ سرکار کی طرف سے اُنہیں سیاحتی مراکز میں بدلنے کے سلسلہ میں اُٹھائے جانے والے اقدامات کی تفصیل بھی دی جائے گی۔ اُن مقامات کی قابلِ ذکر خصوصیت یہ ہے کہ یہ ایک دُوسرے کے بہت قریب واقع ہیں اور جن کے نظاروں اور فضاؤں کا کم سے کم وقت میں لُطف اُٹھایا جاسکتا ہے۔ آزاد صاحب کی حکومت نے جو اقدامات پچھلے اڑھائی سال میں اِس علاقہ کی سرگرمیوں کو فروغ دینے کے لئے اُٹھائے ہیں، اُن پر نہ صرف یہاں کے عوام بلکہ تاریخ بھی ناز کرے گی۔

کوہِ کیلاش :

وادیٔ بھدرواہ کے جنوب مغربی حصّے میں کوہِ کیلاش ۵۴ء۳۳ عرض بلد اور ۴۵ء۵۷ طول بلد کے درمیان سطح سمندر سے ۱۴۷۶۰ افٹ بلندی اور ۲۴ کلومیٹر دُوری پر واقع ہے، جو صدیوں سے ایک سنتری کی مانند بھدرواہ کو بیرونی حملوں سے بچاتا آیا ہے۔ اِس کی متعدد خوبصورت چٹانیں اور چوٹیاں تقریباً سال بھر سفید و شفاف برف سے ڈھکی رہتی ہیں، جو بھدرواہ کے فطری حسن کو دوبالا کرتی ہیں۔ برفیلی چوٹیوں پر بادلوں کے سفید گالے کیلاش کے حُسن میں اور بھی اِضافہ کرتے ہیں۔ موسمِ گرما کے آخری مہینوں میں اِن چوٹیوں پر سے برفیلی چادریں غائب ہو جاتی ہیں۔ البتہ نشیبی حصّوں میں برف گلیشیروں کی صورت میں اِس موسم کے آخر تک باقی رہتی ہے۔ کیلاش کی اُونچائیوں میں کسی قسم کے جنگل نہیں پائے جاتے، تاہم اِس کے نچلے حصّے سرسبز اور گھنے جنگلات سے گھرے ہیں۔

کوہِ کیلاش اپنی فلک بوس چوٹیوں کے ساتھ ضلع ڈوڈہ کے علاقہ، ضلع اُودھم پور اور ضلع کٹھوعہ کے بہت سے مقامات سے نہایت دِلکش میناروں کی طرح دِکھائی دیتا ہے۔ برف پر سورج کی کرنوں کی عکاسی اِنسان کا دِل موہ لیتی ہے۔ کیلاش، بسوہلی اور

بھدرواہ کے اُونچے پہاڑی سلسلہ کے درمیان میں واقع ہے اور چھتر دھار کے مغربی حصّے میں اپنی سرحد قائم کرتے ہوئے گزرتا ہے۔ اِس کی چٹانیں بالکل ڈھلوانی قسم کی ہیں اِسی لئے اُن پر زیادہ دیر تک برف نہیں ٹھہر سکتی۔ اِس کے متصل کنڈ کیلاش بہت سی چھوٹی جھیلوں کا جُھرمٹ سا ساتھ لئے ہوئے ہے۔ کیلاش یاترا کے دوران یہاں پر بڑی رونق رہتی ہے۔ اِس جگہ کو زائرین سیاحت کے مقام کے طور پر ترقی دی جارہی ہے۔

کیلاش کنڈ اور دیگر ملحقہ جھیلیں:

کیلاش پربت اور اِس کی ملحقہ فلک بوس اور برف پوش چوٹیوں کے درمیان ''کیلاش کنڈ'' کے نام سے موسوم ایک نہایت ہی خوبصورت جھیل واقع ہے' جو سطح سمندر سے تقریباً ۱۳۰۰۰ فٹ اُونچی ہے۔ اِس کی سب سے اُونچی چوٹی ۱۴۷۶۰ فٹ ہے۔ یہ جھیل قریباً ڈیڑھ کلو میٹر رقبہ پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اِس کے نیلگوں اور شفاف پانی کے اُوپر اُٹھنے والی لہریں ایک پُر کیف منظر کو جنم دیتی ہیں۔ اِس پربت پر بہت سی جھلیں ہیں لیکن کیلاش کنڈ سب سے بڑی جھیل ہے۔ موسمِ بہار کے اوائل میں اِس جھیل کی سطح آب پر چوٹیوں سے نیچے آئے ہوئے برفانی ٹکڑے تیرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ موسمِ سرما میں یہ جھیل اور دُوسری ملحقہ جھیلیں مکمل طور پر یخ بستہ ہوجاتی ہیں۔ کیونکہ یہاں کا درجۂ حرارت کئی ڈگری منفی تک پہنچ جاتا ہے یعنی صفر ڈگری درجہ سے بھی نیچے چلا جاتا ہے۔ تاہم موسمِ گرما اور برسات میں جھیل میں جمی ہوئی برف مکمل طور پر پگھل جاتی ہے اور اِس کا نیلگوں پانی اپنے اصلی رنگ میں ظاہر ہوتا ہے۔

اِس کنڈ کو مذہبی طور پر بھی بڑی اہمیّت حاصل ہے۔ اِسے ''شیو جی'' اور ''واسکی ناگ'' کا مسکن بھی کہا جاتا ہے۔ حکومت کیلاش کنڈ تک سڑک لے جانے اور یہاں پر عارضی ہٹ منٹس تعمیر کرنے کے منصوبے بھی بنا رہی ہے۔ کیلاش کنڈ کے گرد و نواح میں چھوٹے چھوٹے تالابوں کا ایک جُھرمٹ ہے جس میں نیرا' جٹا کا' کاسکا' کالی' کنڈ ناگ

وغیرہ چھوٹی جھلیں شامل ہیں۔ کیلاش کنڈ کے بارے میں جے. این. گنہر اپنی مشہور کتاب ''شرائنز اینڈ پلگریمیجز آف جموں'' میں یوں لکھتے ہیں:

''کیلاش جھیل بہت ہی خوبصورت مقام پر واقع ہے۔ تین پہاڑی چوٹیوں، جن کے درمیان یہ جھیل محفوظ ہے، اُس وقت ایک خوبصورت نظارہ پیش کرتی ہیں جب صبح سویرے سورج اپنی پہلی کرن سے اُن چوٹیوں کو چومتا ہے۔ ایسے ہی جب چاندنی اُنہیں اپنی روشنی سے نہاتی ہے۔ جھیل کے اِردگرد بنی ہوئی چٹانیں اور پتھر ایک ایسے یوگی کی طرح لگتے ہیں، جو اپنی ابدی سمادھی میں کھو گئے ہوں۔''[1]

کالی کنڈ جھیل کیلاش کنڈ سے تین چار میل کی دُوری پر ہے۔ گوکہ یہ کیلاش کنڈ سے طول و عرض میں چھوٹی ہے، تاہم موسمِ گرما میں یہ بہت ہی خوبصورت اور دِلکش نظارہ پیش کرتی ہے۔ برفیلے تودوں کے ٹکڑے اِس میں تیرتی ہوئی کاغذ کی ناؤں کی مانند دِکھائی دیتے ہیں۔ اِسے کالی کنڈ ناگ اِس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ اِس کی صورت ایک سانپ سے مشابہ ہے۔ دُوسری طرف ''شیش ناگ'' جھیل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اِس میں بھی سانپ پائے جاتے ہیں۔ اِس کے علاوہ متذکرہ بالا جھیلوں کا پانی بہت ہی ٹھنڈا، صاف اور شفاف ہوتا ہے۔ اِن جھلیوں میں کیلاش یاترا کے دوران یاتری اشنان کرتے ہیں۔ اِن سب مقامات کو یاتریوں کی دلچسپی کے لئے فروغ دیا جا رہا ہے۔

بقول مسٹر جسونت سنگھ چاڑک ''یاترا کے دوران کیلاش کنڈ اور اِس کی ملحقہ جھیلوں پر آ کر یاتریوں کو نہ صرف ذہنی سکون اور خوشی حاصل ہوتی ہے بلکہ یہ مقام کائنات کے شیدائیوں، ماہرینِ نباتات اور ارضیات، لمبے سفر کرنے والے لوگوں، پیرا گلائڈنگ کے شوقینوں، مصوروں، مجسمہ سازوں، مورّخوں اور تھکے ماندے اِنسانوں کے لئے باعث کشش بھی ہے۔''[2]

---

[1] انگریزی سے اُردو ترجمہ۔ بشیر بھدرواہی

[2] ہائٹس آف لائف، اداریہ: جسونت سنگھ چاڑک، ۲۴ راگست ۲۰۰۶ء، اُردو ترجمہ: بشیر بھدرواہی

موجودہ سرکار کیلاش کنڈ اور ملحقہ جھیلوں کو سیاحتی اعتبار سے قومی سطح کے سیاحتی نقشے پر پہلے ہی لا چکی ہے اور مقامی ترقیاتی اتھارٹی اور محکمہ سیاحت کے ذریعہ یاتریوں، سیاحوں اور دیگر لوگوں کو رہائشی اور دیگر قسم کی سہولیات فراہم کر رہی ہے۔ کیلاش اور سیوج دھار پر Fabricated Huts تعمیر کی جاتی ہیں اور ہیلی کاپٹر کے ذریعے اِن جگہوں کی سیر کرنے کا اِنتظام بھی کیا جاتا ہے۔ حفاظتی اِنتظامات یاترا شروع ہونے سے پہلے ہی کیے جاتے ہیں۔ قصبہ بھدرواہ میں "بھدرواہ میلے" کا اہتمام کر کے ملکی سطح کے سیاحوں کو اِن علاقوں کی طرف آنے کے لئے راغب کیا جاتا ہے۔ کوہ کیلاش کی طرف جاتے ہوئے یاتری دیوی ڈل، ہائن، گوپیڑا، گن اور رام ٹُند جیسے دِلفریب مقامات کے نظاروں سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

سیوج دھار، بھدرواہ کے تاج میں ہیرا:

سطح مُرتفع نُما "سیوج دھار" قصبہ بھدرواہ کے مغرب میں تقریباً ۱۵ کلومیٹر اور کیلاش کنڈ سے ۵ کلومیٹر کی دُوری اور سطح سمندر سے ۱۰۲۰۰ فٹ کی بلندی پر واقع ہے جو ایک اندازے کے مطابق ۱۰ کلومیٹر لمبے اور ڈیڑھ کلومیٹر سے زیادہ رقبہ کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ یہ بھدرواہ کی خوبصورت ترین مرگوں یا چراگاہوں میں سے ایک ہے۔ اِس میں گولر نما اُونچائیاں اور چھوٹی چھوٹی وادیاں ہیں۔ کسی صاحبِ نظر اور فطرت شناس شخص نے کیا خوب بات کہی ہے کہ "اگر گلمرگ اور پہلگام فردوس بریں کشمیر کے "لعل و جواہر" ہیں تو چراگاہ سیوج دھار "بھدرواہ کے تاج میں ہیرے" کے مترادف ہے، جو جموں خطّے کے لئے باعثِ فخر و اِفتخار ہے۔ اِس کے فطری حُسن کی وُسعتوں اور دِلفریبیوں کی کوئی اِنتہا نہیں ہے اور اِن کو الفاظ کا جامہ نہیں پہنایا جا سکتا۔ ماہ مئی سے اکتوبر مہینے کے آخر تک اِس مرگ کے نشیب و فراز میں رنگ برنگے، خودرو اور خوشبودار پھول کھل اُٹھتے ہیں جو اِس کے سرسبز و شاداب حصّوں کی خوبصورتی کو مزید

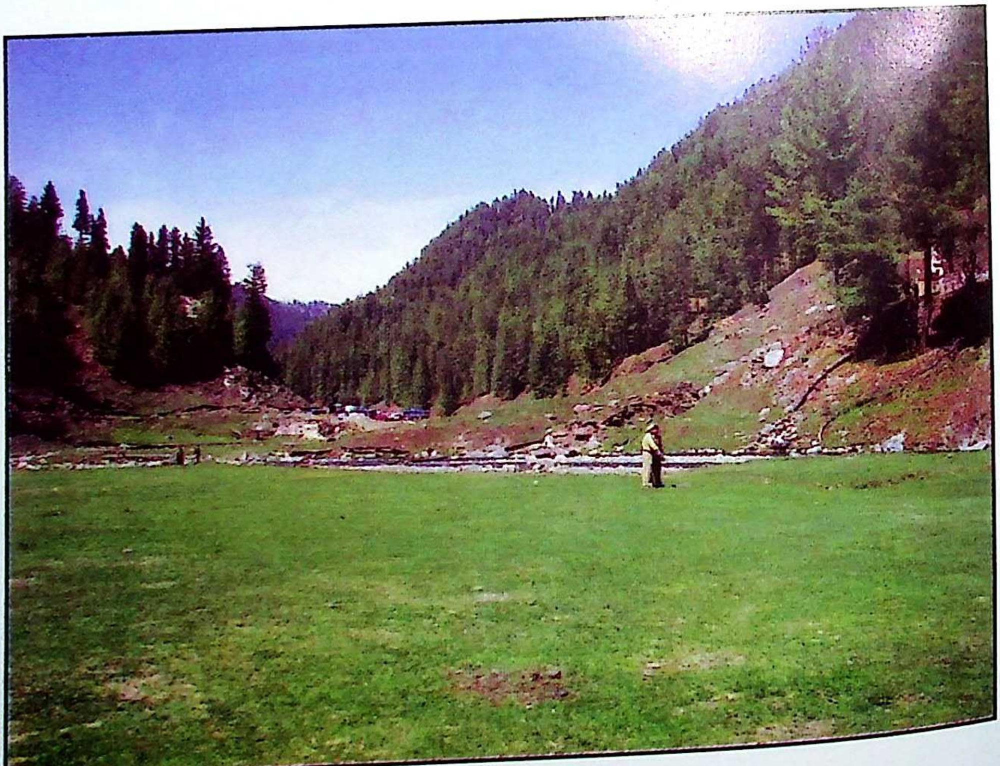
دوبالا کرتے ہیں۔ اِس دھار پر اُگنے والی نرم و ملائم قسم کی گھاس ایک مخملی چادر کی مانند اِس کے قرب و جوار کو اور بھی دِلکش بنا دیتی ہے۔ اِس دھار میں موسمِ گرما کے دوران ہزاروں کی تعداد میں مال مویشی چرتے رہتے ہیں، جن میں گائے، بیل، گھوڑے، بھینسیں اور بھیڑ بکریوں کے ریوڑ شامل ہیں۔ جنگلی پرندوں کی چہچہاہٹ بڑی خوش کن اور دِل لبھانے والی ہوتی ہے۔ یہاں پر جنگلی پرندہ نیل بھی پایا جاتا ہے۔ شمال مشرق کی طرف کیلاش کنڈ سے نکلنے والی ندی سیوج کے بیچوں بیچ نکل کر مغرب کی طرف مُڑ کر رام نگر کی طرف چلی جاتی ہے جو ''توی ندی'' کے نام سے مشہور ہے۔ یہ چھنی اور اودھم پور سے گزرتے ہوئے جموں میں داخل ہوتی ہے۔ سیوج میں اِس کے بہتے ہوئے پانی کی سرسراہٹ اور شفافی رُوح پرور اور سکون بخش معلوم ہوتی ہے۔ اِس کے چاروں طرف چیل، بدلو اور رسل کے گھنے جنگل ہیں۔ نشیبی حصّوں میں بڑے بڑے دیودار کے درخت اِس کا ہالہ کئے ہوئے ہیں۔ اِس کے مغربی حصّے کی گھاس بھری چراگاہیں رام نگر کے علاقہ کی طرف نشیبی صورت اِختیار کرلیتی ہیں۔ اِس میں انمول قسم کی جنگلی جڑی بوٹیاں پائی جاتی ہیں، جو سرکار کے لئے اچھی آمدنی کا سبب ہیں۔

سیوج دھار پر گوجر لوگوں کے بڑے بڑے کوٹھے جابجا پائے جاتے ہیں، جو عموماً لکڑی کے بڑے بڑے شہتیروں اور مٹی کے بنے ہوتے ہیں۔ یہ لوگ موسمِ گرما میں چند ماہ کے لئے پنجاب اور دیگر علاقوں سے آکر یہاں رہائش پذیر ہوجاتے ہیں۔ گوجروں کے علاوہ یہاں کے مقامی لوگ، گدی چرواہے اور زمیندار لوگ مال مویشی کے ساتھ اِس بسیط و کشادہ چراگاہ میں ڈیرے ڈال کر کچھ ماہ گزار لیتے ہیں۔ رام نگر، ڈوڈو، بسنت گڑھ کے علاوہ بسوہلی کے لوگ بھی سیر و تفریح کی غرض سے یہاں آتے رہتے ہیں اور کچھ مال مویشی کو چرانے کی غرض سے بھی۔ یہ لوگ مختلف پیدل راستوں سے یہاں پہنچ جاتے ہیں۔ بھدرواہ قصبہ کی طرف سے بھی ایک پیدل راستہ محلّہ قلعہ سے ہوتے ہوئے سیوج پہنچ جاتا ہے، جس پر موسمِ گرما میں گوجر لوگوں کی آمدورفت

سے کافی رونق بڑھ جاتی ہے۔ گوجروں کی مستورات اِسی راستے سے ہر روز دُودھ، دہی، پنیر اور کلاڑیاں قصبہ بھدرواہ کی طرف لاتی ہیں اور اِن مصنوعات کو بیچ کر اپنی ضروریات کی چیزیں یہاں سے خرید کر لے جاتی ہیں۔ جبکہ اُن کے مرد بھینس اور دیگر مال چراتے رہتے ہیں۔ مسٹر اے. کے. بھنہ نے سیوج دھار کو ''جموں کا گلمرگ'' کہا ہے۔ کیلاش یاترا کے دوران یاتریوں کا بیشتر حصّہ پہلی رات سیوج دھار کے اِسی حصّہ میں گزارتے ہیں جو کیلاش کے نشیب میں واقع ہے۔ یہاں کیلاش کی نسبت بہت کم سردی ہوتی ہے اور یہ رہائش کے لئے موزوں بھی ہے۔ اِس دھار سے ہمالیائی سلسلۂ کوہ کی بہت سی چوٹیوں کا نظارہ کیا جا سکتا ہے، جو نہایت ہی خوبصورت اور حسین لگتی ہیں۔ ''چھتر گلا'' کیلاش کے قریب ہی ایک خوبصورت دھار ہے جو بھدرواہ اور بسوہلی کی سرحدی حدود پر واقع ہے۔ بھدرواہ کی ترقیاتی اتھارٹی اور محکمہ سیاحت اِس دھار کو بھی ایک سیاحتی مرکز اور صحت افزا مقام کے طور پر فروغ دینے کی طرف پوری توجہ دے رہے ہیں۔ اس کام میں اِن محکموں کو جناب غلام نبی آزاد وزیر اعلیٰ کی ذاتی رہنمائی اور تعاون حاصل ہے۔ توقع ہے کہ یہ خوبصورت مقام مُلکی اور بین الاقوامی سطح پر جلد ہی شہرت حاصل کرے گا۔ آزاد صاحب نے اِسے سیاحتی نقشہ پر لا کر بہت سے مقامی اور مُلکی ٹریول ایجنٹوں کے ذریعے سیاحوں کو راغب کرنے کے لئے پچھلے تین سالوں میں بہت سے اِقدامات اُٹھائے ہیں، جن میں ہیلی کاپٹر سروس کا شروع کیا جانا، یہاں پر خیمے اور فیبری کیٹڈ ہٹس نصب کروانا، بار برداری اور سواری کی سہولیات فراہم کرنا، سیاحوں کے قیام کے لئے قصبہ اور اِس کے گرد و نواح میں رہائشی سہولیات کا اہتمام، صنعتی مصنوعات اور سنگتراشی و مصوری کے فنون کی نمائش، تمدنی اور کلچرل پروگراموں کا انعقاد، مقامی میلوں، کُشتی اور دیگر کھیلوں کا اہتمام وغیرہ شامل ہیں۔ بھدرواہ کے خوبصورت مقامات کی سیاحتی افادیت کے پیش نظر آزاد صاحب نے بہت سے مرکزی وزرا، سیاسی شخصیات کے علاوہ حال ہی میں صدر جمہوریۂ ہند محترمہ پرتبھا



ٹانٹھی بھدرواہ



جائی بھدرواہ

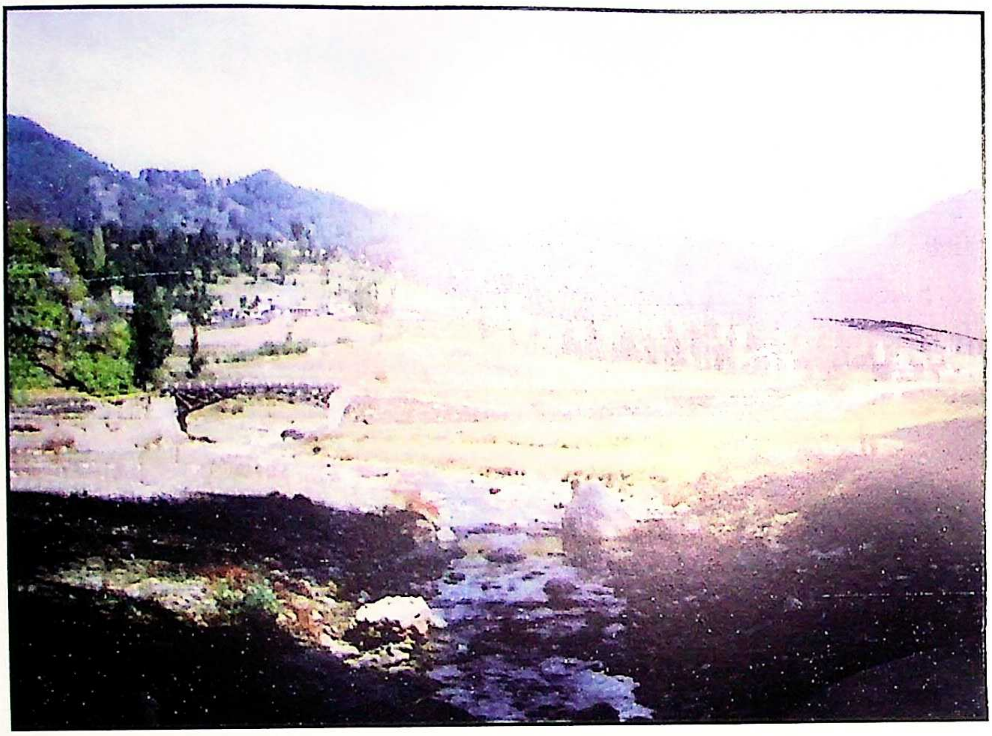
دیوی سنگھ پاٹل تک کو اِن مقامات کی سیر کروائی اور مرکزی محکمہ سیاحت سے یہاں کی سیاحتی سرگرمیوں کے لئے کروڑ ہا روپے کی اِمداد منظور کروائی۔

جائی‘ ایک دِلفریب وادی:

جائی کی وادی اپنے دِلفریب نظاروں‘ پرسکون فضاؤں اور خودرو پھولوں اور لالہ زاروں کے حوالے سے قدرت کی تخلیق کا ایک حسین و جمیل شاہکار ہے‘ جو قصبہ بھدرواہ سے ۳۵ کلومیٹر لمبی سڑک سے جڑی ہوئی ہے۔ یہ وادی قریباً ۵ کلومیٹر لمبی اور ۱۶۰۰ میٹر چوڑی ہے۔ چوڑائی کے لحاظ سے یہ کہیں کہیں منحنی صورت اِختیار کر کے کچھ اور بھی دِلکش اور پیاری لگتی ہے۔ موسم گرما میں اِس کے نظارے‘ رنگ برنگے پھول‘ دِل لبھانے والی فضائیں‘ ہلکی ہلکی اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں‘ میٹھے‘ شفاف اور ٹھنڈے پانی کے چشمے اور بیچوں بیچ گزرنے والی بل کھاتی ہوئی ندی دیدنی ہے۔ وادی کے چاروں طرف بلند و بالا پہاڑوں پر گھنے جنگلات‘ جن میں بدلوسل اور دیودار کے سرسبز و شاداب درخت شامل ہیں‘ دعوت نظارہ دیتے ہیں۔ یہ خِطۂ ارض بدلتے ہوئے موسمی مزاج اور مسحور کن فطری حسن کی کرشمہ سازیوں سے ہر آنے والے کو ورطۂ حیرت میں ڈال کر اِطمینان اور سکون کے عالم میں پہنچا دیتا ہے۔ ایک متوازن اور قدرتی ترتیب سے عالمِ ظہور میں آئے ہوئے لالہ زار اور اِس کی بے شمار سرسبز و شاداب چراگاہوں کی شبنم بھری ہری ہری ملائم گھاس اور اُن میں قسم قسم کے چرتے ہوئے جانوروں کے جُھنڈ یہاں پر آنے والے کے دِل میں کچھ ایسا تاثر پیدا کرتے ہیں کہ وہ یہاں سے واپس جانا ہی نہیں چاہتے۔ باقی دھاروں کی طرح ہی موسمِ گرما میں گوجر‘ گدی اور چرواہے وغیرہ اپنے مال مویشی کے ساتھ جائی اور اس کی ملحقہ دھاروں پر چلے آتے ہیں اور موسمِ سرما کے اوائل میں اپنی سرمائی جگہوں کی طرف واپس چلے جاتے ہیں۔ یہاں پر چاروں طرف گوجروں کے کوٹھے نظر آتے ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے یہاں پر

محکمہ جنگلات، محکمہ پشو پالن وغیرہ کے بنگلے موجود تھے اور اُن کے علاوہ کچھ دوکانیں اور ایک سرائے بھی تعمیر ہوئی تھی لیکن ملی ٹینسی کے دور میں سیّاحوں کے یہ سارے ٹھکانے خاکستر کئے گئے۔ اُس دور میں یہاں لوگوں کی آمدورفت بھی متاثر ہوئی تاہم کچھ گوجروں کے کنبے اِدھر آتے رہے اور حسبِ معمول قصبہ بھدرواہ اور جائی کے متصل دیہات میں گھی، دُودھ، مکھن، پنیر وغیرہ بیچ کر گزراوقات کرتے رہے۔ تاہم اب ملی ٹینسی کی شدّت میں کمی آنے کی وجہ سے ماہ اپریل سے لے کر ماہ دسمبر تک جائی کے مرغزاروں اور اِس کے قدرتی حسن اور کیف آور فضاؤں کا لُطف اُٹھانے کے لئے بھدرواہ، ڈوڈہ اور کشتواڑ کے علاقوں سے ہزاروں لوگ، طالب علم اور سیّاح یہاں آتے رہتے ہیں۔

آزاد صاحب کی حکومت کی طرف سے ترجیحی بنیادوں پر اِس خوشنما وادی کو بھی سیّاحتی نقشہ پر لاکر یہاں پر فائبر گلاس سے بنے ہوئے گنبد نما جھونپڑے تعمیر کئے گئے ہیں۔ اِبتدائی طور پر جون ۲۰۰۷ء تک تین سنگل بیڈ اور تین ڈبل بیڈس پر مشتمل فیبری کٹیڈ ہٹس تیار ہو چکی ہیں، جن میں غسل خانوں، باورچی خانوں اور حفظانِ صحت سے تعلق رکھنے والی تمام سہولیات کا اہتمام کیا گیا ہے۔ اُن پر ۵۰/لاکھ روپے لاگت آنے کا اندازہ ہے۔ سال ۲۰۰۸ء کی گرمیوں میں یہاں پر نجی طور پر ایک ٹورسٹ ولیج اور رستوراں کا اہتمام کیا گیا تھا، جو ایک کامیاب تجربہ رہا۔ آزاد صاحب کی حکومت نے بھدرواہ کو جائی کے راستہ علاقہ بھلیس کے موضع ملانوں کا ہرہ تک ملانے کے لئے رقومات منظور کی ہیں۔ اس موٹر روڈ کی تعمیر پر لاکھوں روپے خرچ ہوں گے۔ دُوسری طرف بھدرواہ کو جائی کے راستہ ہی گندو سے ملانے کے لئے موٹر روڈ پر علاقہ بھلیس کی طرف سے سڑک تعمیر کی جارہی ہے۔ اِن اِقدامات سے یہ سارا دشتِ گُمنام سیّاحتی سرگرمیوں کے ایک پُر رونق مرکز میں تبدیل ہو جائے گا۔ حال ہی میں (اگست ۲۰۰۸ء) کو جائی کے مقام پر یوتھ ہوسٹل تعمیر کرنے کے لئے ٹینڈر طلب کئے گئے۔ اِس کی تعمیر



وادیٔ چنتہ بھدرواہ



منظرنامہ جھیل کیلاش

پر ابتدائی طور پر تقریباً ۲۱ ر لاکھ روپے خرچ ہوں گے۔

(ج) وادیٔ چنتہ کی قابل دید جگہیں:

وادیٔ چنتہ:

چاروں طرف سے سرسبز و شاداب جنگلات اور اُونچے پہاڑوں کے درمیان واقع چنتہ کی پُر جمال وادی قصبہ بھدرواہ کے شمال مشرق کی طرف تقریباً ۷ اکلومیٹر چنتہ موٹر روڈ سے جُڑی ہوئی ہے' جو سطح سمندر سے ۶۵۰۰ فٹ اُونچائی پر واقع ہے۔ اِس کے بیچوں بیچ بہنے والا ایک نالہ اِس کو دو حصّوں میں تقسیم کرتا ہے۔ اِس کے گردونواح میں واقع کئی دِل فریب اور خوبصورت مقامات اِس کے فطری حسن کی رنگینیوں کو دوبالا کرتے ہیں۔ کچھ مقامات کی مذہبی اور ثقافتی اہمیّت بڑی قدیم اور شاندار ہے جس سے اِس کی سیاحتی اہمیّت اور بھی بڑھ گئی ہے۔ روایت کی جاتی ہے کہ اِس وادی کا قدیم نام ''چنتان'' یعنی اپنی ''دروں بینی'' تھا۔ یہ ایک سنسکرت لفظ ہے جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اب ''چنتہ'' بن گیا جس کے معنی ''فکر و خیال'' کرنا لئے جاتے ہیں۔

قصبہ بھدرواہ سے جائی کے مرغزاروں کی طرف جاتی ہوئی پختہ سڑک بھالڑہ اور چنتہ کے کئی دِلکش مقامات سے گزرتی ہے جس کے کنارے قصبہ کی طرف کپرہ' بھالڑہ' بالوت' مانوہ اور چنتہ کی طرف ڈوگہ' رہی چچوڑہ' لانچان وغیرہ موضع جات قابلِ دید ہیں۔ اِن علاقوں میں سے کچھ مقامات پر تفریح اور مناظر گاہوں کی تعمیر کئے جانے کے منصوبے تیار کئے گئے ہیں اور پہلے مرحلہ میں کپرہ کی منظر گاہ تیار کی جارہی ہے۔

اِس ساری وادی کے لئے جنگلات سے بھرے بلند و بالا پہاڑوں کے بیضوی سرے حد بندی کا کام دیتے ہیں' حالانکہ وادی کا دو تہائی حصہ کچھ ہموار بھی ہے اور بہت سارا ڈھلوانی ہے۔ بگن کا دِلفریب میدان اپنی آغوش میں ہائر سیکنڈری سکول چنتہ کی شاندار عمارت لئے' شمال مشرق کی طرف جنگلوں کے حُسن کا پیش منظر اور سکول کے

مغرب کی طرف اُن کے حُسن کا پس منظر پیش کرتا ہے۔ جائی کی طرف جانے سے پہلے اور وہاں سے واپس آنے کے بعد کچھ لوگ بگن میں رُک کر قدرتی نظاروں سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اِس جگہ پر بھی ڈوڈہ' کشتواڑ' بھدرواہ اور کیلاڑ کے علاقوں سے ہزاروں سکولی بچے' مدرّسین اور بزرگ لوگ سیر و تفریح کی غرض سے آتے ہیں۔ موجودہ حکومت اِس علاقہ کو سیاحتی مرکز میں بدلنے کے لئے یہاں پر ایک تفریح گاہ تعمیر کروا رہی ہے جس پر (۷۰) ستر لاکھ روپے لاگت آنے کا اندازہ ہے۔ بگن کی دُوسری طرف ندی کے پار ایک فوجی چھاؤنی تعمیر ہو رہی ہے جس سے اِس سارے علاقے کے ماحولیاتی توازن اور خوبصورتی کو کافی نقصان پہنچا ہے۔

یہاں اِس بات کا ذِکر کرنا قارئین کے لئے دِلچسپی کا باعث ہوگا کہ وادی چنتہ ایک زمانے میں ایک مشہور راجواڑہ بھی رہی ہے۔ جہاں راجہ رائے کی حکومت تھی جس کی سلطنت کی حدود یا جس کی عملداری میں' بقولِ مسٹر ہری لال ہتیشی صاحب ''چنتہ وادی کی دونوں پنچائتیں' ڈوگہ' چنچوڑہ' پنچایت بھالڑہ' مانواہ پنچایت' دگی پنچایت' کاہری' چیتھرہ پنچایت' تھُبہ پنچایت منتھلہ معہ اِن کے سبھی دیہات شامل تھے۔ اِس راجہ کا محل بگن کے اُوپر ''بدن جوکٹ'' کے نیچے رائے گھوڑ کے مقام پر واقع تھا۔'' یہ بستی بعد میں اِمتدادِ زمانہ کے نذر ہوگئی۔

سبھار دھار:

چنتہ وادی تک پہنچنے سے تقریباً چھ کلومیٹر پہلے بھدرواہ۔ جائی روڈ سے ایک گھوڑ سڑک چیڑ کے بلند و بالا درختوں میں سے ہوتے ہوئے سبھار دھار کو جاتی ہے' جو سطح سمندر سے ۱۰۲۰۰ فٹ کی اُونچائی پر واقع ہے۔ یہاں سے ساری وادیٔ چنتہ اور وادیٔ بھدرواہ کے کچھ حصّوں کا نظارہ کیا جا سکتا ہے۔ سبھار دھار جنگلوں کے درمیان کُھلی اور کشادہ چراگاہ ہے' جو ہری گھاس اور جنگلی پھولوں سے اَٹی رہتی ہے۔ یہاں سے ہی ہر سال بیساکھی کے روز مقامی میلوں اور تہواروں کی شروعات ہوتی ہے۔

سلسلۂ پہاڑ کے بالائی حصوں کی بہت سی دھاروں اور چراگاہوں سے سبھار دھار جُڑی ہوئی ہے۔ اِس کی مذہبی اور سیّاحتی اہمیّت کا ذِکر پہلے ہی ہو چکا ہے۔اب حکومت علاقہ چنتہ کی اِن خوبصورت جگہوں اور صحت افزاء مقامات کو سیاحتی نقشہ پر لانے کی ہر ممکن کوشش کر رہی ہے۔ موسمِ گرما میں یہ پُر فضا مقام پُر رونق ہو جاتا ہے۔ شیش ناگ کا قدیم مندر یہیں پر واقع ہے، جس سے لوگوں کو بہت عقیدت ہے۔

ریوشرا دھار:

سبھار دھار سے چند کلومیٹر کے فاصلہ اور ۱۱۰۰۰ فٹ کی اُونچی چوٹی پر ایک سکوں بخش اور حُسن بھری دھار ''ریوشرا دھار'' کے نام سے موسوم ہے، جہاں ماتا بھوجا (ریوشرا) کا مندر بھی ہے۔ اِس کی چراگاہیں قابلِ دید ہیں جو ہری گھاس، جنگلی پھولوں اور سرسبز درختوں کی آماجگاہیں ہیں۔ ہزاروں عقیدت مند یہاں آ کر پوجا پاٹھ کرتے ہیں۔ اِس جگہ کی سیاحتی اہمیّت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں قدرتی نظاروں اور مسرور کن فضاؤں کا تب ہی لُطف اُٹھایا جا سکے گا جب یہاں تک ایک پکی سڑک بنائے جانے کا منصوبہ رُوبہ عمل لایا جائے۔

پھُکلانی دھار:

ریوشرا اور سبھار دھار کے درمیان میں ''پھُکلانی'' کی مشہور چراگاہ واقع ہے۔ موسمِ گرما میں اِس مرگ پر گوجر لوگوں اور چنتہ کے مقامی باشندوں کی رونق لگی رہتی ہے۔ گوجر لوگ ہر سال گرم علاقوں سے اپنا مال لا کر یہاں عارضی طور پر رہائش پذیر ہوتے ہیں۔ یہاں پر اُن کے بڑے بڑے کوٹھے بنے ہوئے ہیں۔ اِس دھار کے سامنے جنگلوں کے سلسلوں کا نظارہ بہت دِلکش ہوتا ہے۔ چاندنی رات میں مرگ میں خودرو رنگ برنگے پھول شبنم کو آغوش میں لئے ہوئے چاند کی شعاؤں کی عکاسی کا منظر بہت ہی دِلفریب اور سکون بخش ہوتا ہے۔ یہاں کے بڑے بڑے زینوں میں منقسم

سر سبز و شاداب میدان قابلِ دید ہیں۔ یہاں تک سڑک تعمیر ہونے سے یہ جگہ بھی سیاحتی دِلچسپیوں کا سامان پیدا کر سکتی ہے۔

جنطر ون:

علاقہ چراہلہ اور وادیٔ بھدرواہ کے سرحدی حصّے میں ایک خوبصورت میدان واقع ہے جسے ''جنطر ون'' کہا جاتا ہے۔ موسمِ گرما میں یہاں پر چراہلہ' ہلارن' جوڑہ علاقوں کے لوگوں کے علاوہ وادیٔ چنتہ کے لوگ بھی اپنا مال مویشی چروانے کے لئے آتے ہیں۔ چنتہ سے یہ دھار ایک پیدل راستے سے جُڑی ہوئی ہے۔ چراہلہ - جائی لنک روڈ کھُلنے سے یہ مرگ سیاحتی سرگرمیوں کے لئے ایک موزوں مقام کا درجہ حاصل کر سکتی ہے۔ ریوشرا دھار سے یہ چند ہی میلوں کے فاصلے اور تقریباً دس ہزار فٹ کی اُونچائی پر واقع ہے۔

(د) علاقہ اٹھکھار کے قابلِ دید مقامات:

علاقہ اٹھکھار کی حسین و جمیل وادی بھدرواہ کی مشرقی حدود سے لے کر مغرب میں سیوج دھار' جنوب میں چھتر گلہ اور مشرق میں پدری اور کتاری گلہ تک پھیلی ہوئی ہے۔ اِس کی قدیم تاریخی اہمیّت کے قطع نظر اِس کی سیاحتی اہمیّت کوہ کیلاش اور آشاپتی کے برف پوش اور بلند و بالا پہاڑی سلسلوں' گھنے جنگلوں' سر سبز و شاداب چراگاہوں' ہلون اور نیرو جیسی صاف و شفاف پانی کی ندیوں' قدیم چشموں' مندروں' تیرتھ استھانوں' مسجدوں اور سر تنگل' نالٹھی' بستی' سُنگلی' پونیجہ' مونڈہ' بدروت' کنسر بھیجہ' تھنالہ' کٹیاڑہ' شریکھی اور بملکھی جیسے خوبصورت دیہات سے کچھ زیادہ ہی بڑھ گئی ہے۔ چمبہ - بھدرواہ روڈ پر ریاستی سرحد کے اندر یا آس پاس نالٹھی' سر تنگل' کھنی ٹاپ' پدری اور بال پدری وغیرہ مقامات کی سیاحتی اہمیّت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے جناب

آزاد صاحب کی سربراہی میں چلنے والی سرکار کی طرف سے اِن خوبصورت مقامات کو سیاحتی نقشہ پر لانے کے لئے بہت سے اِقدامات کئے گئے ہیں۔ یہ علاقے بھی پچھلے ساٹھ سالوں میں کُلیتاً نظر انداز کئے گئے تھے۔ قدیم تہذیب کی حامل راجوں کی یہ بستی اُونچے مقامات سے اِتنی حسین نظر آتی ہے کہ اِس کا کہیں جواب نہیں ملتا۔

ریاستی سرکار کی طرف سے اِس علاقہ کو سیاحتی نقشہ پر لانے کے لئے ایک جامع منصوبہ تیار کیا گیا ہے جس میں بسوہلی۔ بنی۔ بھدرواہ۔ کشتواڑ۔ سنتھن سیاحتی سرکٹ کی منظوری، ناٹھی کے مقام پر سیاحوں کے لئے رہائشی سہولیات کی فراہمی اور جزیرہ نما تفریح گاہ کی تعمیر، موضع پونیجہ میں سیاحتی مرکز کی تعمیر، کیلاش کنڈ، سیوج دھار اور پدری جیسے خوبصورت مقامات پر مہم جوؤں، یاتریوں اور دیگر سیاحوں کے لئے رہائشی سہولیات کی فراہمی اور سڑکوں کی تعمیر کے علاوہ بسوہلی۔ بھدرواہ اور چمبہ۔ بھدرواہ روڈ کی تجدید اور کشادگی کے لئے بھاری رقوم کی منظوری شامل ہیں۔ نیرو نالے اور باقی نالوں پر متعدد پُلوں کی تعمیر کے ساتھ ساتھ اندرونی رابطہ سڑکوں کی تعمیر کا کام بھی شروع کیا جاچکا ہے۔

سرتنگل:

موضع سرتنگل کوہ کیلاش اور آشاپتی (سونہ بائیں) کے نشیبی حصے میں عرض بلد ۷۵ء۴ ۳۴ اور طول بلد ۴۶ء۵ ۷ پر ایک نیم ہموار وادی کی مانند بہت ہی خوبصورت مقام ہے، جو قصبہ بھدرواہ کی جنوبی حدود پر واقع ہے اور ایک موٹر روڈ کے علاوہ لنک روڈ سے بھی ملا ہوا ہے۔ بدقسمتی سے آج تک اِس کی خوبصورتی اور قدرتی حسن کی طرف کسی بھی حکومت نے توجہ نہیں دی اور آج تک اِس کی سیاحتی افادیت اوجھل رہی۔ یہ جگہ اپنے شاندار محل وقوع، آب ہوا اور پیداوار کے لحاظ سے باقی موضع جات سے مختلف ہے۔ جنگلات اور پہاڑی سلسلے اِس کے حُسن کو چار چاند لگاتے ہیں۔

کھنی ٹاپ:

قصبہ بھدرواہ سے کھنی ٹاپ کی سیر گاہ تقریباً ۲۵ کلومیٹر دُور اور چمبہ بھدرواہ روڈ پر واقع ہے۔ اِس کی قدرتی خوبصورتی کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اِسے ایک اچھی تفریح گاہ کے طور پر ترقی دی جاسکتی ہے۔ آشاپتی وغیرہ کی چوٹیاں سَر کرنے والے مُہم بازوں اور سیاحوں کے لئے بنیادی کیمپ اور روانگی کے مقام کے طور پر اِسے فروغ دیا جانا چاہیے۔ اِس کے آس پاس واقع دِلکش مناظر کا نظارہ سورج طلوع ہوتے اور غروب ہوتے ہوئے لمحات میں کیا جاسکتا ہے۔ یہ پُر فضا اور دِلفریب دھار موضع تھنالہ کے قریب قریباً آٹھ ہزار فٹ کی بلندی پر اندازاً بیس کنال زمین پر پھیلی ہوئی ہے۔ موسمِ گرما میں نشیبی علاقوں کے لوگ اپنا مال مویشی لے کر یہاں آجاتے ہیں۔

گُرڈنڈی دھار:

کھنی دھار کے دائیں طرف تین کلومیٹر کی دوری پر ''گُر ڈنڈی'' نام سے موسوم ایک خوبصورت اور دِلکش چراگاہ ہے جو ڈھلوانی سطح کا ایک پُر فضاء مقام ہے۔ آشاپتی سے قریب ہی دائیں طرف جنگلوں سے گھری ہوئی یہ دھار قصبہ بھدرواہ سے بھی دیکھی جاسکتی ہے۔ اِس دھار میں سے گزرتی ہوئیں چھوٹی چھوٹی ندیاں اِس کے حُسن میں چار چاند لگاتی ہیں۔ موسمِ گرما میں پنجاب اور گرم علاقوں سے آئے ہوئے گوجروں کے بہت سے کنبے یہاں رہائش پذیر ہوتے ہیں۔ اُن کی خواتین اپنے روایتی لباسوں میں ملبوس دُودھ، دہی، پنیر وغیرہ روزانہ قصبہ بھدرواہ کی طرف لاکر فروخت کرتی ہیں۔ اِس مقام کو بھی سیاحتی سرگرمیوں کے لئے بڑھاوا دیا جاسکتا ہے۔

قطاری دھار:

قصبہ بھدرواہ سے قطاری دھار کی طرف ۸ر کلومیٹر کا پیدل راستہ جاتا ہے۔

اب لوگ سر تنگل تک کا سفر گاڑیوں میں طے کرتے ہیں۔ یہ دھار بھلیس اور بھدرواہ کی سرحد پر بھدرواہ کے جنوب مشرق میں واقع ہے اور راستہ موضع شریکھی میں سے گزرتا ہوا قطاری دھار تک پہنچ جاتا ہے۔ یہ ڈھلوانی سطح کی صورت میں گو کہ ایک چھوٹی سی دھار ہے لیکن اِس کے نزدیک ہی ''چھا چھانی'' نام کے چشمے کی موجودگی سے اِس کی اہمیّت بڑھ گئی ہے۔ قطاری دھار سے کلھوتران تک کا راستہ بھی پیدل ہی طے کرنا پڑتا ہے۔ یہاں سے بھال پدری، جوالی، سوتی، چنگا اور کاہل جگاسر کے مقامات کی طرف ایک دُوسرا راستہ جاتا ہے۔ اِس کے قریب ہی ستلڑ اور چمیال کے دو خوبصورت مقامات واقع ہیں، جہاں پہنچ کر اِنسان واپس نہیں آنا چاہتا۔ قطاری سے کلھوتران کا راستہ بہت قدیم ہے جس پر اب ٹھاٹھری۔ کلھوتران روڈ کھلنے سے آمدورفت کم ہوگئی ہے۔ اِن مقامات کو بھی مناظر بینی کے اچھے مراکز کے طور پر ترقی دی جاسکتی ہے۔

ناٹھی اور بستی کے پُر فضا مقامات:

ناٹھی عرض بلد ۵۷ء۳۴، بستی عرض بلد ۵۶ء۳۴ اور طول بلد ۴۵ء۵۷ کے ساتھ بھدرواہ۔بنی۔بسوہلی ہائی وے پر قصبہ بھدرواہ سے تقریباً دس کلومیٹر کی دُوری پر دو بہت ہی خوبصورت اور مشہور مقامات ہیں۔ ناٹھی کا سر سبز و شاداب گاؤں کوہ کیلاش کے دامن میں ایک حسین ترین سیر گاہ ہے، جو اپنے کھیتوں، باغوں، چشموں اور سامنے بہنے والے نالہ ہالون کے صاف و شفاف پانی کے لئے بہت مشہور ہے۔ یہ جگہ مہم جُو لوگوں کے لئے ایک بنیادی کیمپ کی حیثیت رکھتی ہے۔ سرتھل، بنی اور بھدرواہ کے ٹریکرس کے لئے یہ جگہ نہ صرف ایک آرام گاہ کے طور پر فروغ پا رہی ہے بلکہ تفریح پسند لوگوں اور سیاحوں کی دِلچسپی کے مرکز کے طور پر بھی موجودہ حکومت اِس کو بڑھاوا دے رہی ہے۔ اِس جگہ پر بھی بھدرواہ کی ترقیاتی اتھارٹی فائیو سٹار ہوٹل اور سیاحوں کی

رہائش کے لئے کچھ بنگلے اور تفریح گاہیں تعمیر کرائے جانے کے منصوبے تیار کر رہی ہے۔ مُہم جو اشخاص کی تربیت کے لئے ایک ادارہ بھی یہاں کھولا گیا ہے جس کے لئے فی الحال مکان کرایہ پر لیا گیا ہے۔ تفریح گاہ کے لئے پہلے ہی پندرہ لاکھ روپے کی رقم منظور کی جا چکی ہے۔ موضع بستی کی دِلفریب وادی نالٹھی کے مشرق میں نالہ ہالون ہی کے دُوسرے کنارے پر واقع ہے، جو بھدرواہ سے آٹھ کلو میٹر دُور ہے۔ اِن دونوں صحت افزاء اور پُرسکوں مقامات کے درمیان میں ایک جزیرہ نما پارک تعمیر کی جا رہی ہے، جس پر ساٹھ لاکھ روپے سے زیادہ لاگت آنے کا اندازہ ہے۔ تقریباً گیارہ ہزار فٹ کی اُونچائی سر کر کے واپس آنے کے بعد مہم جو اور دیگر سیاح یہاں آرام کر سکیں گے۔ اِس علاقہ کو قدرت نے سرسبز و شاداب جنگلات، گھاس اور پھولوں بھری چھوٹی چھوٹی وادیوں سے نوازا ہے۔ پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو سے معطر اور برفیلے پہاڑوں سے آنے والی ٹھنڈی ہوا اِنسان کے دِل و دماغ کو تازہ کرتی ہے۔ جبکہ پہاڑوں پر گھنے بادلوں کے غولوں کا حسین نظارہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

پدری:

پدری کا عرض بلد ۵۵ء ۳۲° اور طول بلد ۴۱ء ۷۵° ہے۔ قصبہ بھدرواہ سے جانے والی چمبہ۔ بھدرواہ سڑک کے سب سے اُونچے مقام پر تقریباً ۴۰ کلو میٹر دُور یہ ایک حسین و جمیل گلی نما دھار ہے جس کی سرسبز و شاداب لہراتی ہوئی نرم و ملائم مخملی گھاس کے لمبے لمبے قدرتی کارپیٹ اور اِرد گرد کے گھنے جنگلات اِنسان کو ورطہء حیرت میں ڈال دیتے ہیں۔ یہ جگہ سطح سمندر سے ۱۰۵۰۰ فٹ کی بلندی پر واقع ہونے کی وجہ سے سال کے کچھ مہینوں کے دوران برف سے ڈھکی رہتی ہے اور اِس دوران یہاں کبھی کبھی ۱۵ فٹ سے ۲۰ فٹ تک برفباری ہوتی ہے جس سے یہ سڑک موسم سرما میں بند ہی رہتی ہے۔ لیکن موسمِ گرما میں آہستہ آہستہ برف پگھل جانے کے بعد اِس وادی کا حُسن نکھر

آتا ہے۔ اِس کی پہاڑیوں کی خمیدہ اور ڈھلوانی سطح ہر دیدہ ور کے لئے مسحور کن اور سرور بخش ہے۔ بھدرواہ۔ چمبہ روڈ کھل جانے سے پدری ایک بڑی تفریح گاہ کے طور پر اُبھرے گی۔ حالانکہ تقریباً بیس سال پہلے ڈاکٹر فاروق عبداللہ نے اِس سڑک کی رسمِ اِفتتاح کی تھی لیکن نامساعد عسکری کارروائیوں کے دوران اِس کو کافی نقصان پہنچا اور اِس کی دیکھ ریکھ بھی ناممکن ہوگئی۔ سال ۲۰۰۸ء-۲۰۰۹ء کے دوران آزاد صاحب کی درخواست پر مرکزی سرکار کی طرف سے اِس سڑک کی تجدید کاری اور کشادگی کے لئے رقومات منظور ہوئیں، جس کا ذِکر پہلے ہی کیا گیا ہے۔ توقع ہے کہ یہ خوبصورت جگہ جلد ہی سیاحتی مرکز کے طور پر فروغ پائے گی۔ پدری کے اِسی جانفزاء مقام سے "من مہیش" یاترا کرنے کے لئے ہر سال ہزاروں یاتری گزرتے ہیں۔ پدری کی متعدد چھوٹی بڑی چراگاہوں کا لطف اُٹھانے کے علاوہ سیاح اور مہم باز وغیرہ یہاں قیام بھی کر سکیں گے۔ جارج فونسٹر جب ۱۷۸۴ء میں پدری پہنچے تو اُن کی زبان سے بے ساختہ طور پر یہ الفاظ نکلے کہ "بھدرواہ مجھے سوئزرلینڈ جیسا دِکھائی دیتا ہے۔"

بھال پدری:

قدیم مملکتِ بھدرواہ کے تاریخی اور صحت افزاء مقامات میں چمبہ۔ بھدرواہ سڑک پر واقع "بھال پدری" ایک پُرفضا اور قابلِ دید مقام ہے۔ کیلاش پربت کا پہاڑی سلسلہ حسین وجمیل وادیوں سے گزرتا ہوا مشرق کی طرف بڑھتے ہوئے ہماچل پردیش کو موجودہ تحصیل بھلیس سے جدا کرتا ہوا تحصیل کشتواڑ کے پاڈر علاقہ تک پھیلا ہوا ہے۔ اِن سبزہ زاروں اور گھنے جنگلوں کی فضاؤں کے درمیان رنگ برنگے پھولوں، جنگلی جڑی بوٹیوں کی بے شمار انوع واقسام سے بھری پڑی کچھ ایسی حسین وجمیل وادیاں، دھاریں اور مقامات قدرت نے تخلیق کئے ہیں جن کو دیکھ کر اِنسان محوِ حیرت رہ جاتا ہے۔ اِن وادیوں میں ایک وادی بھال پدری کے نام سے موسوم ہے۔ شعرا اُسے

''رشکِ گلمرگ'' کے نام سے بھی پکارتے ہیں۔ یہ گھاٹی نما دھار تقریباً پانچ کلومیٹر کی لمبائی اور ایک کلومیٹر چوڑائی پر مشتمل رقبہ کا احاطہ کئے ہوئے ہے' جو قصبہ بھدرواہ سے تقریباً ۴۴ کلومیٹر اور پدری سے چار کلومیٹر اور بھلیس کے بینہ مقام کے بس اڈے سے آٹھ کلومیٹر دُور اور نو ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ اِس دلکش اور پُرسکوں و دِلفریب وادی کے بیچوں بیچ ایک بل کھاتی ہوئی ندی مشرق کی طرف واقع ''میراون'' نامی دھار کی طرف جاتے ہوئے تھلورن نالہ کے نام سے موسوم ہو کر کہ کالگنی (بھلیس) نالہ میں شامل ہو جاتی ہے۔ بھال پدری' پدری گلی سے چار کلومیٹر کی دُوری پر شمال مشرق میں واقع ہے جو اپنے لاثانی مناظر قدرت کی وجہ سے دعوتِ نظارہ دیتی ہے۔ بہت سی چھوٹی چھوٹی ندیاں اِس میں سے گزر کر نشیبی علاقوں میں بہہ نکلتی ہیں' جو اِس کی خوبصورتی کو اور بھی دوبالا کرتی ہیں۔ بھال پدری کے چاروں طرف بھوج پتر' فر اور سل کے درختوں کا گھنا جنگل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اِس جگہ پر علاقہ بھلیس اور بھدرواہ کے جانثار باشندوں نے چمبہ کی فوج کو شکستِ فاش دے کر کامیابی کا جھنڈا گاڑا تھا۔ موسمِ گرما میں بھال پدری کا ٹھنڈا اور شفاف پانی' رنگا رنگ پھولوں سے اَٹے ہوئے سرسبز و شاداب میدان' دِلفریب چراگاہیں' جانفزا ہواؤں کی سنسناہٹ' جنگلی پرندوں کی چہچہاہٹ وغیرہ اِنسان کو ورطہء حیرت میں ڈال دیتے ہیں۔

سونگلی:

قصبہ بھدرواہ کے جنوب کی طرف موضع سرتنگل سے چند کلومیٹر پہلے موضع سونگلی کا خوبصورت اور قابلِ دید مقام آتا ہے جو سرسبز جنگلات کے دامن میں واقع ہے۔ غلام نبی آزاد کی سربراہی میں چلنے والی سرکار نے اِس مقام پر ایک یونی ورسٹی کیمپس کی تعمیر کا کام شروع کروایا تھا' جس سے اِس جگہ کی رونق بڑھ گئی ہے۔ اِس گاؤں کا اپنا ایک قدیم تاریخی پس منظر بھی ہے۔ گاؤں کے جنوب مغرب میں دیودار

اور کائل کے درخت اور آگے پیچھے سرسبز و شاداب دھان کے لہلاتے ہوئے کھیت بڑے جاذب نظر ہیں۔اِس گاؤں میں ''کالی ناگ'' کی مورتی ہے اور گندھارا آرٹ پر مبنی ایک قدیم چشمہ بھی واقع ہے۔ایک واسکی ناگ مندر اِس کے میدانی حصہ میں تعمیر کیا گیا ہے۔۔اِس گاؤں کا ذِکر نیل مت پوران اور واسکی پوران میں بھی آیا ہے۔آزاد صاحب کی ذاتی نگرانی میں کیمپس کے چاروں طرف ہزاروں ثمر دار درخت لگائے گئے ہیں اور گلِ لالہ کا ایک باغ بھی فروغ پا رہا ہے۔

(ر) علاقہ کیلاڑ کی قابلِ دید جگہیں:

کیلاڑ:

علاقہ کیلاڑ (بھدرواہ) کو قدرت نے فلک بوس پہاڑوں، سرسبز جنگلات اور ندی نالوں کی نعمتوں سے مالامال کیا ہے جس کا ہر حصّہ دیدنی ہے اور دعوتِ نظارہ دیتا ہے۔کیلاش کے نشیبی حصّہ میں شمال کی طرف سیوج دھار کا دِلکش پہاڑی سلسلہ آگے بڑھتے ہوئے رگی نالہ کی بالائی سرحدی حدود یعنی دیدنی ٹاپ (مرمت) تک پہنچ جاتا ہے۔جس کے مغرب کی طرف چنہنی اور رام نگر (اُودھم پور) کے کئی مناظر بھرے علاقے آتے ہیں۔علاقہ کیلاڑ اِس پہاڑی سلسلہ کے دامن میں بہت ہی حسین و جمیل دیہات کو اپنی آغوش میں لئے ہوئے فطرت کی کرشمہ سازیوں کا مظہر ہے اور زمانہ قدیم سے دعوتِ نظارہ دیتا آیا ہے۔لیکن بدقسمتی سے عوامی راج کے دوران اِس علاقہ کے قدرتی حُسن کو جنگلاتی لٹیروں اور لکڑی کے سمگلروں نے اِس قدر پامال کیا کہ اِس کی مثال ملنا محال ہے۔

سال ۲۰۰۵ء سے پہلے جنتِ ارضی کے اِس دِلفریب گوشے کی سیاحتی اہمیت کی طرف کسی سرکار کا دھیان نہیں گیا، حالانکہ یہاں کے جنگلات سے ہر سال کروڑہا

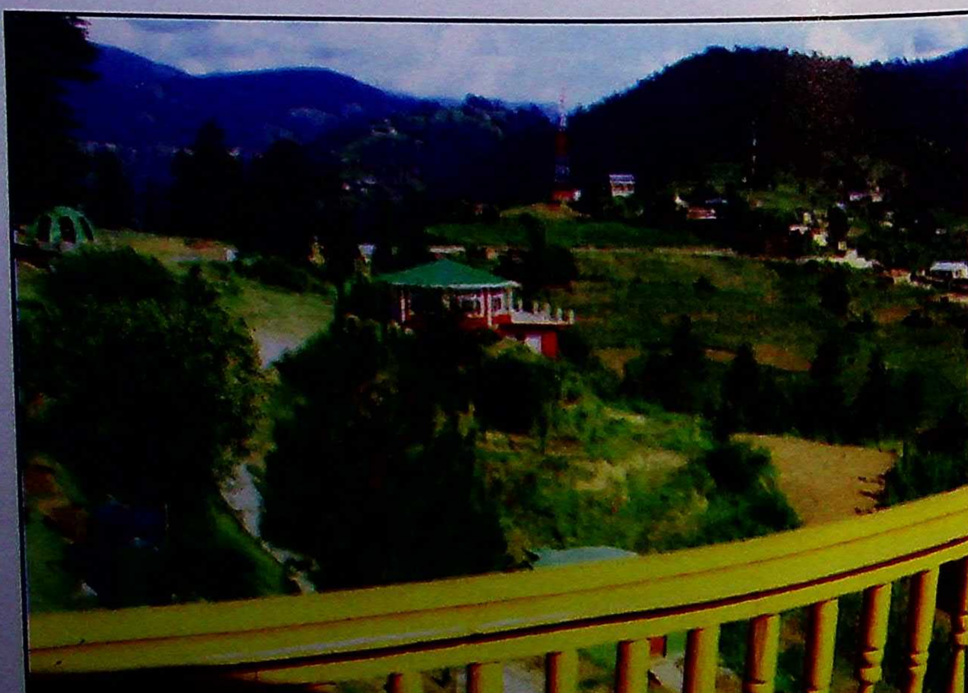
روپے مالیت کی لکڑی برآمد کی جاتی رہی ہے، جس سے خزانۂ عامرہ کا خاصہ حصہ بھرا جاتا رہا۔ خدا کا لاکھ لاکھ احسان ہے کہ اِس قدیم مملکت کے نیک سپوت غلام نبی آزاد کی عقابی نظروں نے اِس دِلکش وادی کے مختلف گوشوں کو ڈھونڈ نکالا اور اِس سارے علاقہ کو سیاحتی نقشہ پر لانے کی شروعات کیں۔ ان خوش نما گوشوں میں چھلر، شنکھری، دھوپ تپن دھاریں وغیرہ قابلِ دید ہیں جن میں موسم گرما میں اِس علاقہ کے ہزاروں باشندے اپنا مال مویشی لے کر جاتے ہیں اور کئی ماہ تک اِن کی وسیع چراگاہوں میں اُن کو چرانے کے بعد سردیاں شروع ہوتے ہی واپس چلے آتے ہیں۔ وہ قدرتی نظاروں سے بھی لطف اندوز ہوتے ہیں۔ کیلاڑ کا ہر گاؤں اپنے فطری حسن کی بدولت سیاحتی مرکز بن سکتا ہے۔ چلی، پنج گرائیں، ملوٹھی، ڈوگہ، گاجوٹھ، طروَن (ڈوڈہ)، کھلینی اور ڈوگلی جیسے خوبصورت مقامات اِس ضمن میں قابلِ ذکر ہیں۔ اِس علاقہ کی معتدل آب وہوا، کھیتوں کی ہریالی، ندی نالوں کی بہتات اور اُن کا شفاف پانی اور سارے علاقہ کا فطری حُسن ہر کسی کا دِل موہ لیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آزاد سرکار اِس جگہ اندرونی اور بیرونی طور پر رابطہ سڑکوں کا جال پھیلا رہی ہے اور کئی ترقیاتی اور سیاحتی منصوبوں پر تیزی کے ساتھ عمل پذیر ہے۔

کھلینی:

کھلینی کا عرض بلد ۳ء۳۴° اور طول بلد ۴۱ء۷۵° ہے۔ حکومت نے سب سے پہلے موضع کھلینی کو نقشہ پر لا کر علاقہ کیلاڑ کو مقامی طور پر سیر و تفریح کرنے والوں اور ریاستی و بیرونِ ریاست سیاحوں کی رہائشی اور تفریحی سہولیات فراہم کرنے کے لئے بہت سے اِقدامات عمل میں لائے۔ اِس خوبصورت مقام پر رہائشی ہٹ اور تفریحی پارکیں تعمیر کی جا رہی ہیں۔ یہ تعمیری سلسلہ کئی سال تک جاری رکھے جانے کا منصوبہ بھی بنایا گیا ہے۔ موضع سینائی کے مقام سے اِس کو ایک موٹر روڈ سے جوڑا گیا ہے جو



پیراگلائڈنگ بھدرواہ



منظرنامہ کھلینی گیلاڑ

موضع ڈوگہ تک زیر تعمیر ہے۔ ۲۰۰۶ء اور ۲۰۰۷ء کے دوران یہاں پر سیاحتی میلوں کا بھی انعقاد کیا گیا جن میں چیف منسٹر آزاد صاحب کے علاوہ ہزاروں لوگوں، سیاحوں اور ٹریول ایجنٹوں نے بھی شرکت کی۔ یہ علاقہ کیلاڑ کی سیاحتی سرگرمیوں کے لئے ایک گیٹ کے مترادف ہے۔ توقع ہے کہ علاقہ کیلاڑ کی آب و ہوا، قدرتی فضاؤں، قدرتی حسن اور دلفریب نظاروں کا لطف اُٹھانے کے لئے یہاں ہر سال کئی سیاح اور مقامی لوگ آتے رہیں گے۔ اِس علاقہ میں مہم جوئی اور سیاحت سے وابستہ کئی سرگرمیوں کی شروعات کی جارہی ہیں۔ ضلع بھر کے سکولی بچے اور سیلانی اور پکنک منانے والے ہزاروں لوگ موسمِ گرما میں یہاں گروہ در گروہ آنا شروع ہو گئے ہیں۔ اِس علاقہ میں اِن تعمیری کاموں پر مارچ ۲۰۰۷ء تک ایک کروڑ ترپن لاکھ روپے صرف ہو چکے ہیں۔ اِس کے علاوہ کروڑہا روپے مالیت کی لاگت پر مشتمل منصوبے تیار کئے گئے ہیں جو ۲۰۱۰ء تک مکمل کئے جائیں گے۔

راک گارڈن بھالا:

بھالا کا عرض بلد ۳۴ء ۴۳ اور طول بلد ۷۵ء ۴۰ ہے۔ اِس علاقہ کی سیاحتی سرگرمیوں کو فروغ دینے کے لئے بھالا کے مقام پر تقریباً ۹۳ لاکھ روپے کی لاگت سے ایک ''راک گارڈن'' تعمیر کیا جارہا ہے، جو اس ضلع کے لئے ایک سیاحتی اہمیّت کی اضافی اور قابلِ دید تفریح گاہ ہوگی۔

(س) علاقہ مرمت کی قابل دید جگہیں:

علاقہ مرمت کے کچھ مقامات کا ذِکر پہلے ہی آچکا ہے۔ اِس علاقہ کو قدرت نے فطری حسن سے مالا مال کیا ہے گوکہ اِس کے بہت سے حصے ابھی بھی رابطہ سڑکوں کی تعمیر کے لئے دستِ سوال دراز کئے ہوئے ہیں، جن کے لئے مسٹر عنایت اللہ لون اور

اُن کے کچھ مخلص ساتھی رات دِن تگ و دُو کر رہے ہیں ۔اِس علاقہ کی پُر فضا حسین و جمیل وادیاں، سبزہ زار، چراگاہیں، آبشاریں اور دیگر جگہیں قدرتی مناظر سے اٹی پڑی ہیں، جن میں بلند پور، دیدنی، خولی ٹاپ، کوٹی، پٹیار، دھوپ ٹاپ، دروڈ، سیوج، دیرہ ٹاپ، سیکھری ٹاپ، دیودھار اور نگار شامل ہیں۔ اِن سب میں نگار ایک پُر فضا مقام ہے۔

نگار-ایک دِلفریب چراگاہ:

علاقہ مرمت کے ایک خوبصورت گاؤں منگوتہ کے مشرق میں ایک پُر سکون، پُر فضاء اور دِلفریب مقام ''نگار'' کے نام سے مشہور ہے، جو یہاں سے چند گھنٹوں کی مسافت اور بڑی اُونچائی پر واقع ہے۔ یہاں سے وادیٔ بھدرواہ کے علاوہ اُودھم پور ضلع کے بہت سے مقامات صاف طور پر دِکھائی دیتے ہیں۔ یہ سرسبز و شاداب میدانی چراگاہ چاروں طرف جنگلات سے گھری ہوئی ہے، جن میں زیادہ تر دیودار کے درخت ہیں۔ موسمِ بہار میں منگوتہ اور مرمت کے دیگر علاقوں سے بھدرواہ کی طرف جانے والے لوگ اِسی صحت افزاء مقام سے گزرتے ہیں۔ نگار اپنے قدرتی مناظر کی دِلکشی کے لحاظ سے بے مثال جگہ ہے۔ یہاں موسمِ بہار میں رنگ برنگے پھول کھلتے ہیں جن کی خوشبو سے یہاں کی فضاء مہک اُٹھتی ہے۔ مرمت کے بہت سے لوگ اپنے مال مویشی کے ساتھ آکر یہاں کی فضاؤں سے بھی لطف اندوز ہوتے ہیں اور مال مویشی بھی چراتے ہیں۔ جنگلی جانور اور قسم قسم کے پرندے اُن کی توجہ کا مرکز بنتے ہیں۔ سردیوں میں یہ جگہ برف سے ڈھکی رہتی ہے، جو ماہ دسمبر سے اپریل کے آخر تک موجود رہتی ہے۔ لوگ جنگلوں سے جڑی بوٹیاں، گچھیاں وغیرہ حاصل کر کے اچھی کمائی کر لیتے ہیں۔ گھیّال نامی جڑی بوٹی سے عطر بھی تیار کی جاتی ہے۔ اگر اِس مقام تک ایک موٹر روڈ تعمیر کی جائے تو یہ سارا علاقہ سیاحوں اور لوگوں کی مختلف تفریحی سرگرمیوں کا اہم مرکز بن سکتا ہے۔[1]

---

[1] استفادہ ''کوہسار''، کالج میگزین ڈوڈہ، سنہ اشاعت ۲۰۰۷ء

(ش) وادئ بھدرواہ میں کچھ مزید سیاحتی مراکز اور تفریح گاہوں کی تعمیر کے منصوبے:

موجودہ سرکار نے بھدرواہ ڈویلپمنٹ اتھارٹی کے ذمہ حسب ذیل مقامات کو بطورِ سیاحتی مراکز، مناظر گاہوں، آرام اور تفریح گاہوں کی صورت میں تبدیل کرنے کے منصوبے تیار کروا کر اُن پر سال ۲۰۰۵ء ہی سے تعمیراتی کاموں کی شروعات کروادی ہے۔

سیاحوں کا اِستقبالیہ مرکز امیر انگر:[1]

وادئ درنگہ اور کرساڑی کی تنگ گلی جسے بھدرواہ کا صدر دروازہ بھی کہا گیا ہے کو عبور کرتے ہی امیر انگر کا خوبصورت مقام آتا ہے، جہاں سے چاروں طرف سے سرسبز جنگلات سے گھری ہوئی وادئ بھدرواہ اپنے کوہستانی حسن و جمال کے ساتھ اچانک نمودار ہوکر ہر آنے والے شخص کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتی ہے۔ اِس جگہ پر سیاحوں کے لئے ایک عظیم الشان اِستقبالی مرکز تعمیر کیا جا رہا ہے جسکے ایک خصوصی بلاک میں ایک اِطلاعاتی مرکز، کچھ کمرے، غسلخانے، شاپنگ کمپلیکس، ریسٹورنٹ بلاک (طعام خانہ) اور دیگر آسائشی ضروریات فراہم کی جارہی ہیں۔ یہ مرکز بہت ہی خوشنما قطعہ اراضی پر تعمیر کیا جا رہا ہے جسکے چاروں طرف سرسبز کھیت اور پشت پر گھنے جنگل واقع ہیں۔ اِس میں بچوں کے لئے بھی ایک تفریح گاہ تعمیر ہو رہی ہے۔ نومبر ۲۰۰۷ء تک اِس مرکز کا خاصا حصّہ تکمیل کی حدود میں داخل ہو چکا تھا۔ اِس سارے منصوبے کی تعمیر اور اس جگہ کے تعین کا سہرا بھی آزاد صاحب کے تعمیری تصور کا مرہون احسان ہے۔ ایک اندازے کے مطابق اِسکی تکمیل پر ۴۵ لاکھ روپے لاگت آنے کا اندازہ ہے۔ اِس جگہ پر بھی مُغل طرزِ تعمیر پر زینے بناتے ہوئے باغ تعمیر کئے جارہے ہیں، جن سے اِس کے حسن میں مزید اضافہ ہوگا۔

---

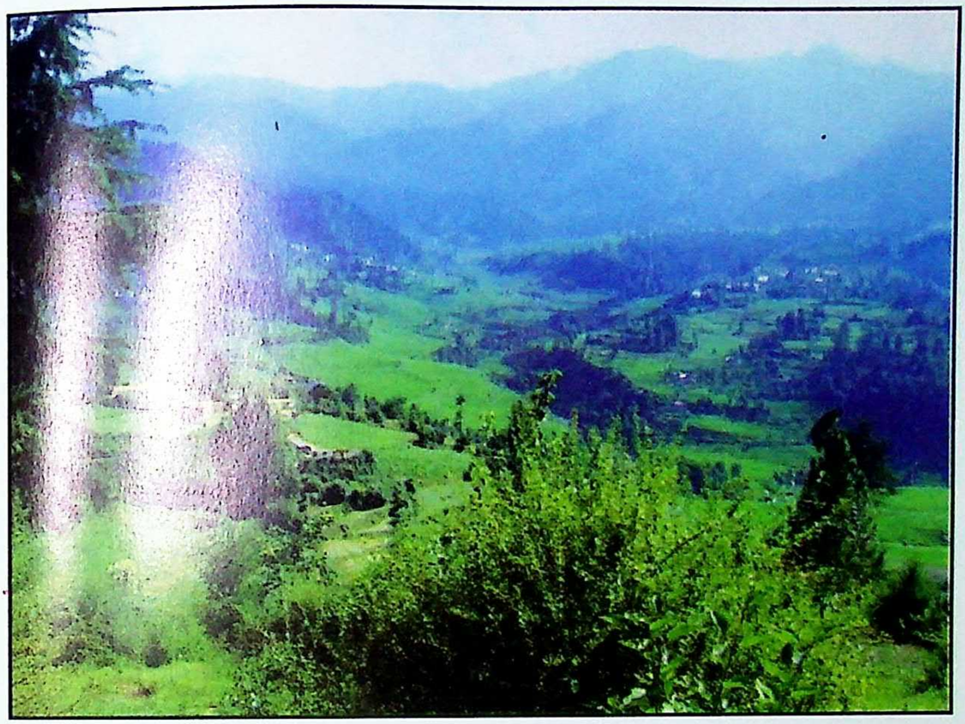
[1] ماخوذ از مجوزہ پروجیکٹ رپورٹ، ڈویلپمنٹ اتھارٹی بھدرواہ، اگست ۲۰۰۷ء

گاٹھ جھیل کی منظرگاہ:

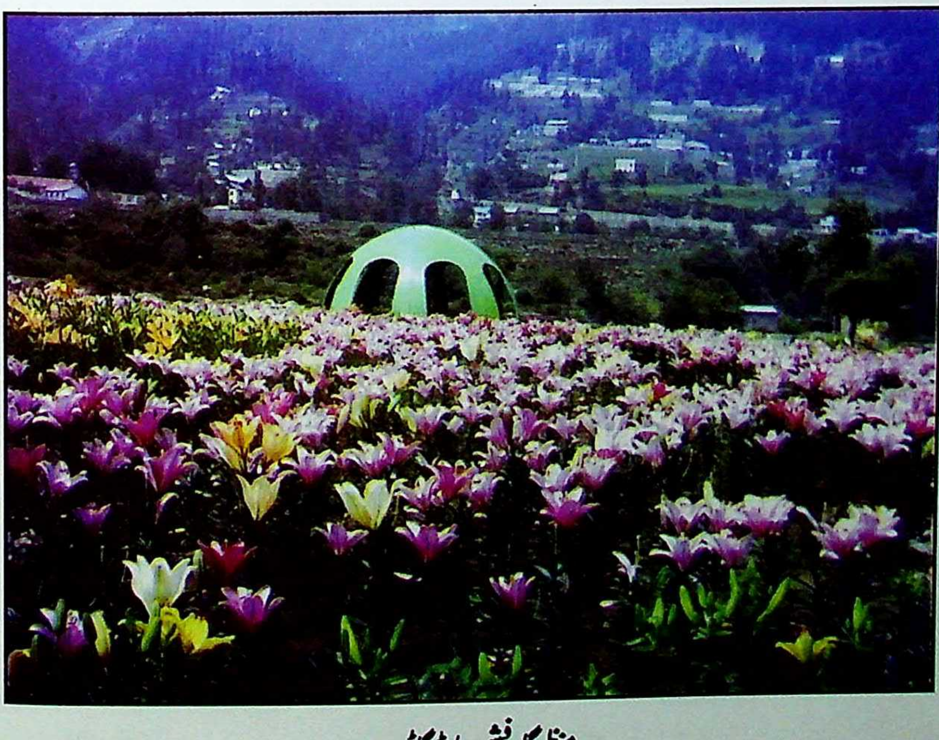
موضع گاٹھ کا عرض بلد ۳۳° اور طول بلد ۷۵° ۴۴ ہے۔ یہاں گاٹھ کے مشرقی جانب دریائے نیرو کے ایک طرف مضبوط قسم کا باندھ ڈال کر ایک خوبصورت جھیل تیار کی جارہی ہے۔ اِس کے ساتھ ہی جھیل اور اِس کے گرد و پیش کا نظارہ کرنے کے لئے ایک بہت بڑی منظرگاہ یہاں تعمیر کی جارہی ہے۔ جس میں چھ عدد چھوٹے بنگلہ نما ہٹس بھی زیرِ تعمیر ہیں۔ اِس منظرگاہ کے ساتھ داخل ہونے کے لئے ایک بڑا گیٹ، پیدل چلنے کا پُل، بچوں کی تفریح گاہ، بیچ میں چلنے کے راستے، سارے رقبہ کی جنگلہ بندی اور ایک مائکرو پن بجلی پروجیکٹ وغیرہ تعمیر کئے جارہے ہیں۔ اِس تفریح گاہ میں چراغاں کرنے کی سہولیات بھی فراہم کی جائیں گی تاکہ جھیل وغیرہ کا منظر رات کے دوران مزید دِلکش اور جاذب نظر بن سکے۔ ایک سو چوالیس (۱۴۴) کنال رقبہ پر پھیلی ہوئی یہ منظرگاہ اور جھیل سیاحوں کی تفریح کے لئے ایک دِلچسپ جگہ بن جائے گی۔ اِس تفریح گاہ تک پہنچنے کے لئے ۵۰ لاکھ روپے کی لاگت سے ایک اپروچ روڈ بھی تعمیر ہو رہی ہے۔ سٹیٹ پلان سے اِس منصوبے کے لئے ۱۲۷ لاکھ روپے کی رقم مخصوص کی گئی ہے اور باقی رقم مرکزی سرکار فراہم کرے گی۔

تفریح گاہ چنتہ:

سیاحتی سرگرمیوں کو فروغ دینے کے لئے بھدرواہ ڈویلپمنٹ اتھارٹی سال ۲۰۰۸ء تا ۲۰۱۰ء کے دوران بہت سے منصوبوں پر عمل پیرا ہوگی، جن میں چنتہ کے مقام پر بھی ایک تفریح گاہ تعمیر ہوگی۔ جس پر تقریباً ستر لاکھ (۷۰ لاکھ) روپے لاگت آنے کا اندازہ ہے۔ اِس میں بھی سیاحوں اور یہاں آنے والے لوگوں اور بچوں کی تفریح کے لئے ضروری آسائشیں میسّر ہوں گی۔



وادیٔ کیلاڑ بھدرواہ



منظرگاہ فش پانڈ گاٹھہ

تفریح و منظر گاہ تیلی گڑھ:

بسوہلی۔ بھدرواہ سڑک پر موضع چنوت اور ہالیاں کے بالائی حصہ میں ایک خوبصوت پہاڑی ٹیلہ ''تیلی گڑھ'' کے نام سے مشہور ہے جس کی پشت پر جنگلات بھرے سدا بہار پہاڑوں کا دِلکش منظر اور سامنے وادیٔ بھدرواہ کے مشرقی، جنوبی اور شمالی حصے دعوتِ نظارہ دیتے ہیں۔قدیم وقتوں میں یہاں پر ایک قلعہ بھی ہوا کرتا تھا اب جو منہدم ہو چکا ہے۔اِس جگہ پر (۳۴) چونتیس کنال رقبے میں ایک خوبصورت پارک اور سیر گاہ زیرِ تعمیر ہے۔ہالیاں کے مقام سے تیلی گڑھ تک ۲۶/ لاکھ روپے کی لاگت سے ایک موٹر روڈ بھی تعمیر کی گئی ہے۔یہاں پر سیاحوں کے لئے مختلف قسم کی سہولیات فراہم کی جارہی ہیں۔اِس مرکز کی تعمیر پر سال ۲۰۰۸ء کے دوران ۱۴۲/ لاکھ روپے لاگت آنے کا تخمینہ ہے۔اِس جگہ پر بھی چھ ٹورسٹ ہٹس، ایک کانفرنس ہال اور ایک کیفے ٹیریا تعمیر کئے جانے کا منصوبہ ہے۔یہاں پر زینے بناتے ہوئے تین باغوں میں پھول لگانے کا کام ہاتھ میں لیا گیا ہے۔

تفریح و منظر گاہ چابڑہ:

موضع کوٹلی کے زیریں حصّہ میں ''چابڑہ'' نام کی ایک قدیم سیر گاہ کے کچھ نشان ابھی تک باقی ہیں جس میں میٹھے اور ٹھنڈے پانی کا ایک مشہور چشمہ بھی موجود ہے۔یہ سیر گاہ نالہ نیرو کے مغربی کنارے پر واقع ہے۔اِسے بھی موجودہ حکومت ایک بڑی تفریح اور منظر گاہ میں تبدیل کر رہی ہے۔۴۱۵/ لاکھ روپے کی لاگت سے یہاں پر ایک خوبصورت پارک تعمیر ہوگا۔موضع کوٹلی سے چابڑہ تک ایک پکی اور کشادہ سڑک حال ہی میں تعمیر کی گئی ہے، جس پر سولہ لاکھ روپے لاگت آئی ہے۔یہ پارک یہاں کی باقی تفریح گاہوں میں سے سب سے نزدیکی پارک ہوگا جہاں ضلع بھر کے لوگ، بچے اور سیاح مناظرِ قدرت سے لطف اندوز ہوسکیں گے۔تقریباً ۴۰ کنال پر پھیلے ہوئے

رقبے پر ایک نباتاتی باغ بھی تعمیر ہو رہا ہے، جس میں مختلف قسم کی جڑی بوٹیاں اور پھول اُگائے جائیں گے۔

پہاڑی منظر گاہ کرساڑی:

درنگہ کی خوبصورت گھاٹی عبور کرتے ہی نالہ نیرو کے بائیں طرف (شمال مشرق) میں کرساڑی گاؤں واقع ہے، جو بھالڑہ کی خوبصورت وادی کے نشیبی حصّہ میں واقع ہے۔ یہاں پر بھی ایک پہاڑی سیر گاہ تعمیر کئے جانے کا منصوبہ تیار کیا گیا ہے جس پر (۳۶۶) تین سو چھیاسٹھ لاکھ روپے خرچ آنے کا تخمینہ ہے۔ مرکزی حکومت کی امداد سے یہ تفریح گاہ ۲۰۱۰ء تک مکمل ہونے کی توقع ہے۔

سیاحتی اِستقبالیہ مرکز ڈنڈی:

مسٹر غلام نبی آزاد نے ڈنڈی کے مقام پر بہ حیثیت مرکزی وزیر برائے سیاحت کچھ ٹورسٹ ہٹس تعمیر کروائے تھے جنہیں ملی ٹینسی کے دوران جلا دیا گیا تھا۔ اب اُنہوں نے اِسی مقام پر بہت سے نئے ٹورسٹ ہٹس تعمیر کروائے ہیں اور تیرہ (۱۳) کمروں اور ایک رستوراں پر مشتمل ایک سیاحتی استقبالیہ مرکز بھی تعمیر کروایا ہے، جس میں اندورنی رابطہ سڑک کا کام مکمل ہو چکا ہے۔ جگہ کا اِنتخاب قابل تعریف ہے۔ اِس مرکز میں بھی زینے بنائے ہوئے خوبصورت باغ تعمیر کروانے کا بھی منصوبہ ہے۔

(ک) سیاحتی سرگرمیوں کے دُوسرے منصوبے:

مذکورہ بالا منصوبہ جات کے علاوہ سیاحتی سرگرمیوں کو فروغ دینے کے لئے حسب ذیل پروجیکٹ ہاتھ میں لئے جا رہے ہیں:

(۱) اٹال گڑھ پہاڑی پر ایک پارک کی تعمیر کا منصوبہ، لاگت ۵۵ لاکھ روپے۔

(۲) پونیجہ کے مقام پر سیاحتی مرکز کی تعمیر پر ۶۵ لاکھ روپے صرف ہوں گے۔

(۳) قلعہ بھدرواہ کی ''قومی ورثہ'' کے طور پر تجدید کاری اور اِس میں پارک' عجائب گھر' لائٹ اینڈ ساؤنڈ شو' جیسی تفریح کی فراہمی اور سیاحتی سرگرمیوں سے متعلق دیگر امورات زیرِ غور ہیں۔[1]

(۴) کوٹلی کے مقام پر ایک یاتری کیمپ کی تعمیر۔

(۵) موضع گاٹھ میں یاتریوں کی پارکنگ کے لئے سہولیات اور حفظانِ صحت سے وابستہ دیگر ضروری سہولیات' جیسے غسل خانوں کی تعمیر اور پانی کی فراہمی وغیرہ۔ اِس کی لاگت کا تخمینہ ۲۰/لاکھ روپے کے قریب ہے۔

(۶) واسک ڈیرہ میں کیلاش یاتریوں کے لئے سہولیات اور سڑک' پارک وغیرہ کی تعمیر' جس کی لاگت کا تخمینہ ۴۰۰/لاکھ روپے ہے۔

(۷) جامع مسجد بھدرواہ کے اِردگرد واقع دوکانوں اور دیگر تعمیرات وغیرہ کو ہٹا کر سڑک کی تعمیر اور معاوضے کی ادائیگی وغیرہ۔

(۸) مہم جوؤں' یاتریوں کے لئے گزرگاہوں اور راستوں کی تعمیر' رہائشی سہولیات کی فراہمی پر ۶۰/لاکھ روپے کی لاگت کا تخمینہ ہے۔ یہ سہولیات سبھار دھار' ناگنی' ریوشرا' کیلاش اور سیوج جیسے خوبصورت مقامات کے لئے بھی مہیا کی جائیں گی۔

(۹) برلبِ سڑک سیاحوں کی منظرگاہ بہ مقام درڈو کی تعمیر کے لئے چار کنال اور بارہ مرلے زمین کی خرید وغیرہ۔

زائرین سیاحت کے علاوہ اِن تمام علاقوں میں مہم جویانہ سیاحت کے کافی وسائل موجود ہیں۔ توقع کی جارہی ہے کہ آزاد صاحب کی سرکار کی طرف سے اُٹھائے گئے اِقدامات سے کچھ عرصہ کے اندر اندر ہی یہ علاقے اِن سرگرمیوں کی آماجگاہ بن جائیں گے۔ مہم جوئی کی سیاحت میں پیراگلائڈنگ' رافٹنگ' راگ کلائمبنگ اور ٹریکنگ جیسی تفریحات شامل ہیں۔ کوہ پیمائی کے لئے یہ جگہ مشہورِ عالم تفریح گاہ بن سکتی ہے۔

---

[1] ''قلعہ بھدرواہ'' کا تفصیلی ذکر ایک الگ باب کے طور پر کیا گیا ہے۔

حصّہ دوم - تاریخِ بھدرواہ' دورِ قدیم

باب اول: قبل از تاریخ سے پال راجوں کے دور تک

وجہ تسمیہ:

ڈونگا نگر اور اُودھا نگر سے بھدراوکاس اور بھدرواہ تک:

اِس بات پر تقریباً سب مورّخین متفق ہیں کہ بھدرواہ کا قدیم ترین نام ''بھدراوکاس'' تھا۔ کلہن نے بھی ''راج ترنگنی'' میں بھدرواہ کو ''بھدراوکاس'' سے ہی موسوم کیا ہے۔ ڈاکٹر پریتم کرشن کول ''بھدراوکاس'' کو ایک ''اچھی جائے قرار'' کے معنوں میں لیتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ یہ نام اِسے باہر کے لوگوں بالخصوص کشمیری حکمرانوں نے دیا ہوگا جو گیارھویں یا بارھویں صدی عیسوی تک جموں کے پہاڑی علاقوں پر حکمرانی کرتے رہے۔ کیونکہ کشمیر کے حکمران بھدرواہ ہی میں سے گزر کر پٹھانکوٹ اور دہلی وغیرہ کی طرف آیا جایا کرتے تھے۔ اِس علاقہ کی خوبصورتی بھی اس کے ''بھدراوکاس'' نام پڑنے کا موجب بنی ہوگی لیکن دُوسری طرف مشہور مورّخ نرسنگھ داس نرگسؔ اپنی ''تاریخ ڈوگرہ دیس'' میں اِس کی وجہ تسمیہ یوں بیان کرتے ہیں:

> ''راجہ بھوگ پال بانیٔ خاندانِ بلاور کی چوتھی پشت میں راجہ بھوج پال وارثِ ریاست بلاور ہوا' جس کے دو بیٹے تھے۔ بڑا ستیادھک جسے بلاور کا راج تلک اور دُوسرا رادھک جسے بھدرواہ کا علاقہ ملا اور اُس نے بھدرواہ کو وُسعت دے کر اِسے خودمختار ریاست کا درجہ دیا۔ اُس راجہ نے بلاور سے آ کر یہاں بھگوتی بھدرکالی کا مندر بنوایا۔ راجہ رادھک کے ہاں جب فرزند پیدا ہوا تو اُس

نے بھدرکالی بھگوتی کے نام پر اُس کا نام بھدر پال اور اپنی راجدھانی
کا نام ''بھدر'' رکھا جو کہ بعد میں ''بھدرواہ'' مشہور ہو گیا۔''

(بحوالہ ''تاریخ ڈوگرہ دیس''، صفحہ:۱٦٧)

شاید متذکرہ بالا مفروضے کو بنیاد بنا کر مسٹر وید بھوشن گپتا اپنے ایک انگریزی مقالے بعنوان ''تاریخ بھدرواہ کا ایک جائزہ'' جو ڈِگری کالج بھدرواہ کے میگزین ''شاہین'' کے صفحہ نمبر ۵ پر چھپا ہے' میں یوں رقمطراز ہیں:''........بھدرواہ ایک جنگل تھا جہاں بسوہلی' بلاور اور چمبہ کے لوگ اپنے مال مویشی چرانے کے لئے آیا کرتے تھے۔ بھوج پال اُن دنوں بلاور کا راجکمار تھا۔ اُس شہزادے کے دو بیٹے تھے۔ بڑے بیٹے کا نام ستیا دھک' جو اپنے والد کے بعد بلاور کی گدی پر بیٹھا اور اُس کے چھوٹے بھائی کو قسمت بھدرواہ کی طرف کھینچ لائی۔ اُس نے یہاں کے جنگل صاف کروا کر یہاں بھگوتی کالی مندر تعمیر کیا اور مندر کے نام پر اپنی راجدھانی کا نام بھدرکاش رکھا۔ جب رادھک کے یہاں بیٹا پیدا ہوا تو اُس کو بھدر پال کے نام سے موسوم کیا گیا۔''

عام روایات کے مطابق بھی یہ بات مشہور ہے کہ بھدرواہ کا نام ''بھدرکالی'' کی نسبت سے ''بھدرکاہ'' پڑا۔ اِس کے بعد یہ بھدراوکاس اور بعدازاں زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ بھدرواہ ہو گیا۔ یہ روایت بھی عام ہے کہ بھدرواہ قصبہ کا موجودہ جائے وقوع پہلے موجودہ موضع سرتنگل کے آس پاس میں تھا۔ اِس بارے میں پروفیسر ٹھاکور اُودھے چند کا کہنا ہے کہ —— ''پرانا قصبہ موجودہ موضع سرتنگل کے نزدیک ڈونگا نگر اور اودھانگر کے نام سے موسوم تھا۔ جو موجودہ قصبہ بھدرواہ سے دو یا اڑھائی کلومیٹر کی دُوری پر واقع ہے۔ یہ کچھ عرصہ کے بعد ایک بڑے سیلاب کی نذر ہو گیا اور بعد میں موجودہ مقام پر آباد ہونا شروع ہو گیا۔'' پروفیسر صاحب کے اِس بیان سے مسٹر بھگوان راج گپتا بھی کسی حد تک متفق نظر آتے ہیں کہ یہ موجودہ قصبہ سرتنگل کے آس پاس تھا۔ وہ اپنے ایک مضمون ''بھدرواہ کی تواریخ کا ایک ورق'' میں

بھدرواہ کی قدیم تاریخ ''واسقی پران'' (واسکی پران) نام کی ایک کتاب کا ذِکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''یوں تو بھدرواہ کے تواریخی حالات ''واسقی پران (واسکی پران) نام کی ایک کتاب میں مفصل طور پر درج ہیں لیکن یہ کتاب سنسکرت زبان میں لکھی ہوئی ہے' اِس لئے عام لوگوں کو سنسکرت زبان سے ناواقفیت کی وجہ سے اِس کتاب کا پڑھنا اور بھدرواہ کے تواریخی حالات سے آگاہ ہونا ناممکنات میں سے ہے۔ لہٰذا ہر کس و ناکس کو بھدرواہ کے تواریخی حالات سے آگاہ کرنے کی سہولیت بہم پہنچانے کے لیے ذیل کی چند سطور حوالہء قلم کی جاتی ہیں —— بھدرواہ کا موجودہ قصبہ جو کہ نگر کے نام سے مشہور چلا آتا ہے' اِس تحصیل کا تیسرا بڑا قصبہ ہے اور اس کا پرانا نام ہیٹری (Hattery) نگر تھا۔ اس قصبہ کے آباد ہونے سے پہلے دو اور قصبوں کا ذِکر سننے میں آتا ہے جن کے نام ''ڈھونگا نگر'' اور ''اودھونگر'' تھے۔ اِن ہر دو قصبوں کا محلِ وقوع موجود موضع ''مونڈہ'' جو کہ موجودہ قصبہ سے تقریباً ڈیڑھ میل کے فاصلے پر جنوب کی طرف واقع ہے' کے گرد ونواح میں تھا۔ تاریخ کہتی ہے کہ یہ دونوں قصبے کسی وقت نہایت بھیانک سیلاب کی نذر ہو چکے ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے۔ آج بھی اگر کسی بلند مقام سے اِس گاؤں کی طرف نگاہ ڈالی جائے تو بڑی بڑی چٹانیں اور پتھروں کی قطاریں پکار پکار کر کہتی ہیں کہ اِن کے نیچے ہزار ہا اِنسانی جانیں مدفون ہیں۔ مختصر یہ کہ ان دونوں قصبوں کی تباہی اور بربادی کے بعد لوگوں نے بازار سیری کے اِرد گرد آبادی قائم کرنی شروع کر دی۔ لفظ ''سیری'' کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ موجودہ سیری کا چوک کسی زمیندار کی اراضی کا ایک بہت بڑا ٹکڑا تھا۔ چنانچہ آج بھی بھدرواہی زبان میں بڑے کھیت کو ''سیر'' کہتے ہیں۔ اِسی سیر کو بعد میں سیری پکارنے لگے۔''

''ہسٹری آف پنجاب ہل اسٹیٹس'' کے مصنفین ہچی سن اور ووگل نے بھی اِس تاریخ کے حصّہ دوم میں بھدرواہ کے قدیم راجاؤں کا حال بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اُن راجاؤں نے ایک لمبے عرصے تک بھدرواہ پر حکومت کی اور یہ کہ اُس وقت

ڈونگانگر‘‘ ہی اُس مملکت کا دارالخلافہ تھا۔ مسٹر دیس راج کاٹل اپنے ایک مضمون ’’اٹھکھار‘‘ میں اِس بارے میں لکھتے ہیں کہ ——’’تاریخی لحاظ سے علاقہ اٹھکھار بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ ڈونگانگر اور اودھانگر جیسے مشہور و معروف شہر اِسی علاقہ میں ترقی کی بلندیوں کو چھو پائے۔ یہ اُس زمانے کی بات ہے جب کہ موجودہ سرتنگل اور گڑھ کے نیچے جونئی بستی آباد ہورہی ہے (اور) جس کا نام پروت رکھا گیا ہے‘ ایک ہی سطح پر تھے۔ اُن کے درمیان آج جو گہرا ہلون نالہ بہہ رہا ہے‘ یہاں پر نہیں بہتا تھا بلکہ یہ سرتنگل کے جنوب مشرق کی جانب سے بہتا ہوا سرتنگل اور پاور ہاؤس سرتنگل کے بیچوں بیچ بہتا ہوا بمقام راؤ‘ نالہ نیرو میں ملتا تھا۔ تب اُن دونوں ناموں کا سنگم بمقام راؤ تھا‘ جو آج کل گھانگو کے نام سے آباد ہے۔ نالہ ہلون کا رُخ غالباً دُوسرے بڑے تباہ کن سیلاب کے بعد بدلا جس سے کہ اودھانگر بُردِ آب ہوا۔ پہلے یہاں پر ڈونگانگر، موجودہ مونڈہ گاؤں سے لے کر بگن اور گھانگو تک کے رقبہ میں آباد تھا۔ اِس خِطّہء اراضی کو آجکل بروگلی کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ شہر بھی کسی بھیانک سیلاب کی نذر ہو گیا تو اُس وقت کے راجہ نے جس کی راجدھانی گڑھ میں تھی‘ اپنے راج محل کے قریب دُوسرا نگر بسایا جس کا نام راجہ نے اپنے نام پر اودھانگر رکھا۔ اودھانگر کے بہہ جانے کے بعد راجہ نے بھدرا ندی (مشدیو نالہ) کے کنارے تیسرا نگر بسایا‘ جہاں پر آج کل بھدروت کا گاؤں آباد ہے۔‘‘

مسٹر این. بی. کوتوال نے اپنی کتاب ’’پولٹیکل اینڈ کلچرل ہیریتج آف بھدرواہ‘ کشتواڑ اینڈ ڈوڈہ‘‘ (صفحہ ۱۰۹ تا ۱۱۰) میں بھدرواہ کی راجدھانی ڈونگانگر کی تباہی اور موجودہ قصبہ نگر کی آبادکاری کے بارے میں ایک دِلچسپ روایت کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں ——’’بھدرواہ کی قدیم راجدھانی سرتنگل کے قریب تھی‘ جو اب گڑھ کے نام سے موسوم ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ڈونگانگر مہابھارت زمانے کے راجہ آشاپتی کی راجدھانی تھی۔ اِس کے نچلے حصّے میں اودھانگر نام کا ایک گنجان آباد قصبہ تھا (جسے آج

مونڈا کہا جاتا ہے) موجودہ قصبہ بھدرواہ کے قرب وجوار ایک سنسان جنگل پر مشتمل تھے، جسے شمشان گھاٹ کے طور پر اِستعمال کیا جاتا تھا۔ ایک دفعہ ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ اِس خطے میں ایک ریشی درویش کا رُوپ دھار کر رُونما ہوا جس نے ہر گھرانے سے ایک لڈو (مٹھائی کی قسم) طلب کیا۔ اُس کی اِس مانگ کو پورا کرنے کے بجائے سب نے اُسے فرد فضول قرار دے کر اُس کا مذاق اڑایا۔ جب وہ فقیر ڈونگا نگر میں واقع ایک بڑھیا کے گھر پر پہنچا تو اُس رحمدل خاتون نے اُس فقیر کا مطالبہ پورا کیا۔ اُس بوڑھی عورت پر خوش ہوتے ہوئے اُس نے اپنے ''کمنڈل'' (ایک قسم کا برتن) سے اُس خاتون کو مٹھی بھر راکھ دی اور اُس کو کہہ دیا کہ اِس موہڑہ میں تباہی برپا ہونے والی ہے اور یہ کہ اِس ساری وادی میں بارشوں اور گرجتے ہوئے بادلوں اور آندھی کے طوفان سے مکمل طور پر بربادی ہونے والی ہے، جو کل سے شروع ہوگی۔ اگر بارش اور طوفان تھمنے نہ پائے تو تم اِس راکھ کو اپنے مکان کے چاروں اطراف میں چھڑک لینا، جس سے تمہارا گھر بچ جائے گا۔ یقین کیا جاتا ہے کہ اُس درویش کی پیشن گوئی پوری ہوئی اور سارا موہڑہ طوفان میں بہہ گیا اور ساری وادی بڑی بڑی چٹانوں اور پتھروں سے بھر گئی، جو آج بھی تقریباً تین مربع کلومیٹر کے علاقہ پر پھیلے ہوئے دِکھائی دیتے ہیں۔ اِس تباہی سے بوڑھی عورت اور اُس کے دُور کے متعلقین ہی بچ سکے۔ وہ مزید کہتے ہیں کہ چارلس ایلی سن بیٹس نے ''کشمیر گزیٹیئر'' میں ایک شخص املوک سنگھ نمبردار کا ذِکر کیا ہے جو موضع گڑھ کی نسل سے ہی تعلق رکھتا تھا۔ باقی آبادی کے کچھ لوگ موجودہ قصبہ بھدرواہ میں بس گئے، جسے نگری کے نام سے پکارا جانے لگا۔ یہی نگر بھدرواہ کے نام سے اِس پہاڑی مملکت کے آئندہ راجاؤں کی راجدھانی رہی۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ واقع راجہ ابھے پال کے دورِ حکومت یعنی ۱۶۹۱ء تا ۱۷۰۰ء میں ظہور پذیر ہوا۔''

اِس واقعہ کا ذکر ''کشمیری لوک کہانیاں'' (ترجمہ اور تحقیق غلام رسول طاؤس بانہالی)، جو لوک ورثے کا قومی ادارہ، اِسلام آباد پاکستان نے مظہر الاسلام کی ادارت

میں شائع کی ہیں، میں بھی تفصیلاً آیا ہے۔ شہنشاہ اکبر کے دربار میں راجہ ناگ پال والئ بھدرواہ کے باقی راجاؤں کی طرح پیش ہونے کے بارے میں ذِکر کے بعد وہ یوں رقمطراز ہیں ـــــ

''راوی کہتا ہے کہ یہ وہی باسک یا باسکی ہے جس نے پرانے زمانے میں کشمیر کی وادی سے بھاگ کر کملاس پہاڑ کی جھیل کنڈ کلیس میں پناہ لی تھی۔ یہ اُس زمانے کی بات ہے جب بھدرواہ کے موجودہ قصبے کا کہیں نام ونشان موجود نہیں تھا اور اِس وادی کا مرکز نیرو اور بھیلاں ندیوں کے سنگم پر واقع قصبہ ''دوگھ نگر'' تھا۔ کہتے ہیں کہ اُس زمانے میں یہاں زبردست قحط پڑا اور باسک ایک بھکاری کا رُوپ دھار کر قصبے میں خیرات مانگنے لگا۔ اُس نے ایک ایک گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا لیکن ہر جگہ سے خالی ہاتھ لوٹنا پڑا۔ آخر ایک بڑھیا کی کٹیا پر صدا دی۔ بوڑھی عورت نے کہا کہ بیٹا اندر آجاؤ۔ میرے پاس اور تو کھانے کے لئے کچھ بھی نہیں صرف کچھ جنگلی بوٹیاں پڑی ہوئی ہیں۔ آؤ دونوں مل کر اِن ہی جڑی بوٹیوں پر گزارہ کرلیں۔ مسافر اندر آ کر بیٹھ گیا تو بڑھیا کی نظر چٹکے پر پڑی جس سے ٹپ ٹپ پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ وہ جان گئی کہ اُس کا مہمان کوئی بھکاری نہیں بلکہ باسک ناگ ہے۔ ناگ نے اپنا بھید کُھلتے دیکھا تو بڑھیا سے کہا کہ خبردار جو تُو نے اِس راز کا تذکرہ کسی اور سے کیا...... اور یہ بات بھی اپنے تک محدود رکھنا کہ چند دِنوں میں دوگھ نگر غرقاب ہونے کو ہے۔ کچھ دِنوں بعد ایک زبردست طوفان آیا اور پہاڑ پر ایسی بجلی گری کہ پانی کا ایک ہی ریلہ قصبے کو بہا کر لے گیا۔ صرف بڑھیا کی کٹیا تھی جو محفوظ رہی۔ جو بڑے بڑے پتھر دو ندیوں کے سنگم پر آج بھی موجود ہیں، یہ اُسی سیلاب کی یادگار ہیں۔ اُس زمانے میں لوگ قحط سالی کی وجہ سے بہت ہی پریشان حال تھے۔''

جے۔ این۔ گنہر کا حوالے دیتے ہوئے سکھدیو سنگھ چاڑک اپنی کتاب ''ہسٹری آف ہمالین اسٹیٹس'' کی جلد نمبر ۶ کے صفحہ نمبر ۱۵۴ تا ۱۵۵ یوں رقمطراز ہیں کہ ـــــ

''بھدرکالی'' کی صورت میں کالی فرقہ اِس خطّے کا غالب مذہب تھا۔ دراصل اِس مقامی حصّے کا نام بھدرکالی کے نام سے ہی پڑا ہے جبکہ گرڈ کے غیظ وغضب سے بچنے کی خاطر واسکی کے پناہ مانگنے اور اُس کو ہی یہ علاقہ حوالہ کردینے سے پہلے یہ بھدر کالی کا ہی گھر تھا۔''

تحقیق اور روایات کی رنگ بھری قوسِ قزح سے مزیّن اِن متذکرہ بالا مختلف النوع بھول بھلیوں سے ہم اِس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ بھدرواہ کے تاریخی ارتقاء نے اپنے قدیم جائے وقوع سے موجودہ قصبہ منتقل ہوتے ہوئے ''ڈونگانگر'' سے لے کر ''بھدرواہ'' کا موجودہ نام پانے تک بہت سے جغرافیائی خول اُتارے ہیں اور زمانوں کی تراش خراش کے بعد یہ خوبصورت وجود دھار لیا ہے، جسے آج ہم بھدرواہ کہتے ہیں۔ اِن کے وجہِ تسمیہ کی سب سے بڑی نسبت بھدرکالی مندر سے ہی ہے۔

یہ روایت بھی مشہور ہے کہ زمانہ قدیم میں بھدرواہ کا خطہ بھدر دیپ، بھدر دیش، بھدرکاشی، بھدر آشرم کے ناموں سے مشہور ہو چکا تھا، جو بالآخر پہلے بھدراوکاس پھر بھدرکاہ اور بعد میں بھدرواہ کہلایا۔ کشمیری مورّخ کلہن نے بھی اپنی مشہورِ زمانہ تاریخ ''راج ترنگنی'' میں اِسے ''بھدروکاس'' ہی لکھا ہے۔ اِس پر تبصرہ کرتے ہوئے سٹین نے لکھا ہے کہ ـــــ

''بھدرواہ کے کوہستانی ضلع، جس کا جھکاؤ چناب کی طرف ہے، کا نام ''راج ترنگنی'' میں ''بھدروکاس'' دیا گیا ہے۔ اِس کے راجے قریبی صدیوں تک ریاست چمبہ کے باج گزار تھے۔ ایسا ہی سلسلہ غالباً اُس سے پہلے وقتوں میں بھی رہا ہو کیونکہ کلہن کے دئے ہوئے کوہستانی راجوں کی فہرست میں بھدرواہ کے کسی بھی حکمران کا ذِکر نہیں ہے۔''

***

تاریخِ بھدرواہ کے اِبتدائی نقوش:

مقامی اور بیرونی مورّخین، محققین اور تذکرہ نگاروں کی ایک بڑی تعداد نے بھدرواہ کی اِبتدائی تاریخ پر صدیوں تک پڑے ہوئے کہرے اور دُھندلکے کو ہٹانے کی مسلسل اور انتھک کوششیں کیں، تاہم بارھویں صدی عیسوی سے قبل کی تاریخ تاریکی کی گہری چادر کے تلے آج تک دبی ہی رہی، جس وجہ سے ہمیں اپنے ہزارہا سال قدیم تاریخی واقعات کے عظیم سرمائے کی بازیافت سے محروم ہی رہنا پڑا۔ اِس محرومی کے لئے ہمارے موقر اسلاف کی غفلت شعاری یا بے حسی کو ذمہ دار ٹھہرایا جائے یا اُن ادوار کی سیاسی اُتھل پتھل کو یا پھر لوگوں کی معاشی بدحالی کو کہ اُن کی تعلیمی پسماندگی کو، اِس بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ یا پھر ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ لوگوں کو تاریخ نویسی کے فن کی سرے سے ہی واقفیت نہ ہو۔ ایسا بھی ممکن ہے کہ واقعات اور حالات کی تند اور تیز گھٹاؤں نے کسی معاصر صاحبِ قلم کو کسی پُراسرار خوف کے زیرِ اثر یہ ہمت ہی نہ بخشی ہو کہ وہ تاریخ کے اُس یخ بستہ وِرثے کو اپنے تجسُس اور تحقیق کے آہنگ میں ڈال کر صفحۂ قرطاس پر لا کر اُسے ایک مستند اور جامع تاریخ کی صورت بخشتا اور خود بھی مورّخین کی صفِ اوّل کا میرِ کارواں بنتا۔ اِبتداء سے مورّخین کی عام رائے یہی رہی ہے کہ یہ علاقہ اپنی دُور افتادگی اور دُشوار گزاری کی وجہ سے قلمکاروں کی نظروں سے کافی عرصہ تک اوجھل ہی رہا۔ اِس لئے اِس کی تاریخ بھی کئی سینوں میں دفن ہی رہی اور کوئی صاحبِ قلم اِسے اُس دور میں الفاظ کا جامہ نہ پہنا سکا۔

دراصل ڈوڈہ کی ہی طرح بھدرواہ کو بھی کوئی کلہنؔ جیسا مورّخ نصیب نہیں ہوا، جو اِس خوبصورت اور دِلفریب وادی کے عظیم تاریخی سرمائے یا اِس کے کچھ اہم

تاریخی واقعات کو قلمبند کر کے ہمیشہ کے لئے محفوظ کر لیتا۔ یہ بھی باور کیا جا سکتا ہے کہ شاید اِس تعلق سے کچھ قدیم مسودات کسی نہ کسی گھرانے میں پرانی الماریوں یا صندوقوں میں مقفل ہوں۔ توقع کی جانی چاہیئے کہ ہماری نئی نسل کے تاریخ سے تعلق رکھنے والے طالب علم اُن تواریخی مسودات کی بازیافت میں کوشاں رہیں گے تا کہ اُن گُم شدہ تواریخی اور تمدنی سلسلوں کو آج تک دستیاب شدہ واقعات کے ساتھ جوڑا جا سکے اور ہم بھدرواہ کی ایک مکمل اور مستند تاریخ دُنیا کے سامنے پیش کرنے کے قابل ہو سکیں۔ ایسے کارنامے کی تکمیل سے ہماری تحقیقی بصیرت اور حُب الوطنی کی ہمیشہ سراہنا ہوگی۔

کسی معتبر اور مستند تاریخ کی عدم موجودگی کی وجہ سے مورّخین اور تذکرہ نگاروں کو تاریخ کی اُن گم شدہ کڑیوں کو جوڑنے کے لئے یہاں کی سالہا سال سے چلی آرہی روایات، لوک کہانیوں، قصوں، سیاحوں کے سفر ناموں، راجگان کی باہمی خط و کتابت، تانبے کے پٹوں، شاہی فرمانوں وغیرہ پر اِنحصار کر کے کچھ کچھ واقعات قلمبند کرنے کا موقع فراہم ہوا ہے۔ یا زیادہ سے زیادہ تاریخِ کشتواڑ، چمبہ، کانگڑہ اور بسوہلی میں وادیٔ بھدرواہ کے بارے میں تحریر کردہ سرسری جائزوں یا حوالوں کی مدد سے کچھ نتائج اخذ کر کے زیرِ قلم لائے گئے ہیں جن سے ہماری اِس خوبصورت وادی کی تاریخ کا سیاسی، ثقافتی، سماجی اور مذہبی ڈھانچہ مرتّب کیا گیا ہے۔ اِس سلسلہ میں جن مؤرخین، مؤلفین اور تذکرہ نگاروں نے بڑی لگن، محنت اور عرق ریزی سے سالہا سال کام کر کے مختلف تواریخی مواخذ اور منتشر قسم کے اوراقِ پارینہ کی گہری چھان بین اور تحقیق کے بعد بھدرواہ کی تاریخ کے کچھ قدیم اور جدید نقوش قلمبند کر کے معرضِ وجود میں لانے کی بیش قیمت کوشش کی ہے۔ اُن میں اِبتدائی طور پر انگریزی سیاح جی. ٹی. وائن، یورپی سیاح فریڈرک ڈریو اور چارلس ایلی سن بیٹس، مملکتِ چمبہ کے پادری وُوگل اور ہچی سن، مولوی حشمت اللہ لکھنوی، دیوان نرسنگھ داس نرگسؔ، عشرتؔ کاشمیری، ڈاکٹر سکھدیو سنگھ چاڑک اور ٹھاکر کاہن سنگھ بلوریہ کی تالیفی کاوشیں سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اُن

تذکرہ نگاروں اور مورّخوں کے تحقیقی کاموں میں مزید چھان بین اور تحقیق کے بعد یکے بعد دیگرے جن قلمکاروں نے اپنی قابلِ قدر تصانیف میں ضلع ڈوڈہ کی تاریخ کا بالعموم اور تاریخِ بھدرواہ کا بالخصوص تذکرہ کیا ہے اور کچھ نئے واقعات کا اِضافہ کیا ہے' اُن میں ٹھاکر اُودھے چند کے تحقیقی مقالے اور اُن کا دریافت کیا ہوا شجرہ نسب راجگانِ بھدرواہ' ڈاکٹر پریتم کرشن کول کی مملکتِ ہائے کانگڑہ' چمبہ و بھدرواہ پر لکھی ہوئی تاریخ اور اُن کا ''واسکی پران'' کا ہندی زبان میں ترجمہ' واسکی پران کا ہی ہندی میں ترجمہ جو شری دھرم راج شرما' ساکن گاٹھہ بھدرواہ نے کیا ہے' قابلِ توجہ اور قابلِ ستائش ہیں۔ اِس ضمن میں ڈِگری کالج بھدرواہ کے ۱۹۷۱ء میں شائع شدہ ''شاہین'' میگزین کا خصوصی شمارہ ایک تاریخی حیثیت کا حامل ہے' جس میں یہاں کی تاریخ' جغرافیہ اور ثقافت کے بارے میں بہت سے معروف مقامی' ریاستی اور بیرونی اہلِ قلم حضرات کے متعدد فکر انگیز مضامین شائع ہوئے ہیں جن سے ۱۹۷۱ء کے بعد لکھنے والے تذکرہ نگاروں اور تاریخ نویسوں نے بھرپور اِستفادہ کر کے اِس قدیم مملکت کے مختلف تاریخی' جغرافیائی اور ثقافتی معلومات کو مزید وُسعت دینے کی کوشش کی ہے۔ اِس لئے اُس کی بنیادی اہمیت ہمیشہ برقرار رہے گی۔ پچھلے کچھ برسوں میں جن نئے تذکرہ نگاروں نے یہاں کی تاریخ سے متعلق اپنی قابلِ قدر تحقیقی کتب میں مضامین لکھے ہیں یا واقعات قلمبند کئے ہیں' اُن میں اسیر کشتواڑی صاحب اور نیک چند کوتوال صاحب کے اسمائے گرامی سرفہرست ہیں۔ علاوہ ازیں محکمہ اِطلاعات جموں و کشمیر نے بھی وقتاً فوقتاً اپنے اشاعتی پروگراموں کے توسط سے ضلع ڈوڈہ کی تاریخ' ثقافت اور ترقیاتی کاموں کے بارے میں بڑے اہم نوعیت کے تحقیقی مضامین قلم بند کروا کر شائع کئے ہیں' جن میں ۱۹۹۸ء میں طبع شدہ ''ڈسٹرکٹ پروفائل'' بھی شامل ہے۔ حال ہی میں ناصر فریدی صاحب کی کتاب ''دی ویلی آف چناب'' (۲۰۰۴ء) شائع ہوئی ہے' جو اِس سلسلہ میں ایک قابلِ قدر اضافہ ہے۔

مسٹر بھوشن گپتا کی رائے کے مطابق ''بھدرواہ ایک جنگل تھا' جہاں پر بسوہلی' بلاور اور چمبہ سے لوگ آ کر گرمیوں میں بھیڑ بکریاں چراتے تھے۔ بلاور کا راجہ اُن دِنوں بھوج پال تھا جس کے دو لڑکے تھے۔ بڑا ستیا دھک اور چھوٹا رادھک۔ ستیا دھک' بھوج پال کے بعد بلاور کا وارث بنا اور رادھک نے بھدرواہ کی راہ لی۔ رادھک نے یہاں آ کر جنگل صاف کروا کر ''بھگوتی کالی'' کا مندر تعمیر کروایا اور اِسی مندر کے نام پر اپنی راجدھانی کا نام ''بھدر کاش'' رکھا۔ رادھک کے ہاں جب فرزند پیدا ہوا تو اُس کا نام بھدر پال رکھا گیا۔ راجہ رادھک کے بعد راجہ بھدر پال بھدرواہ کا راجہ بنا۔ یہ زمانہ تقریباً ۸۴۳ بکرمی (بمطابق ۷۸۷ء) کے درمیان کا بیان کیا جاتا ہے۔ اُس راجہ کے عہدِ حکومت میں بھدر پال کا لڑکا راجہ پرتھوی پال تھا' جو اپنے باپ کے مرنے کے بعد وارثِ ریاست بھدرواہ ہوا۔ اُس پرتھوی پال کے دو لڑکے ہوئے۔ بڑا اجے پال اور چھوٹا برہم چند۔ راجہ پرتھوی پال کے بعد راجہ اجے پال اور پھر راجہ کیلاش پال' بعد میں کشن پال اور اُس کے بعد کنہیا پال' بعد میں مہا پال یکے بعد دیگرے بھدرواہ کے خودمختار راجے بنے۔ جن دِنوں تاجدار ہند ہمایوں تھا اُن دنوں راجہ مہا پال بھدرواہ کا راجہ تھا۔''

(بحوالہ ''شاہین'' ڈِگری کالج بھدرواہ' صفحہ: ۲۰)

''دُوسری ریاستوں کی مانند' بھدرواہ میں ایک مملکت کے قیام' اُس کے سب سے پہلے راجے اور ناگ دیوتا کی پوجا کے بارے میں بہت سی روایات نے جنم لیا ہے۔ مؤرخین اِس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ ناگ دیوتا کی پوجا پہاڑی علاقوں میں بالعموم اور بھدرواہ کے مختلف علاقوں میں بالخصوص قدیم زمانے سے ہی ہوتی چلی آئی ہے۔ ناگ دیوتا یعنی واسک ناگ کو بھدرواہ کا سب سے پہلا راجہ تصور کیا جاتا ہے۔ واس دیو کے نام سے بھی یاد کیا جانے والا ناگ' ناگوں میں سب سے مقدس مانا جاتا

نوٹ: کچھ مورخین کے خیال میں رادھک پال نے دسویں صدی عیسوی میں بھدرواہ پر حملہ کر کے اُسے فتح کیا تھا۔

ہے۔ یہ اُس دور کی کہانی ہے جب وادیٔ کشمیر میں ناگ پوجا کی جگہ ویشنومت بڑی تیزی سے پھیل رہا تھا، جس وجہ سے ناگوں یعنی وادیٔ کشمیر کے قدیم باشندوں کو دُشوار گزار ہمالیائی خِطّوں کی طرف بھاگ جانا پڑا تھا۔ سنسکرت زبان میں لکھی گئی کچھ کتابوں میں باسک ناگ کا واسکی کے نام سے ہی ذِکر ہوا ہے اور اُسے ناگوں کے بادشاہ کے طور پر ہی تصور کیا گیا ہے۔ واسک ناگ یا باسک ناگ دراصل وادیٔ کشمیر کا ہی رہنے والا تھا۔ نیل مت پوران جو بھدرواہ میں ہی مرتب ہوا ہے کہ مطابق گرڑ (گوُروڑ) سے ناگوں کی دُشمنی کے نتیجے میں اُن کا سردار واسک، ویشنو کے پاس چلا گیا جس نے اُسے ''ستی سر'' کشمیر میں تحفظ دیا اور نیل کو اُن کا بادشاہ مقرر کیا۔ کشمیری روایت کے مطابق ''سُسد ان گل'' نامی ایک ناگ، لوگوں کی عورتوں کو اغوا کر لیا کرتا تھا۔ لہٰذا اُسے ناگ بادشاہ نیل نے کشمیر سے جلاوطن کر کے دراوڑن کے علاقہ اُسی رِکھ کی طرف بھیج دیا جہاں ویشنو نے اُسے تحفظ دیا۔ سکھدیو سنگھ چاڑک کے مطابق مونٹ اُسی رِکھ بھدرواہ کا کیلاش کُنڈ ہے۔ بھدرواہ کی روایات میں سُسد ان گل کے بجائے واسک ناگ کا نام ہی لیا جاتا رہا ہے۔''[1]

وادیٔ کشمیر اور بھدرواہ کی مشترکہ روایات کے مطابق ناگ قبیلہ کشمیر سے ہی بھدرواہ آیا تھا اور پہاڑوں کے دُوسرے سلسلوں میں بھی پھیل چکا تھا۔ اس قبیلے کی ہجرت کی وجہ ویشنو کے پجاریوں کے دباؤ اور ظلم سے بچنے کے سوا اور کچھ نہ تھی۔ مقامی روایات کے مطابق اگرچہ واسک ناگ کشمیر کا اصلی باشندہ تھا۔ اُسے کسی شرارت کے سبب کشمیر سے بھاگنا پڑا کیونکہ ویشنو کا وہان (یا اُڑن طشتری) گرُڑ ہر جگہ واسک کا پیچھا کرتا رہا۔ بالآخر واسک ناگ نے کنڈ کیلاش میں چھلانگ مار کر اِسی میں پناہ لی۔ گرُڑ نے اِس جھیل کا ایک سِرا کاٹ لیا اور جھیل کا پانی بہنے لگا۔ خطرہ بھانپ کر واسک ناگ نے ایک روایت کے مطابق ''بھدر کالی دیوی کی طرف رجوع کیا۔ کہتے ہیں کہ اُس نے تھوڑی سی اُونچائی پر واقع کنڈ میں سوراخ کر دیا۔ اِس طرح سے کیلاش

[1] ''تصویرِ ضلع ڈوڈہ'' از: اسیر کشتواڑی

کنڈ دوبارہ پانی سے بھر گیا اور گرُڑ مایوس ہو کر کشمیر کی طرف لوٹ گیا۔ کہا جاتا ہے کہ بھدرواہ کا علاقہ پہلے سے ہی بھدرکالی کے پاس تھا۔ جب واسک ناگ بھاگتا ہوا بھدرواہ کی وادی میں داخل ہوا تو ''بھدرکالی'' نے اُس پر رحم کھاتے ہوئے اُسے بھدرواہ کی حکومت سونپ دی۔ ناگ' کالی اور شکتی مت کے ملاپ سے ویشنو مت کے مقابلے میں شیومت اُبھر آیا۔''[1]

بھدرکالی کی نسبت سے علاقوں میں کالی مت کا ہی غلبہ تھا۔ جیسا کہ پہلے بھی ذِکر آچکا ہے کہ بھدرواہ کا نام بھدرکالی کے نام سے ہی منسوب ہوا ہے کیونکہ واسک ناگ کو اِس علاقہ کے اِختیارات منتقل کرنے سے پہلے یہ اس کا ہی مسکن تھا جبکہ اُس نے گرُڑ کے قہر سے بچنے کے لئے واسک سے پناہ مانگی تھی۔ یہ عام روایت ہے کہ کالی دیوی واسک ناگ کی ہی بہن تھی۔ اُس کے دو اور بھی بھائی تھے ایک کا نام ماحل ناگ تھا اور چھوٹے کا نام سبھار ناگ تھا۔ واسک منجھلا بھائی تھا۔ بھدرکالی واسک کو بہت چاہتی تھی' اِس لئے اُس پر کافی مہربان بھی تھی۔ وہ اپنے دُوسرے بھائیوں کو بھی ناراض نہیں کرنا چاہتی تھی' حالانکہ وہ درپردہ واسک ناگ کو ہی بھدرواہ کا راجہ بنانے کی خواہش مند تھی۔ اُس نے سب بھائیوں کے سامنے حکومت بنانے کی پیش کش کی۔ ایک شرط پر فیصلہ ہوا کہ اُن بھائیوں میں سے جو دُوسری صبح کو سب سے پہلے سورج دیکھے گا وہی ملک کا راجہ بنے گا۔ کالی دیوی نے سورج کو اُن دو بھائیوں کے سامنے سے چھپالیا۔ اِس طرح سے سورج کو صرف واسک ناگ نے ہی دیکھا کیونکہ سورج کی پہلی کرن سب سے پہلے اُس کے کمرے میں ہی ظاہر ہوئی اور اس کے بعد شیش ناگ یا سبھار ناگ اور ماحل ناگ کے کمروں میں سورج کی کرنیں داخل ہوئیں۔ تاہم کہا جاتا ہے کہ جب دُوسرے دو بھائی مایوس ہوئے تو بھدرکالی نے اپنی ساری مملکت کے تین حصے کیئے۔ نیرو ندی کے بائیں طرف کا علاقہ واسک ناگ کو ملا جبکہ اِس کے دائیں

---

[1] ''تصویر ضلع ڈوڈہ'' از: اسیر کشتواڑی' صفحہ: ۲۰۲

طرف والا علاقہ سبھار ناگ کو اور علاقہ بھلیس ماحل ناگ کے حصے میں آیا۔ ان علاقوں میں بھی مندروں کی تعمیر ہوئی جن کا مفصل ذِکر آئندہ صفحات میں آئے گا۔ اِس خفیہ منصوبے کی تکمیل پر واسک ناگ کو بھدرواہ کی گدی مل گئی اور وہ یہاں کا پہلا راجہ بنا۔ کالی دیوی نے اُسے اپنی جائے نشست پر بٹھایا اور خود اُس کے پیچھے کی طرف والی جگہ سنبھالی۔ اِس کے بعد جو کچھ بھی لکھا گیا وہ واسک دیو کے ہی نام سے پہلے راجہ کے طور پر لکھا گیا۔

پروفیسر سکھ دیو سنگھ چاڑک ''ہسٹری اینڈ کلچر آف ہمالین اسٹیٹس'' جلد نمبر چھ کے صفحہ ۱۵۵ پر واسک ناگ کے دُوسرے بھائیوں کو سورج نظر نہ آنے کی وجوہات اور بھدرکالی کے دُوسرے ناگوں سے قریبی تعلقات وغیرہ پر دِلچسپ پیرائے میں یوں وضاحت کرتے ہیں ——

> ''اِس دیو مالائی قصہ کی ایک ممکنہ توضیح یہ بھی ہوسکتی ہے کہ بھدرکالی کو ایک طوفانی آندھی کا وجود بخشا گیا ہو۔ اِس نام سے ایک مقدس کالی دیوی مراد ہے۔ اِس کے امتیازی اوصاف میں ترشول، گرز، طنبورہ اور پیالہ، بادلوں کی گرج، بجلی کی کوند، بارش کی علامت ہیں۔ اِس سے اُس کے ناگ دیوتاؤں اور اُس کے بھائیوں، جو کہ اُس کی طرح ہی بارش برساتے ہیں اور طوفان بپا کر دیتے ہیں کے تعلق کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ یہ اس کی اسی حیثیت میں ہی تھا کہ جس کی وجہ سے وہ اپنے بھائیوں سے چڑھتے ہوئے سورج کو چھپانے کے قابل ہوئی تھی تا کہ اُسے صرف واسک ناگ ہی دیکھ پاتا، جس کے بارے میں یقین تھا کہ وہ بھدرواہ کی سب سے اُونچی چوٹی پر مقیم تھا۔'' (ترجمہ: بشیرؔ بھدرواہی)

''ہسٹری آف پنجاب ہل اسٹیٹس'' کے مصنف کی رائے میں اگر یہ فرض بھی

کرلیا جائے کہ معروف روایات کی اصلی بنیاد اچھے اور مناسب قسم کے لوگوں کے ذہن ہی ہیں۔ یہ بھی فرض کیا جا سکتا ہے کہ ”اگر چہ یہ ظاہراً نا معقول لگتی ہیں تاہم یہ موزوں حد تک قابلِ وضاحت ہیں۔“ سکھ دیو سنگھ چاڑک لکھتے ہیں کہ —— ”ناگ قبائل کی اِس وادی میں منتقلی اور اِس پر قبضہ کرنا اور قدیم کا جدید کے ساتھ مل کر اِس کا ایک ہی جز بننے کا باعث ہونا تواریخ کی اِصطلاح میں روایت کی ایک معقول توضیح ہے اور وادیٔ کشمیر میں مذہبی اِصطلاح کے تحت فرقہ وارانہ طور پر ایک بڑی تبدیلی بھی۔“

***

باب دوم: مملکتِ بھدرواہ کے قدیم حکمران

پروفیسر سکھ دیو سنگھ چاڑک ہی کے بیان کے مطابق ''ایک دُوسری روایت' جو بظاہر ایک تاریخی واقعہ ہے' سے بھی بھدرواہ کے حکمران راجاؤں کی ''ونشاولی'' میں بیان کئے گئے ایک اعلیٰ تاریخی خاندان پر روشنی پڑتی ہے۔ اِس سے ہم مہابھارت کے دَور میں پہنچ جاتے ہیں' جبکہ یہ خاندان اُس وادی پر حکومت کرتا تھا اور اُس کا دارالخلافہ ڈھونگا نگر تھا۔ ونشاولی میں اِس خاندان کے صرف دو حکمرانوں کا ذکر ہے۔ اُن میں سے ایک جو بھ ناتھ ہے جس نے اِس خاندان کی بنیاد ڈالی اور دُوسرا اس کا وارثِ قیاسی میگھ ناتھ۔[1] کیونکہ یہ پانڈوؤں کے ہم عصر تھے اِس لئے اِن کو خالصتاً افسانوی انداز میں لیا جانا چاہیے۔''[2] کہا جاتا ہے کہ پانڈوؤں کو قربانی دینے کے لئے ایک پنچ کلیانی گھوڑے کی سخت ضرورت تھی جو باوجود بسیار تلاش کے کہیں سے دستیاب نہ ہو سکا۔ بالآخر اُنہیں اِس قسم کا گھوڑا جو بھ ناتھ کے پاس ملا جسے اُنہوں نے طاقت کے بل پر اُس سے چھین لیا۔ ڈونگا نگر کے مقام پر پانڈوؤں اور میگھ ناتھ کے درمیان زبردست لڑائی ہوئی جس میں جو بھ ناتھ اور اُس کا ولی عہد میگھ ناتھ مارے گئے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ باپ بیٹے کی جنگ میں ہلاکت کے بعد جو بھ ناتھ کے دُوسرے بیٹے رام چندر نے پانڈوؤں کا کافی دُور تک تعاقب کیا اور اُن کے ساتھ آخری جھڑپ میں بہ مقام تند مارا گیا۔ گھوڑا اُن کو ''اشومیدھ یگیہ'' کے لئے درکار تھا۔ کشت وخون کے بعد پانڈو پنچ کلیانی گھوڑا اُڑا لے گئے۔ بھدرواہ کے اُس قدیم خاندان کا اِس طرح سے خاتمہ ہو گیا۔[3] اِس

۱۔ جو بھ ناتھ کے دُوسرے بیٹے رام چندر کے نام کا بھی ذِکر ہوا ہے

۲۔ سکھدیو سنگھ چاڑک' صفحہ: ۱۵۵ تا ۱۵۶' بحوالہ ہچی سن اور پادری ڈوگل

۳۔ راجگانِ ڈونگا نگر اور ادھونگر کا ذِکر اگلے صفحات میں دیکھئے

تاریخی واقعہ کے ساتھ ساتھ چند ایک راجوں اور رانوں کے نام بھی جوڑے گئے ہیں تاکہ عہدِ رفتہ کی ایک یادگار کے طور پر یہ یاد کئے جاسکیں۔ ڈوگل کے ہی حوالے سے ڈاکٹر پریتم کرشن کول بھی ایسے ہی واقعات کا ذِکر کرتے ہیں۔ جموں اور کانگڑہ وغیرہ کے پہاڑی علاقوں کی طرح ہی بھدرواہ میں بھی ایک مضبوط حکومت قائم ہونے سے قبل چھوٹے چھوٹے علاقوں پر ''رانے'' ہی حکومت کرتے تھے۔

پروفیسر اُودھے چند ٹھاکر اپنے ایک مقالہ میں لکھتے ہیں کہ ڈونگا نگر کا قدیم راجہ جو بھوناتھ بھی اُن ہی راناؤں میں سے ایک تھا' جو علاقہ اٹھکھار سے تعلق رکھتا تھا۔ مذکورہ حکومت کے خاتمے کے بعد دُوسرے راناؤں نے حکوت کی بھاگ ڈور سنبھالی جو ایک اندازے کے مطابق دسویں صدی عیسوی تک چلتی رہی۔ جیسا کہ پہلے بھی ذِکر ہوچکا ہے کہ وادیٔ چناب میں ٹھاکروں کے ہی چھوٹے چھوٹے راجواڑے تھے۔ اُن کا آج تک بھی کافی حد تک اثر ورسوخ باقی رہا ہے۔ دُوسری طرف بھدرواہ اور بھلیس کے اکثر حکمران رانا لوگ تھے۔ بھدرواہ کی تاریخ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ چھوٹے چھوٹے حکمران سترہویں صدی عیسوی تک اِقتدار پر جمے رہے۔ مقامی طور پر اُنہیں ایک دُوسرے کے ساتھ بھی چھوٹے موٹے جھگڑے ہوتے رہتے تھے۔

عشرت کشمیری اپنی ''تاریخ کشتواڑ'' کے ضمیمہ ۳ پر لکھتے ہیں کہ ''ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بھدرواہ میں عرصہ دراز کے بعد مرکزی حکومت قائم ہوئی تھی ورنہ علاقے علاقے کا اپنا اپنا راجہ تھا۔ یہ علاقائی راجے اگر طاقتور ہوتے تو خودمختار ہوتے تھے اور اگر کمزور ہوتے تو بھدرواہ کے مرکزی راجہ کے باج گزار ہوتے تھے۔ بھدرواہ' خاص کرنگر میں پال خاندان حکمران تھا۔ زمانہ قدیم میں ضلع ڈوڈہ کا بیرونِ دُنیا سے رابطہ بھدرواہ سے تھا اور وہاں سے بسوہلی اور بسوہلی' نورپور' کانگڑہ پھر پنجاب اور دہلی جایا جاتا تھا۔ بسوہلی میں پال راج حکمران تھا۔ سرتھل دھار کے ایک جانب بھدرواہ اور دُوسری سمت بسوہلی' اِس لئے ہوسکتا ہے کہ بسوہلی کے پال خاندان کا کوئی راج کمار

بھدرواہ آ گیا ہو اور بھدرواہ کے حکمران خاندان سے شادی بیاہ کے سبب وابستہ ہو گیا ہو۔ اور اِس طرح بھدرواہ کی گدی پر پال راجے جلوہ گر ہوئے ہوں۔''

ڈاکٹر پریتم کرشن ''ہمالین پرنسی پیلیٹز'' کے صفحہ ۱۳۵ سے ۱۳۸ تک بھدرواہ کے قدیم حکمرانوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

''بھدرواہ کے پال حکمران ۱۰۸۶ء کے بہت بعد بھدرواہ میں وارد ہوئے جبکہ بھدرواہ کے قدیم باشندے یہاں کے پہاڑی ڈھلوانوں پر نیرو اور کالنئی (دو آب یا دراب) یعنی بھالڑہ' کپرہ' شیوا' جگوتہ اور حلقہ ٹھاٹھری میں رہائش پذیر تھے' جہاں اُن کو لکڑی اور پانی وافر مقدار میں میسر تھا اور وہ محفوظ بھی تھے۔ جبکہ اُن کے حکمران کانڈا میں بستے تھے جو اِس خِطّے کے کھس یا رانا لوگ تھے۔ وادیٔ بھدرواہ کے نچلے سرے پر ابھی بھی ایک مقام درنگہ کے نام سے موسوم ہے جس کا مطلب گزرگاہ یا پھاٹک کے ہیں۔ یہاں سے ہی بھدراوکاش کی خوبصورت وادی صاف طور پر دکھائی دیتی ہے۔ جس کے پس منظر میں کیلاس اور سونہ بائیں کی برف سے ڈھکی ہوئی عالی شان چوٹیاں واقع ہیں۔ درنگہ سے ہی پرانے راستے پر کشتواڑ اور کشمیر کی طرف تھوڑی تھوڑی چڑھائی شروع ہوتی ہے۔''

وہ مزید لکھتے ہیں کہ ''بھدراوکاش کے نام سے موسوم ''وادی بھدرواہ'' کشمیر اور پٹھانکوٹ اور وہاں سے آگے دہلی کے درمیان ایک متبرک' محفوظ اور عام راستے پر ہونے کی وجہ سے کشمیری حکمرانوں کے لئے جائے قرار کی حیثیت رکھتی تھی۔ بدھستا وا مورتی کا گپت گنگا میں پایا جانا اور بدھ کی مورتی کے چہرے پر ایک ہالہ کا ہونا اور اُس پر کندہ کی ہوئی تحریر کے معنوں کا تھوڑا سا اِنکشاف' اِس بات کی دلیل ہے کہ غار والے اِس اہم مندر میں مورتی کو گیارھویں یا بارھویں صدی عیسوی میں نصب کیا گیا ہوگا۔ یعنی جس دور کے مروجہ رسم الخط میں اِس ہالہ پر کچھ عبارت لکھی گئی ہے۔''

وہ مزید لکھتے ہیں کہ ''یہ بھی ممکن ہے کہ راجہ اننت (۱۰۲۸ءتا۱۰۶۳ء)' کلس

(۱۰۶۳ء تا ۱۰۸۲ء)، سسل (۱۱۱۲ء تا ۱۱۲۸ء) اور جے سمہا اُن پہاڑی راجاؤں کے خلاف اپنی مہمات کے دوران بھدرواہ (بھدراوکاش) میں ۱۰۲۸ء اور ۱۰۵۰ء کے درمیان قیام پذیر ہوئے اور اُنہوں نے یہ مورتی وقف کر کے اِس مشہور غار والے مندر میں نصب کی، جہاں براہمی زبان میں کندہ شدہ عکس اور حوض پہلے سے ہی موجود تھے۔ تقریباً اُسی دور میں کشمیر میں بدھ مت کا چلن پہلے ہی ختم ہو رہا تھا لیکن پورے طور پر مفقود نہیں ہوا تھا۔ پس بھدرواہ میں اِس خطّے کے حکمرانوں کے لیے ایسی مورتی کے مندر میں نصب ہونے پر مذہبی اور سیاسی استقامت کا ہونا قدرتی امر تھا۔ جموں کانگڑہ کی پہاڑی ریاستوں کو بہ شمول بھدرواہ خطّے کے، کشمیری حکمرانوں نے مطیع کر لیا تھا، تاہم اُن کی اِس علاقہ پر کشمیر کے ایک دعوے دار بِھکساچر (۱۱۱۲ء-۱۱۲۰ء) کی بغاوت اور سرکشی اور اُسے پہاڑی سرداروں، جن میں خصوصی طور پر چمبہ، بلاور، بھبھاپور، بانہال اور راجوری کے سرداروں کی طرف سے کی جانے والی حمایت کی وجہ سے گرفت کمزور ہونا شروع ہوئی تھی۔ ۱۱۵۸ء تک، جب کہ جے سمہا فوت ہوا، وادیٔ کشمیر کا اِس پہاڑی خطّے پر اِقتدار کا دبدبہ کمزور پڑ گیا تھا اور چمبہ اور بلاور (دُوسری طرف) اپنے دائرہ اِختیار کو خصوصی طور شمالی چوڑاہ وزارت یا وادیٔ سیول تک بڑھانے کی پوری کوشش کر رہے تھے۔" کچھ تاریخی حوالوں سے ڈاکٹر صاحب مزید لکھتے ہیں کہ۔۔۔ "دسویں صدی عیسوی میں بھرمور کے حکمران راوی خطّے کے وسط کی طرف پیش قدمی کر چکے تھے اور اپنا دارالخلافہ چمبہ میں قائم کر لیا تھا اور وہ اب مقامی غیر اہم سرداروں یا رانوں کو مغلوب کرنے کی کوشش کر رہے تھے اور اُسی وقت سے آگے اپنی سرحدی حدود کو شمال مغرب میں چوڑاہ خطّے تک وُسعت دینے کی کوشش میں لگے تھے، جو بھدرواہ اور بھلیس کے بالکل نزدیک واقع تھا۔ حال ہی میں دریافت شدہ کتبوں (کندہ کی گئی تحریروں) سے اِس حقیقت کی طرف اِشارے ملتے ہیں کہ چمبہ کی چوڑاہ وزارت دسویں صدی عیسوی سے پہلے ہی والا پور (بلور) کے تحت تھی اور یہ کئی صدیاں بعد میں بھی والا پور

کے تحت ہی رہی۔ بعد میں یہ موجودہ دور تک دونوں ریاستوں کے درمیان جھگڑے کا باعث بنی رہی۔'' ڈاکٹر موصوف' ووگل کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ — ''بھدرواہ اور بھلیس پر رانوں کا اِقتدار شاید چمبہ کی باج گزاری کے تحت ہی سولھویں صدی کے اوائل تک قائم تھا۔''

(ترجمہ: بشیر بھدرواہی)

ڈبیری کوٹھی کا ناگپال:

بارھویں صدی کے وسط میں جب وادی میں جے سمہا کی حکومت اِختتام پذیر ہو رہی تھی اور اس پہاڑی خِطّے میں کشمیر کا دائرہ اِختیار بہت ہی کم رہ چکا تھا' ہم چوڑاہ کے بھالرہ پرگنہ میں ڈبیری کوٹھی کے ایک ناگپال کو ایک طاقتور اور ہر دلعزیز نواب کی صورت میں اِس خِطّے بشمول بھدرواہ میں اُبھرتے ہوئے دیکھتے ہیں' جہاں اُس کے نام کے ساتھ متعدد اور معروف قسم کی روایات اور لوک کہانیاں جڑی ہوئی ہیں۔ اُس کی حکومت کی حدود میں بالائی نیرو یعنی اٹھکھار کا علاقہ' جہاں اُس نے براہمنوں کو زمین کے عطیات سے نوازا تھا' شامل تھا اور وادیٔ بھدرواہ کی طرف آنے اور وہاں سے باہر جانے والے بالائی زمینی راستوں پر پورا تسلط قائم تھا۔

پال خاندان کے بھدرواہ کی پہاڑی وادی میں اِقتدار مستحکم کرنے سے پہلے ہمیں کچھ تاریخی حوالہ جات ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مہابھارت کے دوران بھی یہاں پرواسکی نام کا ایک راجہ حکومت کرتا تھا۔ یہ واقعہ بادشاہ آشاپتی کے دورِ حکومت سے بھی پہلے کا بتایا جاتا ہے' جب کہ اُس نے سرتنگل کے نزدیک ڈونگا نگر کو اپنا صدر مقام بنایا تھا۔ روایات میں آیا ہے کہ راون کی سب سے بڑی ملکہ اِسی واسکی راجہ کی لڑکی تھی۔ اِس مفروضے کی تائید اُس تاریخی روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ پانڈوؤں کے بادشاہ یدھشٹر کو جب ایک پنج کلیانی گھوڑے کی ضرورت پڑی تو آشاپتی بادشاہ سے اُسے چھیننے کے لئے سیوج دھار کے قریب ایک زبردست

جنگ ہوئی جس کے نتیجے میں جو بھ ناتھ کالڑ کا میگھ ناتھ لڑائی میں مارا گیا اور جو بھ ناتھ نے بادشاہ کے سمیت اِقتدار سے دست کشی کی اور بھیم کے ساتھ مہاراج کرشن سے ملنے کے لئے چلا گیا۔[1]

راجہ جو بھ ناتھ کا دورِ حکومت:

کچھ تذکرہ نویسوں کا کہنا ہے کہ راجہ جو بھ ناتھ‘ جو بھدرواہ کے بالائی علاقہ اٹھکھار میں ۱۳۴۰ ق.م سے بھی پہلے حکومت کرتا تھا‘ سورج بنسی خاندان کی ہی ایک شاخ سے تعلق رکھتا تھا۔ اُس نے موضع مونڈہ اور گڑھ (سرتنگل) کے درمیانی علاقہ میں ڈونگا نگر نام سے موسوم ایک شہر بسایا تھا‘ جس میں شاہی محلات‘ وزراء کے لئے مکانات‘ عدالتیں اور دفتر تعمیر کروائے تھے۔ اِس کے علاوہ یہاں باغات بھی لگوائے تھے۔ جو بھ ناتھ کا یہ چھوٹا سا راجواڑہ بہت ہی خوبصورت مقام پر واقع تھا۔ اُس وقت بھدرواہ کی وادی کا نام وادئ نیرو تھا۔ اِس وادی کے گاؤں گاؤں میں رانے یا ٹھاکر ہی راج کرتے تھے۔ اُن رانوں کا راج بھدرواہ کے علاوہ بھلیس اور مرمت گلیاں کے علاقوں پر بھی تھا‘ جہاں اُن کی نسل آج بھی پائی جاتی ہے۔

ڈونگا نگر کے معنی نشیبی بستی کے ہیں۔ یہ علاقہ اٹھکھار کے نشیبی حصہ میں تھا جس کے گرد ہلون اور نیرو کے نالے ایک حصار کا کام دیتے تھے۔ ڈونگا نگر جنگلات سے گھرا ہوا تھا۔ اُس کے مشرق و مغرب اور شمال میں کھلی چراگاہیں تھیں۔ علاقہ اٹھکھار ویسے بھی پیداوار کے لحاظ سے زرخیز علاقہ رہا ہے۔ جو بھ ناتھ بڑا رحمدل اور اِنصاف پسند راجہ تھا۔ اُس کے دور میں ڈونگا نگر میں امن و امان رہا۔ راجہ اور عام لوگوں کو شیومت پر یقین تھا اور وہ شیو جی کی ہی پوجا کرتے تھے۔ لوگ آسودہ حال تھے۔ اجناس کی بہتات تھی۔ کہا جاتا ہے کہ بھدرواہی بولی اُن کی مادری زبان تھی۔

---

[1] دراصل یہ جنگ ڈونگا نگر میں ہی ہوئی تھی جس کا ذِکر پہلے آچکا ہے۔

شجرۂ نسب راجگانِ ڈونگا نگر:

ذیل میں دیے گئے شجرہ ہائے نسب راجگانِ ڈونگا نگر، اودھونگر، بھدراورت، اور بھدرکاشی مسٹر دیس راج کاٹل نے راقم کو فراہم کیے ہیں، جن سے پتہ چلتا ہے کہ ڈونگا نگر پر اُس کے غرقِ آب ہونے سے قبل آٹھ راجوں نے حکومت کی۔ اُس کے بعد اودھونگر کا شہر بسایا گیا جس پر چھ راجوں نے راج کیا۔ اودھونگر کے طوفان میں بہہ جانے کے بعد راجہ بھدر نے اپنے نام پر بھدراورت نام کا شہر بسایا، جو آج بھی بھدروت (سرتنگل) کے نام سے موسوم ہے۔ یہ زمانہ تاریخ کا سنہری زمانہ رہا ہوگا۔

شجرۂ نسب

راجگانِ ڈونگا نگر، اُودھونگر اور بھدراورت، بھدرکاشی

(اِن سبھی راجاؤں کی راجدھانی بمقام گڑھ سونگلی رہی)

راجہ میگھ ورن

|

راجہ جوبھ ناتھ

|

راجہ دھرب ناتھ

|

راجہ ساون

(اِندرپرستھ میں پانڈوؤں کے اشدمیگھ یگیہ کے لئے شام کرن گھوڑا راجہ ساون سے لیا گیا)

|

راجہ باون

|

راجہ سندر

راجہ سورن

راجہ جبدھر
(ڈونگا نگر)

راجہ اُودھو
(ڈونگا نگر کے غرقِ آب ہو جانے پر راجہ اُودھو ہی نے اپنے نام پر نگر بسایا
اور اُسی زمانہ میں ایک بڑی یونیورسٹی بھی یہاں بنائی گئی)

راجہ بھوگ ناتھ

راجہ سمپت ناتھ

راجہ وشوجیت

راجہ کرم ویر

راجہ پرم ویر
(اُودھونگر)

راجہ بھدر (بھدراورت نگر)

اُودھونگر کے بہہ جانے کے بعد راجہ بھدر ہی نے اپنے نام پر ایک نیا شہر بھدرورت کے نام سے بسایا تھا' جسے آج کل بھدروت کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ زمانہ یقیناً تاریخِ بھدرواہ کا سنہری زمانہ رہا ہوگا۔ راجہ میگھ ورن سے پہلے اور راجہ بھدر کے بعد کا کوئی شجرہ دستیاب نہیں ہے۔[1]

مؤرخین کے تذکروں کے مطابق رادھک پال کی فتح کے بعد بھدرواہ مکمل طور پر ایک آزاد مملکت نہیں بن پائی بلکہ کافی عرصہ تک اُسے بلور کے ماتحت ایک جاگیر کی حیثیت ہی حاصل رہی۔ اُس کو ایک آزاد مملکت بنتے بنتے صدہا سال لگ گئے۔ حکمران طبقہ کے شجروں میں یہاں کے صرف سولہ سترہ راجاؤں کے نام پیش کئے گئے ہیں۔ یہ زمانہ پندرھویں صدی عیسوی سے پیچھے نہیں جاتا۔ اِس مفروضے کو کہ بھدرواہ آٹھویں صدی عیسوی تک ایک آزاد مملکت کے طور پر قائم تھی' خارج از امکان قرار نہیں دیا جاسکتا۔ بھدرواہ کا حکمران خاندان بھی بھڈو کی طرح ہی بلور یا بلاور کی ایک شاخ تھی' جو اِس سے تقریباً پندرھویں صدی عیسوی میں علیٰحدہ ہوگئی تھی۔

شجرہ ہائے نسب کی رُو سے اِس خاندان کا تعلق مایا پوری (ہری دوار) کے دیگر چار حکمرانوں کے ساتھ تھا' جس میں کلو' بلوراور بھدرواہ شامل ہیں۔ ریاست بلور آٹھویں یا نوھویں صدی عیسوی میں ظہور میں آئی۔

اِن شاخوں کے علاوہ ایک چوتھی شاخ بھی تھی جو دریائے چناب کے ساتھ ساتھ رام بن کے نزدیک ''بٹل ریاست'' کے نام سے موسوم تھی' جسے ''راج ترنگنی'' میں ''ورتل'' لکھا گیا ہے۔ ڈینگ بٹل کے حکمران خاندان نے شاہجہاں کے دور میں اِسلام قبول کیا تھا۔

1۔ جناب دیس راج کاٹل نے راقم کے نام محولہ بالا شجرہ مع رقعہ اِرسال کیا تھا جسے راقم نے ۱۰ / نومبر ۲۰۰۶ء کو شکریئے کے ساتھ وصول کیا۔ (بشیر بھدرواہی)

خاندانِ بلاوریہ:

نرسنگھ داس نرگسؔ، پروفیسر سکھ دیو سنگھ چاڑک اور دیگر مؤرخین اِس بات سے متفق ہیں کہ ایک شخص الموڑہ سے چل کر بلاور میں آیا اور اُس نے بلاور میں حکومت قائم کی۔ کہا جاتا ہے کہ وہ بھی رانا قبیلہ سے ہی تعلق رکھتا تھا۔ بعد میں اُس خاندان کے کسی ''مورثِ اعلیٰ'' نے بقول نرسنگھ داس نرگسؔ اپنی راجدھانی بسوہلی میں منتقل کی، جس وجہ سے راجگانِ بلاوریہ کی ریاست بسوہلی مشہور ہوئی۔ اُسی بلاوریہ خاندان کے راجگان نے بھڈوا اور بلاور کی ریاستیں اور سمرتہ کی جاگیریں قائم کیں۔ ڈوگرہ دیس کی تاریخ بنانے میں اِس خاندان کا بڑا حِصّہ رہا ہے۔

معتبر تاریخِ بھدرواہ کی شروعات:

بھدرواہ کی قابلِ اعتبار اور شواہد پر مبنی تاریخ کی شروعات تقریباً دسویں صدی عیسوی سے ہی ہوتی ہے جب راجہ بھوگ پال والیٔ ریاست بلاور کی چوتھی پشت میں راجہ بھوج پال ریاست بلاور کا راجہ بنا۔ جیسے کہ پہلے ہی ذِکر کیا جاچکا ہے کہ اُس کے دو فرزند تھے۔ بڑا ستیادھک اور چھوٹا رادھک۔ بھوج پال کے بعد ستیادھک نے بلاور کی گدی سنبھالی اور رادھک نے بھدرواہ کی راہ لی اور اُس پر قبضہ کرلیا۔ رادھک پال کی اُس فتح کے بعد بھدرواہ کا علاقہ ایک جاگیر کے طور پر ریاست بلاور کے تحت صدیوں تک رہا۔ تاریخ میں اِس کے سولہ سترہ راجاؤں کا ہی ذِکر آیا ہے۔

مسٹر نیک چند کوتوال ''کلچرل ہیری ٹیج آف بھدرواہ' کشتواڑ اینڈ ڈوڈہ'' کے صفحہ نمبر ۱۰۸ پر بھدرواہ کی قدیم تاریخ کے بارے میں یوں لکھتے ہیں:

''مہابھارت کی مشہور جنگ جو کوروؤں اور پانڈوؤں کی درمیان لڑی گئی کے دوران تباہ کن ہتھیاروں کے اِستعمال کی وجہ سے شاید اِنسانی نسل پوری کی پوری

تباہ اور برباد ہو گئی تھی۔ مشکل سے ہی چند ایک سینکڑے لوگ اُس جنگ کی تباہی سے بچنے میں کامیاب ہو گئے تھے' جو مشرقی ہمالیائی بیلٹ کے پہاڑی سلسلوں کی طرف بھاگ نکلے۔ اُن لوگوں میں ہی ایک راجہ بھوج پال بھی تھا جو خود کو پانڈوؤں سے ہی منسلک گردانتا تھا۔ وہ المورٹہ کے راستے سے ہوتا ہوا شوالک خطّے کی طرف بھاگ آیا۔ راجہ بھوج پال چندر بنسی نسل سے تعلق رکھتا تھا۔ امن وچین کی خاطر اُس نے جنگلوں کو چنا۔ یہاں پہنچنے کے لئے اُس نے ہری دوار' جوالا مکھی (کانگڑہ) اور نور پور علاقوں کی راہ لی۔ بلاور اُس وقت گھنا جنگل تھا۔ جہاں کی چراگاہوں میں چرنے کے لئے آس پاس کے بکھرے ہوئے گاؤں کی بھیڑ بکریوں اور مویشیوں کے جھنڈ آتے تھے۔ اُن جنگلوں میں صرف مہادیو مندر ہی تعمیر کیا گیا تھا' جس کو راجہ بھوج پال کے قدماء یعنی پانڈوؤں نے ہی تعمیر کیا تھا۔ راجہ بھوج پال نے کچھ گھر وہاں بسائے اور اُس جگہ کو ولور نام دیا گیا جو بعد میں بلاور کہلایا۔'' (ترجمہ: بشیر بھدرواہی)

کانڈوت - ایک اہم تاریخی مقام:

کہا جاتا ہے کہ بھدرواہ آٹھویں صدی عیسوی تک اَب آزاد مملکت کے طور رہا۔ اِس کے بعد دسویں گیارھویں صدی عیسوی میں یہ کشمیر کے حکمرانوں یا بادشاہ اننت اور مہاراجہ کلس کے تحت بھی رہا۔ اِس بات پر تقریباً سبھی مؤرخین متفق ہیں کہ کشمیر کے مہاراجہ کلس دیو (۱۰۸۲ء تا ۱۰۸۸ء) نے موسم سرما میں اپنے دربار میں آٹھ پہاڑی راجاؤں کو ایک کانفرنس میں شریک ہونے کے لئے مدعو کیا تھا' جس میں راجہ اودت دیو والیٔ کشتواڑ نے بھی شرکت کی تھی۔ اِس راجہ کا ذکر کلہن کی ''راج ترنگنی'' میں بھی اُوتم راجہ کے لقب سے آیا ہے۔ اُس کانفرنس میں ''بابا پور'' (یعنی موجوہ بھبھور ڈوڈہ) کے راجہ کیرتی' استا راجہ چمبہ' کلش تھا کا بیٹا' والا پور یعنی بالور (بلاور) کا لک راجہ سنگرامپال' راجوری یا راجپوری کا بادشاہ' لوہرن یعنی لوہرن پونچھ کا راجہ لوہراڑاں کا راجہ سنگوتا' کانڈا

کا سردار گھمبیر سنگھ اور کشتواڑ کے عظیم الشان راجہ اُوتم نے شرکت کی۔ ''راج ترنگنی'' میں بھی بھدرواہ کے بارے میں ۱۱۰۱ء سے ۱۱۲۸ء تک کا ذکر ملتا ہے جس سے اِس کے ایک الگ ریاست کا درجہ ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ لیکن پندرھویں صدی کے بعد ہمیں راجوری کے الگ الگ شجرے ملتے ہیں جن میں اندرونی قسم کی تفاوت پائی جاتی ہے۔

بقول ڈاکٹر پریتم کرشن ''اسٹائن کانڈا کا صحیح محل وقوع نہ بتا سکا' اگر چہ اُس نے ''راج ترنگنی'' میں بتائی گئی تمام جگہوں کی نشان دہی کی ہے۔ اسٹائن کے خیال میں کانڈا وادیٔ کشمیر کے جنوب مشرق میں واقع ہونا چاہئے۔ کول صاحب کے مطابق کانڈا اور کوئی جگہ نہیں بلکہ یہ تحصیل بھدرواہ (اب تحصیل ٹھاٹھری) کے علاقہ دراب میں بھلیسہ کے نزدیک واقع موضع کانڈوت ہی ہے۔ کشتواڑ' بھدرواہ' چمبہ اور بلاور کی سابقہ ریاستوں کی سرحدوں پر واقع ہونے کی وجہ سے کانڈوت' نورپور' پانتھان سے جانے کے لئے قدیم پیدل راستہ' جو بالور' بسوہلی' بھدرواہ کاس' بھالڑہ' جگوتہ' بھیلہ' کانڈوت' جنگلواڑ' ٹھاٹھری' کشتواڑ سے گزرتا ہوا کشمیر جاتا تھا' اُس راستے کا ایک اہم مقام تصور کیا جاتا رہا ہوگا۔ کانڈا یا کانڈوت کا سردار گھمبیر سنگھ بھدرواہ کے پال خاندان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھتا تھا۔ پال راجے ۱۰۸۷ء کے بعد آئے۔ تب تک بھدرواہ کے پرانے لوگ نیرو' کالنئی' دوآب یا دراب کے پہاڑی ڈھلوانوں یعنی بھالڑہ' کپرہ شوا' جگوتہ' ٹھاٹھری میں رہتے تھے' جہاں اُنہیں لکڑی اور پانی بکثرت میسر تھا۔ اُن کے حکمران کانڈا میں رہتے تھے۔ مقامی لوگ کھش یا رانا تھے۔[1]

کانڈوت کے آثارِ قدیمہ بھی اِس بات کو ایک حقیقت ثابت کرنے میں مدد کر رہے ہیں کہ ''راج ترنگنی'' میں جس کانڈا کا ذکر کیا گیا ہے' وہ کانڈوت ہی تھا۔ پہاڑی راجوں کی کشمیر میں بُلائی گئی کانفرنس (۱۰۸۷ء-۱۰۸۸ء) میں شریک ہونے والا حاکم گھمبیر سنگھ کانڈوت سے تعلق رکھتا تھا۔ کیونکہ کشمیر کے حکمران بھدرواہ کے

1۔ ''ہمالین پرنسی پیلیٹز'' از: ڈاکٹر کول' ص: ۱۳۵-۱۳۶

راستے پٹھانکوٹ، امرتسر اور دہلی وغیرہ جایا کرتے تھے، اِسی لئے اُنہوں نے اِس خوبصورت وادی (بھدرواہ) کو بھدراو کاس کا نام دیا تھا۔

کانڈوت کا حلقہ پٹوار موجودہ تحصیل ٹھاٹھری کا ایک اہم حصہ ہے، جو نیشنل ہائی وے سے چند ہی کلومیٹر کی دُوری پر واقع ہے۔ یہاں کے لوگ ذہین اور زمین زرخیز ہے۔ یہاں پر قدیم وقتوں میں پتھر سے تراشی گئی ایک لاٹھ بھی موجود ہے۔ اِس بارے میں ڈاکٹر پریتم کول مزید لکھتے ہیں —— ''جیسا کہ پہلے ہی بیان کیا جا چکا ہے کہ بھیلہ کے نزدیک ایک پرانا ستون اور پہاڑی پر ایک تباہ شدہ قلعے کے آثار موجود ہیں جس کی تعمیر کو مقامی لوگ کسی چینی حملہ آور سے منسوب کرتے ہیں اور جو ہر شخص کے لئے اچنبھے کا موجب ہے۔ چین کی سرحد بہت دُور واقع ہے اور یہاں کسی بودھ، لداخی یا چینی سیاست، تہذیب، زبان اور نسل یا روایت کے اثر کی کوئی شہادت موجود نہیں۔ اِن حالات میں یہاں کے دیہاتی لوگوں کا یہ اِعتقاد عجیب و غریب لگتا ہے۔ لیکن اگر اِس معاملہ میں تاریخی شواہد سے دیکھا جائے تو ''راج ترنگنی'' کا ایک حوالہ بہت دلچسپ معلوم ہوتا ہے۔ یہ بات ممکن معلوم ہوتی ہے کہ وادیٔ کشمیر کے آس پاس خوفناک (حملہ آور) مہر کل نے کھس حکمرانوں کو زیر کرنے کے بعد اُن کا بھیلہ تک پیچھا کیا ہو اور اِس قلعہ کی تعمیر کی ہو۔''

وہ مزید لکھتے ہیں کہ —— ''۱۰۸۷ء-۱۰۸۸ء کے آس پاس وادیٔ بھدرواہ ایک سیاسی شناخت پیدا نہیں کر پائی تھی لیکن اِس نے صرف بھدراکاش نام پایا تھا یا ایک مذہبی طور پر آشرم کا مقام۔ اِس علاقہ پر مقامی نواب یا رانا لوگ راج کرتے تھے۔ اِس بات کے بھی کافی شواہد موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ اِن چھوٹی چھوٹی ریاستوں یا راجواڑوں میں چھوٹے چھوٹے سردار، راوی اور جہلم کے درمیان ہمالیائی خطّے کے ساتھ ساتھ یعنی بالائی پہاڑی علاقوں میں ساتویں اور گیارھویں صدی کے درمیان راج کرتے تھے جبکہ اُن کو اِس خطّے کی دُوسری کئی مملکتوں کے بانی راجاؤں نے

اپنے تحت کرلیا۔ اُن کا ذِکر ووگل نے تفصیلاً کیا ہے۔ اپنے سے مقابلتاً بڑی مملکتوں کے ہاتھوں اپنی جائدادیں وِاقتدار کھو جانے کے بعد بھی خِطّے کے ٹھاکور اور میاں لوگوں کی بڑی بے تابانہ خواہش تھی کہ وہ (راجواڑے) اُن کے مطیع رہیں۔ گیارھویں صدی عیسوی کے اِختتام کے قریب پہاڑی ریاست بھدرواہ کے بعد والے حکمران بھی رانا گھمبیر سنگھ والیٔ کانڈوت کے زیرِ نگیں آ گئے تھے لیکن اِس چھوٹی سی ریاست کا بعد میں کیا حشر ہوا' کسے معلوم؟ شاید بعد میں بیڑا پرگنہ کے ڈیبیری کوٹھی کے رانا ناگ پال نے بارھویں صدی کے وسط میں اِس (ریاست) کے درجہ کو کم کر دیا جب کہ اُس نے بھدرواکاش کی بالائی نیرو وادی میں علاقہ اٹھکھار کے اُودھے نگر' سر تنگل اور ڈونگا نگر (موضع مونڈا) کو اپنے مطیع کر دیا تھا۔''[1]

سوماورمن اور استادیو کا اِنتقال نامہ:

بھدرواہ کی تاریخ کا معتبر اور پرانا تاریخی حوالہ سوماورمن اور استادیو ہوئی پلیٹ پر کندہ کیا گیا ہے۔ بھدرواہ کا ذِکر ''راج ترنگنی'' میں کشمیر کی حکومت کے دعوے دار مہابر منگل کے ساتھ بھی کیا گیا ہے۔ بادشاہ سوسل (۱۱۰۰ء تا ۱۱۲۸ء) نے حکومت دُشمنی کے جرم پر مہابر منگل کو ملک بدر کیا تھا۔ وہ بھدرواہ کی طرف بھاگ آیا اور یہاں پر ہی رہائش اِختیار کی۔ اِس واقعہ سے یہ بھی نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ بھدرواہ بارھویں صدی کے شروع ہونے تک کشمیر کے ماتحت نہیں تھا۔

ڈاکٹر پریتم کرشن کول بھدرواہ کی قدیم تاریخ کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں —— ''حقیقت میں بھدرواہ کی قدیم تاریخ یا اِس کے حکمرانوں کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں' ماسوائے کچھ آثار قدیمہ کے حوالہ جات کے۔ اِن میں سب سے زیادہ اہمیت گپت گنگا کی ایک قدیم چھوٹی سی غار کے ڈھانچے کی ہے جس کے اندر

---

[1] ''ہمالین پرنسی پیلیٹیز'' از: ڈاکٹر پریتم کرشن کول' ص: ۱۳۶ (اُردو ترجمہ: بشیر بھدرواہی)

ایک کندہ کیے ہوئے پیر کا عکس ہے، جسے پانڈووں کے بھیم کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ اور ایک چھوٹی سی ٹینکی، جس میں غار کی دیوار سے پانی کے قطرے گرتے ہیں اور جس میں پانڈووں کی والدہ کُنتی کے نہانے کی روایت ہے۔ غار کی چھت پر کچھ کچھ ہاتھ سے لکھی ہوئی تحریر پیر کے عکس کے ساتھ ہی کندہ کی ہوئی ہے۔ یہ کندہ کی گئی تحریر چوتھی صدی عیسوی میں برہمی رسم الخط میں چھ یا سات الفاظ پر مشتمل ہے اور اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کبھی کوئی شمشان گھاٹ تھا۔ اِس چھوٹی غار میں داخلہ کی جگہ پر ہی ایک چھوٹے سے مندر کا ڈھانچہ کھود کر بنایا گیا ہے جس میں کُنتی کا مجسمہ یا عکس بھی شامل کیا گیا تھا، جو دُوسری مورتی بدھس تاوا (بدھ کی اُداسی بھری مورتی) کے سمیت مندر سے چوری ہوگئی ہے۔ اِس عکس کے منہ کے گرد ایک ہالہ تھا جس پر گیارھویں یا بارھویں صدی عیسوی میں شادرا رسم الخط میں کچھ لکھا ہوا تھا۔ یہ مورتی کسی کشمیری حکمران نے بھدرواہ کاس میں اپنی فوجی مہمات میں قیام کے دوران وقف کی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ ایک شیو مندر بھی نیرو کے قریب ہی ایک شاندار لنگم کے ساتھ موجود ہے اور یہ جگہ ابھی تک شمشان گھاٹ کے طور پر اِستعمال ہوتی ہے۔[1]

***

---

[1] ''ہمالین پرنسی پیلیٹیز''، از: ڈاکٹر پریتم کرشن کول، ص: ۱۳۴

راجگانِ بھدرواہ

شجرہ نسب راجگانِ بھدرواہ :

بھدرواہ کے پہلے آٹھ راجاؤں کے ناموں میں مؤرخین اور تذکرہ نگاروں کے درمیان شروع ہی سے اِختلاف رہا ہے۔ البتہ راجہ ناگ پال کے بعد بتائے گئے تقریباً سب ہی راجاؤں کے نام ملتے ہیں۔ بقول پروفیسر اُودھے چند ٹھاکور ''قدیم اور متوسط دور میں بھدرواہ ایک آزاد اور خودمختار مملکت کی حیثیت رکھتا تھا۔ چندربنسی راجاؤں کے منصفانہ دَور میں لوگوں پر کوئی ظلم نہیں ہوتا تھا۔ وہ آزاد تھے اور خوشحال بھی۔ اُن راجاؤں نے اپنی حکومت اور اِقتدار کو آس پاس کے حکمرانوں یعنی چمبہ، بسوہلی، بھڈواور کشتواڑ کے ساتھ لڑ جھگڑ کر وسیع کیا۔ اُنہوں نے کبھی بھی اپنی رعایا کی بہبودی اور خوشحالی کو فراموش نہیں کیا۔ رفاۓ عام کے بہت سے کاموں کو دردست لیا گیا۔ مندر اور قلعے تعمیر کئے گئے ۔ نہریں اور کوہلیں کھودی گئیں۔ چشموں اور مذہبی مقامات کی بنیادیں ڈالی گئیں۔ بھدرواہ کی مقامی روایات اور رسومات کی پذیرائی کی گئی۔ یہ ثقافتی کامیابیوں کا دور تھا۔ یہ سب کارنامے ہمیں لکشمی دیو، دھری پال، کیلاش پال، ناگ پال، دھرت پال، سمپت پال جیسے راجاؤں کی رحمدلی کا پتہ دیتے ہیں۔ تاہم فتح پال، دیا پال اور پہاڑ چند جیسے راجے بطور جنرل اور حکمران دونوں لحاظ سے نالائق اور کاہل تھے۔ اُن کے تحت ہی بھدرواہ نے اپنی شان وشوکت کھودی اور اس کے اُفق پر پراگندگی کے بادل چھائے رہے، جس کے نتیجے میں بھدرواہ ریاست چمبہ کے زیرِ اثر اور زیرِ اِقتدار آ گیا......درحقیقت ۱۸۷۱ء تا ۱۸۸۲ء تک مملکتِ بھدرواہ، چمبہ ریاست

کے ہاتھوں میں کھلونا بن کر رہ گئی تھی۔ اُس دور میں اِس کے حکمرانوں نے چمبہ کی فرمانروائی قبول کی اور باقاعدگی کے ساتھ اُسے خراج ادا کرتے رہے۔ لیکن جب کبھی بھی خراج کی ادائیگی میں دیر ہوتی تو بھدرواہ کو چمبہ کی فوجوں کا قہر سہنا پڑتا۔ ۱۷۸۳ء میں بھدرواہ کے قلعہ پر حملہ کیا گیا اور شہر کا کچھ حصہ بھی برباد کردیا گیا۔"

ٹھاکور اُودھے چند کے پیش کردہ راجگان بھدرواہ کے شجرۂ نسب میں جن سترہ ناموں کا ذِکر کیا گیا ہے وہ حسب ذیل ہیں:

۱. لکشمی دیو
۲. دھاری پال/ پرتھوی پال/ حسن پال/ سوم پال
۳. کیلاش پال
۴. کھہا پال
۵. نرسنگھ پال
۶. دھرم پال
۷. وِکرم پال
۸. وِشمبر پال
۹. ناگ پال
۱۰. پرتاپ پال
۱۱. بھگت پال/ بھوپ چند/ کنور چند
۱۲. دُھرت پال/ دھاری پال/ دھرو پال/ دھرتی پال
۱۳. ابھے پال
۱۴. مدنی پال
۱۵. سمپت پال
۱۶. فتح پال

۱۷. دیا پال

ٹھاکور کاہن سنگھ بلاوریہ نے اُن راجوں کے یہ نام بتائے ہیں:

۱. بھدر پال

۲. پرتھوی پال

۳. اجے پال

۴. کیلاش پال

۵. کرشن پال

۶. مہان پال

۷. ناگ پال

۸. بشمبر پال

دُوسری طرف دیوان نرسنگھ داس نرگسؔ نے اُن راجاؤں کے بارے میں اپنی فہرست اِس طرح ترتیب دی ہے:

۱. رادھک پال

۲. بھدر پال

۳. پرتھوی پال

۴. برہم چند

۵. اجے پال

۶. کیلاش پال

۷. کرشن پال

۸. مہان پال

۹. ناگ پال

۱۰. وِشمبھر پال

۱۱. بھگت سنگھ (۱۷۰۷ء تا ۱۷۳۵ء)

۱۲. پہاڑ چند (۱۸۱۰ء)

راجہ مہان پال، مغل بادشاہ اکبر کے زمانے اور اُس کے ہم عصر بسوہلی کے راجہ دولت پال کے زمانے میں بھدرواہ کا حکمران تھا۔

ٹھاکور اُودھے چند اور نرسنگھ داس نرگس کے دئے ہوئے سب ناموں میں پہلے آٹھ دس راجوں کے نام ایک دُوسرے سے نہیں ملتے۔ ڈاکٹر پریتم کرشن کول کو اِس بات پر حیرانی محسوس ہوتی ہے کہ ٹھاکور اُودھے چند بھدرواہ کے راج گھرانے سے تعلق رکھتے تھے، پھر بھی اُنہوں نے بھدرواہ کے اِبتدائی راجوں کے وہی نام بتائے ہیں جو نور پور پاتھان کے راجوں کے ناموں سے ملتے جلتے ہیں۔ووگل نے جموں کے کئی پہاڑی علاقوں یا ریاستوں کے نسب ناموں پر شک کا اِظہار کرتے ہوئے اُنہیں کسی حد تک ہی مبنی بر صداقت تسلیم کیا ہے۔ مؤرخین کے اِن اِختلافات اور ناموں میں اِتنی تفاوت کے باوجود ہم یہ ماننے سے اِنکار نہیں کرسکتے کہ بھدرواہ کے راجے نور پور کے مایاپوری خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔

ڈاکٹر سکھ دیو سنگھ چاڑک نے بھی یہی اِظہارِ خیال کیا ہے کہ بھدرواہ مملکت کے پہلے راجاؤں میں سے آٹھ کے نام راجہ ناگ پال کے دور تک مختلف قسم کی دستاویزات میں مختلف طور پر درج ہوئے ہیں۔ البتہ ناگ پال کے بعد والے نام اُن میں ایک دُوسرے سے میل کھاتے ہیں۔ اُن کے لکھنے کے مطابق بھدرواہ کے راجاؤں کے ناموں کی ترتیب یوں ہے:

۱. دواری پال

۲. کلہن پال

۳. اِچھاپال

۴. ران سنگھ پال

۵.	دھرم پال

۶.	بکرم پال

۷.	بشمبھر پال

۸.	ناگ یا تھن پال[1]

متذکرہ بالا راجاؤں کے نام دینے کے بعد پروفیسر چاڑک بھی ٹھاکر کاہن سنگھ بلاوریہ کے لکھے ہوئے ناموں (۱) بھدر پال (۲) پرتھوی پال (۳) اجے پال (۴) کیلاش پال (۵) کرشن پال (۶) مہان پال (۷) ناگ پال، (۸) بشمبر پال کا ذِکر کرتے ہیں۔

ٹھاکور اُودھے چند بھدرواہ کے قدیم ترین حکمرانوں کے بارے میں لکھتے ہیں کہ —— ''اِس پہاڑی مملکت کے قدیم حکمرانوں کا تعلق شمالی ہند کے ناگوں کے ساتھ تھا، جو کشن خاندان کے دور کے ساتھ ہی برسرِ اقتدار آ گئے تھے۔ اُن میں سے سب سے زیادہ معروف حکمران واسک ناگ یا واسک دیو تھا۔ اپنے بہادرانہ کارناموں کی وجہ سے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اُس کے گرد آفاقی شان کی کچھ معجزانہ باتوں کا ہالہ بنایا گیا تھا۔ جن کی بدولت عام لوگوں کو پوجا کرنے کے لئے اُس کے بت تراش کر مختلف منادر میں رکھے گئے تھے۔ اُسے اِنسانی شکل میں ہی نو پھنوں کے ساتھ ظاہر کیا گیا ہے جن میں مرکزی پھن سر کے عین اُوپر رکھا گیا ہے۔ اِس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ واسک ناگ، ناگ قبیلہ کے نو سرداروں پر حکمران تھا، جن میں سے نمایاں طور پر سبھار ناگ جس کی حکمرانی علاقہ چنتہ اور دراب میں، ماحل ناگ جس کا تعلق بھلیسہ کے ساتھ اور بھدر ناگ، جو علاقہ کیلاڑ وغیرہ پر حکومت کرتے تھے۔''

وہ مزید تحریر کرتے ہیں کہ —— ''تاہم بھدرواہ کی تاریخ میں تسلسل ہستناپور (دہلی قنوج) کے ''لکشمی دیو'' سے شروع ہوتا ہے جس نے بھدرواہ پر قبضہ کر کے ایک

---

[1] سکھ دیو سنگھ چاڑک (جلد:۶)

مستقل طور پر قائم کیئے گئے خاندانی راج کی بنیاد ڈالی - یہ واقعہ آٹھویں صدی عیسوی کے اِختتام کے قریب رُونما ہوتے دِکھائی دیتا ہے۔ لکشمی دیوٗ جو بھدرواہ کا پہلا راجہ تھا عطر ریشی کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ اُس نے کافی عرصہ تک حکومت کی اور اپنی حدود کو کشتواڑ' ڈوڈہ اور بسوہلی کے علاوہ چمبہ تک پھیلا دیا۔ لکشمی دیو کے پانچ لڑکے تھے۔ دھری پال' پرتھوی پال' حسن پال' لکھن پال اور سان پال۔ راجہ لکشمی دیو کے بعد اُس کا سب سے بڑا لڑکا دھری پال حکمران بنا جبکہ اُس کے دُوسرے لڑکوں نے بالترتیب بڈھو' بسوہلی' کلو اور ڈینگ بٹل کی طرف ہجرت کی۔ راجہ دھری پال کی جگہ اُس کا بیٹا کیلاش پال راجہ بنا' جس کے نام سے ہی کیلاش کنڈ کی یاترا کی بنیاد پڑی جو واسک ناگ کا مسکن تھا۔"

ٹھاکور صاحب کے دیئے ہوئے ناموں سے ڈاکٹر پریتم کرشن کول کو کافی اِختلاف ہے۔ وہ ٹھاکور اُودھے چند کے بتائے ہوئے اِبتدائی راجوں کے ناموں کو نور پور پانتھیال کے راجوں کے ناموں سے ملتے جلتے ظاہر کرتے ہیں۔

ٹھاکو اُودھے چند مزید لکھتے ہیں کہ ـــــــ "سولہویں صدی عیسوی میں بھدرواہ پر وشمبر پال کی حکومت تھی جس کے دو بیٹے تھے۔ ناگ پال اور ران چند' تاہم ناگ پال ہی اپنے والد کے بعد راج گدی پر بیٹھا۔ یہی راجہ ناگ پال بھدرواہ کا مشہور ترین اور نامور حکمران مانا گیا ہے۔ وہ رُوحانی اوصاف کا مالک تھا۔ اُس کا عہدِ حکومت سولہویں صدی میں بادشاہ اکبر' یعنی مغلوں کے سرتاج بادشاہ کے زمانے سے میل کھاتا ہے......"

اِس بات پر بھی سب کا اِتفاق ہے کہ بھدرواہ میں "میلہ پٹ" جو یہاں کے کھکھل کے میدان میں مسلسل تین دِن تک اگست اور ستمبر میں ہر سال منایا جاتا ہے کی اِبتداء راجہ ناگ پال سے ہی ہوئی ہے۔ (واقعات کی تفصیل اگلے صفحات پر دی جائے گی) اپنی تازہ تحقیق کی بناء پر نیک چند کوتوال نے ساتویں صدی عیسوی سے لے کر

موجودہ زمانے کے حکمرانوں کو تین اَدوار میں تقسیم کیا ہے اور پہلے دور میں راجہ بھوگ پال والیٔ بلاور، راجہ رادھک پال، پرتھوی پال، (برہم چند) اجے پال، کیلاش پال، کرشن پال، مہان پال، ناگ پال، بھکت پال، دھرب پال، ابھے پال، میدنی پال، سمپت پال، فتح پال، دیاپال، بھوپ چند، دیا پال (دُوسرا عہد) پہاڑ چند، سکھ کمانڈر دارا سنگھ، زورآور سنگھ، کندن سنگھ، پراکر یہ سنگھ کے نام شامل کیئے گئے ہیں۔ اِس کے بعد دُوسرے دور میں ڈوگرہ حکمران اور تیسرے دور میں آزادی کے بعد جمہوری دور میں بھدرواہ کے تعلق سے حکمرانوں کی طرزِ حکومت پر تنقیدی طور پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ وہ مزید لکھتے ہیں کہ بھوگ پال نامی ایک بادشاہ بلاور کا حکمران تھا جس نے اِس مملکت کی حدود بھدرواہ تک پھیلا دیں۔ اُس نے اپنی زندگی میں ہی مملکت بھدرواہ ایک آزاد مملکت کی شکل میں اپنے چھوٹے بیٹے رادھک کو سپرد کر دی، جس نے بھدرواہ میں پال حکمرانوں کی بنیاد ڈالی۔ اِس پہاڑی وادی میں پال راجاؤں کی حکومت قائم ہونے سے پہلے ایسے حوالہ جات موجود ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مہابھارت کے زمانے میں واسکی نام کا ایک راجہ بادشاہ آشاپتی سے پہلے مملکت بھدرواہ پر حکومت کرتا تھا، جس نے ڈونگا نگر سرتنگل کے مقام پر اپنا دارالخلافہ قائم کیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ راون کی سب سے بڑی ملکہ مندودری اِسی واسکی کی لڑکی تھی۔[1]

''چمبہ سٹیٹ گزیٹیر'' کے مطابق بھی بلاور یہ حکمران ہردوار کے مایہ پوری علاقہ سے آئے تھے اور اُنہوں نے یہاں پر ریاست کی بنیاد ڈالی۔ دُوسری طرف ووگل کی رائے کے مطابق کلو، بلاور، بھڈو، بھدرواہ اور نورپور یا پانتھان مملکتوں کے حکمرانوں کا نسب ایک ہی تھا۔ بلاور کے حکمرانوں کے شجرۂ نسب میں بھوگ پال کے بیٹے کا نام ناگ پال لکھا گیا ہے۔ ڈاکٹر پریتم کرشن کول اپنی مذکورہ کتاب کے صفحہ ۴۲ پر لکھتے ہیں کہ ''اگلے صفحات میں ہمیں ناگ پال کے بارے میں، جس نے کہ بھدرواہ اور بھلیس

---

[1] ''پولیٹیکل اینڈ کلچرل ہیری ٹیج'' از این.سی.کوتوال، صفحہ: ۱۰۸-۱۰۹

کے نزدیکی علاقہ یعنی چوڑا پرگنہ کے ڈیبیری کوٹھی کے مقام پر ۱۱۱۲ء تا ۱۱۱۸ء تک حکومت کی، دلچسپ معلومات حاصل ہوئی ہیں۔ اگر یہی ناگ پال بلاور کے حکمران بھوگ پال کا بیٹا تھا یا اُس کا کوئی قریبی رشتہ دار تھا تو مملکت بلاور کی بنیاد گیارھویں صدی عیسوی کے آس پاس پڑنے کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ ہمیں ناگ پال کے بارے میں ۱۱۱۲ء تا ۱۱۲۸ء کے درمیان کچھ اہم قسم کے تواریخی حوالے ملتے ہیں۔ نتیجتاً مملکت بھدرواہ کی بنیاد کچھ صدیوں کے بعد پڑی ہوگی۔ دُوسرے مؤرخین کی طرح ہی ڈاکٹر موصوف بھی بلاور خاندان کی سولہ یا سترہ پشتوں کا ذِکر کرتے ہیں جنہوں نے پہلے حکمران رادھک پال یا پہاڑ چند سے لے کر آخری فرمانروا راجہ دیا پال تک بھدرواہ پر حکومت کی۔ اُنہوں نے بھی اپنے پیشرو مؤرخین کے دئے ہوئے شجروں سے استفادہ کر کے بھدرواہ کے حکمرانوں کی تفصیل حسب ذیل ترتیب سے دی ہے:

۱. رادھک پال
۲. بھدر پال
۳. پرتھوی پال
۴. برہم چند/اجے پال
۵. کیلاش
۶. کرشن پال
۷. مہا پال
۸. ناگ پال دوم
۹. وشمبر پال
۱۰. بھگت پال — لگ بھگ ۱۶۲۰ء تا ۱۶۹۱ء
۱۱. دھرو پال یا دھاری پال — لگ بھگ ۱۶۳۱ء
۱۲. ابھے پال — لگ بھگ ۱۶۹۱ء تا ۱۷۰۰ء

۱۳. میدنی پال لگ بھگ ۱۷۰۰ء تا ۱۷۳۵ء

۱۴. سمپت پال لگ بھگ ۱۷۳۵ء تا ۱۷۷۰ء

۱۵. فتح پال لگ بھگ ۱۷۷۰ء تا ۱۷۹۰ء

۱۶. دیا پال لگ بھگ ۱۷۹۰ء تا ۱۸۱۰ء

۱۷ پہاڑ چند لگ بھگ ۱۸۱۰ء تا ۱۸۲۱ء

پروفیسر سکھ دیو سنگھ چاڑک نے قبل ازیں ناگ پال کو بادشاہ اکبر کا ہمعصر بتا کر اُس دور کا تعین ۱۵۵۷ء تا ۱۶۰۵ء کے آس پاس کیا ہے۔ وہ تاریخی حوالے سے ہی بیان کرتے ہیں کہ ناگ پال کے زمانے میں بھی بھدرواہ ریاست کا دارالخلافہ ڈونگا نگر ہی تھا اور ناگ پال کا نام تھن پال بھی تھا کیونکہ اُس کے دورِ اقتدار سے متعلق تانبے کی ایک پلیٹ (تختی) آج تک موجود ہے' جو شاید ۱۵۸۴ء کی تحریر کردہ ہے لیکن اُس کی تحریر غیر یقینی ہے۔ ناگ پال کے بارے میں کہا ہے کہ اُس نے ایک سو سال تک حکومت کی اور اُس کی موت شاید ۱۶۲۰ء میں واقع ہوئی ہوگی۔

چاڑک صاحب نے پال خاندان کے حسب ذیل حکمرانوں کا ذِکر کیا ہے جنہوں نے مملکتِ بھدرواہ پر ناگ پال کے بعد حکمرانی کی:

۱. بکھت پال

۲. دوپ پال

۳. ابھے پال (۱۶۹۱ء تا ۱۷۰۰ء)

۴. میدنی پال (۱۷۰۰ء تا ۱۷۳۰ء)

۵. سمپت پال

۶. فتح پال

۷. دیا پال

۸. بھوپ چند کا بیٹا پہاڑ چند

''پنجاب ہل اسٹیس'' جلد چہارم کے حوالے سے وہ لکھتے ہیں کہ ۱۸۲۱ء کے بعد یعنی پہاڑ چند کے زوال پر چمبہ کے حکمرانوں کی طرف سے مملکتِ بھدرواہ پر کچھ حاکموں نے حکومت چلائی اور ۱۸۳۳ء میں زورآور سنگھ کلہوریا' جو گلاب سنگھ کا کمانڈر تھا' نے بھدرواہ فتح کرنے کے لئے اِس پر بے سود چڑھائی کی۔ ۱۸۴۵ء میں چمبہ حکومتی کارندوں کی کچھ تبدیلیاں عمل میں لائی گئیں اور چمبہ کی طرف سے پراکم چند بطور گورنر بھدرواہ مقرر کیا گیا۔ بعدازاں اِس مملکت پر حملہ کر کے اِسے جموں کے ساتھ ملا دیا گیا۔

جیسا کہ پہلے بھی ذِکر آچکا ہے کہ تاریخ بھدرواہ کے قدیم راجوں کے ناموں اور اُن کی ترتیب میں راجہ ناگ پال کے دورِ حکومت تک بہت اِختلاف پایا جاتا ہے اور بعد والے راجاؤں کے نام' جو اِن شجروں میں ایک دُوسرے کے ساتھ میل کھاتے ہیں' وہ بقول ڈاکٹر پریتم کرشن کول حسب ذیل ہیں:

''دھری پال' کلس پال' کھھا پال' کرن پال' دھرم پال' بکرم پال' بشمبر پال' ناگ پال یا تھن پال۔'' اگر اِس مفروضے کو کہ درج بالا نام ونشا ولیوں میں ایک دُوسرے سے میل بھی کھاتے ہوں' تاہم اِن خاندانی شجرات کی تحریروں میں فرق اور تفاوت کی وجہ سے ہم حتمی طور پر بھدرواہ کے قدیم حکمرانوں کے ادوار کا تعین نہیں کر سکتے جب تک کہ آئندہ رُوبہ عمل آنے والی تحقیق کے نتیجہ میں دریافت ہونے والے مسودات ہماری اِس اُلجھن کو دُور کرتے ہوئے یہاں کی تاریخ کو معتبر اور مستند بنانے میں مؤرخین کی مدد نہ کریں۔ جیسا کہ پچھلے صفحات میں ذِکر ہو چکا ہے کہ بھدرواہ کی قدیم تاریخ کے بارے میں دریافت کردہ یا پیش کردہ شجرہ نسبوں میں درج ناموں کے درمیان تفاوت کی وجہ سے کچھ مغربی مشاہدین نے بھی اُن کے کلیتاً دُرست ہونے پر شک کا اِظہار کیا ہے۔ البتہ اُن حکمرانوں کے ناموں کو جزوی طور پر دُرست بتایا ہے جو اِن شجروں میں اُن کے مشاہدے کے تحت آپس میں میل کھاتے ہیں۔ ووگل وغیرہ

تو جموں کے کچھ شجروں کے قابلِ اعتبار ہونے میں بھی شک کرتے ہیں۔ اِس لئے ظاہر ہے کہ ہمیں اور ہماری آئندہ نسلوں کو اِس ضمن میں تحقیقی عمل جاری رکھنا پڑے گا اور صداقت کی گہرائی تک پہنچنے کے لئے کافی محنت سے کام لینا ہوگا۔

دُوسری بات جس سے مؤرخین کو ریاست ہائے جموں و کانگڑہ اور کسی حد تک قدیم بھدرواہ اور کشتواڑ کی مملکتوں تک کے ہم عصر حکمرانوں کے شجرۂ نسبوں میں یکسانیت بھی شک میں ڈال لیتی ہے۔ ایک ہی عہد میں مختلف مقامات پر ایک ہی نام کے یا ایک دُوسرے سے ملتے جلتے ناموں سے منسوب حکمرانوں کا ہونا بعید از قیاس اور ناممکن سا محسوس ہوتا ہے۔ اِس ضمن میں ڈاکٹر پریتم کرشن کول نے اپنی مذکورہ کتاب ''ہمالین پرنسی پیلٹیز'' کے صفحہ ۱۴۷ پر کئی مختلف علاقوں کی نشاندہی کی ہے جہاں ایک ہی عہد میں ہم نام حکمران شجروں میں دِکھائے گئے ہیں۔ اُن میں باقی جگہوں کے علاوہ نور پور اور کشتواڑ کا جگت سنگھ، راجہ باس والیٔ نور پور اور راجہ باسک والیٔ بھدرواہ، نور پور کے ہی پرتھوی پال اور کیلاش پال شامل ہیں، جن کو بھدرواہ کے شجروں میں بھی دِکھایا گیا ہے۔ علاوہ ازیں چار یا پانچ ناگ پال تو اب تاریخ کے صفحات میں تحقیقی طور پر پایۂ ثبوت کو بھی پہنچ گئے ہیں، جن کا ذِکر تفصیلاً اگلے صفحات میں آئے گا۔

ڈاکٹر موصوف ایک اور حقیقت کی طرف بھی اِشارہ کرتے ہیں جس سے آئندہ ہونے والی تحقیق میں پیدا ہونے والی غلط فہمیوں کا سدِّ باب ہوسکتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ـــــ ''بعض اوقات شہزادوں کے ایک جیسے نام لکھنے کا طریقہ جان بوجھ کر اور قصداً اپنایا جاتا تھا جس سے تاریخ کے طالب علموں کو (اِس کام کی انجام دہی میں) ایک اُلجھاؤ اور پریشانی کی کیفیت، سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔'' وہ مزید لکھتے ہیں کہ ـــــ ''ہمارے مطالعہ سے ایک بات عیاں ہو جاتی ہے کہ جہاں تک مملکتِ بھدرواہ کی اوائل تاریخ کا تعلق ہے، اس پر چمبہ کی بہ نسبت بلاور ریاست کا زیادہ تر غلبہ رہا ہے۔''

بھدرواہ کی قدیم تاریخ کی عدم دستیابی کی وجہ سے رِوایات کے دُھندلکوں

سے اخذ کئے گئے نتائج مختلف مؤرخین اور تذکرہ نگاروں کی اِس بارے میں کی گئی قیاس آرائیوں اور ہمسایہ ریاستوں یا علاقوں کی تواریخ نسب ناموں، سفر ناموں اور دیگر ذرائع سے برآمد شدہ کچھ اہم واقعات کی مختصر تفصیلات کی نشاندہی کے بعد ہم ناگ پال اوّل سے لے کر مملکتِ بھدرواہ کے ڈوگرہ حکمرانوں کے زیرِ نگیں ہونے تک اِس کی راج گدی پر بیٹھنے والے مختلف راجاؤں کے بارے میں مؤرخین اور تذکرہ نگاروں کی تحقیق سے حاصل شدہ تاریخی کڑیوں کو کسی حد تک تسلسل سے بیان کریں گے تاکہ اُن کی محنت کا یہ نادر سرمایہ محفوظ بھی ہو جائے اور بھدرواہ کی تاریخ کو ایک معتبر اور مستند حیثیت بھی حاصل ہو سکے۔ اُن قابلِ قدر اصحاب کے اسمائے گرامی پہلے ہی بیان کئے جا چکے ہیں، جنہوں نے آج تک دیگر علاقوں کے ساتھ ساتھ کسی حد تک بھدرواہ کی تاریخ کے بارے میں بھی خامہ فرسائی کی ہے۔

***

بھدرواہ کے پال راجے

ناگ پال اوّل:

ناگ پال اوّل کو بھدرواہ کا بہادر ترین راجہ تصور کیا جاتا ہے۔ بقول اسیرؔ کشتواڑی —— ''جموں اور گانگڑہ کی پہاڑی ریاستوں کے تاریخی دستاویزات کا جائزہ لیتے ہوئے ناگ پال نام کے پانچ حکمران ہمارے سامنے آتے ہیں جن میں سے پہلے تین ناگ پال بارھویں صدی کے شروع، درمیان اور آخر میں اُبھرے تھے۔ جبکہ چوتھے ناگ پال نے چودھویں صدی کے آخر میں نور پور پر حکومت کی تھی۔ پانچویں ناگ پال کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ سولہویں صدی عیسوی کے آخر میں بھدرواہ کا حکمران تھا۔''

(بحوالہ ''تصویرِ ضلع ڈوڈہ''، صفحہ: ۲۰۵ تا ۲۰۶)

دُوسری طرف ڈاکٹر پریتم کرشن کول اپنی تالیف میں مذکورہ بالا پانچوں ناگ پال نامی راجاؤں کی تفصیل حالیہ تحقیق اور نئی تالیفوں کے حوالہ جات کی روشنی میں بہت ہی موثر ڈھنگ اور قابلِ قدر اندازِ تحریر سے دے کر اہم اور نئے قسم کے نتائج اخذ کرتے ہیں، جو اختصار سے درج ذیل ہیں:

ان پانچ راجوں میں سے تین کا تعلق بارھویں صدی کے اوائل اور متوسط دور سے تھا اور چوتھے ناگ پال نے چودھویں صدی کے اواخر میں نور پور پر حکومت کی جبکہ پانچویں ناگ پال کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ اُس نے سولہویں صدی کے اواخر میں بھدرواہ پر دُوسری بار حکومت کی۔

(بحوالہ ''ہمالین پرنسی پیلیٹیز''، صفحہ: ۱۴۹ تا ۱۶۶)

راجپوری ناگ پال

یا راجوری کا ناگ پال:

جموں کے پہاڑی خِطّے میں حکومت کرنے والے ناگ پال نامی راجہ کا پہلا تواریخی حوالہ ہمیں سوسل کی راجپوری (غالباً راجوری) کے خلاف مہمات کے زمانے میں ہی تاریخِ کشمیر سے ملتا ہے۔ راجپوری کے بادشاہ سوم پال نے اپنے سوتیلے بھائی پرتاپ پال کو اپنے ہی ایک وزیر کے ہاتھوں قتل کروا دیا تھا۔ لیکن سوم پال کے دُوسرے بھائی ناگ پال نے وزیر کو قتل کروا کر بادشاہ کی ناراضگی کو اور بڑھا دیا۔ ناگ پال نے خوف کی وجہ سے بھاگ کر سوسل کے دربار (کشمیر) میں پناہ لی۔ سوم پال کی اِس کوشش کے باوجود کہ سوسل بادشاہ کے ساتھ دوستانہ تعلقات اُستوار ہوتے رہیں اور وہ خوش رہ سکے، سوسل نے اُس کے خلاف جنگ کرنے کا پورا فیصلہ کرلیا۔ جس سے سوم پال کو سوسل کے حریف بھکسا چراہ کی طرف مدد کے لئے رُخ کرنا پڑا۔

(بحوالہ "پولیٹیکل ہسٹری آف کشمیر" از: آر۔ ٹی۔ سٹین)

بادشاہ سوسل نے راجپوری پر حملہ کیا لیکن سوم پال اپنی جان بچانے کے لئے بھاگ گیا اور اِس طرح سے اُس نے ناگ پال کو تخت پر بٹھایا۔ کچھ اصلاحات کرنے اور مذہبی رواداری کے باوجود لوگوں نے اُسے دِل سے نہیں چاہا بلکہ وہ سوم پال کے ہی خیر خواہ تھے۔ ناگ پال کی حکومت تھوڑی دیر ہی رہی ... وادیِ کشمیر کی طرف جانا پڑا

نام کا سوسل کا ایک نواب بھدرواکاش میں ٹھہرا تھا اور اُسی دوران اُس کے بیٹے نے ڈمراس کے ساتھ سازش کی تھی' بلکہ سوسل کے خلاف بغاوت تک بھی کی تھی۔ ناگ پال کو سوسل کا تحفظ اور سرپرستی حاصل تھی اور اُس نے پہاڑی سرداروں کی سرکشی دبانے میں سوسل کی طرفداری بڑی سرگرمی سے کی تھی۔"

ڈیبیری کوٹھی (چمبہ) کا ناگ پال:

یہ مقام تاریخی اور ثقافتی حیثیت سے بڑی اہمیت رکھتا ہے اور حالیہ زمانے کی نادر دریافت بھی ہے' جو موجودہ چمبہ کی چوڑاہ وزارت کے نام کے پرگنہ کے کنارے بیرانالے کے قریب واقع ہے۔ میلواڑ اور ڈگانی کا درّہ اُن دوسرحدی وادیوں کو جوڑتا ہے۔ بیرا اور ڈیبیری کوٹھی' سیوال وادی (بیرانالہ' ٹسا اور سویل دریاؤں کا معاون ہے' جو دریائے روای کی ساتھ سیول کے نزدیک ملتے ہیں) کی حدود میں ہی داخل ہے۔ یہ علاقہ اُونچی سطح پر واقع ہے جہاں سے وادیٔ بھلیس بھدرواہ کی بالائی وادی نیرو' پانگئی' پاڈر اور روادیٔ سیول کو موثر ڈھنگ سے قابو میں یا زیر نگرانی رکھا جاسکتا تھا۔ پدری کا درّہ وادیٔ سیول کو بھدرواہ سے جوڑتا ہے اور اِس درّے کے صرف تین یا چار میل آگے جا کر ہم قصبۂ بھدرواہ میں پہنچ جاتے ہیں۔

ووگل کو ڈیبیری کوٹھی کے مقام پر ہی ایک چشمہ پرکندہ کی ہوئی تحریر ملی تھی' جو ہمارے روایتی ہیروؤں کے علاوہ اِس خطّے کے بارھویں صدی عیسوی کے وسط کے حالات پر طوفان خیز روشنی ڈالتی ہیں۔ یہ وہ وقت تھا جب کشمیر اور جموں کے پہاڑی خطّوں میں بڑی تیزی سے سیاسی تبدیلیاں رُونما ہورہی تھیں۔ بھلیس اور بھدرواہ کی وادیوں کے پہلو میں واقع بیرا پرگنہ نہ صرف ایک اہم نوعیت کی حامل چشمہ والی تحریر فراہم کرتا ہے بلکہ دیگر کئی تحریریں' حوض (باؤلیاں) چشموں پر کندہ کئے گئے عکس اور مورتیاں اور دیگر قدیم نوادرات سے بھی سرفراز کرتا ہے جو' چمبہ کی تاریخ سازی میں بڑی مفید

اور معاون ثابت ہوتی ہیں۔

اِس تحریر کے مطابق ناگ پال ۱۱۶۰ء کے آس پاس ایک بڑے جنگجو اور ایک بارسوخ نواب کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اِس تاریخی افادیت کے ''چشمے'' کی تحریر میں کم سے کم ۱۷ شلوک مدح یا قصیدے کی صورت میں درج تھے، جن میں سے ۱ تا ۱۰ اشلوک مکمل طور پر اور ۱۰ سے لے کر ۱۷ تک کے شلوک جزوی طور پر خراب ہو گئے ہیں۔ اِس کے پہلے دس شلوک رانا ناگ پال کے نسب کے بارے میں ہیں لیکن بدقسمتی سے اُن کا اب سراغ پانا ناممکن ہے، البتہ دستیاب شدہ آٹھ اشعار سے یہ اِنکشاف ہوتا ہے کہ:

(۱) ناگ پال بیرا پرگنہ کا حاکم اعلیٰ تھا۔

(۲) اُس کی والدہ بڑی پارسا اور نیک سیرت خاتون تھی۔

(۳) وہ ناگ پال کی موت کے بعد ستی ہونا چاہتی تھی لیکن ناگ پال نے بھائی کی مدد سے اُسے روکا۔

(۴) ناگ پال بڑی شان و شوکت والا حاکم تھا، جو اپنی نیکیوں کی بدولت بڑا مشہور تھا اور دُشمنوں کا ناش کرنے والا تھا۔

(۵) جنگوں میں اپنی تلوار اور لاٹھی کے جوہر اور قوتِ بازو سے اُس نے دُشمنوں کے ٹکڑے کر دیئے جس پر بادشاہ للت ورما نے اُسے رانا کا خطاب دیا۔

(۶) ناگ پال کی بیوہ نے بھرت رکھے اور اپنے جسم کو کافی حد تک گھٹا دیا۔ غریبوں کے لئے اُس کی رحم دِلی زیادہ ہوگئی اور کرشن کے لئے محبت شدید ہوگئی۔

(۷) یہ مدح للت ورما (راجہ چمبہ) کے گُرو ''کمل لچھانا'' نے ناگ پال کے بارے میں لکھی تھی۔

(۸) اپنے خاوند کی رُوح کی شانتی کے لئے اُس نے ایک حوض (ٹینکی یا باوَلی) بنوایا۔

ووگل اور ''چمبہ گزیٹیر کے حوالوں سے وہ ایک اور کندہ کی گئی تحریر (کتبے) کا ذِکر کرتے ہیں جو علاقہ کیلاڑ کے جنوب میں واقع سہلی کے مقام پر واقع پنیہار پر پائی گئی جہاں سانچو نالہ، جو چندر بھاگا کی معاون ندی ہے، پانگی (چمبہ) کی وادی میں اُس کے ساتھ مل جاتا ہے۔ اُس تحریر سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ للت ورمانے چمبہ پر ۱۱۴۳ء سے لے کر غالباً ۱۱۷۵ء تک حکومت کی۔ چوڑاہ کے ہی پرگنہ کہاڑ اور مذکورہ کیلاڑ (پانگی) سے رانا لوگ وادی بھدرواہ کی طرف کوچ کر کے کیلاڑ وادی کے اُونچے مقامات، جن میں سے نالہ بن گڈ نکلتا ہے، میں آباد ہو گئے ہیں۔ (بحوالہ ''ہمالین پرنسی پیلیٹیز)

یہ بھی اِتفاق کی بات ہے کہ وادیٔ چمبہ اور بھدرواہ کی بہت سی جگہوں کے ناموں میں آج تک مناسبت چلی آرہی ہے جیسے چنوت، مٹھولہ، کیلاڑ، محالہ، سرول، چوبیہ وغیرہ۔ ووگل کے مطابق پانگیٔ کے رانوں کی پشت سے تعلق رکھنے والا مہاب سنگھ کیلاڑ پانگیٔ سے آکر بھدرواہ کے علاقہ کیلاڑ میں بس گیا تھا۔

موضع بھیجہ علاقہ اٹھکھار بھدرواہ میں تانبے کی ایک تختی کی بازیابی بھی اپنی جگہ تاریخی اہمیّت کی حامل ہے۔ تانبے کی وہ تختی موضع بھیجہ بھدرواہ کے مرحوم تاراچند پادھا کے خاندان کے پاس ابھی تک موجود ہے۔ اُس کا تعلق بارھویں صدی عیسوی کے ناگ پال سے ہی ہے۔ وہ تختی ناگ پال کے بارے میں بڑی مفید اور اہم اِطلاعات بہم پہنچاتی ہے۔ اُس کے دیوناگری متن کا انگریزی ترجمہ غالباً ڈاکٹر پریتم کرشن کول نے ہی کیا ہے۔ اُردو ترجمہ راقم نے خود کیا ہے جو حسب ذیل ہے:

''وہ جو پندھیر شجرۂ نسب سے تعلق رکھتے ہوں، اِن احکامات پر عمل کریں۔ اُنگی والکا نسب سے تعلق رکھنے والے اِس سے لطف اندوز ہوں۔ آخر الذکر میں سے کوئی جو اِس خطۂ زمین کے آب ودانہ (پانی اور زمین) کا اِستعمال کرے، جہنم میں جائے یا اپنی نسل کو نشٹ کر ڈالے۔ دُرست سال ۱۲۴۱ (بکرمی) کشمیری سمت ۶۰ (ساٹھ)، اسوج کے مہینے کی پورن ماشی، سوموار بتاریخ ۲۱ر اسوج، وہ جو دھرم پر پورا

عبور رکھتا ہے اور براہمنوں کی پوری سرپرستی کرتا ہے۔ راجہ ناگ اپنے کل گُرو اُگنی والکیا کو آشاپتی کے متبرک تیرتھ پر بخشش کے طور پر بھیجہ اور سرتنگل کے درمیان واقع ۴۰۰ آلے (دوسو کنال) اراضیٔ آبی اور اراضی خشکی جسے بونے کے لئے ایک سو بھار (۲۰ کوئنٹل) بیج درکار ہے (اگر ضرورت محسوس ہو) اور گائے کا ایک جوڑا اور ہل' عطا کرتا ہے۔ ناگ پال کے شجرۂ نسب کے لوگ شاستروں کے مطابق اِن احکامات پر بڑی وفاداری سے عمل پیرا ہوں۔ وہ جو اِس عہد کو توڑے چھ ہزار سال تک فضلے اور گندگی کے ایک کیڑے کی طرح مصیبت میں پڑ جائے گا۔ پادھا اُگنی والکیا کے اِستعمال کے لئے بالمیک نے یہ تحریر لکھی اور بخشش کے طور پر عطا کی۔"

اِس تختی سے اور باتوں کے علاوہ اِس واقعہ کی تاریخ ۳؍ اکتوبر ۱۸۴۷ء میں آشاپتی (سونہ بائیں یا سونہ باؤلی) کو ایک تیرتھ کی حیثیت حاصل تھی۔ یہ بھی قیاس کیا جاسکتا ہے کہ بھدرواہ کے بالائی علاقہ بھیجہ جو آشاپتی پہاڑ کے دامن میں واقع ہونے اور اِس کے پاس ہی پدری کا درّہ ہونے کی وجہ سے جو چمبہ کی حدود کی طرف ہماری رہنمائی کرتا ہے' سے موضع سرتنگل تک کی زمین کی بخشش اِس بات کی غماز ہے کہ وادیٔ بھدرواہ اور وادی نیرو بالائی حصہ خصوصاً پہلے ہی راجہ ناگ پال نے مغلوب کرلیا تھا۔

اِس تاریخ ساز واقعہ سے ڈاکٹر کول اِس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ——

(ا) ۱۸۴۷ء میں ناگ پال عمر رسیدہ ہو چکا ہو گا جس وجہ سے وہ قطعۂ زمین براہمن پادھوں کو بخش دینے پر آمادہ ہو گیا۔ وہ اُن کو وہاں اِس لئے بھی بسانا چاہتا تھا تاکہ وہ یہاں کے مقامی باشندوں پر اپنا اثر و رسوخ اِستعمال کرکے اُن کے دِلوں میں اُس کے لئے وفاداری پیدا کرسکیں اور یہ کہ وہ کشمیر اور بھدرواہ سے بلاور کی طرف جانے والے روایتی راستے کی نگرانی بھی کر پائیں۔ (ب) اِن حالات میں ناگ پال بھدرواہ کا پہلا نواب گزرا ہے جس نے اِس کو مطیع کرنے کے بعد اِس پر حکومت کی۔

جے. پی. ایچ. ووگل کی تصنیف "اینٹی کیوٹیز آف چمبہ" جلد اوّل' صفحہ ۱۱۰

کے حوالے سے وہ لکھتے ہیں کہ ڈیبیری کوٹھی کے مقام پر رانوں کے ایک محل کی جائے تعمیر کا پتہ چلا ہے، جو غالباً ناگ پال کا ہی تھا۔ ووگل نے نہ صرف اِس کا پتہ لگایا ہے بلکہ اِس کی تصویریں اُٹھا کر اِس کی مثالوں سے توضیح بھی کی ہے۔ دُوسری بات جس کی طرف وہ اِشارہ کرتے ہیں، یہ ہے کہ بھدرواہ کے لوگوں کی روایات اور اُن کے اعتقاد کے مطابق ناگ پال نے ایک سو سال سے زیادہ عمر پائی تھی، جو اپنے والد کے بڑھاپے میں پیدا ہوا تھا۔ اُس میں اُس کی والدہ کی نذر اور عبادات کا بھی ہاتھ تھا۔

کے. ایس. سکسینہ اپنی تالیف ''پولٹیکل ہسٹری آف کشمیر'' میں لکھتے ہیں کہ جب دُوسرے پہاڑی سردار وادیٔ کشمیر سے بادشاہ سوسل کو بے دخل کرنے کے لئے بھکشا چر کے حق میں اُس کی طرفداری کر رہے تھے (جن میں اکثر پال خاندان سے نسبت رکھتے تھے) اُس وقت صرف ناگ پال ہی اُس کا ایک معتمد اور قابلِ اعتماد دوست تھا، جو اُس کا ساتھ دے رہا تھا۔ اِس لئے اُس نے اُسے راجپوری (راجوری) کی حکومت سونپ دی جس پر بعد میں ۱۱۲۰ء کے آس پاس اُس کے سوتیلے بھائی سوم ناتھ نے قبضہ جما لیا تھا۔ سوسل بغاوتوں کی وجہ سے ناگ پال کی کوئی مدد نہ کر سکا جس وجہ سے اُسے ہمیشہ کے لئے یہ جگہ چھوڑ کر کہیں اور جانا پڑا۔

سکسینہ رقمطراز ہیں کہ ـــــ ''یہی ناگ پال بلاور کے شاہی نسب میں ممکنہ طور پر بھوگ پال کا بیٹا تھا اور اِس میں کوئی مشکل بات نظر نہیں آتی۔ ہم نے پہلے ہی دیکھا ہے کہ بادشاہ اننت والیٔ کشمیر (۱۰۲۸ء تا ۱۰۶۳ء) نے چمبہ تک کی ساری پہاڑی حدود (علاقہ) کو زیر قبضہ کر لیا تھا۔ جموں کی پہاڑی مملکتوں پر کشمیری حکمرانوں کا غلبہ ۱۱۲۰ء تک رہا جبکہ اِن سرداروں نے اُنہیں للکار کر بھکشا چر کی مدد کی۔ کیونکہ اُن سرداروں میں زیادہ تر پال نسب سے تعلق رکھتے تھے۔ اِس لئے بعید از امکان نہیں کہ راجپوری کا ناگ پال ڈیبیری کوٹھی کے کتبے میں درج شدہ ناگ پال ہی ہو۔ کیونکہ راجپوری کے واقعات کے بعد ہمیں کسی دُوسری جگہ اِس کا کوئی حوالہ نہیں ملتا۔''

اِن حالات میں جبکہ ناگ پال راجپوری سے ۱۱۲۰ء کے آس پاس واپس چلا گیا اور سوسل بھی اُس کی کوئی مدد نہ کر پایا، عین ممکن ہے کہ اُس نے واپس چمبہ ہی جانا مناسب سمجھا ہو جو ڈیبیری کوٹھی کے کتبے میں درج شدہ تحریر کے مطابق اُس کا آبائی وطن تھا، جہاں سے بڑھاپے کی عمر میں وہ کشمیر اِس لئے آیا ہو کہ وہ سوسل کی مدد کرے اور راجوری میں پرتاپ پال (سابقہ وزیر) کی موت کا بدلہ لے ۱۱۲۰ء کے آس پاس اپنی واپسی پر اُس نے علاقہ بھلیس، بھدرواہ، چوڑاہ اور وادیٔ ٹسا میں اپنے اِقتدار کو مستحکم کیا اور سیول وادی کے ٹسا ڈیبیری کوٹھی علاقہ کو اپنا دارالخلافہ مقرر کیا۔ ۱۱۲۰ء تا ۱۱۵۰ء کے درمیان اُس نے اپنے آپ کو کافی مستحکم کیا اور کشمیر کے ساتھ تعلقات قائم رکھے۔ڈیبیری کوٹھی کی چوکی سے ناگ پال اپنے خِطّے کے نزدیکی سرحدی علاقوں یعنی پانگی، پاڈر، بھلیس، بھدرواہ، چوڑاہ اور بیرا کے علاوہ اپنی پہاڑی مملکت کے باقی حصوں کی پہرہ داری یا نگرانی کرسکتا تھا۔ بلاور، بھدرواہ، بھلیس اور چوڑاہ کے علاقے اُس نے اپنی بہادرانہ اور جنگجوانہ صلاحیتوں کی بدولت اپنے زیر اقتدار کر لئے ہوں گے۔ تاہم چمبہ کا حکمران اِن حالات سے صرف نظر نہیں کرسکتا تھا۔ اُسے ناگ پال کی اُبھرتی ہوئی طاقت کافی حد تک پریشان کرتی ہوگی لیکن وہ اُس کے علاقہ کو اِس لئے زیر نہ کرسکا کیونکہ جے سِہا ابھی وادیٔ کشمیر پر حکومت کرتا تھا اور وہ اِن پہاڑی علاقوں پر اپنا اثر ڈالنے کی کوشش میں تھا۔ اُس نے یہی بہتر جانا کہ ناگ پال کے ساتھ دوستی کی جائے۔ ''اِسی پس منظر میں'' بقول ڈاکٹر پریتم کرشن کول ''چمبہ کے حکمران کے کل گرو نے جے سِہا کی ۱۱۵۴ء میں موت کے بعد ناگ پال اور اُس کی بیوہ ماں کی توصیف میں ایک مدح لکھی اور اُسے ڈیبیری کوٹھی میں ایک پنیہار پر تحریر کروا کر (اپنے پہلے ہی تعمیر کئے گئے محل کے مقام) نصب کروایا۔

۱۱۵۴ء یا ۱۱۵۵ء میں جے سِہا کی موت کے بعد چھوٹی چھوٹی مملکتوں کے درمیان باہمی لڑائیاں اور جھگڑے بڑھ گئے تھے، جس سے راجہ چمبہ کو اپنا دائرہ اثر اپنی

سرحدوں سے باہر بڑھانے کا موقع ملا۔ قدرتی طور پر چوڑاہ کے ناگ پال اور رُدر پال' والیٔ پانگئی نے بالترتیب ۱۱۶۰ء اور ۱۱۷۰ء میں چمبہ کے للت ورما کی اطاعت قبول کی جیسا کہ ڈیبیری کوٹھی کے کتبے اور مول کیلاڑ کی تحریروں سے ظاہر ہے۔ ۱۱۷۵ء میں للت ورما کے اِنتقال کے بعد چوڑاہ اور پانگیؔ پھر ایک بار بلاور کے زیر اقتدار آ گئے اور دُوسری طرف اِس سارے پہاڑی خِطّے پر ناگ پال کا غلبہ بڑھ کر اور بھی نمایاں ہو گیا۔ اپنی پہاڑی مملکت کو اِستحکام دے کر اُس نے زمین کے بڑے بڑے قطعے براہمنوں کو دان میں دیئے' جن میں نیرو وادی کے پادھوں کا ذِکر پہلے ہی آ چکا ہے۔

ناگ پال نے اپنی والدہ کے اعزاز میں واسک ڈیرہ بھدرواہ میں ایک ویشنو مندر بھی تعمیر کروایا جس کو بعد میں بقول ڈاکٹر کول "۱۸۳۶ء میں چمبہ کے راجا چڑھت سنگھ نے ایک واسکی مندر میں تبدیل کیا۔ ڈاکٹر پریتم کرشن کول ناگ پال اوّل کا ذِکر کرتے ہوئے اپنی نادر معلومات کو یوں سمیٹتے ہیں:

"—— بھلیس' بھدرواہ' چوڑا' پانگیؔ اور کیلاڑ کی جغرافیائی خصوصیات میں باہمی مشابہت اور مماثلت اور اُن کی ایک دُوسرے کے ساتھ نزدیکی' ناگ پال کی ماں بلہا کی اپنے خاندانی دیوتا کے ساتھ عقیدت مندی' پادھوں کی نیرو وادی کے بالائی حصّوں میں آبادکاری' پانگیؔ اور چوڑاہ سے تعلق رکھنے والے راناؤں اور برہمنوں کا بھدرواہ کیلاڑ' ڈوڈہ اور مرمت علاقوں کی طرف ترکِ وطن کر کے آنا' ناگ پال کی دلیرانہ اور جنگجوانہ صلاحیتیں اور اُس کے کشمیر اور چمبہ کے ساتھ ذاتی تعلقات نے پہاڑی علاقوں کے لوگوں میں اُس کی شہرت میں اِضافہ کیا اور اُس رِوایتی سردار کی ذات کے ساتھ بہت سی لوک کہانیاں جڑ گئیں ——"

"—— پس ناگ پال اوّل بھدرواہ وادی میں داخل ہونے والا پہلا شخص تھا' جس نے محنت شاقہ سے کام لے کر یہاں حکومت کی۔ بعد میں اُس کے بیٹے کے پوتے بھدر پال نے بھدرکالی مندر تعمیر کروایا۔ اُسی نے اِس مملکت یا ریاست کی

بنیاد ڈالی اور اُس کے کافی عرصہ کے بعد غالباً سولھویں صدی عیسوی میں ناگ پال دوم بھدرواہ کا پہلا حکمران بنا ـــــ"

(بحوالہ "ہمالین پرنسی پیلٹیز" صفحہ:۱۶۲)

ڈاکٹر پرتیم کرشن کول کی تحقیق کا حوالہ دیتے ہوئے اسیر کشتواڑی لکھتے ہیں کہ ناگ پال ۱۱۲۰ء سے ۱۱۸۴ء تک زندہ تھا۔ وہ ۱۱۰۰ء سے قبل پیدا ہوا تھا۔ اُس کی موت ۱۱۸۴ء سے پہلے نہیں ہوئی تھی۔ وہ ۱۲۰۰ء تک ہی زندہ رہا ہوگا کیونکہ لوگوں کا عام عقیدہ ہے کہ اُس نے ایک سو سال سے زیادہ عمر پائی تھی۔ ناگ پال پہلا سردار تھا جس نے یہاں آکر کافی جدوجہد کے بعد اپنی حکومت قائم کی۔ اُس کے بعد اُس کے پوتے بھدر پال نے بھدر کالی کا مندر بنوایا اور بھدرواہ ریاست کی بنیاد ڈالی۔ اِن جائزوں کے علاوہ بھی بھدرواہ کی روایات اور لوک کہانیوں میں اُسے اپنی بہت سی کامیابیوں اور ہر دلعزیزی کی وجہ سے ایک ہیرو کی حیثیت حاصل رہی ہے۔

ناگ پال اوّل کے جانشین:

(شمبو پال، بھوگ پال اور رادھک پال)

ناگ پال اوّل کے کس جانشین نے کب سے کہاں تک بھدرواہ پر حکومت کی، اِس بارے میں تقریباً سب ہی تاریخی کتب اور تذکرے خاموش دِکھائی دیتے ہیں۔ دراصل ابھی تک کسی کو بھی اِس بارے میں کوئی مستند اور قابلِ اعتبار دستاویز حاصل نہیں ہوسکی ہے۔ اِس لئے کچھ محققین نے خالصتاً قیاس آرائیوں سے کام لیا ہے اور یہ گتھی سلجھانے کی کوشش کی ہے۔ ہاں یہ بات طے ہے کہ ناگ پال اوّل کے بعد شمبو پال، بھوگ پال اور رادھک پال بالترتیب گدی نشین ہوئے۔ پال راجاؤں سے پہلے بھی بھدرواہ کی مقامی راجاؤں کے تحت ایک طاقتور اور مضبوط سلطنت رہی ہے۔ ڈاکٹر پرتیم کرشن کول لکھتے ہیں کہ اگر ایک راجہ کا عہدِ حکومت اوسطاً چالیس سال رکھا

جائے تو بھدرواہ کی ریاست کا قیام چودھویں صدی عیسوی میں ہونا قرینِ قیاس نظر آتا ہے۔ دُوسری طرف وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ راجگانِ بلاور کے شجرہ ٔنسب کے مطابق بھدرواہ ریاست کی بنیاد بلاور یہ خاندان کی ایک شاخ نے تقریباً پندرھویں صدی عیسوی میں ڈالی تھی۔ لہٰذا یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ بھدرواہ کی ریاست کی بنیاد جب بھی پڑی ہو، یہ ریاست بلاور کے تحت ہی پندرھویں صدی تک رہی، جبکہ اُس کے بعد اِس نے ایک آزاد مملکت کی حیثیت اِختیار کر لی تھی۔ بارھویں صدی سے لے کر سولھویں صدی تک اِس کے واقعات واضح نہیں ہیں۔

راجہ رادھک پال:

پروفیسر سکھ دیو سنگھ چاڑک کے بیان کے مطابق —— ''بھدرواہ کی معتبر تاریخ کی شروعات دسویں صدی عیسوی سے ہوتی ہیں جبکہ بلاور کے راجہ کے چھوٹے بھائی رادھک نے اِس وادی کے کچھ حصّہ کو فتح کر لیا تھا۔ راجاؤں کا دور شروع ہونے سے پہلے جموں کے سارے پہاڑی علاقوں میں رانا ہی حکومت کرتے تھے۔'' وہ مزید لکھتے ہیں کہ —— ''وادی چندر بھاگا میں حکومت کرنے والے یہ چھوٹے موٹے حاکم ٹھاکور ہی تھے جن کا آج تک بھی اِس خِطّہ میں اثر ورسوخ باقی ہے۔ تاہم بھدرواہ اور بھلیس میں رانا لوگ ہی حکومت کرتے تھے۔ اِن ادنا حکمرانوں کے اِختیارات اور اثر ورسوخ کا دائرہ سترھویں صدی عیسوی تک قائم رہا۔ راجوری کے آپسی چھوٹے موٹے جھگڑوں کے تحریری حوالے ہمیں جابجا ملتے ہیں۔''

(بحوالہ ''ہمالین سٹیٹس''، جلد نمبر ۶، صفحہ: ۱۵۶)

راجہ رادھک پال نے یہاں کے جنگل صاف کروائے۔ یہاں پر بھگوتی کالی نام کا مندر تعمیر کروایا۔ اِسی مندر کی نسبت سے اُس کی راجدھانی کا نام بھدر کاشی یا بھدراو کاس پڑا۔ اُس کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام بھدر پال رکھا گیا۔

راجہ رادھک پال کے عہدِ حکومت کا بھی تاریخی جدول دستیاب نہیں ہے۔ اِس لئے اُس کے تعین میں صرف اندازوں سے کام لیا گیا ہے۔ سب مؤرخین کی آراء میں صدیوں کا فرق نظر آتا ہے۔ تاہم رادھک پال نے اپنے پردادا ناگ پال اوّل کی قائم کردہ مملکت کو کافی وُسعت دی تھی گو کہ یہ علاقہ ریاست بلاور کے تحت کافی عرصہ تک ایک جاگیر کی حیثیت سے رہا۔ اُس کے زمانے میں مقامی رانوں کی طاقت بہت کم ہو چکی تھی، تاہم اُنہوں نے اپنی شناخت بڑی حد تک قائم رکھی ہوئی تھی۔ قرینِ قیاس ہے کہ رادھک پال کا زمانہ دسویں اور بارھویں صدی کے درمیان رہا ہوگا۔

راجہ بھدر پال:

رادھک پال کے بعد اُس کا بیٹا بھدر پال ریاست بھدرواہ کا راجہ مقرر ہوا۔ نیک چند کوتوال بھدر پال کا زمانۂ اِقتدار آٹھویں صدی کا پہلا حصّہ قرار دیتے ہیں جبکہ نرسنگھ داس نرگسؔ اُسے ۶۴۳ء کے قریب کا خیال کرتے ہیں۔ بھوشن گپتا اُسے ۸۴۳ بکرمی کے لگ بھگ ظاہر کرتے ہیں۔ بھدر پال کا نام بھی بھدر کاشی یا بھدر اوکاس کی نسبت سے ہی بھدر پال رکھا گیا۔ اُس کے دور میں بھدرواہ کے ساتھ کچھ اور علاقے بھی فتح کر کے ملائے گئے۔ دراصل مکمل ریاست کا درجہ بھدرواہ کو بھدر پال کے دور میں ہی ملا۔ اپنی مملکت کو مستحکم کرنے کے لئے بھدر پال نے بڑی محنت سے کام کیا۔

راجہ پرتھوی پال اور اُس کے جانشین:

راجہ بھدر پال کا ایک ہی بیٹا تھا جو پرتھوی پال کے نام سے اپنے باپ کی وفات کے بعد مملکتِ بھدرواہ کا وارث ہوا۔ اُس کے دورِ حکومت کے بارے میں بھی ہمیں کوئی ٹھوس قسم کے واقعات یا حالات کا علم نہیں۔ ہاں یہ دُرست ہے کہ پرتھوی پال کے دو بیٹے تھے جن کے نام اجے پال اور برہم پال تھے۔ پرتھوی پال کی وفات کے

بعد پہلے اجے پال گدی پر بیٹھا۔ پھر راجہ کیلاش پال، راجہ کرشن پال اور راجہ مہان پال یکے بعد دیگرے بھدرواہ کی گدی بدلتے رہے۔ اُن کے عہدِ حکومت کے بارے میں بھی تاریخ کے اوراق خاموش ہیں۔ دراصل ناگ پال اوّل سے لیکر ناگ پال دوم کے زمانے یعنی شہنشاہ اکبر کے عہدِ حکومت تک بھدرواہ کی تاریخ پر ابھی تک دبیز پردے پڑے ہوئے ہیں۔ تاریخ کی اُن گم شدہ کڑیوں کو کھوج کر ڈھونڈ نکالنے اور جوڑنے کی اشد ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ البتہ نرسنگھ داس نرگسؔ کے بیان کے مطابق برہم پال کے خاندان کے کچھ لوگ موضع جات چکہ چنوت تحصیل بھدرواہ میں ابھی بھی رہائش پذیر ہیں، جنہیں زِندگی گزارنے کے لئے اِن مواضعات کے حقوق نسل در نسل منتقل کردیئے گئے تھے۔ نیک چند کوتوال کے مطابق ایسا لگتا ہے کہ کشمیر کے حکمرانوں نے اُن پہاڑی ریاستوں پر اپنا حق جتانا شروع کر دیا تھا جو اُن کی باج گذاری میں آچکی تھیں۔ اِس حقیقت کا حوالہ ''راج ترنگنی'' میں بھی موجود ہے، جس میں بتایا گیا ہے کہ ''بادشاہ اننت دیو نے چمبہ پر حملہ کردیا تھا اور وہاں کے بادشاہ سوہل ورما کو معزول کردیا تھا جسے اِس میں کیمپا کے سلا بادشاہ کے طور لکھا گیا ہے۔ اُس نے بھدرواہ کے حکمران کو بھی اپنے دربار میں بلایا جہاں کہ معزول شدہ بادشاہ نے پناہ لے رکھی تھی۔''

اِس بارے میں وہ مزید لکھتے ہیں —— ''بھدرواہ گیارھویں صدی عیسوی کے اِختتام تک یعنی جب تک کشمیر میں کلس حکومت کرتا تھا، ایک باج گزار ماتحت کے طور رہا۔ اِس امر کو اِس حقیقت سے بھی تقویت ملتی ہے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ کشمیر کے حکمران کے دربار میں باقی سات حکمرانوں کے ساتھ چمبہ کا حکمران بھی موجود تھا، لیکن بادشاہ کلس کی وفات کے بعد کشمیر کے حکمرانوں کا زوال شروع ہو گیا اور اب یہ یقینی بات بن گئی تھی کہ اُس وقت تک اُودھے ورما کو اب اِتنی طاقت حاصل ہو چکی تھی جس سے وہ کشمیر سے آزادی حاصل کرنے کے قابل ہو گیا تھا۔''[1]

---

[1] ''پولیٹیکل اینڈ کلچرل ہیری ٹیج''، صفحہ: ۱۱۰ تا ۱۱۱

وہ مزید لکھتے ہیں کہ نہ صرف کشمیر بلکہ ریاست چمبہ نے بھدرواہ کے معاملات پر پورا کنٹرول حاصل کر لیا تھا اور بارھویں صدی کے اواخر تک وجے درماوالئ چمبہ نے لداخ اور کشمیر پر بھی دھاوا بول دیا تھا۔

راجہ اگر دیو والئ کشتواڑ کا

مملکتِ بھدرواہ اور بسوہلی پر حملہ:

مؤرخین نے تاریخِ کشتواڑ میں ایک اہم تاریخی واقعہ کا ذکر کیا ہے، جس کا تعلق بھدرواہ کی تاریخ سے بلاواسطہ طور ہے۔ کہتے ہیں کہ گورودیو والئ کشتواڑ کے دور میں وسط ایشیاء سے ذُولچو نامی شخص نے وادئ کشمیر پر حملہ کیا۔ اُس وقت سہدیو کشمیر کا حکمران تھا، جو ۱۳۰۱ء میں بادشاہ بنا تھا۔ وہ حملہ آور کی یلغار کی تاب نہ لاسکا، اِس لئے وہ کشتواڑ کی طرف بھاگ نکلا۔ یہاں اُس نے اپنے رِشتہ دار گورودیو کے ہاں پناہ لی۔ کچھ دیر یہاں رہ کر وہ کشمیر کی طرف روانہ ہوا لیکن شدّت کی سردی کی وجہ سے وہ پیر پنچال میں ہی ہلاک ہو گیا۔ گورودیو کی وفات پر اُس کا بیٹا اگر دیو کشتواڑ کا راجہ بنا، جو بڑا مہم جو اور دلیر تھا۔ اُس زمانے میں کشمیر کا حکمران ہرش دیو تھا۔ اگر دیو اُس کا مددگار تھا۔ اگر دیو نے ایک بڑی فوج تیار کی اور اپنے اِرد گرد کے راناؤں کو زیر کرتا رہا۔ اپنی مہم جوئی کے دوران اُس نے چودھویں صدی کے وسط میں مملکتِ بھدرواہ پر حملہ کرنے کی بہت بار کوشش کی لیکن اکیلے اِس مہم کو انجام دینے کی اُس کو ہمت نہ پڑی۔ آخر کار اُس نے اپنے ولی عہد کے ذریعہ شہنشاہ کشمیر سے فوجی امداد حاصل کر کے یک لخت بھدرواہ پر دھاوا بول دیا۔ بھدرواہ کا راجہ اُس حملے کی تاب نہ لاسکا اور اپنے درباریوں کے سمیت بھاگ گیا۔ بہت سے فوجی مارے گئے اور لوگ کیلاش کی طرف بھاگ نکلے۔ اگر دیو کی فوج نے کشمیر کی فوج کی مدد سے اُن کا بسوہلی تک تعاقب کیا۔ بسوہلی کے قصبہ کو بھی نذرِ آتش کیا گیا اور فوج نے دونوں جگہوں پر بڑی لوٹ مار کی۔ اِس طرح

سے یہ دونوں مملکتیں کشتواڑ کے راجہ اگر دیو کے قبضہ میں آگئیں۔ اگر دیو کے خاندان سے ہی سلوتیز نامی لڑکے نے جنم لیا، جس کو حضرت سیّد حسین سولہ گامی نے اپنا مرید بنا کر سالار دین یا صدرالدین نام رکھا۔ صدرالدین کا نکاح سدرہ ماجیؒ کے ساتھ ہوا جن کے نامور بیٹے کا اسمِ گرامی شیخ العالم حضرت شیخ نورالدین ولیؒ عرف نُندہ ریشی زبانِ زدِ عام ہوا۔

راجہ اجے پال کے بعد:

راجہ اجے پال کے بعد کیلاش پال، راجہ کرشن پال اور راجہ مہان پال ایک دُوسرے کے بعد مملکت بھدرواہ کی حکومت پر فائز رہے۔ اُن کے دورِ حکومت کے بارے میں بھی واقعات کی کوئی ٹھوس تفصیل ابھی تک ہمارے سامنے نہیں آئی ہے۔ البتہ یہ بات ثابت ہے کہ راجہ کرشن پال کے دورِ حکومت کے دوران پندرھویں صدی کے آخر پر راجہ دولت پال بسوہلی پر حکومت کرتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ کرشن پال (یا کنہیا پال) مغل خاندان کے بادشاہ ہمایوں کے دہلی پر اِقتدار کے زمانے میں بھدرواہ کا حکمران تھا۔

راجہ مہان پال یا بشمبھر پال:

سولہویں صدی کی اِبتداء میں راجہ کرشن پال والئ بھدرواہ کی وفات کے نتیجہ میں راجہ مہان پال گدی نشین ہوا۔ اُس کو بشمبھر پال کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ وہ قابل اور رحمدل حکمران تھا۔ بشمبھر پال کی شادی کے بارے میں بہت سے مؤرخین نے اِس روایت کو تسلیم کیا ہے کہ اُس کی شادی کشتواڑ کی ایک شہزادی مہارانی کاندنی سے ہوئی تھی جو اپنی پہلی شادی کے چھ ماہ کے اندر ہی خاوند کی وفات پر بیوہ ہو چکی تھی۔ اُس کے بطن سے کوئی اولاد نہ ہونے کی وجہ سے وہی مملکت کی وارث بن گئی۔ کاندنی کا موضع، ٹھاٹھری اور کشتواڑ ہائی وے پر درآبشالہ سے تین میل کی دُوری پر واقع ہے، جس

نسبت سے شہزادی مذکورہ کو مہارانی کاندنی کہا جاتا تھا۔ اپنی پریشان حالی اور بیوگی کی وجہ سے وہ ہر وقت مایوسی کے عالم میں کھوئی رہتی تھی۔ روایت کی جاتی ہے کہ وہ ایک رات واسک ناگ کے مندر میں آ کر زار و قطار رونے لگی۔ اُس علاقے کے لوگ اُسے ''کل دیوتا'' کے طور پر مانتے تھے۔ قدرت کا کرنا یہ کہ وہ حاملہ ہوگئی۔ جب وضع حمل کا وقت قریب پہنچا تو وہ خوف کے عالم میں اپنی عفت اور عصمت کے بچاؤ کی خاطر ''آشاپتی'' کے متصل واقع ناگ لوٹن دھار کی ایک غار میں چلی گئی' جہاں اُس نے بچے کو جنم دیا۔ یہ دھار بھدرواہ سے شمال کی طرف علاقہ بھلیس کی ایک خوبصورت ترین چراگاہ ہے۔ بچہ کو غار میں چھوڑ کر وہ پھر بھدرواہ واپس آ کر ''واسک ناگ'' کے مندر میں چلی گئی اور دُعا کی کہ اُسے کسی قسم کے کلنک سے بچنے کے لئے اُس بچے کے جسم پر کوئی ایسی نشانی ظاہر ہو جس سے بچہ ایک جائز اولاد تصور کیا جا سکے۔ اُس نے بچے کو خواب میں دیکھا' جس کی نگرانی ایک سانپ کر رہا تھا۔ صبح اُس نے اپنے ایک درباری پروہت سے یہ ماجرا بیان کیا اور دیگر درباریوں کے ساتھ ناگ لوٹن کی طرف روانہ ہوگئی۔ غار میں پہنچ کر بچے کو صحیح سلامت ایک سانپ کی نگرانی میں ہی پایا۔ اُنہیں دیکھ کر سانپ نے اپنی راہ لی اور رانی نے اُسے پھر سے گود میں لے لیا۔ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ بچے کی پیٹھ پر سانپ کے ایک پھن کا نشان تھا۔ گھر آ کر اُس نے ناگ دیوتا کی نسبت سے بچے کا نام ناگ پال رکھا۔ اُسی ناگ پال کو ناگ پال دوم بھی کہتے ہیں۔ اِن روایتی واقعات کا ذِکر نیک چند کوتوال نے اپنی مذکورہ کتاب کے صفحہ نمبر ۱۱۱ اور ۱۱۲ پر کیا ہے۔

ٹھاکر کاہن سنگھ بلوریہ نے اِس واقعہ کی تفصیلات تھوڑے سے پھیر بدل کے ساتھ دی ہیں۔ وہ ناگ پال کے باپ کو مہان پال نام دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''شمبھر پال اُس کا بیٹا تھا۔ مہان پال جب بوڑھا ہو گیا اور اُس کے کوئی اولاد نہ ہوئی تو اُس نے واسک ناگ کے سامنے منت مانی۔ کچھ عرصہ کے بعد ''دیوتا'' اُس کے خواب میں

آیا اور اُسے ایک ایسے لڑکے کی ولادت کا یقین دلایا جس کے جسم پر ایک خاص نشان ہوگا۔ کچھ وقت گذرنے کے بعد اُس کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کی پیٹھ پر سانپ کی دُم کا ایک نشان تھا۔ اِس لئے اُس کا نام ناگ پال رکھا گیا۔''

(بحوالہ ''تاریخِ پنجاب''، صفحہ:۲۶۸)

یہ بھی روایت ہے کہ مہان پال کی کچھ ماہ پہلے ہی وفات ہو چکی تھی۔ ووگل کے لکھنے کے مطابق رانی کاندنی یعنی ناگ پال کی والدہ راجہ بہادر سنگھ یا اُس کے بیٹے پرتاپ سنگھ کی لڑکی، بہن یا نزدیکی رشتہ دار تھی۔ اِن روایات سے یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ راجہ ناگ پال دوم، راجہ مہان پال کا اِکلوتا بیٹا تھا۔ اُس کی ماں کشتواڑ کی شہزادی تھی اور اُس کے والدین واسک ناگ کے پجاری تھے۔

(بحوالہ ''تصویرِ ضلع ڈوڈہ'' از اسیر کشتواڑی، صفحہ:۲۰۸)

ٹھاکر کاہن سنگھ بلوریہ مزید لکھتے ہیں کہ راجہ ناگ پال کے علاوہ مہان پال کا دُوسرا بیٹا بھی تھا، جو دُوسری رانی کے بطن سے پیدا ہوا اور جس کا نام اُمید چندر رکھا گیا۔ ٹھاکر اُودھے چند اُس کا نام ران چند بتاتے ہیں۔

راجہ ناگ پال دوم:

(۱۵۲۵ء تا ۱۶۲۰ء)

اب یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ سولہویں صدی عیسوی کے دوران بشمبھر پال مملکتِ بھدرواہ کا حکمران تھا۔ جب وہ بوڑھا ہو گیا تو وہ اپنی جانشینی کے بارے میں بہت فکر مند ہوا کیونکہ اُس کی کوئی اولاد نہ تھی۔ وہ واسک ناگ کا بڑا معتقد تھا اور اُس کا پجاری بھی۔ رِوایات کے مطابق واسک ناگ کی خوشنودی کے باعث اُس کی رانی نے ایک لڑکے کو جنم دیا جس کا نام واسک ناگ کی ہی نسبت سے ناگ پال رکھا گیا۔ اِن روایات کا تفصیلاً ذکر پہلے ہی آ چکا ہے۔

بشمبھر پال یا مہان پال کی موت کے بعد اُس کے بڑے بیٹے ناگ پال دوم نے سولہویں صدی عیسوی کے وسط میں بھدرواہ کی گدی سنبھالی۔ وہ بہت خدا ترس، فیاض، رحمدل اور رعایا پرور راجہ تھا، جو ہر وقت گیان دھیان میں لگا رہتا تھا۔ اُس کی زِندگی کے کچھ اُصول تھے جن پر وہ ہمیشہ قائم رہتا تھا۔ وہ اپنے دیوتا واسک ناگ کی کسی حالت میں بھی ناراضگی مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ اپنے عہدِ حکومت میں اُس نے کشتواڑ کے راجہ پرتاپ سنگھ کو ایسے وقت میں بھدرواہ میں پناہ دی، جب اُسے وادیٔ کشمیر سے آئی ہوئی مغلانی بیگم کی فوجوں نے خوفزدہ اور پریشان کر رکھا تھا۔ اُس کے دور میں ہی مسلمانوں کو پہلی بار یہاں آنے اور بس جانے کی اجازت ملی اور اُن کے حق میں زمین کے کچھ قطعات وغیرہ بھی مختص کیے گئے۔ وادیٔ کشمیر سے آنے والے مسلمان مہاجرین میں بہت سے ہنر مند، دستکار اور کاریگر شامل تھے، جو خاص طور پر شال بافی، لکڑی پر کندہ کاری، ساز و سامان اور فرنیچر سازی اور اِسی قسم کی دُوسری صنعتوں اور پیشوں میں مہارت رکھتے تھے۔ اُس زمانے میں مسلمان دستکاروں اور کاریگروں کے یہاں پائے جانے کی تصدیق مغربی سیاحوں کے سفرناموں سے بھی ہوتی ہے۔

نیک چند کوتوال کے مطابق —— ''ناگپال نے جس وقت بھدرواہ کا تاج وتخت حاصل کیا، مملکت بھدرواہ دیگر بائیس پہاڑی ریاستوں کے سمیت پہلے ہی سلاطین دہلی کے بلاواسطہ کنٹرول میں آچکی تھی۔''

''تاریخ ڈوگرہ دیس'' اور سکھ دیو سنگھ چاڑک کے لکھے ہوئے ''گلاب نامہ'' کے انگریزی ترجمے میں اُن بائیس ریاستوں کی زمام اِقتدارِ اعلیٰ جموں کے حکمران ہمیر دیو کے حق میں ایک تانبے کی پلیٹ کے تحت ۱۴۱۲ء میں منتقلی کے بارے میں تفصیلاً ذِکر آیا ہے۔ اِس تفصیل کے مطابق بھدرواہ، ہمیر دیو والیٔ جموں (۱۳۹۹ء تا ۱۴۲۵ء) کے ذریعہ دہلی کا باج گزار بن چکا تھا۔ اُن دِنوں مبارک شاہ (۱۴۲۱ء تا ۱۴۳۴ء) دہلی کا حکمران تھا جس کے ہمیر دیو والیٔ جموں کے ساتھ بہت خوشگوار اور دوستانہ تعلقات

تھے۔ بعد میں ہمیر دیو، مبارک شاہ کی طرف داری میں ہی ایک جنگ میں مارا گیا تھا۔

اُن سبھی باج گذار پہاڑی راجاؤں کو کم از کم سال میں ایک بار دہلی کے سلطان کے دربار میں حاضری دے کر اپنی اطاعت کا ثبوت پیش کرنا پڑتا تھا۔ یہ رواج مہاراجہ رنجیت دیو کی وفات یعنی ۱۷۳۵ء تک برقرار رہا۔ ناگ پال کے بارے میں سب مؤرخین کی متفقہ رائے ہے کہ وہ شہنشاہ اکبر (۱۵۵۶ء تا ۱۶۰۵ء) کا ہمعصر تھا۔ اُس کے دربار میں باقی پہاڑی حکمرانوں کی طرح اُس کی بھی طلبی ہوئی تھی اور اکبر سے ملاقات کے دوران ایک غیر متوقع واقعہ نے جنم لیا تھا، جس کا ذِکر آگے آئے گا۔ ایک طرف تو اِس بارے میں مورخین نے اپنے اپنے ڈھنگ سے بہت سی روایات کا ذِکر کیا ہے تو دُوسری طرف مقامی طور پر بھی اِس قصے سے تعلق رکھنے والی بہت سی روایات مشہور ہیں۔ اِن کے باہمی تضادات کی وجہ سے مورخین کو تاریخ نویسی میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اکبر بادشاہ کے دربار میں

ناگ پال دوم کی حاضری:

دیوان نرسنگھ داس نرگسؔ ''تاریخ ڈوگرہ دیس'' کے صفحہ ۱۰۷ پر اِس قصہ کو یوں بیان کرتے ہیں کہ ـــــــ ''راجہ مہان پال (راجہ بشمبھر پال) بوڑھا ہو گیا لیکن اُس کی گود ہری نہ ہو سکی تو اُس نے ناگ دیوتا کی پوجا شروع کی۔ علاقہ بھدرواہ میں ناگ کی پرستش عام ہے اور سانپ کی شکل میں اِس کی پوجا کی جاتی ہے اور راجہ مہان پال نے ناگ دیوتا کی منت مانی۔ ایک رات راجہ کو خواب میں ناگ دیوتا کے درشن ہوئے تو دیوتا نے راجہ سے کہا تمہارے ہاں بیٹا پیدا ہوگا جس کی پُشت پر سانپ کی دُم ہماری نشانی کے طور پر ہوگی۔ کہتے ہیں کہ ناگ دیوتا کی بات پوری ہوئی اور راجہ کے ہاں ایک خوبصورت بچے نے جنم لیا۔ اُس کی پُشت پر واقعی سانپ کی دُم کا نشان تھا۔ راجہ نے

اُس کا نام ناگ پال رکھا۔ راجہ مہان پال اپنے بیٹے ناگ پال کی خوردسالی میں ہی پرلوک سدھار گیا تو ناگ پال بھدرواہ کا وارث بنا۔ یہ مشہورِ عام ہوگیا کہ بھدرواہ کا راجہ سانپ کی دُم والا ہے۔ بادشا اکبر نے سُنا تو اُس نے راجہ ناگ پال کو اپنے حضور میں طلب کیا اور جب راجہ ناگ پال شاہی دربار میں حاضر ہوا تو کہتے ہیں کہ اُس کے سر پر سانپ دِکھائی دیا۔ چند ماہ راجہ ناگ پال بادشاہ کے حضور میں رہا۔ بادشاہ نے اُسے خلعت دے کر واپس کیا تو واپسی پر راجہ ناگ پال نے بھدرواہ میں ایک مندر بنوایا جو باسک ڈیرہ میں باسدیو کے مندر سے مشہور ہوا۔ بھدرواہ میں یہ مندر باسک ناگ کا ہے۔ اِس میں پتھر کی دو بڑی بڑی مورتیاں ہیں۔ ایک باسک ناگ کی اور دُوسری راجہ ناگ پال کی، جو دونوں اِنسانی شکل کی ہیں۔"

وہ فٹ نوٹ میں اِس واقعہ کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"—— کہتے ہیں کہ بادشاہ اکبر کے بُلاوے پر جب بھدرواہ کا راجہ دِلّی دربار میں حاضر ہوا تو اُس نے دستور کے مطابق شہنشاہ اکبر کو اپنا آداب بجالانے میں سر نہیں جھکایا۔ اِس پر بادشاہ نے ناراض ہوکر اُسے سر جھکانے پر مجبور کیا تو راجہ ناگ پال کے دستار سے چار سروں والا سانپ نکل کر بادشاہ کی طرف لپکا۔ تب بادشاہ نے خود ہی سر جھکایا اور راجہ کو سونے کا چھتر اور خلعت دے کر اپنے مُلک کو روانہ کیا۔ یہ میلہ (یعنی میلہ پٹ) اُس واقعہ کی یاد میں پچھلے چار سو سال سے لگتا ہے اور سرکاری طور پر تین دِن کی تعطیلِ عام بھی علاقہ میں ہوتی ہے۔"

"ہسٹری آف پنجاب ہل اسٹیٹس" کے صفحہ نمبر ۱۵۸ پر مشہور مؤرخ سکھ دیو سنگھ چاڑک اِن روایات کو یوں زبان دیتے ہیں —— "اکبر نے ۱۵۸۰ء کے بعد پہاڑی ریاستوں کے بہت سے راجوں کو اپنے مطیع کرلیا تھا اور اُن میں سے بہت سے دہلی جا کر اُسے خراج ادا کرتے تھے۔ اُن میں سے ایک ناگ پال بھی تھا۔ ایک بار ایسا ہوا کہ ناگ پال کے ایک کارندے کی شاہی ماشکی کے ساتھ اِس بات پر لے دے ہوئی

کہ پہلے وہ ہی کنویں سے پانی نکالے گا۔ اکبر کا ماشکی کوئیں میں گر پڑا۔ (اِس پر) ناگ پال کو اپنے نوکر کے اِس فعل کی جوابدہی کے لئے شہنشاہ کے سامنے فوری طور پر پیش ہونے کے لئے کہا گیا۔ اُس نے عرض کی کہ پانی واسک ناگ کو پیش کرنے کے لئے تھا' اِس لئے اُس کے نوکر کو شاہی ماشکی سے پہلے پانی نکالنا مطلوب تھا۔ اکبر نے باسک ناگ کے بارے میں بڑے نفرت آمیز لہجہ میں پوچھا کہ وہ باسک ناگ کون تھا اور اُس نے واسک ناگ کی اکبر پر برتری کے بارے میں ثبوت مانگے۔ ناگ پال نے دُوسرے دِن ثبوت پیش کرنے کا وعدہ کیا۔ اور جب وہ دُوسرے دِن دربار میں پیش ہوا تو اُس کی پگڑی سے پانچ پھنوں والا سانپ ظاہر ہوا اور اکبر کے تاج پر چڑھنے کی خوف آمیز کوشش کی۔ اِس پر اکبر بہت گھبرایا اور راجہ کو ایک تحفہ دینے کا وعدہ کیا بشرطیکہ وہ اُس سانپ کو ہٹا دے۔ راجہ نے یہ فوری طور پر کر دِکھایا اور اِس کے بدلے بادشاہ سے شاہی نوبت یا نقارے وصول کئے' جن کو بھدرواہ کے راج محل میں اِستعمال کیا جاتا تھا اور اب جنہیں باسک ناگ بھدرواہ کے مندر میں' جس کو کہ راجہ نے مغل دربار سے اپنے ملک واپس آنے پر تعمیر کروایا تھا' بجایا جاتا ہے اور جو ابھی تک بھدرواہ میں اپنے مقام پر موجود ہیں۔ اِس مندر میں دو مورتیاں ہیں جن میں ایک واسک ناگ اور دُوسری راجہ کی ہے۔ یہ دونوں اِنسانی روپ میں ہیں۔ اِن دونوں کو دیوتاؤں کے طور پر آج تک پوجا جاتا ہے۔"

(اُردو ترجمہ: بشیر بھدرواہی)

اِن مؤرخین کی تحریروں کے علاوہ مقامی روایات میں سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ راجہ ناگ پال نے اکبر بادشاہ کے دربار میں سجدۂ تعظیم بجالانے سے یہ کہہ کر اِنکار کیا کہ وہ واسک ناگ کا پجاری ہوتے ہوئے باقی لوگوں کی طرح بادشاہ کے آگے جھک نہیں سکتا۔ دُوسرے روز ناگ پال دربار میں حاضر ہوا تو اُس کی پگڑی سے ایک سانپ نمودار ہوا جس کو دیکھ کر اکبر گھبرا گیا اور اُس نے ناگ پال کو شاہی نوبت اور خلعت سے نوازا۔ اِس کے بعد کی روایت مذکورہ بالا تحریر سے پورے طور پر میل کھاتی ہے۔

پروفیسر اُودھے چند ٹھاکر، بھدرواہ کالج کے میگزین ''شاہین'' (۱۹۷۱ء) کے صفحہ ۵۱ پر اِس واقعہ کی تفصیل اور راجہ ناگ پال کے عہدِ حکومت کے کچھ واقعات اِس طرح سے بیان کرتے ہیں:

''راجہ ناگ پال مغل خاندان کے شہنشاہ اکبر (۱۵۵۶ء تا ۱۶۰۵ء) کا ہم عصر تھا۔ کہا جاتا ہے کہ راجہ ناگ پال نے سولہویں صدی عیسوی میں کافی عرصہ تک حکومت کی۔ (وہ راجہ بشمبر پال کا بیٹا تھا نہ کہ راجہ مہان پال کا بیٹا، جیسا کہ ''تاریخ ڈوگرہ دیس'' کے مصنّف نے پُرزور دعویٰ کیا ہے) اُس نے اپنی ہمسایہ ریاستوں کے یعنی بڈھو، بسوہلی، کشتواڑ، چمبہ وغیرہ کے ساتھ بڑی کامیابی سے جنگیں لڑیں اور اپنی سلطنت کی حدود کو وُسعت دی۔ اُس نے اپنے پیچھے اِس علاقے کی تاریخ پر اپنی شخصیت کے بطور ایک جنرل، سیاستدان، عالم و فاضل اور حکمران کے بڑے گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔ وہ اپنے دوستوں اور دشمنوں پر یکساں طور پر مہربان تھا۔ اُس نے بسا اوقات بھگوڑوں تک کو پناہ دی۔ اُس کی ریاستی حکمت عملی اور دیگر اُمورات میں سب سے ترجیحی بات اپنے باشندوں کی خوشحالی تھی۔ وہ بہت روادار اور صاحب فراست حکمران تھا۔ اُس کے عہد میں ہی مسلمانوں کے دو خاندان شہنشاہ اکبر نے بھدرواہ بھیجے، جن میں ایک دھوبیوں کا کنبہ اور دُوسرا امراثیوں کا کنبہ تھا۔ اُن کنبوں کا ناگ پال نے بڑی مہمان نوازی سے اِستقبال کیا۔ اُنہیں ملازمتیں دیں اور اُن کو رہائشی مکانات تک دے دیئے۔ اُن خاندانوں کی نسلیں ابھی تک بھدرواہ میں آباد ہیں۔ یہ راجہ کی فیاضی کی کئی مثالوں میں سے ایک مثال ہے۔ پس راجہ ناگ پال کا عہد بھدرواہ میں ثقافتی اور مذہبی احیاء کا دور تھا۔ مذہب کی دُوسری قسم کی مذہبی وابستگیوں میں سے ''ناگ مسلک'' لوگوں کی سماجی اور مذہبی زِندگی پر بڑی شدّت سے غالب آ گیا۔ ناگ پوجا کی سب سے اہم جگہ واسک ناگ یا ناگا واسک نے لے لی تھی۔ اِس دیوتا کے تئیں بڑے تقدس، تعظیم اور لگاؤ کا اِظہار ہوتا تھا، جس کی مورتیاں ناگ پال کے دورِ حکومت میں یہاں کے

متعدد مندروں میں نصب کی گئی تھیں۔ یہ مندر راجہ دھاری پال کے عہدِ حکومت میں (نہ کہ راجہ ناگ پال کے دورِ حکومت میں جیسا کہ ''تاریخ ڈوگرہ دیس'' کے مصنف نے لکھا ہے) بنوائے گئے تھے۔ تاہم ناگ پال نے واسک ڈیرہ میں واسک ناگ مندر تعمیر کروایا جس میں دو مورتیاں نصب کروائیں۔ یہ مندر اُس نے دہلی سے واپس آنے کے بعد ہی ''ناگ دیوتا'' کی عقیدت میں بنوایا تھا۔'' (ترجمہ: بشیر بھدرواہی)

میلہ پٹ بھدرواہ کا تاریخی پس منظر:

پروفیسر اُودھے چند ٹھاکر اپنی اِسی محققانہ تحریر میں میلہ پٹ کی شروعات کا ذِکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ —— ''میلہ پٹ ہمیں راجہ ناگ پال کی مغل دربار میں بہادری کے ایک واقعہ کی یاد دہانی کراتا ہے جس کو ناگا باسک کی ہی مہربانی کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ یہ یہاں کے لوگوں کا مشترکہ اور عام اِعتقاد ہے۔ راجہ اِس دیوتا کا بڑا پجاری تھا۔ روایت کی گئی ہے کہ بادشاہ اکبر اپنی فرمانروائی کے اِختیار کے تحت دہلی اور آگرہ کے مقامات پر اپنے درباری اِجتماعات یا مجالس میں ہندوستان کے باقی حکمرانوں کو طلب کرتا تھا۔ ایسے ہی ایک اجلاس میں ایک دُور دراز پہاڑی سلطنت کے راجہ ناگ پال کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی تھی۔ بنیادی طور پر ایسی مجالس کا مقصد حکمرانوں سے ذاتی طور پر خراج وصول کرنا ہوتا تھا۔ اُس مجلس کے اِنعقاد تک راجہ ناگ پال ماسوائے اپنے دیوتا باسک ناگ، جس کی مہربانی کی طرف ہی راجہ کی عظمت منسوب تھی، اور کسی کے سامنے اپنا سر نہیں جھکایا تھا۔ پس دربار کے ایوان میں داخل ہوتے ہی راجہ نے بغیر کسی سجدہ کے بجالانے کے اپنی نشست سنبھال لی۔ اِس (طریقۂ عمل) نے مغل فرمانروا کو ٹھیس پہنچائی۔ لیکن اِس سے پہلے کہ شہنشاہ اِس چھوٹے راجہ کی قسمت کا فیصلہ کرتا، اُس کے وزیروں نے اُسے راجہ کے ساتھ بڑی حکمتِ عملی سے برتاؤ کرنے کو کہا۔ اُس دن راجہ سے اپنے جائے قیام کو جانے اور دُوسرے دِن حاضر ہونے کے

لئے کہا گیا۔ راجہ نے بے چینی سے رات گزاری۔ نیند کی ایک جھپک میں اُس نے باسک ناگ کو خواب میں دیکھا۔ دیوتا نے راجہ سے کہا کہ وہ دِل نہ ہارے بلکہ شہنشاہ کے دربار میں بلاخوف حاضری دے۔ اُس اثناء میں یہ فیصلہ لیا گیا کہ راجہ ایوان کے اندر ایک کھڑکی سے داخل ہو؛ جس میں سے گزرنے سے راجہ خود بخود سر جھکانے پر مجبور ہو جائے گا۔ دُوسرے دِن بجائے سر جھکانے کے راجہ نے اپنی ٹانگیں کھڑکی میں سے داخل کر دیں۔ یہ سوچ کر کہ راجہ ایک جادوگر شخص ہے' اُسے سر سے پگڑی اُتارنے کو کہا گیا۔ اِس سے پہلے کہ اُس حکم کی تعمیل ہو سکتی' خوفناک سانپ اپنے پانچ پھنوں کے ساتھ نمودار ہوا۔ اُس واقعہ نے اکبر اور اُس کے درباریوں کو حیرت میں ڈال دیا۔ ایوانِ اسمبلی میں ایک خوف کا ماحول طاری ہو گیا۔ شہنشاہ کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ وہ راجہ کی رُوحانی طاقت سے بے حد متاثر ہوا اور اُس کو اپنے استحقاق کے مطابق نشست دے دی گئی۔ اُس کے خراج کو بھی معاف کیا گیا۔ اُس کی قدر و قیمت اور ذہانت کو تسلیم کرتے ہوئے شاہی خزانے سے کافی ساری دولت اِنعام کے طور پر دی گئی۔ اُس مال و دولت میں معدنی برتن' سونے اور چاندی کے زیورات' زربفت (کمخواب)' ریشمی پارچات اور گانے بجانے کا سامان شامل تھا۔ پس اکبر اور ناگ پال کے درمیان دوستانہ تعلقات قائم ہوئے اور ناگ پال نے اکبر کی فرمانروائی قبول کی۔ راجہ کے ساتھ بڑی عزت اور شان و شوکت کا برتاؤ کیا گیا۔

مغل دربار سے اُس کی واپسی پر راجہ کو دی گئی سبھی قیمتی اشیاء کو باسک دیوتا کے نام پر قدر افزائی کی نشانی کے طور پر وقف کیا گیا جن کو کھکھل کے شاہی محل کے وسیع صحن میں لوگوں کو دِکھایا گیا۔ یہ تمام نوادرات آج تک محفوظ ہیں۔ اُس وقت سے ہی ''میلہ پٹ'' کو راجہ ناگ پال کی اِس ڈرامائی واقعہ میں کامیابی کی یاد اور اُس کے احساسِ عزت نفسی' بہادری اور ساتھ ہی واسک ناگ کے تئیں عقیدتمندی کی نشانی اور بھدرواہ نواسیوں کی ثقافتی زِندگی کے ایک باقاعدہ حصّے کے طور پر پچھلے چار سو سال

سے ہر سال منایا جاتا ہے۔"

اپنی تحریر کے تحقیقی پس منظر کا اِظہار کرتے ہوئے وہ مزید لکھتے ہیں:

"—— تاہم مجھے آج تک اِس تاریخی روایت کی تصدیق ہم عصر مغل دور کی تحریروں میں نہیں ملی۔ نہ ہی ابوالفضل اور نہ ہی عبدالقادر بدونی (جو کہ اکبر کا ایک تلخ تنقید نگار تھا) نے اِس واقعہ کا کہیں تھوڑا سا بھی ذِکر کیا ہے۔ شاید ایسا کرنا شہنشاہ کے لئے کچھ پریشانی کا باعث بنتا۔ واسکی پران کی دستیابی سے شاید اِس قسم کے بہت سے قیاسوں اور اعتقادات کا حتمی طور پر فیصلہ ہو جاتا' جس کے بارے میں یقین کیا جاتا ہے کہ وہ بھدرواہ کے قدیم اور جدید مذہبی اور تواریخی معاملات پر ایک اہم قسم کی دستاویز ہے۔ اِس کے محافظ پہلی پوچھ گچھ پر بڑی سختی سے اِنکار کرتے ہیں۔ یہ دستاویز وقت کی نذر ہو جائے گی اور ہمارا ثقافتی وِرثہ ضائع ہو جائے گا' اگر اِس کے رکھوالے اپنی ضد پر اڑے رہے۔"[1]

وہ مزید تحریر فرماتے ہیں کہ —— "اِس وقت ہمارے سامنے اِس واقعہ کی تفصیلات کے ماخذ یہاں کے عام اِعتقادات اور رسومات تک ہی محدود ہیں۔ اِسے قارئین ایک سچائی کے طور پر تسلیم کریں یا اپنی تاریخ کا ایک خیالی حصّہ۔ یہ روایات اِس سرزمین میں رچ بس گئی ہیں۔ ایک بات واضح ہے کہ میلہ پٹ بھدرواہ کی سب سے بڑی روایت ہے جسے آسانی سے مٹایا نہیں جا سکتا۔" (ترجمہ: بشیرؔ بھدرواہی)

اِس واقعہ کے بارے میں کچھ ردّ و بدل کے ساتھ تقریباً ہر مؤرخ یا مقالہ نگار نے کچھ نہ کچھ لکھا ہے۔ غلام رسول طاؤسؔ بانہالی (مقیم مظفر آباد۔ آزاد کشمیر) نے اِسلام آباد پاکستان سے شائع ہونے والے ایک رسالے میں "کشمیری لوک کہانیاں"

---

[1] ٹھاکور اُودھے چند کی وفات کے بہت عرصہ بعد "واسکی پران" کا پرانا مسودہ دریافت کیا گیا ہے جس کا ہندی ترجمہ پنڈت دھرم راج شرما' سکنہ گاٹھہ اور دُوسرا ترجمہ تبصرہ کے ساتھ ڈاکٹر پریتم کرشن کول نے شائع بھی کیا ہے۔ اِن تراجم پر تفصیلاً روشنی ڈالی جائے گی۔

کے عنوان کے تحت اِس واقعہ کا ذِکر کیا ہے، جس کا پہلا حصہ ٹھاکورسکھ دیوسنگھ کے تحریر کردہ کنویں سے پانی نکالنے کے واقعہ تک کافی حد تک میل کھاتا ہے، ماسوائے اِس کے جہاں طاؤس صاحب نے لکھا ہے کہ ''باتوں باتوں میں بات بڑھ چلی اور راجہ کے ماشکی کو اُٹھا کر کنویں میں پھینک دیا۔ معاملہ اکبر اعظم تک پہنچا۔ راجہ نے یہ موقف اِختیار کیا کہ میرا ماشکی باسکی ناگ کی پوجا کے لئے پانی بھرنا چاہتا تھا اور اگر بادشاہ کا ماشکی پہلے پانی بھر لیتا تو پانی جھوٹا ہو جاتا۔ اکبر اعظم نے کہا ''کیا یہ باسکی ناگ کوئی ہم سے بھی بڑا بادشاہ ہے۔ ہم نے تو آج تک اِس کا نام بھی نہیں سنا؟'' راجہ نے جواب دیا۔ ''حضور میں کل آپ کو باسکی ناگ کے درشن کراؤں گا اور پھر آپ خود ہی فیصلہ کر لیجئے۔'' باقی قصہ تقریباً ویسا ہی ہے جیسا کہ سکھ دیوسنگھ چاڑک نے بیان کیا ہے۔ البتہ طاؤس کے بیان کی یہ سطور ٹھاکر صاحب کی تحریر سے کچھ الگ نظر آتی ہیں۔ ''اکبر بادشاہ پانچ سروں والے سانپ کو دیکھتے ہی سہم گیا اور راجہ سے کہنے لگا۔ ''اِس بلا کو روک لو اور مجھ سے جو بھی چاہو مانگ لو۔'' تب راجہ نے اکبر بادشاہ سے یہ رعایت مانگی کہ اُسے شاہی نوبت (نگاڑہ) بجانے کا حق دار قرار دیا جائے۔ اُس دن سے لے کر آج تک بھدرواہ میں باسکی ناگ کی باؤلی پر برابر شاہی نوبت بجتی ہے۔''

جے. پی. ایچ. ووگل کی کتاب ''انڈین سرپنٹ لور'' کے صفحہ ۲۵۱ پر بھی اِس واقعہ کا ذکر ہوا ہے جو متذکرہ بالا رِوایات کے ساتھ کسی نہ کسی حد تک میل کھاتا ہے۔ البتہ انعام واکرام میں ووگل نے صرف ایک شاہی نوبت کا ہی ذِکر کیا ہے جو اُس نے خود اپنے سفر (۱۹۰۳ء-۱۹۰۴ء) کے دوران صبح وشام بجتے دیکھا ہے۔ شاید دُوسرے نوادرات' جو راجہ ناگ پال نے اکبر سے حاصل کئے تھے' کے بارے میں اُس کے ساتھ کسی نے ذِکر نہ کیا ہو۔ کیونکہ موسم سردیوں کا تھا اور میلہ پٹ کے دوران یہ اشیاء اگست' ستمبر میں دِکھائی جاتی ہیں۔ ٹھیک اِسی طرح ڈاکٹر پرتیم کرشن کول نے بھی مقامی رِوایات کے تحت ہی اِس واقعہ کا ذِکر کیا ہے اور تقریباً اُس کی تفصیلات بھی ایک

دُوسرے مقالہ نگار سے ملتی جلتی ہیں۔ ڈاکٹر کول نے تاہم میلہ پٹ کے بارے میں ایک نیا نکتہ پیش کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں ـــــــ ''کیونکہ ناگ پال کو تین دِنوں کی حد مقرر کی گئی تھی (جس میں اُس نے باسک ناگ کے بارے میں کچھ ثابت کرنا تھا) اور کیونکہ مملکت بھدرواہ تین بڑے پرگنوں پر مشتمل تھی یعنی بھلیس، کیلاڑ اور بھدرواہ' اِس لئے میلہ پٹ بھی تین دِنوں تک منایا جاتا تھا۔ یعنی مملکت کے ہر پرگنہ کے لئے ایک دِن مقرر کیا گیا تھا۔ یہ بھی رِوایت کی جاتی ہے کہ راجہ کے ریشمی خلعت، کلش وغیرہ چوری ہو گئے تھے، جن کو بسوہلی کے راستہ پر واقع سرتھل کے مقام پر کچھ بھدرواہی لوگوں کی حاضر دماغی اور بروقت مداخلت کی وجہ سے برآمد کر کے واپس لایا گیا۔''

بہرحال اِس حقیقت کے باوجود کہ اکبر بادشاہ اور راجہ ناگ پال کی ملاقات اور اِس سے متعلقہ واقعات کے کوئی تواریخی شواہد موجود نہیں ہیں، بھدرواہ کی مقامی رِوایات اِتنی مضبوط ہیں اور لوگوں کا اِعتقاد اِتنا زیادہ ہے کہ اکبر اعظم کے زمانے میں ناگ پال دوم کا بھدرواہ کا حکمران ہونا ایک ناقابلِ تنسیخ حقیقت بن گیا ہے۔ البتہ بقول ڈاکٹر پریتم کرشن کول ''میلہ پٹ والی روایت کے ساتھ کچھ تواریخی سچائیوں کے عناصر بھی موجود ہیں اور اِس میں کچھ نزاعی قسم کے اِختلافات بھی۔'' وہ مزید لکھتے ہیں کہ ''ناگ پال کے دستیاب شجرۂ نسب میں ناگ پال کو مہاپال اور بشمبر پال کے لڑکے کے طور پر دِکھایا گیا ہے۔ اِس لئے اُن میں سے کسی بھی شجرہ کو مستند نہیں قرار دیا جاسکتا۔ جموں کے سارے پہاڑی خطّے کے واقعات کو دیکھتے ہوئے ہمیں اُس کے نام کا یا اُس کے عظیم کارناموں کا کہیں لکھا ہوا یا کسی ہم عصر ذریعہ سے کوئی سراغ نہیں ملتا۔ اِس لئے بھدرواہ کے اُس حکمران کے ساتھ کسی بھی بہادرانہ کارنامے کے مستلزم ہونے کی بنیاد محض اُن روایات میں ممکن ہے جو دیبیری کوٹھی کے ناگ پال اوّل کے ساتھ منسلک ہیں۔''

ووگل کی تحریر کے مطابق ـــــــ ''ناگ پال کو کشتواڑ کی ایک شہزادی کے بطن سے پیدا شدہ بتایا گیا ہے جو ممکنہ حد تک بہادر سنگھ (۱۵۶۰ء تا ۱۶۰۵ء) یا اُس کے

بیٹے پرتاپ سنگھ (۱۵۸۸ء) کی بیٹی، بہن یا کوئی نزدیکی رشتہ دار تھی۔ یہ قابلِ توجہ بات ہے کہ اُس دور کے آس پاس کشتواڑ کے راجگان وادی کشمیر کے چک حکمرانوں کے مسلسل دباؤ میں تھے اور دُوسری طرف چک حکمران خود مغل حکمرانوں کے حملوں کی زد میں تھے۔ اکبر نے قریباً ۱۵۸۶ء میں کشمیر پر قبضہ کیا۔ بہادر سنگھ اور پرتاپ سنگھ نے اپنی بہنوں کی شادی بالترتیب یعقوب شاہ چک اور علی شاہ چک کے ساتھ کی تھی۔ اِس لئے راجہ ناگ پال دوم، کشتواڑ کے حکمرانوں کی وساطت سے کشمیر کے مسلمان حکمرانوں کا رِشتہ دار تھا ـــــ"

(بحوالہ "ہمالین پرنسی پیلٹیز" صفحہ ۱۷۴-۱۷۵، اُردو ترجمہ: بشیر بھدرواہی)

اسیرؔ کشتواڑی اپنے متقدمین کی تحریروں سے اِستفادہ کرتے ہوئے ناگ پال دوم کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں:

"ـــــ راجہ ناگ پال سولہویں صدی عیسوی کے وسط میں بھدرواہ کا راجہ بنا۔ یہ شہنشاہ اکبر کا ہم عصر تھا۔ بڑا رعایا پرور اور اِنصاف پسند تھا۔ ناگ پال اوّل کی مقبولیت کے باعث ناگ پال دوم بھی ایک ہر دلعزیز راجہ ہو گزرا ہے۔ اُس زمانے میں مغل بادشاہ پہاڑی راجوں پر اپنا تسلط جمانے کے لئے اُنہیں باری باری اپنے دربار میں طلب کیا کرتا تھا۔ اطاعت کے ثبوت میں اُن راجوں کو اپنے وکیل رکھنے پڑتے تھے یا راج خاندان کے کسی فرد کو مغل دربار میں بطور یرغمال رکھا جاتا تھا۔ ممکن ہے کہ راجہ ناگ پال بھی مغلوں کی برتری ظاہر کرنے کے لئے سولہویں صدی کے آخر میں دہلی گیا ہو۔ کہا جاتا ہے کہ جب راجہ ناگ پال، اکبر بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوا تو اُس نے سجدۂ تعظیم بجالانے سے اِنکار کیا ـــــ" اِس قصے کا باقی حصہ مؤرخین کے تحریر کردہ متن سے کافی حد تک میل کھاتا ہے۔ وہ مزید لکھتے ہیں کہ ـــــ "میلہ پٹ کے پس منظر میں اکبر اور ناگ پال کی ملاقات ایک یقینی امر بن جاتا ہے۔ بھدرواہ کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہوئے اُس ملاقات کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی تھی کہ راجہ ناگ پال

بھدرواہ میں مسلمانوں کی آبادکاری میں رخنہ ڈالتا تھا۔ کسی طرح اکبر کو خبر ملی ہو گی تو اُس نے ناگ پال کو اپنے پاس بلا کر اُسے اپنی پالیسی بدلنے پر آمادہ کیا تھا۔ چنانچہ ناگ پال نے دہلی سے لوٹنے کے بعد مسلمانوں کو کئی مراعات دی تھیں۔ دُوسری بات جو ناگ پال اور اکبر میں یکساں تھی، وہ یہ تھی کہ راجہ ناگ پال اپنے دیوتا واسک ناگ کے علاوہ کسی اور کے سامنے جھکنے کے لئے تیار نہ تھا۔ ایک مسلمان ہونے کے ناطے اکبر بھی خداوند تعالیٰ کی ذات کو ہی عبادت کے لائق سمجھتا تھا۔ لہٰذا راجہ ناگ پال کا نقطۂ نظر بھی اکبر بادشاہ کی خوشنودی کا سبب ہو سکتا ہے۔ راجہ ناگ پال نے اپنی ریاست میں مسلمانوں کو حقوق دینے کی حامی بھر لی تو اکبر نے اُسے اِنعام و اکرام کے ساتھ رُخصت کیا۔ ویسے بھی ناگ پال اپنے ننھال کے ذریعہ کشمیر کے مسلمان حکمرانوں کے ساتھ منسلک تھا ـــــــ''

(بحوالہ ''تصویر ضلع ڈوڈہ'' از اسیر کشتواڑی، صفحہ: ۱۰۸ تا ۱۰۹)

ہم ناگ پال دوم کے عہد کو بھدرواہ کی تاریخ کے نشاۃِ ثانیہ کے مصداق تصور کرتے ہیں کیونکہ اُس دور میں بھدرواہ میں مذہبی، ثقافتی اور سماجی طور پر ایک اِنقلاب سا برپا ہوا۔ اُس زمانے میں لوک ادب کو بھی فروغ ملا۔ بہت سے لوک گیتوں کی تخلیق ہوئی جو عمومی طور پر ''واسک ناگ'' کی توصیف میں گائے جانے لگے۔ اِس مملکت کی شہرت بڑھ گئی۔ یہاں دُوسرے فرقے، خاص طور پر مسلمان باضابطہ طور پر آباد ہونا شروع ہوئے۔ اُن کی آمد سے مقامی طور پر بہت سی دستکاریوں کی شروعات ہوئی جن میں شال بافی، لکڑی پر کندہ کاری اور دیگر قسم کے ہنر شامل تھے۔ راجہ ناگ پال کے عہدِ حکومت کے چند مشہور واقعات مختصر طور پر حسبِ ذیل ہیں:

(۱) ناگ پال دوم اپنے والد راجہ مہان پال (بشمبھر پال) کی وفات کے بعد سولہویں صدی کے وسط میں تخت نشین ہوا جبکہ دہلی کا فرمانروا شہنشاہ اکبر تھا۔

(۲) اپنی والدہ کی کشتواڑ کے راج گھرانے کی نسبت سے وہ بالواسطہ طور پر

وادیٔ کشمیر کے مسلم حکمرانوں کا رِشتہ دار بھی تھا۔

(۳) ناگ پال دوم کو حسبِ دستور مغل اعظم اکبر کے عہد میں دہلی بلایا گیا جہاں اُس نے اپنی فراست، بردباری اور ساتھ ہی پگڑی سے چار پھن والا سانپ ظاہر ہونے سے اکبر کو متاثر کیا اور اُس سے بہت سے نوادرات، خلعت اور نوبت وغیرہ بطور اِنعام حاصل کر کے اُس کامیابی کی یادگار کے طور پر ''میلہ پٹ'' کی بنیاد ڈالی، جو آج تک ہر سال منایا جاتا ہے۔

(۴) واپسی پر اُس نے بھدرواہ میں واسک ڈیرہ کے مقام پر ''واسک ناگ مندر''، تعمیر کروایا اور اُس میں اپنی اور واسک ناگ کو مورتیاں نصب کیں۔

(۵) اُس نے رفاہِ عام کے بہت سے کام کئے۔ وہ رحمدلی، انصاف پسندی اور خدا ترسی کی وجہ سے ہر دلعزیز ہو گیا۔ اُسے واسک ناگ کی بڑی عقیدت تھی۔

(۶) وہ مشکل میں اپنے دُشمنوں تک کی مدد کرنے میں پیش پیش رہتا۔ اُس نے راجہ پرتاپ سنگھ کو ایک آڑے وقت میں پناہ دے کر اپنی اِنسان دوستی کا ثبوت بہم پہنچایا، جب مغلانی بیگم کی فوج نے ۱۶۰۶ء میں اُس کی فوج کو کشتواڑ کے چوگان میں زبردست شکست دی اور وہ بھدرواہ کی طرف بھاگ آیا۔

(۷) اُس کے دور میں بھدرواہ اور اُس کے آس پاس بہت سے مسلم گھرانے بسائے گئے جن میں کچھ تو اکبر نے اُس کی دہلی سے واپسی پر ہی ساتھ بھیج دئے تھے (یعنی دھوبی اور میراثی) اور کچھ کشمیر سے آ کر یہاں پر بس گئے تھے۔ اُن کو زمین دِی گئی۔ مکانات بنانے میں مدد کی گئی اور دیگر مراعات بھی پہلی بار دی گئیں۔ یہ اُس کی رواداری کا بڑا ثبوت ہے۔

(۸) راجہ ناگ پال نے تقریباً ایک سو سال کی عمر پا کر بقول چارٹک ۱۶۲۰ء میں وفات پائی۔ جس سے اندازہ کیا گیا ہے کہ وہ سولہویں صدی عیسوی کے وسط میں پیدا ہوا تھا۔

(۹) اِس خطّے میں ناگ پال اوّل کے چھوڑے ہوئے موافق اثرات کی وجہ سے، اپنی قابل تعریف طرزِ حکومت کے نتیجے میں اور واسک دیوتا کے تئیں اپنی عقیدت نے ناگ پال دوم کو مقامی طور پر ایک ہر دلعزیز اور قابلِ عزت حکمران بنا دیا تھا۔ اگرچہ پہاڑی راجاؤں کی تاریخ میں اُس کا کوئی نمایاں حصہ نہیں رہا تھا۔ تاہم تاریخ ہند میں اُس مشہور راجہ کا ذِکر آیا ہے۔ بھدرواہ کی تاریخ میں اُسے ممتاز مقام حاصل رہا جیسا کہ روایات کے تانوں بانوں سے اُس راجہ کی عظمت کی نشان دہی ہوئی ہے۔

(۱۰) اکبر اور ناگ پال کی ملاقات پر تحریر کردہ واقعہ کا مغلیہ عہد کی کسی بھی تصنیف میں ذِکر نہیں آیا ہے لیکن میلہ پٹ میں ہر سال دِکھائے جانے والے نوادرات، چھتر، خلعت اور نوبت وغیرہ کی تاریخی اہمیت سے اِنکار نہیں کیا جا سکتا۔

(۱۱) ناگ پال کے عہد میں ڈونگا نگر ہی بھدرواہ کا دارالخلافہ تھا۔ اُس زمانے میں ایک شخص رانا اُودھ چمبہ سے بھدرواہ آیا اور نیرو اور قمری نالوں کے سنگم پر آباد ہو گیا۔ اُس نے اُس جگہ کا نام اپنے نام پر ''اُدرانہ'' رکھا۔ اُودھ نے بھدرواہ اور جموں کی ریاستوں کے متعدد اِنقلابات میں اہم حصّہ لیا ہے۔

بھدرواہ کے حالات

راجہ ناگ پال دوم کی وفات کے بعد:

راجہ ناگ پال دوم کی وفات کے بعد مملکتِ بھدرواہ کے سیاسی حالات کچھ مخدوش اور غیر یقینی ہی رہے۔ شاہی شجروں کے مطابق ناگ پال دوم کے چار بیٹے تھے، جن میں سے پہلے تین بیٹے یکے بعد دیگرے وفات پا چکے تھے اور سب سے چھوٹے بیٹے بھگت پال یا بخت پال نے والد کی وفات کے بعد گدی سنبھالی۔ فوت شدہ تینوں بیٹے لاولد تھے۔ یہاں کی مقامی زبان کی تاریخ سے ظاہر ہوتا ہے کہ بخت پال، راجہ

ناگ کا پوتا تھا اور بشمبھر پال کا بیٹا' جو ناگ پال کا بیٹا بتایا گیا ہے۔ نرسنگھ داس نرگس بھی راجہ ناگ پال کے بیٹے کا نام بشمبھر پال ہی بتاتے ہیں۔ اُن کا خیال ہے کہ راجہ ناگ پال کی وفات کے بعد پہلے بشمبھر پال اور پھر بخت پال نے بھدرواہ کی گدی سنبھالی۔ سب سے بڑے بیٹے کا نام بھاگی رتھ اور دُوسرے کا نام شنکر پال بتایا گیا ہے۔ کہتے ہیں کہ بھاگی راتھ پال کی نسل کے لوگ ابھی بھی موضع جات کرساڑی اور درنگہ میں پائے جاتے ہیں۔

راجہ بکھت پال:

(یا راجہ بھگت پال ۱۶۲۰ء تا ۱۶۳۴ء)

ووگل اور ہچی سن نے ''ہسٹری آف پنجاب ہل سٹیٹس'' میں راجہ بکھت پال کے عہدِ حکومت سے متعلق ایک اہم اور دِلچسپ رِوایت کا ذِکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ''یہاں کے چھوٹے مقامی حکمران اِس راجہ کے دور تک ابھی اپنی زمین پر قابض تھے اور اُنہوں نے اپنی آزادی دوبارہ حاصل کرنے کی اُمید ابھی تک نہیں چھوڑی تھی۔ کہتے ہیں کہ اُنہوں نے بکھت پال کے خلاف بغاوت تک کی تھی اور اِس سلسلہ میں ایک ہموار میدان میں' جسے آج کل چوگان کہا جاتا ہے' ایک جنگ بھی ہوئی تھی' جس میں رانوں نے شکست کھائی۔ یہ غالباً ۱۶۳۰ء کا واقعہ ہے۔ پھر اُس کے بعد ہمیں مملکت کے ریکارڈ سے اُن کے بارے میں مزید معلومات نہیں ملتیں۔ اِسی طرح عشرت کشتواڑی نے اُس راجہ کے دور کے متعلق لکھا ہے کہ ''وہ ۱۶۲۰ء میں جانشین ہوا۔ وہ راجہ ناگ پال کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا۔ اُس کے عہد ہی میں بھدرواہ پر بسوہلی کے راجہ نے حملہ کیا اور اُسے بسوہلی کا باج گزار بنالیا۔ راجہ کے تین بیٹے تھے۔ دُھرپ پال' رُوپ چند اور مان چند۔'' کہتے ہیں کہ راجہ بکھت پال ہی کے دور میں چھوٹے بھائیوں کے نام کے آخر پر لفظ ''چند'' کا لاحقہ لگایا جانے لگا' جس نے بعد میں ایک

رواج کی سی صورت اِختیار کی۔ مسٹر کاہن سنگھ بلوریہ کے حوالہ سے سکھ دیو سنگھ چاڑک لکھتے ہیں کہ یہ اُسی دورِ حکومت کا واقعہ ہے کہ راجہ بھوپت پال والیٔ بلاور (بسوہلی) (۱۵۹۶ء تا ۱۶۳۵ء) نے اِس ریاست پر حملہ کیا۔ اِس پر قبضہ کر کے اِسے کچھ عرصہ اپنی منصب داری میں رکھا۔ یہ غالباً ۱۶۲۹ء-۱۶۳۹ء کا واقعہ ہے۔

جگت سنگھ والیٔ کشتواڑ کا

بھدرواہ پر حملہ:

عشرت کشتواڑی اپنی تاریخ میں جگت سنگھ والیٔ کشتواڑ کے بھدرواہ پر حملہ آور ہونے کا ذِکر یوں کرتے ہیں —— ''جگت سنگھ (۱۶۳۵ء-۱۶۳۹ء) نے کشتواڑ کی گدی پر بیٹھنے کے بعد بھدرواہ پر حملہ کیا۔ جگت سنگھ بھدرواہ میں اُلجھا ہوا تھا کہ اُس کی غیر حاضری میں بسوہلی کے راجہ بھوپت پال (۱۵۶۸ء تا ۱۶۳۶ء) نے اپنے وزیر کنٹک بلاوریہ کی سپہ سالاری میں کشتواڑ پر حملہ کیا اور اُسے فتح کر لیا۔ راجہ جگت سنگھ بھدرواہ سے واپس آیا لیکن بھوپت پال سے لڑتے ہوئے مارا گیا۔ بھوپت پال نے بقول کاہن سنگھ بلاوریہ' راجگانِ کشتواڑ کے خاندان میں شادی بھی کی تھی۔ کشتواڑ سے واپس جاتے وقت کشتواڑ میں اپنے سپہ سالار کنٹک کو چھوڑ گیا۔ بعد میں جگت سنگھ کے بھائی بھگوان سنگھ' جو دہلی میں یرغمال کے طور پر رہتا تھا' نے شاہجہاں سے فریاد کی اور اُس سے صوبے دار کشمیر کے نام ایک خط حاصل کیا' جس میں صوبیدار کو حکم ہوا تھا کہ وہ بھگوان سنگھ کی فوجی طور امداد کرے۔ چنانچہ اُس نے ۱۶۳۶ء میں کشتواڑ پر حملہ کر کے کنٹک کو شکست دے کر مار ڈالا اور خود گدی سنبھال لی۔ وزیر کنٹک قریباً چھ ماہ تک ہی مملکتِ کشتواڑ پر قابض رہا۔

ڈاکٹر پریتم کرشن کول اپنی تاریخ کے صفحہ ۲۰۷ پر ایک اور ہی صورتِ حال کا ذِکر کرتے ہیں' جو جگت سنگھ سے متعلق مذکورہ بالا واقعات کی نفی کرتی ہے۔ وہ لکھتے

ہیں کہ —— ''اپنی ۱۶۲۰ء میں ہوئی تاج پوشی سے پہلے ہی جگت سنگھ نے پہاڑی راجوں کو مطیع کرنے کا منصوبہ تیار کیا تھا۔ اُس کے مطابق ہی اُس نے ۱۶۲۳ء میں چمبہ کو اپنے قبضہ میں لایا۔ بسوہلی کے راجہ بھوپت پال کو چودہ سال تک ۱۶۱۴ء کے آس پاس مغلوں کی قید میں ڈلوایا۔ اُس نے گلیر اور منڈی کو اپنی سلطنت میں ملایا اور بھدرواہ کو بھی اپنے اِقتدار کے تحت کر دیا' جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ساری کی ساری پہاڑی مملکتیں نورپور کے زیر نگیں آ گئی تھیں اور یہ سب کچھ مغلوں کی ہی چھپی ہوئی منظوری سے کیا گیا۔ ۱۶۳۷ء کے آس پاس جگت سنگھ کے بیٹے کو شوالک پہاڑی کا فوجدار بنایا گیا تا کہ وہ اُن سے چار لاکھ روپے کا خراج حاصل کر سکے۔''

دُوسری طرف عشرت کشتواڑی کا خیال ہے کہ —— ''یہ معلوم نہ ہو سکا کہ بسوہلی کا قبضہ کب تک رہا۔ خیال یہی ہے کہ یہ قبضہ دیرپا نہیں تھا کیونکہ سردیوں میں بسوہلی اور بھدرواہ کے درمیان آمدورفت منقطع ہو جاتی ہے۔'' ایک روایت کے مطابق بسوہلی کے بلاور یہ راجہ بھوپت پال نے ۱۶۲۹ء-۱۶۳۱ء کے درمیان بھدرواہ اور کشتواڑ پر حملے کئے جبکہ بھدرواہ پر راجہ بکھت پال حکومت کرتا تھا۔ راجہ بھوپت پال بڑا سخت جان' مضبوط اور جسیم حکمران تھا۔ اُس نے چمبہ پر بھی چڑھائی کی تھی۔ اُس نے اپنی حکومت کو مستحکم کیا تھا۔ مملکتِ بھدرواہ کو راجہ ناگ پال کے عہد میں جو آزادی ملی تھی وہ بسوہلی کے راجہ کے عروج کی وجہ سے ایک بار پھر متزلزل ہونے لگی۔ کشتواڑ پر دھاوا بولنے سے پہلے وہ بھدرواہ پر حملہ آور ہوا اور یہاں اپنی فرمانروائی قائم کرنے کے بعد اُس نے راجہ بکھت پال کو اپنا باج گزار بنایا۔ اُس نے بھدرواہ میں ہی کشتواڑ پر بھرپور چڑھائی کرنے سے پہلے اپنی فوج کو آراستہ کیا۔

دُوسری طرف ڈاکٹر پرتیم کرشن کول کہتے ہیں کہ ۱۶۲۸ء کے اِردگرد بھوپت پال نے بھدرواہ اور کشتواڑ پر حملے کئے اور بھدرواہ کو اپنا باج گزار بنالیا۔ یہ سلسلہ پرتھوی سنگھ والیٔ چمبہ کے دور تک رہا اور کچھ عرصے کے بعد چھتر سنگھ نے یہ باج گزاری

ختم کردی۔ یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ راجہ بکھت پال کے عہد میں راناؤں کا اِقتدار تقریباً ختم ہو چکا تھا' البتہ زمینوں کے بڑے بڑے قطعات علاقہ دراب' طروَن' مرمت' کیلاڑ اور کھسال وغیرہ میں اُن کی ملکیت میں رہے اور شخصی راج ختم ہونے تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔ بالآخر خاتمہ چکداری کے قانون کے نفوذ کے نتیجے میں اُن زمینداروں کی زائد زمین عوامی حکومت کے دور میں غریب کاشتکاروں میں تقسیم کی گئی۔

راجہ دھرپ پال:

(۱۶۳۴ء-۱۶۹۱ء)

راجہ بخت پال کی وفات کے بعد اُس کا بیٹا ۱۶۳۴ء میں بھدرواہ کی گدی پر بیٹھا۔ وہ ایک دُوسرے نام یعنی دھری پال سے بھی مشہور رہا۔ شری لکھمی چند ساکنہ موضع گاٹھہ کے خاندان کے پاس اُس کے دور کی ایک تانبے کی پلیٹ موجود ہے' جس کا ذِکر ڈاکٹر پریتم کرشن کول نے غالباً پہلی بار کیا ہے۔ جس میں لکھا ہے کہ ''مہامہپ دھری پال نے سمت ۱۰ کے بساکھ کی پہلی تاریخ بہ مطابق ۱۳/اپریل ۱۶۳۴ عیسوی کو اِس مقام (یعنی موضع گاٹھہ) میں واسکی مندر تعمیر کروایا۔'' تانبے کی ہی ایک دُوسری پلیٹ دیوان شری میاں (جو غالباً دھری پال کا بھائی یا کوئی دُور کا رِشتہ دار تھا) نے دھری پال کی طرف سے جاری کروائی تھی جس میں بڈھی اور کاٹل کی اُونچی دھاروں پر واقع چراگاہوں کو موضع بھیجہ کے ایک براہمن ودھیا دھر کو منتقل کرنے کا ذِکر ہے۔ اُس پر ۵/بیساکھ سمت سال ۶۷ بہ مطابق ۱۸/اپریل ۱۶۶۳ عیسوی کی تاریخ درج ہے۔''[۱]

پہلی پلیٹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مندر مذکورہ کی تعمیر کا کام راجہ دھری پال کا عہد حکومت شروع ہوتے ہی ہاتھ میں لیا گیا ہوگا۔ ووگل نے بھی ایک اور تانبے کی پلیٹ کا ذِکر کیا ہے جو راجہ کے بھائی رُوپ چند نے ۱۶۹۲ء میں جاری کی تھی۔ اُس کے

[۱] ''ہمالین پرنسی پیلیٹز''، صفحہ:۱۷۸

بیان کے مطابق یہ پلیٹ اُس کی (یعنی دھری پال کی) وفات کے بعد جاری کی گئی ہوگی۔ پروفیسر سکھ دیو سنگھ چاڑک اور عشرت کشتواڑی راجہ دھرپ پال کی وفات کا سال ۱۶۹۱ء بتاتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے بھی ذِکر کیا جاچکا ہے کہ راجہ ناگ پال کے بعد والے جانشین بہت ہی کمزور راجے ثابت ہوئے۔ پال راجہ راجاؤں میں سے بقول ٹھاکر اُودھے چند کچھ نے تو ''یہاں فلاحِ عام کے کئی کام کئے' قلعے اور مندر تعمیر کروائے۔ آب پاشی کے لئے نہریں اور کوہلیں بنوائیں۔ چشمے اور پُل تعمیر کروائے۔ بھدرواہ کی تاریخ میں آج کل بھی جو رسوم ورواج اور رِوایات یہاں کی خصوصی باتوں میں شمار ہیں' اُن کو اُنہوں نے ہی بڑھاوا دیا۔ وہ ایک ثقافتی تبدیلی اور ترقی کا زمانہ تھا۔ اِن شاندار کارہائے نمایاں دِکھانے والے راجاؤں میں لکھشمی دیو' دھری پال' کیلاش پال' ناگ پال' دھرت پال اور سمپت پال جیسے راجے شامل تھے۔ تاہم فتح پال' دیا پال اور پہاڑ چند جیسے راجے بطورِ جنرل اور حکمران نااہل اور نالائق قسم کے تھے۔ اُن کے تحت مملکت بھدرواہ نے اپنے ماضی کا شاندار وقار کھو سا دیا اور اِس کے اُفق پر اِنتشار کے بادل منڈلانے لگے۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بھدرواہ چمبہ کے دائرۂ اثر اور اطاعت میں آگیا۔ (بحوالہ ''شاہین'' میگزین ڈگری کالج بھدرواہ' ۱۹۷۱ء' ترجمہ: بشیر بھدرواہی)

دھرب پال کی موت بسوہلی کی باج گزاری میں ہی ہوئی۔ اُس کے دو بیٹے ہوئے۔ بڑا لڑکا ابھے پال تھا۔ نرسنگھ داس نرگس کے مطابق ''چھوٹے کا نام چھجو رائے تھا' جس کی اولاد موضع سرولباغ تحصیل بھدرواہ میں آباد ہے۔'' راجہ بھوپت کے کچھ سرداروں نے کشتواڑ سے واپسی پر بھدرواہ کے کچھ دِلکش مقامات دیکھنے کے بعد موضع جات درنگہ' کرساڑی' دھارا اور سرولباغ کی سرسبز و شاداب زرخیز زمین پر زبردستی قبضہ جمالیا اور یہاں کے ٹھاکروں کو ہٹا کر اُن جگہوں پر آباد ہو کر اپنی برتری کا اِظہار کیا' جو جموں کے راجوں کے اُنیسویں صدی کے نصف تک اِقتدار میں آنے تک قائم رہی۔

مؤرخین کی مذکورہ بالا آرا سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ راجہ دھرپ پال

نے ریاست بھدرواہ پر ۱۶۳۴ء سے لے کر ۱۶۹۱ء تک حکومت کی۔ اُس کا دور شروع ہونے سے پہلے بھوپت پال والئ بسوہلی نے غالباً ۱۶۲۹ء میں بھدرواہ پر حملہ کیا اور اِس کو اپنی باج گزاری میں لے لیا۔ دُوسری طرف اس نے راجہ جگت پال والئ کشتواڑ سے راجہ بھوپت پال کی وساطت سے کچھ رقبہ جات ملحقہ ٹھاٹھری وضع کر کے مملکت بھدرواہ میں ملا دئے۔ اُس کے دور کا اور کوئی خاص واقعہ معلوم نہیں ماسوائے مذکورہ بالا تانبہ کی پلیٹوں کے اور گاٹھہ کے مقام پر واسکی مندر کی تعمیر کے۔

ڈاکٹر پر تیم کرشن کول کے بقول ''دھرپ پال کے تین بیٹے تھے۔ ابھے پال، جے پال اور آری چند۔ ابھے پال رانی کے بطن سے تھا اور دُوسرے دو دُوسری بیوی سے۔'' کچھ مؤرخین نے اُس کے تین بیٹوں میں ''ابھے پال، جے چند اور کلیان چند'' کو شامل کیا ہے اور بعض نے تیسرے لڑکے کا نام ''آری چند'' لکھا ہے۔ راجہ دھرپ پال کی وفات ۱۶۹۱ء میں ہوئی۔

راجہ ابھے پال:

(۱۶۹۱ء تا ۱۷۰۷ء)

ابھے پال اپنے والد راجہ دھرپ پال کی وفات کے بعد بھدرواہ کی گدی پر بیٹھا۔ اُس کے چھوٹے دو بھائیوں میں سے ایک، یعنی جے چند کے نام پر سب کا اِتفاق ہے لیکن تیسرے بھائی کے مختلف نام بتائے گئے ہیں۔ کسی نے اُسے کلیان چند یا رُوپ چند، کسی نے مان چند اور کسی نے آری چند، یا کومت چند لکھا ہے۔ یہ مسئلہ ابھی بھی قابلِ تحقیق ہے۔ البتہ سب مؤرخین راجہ ابھے پال کے دورِ حکومت ۱۶۹۱ء تا ۱۷۰۷ء پر متفق نظر آتے ہیں۔

اِس راجہ کے عہدِ حکومت کے واقعات بھی کسی مؤرخ کے زیرِ قلم نہیں آسکے ہیں۔ اِس لئے اُس عہد کا کوئی واقعہ قابلِ ذکر نہیں ہے۔ البتہ سب مؤرخین نے اُس

دور میں ''ڈونگا نگر'' جو مملکت بھدرواہ کا قدیم دارالخلافہ تھا' کی تباہی کا تقریباً یکساں طور پر ذِکر کیا ہے اور ساتھ ہی اُس کے عہد کی عبرتناک قحط سالی کی وجہ سے لوگوں کی بھوک مری اور اُن کی شدید مشکلات کا تفصیل سے اُظہار کیا ہے۔ ایسے ہی خوفناک واقعہ کا ذِکر ایک ہی جیسی وجوہات کے ساتھ وادیٔ کشمیر کے موضع نارہ پورہ کے بارے میں کلہن نے بھی کیا ہے۔ فرق صرف اِتنا ہے کہ وہاں ''ناگ سسرو'' نے اِنسانی رُوپ دھار لیا تھا اور یہاں واسک ناگ نے۔ دراصل ایسے دیومالائی واقعات کا ذِکر بقول سکھ دیو سنگھ چاڑک ''براہمنوں اور بدھوں کی مذہبی کتابوں میں بار بار ہوا ہے جو ہمالیہ کی وادیوں میں اب تک رائج الوقت ہیں۔'' راجہ ابھے پال نے اپنی تخت نشینی کے بعد بقول عشرت کشتواڑی' بہت سے علاقے فتح کرکے بھدرواہ میں شامل کئے۔ راجہ ابھے پال کے زمانے میں ڈونگا نگر سیلاب کی زد میں آکر مکمل طور پر تباہ ہوگیا تھا اور لوگوں کو قحط سالی نے بھی پریشان کردیا تھا۔ عشرت کشتواڑی کے مطابق اُس کے دور میں لوگ آرام سے رہے۔ اور اُس کے چھوٹے بھائی چھجا پال کو سرولباغ کا گاؤں بطور جاگیر عطا کیا گیا جہاں اُس کی نسل کے لوگ آج تک آباد ہیں۔ راجہ ابھے پال کے دو بیٹے میدنی پال اور مانک چند تھے۔

راجہ میدنی پال:

(۱۷۰۷ء تا ۱۷۳۵ء)

راجہ ابھے پال کی وفات (۱۷۰۷ء) کے بعد اُس کا بڑا بیٹا میدنی پال مملکت بھدرواہ کی گدی پر بیٹھا۔ ڈاکٹر پریتم کرشن کول نے راجہ میدنی پال کے عہد حکومت کی دو تانبے کی پلیٹوں کا ذِکر کیا ہے جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ راجہ میدنی پال ۱۷۰۷ء میں ہی بھدرواہ کا راجہ بنا تھا۔ اِس راجہ کو موجودہ قصبہ بھدرواہ کا بانی تصور کیا جاتا ہے۔ ڈونگا نگر کی تباہی کے بعد اِسی راجہ نے ۱۷۰۷ء میں ہی بھدرواہ خاص کو اپنا

دار الخلافہ بنایا تھا۔ تب سے ہی یہ قصبہ ''نگر'' کے نام سے موسوم ہوا ہے۔ اِسی مقام پر راجہ نے شاہی محل، دفاتر اور بازار تعمیر کروائے اور باغات بھی لگوائے۔ یہ راجہ بڑا رعایا پرور اور سخی تھا۔ وہ اپنے والد ابھے پال ہی کی طرح عالم اور فاضل راجہ تھا، جس نے اٹھارہ پران جمع کر کے اُن کی تعلیم حاصل کی۔ ڈاکٹر پریتم کرشن کول کے خیال میں بھدرواہ کا ''واسکی پران'' اِسی راجے کے عہد میں ایک کشمیری قلم کار کے ہاتھوں لکھوایا گیا تھا۔ یہ پران سمت ۷ بکرمی یعنی ۱۳۷۱ء میں لکھا گیا تھا۔ جو راجہ میدنی پال کا ہی زمانہ ہے۔

جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے کہ راجہ ناگ پال کی حکومت کے بعد ریاست بھدرواہ کی بنیادیں آہستہ آہستہ کمزور ہو چکی تھیں اور اصل میں بھوپت پال اور بلاور یہ حکمران ہی یہاں کے اندرونی معاملات کو چلا رہے تھے۔ کیونکہ یہ ریاست اُن کے زیرِ اطاعت آ چکی تھی۔ بھوپت پال کے سرداروں نے بھدرواہ کی زرخیز زمینوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ لوگوں پر کافی ظلم بھی ڈھائے گئے اور اُنہیں دبا دیا گیا تھا۔ اُن کے مال واسباب لوٹ لئے گئے تھے۔ میدنی پال بھی بسوہلی کے حکمرانوں کا باج گزاری تھا۔

ڈاکٹر پریتم کرشن کول نے جن دو تانبے کی تختیوں کا ذکر کیا ہے، وہ اُنہوں نے پنڈت سنار چند کول کے ہاں سے حاصل کی ہیں، جو راج گُرو کملا کر کے داماد تھے۔ کول صاحب اُن تختیوں کی تفصیل یوں دیتے ہیں ـــــ ''تانبے کی پہلی تختی کے مطابق مہامہپ میدنی پال (والیٔ بھدرواہ) نے اپنے کُل گرو (راج گرو) کملا کر کو اپنی تعلیم کی شروعات کرنے کے بدلے میں دکھشنا کے طور پر علاقہ بھلیس کا ایک گاؤں بدھی بسوت اور ۳۵ آلے (زمین آبی) بمقام نگر عطا کئے۔ بھدرواہ میں مقیم ہونے کے بعد پنڈت جی اور اُس کی اولاد اِس سے مستفیض ہو سکتے ہیں۔ اِس معاہدے پر ہماری نسل بھی عمل پیرا رہے گی۔ یہ ۱۰؍ بھادوں سمت ۸۳ بکرمی بہ مطابق ۲۴؍ اگست ۱۷۰۷ء تحریر کردہ ہے۔''

تانبے کی دُوسری تختی کو میدنی پال کے چھوٹے بھائی مانک چند نے ۱۷۰۸ء میں اُسی پنڈت کملا کر کو عطا کیا۔ یہ کنبہ ظاہراطور اُسی زمانے میں وادیٔ کشمیر سے ہجرت کر کے بھدرواہ میں بس گیا تھا۔ کیونکہ آج اُن کی ساتویں پشت بھدرواہ میں زِندگی بسر کر رہی ہے۔ اِس تانبے کی تختی کی تاریخ ۱۶، ۱۷ جون ۱۷۰۸ء سے مطابقت رکھتی ہے۔''

یہ ممکن ہے کہ میدنی پال نے بھدرواہ کا ''واسکی پران'' اپنے کل گرو پنڈت کملا کر سے ہی لکھوایا ہو جو کشمیری نژاد براہمن تھا۔ اِس پر سمت ۷ تحریر ہے' جو بقول ڈاکٹر کول' ۱۷۳۱ء یعنی میدنی پال کے عہد کا آخری سال شمار ہوتا ہے۔ میدنی پال نے بھدرواہ پر ۱۷۰۷ء سے ۱۷۳۵ء تک حکومت کی۔ البتہ اِسی نام کے راجہ میدنی پال نے بسوہلی بلاور پر ۱۷۲۰ء سے ۱۷۳۵ء تک حکمرانی کی جو راجہ کرپا پال کا بیٹا تھا۔ بسا اوقات تاریخ کے طالب علم یا محقق ناموں اور زمانوں میں یکسانیت کی وجہ سے شش و پنج میں پڑ جاتے ہیں۔ پہاڑی راجاؤں کے بہت سے ناموں میں مشابہت پائی گئی ہے اور لطف یہ کہ اُن کے زمانوں میں بھی صرف اُنیس بیس کا فرق ہوتا ہے۔ میدنی پال کے دور میں بھدرواہ ایک خوشحال راجواڑے کے طور پر اُبھرا۔

راجہ سمپت پال:

(۱۷۳۰ء تا ۱۷۷۰ء)

سمپت پال راجہ میدنی پال کا جانشین تھا جو ۱۷۱۰ء میں پیدا ہوا تھا۔ اُس نے صرف بیس پچیس سال کی عمر میں یعنی ۱۷۳۵ء میں راج گدی سنبھالی۔ وہ جموں کے راجہ رنجیت دیو کا ہم عصر تھا۔ اُس نے جموں اور جسر وٹہ کی راج کماریوں سے شادیاں کیں۔ وہ بڑا بہادر طاقتور' حسین اور باہمت راجہ تھا۔ راجہ رنجیت دیو والیٔ جموں نے تمام پہاڑی علاقوں کے حکمرانوں پر سبقت لے رکھی تھی۔ اُس نے بڑی حکمت عملی سے کام لے کر اپنی بیٹی کی شادی اُس وقت کے بسوہلی کے راجہ امرت پال سے کر دی تھی

جس کی وجہ سے اُس نے بسوہلی کو اپنی پوری فرمانروائی کے تحت کر لیا تھا اور ایسا کر کے اُس نے بسوہلی کے راجہ کی اہمیت کو بھی کم کر دیا تھا۔ اُس شادی سے بھدرواہ کی تاریخ پر بھی گہرے اثرات مرتب ہوئے اور اٹھارہویں صدی کے وسط کے بعد مملکت بھدرواہ کا کم و بیش والیانِ جموں پر کسی نہ کسی طرح سے اِنحصار بڑھتا گیا۔

قلعہ بھدرواہ کی تعمیر:[1]

راجہ سمپت پال نے اپنے پتا میدنی پال کے نام پر بھدرواہ میں ایک قلعہ بھی تعمیر کروایا تھا جس کا نام ''میدنی پور قلعہ'' رکھا گیا تھا۔ اِس قلعہ کو بعد میں وزیر رتنو نے دوبارہ بنوایا اور اِس جگہ کا نام ''رتن گڑھ'' رکھا۔ ڈاکٹر پریتم کرشن کول اپنی قابلِ قدر کتاب ''ہمالین پرنسی پیلیٹز'' کے صفحہ ۱۸۲ پر بحوالہ عشرت کاشمیری، راجہ سمپت پال کے عہد حکومت کو ۱۷۵۳ء تا ۱۷۷۰ء قرار دیتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ روایات میں وہ سدھ پال کے نام سے بھی جانا جاتا ہے، جس کی تصدیق اب ایک تانبے کی پلیٹ سے بھی ہوتی ہے جو اُس نے کسی شخص کو عطا کی تھی۔ اُس کے مذہبی جھکاؤ کی بناء پر اُسے یہ نام دیا گیا تھا۔ دُوسری وجہ یہ بھی تھی کہ اپنے بڑھاپے کے دوران وہ بھدرواہ سے دُور جموں کے کچھ مقامات پر چلا گیا تھا۔

ٹھاکر سکھ دیو سنگھ چاڑک اپنی تاریخ ''ہسٹری اینڈ کلچر آف ہمالین سٹیٹس'' کے باب ''شاہانِ جموں'' کے تحت تحریر کرتے ہیں کہ ــــــ ''اُس کے عہد میں بھدرواہ کی قسمت کا ستارہ ڈگمگانے لگا اور ایک چھوٹی سی مملکت ہونے کی وجہ سے یہ اپنی ہمسایہ طاقتور ریاستوں کے مقابلہ میں کسی برتری کا مظاہرہ نہ کر سکی۔ اِسی وجہ سے غالباً یہ ریاست اُن میں سے کسی نہ کسی ریاست کی ہمیشہ ایک باج گزار کے طور پر رہی۔ ۱۷۵۲ء میں احمد شاہ دُرانی کے ہاتھوں پنجاب کے انقطاع یعنی خاتمۂ اِقتدار کے بعد مملکت

---

[1] قلعہ بھدرواہ کا تاریخی منظرنامہ اِس کتاب میں ایک علیحدہ باب کے تحت شامل کیا گیا ہے۔

بھدرواہ معہ مملکت کشتواڑ اور چمبہ کے راجہ رنجیت دیو کے زیرِ اقتدار آ گئی۔"

(''ہسٹری اینڈ کلچر آف ہمالین سٹیٹس''، صفحہ: ۱۶۰، ترجمہ: بشیر بھدرواہی)

راجہ سمپت پال نے اپنی ساکھ اور اِقتدار کو مضبوط کرنے اور چمبہ کے حکمران کے ساتھ اپنے پرانے تعلقات بحال کرنے کی خاطر اپنی بیٹی کی شادی راجہ راج سنگھ والیٔ چمبہ کے ساتھ رچالی، جو ایک طاقتور حکمران کے طور پر چمبہ کی گدی پر ۱۷۶۴ء سے لے کر ۱۷۹۴ء تک براجمان رہا۔" ۱۷۶۸ء میں احمد شاہ ابدالی کی شکست کے بعد دُرانی عہد کا خاتمہ ہو گیا۔ راجہ رنجیت دیو کی وفات کے بعد جموں کی حکومت زوال پذیر ہوئی اور سکھوں کی بالادستی کو بڑھاوا ملا۔ پہاڑی مملکتوں کے راجے ایک بار پھر آزاد ہونا شروع ہو گئے۔ اِس عمل کے دوران بھدرواہ کے راجوں نے چمبہ کے راجہ کے ساتھ اپنے دوستانہ تعلقات اُستوار کرنا شروع کئے تا کہ وہ جموں کی ماتحتی سے ہمیشہ کے لئے نجات حاصل کر سکیں۔"

(''کلچرل ہیری ٹیج'' از این۔بی۔کوتوال، ترجمہ: بشیر بھدرواہی)

ڈاکٹر پریتم کرشن کول اپنی مذکورہ کتاب کے صفحہ ۱۸۲ء پر یوں رقمطراز ہیں:

"سمپت پال کی شادی چمبہ کی ایک شہزادی سے ہوئی جس کے بطن سے ۱۷۳۲ء میں فتح پال پیدا ہوا۔ دراصل اِس شادی کا درپردہ مقصد مملکتِ بھدرواہ کو چمبہ کے دائرہ اثر میں لانا تھا لیکن بھدرواہ کا حکمران اِس قدر عاقل تھا کہ اُس نے چمبہ اور بلاور کے حکمرانوں کے ساتھ دُور کا ہی واسطہ رکھا۔ اِس کے برعکس اُس نے اُن حالات میں جموں کے راجہ رنجیت دیو سے کچھ نہ کچھ رابطہ قائم رکھا۔ بھدرواہ راجہ بخت پال کے زمانے سے ہی بلاور کے راجہ کے زیرِ اثر تھا۔ جب کہ اُس نے یہاں کے مقامی رانوں کو نکال بھگا کر اپنی بالادستی قائم کر دی تھی۔ راجہ سمپت پال کے عہد میں یہ بالادستی اٹھارھویں صدی کے وسط تک جموں کے ایک راجہ رنجیت دیو کی اُبھرتی ہوئی طاقت کی وجہ سے کم ہو چکی تھی۔ ملحقہ علاقہ جات کے راجواڑے اپنی ہی حدود تک محدود ہو گئے

تھے اور جموں کے باج گزار بن گئے تھے۔"
(اُردو ترجمہ: بشیر بھدرواہی)

راجہ سمپت پال کو اپنی چھوٹی سی ریاست کی خود مختاری بحال رکھنے کے لیے طرح طرح کی مشکلات سے دوچار ہونا پڑا۔ مملکتِ بھدرواہ کو اپنے تحت لانے کے لئے اُس کے ہمسایہ حکمران یعنی بسوہلی، کشتواڑ اور چمبہ پے درپے کوششیں کرتے رہے لیکن اُس نے اُن حالات میں بھی بھدرواہ کی آن بان قائم رکھنے کی کافی کوشش کی، تاہم اُس کی مملکت کے زوال کے آثار نمایاں ہوچکے تھے۔ دُوسری طرف ۱۷۷۰ء کے لگ بھگ سمپت پال کے اپنے ہی بیٹے فتح پال نے اپنے چاچا ہڑک چند کی سازش سے چمبہ کے حکمران کے ذریعہ اُسے اپنی گدی فتح پال کے سپرد کرنے پر مجبور کیا۔ اُن دِنوں ہڑک چند چمبہ میں ہی رہائش رکھتا تھا۔ یہ غالباً ۱۷۷۰ء کا واقعہ ہے جبکہ فتح پال کی عمر ۳۸ سال کے قریب تھی۔ اُس زمانے میں جموں کا راجہ رنجیت دیو اور بسوہلی کا راجہ امرت پال دونوں رُوبہ زوال تھے، جس وجہ سے چمبہ کے حکمران اور اپنے ہی بھائی کی سازش کی وجہ سے سمپت پال نے گدی کو خیرباد کہا اور اُس کے بعد ۱۷۷۰ء میں فتح پال بھدرواہ کا راجہ مقرر ہوا۔ اُن ہی دِنوں کی بات ہے کہ بھدرواہ کی شہزادی ناگینو کی شادی چمبہ کے راجہ راج سنگھ سے کروائی گئی۔

ڈاکٹر کول لکھتے ہیں کہ —— "بھدرواہ کی حکومت سے دستبردار ہونے کے بعد سمپت پال تحصیل بلاور کے نزدیک دریائے اُوج کے کنارے کووَ کے مقام پر رہائش پذیر ہوا جہاں اُس نے ایک سائے رام نامی برہمن کو کچھ زمین عطا کی تھی۔ سمپت پال نے ۱۷۹۶ء سے قبل ہی راجہ بلاور کی میزبانی کے دوران وفات پائی۔" دُوسری روایت میں کہا گیا ہے کہ وہ پیرکھوہ جموں میں فوت ہوا تھا۔

راجہ سمپت پال ایک طاقتور اور عالی ہمت حکمران ہو گزرا ہے۔ جموں اور جسروٹہ کے شاہی کنبوں کے ساتھ باہمی طور پر شادیاں کرنے کے بعد اُس کے ہاں پانچ بیٹوں اور چار لڑکیوں نے جنم لیا۔ فتح پال کے علاوہ اُس کے باقی بیٹوں کے نام

بالترتیب بھوپ چند، چھڑ چند، ساگر چند اور کندن چند تھے۔ ہڑک چند کی طرح ہی بھوپ چند بھی چمبہ کے حکمرانوں کا قابلِ اعتماد رازدار تھا، جس نے بعد کے حکمرانانِ بھدرواہ یعنی فتح پال اور دیا پال کے خلاف چمبہ کے حکمرانوں کے اِشاروں پر مسلسل سازش کیں اور اُنہیں بہت تنگ کیا۔ سمپت پال کی لڑکیوں میں سے ایک صورتو نامی لڑکی کی شادی کانگڑہ کے ابھے چند سے ہوئی تھی اور اس کی باقی لڑکیوں درشنو، نگینو اور تھولو کی شادیاں بالترتیب نور پور کے پرتھوی سنگھ، چمبہ کے راج سنگھ اور جسروٹہ کے ایک سردار کے ساتھ ہوئی تھیں۔

مسٹر نیک چند کوتوال اپنی مذکورہ تصنیف کے صفحہ ۱۲۰ پر اُس دور کے کچھ مزید واقعات کا یوں ذِکر کرتے ہیں ——— ''سمپت پال کے دور میں ہی امرت پال والیٔ بسوہلی نے بھدرواہ کے راستے سے فوج گزار کر کشتواڑ پر دوبارہ حملہ کیا۔ اُس وقت کشتواڑ میں مقامی راجہ کیرت سنگھ کے قتل کی وجہ سے افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ کیرت سنگھ، سعادت یار خان کے نام سے اورنگزیب کی ایماء پر (جو اُس وقت سری نگر میں مقیم تھا) مشرف بہ اسلام ہوا تھا۔ اورنگ زیب نے اپنے بیٹے شہزادہ محمد شاہ کے لئے سعادت یار خان کی خوبصورت ہمشیرہ کا ہاتھ مانگا۔ شہزادی بھوپ کماری یا بھوپ دئی کو اُس نے اپنے بھائی میاں محمد خان کے ساتھ دارالسلطنت دہلی روانہ کیا۔ اُن حالات میں ہندو لوگوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچی اور وہ اندرونی طور پر کیرت سنگھ یعنی سعادت یار خان کے خلاف بھی ہو گئے۔ دہلی پہنچ کر بھوپ دئی کا نکاح شہزادے کے ساتھ کر دیا گیا۔ اِدھر کرشنا پڈھیار نے موقع پا کر سعادت یار خان کو تلوار کے ایک ہی وار سے گلاب باغ میں قتل کر ڈالا اور خود چند ماہ تک کشتواڑ کی گدی پر بیٹھ گیا۔ اُس زمانے میں بسوہلی کے راجہ امرت پال نے بھدرواہ اور کشتواڑ پر حملے کئے اور یہ دونوں ریاستیں کافی عرصہ تک بسوہلی کی فوج کے زیرِ تسلط رہیں۔ اُن فوجوں نے دونوں مملکتوں کو روند ڈالا اور یہاں کی دولت کو خوب لوٹا۔ اُس عہد میں یہاں کے

مقامی لوگوں کو کافی تکالیف اور مصائب کا سامنا کرنا پڑا ــــــ'' (ترجمہ: بشیر بھدرواہی)

عشرت کشتواڑی کے مطابق ''راجہ امرت پال بھدرواہ پر کلی طور پر قابض رہا۔''

مندرجہ بالا واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ راجہ سمپت پال کا پچیس سالہ دورِ حکومت بیرونی حملوں، اندرونی خلفشار اور سازشوں کی وجہ سے ایک افراتفری اور غیر یقینی کا دور رہا، گوکہ راجہ بذاتِ خود بہت نیک اور مذہبی خیالات کا حامل شخص تھا۔ دُوسری طرف اُس کی ہمسایہ ریاستوں نے اُسے چین سے حکومت نہیں کرنے دی جس وجہ سے وہ لوگوں کی بہبودی کی طرف خاطر خواہ توجہ نہ دے سکا۔ گوکہ اُس کے دور کے آخری حصّے میں رنجیت دیو والیٔ جموں اور امرت پال والیٔ بسوہلی کی حکومتیں بھی رُو بہ زوال ہورہی تھیں۔ سمپت پال نے ۱۷۹۶ء سے پہلے اچھی عمر پاکر وفات پائی۔

مملکتِ بھدرواہ کا علاقہ کھسال (مرمت):

زمانہ قدیم میں کھش دریائے سندھ کو پار کر کے کشمیر پہنچے اور وہاں سے کشتواڑ، سراج اور بانہال کے ڈینگ بٹل تک پہنچ گئے۔ کشمیر خِطّے کی فرمانروائی میں رہنے کے باوجود علاقہ کھسال کافی دیر تک بانہال کے سردار ڈینگ پال کے ماتحت رہا۔ اُس کی سرحد ڈینگ بٹل تک پھیلی ہوئی تھی۔ کھش لوگ علاقہ مرمت گلیاں میں بھی آباد ہو چکے تھے۔ بعد میں یہاں رانوں کی حکومت قائم ہوئی جورِگی نالہ کے ساتھ لگنے والے موضع رنکا درامٹرو سے اِس وادی یعنی کھسال پر حکومت کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ اُن رانوں کا تعلق بیرین قبیلے سے تھا، جن کو راجپوت مہاجرین نے یہاں سے باہر نکال دیا تھا۔ یہ مہاجرین چاوڑی علاقہ چمبہ سے آکر یہاں آباد ہوئے۔ کھسال کے گلیاں قبیلے کے راجپوت بعد میں کانگڑہ سے آکر یہاں بس گئے۔ اُن علاقوں میں کھش قبیلے کے علاوہ راجپوت، ٹھکر اور رانا قبائل ملحقہ پہاڑی راجواڑوں سے آکر یہاں گذر بسر کرنے لگے۔ اُن میں کشمیر سے آئے ہوئے کچھ کاریگر، جولاہے، آہنگر وغیرہ اور شالی کاشت کرنے

والے کاشتکار بھی شامل ہوتے گئے۔

علاقہ مرمت پر رنجیت دیو کا دائرہ اثر:

اٹھارھویں صدی میں مہاراجہ رنجیت دیو نے مرمت کھسال کے رانوں کے مطیع کیا لیکن یہ چھوٹی سی راجواڑہ شاہی بسوہلی کے امرت پال (۱۷۷۵ء) کے تحت ہی رہی۔ جموں کے آرکائیوز کے ''ایکزیبٹ-اے'' سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مملکتِ بھدرواہ کا یہ علاقہ (کھسال مرمت) بلاواسطہ طور پر امرت پال والیٔ بسوہلی کے وزیر کھنڈو کی حکمرانی میں تھا۔ اِس علاقے کے ایک زمینی تنازعہ کو امرت پال کے ہی ایک کارٔن (کاردار) کے ذریعہ حل کر دیا گیا تھا۔ اِس علاقہ میں مہاراجہ گلاب سنگھ کے مشہور جنرل زور آور سنگھ کلہوریہ نے بھی علاقہ مرمت کے رانا جسونت سنگھ، جو اُس وقت مملکتِ بھدرواہ کے تحت اُس جاگیر کا حکمران تھا، سے فوجی نوعیت کے گر سیکھے اور رام بن کے پہاڑوں میں ایک یوگی سے ''یوگا'' سے متعلق جانکاری حاصل کی۔[1] وہ یہ تربیت حاصل کرنے کے بعد راجہ گلاب سنگھ کی ملازمت میں آگیا۔ اِن تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی طبعی خدوخال، نارسائی اور پسماندگی وغیرہ کی وجہ سے علاقہ کھسال مرمت کو معمولی سطح کی خودمختاری حاصل رہی، جو سلسلہ مہاراجہ گلاب سنگھ کے دور تک قائم رہا۔ بعد میں جنگلاتی لکڑی کی بہتات کی وجہ سے سبز سونے والی یہ سرزمین مہاراجہ پرتاپ سنگھ اور راجہ امر سنگھ کے درمیان ایک قانونی جھگڑے کا باعث بنی۔

راجہ فتح پال:

(۱۷۷۰ء تا ۱۷۹۰ء)

راجہ فتح پال کی پیدائش کے بارے میں عام رائے یہ ہے کہ وہ ۱۷۳۲ء میں

---

[1] کلہوریہ کے بارے میں اگلے صفحات پر تفصیلی ذکر آیا ہے۔

میں پیدا ہوا تھا اور بھدرواہ میں اُس کی تاج پوشی کے وقت اُس کی عمر صرف ۳۸ سال تھی۔ گو کہ راجہ سمپت پال نے چمبہ کے حکمران کو اپنے سے دُور ہی رکھنے کی کوشش کی تھی تاہم ریاست چمبہ بھی ۱۷۶۲ء کے قریب جموں اور بسوہلی کی طاقت کے محور کے تحت زیرِ اطاعت آچکی تھی۔ لیکن ۱۷۷۰ء کے دوران حالات نے کچھ اِس طرح پلٹا کھایا کہ مملکتِ بھدرواہ کو جموں اور بسوہلی کے حکمرانوں سے کنارہ کش ہونا پڑا۔ حالانکہ مغل شاہان کے رُوبہ زوال ہونے پر رنجیت دیو والیٔ جموں عملی طور پر خود مختار ہو گیا تھا، جو اپنی موروثی حکومت کے حدود پر مطمئن نہ ہوتے ہوئے دریائے راوی اور چناب کے درمیان پڑنے والی ساری پہاڑی ریاستوں پر اپنا تسلط جمانے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ اُس دور میں ریاست چمبہ راجہ راج سنگھ کی حکمرانی میں تھی، جو کم سنی ہی میں یعنی ۹ سال کی عمر میں ۱۷۶۴ء میں وہاں کا راجہ بنا تھا۔ راجہ رنجیت دیو کے احکامات کے تحت راجہ امرت پال والئی بسوہلی کے ہاتھوں جو خفت اور بے عزتی اُس کو اٹھانا پڑی تھی، وہ اُس کا بدلہ چکانا چاہتا تھا۔ امرت پال کو چمبہ پر حملہ کرنے لئے راجہ رنجیت دیو نے ہی اُکسایا تھا، جس کے نتیجہ میں جموں کی فوجوں کے ساتھ ساتھ امرت پال کی افواج نے ۱۷۷۴ء میں چمبہ پر قبضہ کر لیا تھا، جو صرف تین ماہ تک ہی قائم رہا۔

این. بی. کوتوال کی تحریر کے مطابق ——— "راجہ راج سنگھ نے سِکھوں کی مدد سے ۱۷۸۲ء میں بسوہلی پر حملہ کیا اور اُس کو فتح کر لیا لیکن اُس نے ایک لاکھ روپے کا تاوان وصول کر کے امرت پال والئی بسوہلی کو اُس کی حکومت واپس کر دی۔ دُوسرے ہی سال اُس نے مملکتِ بھدرواہ پر حملہ کیا جو کہ اُس کے آباواجداد کے قبضہ میں اُس وقت تک تھی، جبکہ راجہ رنجیت دیو نے راجہ امرت پال کے ذریعہ اُس ریاست پر زبردستی قبضہ کر لیا تھا ——— "

اُس حملے کے نتیجے میں چمبہ اور بھدرواہ ریاستوں کے مابین ایک معاہدہ عمل میں آیا جس کی تفصیل ہمیں بہت سے ذرائع سے دستیاب ہوئی ہے، جو ٹھاکر سکھ دیو سنگھ

کے مطابق یوں ہے:

''غالباً یہ ۱۷۸۳ء کا واقعہ ہے' کیونکہ چمبہ کے آرکائیوز میں راج سنگھ والئی ریاست چمبہ کے نام مملکتِ بھدرواہ کے راجہ فتح پال کا ایک خط' جو ۱۷۸۶ء (۲۲رچیت) کا لکھا ہوا ہے' موجود ہے۔ معاہدہ کی ایک نقل بھی وہاں موجود ہے جس میں دونوں ریاستوں کے درمیان حملے کے تعلق سے کچھ شرائط کا اظہار کیا گیا ہے۔ بھدرواہ کے راجہ فتح پال نے اُن شرائط کو حسب ذیل نکات کے تحت قبول کیا تھا:

(۱) کہ وہ چمبہ کا وفادار رہے گا۔ (۲) کہ جب بھی اُسے چمبہ بلایا جائے وہ وہاں چلا آئے گا (۳) کہ وہ جے چند کی جاگیر بھوپ چند کو دے گا (۴) کہ وہ بھدرواہ' کشتواڑ' بلاور یا بدرالتہ کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں کرے گا اور چمبہ سے مشورہ کرنے کے بغیر کوئی قدم نہیں اُٹھائے گا۔ (۵) چمبہ کی فوج بھدرواہ میں مقیم رہے گی اور وہ بلا کسی حجت کے اُن کو سامانِ رسد پہنچائے گا۔ (۶) کہ اگر اُسے بلاور' کشتواڑ یا بدرالتہ کے ساتھ کسی قسم کا رابطہ کرنا پڑے' وہ اِس بارے میں چمبہ کو مطلع کرتا رہے گا۔ (۷) کہ وہ صرف چمبہ کے ساتھ ہی بطور ایک اِتحادی رہے گا۔ (۸) کشتواڑ فتح کرنے کی کوشش میں چمبہ جو مدد کندن سنگھ کی کر رہا ہے' فتح پال بھی اُس کے لئے فوج روانہ کرے گا۔ (۹) اُس کے خراج کی رقم مبلغ (۳۰۰۰) تین ہزار سالانہ ہوگی' جو وہ لازماً باقاعدگی کے ساتھ ادا کرتا رہے گا۔''

(اُردو ترجمہ: بشیر بھدرواہی)

غالباً ۵راپریل ۱۷۸۴ء کو راجہ فتح پال نے ایک خط لکھ کر چمبہ کی اطاعت قبول کی۔ اُس معاہدے کے مذکورہ نکات کو ڈاکٹر کول اور کوتوال نیک چند نے بھی اپنی تاریخی کتب میں من وعن تحریر کیا ہے۔ البتہ ڈاکٹر کول نے جموں' بسوہلی' چمبہ' بھدرواہ اور بلاور میں رُونما ہونے والے واقعات کا تفصیلاً ذِکر کیا ہے۔ وہ ''ہمالین پرنسی پیلیٹیز'' کے صفحہ ۱۸۴ تا ۱۸۵ پر اُن واقعات کو یوں بیان کرتے ہیں —— ''تاہم ۱۷۷۰ء کے اِردگرد جموں کی قسمت کے ستارے گردش میں آنا شروع ہو چکے تھے اور اِس کے نتیجے

میں بھدرواہ بھی حالات کی کروٹ سے ریاست جموں کو پسِ پشت ڈالنے پر مجبور ہو چکا تھا۔ فتح پال نے اپنے چمبہ کے ہر دو معاونین یعنی بھوپ چند اور ہڑک چند کی مدد سے سمپت پال کو اپنے حق میں اپنی گدی سے دست بردار ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔ اُس کے یہ ہر دو معاونین چمبہ کے حکمرانوں کو بھدرواہ راجواڑے کے اندرونی معاملات کی انجام دہی میں پوری مدد کر رہے تھے جس سے یہ مملکت مکمل طور پر چمبہ کے زیر اثر آ گئی ۔۔۔ فتح پال کا چمبہ کے ساتھ دوہرا رِشتہ تھا۔ اُس کی والدہ چمبہ سے ہی تھی اور اُس کی بہن کی شادی چمبہ کے راج سنگھ سے ہوئی تھی۔ دُوسری طرف اُس کے بھائی بھوپ چند کی شادی چمبہ کی ہی شہزادی عطر بانو سے ہوئی تھی۔ دراصل یہ تمام تعلقات اور رِشتے فتح پال کی آئندہ حکومت کے لئے بڑی کمزوری کا باعث بنے۔ چمبہ کا حکمران راج سنگھ کسی نہ کسی قیمت پر مملکت بھدرواہ پر اپنا قبضہ جمانا چاہتا تھا۔ ۱۷۷۵ء میں رام گڑھی سرداروں کی مدد سے چمبہ پر بسوہلی کے حملے کی پسپائی کے بعد چمبہ کے حکمران نے بھوپ چند کے ذریعے بھدرواہ پر دباؤ ڈالنا شروع کیا لیکن فتح پال نے ۱۷۸۳ء کے آس پاس تک رضاکارانہ طور پر چمبہ کے سامنے مغلوب ہونا قبول نہیں کیا۔ اُس کے بیٹے دیا پال کی جموں کے حکمران رنجیت دیو کے ساتھ ابھی تک کسی نہ کسی قسم کی مفاہمت موجود تھی اور بعد میں بھی اُس کے بیٹے برج راج دیو کے ساتھ۔ اِس اثناء میں چمبہ کا راجہ راج سنگھ ایک طاقتور حکمران کی صورت میں اُبھر رہا تھا۔ وہ رام گڑھ کے سرداروں کے ساتھ شریکِ کار تھا۔ دُوسری طرف وہ لاہور کے گورنر کے ساتھ بھی ۱۷۷۵ء میں ملنے گیا تھا اور اُس نے تیمور شاہ تک کو ۱۷۷۷ء میں چمبہ آنے کی دعوت دی تھی۔ چمبہ نے ۱۷۸۲ء میں بلاور پر بھی حملہ کر کے اُسے تاراج کر ڈالا تھا۔ ۱۷۸۲ء میں رنجیت دیو کی وفات کے بعد جموں بھی کمزور ہو گیا تھا۔ اُس کا جانشین برج راج دیو بیرونی ریاست پر بلاواسطہ طور پر حکومت کرنے یا اُس کو اپنے زیر اثر رکھنے کا اہل ثابت نہ ہو سکا۔ اِس لئے اُس نے بقول ٹھاکر سکھ دیو سنگھ ''کشتواڑ اور بھدرواہ کی

بالا دستی (فرمانروائی) ریاست چمبہ کے حوالے کی اور چمبہ کی فوجوں نے بھدرواہ کے قلعہ پر قبضہ جما لیا ——''

والئی جموں برج راج دیو نے اپنی کمزوری کا احساس کرتے ہوئے چمبہ کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرنے کی کوشش کی اور اپنی مقصد براری کے لئے اُس نے راجہ چمبہ کو جھنڈ اور بائی کے پرگنے واپس کر دئے لیکن وہ بھدرواہ کی فرمانروائی کے حقوق سے دست کش نہیں ہوا۔ دُوسری طرف چمبہ کے راجہ کو اُس وقت کے حالات موافق آ رہے تھے۔ اُس نے بھوپ چند کے نام احکامات صادر کئے کہ وہ چمبہ والوں کے آلہ کار کے طور پر بھدرواہ میں کام کرتا رہے اور چمبہ کے خلاف کسی قسم کی بغاوت کو سر نہ اُٹھانے دے۔ اِن خدمات کے عوض میں اُسے موضع طراؤن کے پاس واقع بلگراں کے پانچ موضع جات اور علاقہ مرمت کا مالیہ اپنے لئے خرچ کرنے کا اِختیار دے دیا گیا تھا۔ اِن ہدایات کے تحت بھوپ چند نے ۱۷۸۳ء میں بھدرواہ کے قلعہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ اِن واقعات کی تصدیق میں چمبہ کی آرکائیوز میں بہت سی اسناد موجود ہیں جن کا ذِکر مختلف مقامات پر آ چکا ہے۔

بھدرواہ قلعہ پر قبضہ کے دوران راجہ فتح پال یا اُس کے بیٹے دیا پال نے کسی قسم کی مزاحمت نہیں کی' البتہ قلعہ پر قبضہ سے پہلے ہی وہ وہاں سے بندوقیں وغیرہ کسی اور جگہ منتقل کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ اِن اقدامات کے تحت راجہ فتح پال اور دیا پال کو راجہ راج سنگھ کی طرف سے سلسلہ وار طور پر غیر موثر بنایا جا رہا تھا۔

اِسی اثناء میں بھوپ چند نے دیا پال کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانے کی کوشش کی مگر اُس نے اُس پیش کش کو ٹھکرا دیا۔ ۲۷ نومبر ۱۷۸۳ء کے ایک خط میں تجویز پیش کی گئی تھی کہ دیا پال کو چمبہ آنے کی دعوت دی جائے۔ کیٹلاگ سی-۳۴۰ کے تحت راجہ چمبہ کو بھدرواہ پر قبضہ ہو جانے اور قلعہ بھدرواہ فتح ہو جانے کی اِطلاع بھوپ چند نے دی تھی اور ایک دُوسرے خط سے ظاہر ہوتا ہے کہ ''بھدرواہ کے قلعہ سے بندوقیں

ہٹا لی گئی تھیں۔ ۱۸۳۰ء کے لگ بھگ سکھ افواج بسوہلی اور رام نگر کی سرحدوں میں داخل ہو چکی تھیں اور وہ بھدرواہ کی سرحدوں تک بھی پہنچ چکی تھیں۔ اُن واقعات سے چمبہ پر سیاسی اور اعصابی دباؤ پڑنا قدرتی امر تھا۔ اُن وجوہات سے راج سنگھ والئی چمبہ نے بھدرواہ کے راجہ فتح پال کو ۱۷۸۴ء میں اِس باہمی معاہدے کی شرائط قبول کرنے پر مجبور کر دیا، جس کا ذِکر پہلے آ چکا ہے۔

اِن حوالہ جات کے علاوہ بہت سے خطوط اور اسناد کا ذِکر (متعلقہ کیٹلاگ کے حوالوں کے ساتھ) ڈِگری کالج بھدرواہ کے میگزین ''شاہین'' ۱۹۷۱ء میں پروفیسر رام ناتھ شاستری نے اپنے ایک اہم تاریخی نوعیت کے انگریزی مقالے بعنوان ''تاریخِ بھدرواہ کی سرسری جھلکیں'' کے تحت کیا ہے۔ اُس میں راجہ فتح پال والئی بھدرواہ اور راج سنگھ راجہ چمبہ کے درمیان طے شدہ معاہدے کی تفصیل بھی دی گئی ہے جس کا اِستفادہ ہمارے کئی برآوردہ محققین نے اپنے اپنے ڈھنگ سے کیا ہے۔ گو کہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اُن کی اِن ذاتی کاوشوں کا کسی نے حوالہ تک بھی نہیں دیا ہے۔ حالانکہ پروفیسر شاستری نے ہسٹری کے طالب علموں کو چمبہ میوزیم میں محفوظ اُن مخطوطات کو پڑھنے اور اُن پر مزید تحقیق کرنے کی ترغیب بھی دی ہے۔ اُنہوں نے فتح پال کی تاریخ پیدائش ۱۷۳۲ء بتائی ہے اور اُس کے برادرِ اصغر میاں بھوپ چند کے بارے میں لکھا ہے کہ اُس کی شادی چمبہ کی شہزادی عطر بانو سے ہوئی تھی۔ فتح پال اور بھوپ چند نے چمبہ کے قدیم محل پکی چوکی میں وفات پائی تھی اور عطر بانو چندر بھاگا میں ستی ہو گئی تھی۔ وہ مزید لکھتے ہیں کہ بھوپ چند کا بیٹا پہاڑ چند اور عطر بانو ''بھدرواہ راجگان میں آخری راجے تھے۔'' پہاڑ چند امرتسر میں وفات پا گیا تھا۔''

(''شاہین''، میگزین ڈگری کالج بھدرواہ، سنہ اشاعت ۱۹۷۱ء، صفحہ ۱۹ تا ۲۵)

پروفیسر ٹھاکر اُودھے چند نے ''شاہین'' کے اوراق میں ہی فتح پال اور راجہ راج سنگھ کے درمیان ہوئے معاہدہ پر یوں تبصرہ کیا ہے ——— ''تاریخ ڈوگرہ دیس''

کے مصنف مسٹر نرسنگھ داس نرگسؔ نے بیان کیا ہے کہ ریاست ہائے چمبہ اور بھدرواہ کے درمیان دوستانہ تعلقات قائم تھے اور یہ کہ بھدرواہ کے راجے چمبہ کے راجگان کو پندرھویں صدی سے ہی خراج ادا کرتے تھے۔ اُن کے اِس مفروضے کا پہلا حصّہ سچ پر مبنی ہوسکتا ہے۔ کیونکہ چمبہ والوں نے اپنے درپردہ مقاصد کے تحت دوستانہ تعلقات کے اِشارے ضرور دِکھائے ہوں گے اور وہ بھی جب سے بھدرواہ پر سمپت پال کی حکومت تھی۔ لیکن (اِس مفروضے کا) دُوسرا حصّہ جس میں پندرھویں صدی سے خراج دیئے جانے کا ذِکر ہے، بالکل گمراہ کن ہے۔ دراصل یہ فتح پال ہی تھا جس نے تاریخ میں پہلی دفعہ راجہ راج سنگھ والئی چمبہ کے ساتھ ایک رُسواکن اور ذِلّت آمیز معاہدہ کر کے اُسے (۳۰۰۰) تین ہزار روپے کا سالانہ خراج دینے کی پیش کش کی تھی۔ پس یہ خراج اٹھارھویں صدی عیسوی کی آخری چوتھائی نہ کہ پندرھویں صدی میں ظہور پذیر ہوا تھا ــــــ"

فتح پال کی چمبہ کی راجکماری اطہر بانوں کے واقعہ کی تصدیق کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں ــــــ "بعد میں فتح پال اور بھوپ چند دونوں اپنے عوام کی طرف سے سخت نفرت کئے جانے کی وجہ سے چمبہ بھاگ گئے اور وہیں فوت ہوئے۔ صرف موت نے ہی اُن کو بھدرواہ کے لوگوں کے قہر سے نجات دِلائی۔ راجہ فتح پال کے جانشین راجہ دیا پال اپنے نالائق باپ کی طرح ہی فاترالعقل ثابت ہوا جس نے راجہ راج سنگھ والئی چمبہ کے اِقتدار یا بالادستی کو تسلیم کیا ــــــ"

("شاہین" ڈگری کالج بھدرواہ ۱۹۷۱ء صفحہ ۱۹۳)

۱۷۸۴ء کے لگ بھگ راجہ فتح پال حقیقتاً اپنے ہتھیار ڈال کر ریاست چمبہ کا محض ایک منصب دار بن کر رہ گیا تھا۔ گو کہ اُس نے بڑی مجبوری کے حالات میں اِس طرح کا بزدلانہ معاہدہ کیا تھا، تاہم وہ اندر ہی اندر سے اِس اطاعت گذاری کے ساتھ سمجھوتہ نہ کر پایا تھا۔

چمبہ کی ایماء پر بھدرواہ کے راجہ کے رِشتہ دار کا

کشتواڑ پر حملہ:

راجہ فتح پال والیٔ بھدرواہ کے ایک میاں کندن سنگھ نامی رِشتہ دار، جس نے کسی وجہ سے چمبہ میں پناہ لی تھی، کوراج سنگھ والیٔ چمبہ نے ورغلا کر کشتواڑ پر حملہ کرنے کے لئے تیار کروایا جس کی مدد فتح پال کے چھوٹے بھائی بھوپ چند نے کی۔ میاں کندن سنگھ پہلے ہی باغی قسم کا آدمی تھا اور اُس کی نظریں جموں پر بھی لگی ہوئی تھیں۔ لہٰذا جموں سے اُس کی توجہ ہٹانے کے لئے اُسے کشتواڑ کی مہم پر بھیجا گیا۔ اُس حملہ میں معاہدہ کی دفعہ آٹھ کے تحت کاروائی عمل میں لائی گئی۔ کشتواڑ پر کندن سنگھ کا قبضہ ہو گیا، جو صرف چھ ماہ تک ہی قائم رہ سکا۔ ووگل کے ''چمبہ اسٹیٹ گیزیٹیئر'' کے مطابق ''کہا جاتا ہے کہ برج راج دیو والیٔ چمبہ کی دعوت پر جیت سنگھ ولد راج سنگھ، جو ابھی سات سال کی عمر کا ہی تھا، کی سرپرستی میں ایک فوجی دستہ کشتواڑ بھیجا گیا جس (حملہ) میں اُسے فتح حاصل ہوئی اور اُن کا چھ ماہ تک کشتواڑ پر قبضہ رہا۔ جس دوران چمبہ کی فوج راجدھانی (کشتواڑ) میں رہی اور اُسے سردیاں شروع ہوتے ہوئے اور کشتواڑ کے سربراہ کی وادیٔ کشمیر سے واپسی پر وہاں کے دُرّانی حکمران کی فوجی مدد کی وجہ سے واپس بلایا گیا۔'' چمبہ کے ہی سرکاری میوزیم کے ایک خط ''سی-۳۸-اے سی سی نمبر ۱۹-۸-۷'' جو میاں سُرتُو آنند وغیرہ نے راج سنگھ کو بھیجا تھا، میں کشتواڑ پر حملے وغیرہ کا یوں ذِکر ہے —— ''کشتواڑ کا قصبہ خاکستر ہو گیا ہے لیکن اِس کی مزید تباہ کاری کو نئے احکامات ملنے تک بند کر دیا گیا ہے ——'' اِس خط میں چمبہ فوج کے ساتھ بھوپ چند کے ہونے کا بھی ذِکر ہے اور چمبہ سے درخواست کی گئی ہے کہ وہاں سے مزید ایک ہزار سے ڈیڑھ ہزار فوجی کمک بھیجی جائے۔ ساتھ ہی بلاور کی افواج کی

اضافی مدد حاصل کرنے کے لئے مزید رقم کا مطالبہ بھی کیا گیا ہے تاکہ مملکتِ کشتواڑ کو والئی کشمیر کی بالادستی سے آزاد کروایا جاسکے۔ اِس دوران میں میاں کندن، مملکت کشتواڑ کا چمبہ کی طرف سے بطور گورنر کام کرتا رہا۔ اگرچہ چمبہ کی افواج کچھ دیر کے لئے واپس آئیں تاہم اُنہوں نے ۱۷۸۶ء لغایت ۱۷۸۸ء تک کشتواڑ پر دباؤ بنائے رکھا۔ بالآخر کشتواڑ کے راجہ نے اُس دباؤ کی وجہ سے گھٹنے ٹیک دیئے اور راجہ فتح سنگھ والئی کشتواڑ نے اپنے ایک خط کے ذریعہ، جو غالباً اکتوبر یا نومبر ۱۷۸۹ء میں لکھا گیا ہے، چمبہ کی اطاعت قبول کرلی اور اُسے تین ہزار (۳۰۰۰) روپے سالانہ بطور خراج دینے کا وعدہ کیا۔ اِس دستاویز پر دُوسری شخصیات کے علاوہ میاں پھجو، جسا خوجہ اور رام پڈھیار کے دستخط ثبت ہیں۔

اِس واقعہ کا ذِکر مسٹر نیک چند کوتوال نے بھی اپنی کتاب ''پولیٹیکل اینڈ کلچرل ہیریٹج'' کے صفحہ ۱۲۲ تا ۱۲۴ پر بڑی تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''میاں کندن، جو فتح پال کا چھوٹا بھائی تھا، کو کشتواڑ کے راجہ کے طور پر گدی نشین کیا گیا۔ وہ اپنی حکومت کو کچھ وجوہات کی بناء پر زیادہ دیر تک قائم نہ رکھ سکا۔ پہلے تو کشتواڑ کے لوگ اِس تبدیلی سے خوش نہ تھے۔ دُوسری طرف گدی سے معزول کئے گئے راجہ کا بھائی سُجان سنگھ، جو حملے کے وقت کشمیر کی طرف بھاگ گیا تھا، بھی وادیٔ کشمیر سے آنے والی فوج کے ہمراہ واپس چلا آیا تھا۔ تیسرے راجہ کندن سنگھ بھی چمبہ کا وفادار ثابت نہ ہوسکا بلکہ وہ چمبہ کے خلاف ہی سازش کرتا رہا، حالانکہ کشتواڑ کی حکومت پر اُس کا کوئی جائز استحقاق نہیں تھا۔ پس اُس کو راجہ چمبہ نے گدی سے معزول کر کے قید کرلیا۔ بعد میں اُسے آزاد بھی کردیا گیا لیکن وہ کچھ عرصے کے بعد ہی وفات پا گیا۔ اُس کی نسل کے لوگ ابھی تک چمبہ میں رہائش پذیر ہیں۔''

وہ مزید لکھتے ہیں کہ کشتواڑ پر حملے کے وقت وہاں راجہ مہر سنگھ المعروف سعادت مند خان حکومت کرتا تھا۔ یہ حملہ غالباً ۱۷۸۵ء یا ۱۷۸۶ء میں ہوا جبکہ مہر سنگھ

(پیدائش ۱۷۶۲ء) ۲۳ سال کا تھا۔

راجہ فتح پال اب عمر رسیدہ ہو چکا تھا۔ اُس نے راجہ راج سنگھ کے ایک منصبدار کی حیثیت سے ۱۷۹۰ء تک حکومت کی۔ وہ اپنی حکومت کے آخری ایّام تک چمبہ کے اِشاروں پر حکومت کرنے پر مجبور ہوا اور ایسے حالات میں اُسے چمبہ کی ہدایات پر بادلِ نخواستہ عمل پیرا ہونا پڑا۔ اُسے چمبہ والوں کے ظلم و ستم بھرا وتیرہ پسند نہیں تھا لیکن چمبہ کے حکمران اُس کے وقار کی پرواہ کئے بغیر میاں کندن سنگھ اور بھوپ چند سے بلاواسطہ طور پر احکامات کی تعمیل کرواتے رہے۔ اُس کے بدلے میں اُن کو بہت سی مراعات اور اور لالچیں دی جاتیں اور اُکسایا جاتا۔ آخر کار دیا پال کو ہی بھدرواہ کا حکمران ظاہر کیا جانے لگا۔ اِن اقدامات کے نتیجے میں خاندانی سطح پر بھی باہمی کشیدگی نے جنم لیا، جس کا چمبہ کے حکمران فائدہ اُٹھاتے رہے۔ جب راجہ فتح پال کے کام کے بارے میں شکوک بڑھنا شروع ہوئے تو بالآخر اُسے معزول کر کے چمبہ لے جا کر قید خانے میں ڈال دیا گیا اور ۱۷۸۹ء کے آس پاس دیا پال کو بھدرواہ کی گدی پر فائز کیا گیا۔ اِسی اثناء میں راجہ تیغ سنگھ نے کشتواڑ کی افواج کے ذریعے بھدرواہ پر حملہ کیا۔ اُس حملہ کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ فتح پال والئی بھدرواہ کی فوجی مدد سے چمبہ والوں نے میاں کندن اور بھوپ چند کو کشتواڑ پر حملہ کر کے قبضہ کرنے کی ترغیب دی تھی، جس کا وہ بدلہ چکانا چاہتا تھا۔ اس لئے راجہ تیغ محمد سنگھ کی فوجوں نے بھدرواہ کو تاراج کر ڈالا۔

مولوی حشمت اللہ خان لکھنوی اپنی تصنیف ''تاریخ کشتواڑ'' میں بھدرواہ پر اُس حملے کا ذکر یوں کرتے ہیں:

''——اور دیا پال بھدرواہ کا حکمران ۹۰-۱۷۸۹ء کے لگ بھگ بنا، جبکہ کشتواڑ کے حکمران عنایت اللہ سنگھ نے اپنی سرزمین پر پرانے حملے کا بدلہ لینے کے لئے بھدرواہ پر حملہ کیا اور اُس کو تاراج کر ڈالا۔'' اِس کے کچھ عرصے بعد ہی راجہ کشتواڑ نے چمبہ کے حکمران کو باہمی طور پر ایک دوستانہ معاہدہ کرنے پر بھی مجبور کیا۔

راجہ دیا پال:

(۱۷۹۰ء تا ۱۸۱۰ء)

راجہ دیا پال ۱۷۵۶ء میں پیدا ہوا تھا۔ وہ اپنے والد راجہ فتح پال کی معزولی اور اُس کے بعد قید کیے جانے پر بھدرواہ کی گدی پر ۱۷۹۰ء میں بیٹھا۔ اُس نے ۱۸۱۰ء تک حکومت کی۔ اِس لحاظ سے گدی نشینی کے وقت اُس کی عمر ۳۴ سال کے قریب تھی۔ کچھ مورخین نے اُس کے دورِ حکومت کو ایسے زمانے میں دِکھایا ہے جبکہ حقیقت میں فتح پال ہی مملکتِ بھدرواہ کا حکمران تھا۔ اِس وجہ سے اُس کے اصلی عہدِ حکومت کا تعین کرنے میں محققین کو ایک اُلجھاؤ کی سی کیفیت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

ظاہر ہے کہ راجہ فتح پال کی حکومت کا تختہ اُلٹنے میں چمبہ کی در پردہ سازشوں اور اپنے ہی رِشتہ داروں کی بے وفائی کا ہاتھ تھا۔ اُنہوں نے بجائے اِس کی امداد کرنے کے پرائیوں، خاص طور پر چمبہ کا ساتھ دیا۔ اِن وجوہات کی بناء پر فتح پال کو اِقتدار سے ہاتھ دھونا پڑا۔ چمبہ کے برسر اقتدار طبقے کی جا بجا اور خواہ مخواہ کی مداخلت دیا پال تک کو بھی پسند نہیں تھی اور بقول ڈاکٹر پریتم کرشن کول —— ''اِسی وجہ سے ہمیں دیا پال کا چمبہ کے سرکاری ریکارڈ میں کوئی حوالہ تک نہیں ملتا، ماسوائے ایک عہدنامے کے جو اُن دو مملکتوں کے حکمرانوں کے درمیان طے پایا تھا ——''

اپنے والد راجہ فتح پال کی طرح ہی اُس نے بھی راجہ راج سنگھ والیٔ چمبہ کے ساتھ کیے گئے معاہدے میں اپنی اطاعت اور بوقت ضرورت چمبہ کی فوجوں کی ہر قسم کی امداد کرنے، کسی دُوسری طاقت کے ساتھ کسی قسم کا رابطہ نہ رکھنے، خراج دینے وغیرہ جیسی شرائط قبول کی تھیں۔

پروفیسر رام ناتھ شاستری اپنے انگریزی مقالے ''تاریخ بھدرواہ کی سرسری جھلکیں''، جو ڈگری کالج بھدرواہ کے میگزین ''شاہین'' کے ۱۹۷۱ء کے خاص شمارے

میں شائع ہوا' میں اُن شرائط کا ذِکر چمبہ میوزیم کے ریکارڈ کا حوالہ دیتے ہوئے یوں کرتے ہیں:

''سی-۳۳: دیا پال والیٔ بھدرواہ کا خط راجہ راج سنگھ کے نام جس میں مؤخر الذکر کی اطاعت قبول کرنے اور حسب ذیل وعدوں کو پورا کرنے کی تفصیل ہے:

۱. یہ کہ اگر راجہ راج سنگھ اُسے کبھی بلائے گا تو وہ فوراً تعمیل کرے گا۔

۲. وہ میاں ہڑک چند کو جاگیر کا کام چلانے میں کسی قسم کی مزاحمت نہیں کرے گا (جو غالباً اُس وقت چمبہ میں ہی مقیم تھا)۔ مزید یہ کہ وہ اپنا اناج وغیرہ باقاعدگی کے ساتھ چمبہ بھیجے گا۔

۳. سِکھوں کو بھدرواہ سے خراج کے طور دی جانے والی رقم چمبہ کی وساطت سے ہی بھیجی جائے گی۔

۴. وہ بغیر اجازت کے بلاور اور بندرالتہ کے ساتھ کوئی رابطہ نہیں رکھے گا۔

۵. وہ (اپنے باپ) فتح پال (جو غالباً اُس وقت چمبہ میں ہی تھا) سے کسی قسم کا رابطہ نہیں رکھے گا۔

۶. وہ بھدرواہ قلعہ میں مقیم چمبہ کی افواج کو ہر قسم کی مدد مہیا کرے گا اور دُوسرے فوجیوں کو بھی جو (آئندہ وہاں) بھیجی جائیں رسد بہم پہنچائے گا۔

۷. اگر راجگانِ بلاور یا بندرالتہ کی طرف سے کوئی خط وغیرہ آئے تو وہ چمبہ کے راجہ کو دِکھائے بغیر اُن کا کسی قسم کا جواب نہ دے گا۔ (اُس خط پر زعفرانی رنگ کا ہاتھ کا نشان تھا)

معاہدے کی اِن دفعات کا ذِکر ڈاکٹر سکھ دیو سنگھ چاڑک' ڈاکٹر کول اور شری نیک چند کوتوال نے بھی اپنی تاریخی کتب میں کیا ہے۔ کچھ مؤرخین کا خیال ہے کہ ۱۷۹۲ء میں دیا پال اور چمبہ کے راجہ راج سنگھ کے درمیان سمجھوتہ ہو گیا تھا۔ ریاست چمبہ نے راجہ فتح پال کی معزولی اور ۱۷۸۵ء میں گرفتاری کے بعد دیا پال کو ۱۷۹۰ء

میں باضابطہ طور پر بھدرواہ کا راجہ تسلیم کیا۔ مذکورہ بالا معاہدہ ایسے حالات میں عمل میں آیا جبکہ دیا پال کے خلاف اُس کا چچا بھوپ چند سازشیں اور شکایتیں کرنے لگا۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ راجہ دیا پال چمبہ کی مداخلت، دباؤ اور سازش پسند نہیں کرتا تھا۔ اِس لئے اُسے چمبہ کی طرف جھکاؤ بھی کم ہی تھا۔ شاید یہی وجوہات تھیں جن کی بناء پر راجہ راج سنگھ نے اُسے اطاعت قبول کرنے پر مجبور کر دیا ہو۔ اِس معاہدے کا ظہور ۱۷۹۲ء کے قریب ہوا جس سے بھدرواہ کا یہ راجہ بھی چمبہ کا ایک مہرا سا بن گیا۔

دیا پال اِبتداء سے ہی چمبہ کی سازشوں کا شکار رہا۔ اُس پر طرّہ یہ کہ ۱۷۹۱ء میں کشتواڑ کے راجہ عنایت اللہ سنگھ نے بھدرواہ پر اچانک حملہ کر کے اُسے بہت پریشان کر ڈالا۔ دراصل یہ حملہ والیانِ کشتواڑ کی غربت کو مدنظر رکھ کر کیا گیا تھا، جو عنایت اللہ سنگھ سے برداشت نہ ہوئی۔ اُس نے پاڈر اور بھدرواہ پر حملوں کے نتیجے میں لوٹا ہوا مال چوگان میں جمع کر کے لوگوں میں تقسیم کیا۔ مذکورہ بالا ذِلّت آمیز معاہدے پر دستخط کرنے کے باوجود راجہ دیا پال بلاشریک غیرے حکومت کرنے لگا۔ بقول ڈاکٹر کول ''چمبہ اور بلاور کے درمیان عداوتوں کا سلسلہ ابھی جاری ہی تھا، جو راجہ راج سنگھ کی وفات (۱۷۹۴ء) تک بھی ختم نہ ہوا، جب کہ راجہ جیت سنگھ چمبہ کا حکمران مقرر ہوا۔ اگست ۱۷۹۴ء کا ایک اطاعت نامہ دیا پال کے چاچا بھوپ چند نے راجہ چمبہ کو بھیجا تھا جس میں اُس نے چمبہ کا وفادار ہونے اور باج گزار رہنے کا وعدہ کیا تھا۔ اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ چمبہ کا وفادار نہ ہونے کی وجہ سے دیا پال کو ۱۷۹۴ء کے آس پاس گدی سے معزول کر دیا گیا۔'' اور بھوپ چند کی گرفتاری اور اُس کو چمبہ لے جا کر پکی چوکی کے جیل خانے میں بند کرنے اور وفات پا جانے کے بعد ہی دیا پال کو اپنی گدی پر بحال کیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اُس کا بھائی فتح پال بھی اُسی جیل میں مقید تھا۔ راجہ دیا پال نے ۱۸۱۰ء تک بھدرواہ پر حکمرانی کی۔

ٹھاکر اُودھے چند اپنے مقالے میں شری نرسنگھ داس نرگسؔ کے اِس مفروضے

کو کہ ''راجہ دیا پال نے اپنی ریاست بھدرواہ کو جموں کی ریاست کے ساتھ مدغم کروا لیا تھا'' غلط خیال کرتے ہیں۔ کیونکہ دیا پال کے تحت مملکت بھدرواہ' چمبہ کے ایک منصب دار کی حیثیت میں رہی اور وہ جموں کے ساتھ ملحق نہ رہی۔ البتہ راجہ دیا پال کی حکومت کے کافی عرصہ بعد الحاق کا ایسا واقعہ پیش آیا۔

راجہ تیغ سنگھ والیٔ کشتواڑ کا
بھدرواہ پر حملہ:

عشرتؔ کاشمیری کے بقول ''راجہ محمد تیغ سنگھ (۱۸۲۰ء) والیٔ کشتواڑ کے سپہ سالار مرزا شاہ اور اُس کے وزیر لکھپت پڈھیار نے بھدرواہ پر حملہ کیا۔ اُس حملے کا ذِکر ''تاریخِ کشتواڑ'' میں بھی ہے۔ بھدرواہ فتح ہوا تو قلعہ کو آگ لگا دی گئی۔ لوگ شہر چھوڑ کر جنگلوں میں بھاگ گئے۔ حملہ آور لوٹ کا مال لے کر واپس چلے گئے۔ دیا پال کا عہدِ حکومت پہلے ہی سازشوں کے اندرونی گڑبڑ کے سبب بھدرواہ کی تاریخ کا سیاہ دور تھا۔ کشتواڑ کے حملے نے رہی سہی کسر پوری کردی۔ شاہی خاندان کے افراد اور لوگ راجہ دیا پال کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے اور اُنہوں نے اُسے اپنی ساری مصیبتوں کا ذِمہ دار قرار دیا۔ اُسے بھدرواہ اور اُس کی مملکت سے خارج کر دیا گیا۔ غالباً وہ چمبہ چلا گیا ——'' (''تاریخِ کشتواڑ'' ضمیمہ)

ایک وقت ایسا بھی آیا جب راجہ تیغ سنگھ والیٔ کشتواڑ کے چچازاد بھائیوں نے اُس کے خلاف سازش کی اور اِس سلسلہ میں وادیٔ کشمیر میں مقیم افغان گورنر سے فوجی مدد حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کر کے گورنر مذکور کے جنرل خدادوست کی سربراہی میں کشتواڑ پر حملہ کیا۔ پنڈت نندلال وزیر کی اُس جنگ میں شکست ہوئی اور وہ راجہ تیغ محمد سنگھ کو ساتھ لے کر بھدرواہ کی طرف بھاگنے میں کامیاب ہوگئے۔ یہاں سے اُس نے بھدرواہی فوج کی مدد سے ڈوڈہ پر چڑھائی کی اور بعد میں وہ دوبارہ کشتواڑ کی

گدی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

دُوسری طرف نامور تاریخ دان فدا محمد حسنینؔ کے حوالہ سے اسیرؔ کشتواڑی اپنی تاریخ ''تصویرِ ضلع ڈوڈہ'' کے صفحہ ۷۴ پر یوں رقمطراز ہیں ـــــــ ''فدا محمد حسنین نے لکھا ہے کہ دیا پال ۱۷۹۰ء میں اپنے باپ کی جگہ بھدرواہ کا راجہ بنا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد اُس کے چچا بھوپ چند نے راجہ چمبہ سے دیا پال کا تختہ اُلٹنے کی سازش بنائی۔ اپنے آپ کو بے سہارا پا کر راجہ دیا پال نے راجہ محمد تیغ سنگھ کے پاس کشتواڑ میں پناہ لی، جہاں معزول راجہ کو ۱۲۰۰۰ (بارہ ہزار) روپے کی جاگیر دی گئی اور وہ چند برس ایسی حالت میں ہی رہا۔ دیا پال کو بھدرواہ کی حکومت واپس دِلوانے کے لئے کشتواڑ کی فوجوں نے میاں مرزا شاہ، وزیر لکھپت رائے اور وزیر رتنوں کی سربراہی میں بھدرواہ پر ایک بڑا حملہ کیا۔ بھدرواہ فتح ہو گیا۔ قلعے کو نذرِ آتش کیا گیا۔ قصبہ کے لوگ جنگلوں میں بھاگ گئے۔ وزیر رتنوں نے سرتنگل پر قبضہ کر لیا۔ چمبہ کی فوج کو مار بھگانے کی بعد دیا پال کو گدی پر بٹھایا گیا۔ کشتواڑ کی فوج بیس ہزار روپے کا سامان لے کر واپس آ گئی۔ راجہ محمد تیغ سنگھ اِس فتح کی خبر سن کر بہت خوش ہوا۔ فوج کے کمانڈر انچیف اور وزراء کا گرم جوشی کے ساتھ اِستقبال کیا گیا۔ وزیر لکھپت رائے کو پرگنہ بونجواہ جاگیر میں ملا جبکہ دیگر جرنیلوں کی بھی کافی حوصلہ افزائی ہوئی ـــــــ''

ووگل اور ہچی سن اپنی کتاب کے صفحہ ۶۲۶ پر راجہ محمد تیغ سنگھ کی افواج کے بھدرواہ کی طرف کوچ کرنے کی خبر چمبہ پہنچنے پر رُونما ہوئے حالات پر یوں روشنی ڈالتے ہیں ـــــــ ''چمبہ کی افواج نے حملہ آور فوجوں کا مقابلہ وزیر نتھو کی سربراہی میں پہلے موضع بسوتہ کے مقام پر، جو دریائے چناب کے ساتھ موضع ٹھاٹھری کے قریب واقع تھا، کیا اور پھر گڑھ کے مقام پر، لیکن اُنہیں کوئی کامیابی نہ ہوئی اور فتح یاب فوج راجدھانی (بھدرواہ) کی طرف بڑھی۔ جس پر اُس نے قبضہ کر لیا اور اُسے خاکستر کر ڈالا۔ نتھو وزیر نے ہتھیار ڈال دئے۔ اُس سے بیس ہزار کی رقم جبراً وصول کی گئی اور اِس

کے بعد ہی کشتواڑ کی فوجیں واپس چلی گئیں ــــــ" کہا جاتا ہے کہ وزیر نتھو کسی دوسری راہ سے چمبہ واپس چلا گیا اور اُس نے بھدرواہ کے بیچ میں سے نکلنے سے احتراز کیا۔ غالباً وہ بھلیسہ کے راستے سے ہی چوری چھپے نکل گیا ہو۔ گو کہ بھلیسہ کا علاقہ بھی اُس وقت دیاپال کی فرمانروائی میں تھا' جیسا کہ ایک مستند تحریر سے ظاہر ہوتا ہے جس کے تحت دیاپال کے عہد میں چلی علاقہ میں واقع موہڑ دھار ایک بھگی (بھاگ دئی) نامی خاتون کو ۲۶ رمئی ۱۷۸۲ء کو عطا کی گئی اور دھروٹھ میں واقع دُوسری دھار پیر و مقدم کو بھیڑ بکریوں کی گاہچرائی کے لئے وقف کی گئی۔ اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ اٹھارھویں صدی کے اسّی ویں سال کے اوائل میں بھلیسہ کے پرگنہ پر راجہ دیاپال ہی حکمران تھا۔ دھاروں کی اِس عطائیگی کا یہ واقعہ چمبہ کی طرف سے دیاپال کو راجہ تسلیم کرنے سے پہلے کا تھا۔ تاریخی شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ راجہ راج سنگھ والئی چمبہ ۱۷۹۴ء میں کسی جنگ کے دوران مارا گیا اور اُس کی جگہ اُس کے بیٹے اجیت سنگھ نے لے لی۔ اجیت سنگھ کی تاج پوشی کے دو ماہ بعد ہی بھوپ چند نے اُسے ایک خط لکھا تھا جس میں اُس کی فرمانروائی وغیرہ تسلیم کی گئی تھی۔ اِسی دوران دیاپال والئی بھدرواہ نے معاہدے کی شرائط کی خلاف ورزی کرنا شروع کر دی تھی اور اِس طرح سے بے وفا ثابت ہو رہا تھا۔ جس کی بناء پر اُسے گدی سے معزول کر دیا گیا تھا اور اُس کی جگہ اُس کے چچا بھوپ چند کو راجہ مقرر کر دیا گیا تھا۔ راجہ چمبہ اور بھوپ چند کے مابین بھی پہلی ہی طرح سے (یعنی دیاپال اور فتح پال کی طرز پر) ایک معاہدہ طے پایا تھا' جس کے تحت بھوپ چند نے چمبہ کا وفادار رہنے کی شرط قبول کر لی تھی۔ بھوپ چند نے بھی اُس معاہدے کی خلاف ورزی کی جس کی وجہ سے اُسے بھی معزول کر کے قید کر لیا گیا اور اُس کے بھائی فتح پال کے ساتھ پکی چوکی کے جیل میں مقید کر لیا گیا' جہاں وہ وفات پا جانے تک رہا۔
اِس واقعہ کے بعد شاہی خاندان کے حالات نے ایک بار پھر پلٹا کھایا اور دیاپال کو ایک بار پھر بھدرواہ کی گدی سونپ دی گئی' جہاں وہ ۱۸۱۰ء تک حکومت کرتا رہا۔

مستند حوالوں سے ڈاکٹر پریتم کرشن کول نے چمبہ، کانگڑہ اور بھدرواہ وغیرہ کے اُس وقت کے حالات کا مفصّل جائزہ لیا ہے اور کچھ قیمتی نتائج بھی اخذ کئے ہیں جس کا خلاصہ بحوالہ ''ہمالین پرنسی پیلیٹز''، صفحہ: ۱۹۱ تا ۱۹۲، حسب ذیل ہے:

''چمبہ پر کانگڑہ کی طرف سے پڑنے والے دباؤ کے نتیجے میں چمبہ کا حکمران کشتواڑ کے ساتھ ایک معاہدہ طے کرنے پر مجبور ہوا، جس میں کشتواڑ سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ کشتواڑی فوج کا کچھ حصہ بھدرواہ بھیجے۔'' وہ چمبہ میوزیم کے خط نمبر سی-۵۳ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ''اجیت سنگھ والئی چمبہ کشتواڑ کے ساتھ ایک معاہدہ طے کرنے کے لئے رضامند ہوتا ہے جس میں باہمی دفاع کے علاوہ کشتواڑ سے بھدرواہ کو کچھ فوج روانہ کرنے کی درخواست کرتا ہے، جس کے لئے وہ رسد وغیرہ چمبہ سے ہی بھیجے گا۔'' اِس سے حسب ذیل نتائج اخذ کئے گئے ہیں:

''۱۔ بھدرواہ مکمل طور پر (اُس وقت) چمبہ کی فرمانروائی میں نہ تھا۔

۲۔ اجیت سنگھ والئی چمبہ کے خلاف دیاپال کی طرف سے ایک کھلی نافرمانی کا اِمکان بھی خارج از امکان نہ تھا۔

۳۔ بھدرواہی عوام میں چمبہ کے حکمرانوں کے خلاف عدمِ اطمینان کی سی کیفیت ظاہر ہورہی تھی۔ ایسے حالات نے راجہ دیاپال کو زیادہ سے زیادہ طور پر خودمختاری سے کام چلانے کی حوصلہ افزائی کی۔''

راجہ دیاپال کی معزولی کا واقعہ ۱۸۰۸ء میں راجہ رنجیت دیو کی موت کے دو سال بعد ہی پیش آیا جبکہ اُس کے خلاف سازشیں جاری تھیں اور اُس کی معزولی کے لئے حالات سازگار بنائے جارہے تھے۔ کیونکہ سکھوں نے مملکتِ جموں کو شہر کی حدود تک ہی باقی رکھا تھا اور بسوہلی اور دیگر پہاڑی ریاستوں تک دائرہ اِختیار بڑھایا جارہا تھا۔ دُوسری طرف چمبہ نے بھی جموں کے ساتھ معاہدہ کرلیا تھا اور دیاپال کا چچا بھوپ چند بھی اپنے بھتیجے (دیاپال) کے مقابلہ میں چمبہ کا وفادار بن بیٹھا تھا۔ بدقسمتی سے

بھدرواہ میں اندرونی جھگڑوں نے بھی سونے پر سہاگے کا کام کیا اور چمبہ والوں نے اِن سب حالات کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے ۱۸۱۰ء میں راجہ دیاپال کو معزول کر دیا۔ اُس کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ کہتے ہیں کہ وہ یہاں سے پنجاب چلا گیا' جہاں دینا نگر کے مقام پر اُس نے لاولد طور پر کسمپری کی حالت میں وفات پائی۔ اُس کی معزولی کے بعد بھدرواہ کی گدی پر بھوپ چند کے بیٹے پہاڑ چند کو بٹھایا گیا۔ اِس طرح سے دہلی میں شاہی سلطنت سے منسلک بھدرواہ کی اِس آخری ریاست کی آزادانہ حیثیت راجہ دیاپال کی معزولی کے ساتھ ہی ختم ہوگئی۔

راجہ پہاڑ چند:

(۱۸۱۰ء تا ۱۸۲۱ء)

پچھلے اوراق میں اُن حالات کا تفصیل سے جائزہ لیا گیا ہے جن کے تحت راجہ دیاپال والئی بھدرواہ' جو لاولد تھا' کو معزول کر کے اُس کے چچازاد بھائی پہاڑ چند کو گدی نشین کیا گیا' جس نے محض ۱۲ برس کی عمر میں حکومت کی بھاگ ڈور سنبھالی اور یہاں ۱۸۲۱ء تک حکومت کرتا رہا۔ پہاڑ چند' بھوپ چند کی رانی اطہر بانو کے بطن سے ۱۷۹۸ء میں پیدا ہوا تھا' جو چمبہ کی ہی ایک راجکماری تھی۔ بھدرواہ کے لوگوں کو چمبہ کے حکمرانوں کی ایماء اور مدد سے راجہ دیاپال کی معزولی ہرگز پسند نہ تھی جس وجہ سے وہ بھوپ چند اور پہاڑ چند کے لئے بھی نفرت رکھتے تھے۔ اب چمبہ والوں کو اپنی اغراض اور خود غرضیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے بھدرواہ پر بھوپ چند کے بیٹے پہاڑ چند کو بطور راجہ مقرر کرنے میں ہی عافیت دِکھائی دی کیونکہ وہ اُن کی ہی راجکماری سے پیدا ہوا تھا۔

پہاڑ چند ایک دلیر اور بہادر شخص ہونے کے باوجود چمبہ کی مداخلت کے خلاف کوئی قدم نہیں اُٹھا سکتا تھا کیونکہ اُس کا باپ چمبہ کے جیل خانے میں مقید تھا۔ اگرچہ وہ چمبہ کی اطاعت دِل سے نہیں کرنا چاہتا تھا اور نہ ہی اُسے اُس کی بالادستی پسند تھی۔ اپنے

والد کی معزولی اور پھر اُس کی گرفتاری کے واقعات اُسے چمبہ کے خلاف کوئی قدم اُٹھانے کے لئے اندر ہی اندر سے اُکسا رہے تھے۔ دُوسری طرف مملکت بھدرواہ تین اطراف سے جموں کے حکمرانوں، راجہ گلاب سنگھ اور دھیان سنگھ کے گھیرے میں آچکی تھی جو اُن علاقوں میں آئے دِن زور پکڑ رہے تھے۔ اُن کی فوج ریاست بھدرواہ کے ساتھ ملنے والی سرحدوں تک پہنچ چکی تھی۔ خصوصاً رام نگر اور بسوہلی وغیرہ پر وہ اپنی گرفت مضبوط کر رہے تھے۔ اِس لئے پہاڑ چند نے کچھ دیر کے لئے اُن حالات کے ساتھ سمجھوتہ کرنا ہی مناسب سمجھا۔ چمبہ والے حکمران بھی خوفزدہ ہو رہے تھے۔ سِکھ دربار کے زیر اثر جموں کے راجہ گلاب سنگھ اور دھیان سنگھ کی مقبولیت اور سِکھوں کے بڑھتے ہوئے اِقتدار کو دیکھ کر اُس کا بھی حوصلہ بڑھا اور اُس نے ۱۸۲۰ء میں بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے چمبہ کو دی جانے والی سالانہ خراج کی رقم روک لی اور پٹھانوں کے باغی دستے کی مدد حاصل کر کے علم بغاوت بلند کر ڈالا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے جموں کے راجوں کی وساطت سے نہ صرف جموں کی کئی چھوٹی بڑی ریاستوں یا راجواڑوں پر غلبہ حاصل کیا تھا بلکہ اُس نے وادیٔ کشمیر پر بھی افغان گورنر اعظم خان کو شکست دے کر قبضہ کر لیا تھا اور وادی کی حکومت کی بھاگ ڈور راجہ گلاب سنگھ کے سپرد کر دی تھی، جو مہاراجہ رنجیت کی ہی طرف سے جموں و کشمیر کے فتح شدہ علاقوں سے اِنتظامی امورات کی نگرانی کر رہا تھا۔ اُن حالات میں ریاست چمبہ کے حکمران کا خوف و ہراس میں پڑ جانا قدرتی امر تھا۔

دُوسری طرف نگروٹہ کے میاں ڈیڈو، جو ڈوگرہ خاندان ہی کا ایک بہادر جرنیل تھا اور گلاب سنگھ کے نسب سے تعلق رکھتا تھا، اپنے ڈوگرہ علاقوں پر سِکھ افواج کی یلغار اور اُن پر اُن کی حکمرانی کے صریحاً خلاف تھا۔ اُسے گلاب سنگھ کے اِس روّیئے پر سخت چڑھتی جس کے تحت وہ صوبہ جموں کی پہاڑی ریاستوں میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کے اِقتدار اور اُس کی توسیع پسندی کو بڑھاوا دے رہا تھا۔ میاں ڈیڈو اصولی طور پر اُن

کو بیرونی غاصب اور حملہ آور تصور کرتا تھا اور جموں کے علاقوں کو اُن کی یلغار سے بچانا چاہتا تھا۔ غالباً اُس کی حُب الوطنی کی وجہ سے ہی سارے پہاڑی راجوں نے اُسے "کوہستان کا گورنر جنرل" کے خطاب سے نوازا تھا۔

اپنی مقبولیت کی وجہ سے ہی اُس نے جموں کے راجپوت جنگجو جوانوں کی ایک فوج تیار کی تھی، جسے اُس نے ڈوگرہ علاقوں کے دفاعی امورات میں اِستعمال کیا۔ اُس فوج میں کچھ معزز اور معروف قسم کے بہادر اشخاص بھی شامل تھے۔

میاں ڈیڈو کی حرکات اور منصوبے مہاراجہ رنجیت سنگھ کو کسی قیمت پر پسند نہیں تھے۔ اِسی لئے اُس نے لاہور دربار سے میاں ڈیڈو کو زِندہ یا مردہ حالت میں پکڑ کرلانے کے احکامات صادر کردئے تھے، تا کہ چناب اور راوی کے درمیان واقعہ پہاڑی ریاستوں اور راجواڑوں پر سکھوں کی طرف سے ہونے والے حملوں کا دفاع کرنے اور اُن کو سِکھ سلطنت میں شامل ہونے سے بچانے کی اُس کی تمام کوششوں کو ناکام بنایا جاسکے۔ چمبہ اور جموں کی ریاستیں تو پہلے ہی راجہ گلاب سنگھ کی حکمرانی یا باج گزاری میں آچکی تھیں۔ دراصل میاں ڈیڈو کے اِس بہادرانہ عزم کے زیر اثر آکر بھی بھدرواہ اور کشتواڑ کے راجوں نے چمبہ کو خراج دنیا بند کردیا تھا اور بغاوت پر نکل آئے تھے۔ مملکت بھدرواہ کا راجہ پہاڑ چند بھی اُن حالات سے متاثر ہوتا رہا۔ اِس لئے اُس نے بھی خراج کی رقم چمبہ کو نہ دینے کا فیصلہ کیا اور بھدرواہ کی مکمل خودمختاری کے خواب بُنتا رہا۔ راجہ چمبہ سے ہوئے معاہدے میں طے شدہ شرائط کی خلاف ورزی چونکہ دانستہ طور پر ہی کی جارہی تھی، اِس وجہ سے راجہ چڑھت سنگھ والئ چمبہ، بھدرواہ کے حکمران راجہ پہاڑ چند سے سخت ناراض تھا۔

***

بھدرواہ پر بیرونی حملے

اور دیگر راجگان کا عہد حکومت

بھدرواہ پر میاں ڈیڈو کا حملہ

قلعہ پر قبضہ اور چمبہ افواج کے ساتھ جنگ:

مؤرخین نے مملکتِ چمبہ اور راجہ بھدرواہ کے تعلقات میں بڑھتی ہوئی کشیدگی اور علیحدگی کے ایک اہم اور فوری سبب کا بھی ذِکر کیا ہے۔ چمبہ کی عنانِ حکومت راجہ اجیت سنگھ کی وفات کے بعد اُس کے نوعمر بیٹے چڑھت سنگھ کو' ملکہ رانی ساردھا کی سرپرستی میں ۱۸۰۸ء میں منتقل ہوئی۔ اُس وقت وہ صرف چھ سال کا تھا۔

راجہ اجیت سنگھ کے دورِ اقتدار میں ہی موضع جیاریاست بھدرواہ (موجودہ تحصیل ٹھاٹھری) کا ایک سنت رام نامی برہمن راجہ کے محل میں ایک وفادار خادم کی طرح کام پر مامور تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد اُس کے دیانتدارانہ کام اور وفاداری کی وجہ سے اُسے حکومت میں بھی ایک ذمہ دار منصب پر فائز کیا گیا جو اس وقت کوتوال کہلاتا تھا۔ اِس نسبت سے اُسے سنت رام برہمن کے بجائے سنت رام کوتوال کہا جانے لگا۔ ملکہ مذکورہ کو بھی اُس پر کافی اعتماد تھا' جس وجہ سے وہ اُس کے قریبی حلقہ میں شامل تھا۔ اِردگرد کے زعماء اور شاہی خاندان کے رِشتہ دار اُس کی ملکہ کے ساتھ نزدیکی دیکھ کر حسد سے جلنے لگے۔ وزیر نتھو' جو چمبہ کی افواج کے کمانڈر کی حیثیت میں راجہ کشتواڑ کی فوجوں کا مقابلہ کرنے کے لئے راجہ دیا پال کے معاون کے طور پر اُس کے دورِ اقتدار میں آیا

تھا اور جس نے بسوہلہ اور کالی گڑھ یا کل گڑھ کے مقام پر کشتواڑی افواج سے شکست کھائی تھی، نے واپسی پر چمبہ کی فوج کے بچے ہوئے سپاہیوں کو قلعہ بھدرواہ میں ہی رکھا تھا۔ بوکھلاہٹ میں اُس فوج نے باشندگانِ بھدرواہ کو اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنا رکھا تھا۔ اِس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ بھدرواہ کا راجہ چمبہ کے خلاف باغی سا ہو گیا تھا۔ دُوسری طرف چمبہ کے نئے راجہ کے سنِ بلوغ کو پہنچنے اور زمامِ اقتدار خود سنبھالنے کے بعد اُس کے معاونین اور رِشتہ داروں نے سنت رام کوتوال کے خلاف راجہ کے خوب کان بھرنا شروع کیے اور اُس کے خلاف ایک مہم چھیڑ دی۔ اُن کو خوش کرنے کے لئے راجہ نے سنت رام کو برطرف کر کے قید میں ڈال دیا لیکن قیدی کے طور پر جیل کے اہلکار اُس کی پرانی خدمات اور وفاداری کی بناء پر اُس کی خاطر مدارت کرتے رہے۔ کچھ عرصہ کے بعد جیل کے عہدہ داروں کی مدد سے وہ جیل سے فرار ہو گیا اور بہ راز داری کے ساتھ بھدرواہ پہنچ گیا۔ جہاں بھدرواہ کے راجہ نے اُس کی خدمات حاصل کیں۔

راجہ پہاڑ چند کی مبینہ بے وفائی اور نئے حالات کے رُونما ہونے سے چمبہ کے راجہ نے بھدرواہ پر فوج کشی کرنے کا مصمم اِرادہ کر لیا۔ اِس منصوبے کی عمل آوری کے لئے اُس نے وزیر نتھو کی سربراہی میں ایک فوج بھدرواہ کی طرف روانہ کی۔ دُوسری جانب پہاڑ چند والیٔ بھدرواہ نے اُس ممکنہ حملے کا مقابلہ کرنے کے لئے سنت رام کوتوال کو میاں ڈیڈو کے پاس بھیجا تا کہ وہ چمبہ کی فوج کشی کی صورت میں بھدرواہ فوجوں کی مدد کر سکے۔ میاں ڈیڈو، جو پہلے ہی گلاب سنگھ اور دھیان سنگھ کی ڈوگرہ دیش کی پہاڑی ریاستوں کے خلاف مہاراجہ رنجیت سنگھ کی توسیع پسندی سے سخت نالاں تھا، کو چمبہ کو دبوچنے کا بہانہ مل گیا۔ اُس نے بِلا تامّل سنت رام کوتوال کی درخواست کو قبول کر لیا اور اُسے فوری طور پر بھدرواہ جا کر ایک مقامی فوج تیار کرنے کی ہدایات دیں تا کہ میاں ڈیڈو کی فوج بھدرواہ پہنچنے پر اُس کے ساتھ مل کر قلعہ بھدرواہ پر دھاوا بول سکے اور چمبہ کی فوج کا مقابلہ کر سکے۔

شکتو کوتوال کی حُب الوطنی:

سنت رام کوتوال کے بھدرواہ پہنچنے پر یہاں مقامی طور پر کچھ بہادر لوگوں پر مشتمل ایک فوجی دستہ تیار کیا گیا جس کی سربراہی کی ذِمہ داری یہاں کے ایک مقامی حُب الوطن شکتو کوتوال کے سپرد کی گئی۔ نرسنگھ داس نرگسؔ کے مطابق میاں ڈیڈو بھی فوری طور پر بھدرواہ کی طرف اپنی فوج لے کر روانہ ہوا۔ وہ علاقہ مرمت کے موضع گلیاں (موجودہ کلتھ ڈوڈہ) پہنچا، جہاں رانا فتح سنگھ نے اُس کا خیر مقدم کیا۔ رانا فتح سنگھ نے پہلے بھی کابل کے معزول شدہ حکمران شاہ شجاع کی روپوشی کے دوران بڑے اخلاق، فراخدلی اور مہمان نوازی کا مظاہرہ کیا تھا، جب وہ کشتواڑ کی طرف جارہا تھا۔ رانا نے اِس طرح سے اُس ڈوگرہ دیش کی باغی بے تاج بادشاہ کی بھی بڑی خاطر تواضع کی اور اُس کے تئیں بڑی عزت اور مہمان نوازی دِکھائی اور اُسے کھلینی کے ایک بنگلے میں ٹھہرایا گیا۔

ایک روز میاں ڈیڈو بڑی گہری نیند سو رہا تھا کہ اُتنے میں اُسے ایک نزدیکی گاؤں پریوت کے اُوپر سرسی نام کے موضع سے ڈھول دھماکے کی آوازیں سنائی دیں۔ شاید اِس غلط فہمی میں کہ رانا فتح سنگھ نے راجہ گلاب سنگھ کے ساتھ مل کر اُسے قتل کرنے کی سازش کی ہے، وہ برہم ہوگیا اور بغیر کسی تحقیقات کے کھلینی کے گاؤں کو خاکستر کرڈالا اور خود فوجی دستے کے ساتھ بھدرواہ کی طرف روانہ ہوگیا۔ آدھی رات کو یہاں پہنچنے پر بھدرواہ کی مقامی فوج، جس میں کچھ ٹھکر لوگ اور جنگجو قسم کے آدمی شامل تھے، نے اُس سے ملاقات کے بعد قلعہ بھدرواہ پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہاں چمبہ کی فوج کے خلاف حالات سازگار تھے ہی، اب کیا تھا دونوں فوجوں نے قلعہ پر دھاوا بول دیا۔ شکتو کوتوال اور میاں ڈیڈو کی فوج کے اچانک حملے سے قلعہ کے اندر کہرام سا مچ گیا اور چمبہ کی فوج کے چھکے چھوٹ گئے۔ کچھ فوجی تو مارے گئے اور کچھ نزدیکی جنگلوں

میں بھاگ نکلے۔قلعہ کا گورنر رتنو علاقہ اٹھکھار کے موضع ناٹھی کی طرف بھاگ نکلا۔ فتح یاب فوجی جوانوں نے اُس کا تعاقب تو کیا لیکن کچھ دیر کے لئے اُس کا سراغ نہ مل سکا۔دراصل کچھ لوگوں نے اُسے بھاگتے ہوئے اور کسی جگہ چھپتے ہوئے دیکھا تھا لیکن اُن کو رتنو اور اُس کی فوج کے ظلم وستم کی وجہ سے اِتنا ڈر تھا کہ وہ زبان تک کھولنے کے لئے تیار نہ تھے۔آخر کار ایک خاتون نے اِشارے سے فوج کی رہبری کی اور رتنو گرفتار ہو گیا۔اُس کا سر قلم کر کے اُسے ایک نیزے کی نوک پر لٹکا کر گلی گلی اور بازار بازار گھمایا گیا اور لوگوں کو دِکھایا گیا۔جس سے لوگوں میں پیدا شدہ خوف ختم ہو گیا اور اُنہوں نے آزادی کا سانس لیا۔

چمبہ فوج کی ''پدری'' میں شکست:

غالباً یہ خبر چمبہ تک بھی پہنچ گئی اور چمبہ کی فوج پوری تیاریوں کے ساتھ پدری گلہ میں پہنچ گئی۔وہ بھدرواہ پر حملہ کے لئے تیاریوں میں مصروف ہی تھی کہ شکتو کوتوال کی فوج اُن پر ٹوٹ پڑی اور اُن کو پدری گلہ میں ہی دبوچ لیا۔وزیر نتھو نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور پدری گلہ میں زبردست جنگ ہوئی لیکن آخر کار بھدرواہی فوج شکتو کوتوال کی کمانڈ میں فتح یاب ہوئی اور چمبہ کو شکست فاش ہوئی۔اُس کا کافی مالی اور جانی نقصان ہوا اور بچے کچھے سپاہی چمبہ واپس بھاگ گئے۔وزیر نتھو کے حواس باختہ ہو چکے تھے۔وہ کسی کو منہ دِکھانے کے لائق نہیں رہا اور رُسوائی کے عالم میں بجائے چمبہ واپس جانے کے سیدھے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے پاس مدد طلب کرنے کے لئے چلا گیا' جس کے ساتھ اُس کے کچھ پُرانے مراسم تھے۔

سِکھ فوج کا بھدرواہ میں داخلہ:

مہاراجہ رنجیت سنگھ نے وزیر نتھو کو اِس صورت میں اِمداد بہم پہنچانے کے لئے

اِتفاق کیا کہ اُس کی امداد سے جب بھدرواہ فتح ہو جائے تو اُس کی فرمانروائی تو چمبہ کے ہاتھ میں ہی رہے گی لیکن چمبہ کو کانگڑہ کے مقام پر واقع رہیلو کے قلعہ سے دست بردار ہونا پڑے گا اور اُسے پنجاب کے حصّے کے طور پر اُسی میں مدغم کیا جائے گا جس کے ساتھ رہیلُو کی ملحقہ زمین بھی ہوگی۔ پس ایک سند مرتّب کر کے نتھو وزیر کے حوالہ کی گئی جس میں مذکورہ شرائط کے علاوہ ایک شرط یہ بھی رکھی گئی کہ پہاڑ چند کو تین ہزار روپے مالیت کی ایک جاگیر بھی دے دی جائے گی۔ پس یہ معاہدہ طے ہونے کے بعد پنجاب سے ایک سکھ فوج نتھو کی ہی سربراہی میں بھدرواہ اِس غرض سے بھیجی گئی کہ وہ پہاڑ چند کو اِس میں طے شدہ شرائط قبول کرنے اور اُن پر عمل کرنے پر آمادہ کرے۔ یہ اِقرار نامہ مہاراجہ رنجیت سنگھ اور نتھو کے درمیان اُس وقت طے ہوا جب وہ نور پور میں تھا اور رہیلُو کے قلعہ کو حاصل کرنے کی تگ ودو میں مصروف تھا۔ اُس سند کی ایک نقل نتھو کو بھی دے دی گئی۔ سکھ فوج ۱۸۲۱ء میں بھدرواہ میں داخل ہوئی۔ راجہ پہاڑ چند کے سامنے اب اِس کے سوا اور کوئی چارہ نہ رہا کہ وہ بلا کسی حجت کے یہاں سے کہیں اور چلا جائے۔ اُس نے رتن گڑھ کے قلعہ کو جو کچھ سال پہلے ہی تعمیر کیا گیا تھا اور اٹال گڑھ کے نام سے موسوم تھا، جزوی طور پر مسمار کر دیا اور خود مملکتِ بھدرواہ کی حدود سے نکل کر پنجاب کی طرف کوچ کر گیا۔ وہ کچھ عرصہ امرتسر کے مقام پر پناہ گزین کی حیثیت سے دِن دِن کاٹتا رہا اور آخر کار اُسی جگہ پر اُس نے وفات پائی۔

بھدرواہ پھر چمبہ کی حکمرانی میں

راجہ چڑھت سنگھ (۱۸۲۱ء تا ۱۸۴۴ء)

بھدرواہ کو ایک بار پھر ریاست چمبہ کے ساتھ ملا دیا گیا۔ پہاڑ چند کی وفات کے بعد بھدرواہ میں پال راجاؤں کے رہے سہے آخری نسبی تعلق کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ ایک یورپی سیاح وائن اپنے سفرنامے میں لکھتے ہیں کہ پنجاب کے مہاراجہ رنجیت سنگھ

کے احکامات کے مطابق پنجاب کی پہاڑی ریاستوں کا گورنر دیسہ سنگھ بھدرواہ آیا اور اُس نے یہاں کے قلعہ کی سپردگی وزیر نھتو سے حاصل کی، جس پر کافی عرصہ سے اب سکھوں کا قبضہ تھا۔ اُن حالات میں مملکت بھدرواہ بلا واسطہ طور پر تب تک رنجیت سنگھ کے تحت سکھوں کی حکمرانی میں رہی، جب تک راجہ چمبہ نے رہیلُو کا قلعہ اُنہیں منتقل نہ کیا۔[1]

دُوسری طرف وائن لکھتا ہے کہ چمبہ نے رہیلُو کا قلعہ اِس شرط پر سکھوں کے حوالہ کرنا تسلیم کیا جب کہ اُس کو مملکتِ بھدرواہ اپنی حکمرانی میں رکھنے کی اِجازت مل جائے۔ اِس سلسلہ میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کی طرف سے ایک سند اُسی سال کے دوران عطا کی گئی جس میں بھدرواہ کو چمبہ میں شامل کیے جانے کا ذِکر تھا۔ پس چمبہ کو پھر ایک بار بھدرواہ پر بالادستی حاصل ہوگئی۔ البتہ چمبہ کی طرف سے بھدرواہ میں ایک گورنر کے ذریعہ حکومت چلائی گئی جو اہلکاران کی وساطت سے ۱۸۲۱ء تک چلتی رہی۔ مقامی روایات میں گورنر کا نام نھتو وزیر ہی تھا، جس کو پاڈر (کشتواڑ) کے علاقہ کا منصب دار بھی بتایا گیا ہے۔ اُس نے ۱۸۲۲ء تا ۱۸۲۵ء کے دوران لداخ کے زنسکار اور پدم جیسے علاقوں پر بھی حملے کیے اور اُن کو ایک ہزار روپے سالانہ کا باج گزار بھی بنایا۔ بعد میں جنرل زورآور سنگھ نے یہ علاقے فتح کیے جس کو ۱۸۳۳ء تا ۱۸۳۶ء کے دوران لداخ کی مہمات پر بھیجا گیا تھا۔

''――― ۱۸۲۱ء کے بعد سے مملکتِ بھدرواہ پر چمبہ کے اہلکار ہی حکومت کرتے رہے۔ ۱۸۲۳ء میں گلاب سنگھ کے کمانڈر زورآور سنگھ نے بھدرواہ فتح کرنے کی ناکام کوشش کی۔ ۱۸۴۵ء میں میاں پراکرم چند بھدرواہ کا گورنر مقرر ہوا لیکن کچھ عرصہ بعد ہی مملکتِ جموں کی طرف سے مملکتِ بھدرواہ پر حملہ ہوا اور اُسے جموں کے ساتھ ملا دیا گیا۔''[2]

---

[1] ''ٹریویلاگس'' از: جی.ٹی.وائن، ۱۸۴۴ء

[2] ''ہسٹری آف پنجاب ہل سٹیٹس۔ دوم'' از: جی.ٹی.وائن

زور آور سنگھ بحیثیت گورنر بھدرواہ:

(۱۸۲۱ء تا ۱۸۴۵ء)

اِس کے بعد ۱۸۲۱ء میں راجہ چمبہ کا چھوٹا بھائی زور آور سنگھ بھدرواہ کا گورنر مقرر رہا لیکن بعد میں اُس کا منصب بڑھا کر اُسے ۱۸۳۳ء میں یہاں کا راجہ مقرر کیا گیا اور وہ ''چھوٹا راجہ'' کہلایا جانے لگا۔ گو کہ وہ جسمانی طور پر چمبہ میں ہی رہا تاہم اُس کے اہلکار ہی مملکتِ بھدرواہ کا کام کاج چلاتے رہے۔ کچھ عرصہ بعد اُس کے کام پر بھی شک کا اِظہار کیا جانے لگا جس وجہ سے ملکہ چمبہ نے اُسے گرفتار کئے جانے کا حکم دے دیا۔ وہ گرفتاری کے خوف سے بھدرواہ چلا آیا' جہاں کی حکمرانی اُس کے ہاتھ میں تھی۔ یہاں اُس نے اپنے لئے حالات ناموافق دیکھ کر جموں کی راہ لی' جہاں ۱۸۴۵ء میں اُس کی وفات ہوئی۔ جیسا کہ پہلے ذِکر آچکا ہے' اُن حالات میں بھدرواہ کی گدی پر اُس کے بیٹے پراکرم سنگھ کو بٹھایا گیا۔ اِسی دوران راجہ گلاب سنگھ نے اِس مملکت کو جموں میں شامل کر لیا۔ پس بھدرواہ چمبہ کے زیر اقتدار بلا واسطہ طور پر ۱۸۲۱ء میں آیا اور اس پر ۱۸۴۶ء تک چمبہ والوں کی ہی حکومت رہی۔

سِکھ فوج' جو وزیر نھو کے ساتھ بھدرواہ آئی تھی' گپت گنگا کے کنارے دریائے نیرو کی دُوسری طرف واقع ایک ٹیلے پر ٹھہری' جس نے پہاڑ کے دامن میں فوج کے لئے ایک فصیل کا کام دیا۔ اُنہوں نے اِس کا نام اٹل گڑھ رکھا جو بعد میں اٹال گڑھ کہلایا۔ یہاں قلعہ اٹال گڑھ تعمیر کیا گیا جس کو بعد میں وزیر نھو نے اپنی شکست کے بعد جزوی طور پر مسمار کیا۔

بسوہلی میوزیم میں بھی مہاراجہ رنجیت سنگھ کی طرف سے راجہ چڑھت سنگھ والیٔ چمبہ کے نام فارسی زبان میں ایک خط موجود ہے جس میں اوالذکر نے اِس بات پر اِطمینان کا اظہار کیا ہے کہ رہیلُو کا قلعہ معہ ملحقہ علاقے کے اُس کے سپرد کر دیا گیا ہے اور اُس

کے بدلے میں ریاست بھدرواہ کو چمبہ کی تحویل میں دے دیا گیا ہے۔ یہ خط ۲۸/جیٹھ ۱۸۷۸ بکرمی بمطابق جون ۱۸۲۱ء کا ہے۔

(بحوالہ کیٹیلاگ، صفحہ: ۲۳۰)

جیسا کہ پہلے ہی ذکر کیا جا چکا ہے کہ "زورآور سنگھ" جو چڑھت سنگھ والیٔ چمبہ کا برادرِ اصغر تھا" اور جو "چھوٹا راجہ" کے نام سے مشہور تھا" کو ۱۸۳۳ء میں بھدرواہ کا برائے نام راجہ مقرر کیا گیا تھا۔ وہ چمبہ سے ہی بھدرواہ کا سرکاری کام اپنے اہلکاروں کے ذریعے چلاتا رہا جبکہ اُس کے صوبے دار بھدرواہ میں لوگوں پر قسم قسم کے ظلم ڈھاتے رہے اور اُن کو تنگ کرتے رہے۔ اُن کے اِس وتیرے سے لوگ چمبہ کے راج سے ہی متنفر ہو چکے تھے اور بجائے قریب آنے کے اُن سے دُور جا رہے تھے۔

ڈاکٹر پریتم کرشن کول نے "ہمالین پرنسی پیلیٹیز" کے صفحہ ۱۹۶ تا ۱۹۸ پر اُس دور کی تصویر بڑی عمدگی سے کھینچی ہے، جس کا خلاصہ یوں ہے" — زورآور سنگھ چھوٹا راجہ کہلاتا تھا لیکن بھدرواہ راجواڑے کے معاملات کی طرف کم ہی توجہ دیتا تھا۔ چڑھت سنگھ کبھی بھی بذاتِ خود چمبہ سے لاہور نہیں گیا بلکہ زورآور سنگھ کو ہی اپنے بدلے میں وہاں بھیجتا رہا۔ موخرالذکر کی بھدرواہ سے عدم موجودگی میں چمبہ کے صوبے دار بھدرواہ نواسیوں سے چمبہ کے لئے پورا اعتماد یا وفاداری حاصل نہیں کر سکے۔ البتہ وزیر نتھو کی اچھی حکمت عملی کی وجہ سے ۱۸۳۴ء میں اُس کے وزارت سے سبکدوش ہونے تک کسی ناخوشگوار واقعہ نے جنم نہیں لیا۔ بھدرواہ نواسیوں کے دِلوں میں چمبہ کے صوبے داروں کے خلاف احساسات میں کوئی کمی نہیں آئی ——"

گلاب سنگھ کے کمانڈرز زورآور سنگھ کلھوریہ کا

لداخ، پاڈر اور بھدرواہ پر حملہ:

"۱۸۲۱ء اور ۱۸۳۶ء کے درمیان زورآور سنگھ کلھوریہ ہمسایہ ملک کشتواڑ، جو

کہ گلاب سنگھ کا ایک ڈوگرہ صوبہ تھا' کا حاکمِ اعلیٰ بھی تھا۔ پاڈر کے رتنو اور چمبہ کے وزیر نتھو نے چمبہ کے تحت بھدرواہ ریاست کی حدود کی حفاظت کے لئے ڈوگرہ فوج کی طرف سے کسی قسم کی توسیع پسندی یا حدود کی خلاف ورزی کو روکے رکھا تھا۔ لیکن ۱۸۳۴ء کے بعد بھدرواہ کے مقامی باشندوں نے چمبہ کے اہلکاروں کی طرف سے اُن پر ڈھائے جانے والی مصیبتوں اور ظالمانہ طور طریقوں سے اُن کو دبائے جانے اور اُن کے معاملات کی طرف مناسب توجہ نہ دینے کی وجوہات سے باغی ہونا شروع کر دیا تھا۔ چڑھت سنگھ کو اپنے صوبے داروں کے اِن کارناموں کے نتائج کا احساس ہو چلا تھا لیکن اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ لوگوں کا اعتماد بحال کرنے کے لئے اُس نے کچھ اِبتدائی کوششیں کیں اور کچھ اِقدامات بھی اُٹھائے جو بھدرواہ کے اِردگرد علاقوں میں راجہ گلاب سنگھ کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ اور طاقت کو سامنے رکھتے ہوئے ضروری بھی تھے۔''

''چڑھت سنگھ ایک مذہبی زاویہ نظر رکھنے والا شخص تھا۔ اِس لئے اُس نے بھدرواہی لوگوں کا دِل جیتنے' اپنی عزت اور شہرت بحال کرنے اور چمبہ کے لئے لوگوں کی وفاداری حاصل کرنے کے لئے اپنے مذہبی جھکاؤ کا مظاہرہ کرتے ہوئے ۱۸۳۴ء میں گاٹھہ اور نگر کے مقامات پر واسکی مندروں کی مرمت کروائی اور اُن میں واسکی ناگ کی نئی مورتیاں نصب کروائیں۔ اگست ۱۸۳۴ء میں وہ گاٹھہ میں مورتی نصب کرتے وقت بذاتِ خود موجود رہا اور ایک سند کے مطابق اُس نے مندر کے پجاریوں کے حق میں بڑی فراخدلی سے زمین' باغات' زیورات اور دیگر اقسام کی قیمتی چیزیں تقسیم کیں۔''

بھدرواہ میں واسکی منادر (۱۸۳۴ء-۱۸۳۵ء) کا اِفتتاح کرنے سے پہلے زور آور سنگھ اپنے بھائی چڑھت سنگھ کے اِستقبال کی تیاریوں کے لئے اُس سال کے اپریل۔ مئی مہینوں کے دوران ہی بھدرواہ پہنچ چکا تھا اور اُس نے مقامی زمینداروں اور چرواہوں کو اُونچے اُونچے مقامات پر معمولی گاہچرائی مقرر کر کے مال مویشی کے

لئے چراگاہیں عطا کیں۔ اِن قدامات کے باوجود وہ لوگوں کے دِل نہ جیت پایا۔ اُسی اِثناء میں راجہ گلاب سنگھ نے پاڈر کی طرف پیش قدمی کر دی اور کشتواڑ کو فتح کرنے کے دوران اُس نے بونجواہ کی جاگیر، جو معزول شدہ وزیر لکھپت رائے کی مملکت میں تھی، پر قبضہ کر کے اُسے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ اب اُس کی عقابی نظریں مملکتِ بھدرواہ کو حاصل کرنے کے لئے موقع کی تلاش میں لگی ہوئی تھیں، کیونکہ یہ مملکت اُس کی سلطنت کے حدود کے عین بیچ میں تھی۔ اِن مقاصد کے تحت راجہ کے خلاف یہاں کے مقامی طور پر ناخوش عناصر کے ساتھ مل کر سازشوں کا جال بُنا جا رہا تھا اور بڑی رازداری سے اُن کی حوصلہ افزائی بھی کی جا رہی تھی۔ خفیہ طور پر فرنگیوں کی اجازت حاصل کر کے گلاب سنگھ نے زور آور کی کمانڈ میں ۱۸۳۴ء میں لداخ کو فتح کرنے کی خاطر ایک فوج روانہ کی، جس نے کچھ علاقے فتح کرنے کے بعد واپسی پر پاڈر میں پڑاؤ ڈالا تھا۔ جس پر وہاں کے کچھ لوگوں نے شک کی بناء پر اُن کے اِس راستے سے گزرنے پر اعتراض جتایا، حالانکہ زور آور سنگھ ابھی چمبہ کے ساتھ کسی قسم کی چھیڑ چھاڑ سے گریز کرنا چاہتا تھا۔ کسی بات کی پروا کئے بغیر اُس نے فوج کا بیشتر حصہ پاڈر کی حدود میں سے گزار کر کشتواڑ روانہ کیا اور کچھ فوجیوں کو پاڈر کے چتوڑ گڑھ موضع میں، جسے اب گلاب سنگھ کی نسبت سے گلاب گڑھ کہتے ہیں، اِس لئے مقیم رکھا تا کہ اُن کا زور آور سنگھ کے ساتھ رابطہ قائم رہے۔ اِس پر وزیر رتنو جو چمبہ کی طرف سے یہاں ایک منتظم اعلیٰ کے طور پر تعینات تھا، نے لوگوں کو جوش دِلا کر ڈوگرہ فوج کے اُس دستے کو اپنی تحویل میں لے کر چمبہ بھیج دیا۔ اِس پر چمبہ کا راجہ خوف زدہ سا ہو گیا کیونکہ رتنو کی یہ حرکت گلاب سنگھ کے لئے ایک للکار کے مترادف تھی۔ پس راجہ چمبہ نے پہلو تہی کرتے ہوئے اِس واقعہ میں اپنا ہاتھ ہونے سے اِنکار کیا لیکن گلاب سنگھ کے کمانڈر زور آور سنگھ کو اِس غلط قدم کی بدولت بنا بنایا بہانہ ہاتھ آ گیا اور اُس نے ۱۸۳۶ء میں پاڈر اور بھدرواہ پر حملے کر دیئے۔ زور آور سنگھ ۱۸۲۱ء تا ۱۸۳۶ء کے دوران کشتواڑ میں ڈوگرہ

جنرل اور منتظم اعلیٰ بھی تھا۔ رتنو کی حرکت سے اُسے دکھ تو پہنچا ہی تھا جس کا بدلہ لینے کے لئے اُس نے پاڈر پر ۱۸۳۶ء کے موسم بہار میں حملہ کر کے اُس پر قبضہ کیا۔ دو بیلوں کی لڑائی کے مترادف بھدرواہ خواہ مخواہ اِس جھگڑے میں اُلجھ گیا۔ زورآور سنگھ نے اُسی سال بھدرواہ پر بھی فوج کشی کی لیکن قلعہ میں مقیم چمبہ کی فوجوں نے زبردست مزاحمت دکھائی۔ دُوسری طرف چمبہ سے بھی فوج کا ایک مضبوط دستہ پیش قدمی کرتا ہوا بھدرواہ کی فوج کی مدد کے لئے پہنچ گیا۔ مقابلہ کے بعد زورآور سنگھ کی فوج کو منہ کی کھانا پڑی اور وہ واپس چلی گئی۔ پاڈر پر چمبہ کا تقریباً ڈیڑھ سال کا قبضہ، جو چتوڑ سنگھ کے وقت سے چلا آرہا تھا، ختم ہو گیا اور اُس پر ڈوگرہ فوج کا قبضہ ہو جانے کے بعد وہ علاقہ بھی جموں کا ایک حصّہ بن گیا۔

ڈوگرہ جنرل زورآور سنگھ کلہوریہ کے بھدرواہ پر حملے کا ذِکر مسٹر این. سی. کوتوال نے ''کلچرل ہیری ٹیج کے صفحہ ۱۳۷ تا ۱۳۸ء پر کچھ نئی کھوج کے تحت بڑی تفصیل سے کیا ہے، جس کا خلاصہ یوں ہے:

——— ۱۸۴۴ء سے پہلے یعنی ۱۸۳۳ء۔ ۱۸۳۴ء کی اپنی لداخ مہم کے دوران ڈوگرہ جنرل زورآور سنگھ فوج کے ایک دستے کے ساتھ ڈوڈہ اور کشتواڑ کی طرف گزرتے ہوئے کچھ دِنوں کے لئے موضع برشالہ، جو موجودہ ٹھاٹھری کے دُوسری جانب دریائے چناب کے اُوپر [illegible] ہے، میں لنگر انداز تھا۔ وہاں اُس نے ایک اچھا خواب دیکھا۔ جاگ جانے کے بعد اُس نے لداخ علاقہ کی فتح کی صورت میں برشالہ کے مقام پر ایک مندر تعمیر کرنے کی منت مانی۔ لداخ پر فتح پانے کے بعد وہ ۱۸۳۶ء میں برشالہ واپس آیا اور اپنی منت پوری کرتے ہوئے اُس نے دُرگا دیوی کا مندر تیار کروایا۔ اپنی کامیابی سے اُس کا حوصلہ بڑھا اور فوج کے کچھ جوانوں کو چناب عبور کر کے بھدرواہ کے علاقے پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ فوج چناب کو پار کر کے علاقہ بھیلہ کے کچھ موضع جات پر قبضہ کر کے موہڑہ جشولا میں ٹھہر گئی۔ اِس خبر کے سنتے ہی وزیر

نھو نے چمبہ کی طرف سے بھدرواہ میں تعینات گورنر کو جسے عام طور پر راؤ یا رانا کہا جاتا تھا اور جس کا دائرہ حکومت دریائے نیرو کے داہنے طرف کے سارے علاقہ پر تھا' جوابی کارروائی کرنے کے احکامات دیئے۔ موجودہ تحصیل ٹھاٹھری اور تحصیل بھدرواہ کو علیحدہ کرنے والی حدود میں کھنڈشری کے پہاڑی کنارے پر بھدرواہی فوج نے زورآور سنگھ کی فوج کا مقابلہ کیا جبکہ جموں کی ڈوگرہ فوج کا بنیادی پڑاؤ بھیلہ سے کچھ اُوپر جسوٹھا کے موہڑے میں تھا۔ ایسے ہی چمبہ کے سردار نے موضع مسرٹہ ہموت میں ایک خیمے میں اپنا کیمپ جما دیا تھا' جہاں سے وہ اپنی فوج کو ہدایات دیتا رہا۔ یہ جگہ ابھی بھی راویرو تمبُو (راؤ کا خیمہ) کے نام سے مشہور ہے۔ ناکامی کا منہ دیکھنے کے بعد جموں کی فوج کا بیشتر حصہ لداخ مہم پر جانے والی فوج کے ساتھ مل گیا لیکن سانبہ اور جسروٹہ کے کچھ جنگجو فوجی' جنہوں نے بھیلہ اور جشولا کے دیہات پر قبضہ کر لیا تھا' اُن ہی مقامات پر مقیم رہے۔ جبکہ راجہ راؤ بھی اپنے بنیادی مرکز جسروٹہ میں واپس چلا آیا۔ بعد ازاں اپنی شکست سے لگے ہوئے زخموں پر مرہم کرنے کے لئے اُن فوجی اشخاص نے راجہ راؤ کو قتل کرنے اور بدلہ چکانے کے لئے مقامی لوگوں کے ساتھ خفیہ طریقہ سے رابطہ بنائے رکھا۔ خالوگاؤں کے ایک ہریجن کے ذریعہ سے راؤ کی کھوپڑی پروار کر کے اُسے اُس وقت قتل کروا دیا گیا' جب وہ صبح کے وقت اپنے گیان دھیان میں مصروف تھا —— اُس کی وفات کے بعد بقول کوتوال نیک چند "سمیال جنگجوؤں نے موضع جات خالوا اور دِگی" کی زرخیز ترین زمین کے کچھ قطعات پر قبضہ جما لیا' جہاں اُن کی نسل کے کچھ گھرانے آج بھی آباد ہیں۔

زورآور سنگھ کلہوریہ - ایک تعارف:

زورآور سنگھ کلہوریہ کانگڑہ کے ایک موضع کلہور کے ایک راجپوت خاندان میں ۱۷۸۶ء میں پیدا ہوا۔ وہ اب موضع بلاسپور کہلاتا ہے۔ گانگڑہ کے ایک راجگرو نے

زورآور سنگھ کے بارے میں ایک بڑا جنگجو ثابت ہونے کی پیشین گوئی کی تھی۔ اُس نے سولہ سال کی عمر میں کسی گھریلو جھگڑے کی بناء پر اپنا گھربار چھوڑ دیا۔ وہ بہت طاقتور تھا جس وجہ سے اُس کے دِل میں خواہشات کا ایک طوفان موجزن رہتا تھا، جن کی تکمیل کی خاطر وہ مختلف مقامات پر چلا گیا۔ اُن دنوں علاقہ مرمت گلیاں، جو اُن دِنوں مملکت بھدرواہ کے تحت ایک جاگیر کا درجہ رکھتا تھا، میں راجہ جسونت سنگھ جاگیر کا مالک تھا۔ زورآور سنگھ سے جسونت سنگھ کی ملاقات ہردوار میں ہوئی۔ رانا جسونت سنگھ اُس کی صلاحیتیں دیکھ کر بہت متاثر ہوا اور اُسے اپنے ساتھ مرمت لے آیا۔ یہاں زورآور سنگھ نے تمام جنگی گر سیکھ لئے، جن کی بدولت وہ ایک مکمل تربیت یافتہ سپاہی بن گیا۔ رام بن کے پہاڑوں میں اُس نے ایک یوگی سے یوگا اور ریاض کرنا سیکھا۔ کچھ غلط فہمیوں کی بناء پر وہ جسونت سنگھ کو چھوڑ کر جموں چلا گیا، جہاں وہ توی کے کنارے راجہ گلاب سنگھ سے ملا۔ قلعوں کی رسد میں لاکھوں کی بجٹ دِکھانے کی وجہ سے وہ راجہ گلاب سنگھ کا معتمد بنا۔ وہ پہلے جموں میں راجہ گلاب سنگھ کا وزیر بنا اور پھر کشتواڑ کا گورنر بنایا گیا۔ اُس نے بہت سے معرکے سر کئے لیکن بھدرواہ پر قبضہ نہ جما سکا۔

سری سنگھ اور پراکرم سنگھ:

(۱۸۴۴ تا ۱۸۴۵ء)

۱۸۳۹ء میں راجہ چڑھت سنگھ کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام سری سنگھ رکھا گیا۔ اُس کے بعد دو اور بیٹے ہوئے جن کے نام بالترتیب گوپال سنگھ اور سمپت سنگھ تھے۔ ۱۸۴۴ء میں چڑھت سنگھ والئ چمبہ کی وفات کے بعد سری سنگھ کو، جو ابھی کم سن ہی تھا، چمبہ کی راج گدی پر بٹھایا گیا۔ اُس کے دونوں بھائی ابھی کم سنی میں ہی تھے۔ سری سنگھ کی تاج پوشی کے بعد سرکاری امورات کی انجام دہی وزیر نتھو کے ایک رِشتہ دار بھاگا کے سپرد کی گئی، جو چمبہ میں وزیر کے طور پر ۱۸۳۴ء ہی سے کام کرتا آیا تھا۔ وہ اُس

عہدے پر ۱۸۵۹ء تک فائز رہا۔ جیسا کہ پہلے بھی ذِکر ہو چکا ہے کہ جوان سال راجہ سری سنگھ کے چچا زور آور سنگھ کے خلاف کٹو پا رانی کے دِل میں کچھ شبہات پیدا کیے گئے جس وجہ سے رانی اُس کی نیت پر شک کرنے لگی۔ دُوسری طرف زور آور سنگھ، سری سنگھ کی ولادت کے دِن سے ہی دُکھ اور حسد میں مبتلا ہو گیا تھا، کیونکہ اب چمبہ کی گدی کے لئے بلاواسطہ طور پر ایک مورثِ اعلیٰ یعنی یوراج نے جنم لے لیا تھا اور وہ اُس گدی پر پانچ سال کی عمر میں بیٹھ گیا تھا۔

چڑھت سنگھ کو کوئی ایسی بیماری لگی ہوئی تھی جس نے ۱۸۴۴ء میں اُس کی جان لے لی، جبکہ ابھی اُس کی عمر ۴۲ سال ہی تھی، جس میں سے اُس نے قریباً ۳۶ سال تک چمبہ پر حکومت کی۔ اُس کی موت کے بعد اُس کی دو رانیاں اور چھ داشتائیں ستی ہو گئیں۔ ماتا رانی کٹوچ کے شکوک بھی بڑھتے ہی جا رہے تھے، اِس لئے اُس نے زور آور سنگھ کو گرفتار کرنے اور قید میں ڈالنے کا حکم دیا، لیکن وہ آسانی سے بھدرواہ کی طرف بھاگ نکلا جہاں کا وہ چھوٹا راجہ تھا ہی۔ اُس کے بھدرواہ پہنچ جانے پر بھدرواہ کے حالات زیادہ ہی خراب ہو گئے۔ کوشش کے باوجود وہ لوگوں کی حمایت حاصل کرنے میں محروم ہی رہا، کیونکہ یہاں کے باشندے چمبہ کے اہلکاروں کے ظلم وستم سے تنگ آچکے تھے۔ ایسے عناصر سے بھی، جو اُس کے ذاتی طور پر مخالف نہ تھے، وہ کوئی ہمدردی حاصل نہ کر سکا۔ اِس لئے اُس نے جموں کی طرف بھاگ کر ڈوگرہ حکمرانوں کی حمایت حاصل کرنے کے لئے تگ ودو کی، لیکن وہ اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

راجہ گلاب سنگھ اِن تمام حالات کا جائزہ جموں سے بڑی دِلچسپی سے لے رہا تھا اور بھدرواہ پر حملہ کرنے کا بہانہ تلاش کر ہی رہا تھا کہ زور آور سنگھ جموں پہنچ گیا۔ راجہ نے اُس کی جموں میں آمد کا بھرپور فائدہ اُٹھانا چاہا لیکن بھاگو وزیر نے سر ہنری لارنس کے پاس ذاتی طور پر اپیل کی، جس سے بھدرواہ کو حملے سے بچا لیا گیا۔ ورنہ راجہ گلاب

سنگھ آئے دِن پہاڑی راجواڑوں کو فتح کر کے اپنی سلطنت میں ملا کر اِسے وُسعت دے رہا تھا۔ اُن حالات میں چمبہ کے حکمران کی اُس کے آگے کیسے دال گلتی اور وہ اُس کی توسیع پسندی کے خلاف کیسے کوئی قدم اُٹھا سکتا تھا۔ وائن کے مطابق ــــ ''سکھوں کی مدد سے ہی ۱۸۴۵ء میں زور آور سنگھ کے بیٹے پراکرم سنگھ کو بھدرواہ کا راجہ بنا دیا گیا ــــ''، لیکن اُسی سال انگریزوں اور سکھوں کے درمیان جنگ کی وجہ سے سکھوں کی طاقت کمزور ہو گئی اور راجہ گلاب سنگھ نے موقع کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے ۱۸۴۵ء میں بھدرواہ کو جموں کے ساتھ ملا دیا۔ چمبہ میوزیم میں موجود ایک خط کی نقل جو سرہنری لارنس کی طرف سے راجہ سری سنگھ کو لکھا گیا تھا کے مطابق یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عہد نامہ امرتسر کے تحت چمبہ کو بھی دیگر علاقہ جات کے ساتھ ساتھ گلاب سنگھ کی سلطنت میں شامل کر دیا گیا تھا، جس پر ۱۶/ مارچ ۱۸۴۶ء کی تاریخ درج ہے۔ اُس معاہدے کی رُو سے بھدرواہ بھی ڈوگرہ حکمرانوں کے حصے میں آ گیا اور ریاست جموں و کشمیر میں شامل کیا گیا۔ سری سنگھ کو ہدایت دی گئی کہ وہ راجہ گلاب سنگھ کو باضابطہ طور پر خراج کی رقم ادا کیا کرے اور دیگر رسمی خدمات انجام دیتا رہے۔

ڈاکٹر پریتم کرشن کول، فریڈرک ڈریو کے حوالے سے مملکتِ بھدرواہ کو چمبہ کے ہاتھوں اپنی ایک راجکماری کو بطور جہیز دے کر جموں کے تحت ہو جانے کا واقعہ بھی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ مملکت راجہ گلاب سنگھ کے بھتیجے راجہ ہیرا سنگھ کو چمبہ کی ایک راجکماری کے ساتھ شادی کے موقع پر جہیز کی صورت میں منتقل ہو گئی۔ ۲۲/ دسمبر ۱۸۴۴ء کو راجہ ہیرا سنگھ کی خوفناک موت پر ایک مختصر بغاوت رُونما ہونے کے بعد راجہ گلاب سنگھ نے ایک فوجی دستہ بھیج کر حالات پر قابو پا لیا اور یہ باور کرایا کہ جموں کے شاہی خاندان کے سربراہ کی حیثیت میں اُس علاقہ پر اُس کا حق بنتا ہے۔ وہاں کی فوجوں سے تھوڑی سی تکرار کے بعد یہ مملکت جموں کو منتقل ہو گئی، تاہم بھدرواہ پر چمبہ کے ترجیحی حقوق باقی رہے۔

راجہ گلاب سنگھ کے بھتیجے ہیرا سنگھ کی بسوہلی کو بطور ذاتی جاگیر حاصل کرنے کے بعد یہ بڑی خواہش تھی کہ وہ بھدرواہ پر اپنا قبضہ جما لے۔ یہ خواہش مکرّ شاہ' جو لاہور دربار میں کافی اثر و رسوخ رکھتا تھا' کی مدد سے پوری ہوئی' کیونکہ مکرّ شاہ نے اب چمبہ پر بھی اِتنا اثر ڈالا تھا کہ بظاہر وہاں کا سرکاری کام کاج اُسی کے ہاتھوں میں لگتا تھا۔ عین ممکن ہے کہ اُس کے رِشتہ دار جولا پنڈت کی مدد سے اُس نے مملکتِ چمبہ کے حکمران کو ہیرا سنگھ کے ساتھ راجکماری کی شادی کرنے اور اُسے بھدرواہ کا علاقہ جہیز میں دینے پر آمادہ کیا ہوا۔

ہیرا سنگھ کی موت کے بعد گلاب سنگھ نے شاہی خاندان کے سربراہ کی حیثیت سے ہی بھدرواہ پر اپنا حق جتا کر ۱۸۴۴ء میں چمبہ کی پرواکئے بغیر اُسے اپنی مملکت جموں میں شامل کر ڈالا۔ ۱۸۴۵ء میں سکھوں کی پہلی جنگ میں شکست کے بعد انگریزوں اور سکھوں کے درمیان ایک معاہدہ طے پا جانے پر کچھ علاقہ جات کی انگریز سرکار کو منتقلی اور ڈیڑھ کروڑ روپے کے جنگی تاوان کی ادائیگی سکھوں نے تسلیم تو کی لیکن سکھوں کے کمزور ہو جانے پر اِتنی بھاری رقم کی یک مشت ادائیگی اُن کے لئے ایک ناممکن سی بات تھی۔ اِس لئے وہ دریائے سندھ اور دریائے بیاس کے درمیان پڑنے والے پہاڑی علاقوں سے دستبردار ہونے اور باقی رقم نقدی ادا کرنے پر راضی ہو گئے۔ ۹ر مارچ ۱۸۴۶ء کو اِس بارے میں اِیک معاہدہ طے پایا جو "بیعہ نامہ امرتسر" کے نام سے مشہور ہے۔ تاہم جیسا کہ پہلے بھی ذکر آچکا ہے کہ "ایک الگ معاہدے کے تحت جو "عہد نامہ امرتسر" کے نام سے موسوم ہوا،[1] برطانوی سرکار اور راجہ گلاب سنگھ کے درمیان ۱۶ر مارچ ۱۸۴۶ء کو ظہور پذیر ہوا' وادئ سندھ اور راوی کے درمیان پڑنے والے تمام پہاڑی علاقے' جس میں ریاست چمبہ بھی شامل تھی' راجہ گلاب سنگھ کو منتقل ہو کر ڈوگرہ سلطنت میں شامل کیے گئے۔" (بحوالہ "چمبہ اسٹیٹ میوزیم" سی-۷۰)

---

[1] عہد نامہ امرتسر کا تفصیلی ذکر علیحدہ باب میں کیا جائے گا۔

اِس طرح سے بھدرواہ بھی اُسی معاہدے کے تحت ڈوگرہ سلطنت میں شامل ہوگیا اور کچھ نئی حد بندی اور زمینی تبادلوں کے ذریعے چمبہ کی پرانی پوزیشن بحال کردی گئی۔ اگر یہ معاہدہ طے نہ پاتا تو آج ریاست چمبہ بھی ریاست جموں وکشمیر ہی کا حصّہ ہوتی۔ اِس طرح سے پال خاندان، چمبہ کے حکمرانوں یعنی سری سنگھ اور پراکرم سنگھ کی حکمرانی کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہوگیا اور ۱۸۴۶ء میں بھدرواہ ڈوگرہ سلطنت کا ایک اہم حصّہ بن گیا اور اِس کی آزاد حیثیت ایک بار پھر ختم ہوگئی۔

***

اہلِ اِسلام

کی خِطّہ ڈوڈہ اور مملکتِ بھدرواہ میں آمد

پس منظر:

کشمیری مسلمانوں کی وادیٔ کشمیر یا برصغیر کے دُوسرے حصّوں سے موجودہ ضلع ڈوڈہ یا یوں کہئے کہ وادیٔ چناب میں مہاجرت کا کوئی مستند تحریری ثبوت ہمارے پاس موجود نہیں ہے' اِس لئے اُن کی یہاں آمد کا اندازہ محض قیاس آرائی یا سینہ بہ سینہ چلی آئی رہی رِوایات سے لگایا گیا ہے' جو زمانہءقدیم سے نسل در نسل ہم تک پہنچتی رہی ہیں۔ البتہ یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ مسلمانوں کی آمد کا سلسلہ چودھویں صدی عیسوی سے ہی شروع ہوا تھا۔ اِس حقیقت کے بھی شواہد ملے ہیں کہ بھدرواہ میں راجہ ناگ پال دوم (۱۵۳۵ء-۱۶۲۰ء) کے زمانہ میں شہنشاہ اکبر کی خواہش کے مطابق کچھ مسلم گھرانے دہلی سے آکر بھی یہاں آباد کے گئے تھے جن میں دھوبی اور مراثی کنبے شامل تھے۔ اُن کو یہاں مکانات تعمیر کرنے کے لئے زمینیں دی گئی تھیں اور راجہ نے اُنہیں کچھ مراعات سے بھی نوازا تھا۔

یہ بھی روایت ہے کہ پال راجوں کے دور میں راجہ پرتاپ سنگھ (جس سے پہلے ناگ پال دوم راج کرتا تھا) تعلیم حاصل کرنے کے لئے وادیٔ کشمیر چلا گیا تھا' جہاں سے اُس کے ساتھ کشمیری پنڈتوں کے کچھ کنبے بھدرواہ آئے' جو راج گرو کے

طور پر کام انجام دیتے رہے۔ اُن گھرانوں کے نام زمین کے بڑے بڑے قطعات منتقل کیئے گئے جن کی کاشت کے لئے کشمیری پنڈتوں نے کشمیری مسلمانوں کو مدعو کیا تھا۔ شاہمیری دور میں بہت سے مبلغین اِن پہاڑی علاقوں میں بغرض تبلیغ آئے اور اُن میں بہت سے کشمیری جو اُن کے ہمراہ تھے، اِن ہی جگہوں پر بس گئے۔ اِس کے ساتھ ہی چک دور کی افراتفری کے دوران اور مُغل دور، افغان اور سکھ دور میں بھی لوگ کسی نہ کسی وجہ سے اپنا وطنِ مالوف چھوڑنے پر مجبور ہوئے، جو بھاگ کر مختلف راستوں سے اِس پہاڑی خطّے میں آ کر بس گئے۔ سال ۱۸۳۶ء اور ۱۸۷۶ء تا ۱۸۷۸ء کی جان لیوا قحط سالی اور بعد کے زلزلوں، طوفانوں اور وبائی بیماریوں سے تنگ آ کر ہزاروں لوگ وادئ کشمیر کو چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ ڈوگرہ راج میں راج کاک (گورنر) کی طرف سے شال بافوں پر لگائے گئے ٹیکسوں اور چک داروں سے چھینے گئے زمین کے مالکانہ حقوق اور قدیم زمانے سے چلی آ رہی بیگار کی رسمِ بد اور ایسے ہی کئی محرکات نے وادئ کشمیر کے مسلمانوں اور کشمیری پنڈتوں کو وقتاً فوقتاً اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور کیا۔ وادئ کشمیر میں اِسلام کا ورود اور تمام محرکات کا اجمالی جائزہ اگلے صفحات میں پیش کیا جائے گا، جن کے تحت کشمیری مسلمان اور کچھ پنڈت گھرانے موجودہ ضلع کے اکناف و جوانب میں ہجرت کر کے آئے اور پھر یہیں کے ہو کر رہ گئے۔

مذہب اِسلام کشمیر میں کیسے پھیلا

اور مُسلمانوں کی سابقہ ضلع ڈوڈہ میں سلسلہ وار آمد کا تاریخی جائزہ:

سنگرام راج کے بائیس (۲۲) ہندو راجوں نے کشمیر پر حکومت کی۔ راجہ سنگرام کے عہد میں ۱۰۱۵ء کو سلطان محمود لاہور کے راجہ آنند پال کے بیٹے ترلوچن پال کا پیچھا کرتے کرتے کشمیر آیا لیکن وہ سنگرام راج والئی کشمیر سے تحفے تحائف لے کر واپس

غزنی چلا گیا۔" راجہ سہہ دیو کے زمانے میں شاہ طاہر کے بیٹے شاہ میر یا شہمیری والئ تبت کا بیٹا رینچن شاہ اور ہندوستان کے ایک سردار شنکر چک کشمیر آئے اور راجہ کی ملازمت اِختیار کی۔ لیکن حکومت کی کمزوریوں نے پہلے رینچن شاہ کی اور بعد میں شاہ میر کی مدد کی اور شاہ میر نے کشمیر میں اپنی حکومت قائم کی۔"[1]

عہدِ سلاطین:

(۱۳۳۹ء تا ۱۵۵۴ء)

رینچن شاہ کے ایک مردِ نگاہ بُلبُل شاہ، جن کا پورا نام شرف الدین عبدالرحمان تھا، ۱۳۲۰ء میں بدھ مت سے مذہبِ اِسلام قبول کرنے اور سہہ دیو کے بعد کشمیر میں پہلا مُسلم شاہمیری حکمران بننے سے لے کر شہمیری دور کے آخر تک اِس خاندان کے قریباً پچیس (۲۵) سلطانوں نے وادئ کشمیر پر حکومت کی اور درمیان میں کچھ عرصہ کوٹہ رانی، جو راجہ سہہ دیو کی رانی تھی، بھی حکومت کی گدی پر فائز رہی۔ دورِ سلاطین ۱۳۳۹ء تا ۱۵۵۴ء تک رہا۔ رینچن شاہ صدرالدین کے نام سے حکومت کرتا رہا، پھر رانی کوٹہ آئی اور اُس کے بعد سلطان شہاب الدین تختِ نشین ہوا۔ وہ پہلا بادشاہ گزرا ہے، جس نے شہمیری خاندان کو بامِ عروج تک پہنچایا۔ اُس کے دور میں حضرت امیر کبیر سیّد علی ہمدانیؒ سادات، شیوخ اور بزرگانِ دین کی سات سو افراد پر مشتمل جماعت لے کر ۱۳۷۲ء میں کشمیر تشریف لائے۔ وہ بعد میں دُوسری بار ۱۳۷۹ء اور تیسری بار ۱۳۸۳ء میں واردِ وادئ کشمیر ہوئے۔ اُن کی ذاتی سعیِ جمیلہ، اعلیٰ سیرتی اور اعمالِ صالح سے متاثر ہو کر لوگوں کی ایک کثیر تعداد مشرف بہ اِسلام ہوئی۔ وہ سابقہ ضلع ڈوڈہ کے علاقہ کشتواڑ میں بھی تشریف آور ہوئے اور وہاں لوگوں کو حضرت فریدالدین بغدادیؒ کے بارے میں

---

[1] "کشمیر میں اُردو"، کلچرل اکیڈمی، صفحہ: ۵۸ تا ۵۹

پیشن گوئی کی کہ وہ یہاں تشریف لاکر اِسلام کی خدمت کریں گے۔ اُن کے وادی اور کشتواڑ جیسی دُور افتادہ جگہ پر تشریف لانے سے مذہبی علوم اور فارسی اور عربی زبانوں کو بڑا فروغ ملا۔ اُن کو کشمیر میں اِسلام کا بانی بھی کہا جاتا ہے۔ سلطان قطب الدین کے دور میں بھی، جو ۱۳۴۵ء تا ۱۳۷۴ء کشمیر کا حکمران رہا، حضرت امیر کبیرؒ کے ساتھیوں نے بڑی محنت سے تبلیغی کام آگے بڑھایا اور سلطان سکندر (۱۳۷۴ء تا ۱۳۸۹ء) کے عہد میں حضرت امیر کبیرؒ کے فرزندِ ارجمند حضرت سیّد محمد ہمدانیؒ اپنے تین سو اعلیٰ پایہ کے علماء اور رفقاء کے ساتھ کشمیر تشریف لائے، جن میں بہت سے عالمِ دین، دینی مبلغ اور خدا پرست اصحاب شامل تھے۔ اُنہوں نے نہ صرف وادی کے مختلف حصّوں اور قرب و جوار میں بلکہ وادی سے باہر بھی تبلیغِ دین کا کام محنتِ شاقہ سے کیا اور دینِ اِسلام کی روشنی کونے کونے میں پھیلا کر ہزاروں لوگوں کو مشرف بہ اِسلام کیا۔ وادی میں اِیران، خراسان، عراق اور وسطِ ایشیا سے عالم فاضل اور صوفی منش لوگوں کے آنے کا سلسلہ جاری رہا، جنہوں نے تبلیغ کے ساتھ ساتھ فارسی اور عربی زبانوں کو بھی فروغ دیا۔ اِسلامی تہذیب وتمدن نے ہر فرد کو متاثر کیا۔ سلطان سکندر کو سلطان بُت شِکن بھی کہا جاتا تھا۔ غالباً ہندو رعایا سے اُس کے دور میں کچھ زیادتیاں بھی ہوئیں جس سے غیر مُسلم سلطان کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھنے لگے۔ کہا جاتا ہے کہ اُس کے وزیر سہہ بٹ نے کچھ غلطیاں کیں، تاہم وزیر کتنا ہی بے عقل ہو، اِلزام شاہ پر ہی لگتا ہے۔

سلطان زین العابدین کے دور کو جو ۱۴۲۱ء تا ۱۴۷۲ء تک قریباً اِکاون (۵۱) برس قائم رہا، کشمیر کی ''تاریخ کا سنہری زمانہ'' کہا جاتا ہے۔ اُس نے کشمیر میں ترقی، خوشحالی اور رواداری کا دور شروع کیا۔ اُس کے دور میں بھی بہت سے بزرگانِ دین اور مشائخ کشمیر میں مقیم رہے، جن میں مُلّا بہاؤالدین گنج بخشؒ، سیّد ناصر الدین بیہقیؒ، سیّد حُسین منتقیؒ، مُلّا کبیرؒ اور خاص طور پر حضرت شیخ نورالدین ولیؒ جیسی باکمال شخصیات شامل تھیں، جن کے دستِ فیض سے بہت سے لوگوں نے اِسلام قبول کیا۔ وادی میں

جن بزرگانِ دین نے عقیدۂ توحید کی قندیل روشن کی، اُن میں مذکورہ بالا اصحاب کے علاوہ حضرت جلال الدینؒ، حضرت سیّد تاج الدینؒ، سیّد حُسین سمنانیؒ اور حضرت سیّد یوسف سرِ فہرست ہیں۔ لیکن دینِ اِسلام کی تبلیغ اور اِس کے فروغ کے لئے سب سے زیادہ خدمت حضرت امیر کبیر سیّد علی ہمدانیؒ کے دستِ مبارک سے ہی ہوئی اور اُن کے تبلیغی اور دینی رُفقاء کی کوششوں کی بدولت اُس دور میں بھی علماء اور سادات کی جماعتیں ضلع ڈوڈہ کی ہر طرف تشریف آور ہوتی رہیں اور تبلیغی مشن کے دوران لوگوں کو متاثر کر کے مشرف بہ اِسلام کرتی رہیں۔ دُوسری طرف شیخ نورالدین ولیؒ (جن کے اجداد موضع بھنڈار کوٹ تحصیل کشتواڑ سے تعلق رکھتے تھے) نے اپنی علمی بصیرت اور عملی زِندگی سے نہ صرف حضرت امیر کبیر کے مشن کو جاری رکھ کر اُس کو چار چاند لگائے بلکہ اُن کی ریاضت اور رواداری سے اُفقِ اِسلام پر متعدد درخشاں ستارے نمودار ہوئے، جو آج تک ریاست کے طول و عرض میں نور بکھیر رہے ہیں۔

چک دور:

(۱۵۵۴ءتا۱۵۸۶ء)

چک دور میں کشمیر پر آٹھ بادشاہوں نے تقریباً بتیس (۳۲) سال تک حکومت کی اور اُس دوران بڑے بڑے عالمِ دین اور بزرگانِ دین، جو بیرونی ممالک سے کشمیر آئے، اُن میں حضرت سلطان العارفین شیخ حمزہ مخدومیؒ، حضرت بابا داوٗد خاکیؒ اور حضرت یعقوب صرفیؒ کے اسمائے گرامی قابلِ ذکر ہیں۔ غازی چک (۱۵۶۱ءتا ۱۵۶۳ء) نے کشمیر پر حکومت کی اور کچھ علاقوں کے علاوہ اُس نے کشتواڑ پر حملہ کر کے اُسے فتح کیا۔ اُس کے دور میں بغاوتوں نے منہ دِکھایا لیکن اُنہیں بُری طرح سے کُچل دیا گیا۔ تاہم سُنّی لوگ اُس سے نالاں تھے۔ اُس کے بھائی حُسین چک کے دور میں بھی

امام جامع مسجد اور شہر کے قاضی کے قتل کے بعد سُنّی شیعہ علاقوں میں فسادات ہوئے... علی شاہ چک کی وفات (۱۵۷۹ء) پر اُس کا بھائی یوسف چک تخت نشین ہوا۔ اُس کی عیاشی کی وجہ سے کشمیر میں سکون نہ رہا اور بد اِنتظامی پھیل گئی۔ اِس کے بعد وہ بھی کشتواڑ بھاگ گیا اور اُس کے ہمراہ بہت سے کشمیری مسلمان وہاں جا کر آباد ہوئے۔ اس نے ۱۵۸۱ء میں دُوسری بار گدی سنبھالی لیکن بعد میں اکبر اعظم نے اُسے قید کر کے بہار بھیج دیا اور ۱۵۸۵ء میں یعقوب شاہ چک کو حکمران بنایا گیا۔ اُس کے دور میں بھی لوگ اُس کی تنگ نظری اور ظالمانہ روّیے سے تنگ آگئے اور کشمیر کے علماء کے کہنے پر اکبر نے فوج کشی کی اور یعقوب شاہ کو شکست ہوئی۔ وہ بھی جان بچانے کے لئے کشتواڑ کی طرف بھاگ نکلا۔ اغلب ہے کہ اُس کے ساتھ وادئ چناب کی طرف بہت سے کشمیری بھاگ گئے ہوں۔ بلا آخر مُغل کشمیر میں برسرِ اقتدار آگئے۔ راجہ ناگ پال دوم کے دور میں اکبر اعظم کے فرمان کے تحت دو مسلم گھرانوں کو دہلی سے ساتھ لا کر بھدرواہ میں بسایا گیا تھا۔

مُغل دور:

(۱۵۸۶ء تا ۱۷۵۳ء)

کچھ مورّخین لکھتے ہیں کہ مغل گورنر مرزا علی اکبر نے کشمیریوں کے قتل عام کا حکم دے ڈالا تھا۔ بہت سے علماء کو جلا وطن کیا گیا اور کشمیری فوج کی ایک بڑی جماعت کو قتل کروایا گیا۔ چک خاندان کے بہت سے لوگوں کو بھی مارا گیا اور کچھ کی تو آنکھیں تک نکال دی گئیں۔ اُس کے بعد جہانگیر کے حکم سے ۱۶۰۶ء میں علی اکبر نے کشتواڑ میں مقیم چک خاندان کے باغی افراد کا قلع قمع کرنے کے لئے مرزا حیدر کوکا اور مرزا محمد خان کی سربراہی میں کشتواڑ کی طرف فوجی کُمک روانہ کی مگر مُغل فوجوں کو شکست ہوئی۔

۱۶۲۰ء میں بھی پرتاپ سنگھ والئ کشتواڑ کو مُغل فوجوں کے ہاتھوں پسپائی ہوئی اور ایبا چک کو چھاترو (کشتواڑ) کے مقام پر شکست ہوئی اور وہ مارا گیا۔ اغلب ہے کہ اُس دوران بھی بہت سے کشمیری ضلع ڈوڈہ کی طرف بھاگ نکلے ہوں گے۔ مُغل دور میں کشمیر پر حکومت کا کاروبار انجام دینے کے لئے تقریباً پچاس ناظم یا صوبے دار یکے بعد دیگرے مقرر ہوتے رہے۔ شہنشاہ اکبر تین بار اور جہانگیر آٹھ بار کشمیر آیا۔ جہانگیر کے ساتھ نور جہاں بھی آتی رہی۔ شاہ جہاں ۱۶۲۳ء میں دہلی کے تخت پر بیٹھا۔ وہ بھی پہلی بار ۱۶۴۵ء میں کشمیر آیا۔ مُغل بادشاہوں کے دور میں وادیٔ کشمیر میں تواریخی نوعیت کے تعمیری کام کیئے گئے۔ بہت سی عمارات اور نہریں وغیرہ تعمیر ہوئیں۔ اورنگ زیب دہلی کے تخت پر ۱۶۵۸ء میں بیٹھا۔ اُس سے قبل راجہ مہان سنگھ والئ کشتواڑ (۱۶۵۰ء تا ۱۶۵۸ء) نے اپنے بیٹے جے سنگھ کو شاہ جہاں کے دربار میں اُس کی ناراضگی دُور کرنے کے لئے بھیجا۔ بادشاہ اُس سے اِس بات پر ناراض تھا کہ اُس نے مسلمانوں کو کشتواڑ میں صرف ایک رات ٹھہرنے کا فرمان جاری کیا تھا لیکن ایک معاہدے کے تحت مسلمانوں کو کشتواڑ میں آنے جانے اور آباد ہونے کی اجازت دے دی گئی۔ اُس دوران کئی مسلم گھرانے کشتواڑ آئے اور پھر یہاں سے بھلیس اور بھدرواہ وغیرہ میں آباد ہوتے گئے۔

مُغل بادشاہ کے حکم سے ہی حضرت مُلّا حُسینؒ اور حضرت مُلّا بہادرؒ فرزندانِ حضرت مُلّا محمود کشمیریؒ کشتواڑ آئے تھے۔ اُن علمائے دین کی آمد کے نتیجہ میں کشتواڑ میں پہلی مسجد ''خواجہ خواجہ غریب'' کے نام سے تعمیر ہوئی۔ راجہ نے اُن کو کچھ زمین بطور جاگیر بھی دی۔ یاد رہے کہ ۱۶۲۲ء میں مُغلانی بیگم نے ارادت خان کی سربراہی میں کشتواڑ پر اپنے خاوند مرزا خان کی موت کا بدلہ لینے کی غرض سے حملہ کیا اور اُس پر قبضہ بھی کیا۔ اُس دوران بھی کئی مسلمان لوگ کشمیر سے کشتواڑ، ڈوڈہ اور بھدرواہ کے علاقوں میں آ کر آباد ہوتے رہے۔

حضرت شاہ فرید الدین بغدادیؒ کی

کشتواڑ آمد:

راجہ جے سنگھ والئی کشتواڑ (۱۶۵۶ء تا ۱۶۶۴ء) کے دورِ اقتدار میں حضرت محمد فرید الدین بغدادیؒ بہت سے عالم فاضل اور مریدین کے ساتھ کشتواڑ میں تشریف لائے۔ مورخین کا کہنا ہے کہ راجہ جے سنگھ، حضرت فرید الدین بغدادیؒ کی باکمال شخصیت، خدا پرستی، پرہیز گاری، اِنسان دوستی اور رواداری اور تبلیغ کے معجزانہ انداز سے متاثر ہوکر مشرف بہ اِسلام ہوا تھا اور اُس کا نام بختیار خان رکھا گیا۔ اُس کے بعد اُس کا بیٹے کیرت سنگھ نے بھی سعادت یار خان کے نام سے اِسلام قبول کیا۔ اُن کے دیکھا دیکھی بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔ وادی میں مختلف ادوار میں ہونے والی بربریت سے تنگ آکر بھی بہت سے کشمیری کنبے خطۂ چناب کے محفوظ مقامات پر آکر بس گئے۔ شاہ صاحبؒ کی آمد کے بعد مسلمانوں کی آبادی میں کافی اِضافہ ہوا اور وہ بھلیس، بھدرواہ وغیرہ علاقوں میں پھیل گئے۔ ایسے بھی جب شاہ صاحبؒ اور اُن کا کارواں بغداد سے دہلی، آگرہ اور وہاں سے تحصیل راجوری کے پہاڑی علاقوں سے ہوتے ہوئے گول، ڈینگ بٹل، رام بن، پرستان، ڈوڈہ، کشیوان، بھنڈار کوٹ وغیرہ راستوں سے کشتواڑ پہنچے تو راستے میں اُن کی تبلیغ اور توحید پرستی سے متاثر ہوکر ہزاروں لوگوں نے اِسلام قبول کیا۔ اُن کی تشریف آوری سے حضرت امیر کبیرؒ کی وہ پیشن گوئی پوری ہوگئی جو اُنہوں نے کشتواڑ آکر کی تھی۔ شاہ صاحبؒ کی اولاد میں پہلی زوجہ سے دو بیٹے شاہ اسرار الدینؒ، شاہ انوار الدینؒ اور دُوسری زوجہ محترمہ سے ایک بیٹا شاہ اخیار الدینؒ ہوئے۔ شاہ فرید الدینؒ کے فرزندان کے دستِ فیض سے ہزاروں لوگوں نے اِسلام قبول کیا۔ اِس بارے میں مسٹر نیک چند کوتوال اپنی معروف کتاب "کلچرل ہیری ٹیج"

کے صفحہ ۱۴۲-۱۴۳ پر یوں رقمطراز ہیں:

"—— ایک بات ناقابلِ تردید ہے کہ ضلع ڈوڈہ میں مذہبِ اسلام کے پھیلاؤ کو بڑے پیار اور صدق دِلی سے قبول کیا گیا نہ کہ کشمیر کے کچھ جاہل اور دقیانوسی حکمرانوں کی طرح کسی تلوار کے زور سے یا ظلم سے۔ ضلع ڈوڈہ میں لوگ ایک خدا دوست قلندر سیّد محمد فرید الدین بغدادیؒ جو زیادہ تر شاہ فرید الدینؒ کے نام سے مشہور ہیں، کے پیار اور شفقت کو دیکھ کر اور اس سے لُطف اندوز ہو کر مشرف بہ اِسلام ہوئے۔ اُس خدا دوست کے لئے تمام بنی نوع اِنسان برابر کا درجہ رکھتے تھے اور اُنہوں نے راہِ مستقیم پر چلنے کی دعوت بلا لحاظ مذہب یا رنگ و نسل اُن سب کو دی، جنہیں اُنؒ سے ملنے کا موقع ملا۔ اُنؒ کی بلند پایہ رُوحانیت خدائے واحد کی عبادت اور بندگی کا طریقہ ہی ایک خاص وجہ تھی جس سے لوگ اُس مردِ خدا کے عقیدے کی طرف کھینچے آئے۔ اُنؒ کی رُوحانی طاقتوں سے متاثر ہو کر اُن کے ہی ہم پایہ بزرگ جنگلواڑ کے باوا بدھی داس اُس اعلیٰ رُوحانی پیشوا سے ملنے گئے ——"

وہ مزید لکھتے ہیں کہ —— "مغلانی بیگم کے کشتواڑ پر حملے اور اُس کی کشمیر واپسی پر راجہ پرتاپ سنگھ نے بھدرواہ کی فوج کی مدد سے مُغل فوجوں کا خاتمہ کر کے کشتواڑ پر دوبارہ قبضہ جما لیا اور یہ کہ اُس وقت تک ستر (۷۰) فی صدی لوگوں نے اِسلام قبول کر لیا تھا۔" اُن کے خیال میں "گنائی پہلا فرقہ تھا جس نے چک خاندان کے ظالمانہ دور (۱۵۵۴ء تا ۱۵۸۶ء) کے دوران بھدرواہ کی طرف ہجرت کی اور وہاں ہی آباد ہو گیا۔ خصوصاً یوسف شاہ چک (۱۵۷۹ء تا ۱۵۸۵ء) کے دور میں جس میں سُنی مسلمانوں اور ہندوؤں کو یکساں طور پر کُچلا گیا ——"

حضرت شاہ فرید الدین بغدادیؒ کی کشتواڑ میں تشریف آوری کے بعد اُن کی اِسلام کی اشاعت کے سلسلہ میں خدماتِ جلیلہ کا ذِکر کرتے ہوئے مسٹر ولی محمد اسیر

---

۱ "کلچرل ہیری ٹیج" از: نیک چند کوتوال، صفحہ: ۱۴۲-۱۴۳، ترجمہ: بشیر بھدرواہی

کشتواڑی ''تصویرِ ضلع ڈوڈہ'' کے صفحہ ۲۶۸ پر یوں لکھتے ہیں —— ''جس طرح شاہ ہمدانیؒ کی تشریف آوری سے کشمیر میں اشاعت اسلام کی بنیادیں اُستوار ہوئی تھیں عین اُسی طرح حضرت شاہ فرید الدین بغدادیؒ کے کشتواڑ آنے کے بعد دینِ حق کا نور ضلع ڈوڈہ میں ہی نہیں بلکہ ضلع اُودھم پور کے مہور، گلاب گڑھ، چھینی اور ڈوڈو بسنت گڑھ وغیرہ علاقوں تک پھیل گیا۔ اِس وقت ضلع ڈوڈہ کی آبادی کا چونسٹھ (۶۴) فیصدی حصّہ اہلِ اسلام پر مشتمل ہے ——''

حضرت شاہِ بغدادؒ کی ضلع ڈوڈہ میں خدمات کے بارے میں مسٹر شادؔ فرید آبادی کی تحریر کتنی مختصر بلیغ مگر مجمل ہے! وہ یوں رقمطراز ہیں —— ''حضرت شاہ صاحبؒ کا ہم پر احسان عظیم ہے کہ جنھوں نے رُوح فرسا ماحول، نامساعد حالات میں سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے ہم کو اِیمان کی دولت سے سرفراز کیا۔ توحید کی دِلنواز صداؤں سے قلب و دین کو روشنی عطا کی۔ اِسلام کے آفاقی اور ہمہ گیر نظامِ حیات سے ہم کو روشناس کرایا۔ وہ جہاں سے گزرے اِسلام کا نور تاریکیوں کو چیرتا ہوا آگے بڑھتا گیا۔ یہ وہی مردِ قلندر ہے جس نے بنجر زمین میں پھول کھلائے۔ ریگزاروں سے گلشن پیدا کیئے۔ سرزمینِ فرید آباد میں حضرت شاہ فرید الدینؒ نے برسوں علم و عرفان کی شمع روشن کی۔ اللہ کے دین کو پورے خلوص اور دیانتداری سے لوگوں تک پہنچایا۔ حضرت محمدؐ کے بتائے ہوئے راستے کی طرف لوگوں کو بلایا۔ اُن کا عشق صادق تھا، پہلو میں دہکتا ہوا دِل تھا۔ وہ اپنے مقصد میں کامیاب و کامران ہوئے ——''[1]

شاہانِ بغدادؒ کے تبلیغی کام کا دائرہ اثر ضلع اُودھم پور کے مہور، چھینی، ڈوڈو بسنت گڑھ اور رام نگر کے علاقوں تک بھی رہا۔ دراصل اِن بزرگان کی رُوحانی شخصیت، پرہیز گاری، زہد و تقویٰ اور اِنسان دوستی کا ہی نتیجہ تھا کہ لوگ مذہبِ اسلام میں جوق در جوق داخل ہوتے رہے۔ اِس مذہبی اِنقلاب سے یہاں کے تہذیب و تمدن

---

[1] بحوالہ ''تصویرِ ضلع ڈوڈہ'' از ولی محمد اسیر کشتواڑی، صفحہ: ۳۰۰

اور علم و ہُنر میں حیرت ناک تبدیلیاں رُونما ہوئیں۔ حضرت شاہ فرید الدینؒ کی تاریخ کا سب سے اہم باب اِس بات کا مظہر ہے کہ اُن کی شخصیت فرقہ پرستی اور مذہبی تنگ نظری یا گروہ بندی سے بالاتر تھی۔ اُنہوں نے اِنسانیت، رُوحانیت اور وحدانیت سے متعلق اپنے تبلیغی مشن کو خِطّہ ڈوڈہ کے تاریک گوشوں تک پہنچا کر یہاں کے باشندوں کو ایک روشن راہِ منزل سے ہمکنار کیا۔ اِسی لئے اُن کے دربار میں ہر رنگ و نسل اور فرقہ کے لوگ حاضر رہتے تھے۔ اُن کے خلفاء خصوصاً اُن کے فرزندِ ارجمند حضرت سیّد اخیار الدینؒ کی سعیء جمیلہ کے طفیل اِسلام کی روشنی خِطّہ ڈوڈہ اور اِس کے متصل راجواڑوں اور علاقوں تک بھی پہنچی اور دُور دُور سے علماء اور فضلاء یہاں آ کر آباد ہوئے۔ کشتواڑ کے کچھ اور راجے بھی مشرف بہ اِسلام ہوئے جن میں محمد سبحان سنگھ، عنایت اللہ سنگھ اور راجہ محمد تیغ سنگھ شامل ہیں۔ ظاہر ہے کہ اُن کی تبدیلیء مذہب کا اثر اُن کی رعایا پر بھی پڑا ہوگا اور بغیر کسی زور و جبر کے لوگوں کی ایک کثیر تعداد نے یہ مذہب قبول کیا ہوگا۔

افغان دور:

(۱۷۵۲ءتا۱۸۱۹ء)

احمد شاہ ابدالی نے لاہور سے عبداللہ خان کی سرپرستی میں کشمیر پر حملہ کرنے کے لئے پندرہ ہزار نفوس پر مشتمل فوج بھیجی جس نے کشمیر پر قبضہ کیا۔ اُسی سال کشمیر میں (۱۷۵۲ء) افغان گورنر عبداللہ خان مقرر ہوا۔ سکھ جیون مل نے ابوالحسن خان سے ساز باز کر کے گورنر کو قتل کروایا۔ رنجیت دیو نے افغانوں کی مدد کی اور سکھ جیون مل کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ اُسی دور میں سُنّی شیعہ فسادات بھی ہوئے۔ ۱۷۶۴ء سے ۱۷۷۸ء تک یہاں پر کئی گورنر بھیجے گئے۔ ۱۷۷۷ء میں حاجی کریم داد (گورنر) کے دور میں تقریباً ہر کشمیری فرد کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا گیا۔ رنجیت دیو والئی جموں کی، کشمیر میں

شکست کے بعد کریم داد نے لوگوں کو خستہ حال اور تباہ و برباد کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔ اُس دور میں لوگوں کی زمینیں ضبط کی گئیں اور کشت و خون کا عالم طاری رہا۔ ظلم و ستم کی تاب نہ لاتے ہوئے اُس دور میں کئی مسلمان لوگ ڈوڈہ، کشتواڑ اور بھدرواہ وغیرہ علاقوں میں وادیٔ کشمیر سے بھاگ کر چلے آئے۔ کریم داد نے ۱۷۸۳ء میں دم توڑا اور اُس کی جگہ آزاد خان گورنر مقرر ہوا۔ اُس نے کشتواڑ کا علاقہ بھی اپنے قبضہ میں لے لیا اور وہاں کے راجہ کو اپنا باج گزار بنا دیا۔ ۱۷۸۵ء میں مداد خان نے کشمیر پر حملہ کر کے اُس پر قبضہ کر لیا۔ اُس کے بعد مراد خان کو کشمیر بھیجا گیا جس نے کشمیریوں پر اضافی ٹیکس لگائے اور اُنہیں برباد کر ڈالا۔ اُس کے بعد کئی افغان حاکم کشمیریوں کو تنگ کرتے رہے۔ عطا محمد خان کے دور میں سُنّی شیعہ فسادات میں کئی بے گناہ لوگ مارے گئے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ اور فتح خان کی باہمی سازش سے سِکھ اور افغان فوجوں نے کشمیر پر حملہ کیا اور اُس پر قبضہ کر لیا۔ بعد میں عطا محمد خان کے ساتھ ایک معاہدے کے تحت شاہ شجاع کو کوہِ نور ہیرا اور اِس کے ساتھ اٹک کا قلعہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کو دیئے جانے کی شرائط طے پائیں۔ البیرونی نے عطا محمد خان گورنر کے بارے میں کیا خوب لکھا ہے: ”آزاد در جور و بیداد از کردہ پدر صد چند سفاک و بے باک بود، روز مرہ یک دو کس راحق و ناحق بہ قتل رسانید۔“ پٹھان راج کو ”دورِ ابتلاء“ سے موسوم کیا گیا ہے۔ لوگ ظلم و ستم اور لوٹ مار وغیرہ سے تنگ آکر اور اپنی جان بچا کر بیرونی ضلعوں میں چلے گئے اور بہت سے کشمیری دہلی، اُتر پردیش اور پنجاب وغیرہ کے علاقوں کے علاوہ بھدرواہ کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے، کیونکہ وہ پٹھانوں کی بربریت، بد اِنتظامی اور فرقہ واریت کو زیادہ دیر تک برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ بھدرواہ میں کچھ کشمیری پنڈت گھرانوں کو مقامی راجوں کی طرف سے زمینیں منتقل ہو چکی تھیں اور اِس کے علاوہ بھی یہاں کی مقامی ہندو آبادی میں وزیروں، کوتوالوں اور رانوں کے پاس بڑی بڑی جاگیریں تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ کاشتکاری کی غرض سے بہت

سے مسلمانوں کو کشمیر سے آنے کی اجازت دے دی گئی۔ اِسی طرح سے کاریگروں اور ہُنر مندوں کی کمی کو بھی مسلمان مہاجرین ڈوگرہ دور تک پورا کرتے رہے۔ مالکانِ جاگیر بھدرواہ نے مسلمان کاریگروں اور ہنر مندوں وغیرہ کو بھی زمینی قطعوں سے نوازا اور مقامی آبادی نے بھی بڑی رواداری اور فراخ دِلی سے مسلمان مہاجرین کو یہاں بسانے کا اہتمام کیا۔

سِکھ دور:

(۱۸۱۹ءتا۱۸۴۷ء)

۱۸۱۹ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے گلاب سنگھ کے ذریعہ کشمیر پر چڑھائی کی اور اُسی سال کشمیر سکھ راج میں شامل ہو گیا۔ اُس دور میں لوگوں پر بے شمار ظلم ڈھائے گئے۔ فقیر چند کی گورنری میں کشمیری اور افغان فوجوں کو قلع قمع کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی گئی۔ اُس کے بعد موتی رام ایڈ منسٹریٹر مقرر ہوا جس کے دور میں بیر دھر پنڈت کے ہاتھوں حکومت چلائی گئی۔ اُسی دور میں جامع مسجد سری نگر پر تالا لگایا گیا اور اذان دینے پر پابندی لگادی گئی۔ البتہ اُس کے بعد سردار ہری سنگھ نے موتی رام کی جگہ لی اور اُس نے جبری کام (بیگار) لینے پر پابندی لگائی اور کچھ ترقیاتی کاموں کی طرف توجہ دی۔ موتی رام کے ۱۸۲۲ء میں دُوسری بار گورنر مقرر ہونے پر لوگوں کی اِقتصادی حالت تباہ ہو گئی اور اُن پر قسم قسم کے ظلم ڈھائے گئے۔ اُس کے بعد ۱۸۲۵ء میں دیوان کرپا رام کو گورنر بنایا گیا' جس کے دور میں ہیضہ کی بیماری سے بڑا جانی نقصان ہوا۔ بھیما سنگھ کے دور میں شیعہ سُنّی فسادات ہوئے۔ ۱۸۳۲ء میں وادیٔ کشمیر میں زبردست قحط پڑا اور ساتھ ہی بے وقت کی برف باری بھی ہوئی۔ اِس کے نتیجہ میں چھ لاکھ کشمیری یا تو لقمہء اجل ہوئے یا اُنہوں نے دُوسرے علاقوں کی طرف ہجرت کی۔ کہا جاتا ہے کہ کشمیر میں سِکھوں کا دور لوٹ مار' استحصال اور بدعنوانیوں کی وجہ سے افغان عہد سے

بھی زیادہ بدنام رہا۔

افغان اور سِکھ دور کے دوران کشمیر کے دِلدوز واقعات، افسر شاہی، قحط سالی، بیگار، کسانوں اور شال بافوں پر ٹیکس اور اُن کی خستہ حالی کے بارے میں مورکرافٹ، جی. ٹیلر، ولیم ویکفیلڈ، ینگ ہسبنڈ، بامزئی، سروالٹر لارنس کے علاوہ مقامی مؤرخین نے تفصیل سے لکھا ہے۔ اُن ادوار میں ہونے والی بربریت کے علاوہ آفاتِ سماوی (بیماری، قحط سالی، زلزلے اور طوفان وغیرہ) کے نتیجے میں لوگ یہاں سے بھاگ نہ جاتے تو اور کیا کرتے۔ اُن ادوار میں وادیٔ کشمیر سے بہت سے مسلمانوں نے بھدرواہ اور بھلیس وغیرہ کے علاقوں کی طرف ہجرت کی اور اُن جگہوں پر آباد ہوگئے۔

کشمیر سے لوگوں کی ہجرت کی ایک وجہ ''بیگار'' بھی بتائی جاتی ہے، جو بقول بامزئی ——— ''بیگار کی بدعت راجہ شنکر ورمن کے عہد سے ہی کشمیر کے ایک سرحدی ریاست ہونے کی وجہ سے جاری تھی (شاید یہ بدعت اُس سے پہلے بھی رہی ہو) بڈشاہ کے وقت میں بھی بیگار لی جاتی رہی۔ افغان اور سِکھ حکومتوں میں بھی لوگوں سے زبردستی بیگار لی جاتی رہی۔ مہاراجہ گلاب سنگھ نے اِس بیگار لینے کے طریقے میں تبدیلی لائی۔ بیگار آہستہ آہستہ گاؤں میں لی جاتی رہی اور بیگار کے بدلے دھان دیا جانے لگا مگر جب بالآخر لوگوں نے اِس کے خلاف آواز اُٹھائی تو بیگار ختم ہوگئی ———''[1]

یاد رہے کہ بیگار عام حالات کے علاوہ مہم جوئی اور حملہ آوروں کے خلاف لڑنے کے لیے فوجی اسلحۂ جنگ اور رسد پہنچانے کے لئے بھی لی جاتی تھی۔ اِسی لئے گلگت کی مہم کے دوران بے شمار کشمیری کام آئے۔[2]

---

۱ ماہنامہ ''شیرازہ'' (سون ادب۔ تواریخ نویسی نمبر)، کلچرل اکیڈمی، صفحہ: ۲۳۶

۲ خاک پاکِ خطۂ کشمیر ہے جنت مگر
قہرِ دوزخ کا نمونہ ہے وہاں بیگار بھی

ڈوگرہ دورِ حکومت:

عہد نامہ امرتسر ۱۸۴۶ء کے تحت جب حکومت مہاراجہ گلاب سنگھ کو منتقل ہوئی تو مہاراجہ موصوف نے سکھ اور افغان دور میں کشمیریوں پر کئی گئی زیادتیوں اور بربریت کے شکار لوگوں کی آسودگی کے لئے کچھ اچھے اقدامات عمل میں لائے۔ تاہم اُس کے ناظم ''پنڈت راج کاک'' اور سرکاری اہلکاروں اور گورنروں کے ہاتھوں ظلم و جبر کا سلسلہ بدستور جاری رہا۔ راج کاک کے مشورے سے ہی مہاراجہ گلاب سنگھ نے ساری غیر مصدقہ جاگیروں کو اپنے نام کرلیا اور مالکان یا کرایہ داروں کو محض کاشتکاری کے عارضی حقوق رہے۔ اسی طرح سے بنکر اور شال باف ٹیکسوں کے بوجھ سے تنگ آکر ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے۔ ''تاریخِ حسن'' میں اُن سب واقعات کی تفصیل موجود ہے، جن کے نتیجہ میں یہاں کے باشندوں کے اقتصادی اور مالی حالات ابتر ہوتے گئے۔ اُن میں کچھ خاندانوں کی جائداد کا ضبط کیا جانا، شال بافوں کے ٹیکس کی رقوم میں اضافہ کرنا، زرِ نکاح جاری رہنا، ایک ایک زمیندار پر ساٹھ ساٹھ آدمیوں کا سوار رہنا، وزیر پنوں کے ظلم وستم، گلگت کی بیگار کے دوران کشمیریوں کی ایک کثیر تعداد کا ختم ہوجانا وغیرہ شامل ہیں۔ جاگیردارانہ نظام کے تحت ایک ایک جاگیردار اپنے علاقے کا جج، ایڈمنسٹریٹر، پولیس آفیسر حتیٰ کہ جاگیر کی حدود میں رہنے والی بہو بیٹیوں پر دسترس رکھنے کا پورا حق رکھتا تھا۔ حکومت کے اہلکاروں کے دوروں کے دوران مقامی چوکیدار لوگوں سے جبری کام (بیگار) کے علاوہ مختلف قسم کی ''رسوم'' وصول کرتے تھے، جن میں جنس یا نقدی کے علاوہ بالن کی فراہمی، مرغ وغیرہ لے کر آفیسر کے ہیڈ کوارٹر پر حاضر ہونے کے احکامات بھی شامل ہوا کرتے تھے۔

مہاراجہ گلاب سنگھ کے عہد میں شال بافوں نے اُن پر ڈھائے گئے ظلم وستم پر ۲۹ر اپریل ۱۸۶۵ء کو احتجاج کیا، جس کو بظاہر کچلا گیا۔ اُس واقعہ کے بعد بہت سے

لوگ یہاں سے ہجرت کر گئے ۔۱۸۷۸ء-۱۸۷۹ء کے دوران وادیٔ کشمیر میں زبردست قحط پڑا جس کے اثرات ۱۸۸۰ء تک موجود رہے۔ نتیجتاً آبادی کا ۲/۳ حصّہ ختم ہو گیا۔ فاقہ کش اور بھوکے لوگوں کے بارے میں مشہور ہو گیا کہ مہاراجہ اُنہیں بوریوں میں بھر بھر کر وُلر جھیل میں ڈبو دیتے ہیں۔ اِس پر انگریز حکومت نے مہاراجہ پر مقدمہ کھڑا کیا۔ مہاراجہ پرتاپ سنگھ نے ۱۸۸۵ء میں حکومت سنبھالی اور چالیس سال تک راج کیا۔ اُس کے دور میں بھی ۱۸۸۸ء' ۱۸۹۲ء' ۱۹۰۲ء' ۱۹۰۶ء اور ۱۹۱۰ء میں کشمیر میں قحط سالی کی وجہ سے بہت سی جانیں موت کی نذر ہو گئیں۔ اِس کے ساتھ ہی ۱۸۹۳ء اور ۱۹۰۳ء کے دوران وادی خوفناک طوفانوں کی زد میں آ گئی۔ مہاراجہ ہری سنگھ ۱۹۲۵ء میں گدی نشین ہوئے۔ اُن کے دور میں لوگوں کی بھلائی کے بہت سے کام ہوئے لیکن ریاست سے اُن کی اکثر غیر حاضری' کاروباری مشیروں کے ہاتھوں ''حکومت کی کل'' بقول اُن کے ایک وزیر خارجہ مسٹر بینر جی ''فرسودہ'' ہو گئی۔ وہ اپنا استعفیٰ یہ کہہ کر پیش کرتے ہیں ——

''ریاست کی کثیر مسلم آبادی جہالت' غربت اور پسماندگی کی وجہ سے جانوروں کی سی زندگی بسر کر رہی ہے۔ عوام اور حکومت میں کوئی رابطہ نہیں اور عوام کو اپنی شکایات حکومت تک پہنچانے کا کوئی وسیلہ نہیں ہے۔ حکومت کی کل فرسودہ ہو گئی ہے۔''

بینر جی کے استعفے سے ریاست میں کھلبلی سی مچ گئی اور بعد میں ۱۹۳۱ء میں جیل کے باہر مظاہرین پر گولی چلانے کے واقعے نے لوگوں کو ''کشمیر چھوڑ دو'' کی تحریک شروع کرنے پر آمادہ کیا۔ تاہم ڈوگرہ راجگان کے دور میں بھی بھدرواہ ایک جاگیر کی حیثیت میں رُوبہ ترقی رہی اور سبھی مہاراجوں نے یہاں کے معاملات سلجھانے میں کافی دلچسپی لی۔ اُسی دور میں بہت سے کشمیری مسلمان ڈوڈہ' بھدرواہ' کشتواڑ' بھلیس' مرمت اور دیگر مقامات پر آ کر آباد ہوئے۔ ساتھ ہی ساتھ وادیٔ بھدرواہ میں کشمیری پنڈتوں کی ایک خاصی تعداد بھی آ کر بس گئی۔ مسلم مہاجرین دستکار' ہنر مند' تجار'

کاشتکار' کاروباری شخصیات' مزدور' پیر' فقیر' سادات اور مبلّغ جب کہ پنڈت برادری میں کچھ راج گُرو' دِھوان اور پڑھے لکھے حضرات شامل تھے۔ پروفیسر ٹی.این.موزہ کے الفاظ میں ــــــ

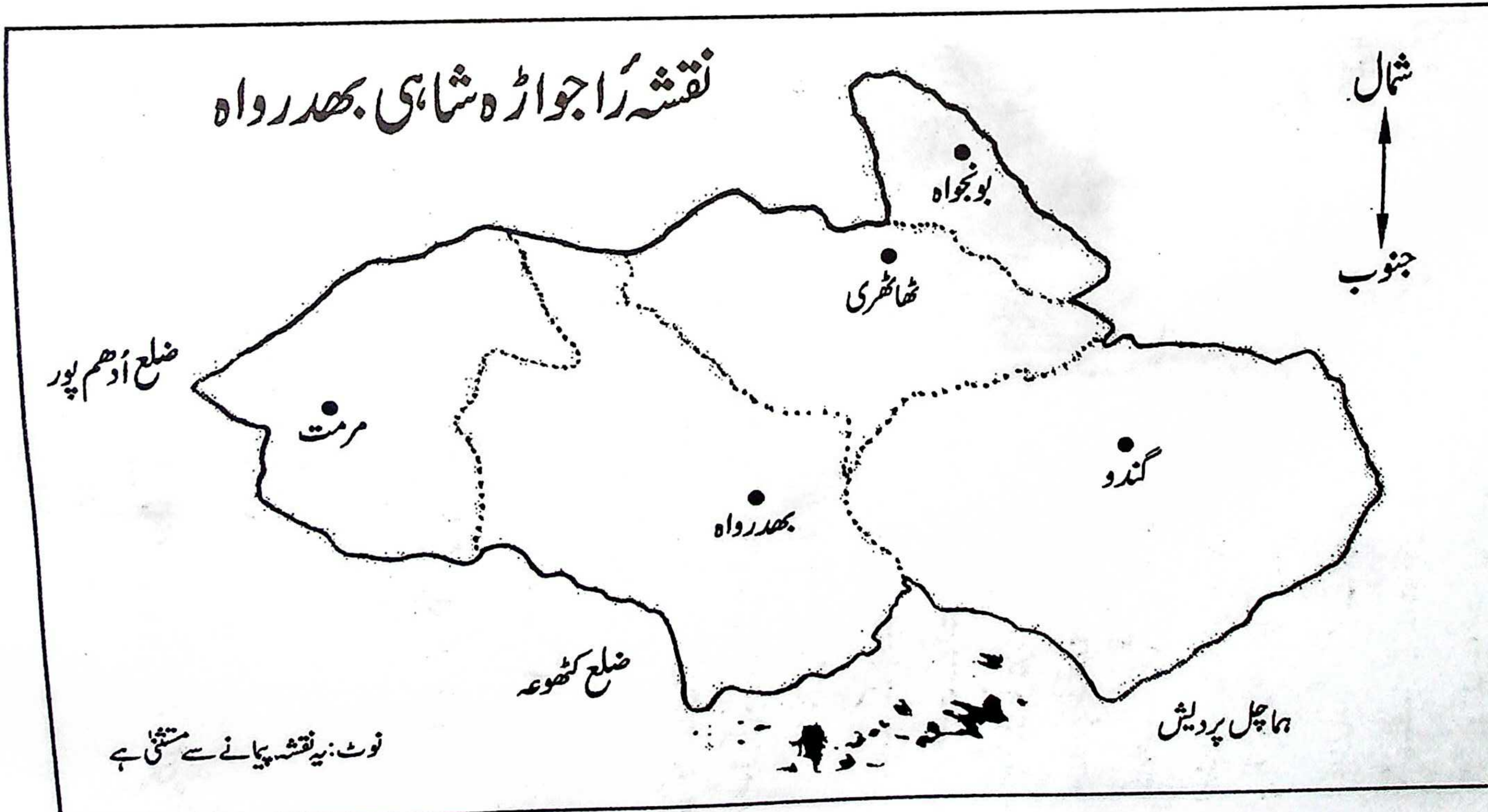
''کشمیری مہاجرین نے بھدرواہ کو مستقل طور پر رہائش کے لئے موزوں ترین مقام پایا' جس کی سرد اور موزوں آب و ہوا' پہاڑوں' جنگلات اور دریاؤں کی موجودگی اور اُن کی دِل کشی اور اِس کی جغرافیائی خصوصیات ایک کشمیری ذہن کے لئے ناقابلِ مزاحمت اور ناگزیر تھیں۔ خدوخال اور آب و ہوا میں بھدرواہ کی وادی کشمیر سے بہت قریبی مماثلت رکھتی ہے۔ کشمیریوں کی بھدرواہ میں آمد کی چاہے کچھ بھی وجوہات ہوں لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ موجودہ کشمیری لوگ بھدرواہ کی آبادی کا نمایاں حصّہ ہیں ــــــ''[1]

***

---

[1] پروفیسر ٹی.این.موزہ، ''شاہین'' میگزین ڈِگری کالج بھدرواہ' ۱۹۷۱ء' صفحہ: ۱۴۵-۱۴۶'
اُردو ترجمہ: بشیر بھدرواہی

نقشہ راجواڑہ شاہی بھدرواہ



بھدرواہ ڈوگرہ حکمرانوں کے تحت

(۱۸۴۶ء تا ۱۸۵۷ء)

مہاراجہ گلاب سنگھ:

(۱۸۴۶ء تا ۱۸۵۷ء)

ڈوگرہ خاندان کے سالارِ اعلیٰ گلاب سنگھ، جو مہاراجہ رنجیت سنگھ کا معتمد خاص تھا، کو ۱۶؍جون ۱۸۲۲ء کے دِن دریائے چناب کے کنارے اکھنور کے مقام پر مہاراجہ موصوف کی صدارت میں سلطنتِ جموں کا راجہ بنا دیا گیا اور اُسے راج تلک لگایا گیا۔

مملکتِ بھدرواہ کی راجہ گلاب سنگھ کو منتقلی اور اِس کے ڈوگرہ سلطنت میں ضم کئے جانے کے بارے میں پچھلے صفحات میں تفصیل سے ذِکر کیا جا چکا ہے۔ یہ مملکت ڈوگرہ حکومت کے تحت آنے والی سب جاگیروں کے عین درمیان میں آ چکی تھی اور کشتواڑ کی جاگیر بھی صوبہ جموں ہی کا ایک حصّہ بن چکی تھی۔ گلاب سنگھ محض اِس لئے بھدرواہ پر حملہ آور ہونے سے گریز کر رہا تھا کیونکہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی ایک سند چمبہ کے راجہ کے پاس تھی، جس کی خلاف ورزی کرنا گلاب سنگھ کے بس کی بات نہیں تھی اور نہ ہی یہ کوئی مناسب قدم ہوتا۔ اِن حالات میں گلاب سنگھ نے بھدرواہ کے ''مقامی ناراض عناصر'' کی حوصلہ افزائی کرنا شروع کی، جو چمبہ راج کے تحت کام کرنے والے اہلکاروں کے ظلم و ستم سے نالاں اور ناراض تھے۔ اُن میں شکتو، کندن اور اِگرہ کوتوال شامل تھے۔ موقع غنیمت جان کر اور حالات سازگار دیکھ کر گلاب سنگھ نے اپنی توسیع پسندانہ پالیسی کے تحت اُس طرف بھی اپنے ہاتھ پاؤں مارنا شروع کئے۔ اُس وقت

مہاراجہ رنجیت سنگھ بھی بوڑھا ہو کر اپنے آخری سفر پر تھا اور دُوسری طرف چمبہ میں بھی وزیر نتھو، جسے رنجیت سنگھ کی حمایت حاصل تھی، بوڑھا ہو چکا تھا اور اب سیاست وغیرہ سے کنارہ کش ہو چکا تھا۔

جموں کے اُن دونوں ڈوگرہ بھائیوں یعنی گلاب سنگھ اور سوچیت سنگھ کا سِکھ حکمرانوں کے دربار میں کافی اثر ورسوخ تھا جس وجہ سے وہ کافی سے زیادہ اِختیارات کا اِستعمال کر رہے تھے۔

۱۸۳۹ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کی بھی موت واقع ہوئی، تاہم گلاب سنگھ ابھی سِکھوں کے ڈر کی وجہ سے بھدرواہ پر حملہ کرنے سے ہچکچاتا رہا۔ لیکن لاہور میں سکھوں کی حکومت کمزور ہو جانے اور بھدرواہ میں حکومت کے خلاف باغی عناصر کی سرگرمیوں کی وجہ سے اب وقت آ گیا تھا کہ اِس مملکت کو بھی جموں کی ڈوگرہ سلطنت کے ساتھ ملانے کا بندوبست کیا جائے۔ جیسا کہ پہلے ذِکر کیا جا چکا ہے کہ انگریز اور سِکھ افواج کے درمیان جنگ شروع ہوئی تو راجہ گلاب سنگھ نے زور آور سنگھ اور پراکرم سنگھ کے حقوق کو بالائے طاق رکھ کر اِس مملکت کو جموں میں شامل کر لیا۔ حالانکہ اِس سے کچھ ہی عرصہ پہلے ریاست جموں و کشمیر کے بہت سے علاقوں، جن میں رام نگر، چنہنی، ریاسی، کشتواڑ اور لداخ کے علاقے شامل تھے، کو ڈوگرہ سلطنت میں شامل کر لیا گیا تھا۔ عہد نامہ امرتسر (۱۸۴۶ء) طے ہونے کے بعد راجہ گلاب سنگھ کے حوصلے بڑھتے گئے تھے اور وہ بہت سی پہاڑی ریاستوں یا راجواڑوں کو فتح کر کے ڈوگرہ سلطنت میں ضم کر کے ایک مضبوط حکومت کا قیام عمل میں لا چکا تھا۔

ڈاکٹر پریتم کرشن کول کے مطابق ——— "۱۸۴۶ء سے لے کر ۱۸۵۷ء میں اُس کی موت واقعہ ہونے تک گلاب سنگھ نے اپنی فتوحات کا سلسلہ کشمیر کے شمال، مغرب اور مشرق میں واقع پہاڑی علاقوں تک جاری رکھا۔ ریاست جموں و کشمیر کی بنیاد ڈالنے کا سہرا راجہ گلاب سنگھ کی بالغ سیاسی دانش، اُس کے سکھوں اور انگریزوں کے

ساتھ اچھے تعلقات' اور وزیر رتنو' دیوان ہری چند اور کرنل بستی رام جیسے لوگوں کی قائدانہ صلاحیتوں کے علاوہ اُن پہاڑی لوگوں کی نا قابلِ فراموش خدمات کو بھی جاتا ہے جنہوں' نے اُن مہمات میں اپنی عزیز جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔ ڈوگرہ نواسیوں کی دلیری کے بارے میں بہت کچھ کہا اور گایا گیا ہے خصوصاً لداخ کی فتح کے بارے میں۔ لیکن اِس حقیقت سے کم ہی لوگ واقف ہیں کہ ریاسی اور کشتواڑ کی چڑھائی کے دوران دھیان گڑھ' رام بن' ڈوڈہ' بونجواہ' کشتواڑ اور پاڈر علاقہ جات سے فوج کے لئے نوجوانوں کی ایک بھاری تعداد بھرتی کی گئی تھی۔ مہاراجہ گلاب سنگھ کی ڈوگرہ فوج کا بیشتر حصّہ پہاڑی جوانوں پر مشتمل تھا اور اُن نوجوانوں کی ایک کثیر تعداد گلگت کی مہم کے دوران کام آئی تھی ——— "

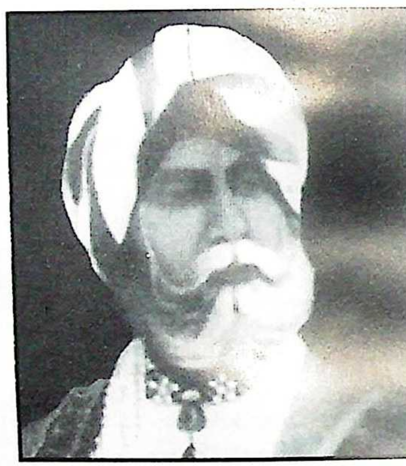
"مہاراجہ گلاب سنگھ کی سلطنت میں مکمل طور پر شامل ہونے کے بعد بھدرواہ کا راجواڑہ کافی عرصہ تک ڈوگرہ راجکماروں کی ذاتی جاگیر بنا رہا۔ اِس لئے اُسے ایک خومختار ریاست کی جیسی مراعات حاصل نہیں رہیں۔ تاہم یہاں مقامی طور پر امن وسکون کی فضا قائم رہی۔ اِس کے نتیجے میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دور میں یہاں پر آئے ہوئے جولاہوں نے نورپور اور امرتسر کے تاجروں کے لئے اپنی اُونی صنعتیں پھر سے شروع کر دیں۔ بھدرواہ ڈوگرہ حکمرانوں اور مقامی جاگیرداروں کے لئے آمدنی کا ایک اچھا مقام اور ذریعہ بن گیا۔ گو جنگلات کی لکڑی اُن کی آمدنی کا ایک خاصہ حصّہ بنی رہی تاہم اُنہوں نے مقامی باشندوں اور کاشتکاروں کی فلاح و بہبود کے لئے کبھی کوئی پروا نہیں کی۔ اُن (پریشان حال) لوگوں کا ذریعہء معاش کھیتی باڑی' جانوروں کا پالن پوشن اور جنگلاتی مزدوری تک ہی منحصر رہا۔ ڈوگرہ حکومت کی آمد کے ساتھ ہی راجہ سنگرام پال والئ بسوہلی سے لے کر راجہ چڑھت سنگھ والئ چمبہ کے وقت تک آرٹ' تمدن' سنگ تراشی اور مصوری کے فنون میں حاصل شدہ ترقی کا خاتمہ ہو گیا۔ ہمیں مہاراجہ گلاب سنگھ کے دور میں مقامی طور پر تعمیر و ترقی کا کوئی قابلِ ذکر کارنامہ نہیں ملتا۔



مہاراجہ رنجیت سنگھ



مہاراجہ گلاب سنگھ



مہاراجہ رنبیر سنگھ



مہاراجہ پرتاپ سنگھ



راجہ امر سنگھ



مہاراجہ ہری سنگھ

البتہ صرف راجہ امر سنگھ کے وقت میں حکومتی کارندوں کی طرف اِس جاگیر کی طرف قدرے توجہ دی گئی اور اسے ایک پہچان سی حاصل ہوگئی ______"

("ہمالین پرنسی پیلٹیز" از: ڈاکٹر پریتم کرشن کول، ص: ۲۲۲، ترجمہ: بشیر بھدرواہی)

کچھ مؤرخین کی تحریروں کے مطابق ۱۸۴۶ء میں عہد نامہ امرتسر طے ہونے کے بعد مہاراجہ گلاب سنگھ کے دور میں بھدرواہ ایک فوجی چھاؤنی جیسی لگتی تھی جس پر فوج کی حکومت تھی۔ البتہ اُس کا سرکاری اِنتظام ایک ایڈمنسٹریٹو آفیسر چلاتا تھا۔ یہاں کے سمیال نژاد کے مقامی حاکموں کو بہت سے اِختیارات حاصل ہو چکے تھے، جس کی وجہ سے اُنہوں نے مقامی باشندوں پر ظلم وستم کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ یہاں تک کہ اُن کے بڑے بڑے زمینی قطعات تک بھی چھین لئے تھے۔ کوتوال نیک چند کی تحقیق کے مطابق ______ "ٹھاکور اور ہریجن لوگوں کو جانوروں کی طرح ستایا اور دھمکایا جاتا رہا۔ اُن میں صرف اِس لئے خوف ہراس پیدا کیا جاتا تھا تاکہ وہ کہیں اُن کی بالادستی کے خلاف اُٹھ کھڑے نہ ہوں۔ ڈوگرہ حکمرانوں کے ہاتھوں وہ لارڈ (حاکم اعلیٰ) جیسے بڑے بڑے منصبوں پر فائز رہے۔ جموں کے مہاراجہ کی طرف سے مالیہ وغیرہ کی رقوم جمع کرنے کی خاطر اُن کو مختلف پرگنوں کا ذیلدار تعینات کیا گیا۔ مالیہ جمع کرتے وقت بھی اُنہوں نے مقامی باشندوں کے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کیا اور اُنہیں کسی معمولی سی غلطی کے لئے سخت سے سخت سزائیں دی گئیں۔ گرمی کی سخت تمازت میں ایسے شخص کو بٹھا کر اُس کے سر پر ایک چٹیل پتھر رکھا جاتا تھا اور دیگر لوگوں کو اُس پتھر پر بادام اور ساڑھی کی گٹھلی توڑنے کو کہا جاتا تھا۔ یہ سلسلہ "ملزم" کی ناک سے خون پھوٹنے تک جاری رکھا جاتا تھا۔ اُن خاندان کے گنے چنے لوگ ایسے طریقوں سے مقامی باشندوں پر اپنی بالادستی قائم کرتے ہوئے اُن سے زر خرید غلام کے طور پر بلا معاوضہ کام کرواتے تھے (یعنی بیگار لیتے تھے)۔ کام سے اِنکار کرنے کی صورت میں اُنہیں بُرا بھلا کہہ کر مارا پیٹا جاتا تھا۔ یہ سلسلہ مہاراجہ ہری سنگھ کے عنانِ حکومت

سنبھالنے تک جاری رہا ——— ''

(''پولٹیکل اینڈ کلچرل ہیری ٹیج'' از نیک چند کوتوال' صفحہ: ۱۳۹ تا ۱۴۰' ترجمہ: بشیر بھدرواہی)

تاہم مہاراجہ گلاب سنگھ سے ہر کوئی سائل ایک روپیہ کا نذرانہ پیش کرنے اور ''مہاراجہ کی جے ہو'' کا نعرہ دینے کے بعد مل سکتا تھا اور اپنی عرضی پیش کر کے اِنصاف حاصل کر سکتا تھا۔ لیکن پیسے کی نایابی کی وجہ سے ملک کے غریب عوام خاص طور پر دُور افتادہ اور پسماندہ علاقوں کے باشندوں کے لئے مہاراجہ سے ملنا ایک جُوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔ مہاراجہ گلاب سنگھ کے زمانے میں ایک روپے میں مکئی دو من پختہ یعنی ۸۰ کلو اور چاول موٹا ایک من پختہ اور ساڑھے ۲۲ سیر یعنی ۲۵ کلو مل جاتا تھا۔ اِسی طرح ماش اور مونگی کی دالیں ۲۰ کلو اور روغن زرد یعنی گھی دیسی ۵ کلو فی روپیہ دستیاب تھا۔ مہاراجہ گلاب سنگھ چونکہ خود ہر جگہ نہیں پہنچ سکتا تھا' اِس لئے عام لوگ سرکاری اہلکاروں' ذیلداروں اور زمینداروں کے جور و ستم کا نشانہ بنتے تھے۔

رسمِ بیگار کی کارِ سرکار میں تبدیلی:

مہاراجہ گلاب سنگھ کو بالآخر اِس بات کا احساس ہو گیا کہ اُس کی ریاست میں بیگار اور جبری مزدوری کا رواج سرکاری کارندوں کے ذریعہ ہی عام ہو گیا ہے جس سے عام رعایا خوف زدہ ہو جاتی ہے اور اِس سرکاری رسم کی وجہ سے لوگوں کو بہت زیادہ مصیبت اور مشکلوں کا سامنا ہے۔ چنانچہ اُس نے اِس بیگار کو کارِ سرکار میں بدلنے کے لئے ایک آفیسر مقرر کیا جس کے ذمہ یہ کام سپرد ہوا کہ وہ ہر گاؤں میں اُن لوگوں کی ایک خاص تعداد مقرر کرے' جو سرکاری کام کے لئے لگائے جائیں اور اُنہیں سرکاری گوداموں سے ہر ماہ چاولوں کا ایک خروار بابت خوراک دیا جایا کرے' تاہم دُور دراز علاقوں میں بیگار کا رواج ڈوگرہ راج کے آخری ایّام تک جاری رہا۔

مشہور مستشرق سَر والٹر لارنس نے مہاراجہ گلاب سنگھ کی تعریف اِن الفاظ

میں کی ہے ——— ''مہاراجہ گلاب سنگھ ایک بہادر، دُور اندیش اور مدبّر شخص تھا۔ مہاراجہ کی توجہ سب سے پہلے اپنی وسیع ریاست اور مملکتی جائیداد کی حفاظت کی طرف مبذول ہوئی اور اُنھوں نے کوہستان کے علاقہ کو ایک قلعہ بنا دیا ——— اُس نے مخالف عناصر اور جرائم کو کچل ڈالا۔ رعایا عام طور سے اُس سے خوفزدہ بھی تھی اور اُس کا احترام بھی کرتی تھی۔ وہ ایک قابل، منصف مزاج اور بردبار حکمران تھا ———''

سیاسی اور حفاظتی وجوہات کی بناء پر گلاب سنگھ نے انگریز سرکار کو خصوصی طور پر ایک عرض داشت بھیجی تھی کہ وہ باہر سے آنے والے سیاحوں کو براستہ بھدرواہ اور بانہال وادی میں داخل ہونے پر پابندی عائد کر دے، جس کے رِدِّ عمل میں لارنس کی طرف سے ۲۳ر جنوری ۱۸۵۳ء کو ایک مراسلہ کے ذریعے اُن پر پابندی لگا دی گئی، جو گلاب سنگھ کی موت یعنی ۱۸۵۷ء تک قائم رہی۔

فریڈرک ڈریو کے لکھنے کے مطابق گلاب سنگھ اب شہرت کے بام پر پہنچ چکا تھا اور برطانوی کمپنی نے اُس کی صلاحیتوں اور اُس کی اہمیت کا لوہا مان لیا تھا۔ کیونکہ اُس کی ریاست رُوس، یورپ اور مغربی ایشیا کی سرحدوں تک قائم ہو چکی تھی، جہاں برطانوی کمپنی کو اپنا سیاسی مفاد زیرِ نظر تھا۔ اِسی وجہ سے مہاراجہ گلاب سنگھ، مہاراجہ رنبیر سنگھ اور راجہ موتی سنگھ کا ۱۸۸۴ء میں برطانیہ سرکار کی طرف سے لاہور کے مقام پر شاندار طریقے سے اِستقبال کیا گیا۔

مہاراجہ گلاب سنگھ کی وفات اور

مہاراجہ رنبیر سنگھ کی تاج پوشی:

مہاراجہ گلاب سنگھ بوڑھا ہوتا جا رہا تھا۔ اُس احساس نے اُسے میاں رنبیر سنگھ کو اپنی سرکار کی مختلف ذمہ واریاں سونپنے اور اُس سے سرکاری مسائل پر صلاح مشورہ

کرنے پر آمادہ کیا۔ مہاراجہ گلاب سنگھ نے میاں رنبیر سنگھ کو اپنا موروثِ اعلیٰ مقرر کر دیا اور اُس سلسلہ میں ۲۰ /جنوری ۱۸۵۶ء کو باضابطہ طور پر ایک شاندار تقریب کا اِنعقاد بھی عمل میں لایا گیا۔

مہاراجہ گلاب سنگھ ۶۵ سال کی عمر میں ۳۰ /جون ۱۸۵۷ء کو علاقہ رام باغ، سری نگر میں اِس جہانِ فانی سے کوچ کر گیا اور اُس کی جگہ مہاراجہ رنبیر سنگھ گدی نشین ہوا۔ ایک پٹہ کے تحت رنبیر سنگھ کو مہاراجہ کے خطاب سے نوازا گیا، جس میں اُس کے مذہب، اُس کے ایسٹ انڈیا کمپنی یا برطانوی سرکار اور ریاست کے شہریوں کے ساتھ تعلقات کا بھی ذِکر تھا۔ مہاراجہ گلاب سنگھ کی وفات کے بعد ''بھدرواہ'' کا علاقہ مہاراجہ رنبیر سنگھ کو بطور جاگیر عطا ہوا۔ مہاراجہ گلاب سنگھ نے میاں رنبیر سنگھ کو اپنی زِندگی میں ہی ریاست جموں وکشمیر کا راج تلک دے دیا تھا اور خود علیحدگی اِختیار کر لی تھی۔

مملکتِ بھدرواہ میں
راجہ تیغ سنگھ والیٔ کشتواڑ کی آمد:

راجہ محمد تیغ سنگھ والیٔ کشتواڑ (۱۷۸۴ء-۱۸۲۱ء) کے شاہی خاندان کے کچھ افراد اُس کا اقتدار حاصل کرنے کے لئے اُس کے اور اُس کے خیر خواہ وزیر پنڈت نندرام کے خلاف سازشیں کرتے رہے۔ اُس وقت تیغ سنگھ کم سن تھا اور اپنی پھوپھی انوردیئی کی ریجنسی میں تھا۔ اُنہوں نے اُن کے خلاف چند جاگیرداروں کی مدد سے کشمیر جا کر صوبیدار کشمیر کے کان بھرے اور اُس کو کشتواڑ کے ناساز گار حالات کے پیشِ نظر کشتواڑ پر حملہ کرنے پر آمادہ کیا اور اُس سے کچھ فوج لے کر خدادوست کی سرداری میں بطرف کشتواڑ رجوع کروایا۔ شاہی خاندان کے دو افراد انور سنگھ اور رتن سنگھ سازش کے سرغنہ تھے۔ جب کشمیر سے یہ فوج چھاترو (کشتواڑ) کے مقام پر پہنچی اور ساتھ ہی کشتواڑ کی سیاسی فضا بھی نندرام کے مخالف ہوگئی تو گھبراہٹ کے عالم

میں نندرام نے تیغ سنگھ کو ساتھ لے کر بھاگ جانے کی ٹھان لی اور وہ اُس کے خاندان کے افراد کو لے کر بھدرواہ پہنچ گیا۔ اِس طرح سے (۱۷۷۵ء-۱۷۷۶ء) میں انور سنگھ اور رتن سنگھ کو بالترتیب ڈوڈہ اور کشتواڑ کے علاقوں کی حکومت حاصل ہوئی' جو دیرپا ثابت نہ ہو سکی۔ کچھ ہی عرصہ کے بعد راجہ بھدرواہ کی مدد سے پنڈت نندرام' تیغ سنگھ کو لے کر ڈوڈہ پر حملہ آور ہوا اور ڈوڈہ پر اُس کا قبضہ ہو گیا۔ اِس اثناء میں انور سنگھ ڈوڈہ سے فرار ہوا اور کشتواڑ میں اپنے بھائی کے پاس پہنچ گیا۔ میدان صاف دیکھ کر نندرام اور تیغ سنگھ محالہ (ڈوڈہ) کے مقام پر پہنچے' جہاں سے اُنہوں نے اُن دونوں بھائیوں کو کشتواڑ پیغام بھیجا کہ وہ محالہ آ جائیں تا کہ بھائی بھائیوں میں صلح صفائی سے علاقہ جات کی تقسیم ہو سکے اور باہمی جھگڑے ختم ہو جائیں۔ وہ اُن کے اس فریب میں آ کر محالہ پہنچ گئے جہاں اُن کی شاہانہ آؤ بھگت ہوئی لیکن آرنوڑہ گھٹ ڈوڈہ کے رانا رتن سنگھ اور ادھیانپور کے امیر اللہ بیگ نے اُن دونوں بھائیوں کو رات کے وقت قتل کر ڈالا۔ اِس طرح سے تیغ سنگھ نے اپنی کھوئی ہوئی حکومت واپس حاصل کر لی۔ ۱۷۹۶ء میں انور دیئی کے تحت عمل میں آئی ہوئی رجینسی ختم ہوگئی اور محمد تیغ سنگھ باضابطہ طور پر کشتواڑ کی گدی پر بیٹھا۔ لیکن زیادہ دیر تک اُس کی قسمت نے اُس کا ساتھ نہیں دیا اور اندرونی حالات بگڑ گئے۔ حالانکہ اُس کی حکومت ہر لحاظ سے ایک مثالی حکومت تھی۔ وہ کشتواڑ پر ۱۸۱۴ء تک بڑی شان سے حکومت کرتا رہا۔

شاہ شجاع کی کھلینی میں آمد:

راجہ محمد تیغ سنگھ علاقہ سراج ڈوڈہ کا دورہ کر رہا تھا کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی قید سے مفرور شدہ ''شاہ شجاع'' بھیس بدل کر پہلے لدھیانہ پہنچا' پھر وہاں سے جموں اور وہاں سے سابقہ راجواڑہ بھدرواہ کے کھلینی کے مقام پر وارد ہو کر وہاں پر مقیم ہوا۔ راجہ محمد تیغ سنگھ کو جب یہ اِطلاع ملی کہ شاہ شجاع کھلینی میں ہے تو اُس نے اپنے چند

قابلِ اعتماد ساتھیوں کے ذریعہ سے اُس کو کشتواڑ آنے کی دعوت دی۔ حالانکہ وہ بھدرواہ جانے کا اِرادہ کر چکا تھا۔ اُس نے تیغ سنگھ کی دعوت قبول کی اور کشتواڑ روانہ ہو گیا' جہاں راجہ تیغ سنگھ نے اُس کا شاہانہ طور پر اِستقبال کیا۔ دونوں اشخاص کی طبیعتیں مل گئیں۔ دونوں ذوقِ سلیم اور فہم فراست کے مالک تھے۔ دونوں کو شعر گوئی سے بڑا شغف تھا۔ تیغ سنگھ کی مہمان نوازی نے شاہ شجاع کی ساری پریشانی اور ذہنی کوفت کو دُور کر دیا۔ راجہ نے شاہ شجاع کی شادی یہاں کی ایک مقامی خاتون ''شکری دید'' سے کروائی جو بہت ہی حسین اور با ذوق خاتون تھی۔

دُوسری طرف مہاراجہ رنجیت سنگھ' راجہ تیغ محمد سنگھ سے اِس بات پر سخت ناراض ہوا کہ اُس نے شاہ شجاع کو کیوں شاہی پناہ میں رکھ کر اُس کی حد سے زیادہ مہمان نوازی اور خاطر داری کی۔ اِس ناراضگی نے راجہ تیغ سنگھ کی نیندیں حرام کر دیں۔ مہاراجہ گلاب سنگھ نے ایک جعلی خط لکھ کر تیغ سنگھ کو لکھپت وزیر کے خلاف کر دیا۔ تیغ سنگھ نے لکھپت وزیر کو مروانے کی سازش کی جس کے نتیجے میں وہ اُس کے دونوکروں کے ہاتھوں شدید طور پر زخمی ہوا۔ حالات خراب ہوتے رہے۔ شاہ شجاع کشمیر کی اپنی موروثی حکومت پر قابض ہونا چاہتا تھا۔ اِس سلسلہ میں راجہ تیغ سنگھ اِس بات کی پروا کیے بغیر کہ صوبہ دار کشمیر اُس کے اِس فعل سے ناراض ہوگا' شاہ شجاع کی مدد کرتا رہا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے تیغ سنگھ سے شاہ شجاع کو اُس کے حوالے کرنے کا پیغام بھیجا لیکن تیغ سنگھ ٹال مٹول سے کام لیتا رہا۔ شاہ شجاع نے کچھ فوج لے کر وادیٔ کشمیر پر حملہ کرنا چاہا لیکن موسم کی خرابی' فوج کی مایوسی اور مخالف کی فوجی قوت کے پیشِ نظر اُسے نامرادی کے عالم میں کشتواڑ لوٹنا پڑا۔ وہاں سے وہ جان بچانے کے لئے مڑوہ واڑون کے راستے زانسکار' پھر وہاں سے سورو اور کُلّو اور وہاں سے لدھیانہ پہنچ گیا۔ اُن حالات میں راجہ تیغ سنگھ' مہاراجہ رنجیت سنگھ کی ناراضگی کے خوف اور صوبہ دار کشمیر کے حملے کے خدشے کے پیشِ نظر اپنا اِقتدار چھوڑنے پر تیار ہو گیا۔ مہاراجہ گلاب سنگھ نے حالات کا جائزہ لینے کے بعد اُسے بڑی

چالاکی سے ایک خط لکھ کہ مشورہ دیا کہ وہ اپنی فوج کو چھوڑ کر تن تنہا جموں چلا آئے تا کہ اُسے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے سامنے پیش کیا جائے اور اپنے اِقتدار پر ہی بحال رکھا جائے۔لاہور پہنچ کر اُسے کافی دیر تک شرف باریابی سے محروم رکھا گیا۔ملاقات پر مہاراجہ اُس کی ذہانت وغیرہ پر جوں ہی قائل ہونے لگا تو گلاب سنگھ کے چھوٹے بھائی دھیان سنگھ نے اُس کے نوکر کے ذریعے اُسے زہر دینے کی سازش کی۔وائن کے کہنے کے مطابق اُس کی موت شربت کے پیالے میں زہر ملائے جانے سے واقع ہوئی لیکن تواریخی شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ راجہ تیغ سنگھ نے باشندگانِ کشتواڑ کو خون خرابے سے بچانے کے لئے اپنی جان اپنے دونوں بازوؤں میں فصد لے کر ختم کر دی کیونکہ وہ چاروں طرف سے سازشوں کے جال میں پھنس چکا تھا اور اپنی زِندگی سے تنگ آ چکا تھا۔اِس واقعہ سے پہلے یعنی ۱۸۲۰ء کے بعد ہی مہاراجہ گلاب سنگھ نے کشتواڑ کو فتح کر لیا تھا۔

موضع ٹپری جنگلواڑ میں

تیغ محمد سنگھ کے لواحقین کی آمد:

راجہ تیغ سنگھ، مہاراجہ گلاب سنگھ سے ملنے کے لئے براستہ سہہ گھٹ' ڈوڈہ کی طرف روانہ ہوا تھا۔قرینِ قیاس ہے کہ اُس وقت اُس کا عیال بھی اُس کے ساتھ ہی ہو، جو براستہ کالنئی دراب شالہ دریا عبور کر کے ٹپری کے ایک رئیس اور بزرگ عاقل جوزرگر کے ہاں بھجوا دیا گیا ہو۔حالات کی سنگینی کو تو وہ پہلے سے ہی بھانپ گیا تھا۔ اب اُسے کسی پر بھی بھروسہ نہیں رہا تھا اور وہ اپنا اِقتدار چھوڑنے پر آمادہ ہو گیا تھا، جس کا اعلان اُس نے مہاراجہ گلاب سنگھ کے سامنے ہی کر ڈالا تھا۔

عشرت کاشمیری نے بھی "تاریخ کشتواڑ" میں راجہ تیغ سنگھ کے متعلقین کے بارے میں تاریخی حوالوں سے لکھا ہے کہ ــــــ "راجہ تیغ سنگھ کے محل سرا میں دو

رانیاں تھیں اور ایک کنیزہ، جو مٹرواہ سے لائی گئی تھی۔ بڑی رانی کے بارے میں معلوم نہیں ہوسکا کہ آیا وہ شاہی خاندان سے تھی یا رعایا سے۔ اُس کے بطن سے زور آور سنگھ پیدا ہوا جو تیغ سنگھ کے ہمراہ لاہور میں رہا اور باپ کی وفات کے بعد عیسائی ہو گیا اور لدھیانہ میں ہی لاولد فوت ہوا۔ دُوسری رانی جو ''متادلی'' کے نام مشہور ہے، اُس کے بیٹے کا نام جے مل تھا۔ تیسری رانی یا کنیز، جو مٹرواہ سے تعلق رکھتی تھی، اُس کے بطن سے دِلاور سنگھ پیدا ہوا، جس کے بیٹے سردار سنگھ اور بیر سنگھ ہوئے اور جن کی اولاد تلوک پورہ کانگڑہ میں رہتی ہے۔ اُن تینوں بیٹوں کے علاوہ تیغ سنگھ کی تین بیٹیاں بھی تھیں۔ اُن صاحبزادیوں کے نکاح نامے قاضی یعقوب شاہ، سکنہ کشتواڑ کے پاس موجود ہیں۔''[1]

وہ مزید لکھتے ہیں کہ اُن کے نکاح کشتواڑ میں ہی کیے گئے تھے۔ اُن کے نام بالترتیب زیب النساً بانو، صنوبر بانو اور کیا نو بانو تھے۔ والد کی حکومت ختم ہونے کے بعد وہ بھی گم نامی کے پردے میں چھپ گئیں۔

قاضی نجم الدین اپنی تاریخ ''تاریخِ کشتواڑ'' میں رقمطراز ہیں کہ ——

''راجہ تیغ سنگھ نے ۱۸۲۴ء میں لاہور میں وفات پائی۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے راجہ کے مرنے کے بعد اُس کے متعلقین اور بیٹوں جمیل سنگھ اور زور آور سنگھ کا وظیفہ مقرر کر کے جنگلواڑ (موجودہ تحصیل ٹھاٹھری) کے موضع ٹپری میں بھیج دیا، جہاں اُن کی جاگیر بھی مقرر کر دی گئی تھی۔ اُن کو کشتواڑ میں دانستہ طور سیاسی مصلحتوں کے پیشِ نظر نہیں رکھا گیا۔ کچھ عرصہ تیغ سنگھ کا خاندان موضع ٹپری، جو کشتواڑ سے صرف ۷ میل کی دُوری پر ہے، مقیم رہا —— جے مل سنگھ اور دلاور سنگھ کو بھی ٹپری میں جاگیر ملی تھی۔''[2]

عشرت کاشمیری کے لکھنے کے مطابق راجہ تیغ محمد سنگھ کے دونوں بڑے بیٹے اُس کے ساتھ لاہور میں تھے اور تیسرے لڑکے کو موضع ٹپری داخلی جنگلواڑ (موجودہ

---

1. بحوالہ ''تاریخِ کشتواڑ''، از: عشرت کاشمیری
2. قاضی انجم الدین، بحوالہ ''تاریخِ کشتواڑ''، از: عشرت کاشمیری، صفحہ: ۶۱، ۱۱۷

تحصیل ٹھاٹھری) میں جاگیر ملی تھی۔ اُن دِنوں جنگلواڑ مملکتِ بھدرواہ کا ہی حصہ تھا۔

اِن بیانات اور حقائق کی روشنی میں مسٹر محمد حسین آباد سکنہ ٹھاٹھری (حال بھدرواہ) کی بیان کردہ روایات سوفی صدی دُرست معلوم ہوتی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ راجہ محمد تیغ سنگھ کی دورانیاں موضع پٹری میں بس گئی تھیں۔ یہ موضع اُنہیں بطور جاگیر ملا تھا۔ اِن روایات کا ذِکر آج تک کسی نے بھی نہیں کیا تھا۔ آباد صاحب نے راقم الحروف کے ساتھ اِس بارے میں بڑی کھوج کے بعد مفصّل طور پر بات چیت کی۔ یہ روایات احسن جوزرگر، سکنہ پٹری ٹھاٹھری کے فرزند عبداللہ جوزرگر نے اپنے پوتے محمد حسین زرگر (آباد) سے بیان کی ہیں، جن کا متن درج ذیل ہے:

''راجہ محمد تیغ سنگھ (سیف اللہ خان) والیٔ کشتواڑ نے وصیت کر رکھی تھی کہ اُس کی موت کے بعد اُس کی دونوں رانیاں (چھوٹی اور بڑی) بڑی رانی کے نانا (جس کا نام یاد نہیں رہا) جو ایک پروہت گھرانے سے تعلق رکھتا تھا، کی نگرانی میں موضع پٹری کے موہڑہ ڈیرانی میں چلی جائیں اور عاقل جوزرگر، سکنہ ڈبرانی کے ہاں سکونت کریں۔ غالباً یہ وصیت راجہ نے اپنے دُوسرے دورِ اقتدار میں حالات کی ناسازگاری کو دیکھتے ہوئے کر رکھی تھی۔ موہڑہ ڈیرانی، موضع پٹری، گنٹی اور بڈانوں کے عین درمیان میں اُونچائی پر واقع ہے، جہاں سے اِردگرد کے گاؤں صاف طور پر دِکھائی دیتے ہیں۔ عاقل جوزرگر نے اُن دونوں رانیوں کو پروہت جی کے سمیت پناہ دی۔ کہتے ہیں کہ راجہ نے پہلے ہی اُس موہڑہ میں ایک محل نما مکان تعمیر کروایا تھا جس کی دونوں منزلوں میں منقش پنجرہ نما (جالی دار) مرگول تھم (کھمبے[1]) لگائے گئے تھے اور سامنے کی طرف دو برآمدے بھی تعمیر کیے گئے تھے۔ اُس مکان کی نگرانی وغیرہ عاقل جوزرگر کے ذِمہ تھی۔ اِن تمام خدمات کے عوض راجہ بھدرواہ (دیا پال) نے عاقل جوزرگر اور اُن کے کنبے کو تین

---

1. اِن کھمبوں کا رواج صرف کشمیر میں تھا اور بعد میں بھدرواہ کی قدیم جامع مسجد، جو ۱۹۲۸ء کے طوفان میں بہہ گئی تھی، میں بھی ایسے ہی کھمبے لگائے گئے تھے۔

موضعات کی زمین (آبی و خشکی) بطور جاگیر عطا کی تھی۔ یہ گھرانہ دو گاؤں میں رہتا تھا یعنی ٹپری اور مذکورہ موہڑہ ڈیرانی میں، جو آج ڈیرانوں کے نام سے موسوم ہے۔ اِس موہڑے کا نام رانی کے نام پر ''ڈب رانی'' پڑا تھا یعنی رانی کی ڈب (برآمدہ) جو بعد میں ڈیرانی اور پھر ڈیرانوں مشہور ہو گیا۔ رانیوں کے آنے سے پہلے اِس موہڑہ کا کچھ اور ہی نام رہا ہوگا۔ اِس میں صرف عاقل جو زرگر کا ہی مکان تھا۔ اُس کا خاندان تقریباً چالیس نفوس پر مشتمل تھا۔ بڑی رانی کے نانا یعنی پروہت جی، جو تیغ سنگھ کے خاندان کے ساتھ ہی مشرف بہ اِسلام ہوا تھا، کی دیکھ ریکھ میں یہ دونوں رانیاں ڈیرانی میں ہی رہیں۔

راجہ تیغ سنگھ کی موت کے کافی عرصہ بعد بڑی رانی اور اُس کے نانا کی رضامندی سے چھوٹی رانی کا عقد ثانی ٹپری کے زرگر خاندان کے ہی ایک خوبصورت نوجوان، جو عاقل جو زرگر کے نزدیکی رشتہ داروں میں تھا، سے کیا گیا تھا۔ اُس کے بطن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نکاح اُس کے بالغ ہونے پر ڈوڈہ کے نہرو خاندان کے کسی لڑکے سے ہوا۔ اُس کے بطن سے بھی ایک لڑکی تولّد ہوئی، جس کا نکاح ڈوڈہ کے ہی ایک باعزت خاندان کے فرزند سہروردی سے ہوا۔ مولانا عطاء اللہ سہروردی (مرحوم) امام مسجد و سابقہ وزیر، اُن ہی کے بطن سے پیدا ہوئے۔ اِس رِشتہ کی وجہ سے مولانا مرحوم کا رِشتہ 'ازدواج ٹپری کے اُس زرگر خاندان سے باندھا گیا' جن کی دختر نہرو خاندان میں بیاہی گئی تھی۔ اُس شریف النفس خاتون کا نام محترمہ بیگم ہے جو آج تک قید بہ حیات ہیں۔''

آباد صاحب نے راقم سے ایک اور مقامی روایت کا ذِکر کیا جس سے بڑی رانی کی خدا پرستی اور اِنسان دوستی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے —— ''تیغ سنگھ کی رانیوں کی آمد کے بعد جنگلواڑ اور اُس کے ملحقہ موضع جات میں سخت قحط پڑ گیا۔ بڑی رانی، جو خدا ترس اور عبادت گزار خاتون تھیں، کے پاس آس پاس کے کچھ لوگ آ کر فریادی ہوئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بارش کے لئے دُعا کرے۔ بڑی رانی نے ایسا ہی کیا

اور کہنے لگی کہ فکر کی کوئی بات نہیں۔ میں دربارِ اسرار یہ" میں جا کر بھی خدا سے بارش کے لئے فریاد کروں گی۔ اِنشاء اللہ بارش ضرور ہوگی۔ چنانچہ وہ دربارِ شاہان کشتواڑ" میں حاضر ہوئی اور وہاں اِس سلسلہ میں خدا سے دُعا مانگی، جو قبول ہوئی۔ بارشیں اِس قدر زور کی ہوئیں کہ اگلے سال قحط سالی دُور ہوگئی ــــــ"

ایک روایت یہ بھی ہے کہ ــــــ "رانی کی کشتواڑ سے واپسی کے بعد ہی موضع لوپا متصل ٹھاٹھری ڈیرانی، کھیتوں میں پنیری لگانے کے وقت ایک خشک نالے سے ایک چشمہ پھوٹ نکلا جو وہاں کی دستیاب زمین کی آب پاشی کے لئے کافی تھا۔ اُس واقعہ سے باشندگانِ موضع جات مذکورہ میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اُس نالے سے لوگوں نے لوپا کی آبی زمین تک ایک کوہل تیار کی جس کے ذریعہ کھیتوں کی آبیاری کی جاتی رہی۔ دھان کی فصل پک جانے پر یہ چشمہ اچانک سوکھ گیا اور اگلے سال عین اُسی موسم میں پھر پھوٹ نکلا۔ یہ سلسلہ تب سے آج تک جاری ہے، جو کسی معجزہ سے کم نہیں۔ جی چاہتا ہے کہ اُس چشمے کو مناسب وقت پر اپنی آنکھوں سے دیکھ آئیں ــ"

آباد صاحب نے راقم سے کچھ اور روایات کا بھی ذِکر کیا جنہیں طوالت کے وجہ سے درج نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ اِس حقیقت سے اِنکار نہیں کیا جا سکتا کہ رانیوں کی قبریں ٹپری کے قبرستان میں ابھی تک موجود ہیں۔ اُن کے ایک طرف ایک نایاب قسم کی جھاڑی لگی ہے جس میں نرالے قسم کے پھول مارچ۔ اپریل میں کھل آتے ہیں۔ اُس قسم کی جھاڑی کسی دُوسری جگہ پر نہیں پائی جاتی اور بقول آباد صاحب ــــ "نہ یہ کسی دُوسری جگہ لگتی ہے ــــ" روایات کے اِس سلسلہ کو وہ اِس حقیقت پر ختم کرتے ہیں کہ عاقل جوزرگر کے خاندان کو جاگیر تو ملی ہی تھی، اُن کے خاندان کو بیگار اور زمین کا مالیہ بھی معاف کیا گیا تھا۔

***

بھدرواہ بطور جاگیر

ڈوگرہ حکمرانوں کے تحت (۱۸۵۷ء تا ۱۹۴۷ء)

بھدرواہ بطورِ جاگیر

ڈوگرہ حکمرانوں کے تحت:

جیسا کہ پہلے ذِکر کیا جاچکا ہے کہ پنجاب وغیرہ میں انگریزوں اور سِکھوں کے درمیان جنگ کے اِختتام پر سِکھوں کی طاقت کمزور ہوچکی تھی، جس کا پورا فائدہ اُٹھاتے ہوئے مہاراجہ گلاب سنگھ نے ۱۸۴۵ عیسوی میں ہی بھدرواہ کو صوبہ جموں کے ساتھ ملا دیا اور بعد میں عہد نامہ اِمرتسر کی رُو سے بھی بھدرواہ کا علاقہ ڈوگرہ حکمرانوں کے حصّے میں آیا۔ یہ مملکت ۱۸۴۶ء سے لے کر ۱۹۰۱ء تک بلاواسطہ طور پر جموں کے راجوں کے تحت رہی اور یہاں کا مالیہ بھی سیدھے طور پر خزانے میں داخل کیا جاتا رہا۔

مہاراجہ گلاب سنگھ نے ۲۰ر فروری ۱۸۵۶ء کو راجہ رنبیر سنگھ کو مورثِ اعلیٰ نامزد کیا اور اِس سلسلہ میں رسمی طور پر ایک تقریب کا بھی اہتمام کیا، جس میں ایک پٹہ کے ذریعے رنبیر سنگھ کو مہاراجہ کا خطاب عطا کیا گیا۔ ساتھ ہی اُس کے مذہبی، فوجی معاملات اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے ساتھ آئندہ تعلقات اور باقی مسائل کی وضاحت بھی کی گئی۔ مہاراجہ گلاب سنگھ کے عہد حکومت میں بھدرواہ کی حیثیت ایک فوجی چھاؤنی کی سی تھی جس کا سرکاری کام کاج ایک خصوصی ناظم چلاتا رہا۔ تاہم ۱۹۰۱ء میں رنبیر سنگھ کے عہد ۱۸۵۷ء تا ۱۸۸۵ء) کے آخری سالوں میں ہی مملکتِ بھدرواہ ایک ذاتی

جاگیر کے طور پر راجہ امر سنگھ کو عطا کی گئی۔ ۱۹۰۱ء سے ۱۹۳۰ء تک مملکتِ بھدرواہ راجوں کی ذاتی ملکیت کے طور پر رہی۔ اِس کے بعد یہاں کی ساری آمدنی بھی راجوں ہی کی ملکیت تصور کی جاتی رہی اور یہاں کا کاروبار ایک وزیر وزارت کے تحت ہی چلتا رہا۔ ''سچ تو یہ ہے کہ ہر لحاظ سے عملی طور پر بھدرواہ پر ۱۸۸۶ء سے لے کر ۱۹۱۱ء تک راجہ امر سنگھ کی ہی حکومت رہی۔''[1] گو کہ مہاراجہ پرتاپ سنگھ نے ریاست جموں و کشمیر پر ۱۸۸۶ء تا ۱۹۲۵ء حکومت کی۔ اِس کے بعد یہاں ہری سنگھ کو مہاراجہ نامزد کیا گیا اور بھدرواہ جاگیر اُن کو بخشی گئی۔ مہاراجہ ہری سنگھ نے ۱۹۲۵ء سے لے کر ۱۹۴۸ء تک راج گدی کو رونق بخشی۔ ۱۹۳۰ء میں بھدرواہ جاگیر کا درجہ ختم کر دیا گیا اور اِسے ضلع اُودھم پور کے ساتھ ایک تحصیل کے طور پر شامل کیا گیا۔

بھدرواہ بطور جاگیر

مہاراجہ رنبیر سنگھ کے تحت:

نرسنگھ داس نرگس کے مطابق ''فروری ۱۸۵۶ء میں مہاراجہ گلاب سنگھ نے اپنے ولی عہد رنبیر سنگھ کو ریاست کا راج تلک دے کر مسندِ مہاراجگی پر ممتاز کیا اور انتظامِ مملکت کی باگ ڈور اُس کے سپرد کر کے خود گوشہ نشینی اختیار کی۔'' رنبیر سنگھ ۱۸۳۰ء میں رام گڑھ (جموں) کے مقام پر پیدا ہوا۔ اُس نے متعدد شادیاں کیں۔ ۱۸۵۶ء میں اُس کی تاج پوشی کے بعد اُسے بہت سے مسائل سے دوچار ہونا پڑا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی (جسے غدر کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے) میں سیاسی مصلحتوں کی بناء پر مہاراجہ رنبیر سنگھ کو حکومتِ برطانیہ کا ساتھ دینا پڑا۔ اُس نے ہندوستان کی جنگِ آزادی کے پہلے مرحلہ پر ایسٹ انڈیا کمپنی کو اخلاقی اور مالی امداد فراہم کی۔ دُوسری طرف شمال مغربی سرحدی صوبہ میں اُس کی حکومت کو اِستحکام حاصل نہیں ہوا تھا اور اندرونی طور پر

---

[1] ''ہمالین پرنسی پیلیٹیز'' از ڈاکٹر کول، ص: ۲۲۷

بھی اُسے خاندانی سازشوں کے نتیجے میں حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ سے چلے جانے کا خطرہ پریشان کر رہا تھا۔ اپنی بُردباری، فہم و فراست اور ذہانت کو بروئے کار لا کر اُس نے تمام حالات پر قابو پالیا، جس وجہ سے ۱۸۶۰ء سے آگے اُس نے بڑے سکون سے حکومت کی۔

بھدرواہ مہاراجہ رنبیر سنگھ کی ذاتی جاگیر کے طور پر ریاست کی باقی جاگیروں سے اہم جاگیر ہونے کی وجہ سے خاصی فوقیت کی حامل تھی۔ سٹیٹ آرکائیوز کے مطابق:

"——— مہاراجہ نے ۱۸۵۹ء میں لہاب جو، کو یہاں کے ایک کاردار کے طور پر مقرر کیا، جو وزیر لکھپت کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا ———" اِن ہی ذرائع کے مطابق "——— اب بھدرواہ جاگیر کی سرحدیں چمبہ کے ساتھ بڑی پُرسکون تھیں، تاہم کچھ مجرم پیشہ لوگ جو قتل لوٹ مار، چوری اور ڈاکہ میں ملوث تھے، اِن سرحدوں کو اپنی گرفتاری اور سزاؤں سے بچنے کے لئے اِستعمال کرتے تھے ———" بعد میں اُن مجرموں کو سپر انداز کرانے اور پھر اُن کی منتقلی یا باہمی طور تبادلوں کے ضمن میں چمبہ اور جموں و کشمیر کے درمیان کچھ قوانین وضع کیے گئے، جس سے اُن وارداتوں میں کافی کمی واقع ہوئی۔

مورخین کی تحریروں کے مطابق مہاراجہ رنبیر سنگھ کے عہد میں بھدرواہ جاگیر میں کوئی خاص واقع ظہور پذیر نہیں ہوا، ماسوائے ۱۸۷۵ء میں فریڈرک ڈریو، جیسے عظیم سیاح اور ماہر طبقات الارض کے تاریخی دورہ بھدرواہ کے۔ اُس نے اپنے سفر کے دوران یہاں کے حالات کا جائزہ لے کر اُن کو قلمبند کیا ہے۔ زیرِ تحریر کتاب میں بھی فریڈرک ڈریو کی تحریروں کے حوالہ جات مناسب مقامات پر دئے گئے ہیں جن سے بھدرواہ کی تاریخ کے کچھ باب مرتّب کرنے میں بہت مدد ملی ہے۔

وہ بھدرواہ کے بارے میں اپنے سفرنامے میں یوں رقمطراز ہیں:

"——— بھدرواہ کا مصروف قصبہ اس پہاڑی علاقہ میں مقابلتاً سب سے

بڑی جگہ گھیرے ہوئے ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ یہ چھ یا سات سو مکانات پر مشتمل ہے اور تقریباً تین ہزار لوگ یہاں آباد ہیں۔ مکانات مکمل طور پر دیودار کی لکڑی سے تعمیر ہوئے ہیں۔ کشمیر کے ساتھ اپنی متشابہ خصوصیات کی وجہ سے اِس جگہ کا نام ''چھوٹا کشمیر'' پڑ گیا ہے اور کشمیری شال بافوں کی موجودگی کی وجہ سے بھی، جس کے شال دوشالوں کی مانگ نورپور اور امرتسر (کی منڈیوں) سے آتی رہی ہے۔ سطح سمندر سے ۵۴۰۰ فٹ کی بلندی پر واقع ہونے کے سبب اِس جگہ کا موزون درجہ حرارت ڈلہوزی کے گورکھا لوگوں کو اپنا عیال اور کنبے کے دیگر افراد کو یہاں لانے اور یہاں پر رُخصت کے دِن گزارنے کے موافق بنالیتا ہے، جہاں اُنہیں عمدہ آب وہوا اور سستے رہن سہن کا فائدہ حاصل کرنے کا موقع ملتا ہے۔

بھدرواہ میں ایک کھلی منڈی ہے۔ قلعہ کی جانب ایک سیدھی لمبی گلی جاتی ہے۔ (اس میں) ایک بڑا مندر اور دو مسجدیں ہیں۔ مکانوں کے نزدیک اور آس پاس کی زمینوں میں پھل دار درخت اُگے ہوئے ہیں۔ بھدرواہ کے نصف سے زیادہ باشندے کشمیری نژاد ہیں جنہوں نے اصلی ہندو باشندوں کو پسِ پشت ڈال دیا ہے۔ اُنہوں نے ہر قسم کی ملازمت اِختیار کی ہے۔ اُن میں سے کافی دُوکاندار ہیں۔ میں اِس بات کا اندازہ نہیں کرسکا کہ آیا اِتنی تعداد میں کشمیری لوگ کس زمانے میں یہاں آکر آباد ہوئے لیکن اِس معاملے میں کسی واضح روایت کی عدم موجودگی کی وجہ سے ہم اِس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ یہ تین یا چار پشتوں سے پہلے کا واقعہ ہے ——''

(''دی ٹیریٹریز آف جموں اینڈ کشمیر'' ۱۸۷۵ء)

شیو جی دھر کی لکھی ہوئی ''تاریخ کشتواڑ'' سے ظاہر ہوتا ہے کہ بھدرواہ ۱۸۸۱ء میں ایک ضلع کی حیثیت رکھتا تھا جبکہ مورخِ موصوف کشتواڑ اور بھدرواہ ضلعوں کے وزیر وزارت تعینات تھے۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ کے عہد میں سرکاری کارندے ہی زمینداروں سے مالیہ کی رقوم بلا واسطہ طور پر وصول کرتے تھے۔ جموں آرکائیوز میں

موجودریکارڈ کے مطابق —— "تقریباً ۱۸۷۲ء میں مقامی سپاہیوں کے ہاتھوں زمینداروں سے بقایا جات وصول کرتے ہوئے کچھ رقوم ہڑپ کئے جانے کے واقعات بھی پیش آئے تھے ——"

مہاراجہ رنبیر سنگھ کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ وہ ایک نمونے کا ہندو راجکمار تھا۔ مسلمانوں کے ساتھ بھی اُس کا برتاؤ اچھا تھا۔ اُس کے دور میں بہت سے تعلیمی ادارے اور شفاخانے کھولے گئے۔ وہ علم وادب کا شیدائی تھا۔ بلا لحاظ مذہب وملت وہ رعایا کی خوشحالی میں یقین رکھتا تھا۔ وہ اپنے مذہب پر سختی سے کار بند رہا لیکن دیگر مذاہب کے لوگوں کو بڑے احترام سے دیکھا کرتا تھا۔ اُس کے دور میں جموں اور سرینگر میں دو کالج کھولے گئے۔ جموں میں کئی مندروں کی تعمیر عمل میں لائی گئی۔ ساتھ ہی مسلمانوں کو مساجد تعمیر کرنے کی بھی اجازت دے دی گئی۔ جموں میں آرٹ اور مصوری نے بھی فروغ پایا اور ڈوگری زبان کو پہلی بار بڑھاوا ملا۔ شاعروں اور ادیبوں کی سرپرستی کی گئی۔ حکومتِ برطانیہ کا ہندوستان کی جنگ آزادی کے دوران مکمل تعاون دینے پر انگریزی حکومت نے مہاراجہ کی خدمات کو تسلیم کرتے ہوئے اُس کا زبردست اظہار تشکر کیا۔ رنبیر سنگھ کے دورِ حکومت میں وادیٔ کشمیر میں ۱۸۷۷ء سے لے کر ۱۸۷۹ء تک سخت قحط کی وجہ سے ہزاروں لوگ لقمۂ اجل بن گئے۔ اُن دنوں بہت سے کشمیری لوگوں نے ریاست سے باہر اور موجودہ خطّۂ ڈوڈہ کے پہاڑی علاقوں کی طرف ہجرت کی اور اُن ہی علاقوں میں آباد ہوگئے۔ اُس کے عہد میں سُنّی شیعہ فسادات بھی رُونما ہوئے، تاہم مہاراجہ نے لوگوں کی پریشانیوں کو دُور کرنے کی مقدور بھر کوشش کی۔ قحط سالی کا مقابلہ کرنے کے لئے باہر سے گلہ منگوایا اور فسادات میں زیادہ تر متاثرین کو مالی امداد فراہم کی۔ اُسی اثناء میں قحط زدہ لوگوں کو بوریوں میں ڈال کر جھیل ڈل میں ڈبو دئے جانے کی افواہیں چلیں، جو غالباً حقیقت پر مبنی نہیں تھیں۔

مہاراجہ رنبیر سنگھ نے نومبر ۱۸۸۶ء میں یہاں پرتاپ سنگھ کو ریاست کے سِول

اور فوجی اِختیارات سپرد کیئے مگر اُن اِختیارات کی عمل آوری مہاراجہ رنبیر سنگھ سے صلح مشورے کے بعد ہی ممکن تھی۔

بقول نرسنگھ داس نرگسؔ ——— ''مہاراجہ رنبیر سنگھ ایک عظیم دانشور، اعلیٰ پایہ کا منتظم، بہترین مدبّر اور بڑا بہادر تھا جو کسی طور اپنے زمانے میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ جس نے جنگی فتوحات اور ملکی انتظامات میں بڑی ترقی کی۔ ریاست کے باہر سے بڑے بڑے قابل اور عالم فاضل لوگوں کو معقول ماہانہ پر بُلا کر ریاست کی ملازمت میں داخل کیا۔ ریاست میں مختلف محکمہ جات، محکمہ مال دیوانی و جوڈیشنل اور صیغہ حُساب وتصفیہ بقایا جات وغیرہ قائم کیئے۔ باقاعدہ عدالتیں بنائیں اور قوانین فوجداری و دیوانی مرتب کیئے ———'' وہ مزید لکھتے ہیں کہ ''——— اُس نے محکمہ پولیس قائم کیا، شفاخانے خانے جاری کیئے۔ سڑکیں اور مسافر خانے بھی تعمیر کیئے۔ محکمہ ڈاک اور تار برقی قائم کیا۔ انگریزی حروف کی بجائے اُردو اور فارسی حروف میں تار برقی جاری کی ———''

اُس کے دور میں ۱۹ عدالتوں کے قیام کے دوران، وزارتِ بھدرواہ میں بھی ایک عدالت قائم کی گئی۔ ریاست کے اندرونی حالات کو بہتر بنانے اور مالیہ اراضی مقرر کرنے کے لئے محکمہ ''بندوبست اراضی'' قائم کیا گیا، جس کے تحت ریاست میں پہلی بار زمینوں کی پیمائش کی گئی۔ ڈوگری زبان کے رسم الخط کو دیوناگری طرز پر آسان بنایا گیا اور ریاست کی دفتری زبان فارسی کی جگہ اُسے فروغ دیا گیا۔ سرکاری ملازمت حاصل کرنے کے لئے اُس (ڈوگری) زبان کا جاننا لازمی قرار دے دیا گیا۔ ''ڈوگری نہ جاننے والے سرکاری ملازموں کو'' بقول نرسنگھ داس نرگسؔ ''تنخواہ سے دہ یکی یعنی دس فیصدی روپیہ وضع کیا جاتا تھا۔'' اِس حقیقت سے بھی اِنکار نہیں کیا جاسکتا کہ مہاراجہ رنبیر سنگھ کے دور میں اُردو زبان کو ریاست کی زبان کے طور پر فوقیت ملی اور کافی فروغ حاصل ہوا۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ نے اپنے دونوں فرزندانِ اصغر یعنی راجہ رام سنگھ اور راجہ امر سنگھ کو بالترتیب علاقہ رام نگر اور علاقہ بسوہلی کی جاگیریں عطا کردی تھیں۔ راجہ

امر سنگھ کو بعد میں بسوہلی کی جگہ علاقہ بھدرواہ بطور جاگیر بخش دیا گیا۔

ٹیکسوں میں رعایت:

غلہ بٹائی کا سلسلہ ''چک سلاطین کے عہد ۱۵۴۰ء سے رائج تھا' جو مغل بادشاہ اکبر کے دور میں بھی جاری رہا۔ اِس کے مطابق نصف حصّہ غلہ بطور مالیہ حکومت کو ملتا تھا اور باقی نصف کسانوں کو۔ اِس کے بعد افغانوں کی حکومت میں کسانوں پر ایک مزید ٹیکس عائد کیا گیا تھا جسے ''ترکی'' کہتے تھے۔ اِس کے مطابق دو خروار پیداوار میں سے ایک خروار پانچ ترک بہ حصہ سرکار لیا جاتا تھا اور صرف ۱۱ ترک زمیندار کسان کو دیا جاتا تھا۔ یہ طریقہ سکھوں کے دور حکومت میں بھی قائم رہا۔ ۱۸۵۵ء میں مہاراجہ رنبیر سنگھ نے ٹیکس ''ترکی زمینداروں کو بالکل معاف کر دیا۔''

(''تاریخ ڈوگرہ دیس' از: نرسنگھ داس نرگسؔ، ص: ۱۷۶)

اِس کے علاوہ بھی عہد مغلیہ اور سکھوں کے دور میں عائد کردہ محصولوں میں کمی کی گئی تا کہ تجارت کو فروغ مل سکے۔ اِسی طرح سے کشمیری مسلمانوں کی شادی کے ٹیکس ''زرِ نکاح'' کو بھی ختم کر دیا گیا' جس کی ادائیگی کا رواج تقریباً ''سات سو سال'' سے چلا آ رہا تھا۔

صوبہ جموں میں ابریشم کی صنعت کو فروغ دینے کے لئے وادیٔ کشمیر سے ریشم کے کیڑے پالنے اور تار کشی کے لئے زمینداروں کو تربیت دینے کا اہتمام کیا گیا۔ چین سے شہتوت کی قلمیں منگوا کر کشمیر میں شہتوت کے درخت لگوائے گئے۔ اِسی طرح جموں میں بھی اِس صنعت کو عام کرنے کے لئے کشمیر سے تربیت یافتہ لوگوں کو لایا گیا۔ صوبہ جموں کے بھدرواہ' ڈوڈہ اور کشتواڑ کے علاقوں میں افیون کی کاشت کے سلسلہ میں لوگوں کو ٹریننگ دی گئی۔ فرانس سے انگور کی قلمیں منگوا کر وادیٔ کشمیر کے مختلف حصوں میں لگوائی گئیں اور شراب کشید کرنے کا اِنتظام کیا گیا۔ کشمیر میں بنی ہوئی انگوری

شراب کلکتہ کی نمائش میں بہت پسند کی گئی۔ جموں۔سرینگر سڑک کی تعمیر کے دوران بھدرواہ کے تحصیلدار لوڈن مل کے ذِمہ بٹوت سے رام بن تک کا حصّہ سپرد کیا گیا۔

مہاراجہ رنبیر سنگھ کے دور میں کی گئی اِصلاحات کا اثر بلاواسطہ طور پر بھدرواہ جاگیر پر بھی پڑا اور کچھ سکول یہاں پر بھی کُھلے اور چند ایک محکمے بھی قائم کئے گئے۔ تعلیمی میدان میں بھی پہلی بار کچھ سرگرمی سی دِکھائی دینے لگی۔ تاہم بڑے جاگیرداروں' ساہوکاروں' سرکاری اہلکاروں اور سودخوروں کے ظلم وستم سے یہاں کا غریب طبقہ اور مفلوک الحال لوگ خصوصاً کاشتکار کوئی خاص راحت نہ پاسکے۔ حکومت اور جاگیرداروں کو غلہ کا نصف حصّہ دینے کے بعد تقریباً ۴/۱حصّہ سرکاری اہلکار مختلف رسومات کی شکل میں اُڑا لے جاتے تھے اور باقی ۴/۱حصّہ ساہوکاروں سے لئے گئے قرض پر چڑھی ہوئی سود کی رقم کی ادائیگی میں صَرف ہوجاتا تھا۔ یہ صورتِ حال روایات کے مطابق کافی عرصہ تک قائم رہی۔

بقول نرسنگھ داس نرگسؔ —— ''۱۸۶۰ء میں مالیہ کم کردیا گیا اور ریاست کا حصّہ پیداوار کا نصف مقرر ہوا۔ ۱۸۷۳ء تک مالیہ وصول کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ چکلہ داروں کو ٹھیکیدار مقرر کیا جاتا تھا۔ ۱۸۸۰ء میں گزشتہ تین سالوں کی پیداوار کی اوسط پر مالیہ مقرر کیا گیا۔ مہاراجہ کی خواہش تھی کہ مالیہ نقدی وصول کیا جائے ——''

(''تاریخ ڈوگرہ دیس'' از: نرسنگھ داس نرگسؔ)

مہاراجہ رنبیر سنگھ نے بڑی کامیابی سے تقریباً اٹھائیس سال تک حکومت کی اور بالآخر ذیابطیس کے مرض میں مبتلا ہوکر اپنی راجدھانی جموں میں راہِ عدم کو کوچ کیا۔ اُس کی حکومت ۱۸۵۶ء لغایت ۱۸۸۵ء رہی۔ ۱۲ستمبر ۱۸۸۵ء کو اُس کا اِنتقال ہوا۔ مرحوم مہاراجہ کے بعد اُس کا فرزندِ اوّل پرتاپ سنگھ ریاست جموں کشمیر کی گدی پر بیٹھا۔

***

مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے تحت:

مہاراجہ رنبیر سنگھ کی وفات کے بعد ''میاں پرتاپ سنگھ کو ملکہ وکٹوریہ کی منظوری کے بعد ۲۵ ستمبر ۱۸۸۵ء کو بطور مہاراجہ ریاست جموں وکشمیر گدی نشین کیا گیا' تاہم راج تلک کی رسم ۹ مئی ۱۸۸۶ء کو منعقد ہوئی ___''

(پریتم کرشن کول' ہمالین پرنسی پیلیٹیز'' ص:۲۲۶)

اُسی روز یعنی ۹ مئی ۱۸۸۶ء کو دیوان گوند سہائے کو پرائم منسٹر کے عہدے سے سبکدوش کیا گیا اور مہاراجہ کو مشورہ دیا گیا کہ وہ حکومت کا کام بطریق احسن چلانے کے لئے آلیور. ایس. ٹی. جوہن سے تعاون حاصل کرتا رہے' جو حکومتِ ہند کی طرف سے ایک خصوصی ایجنٹ کے طور پر کشمیر میں کام کرتا تھا۔

مہاراجہ پرتاپ سنگھ کی تاج پوشی کے کچھ عرصہ بعد ہی حکومتِ برطانیہ اُس کی کارکردگی پر اعتراض جتانے لگی جس وجہ سے ۱۸۸۹ء میں اُس کے اختیارات چھین لئے گئے۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ کو پہلے ہی انگریز حکمرانوں پر شک ہو گیا تھا کہ وہ اُس کی وفات کے بعد ریاست کی آزاد حیثیت کو ختم کرنے کی کوشش کریں گے اور یہاں اپنے اِقتدار کو مستحکم کرنے میں کامیاب ہوں گے۔ اپنے جانشینوں کی نا اِتفاقی بھی اُسے ستاتی رہتی تھی' جو کسی وقت بھی اُن کی کمزوری کا باعث بن کر حکومت کے لئے ایک خطرہ ثابت ہو سکتی تھی۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ کے یہ خدشات دُرست ثابت ہوئے۔ برطانوی حکومت نے سب سے پہلے ایجنٹ کی جگہ اپنا ریذیڈنٹ مقرر کر ڈالا' جو معاہدہ امرتسر کی خلاف ورزی تھی۔ ایک دو سال گزرنے کے بعد ہی مہاراجہ پرتاپ سنگھ پر الزام لگایا گیا کہ وہ سلطنت کا کام اچھی طرح سے چلانے میں ناکام ہوا ہے۔ وہ خزانۂ عامرہ

کو بڑی بے دردی سے لُٹا رہا ہے اور بہت فضول خرچ ہے اور برطانوی راج کے خلاف بیرونی طاقتوں سے مل کر سازشیں کر رہا ہے۔ اِن نامعقول وجوہات کی بناء پر اُسے معزول کر دیا گیا۔ اُس کے بھائی راجہ امر سنگھ کو بھی خفیہ طور پر اُس کے خلاف اُکسا کر اِن سازشوں میں شامل کیا گیا۔ راجہ امر سنگھ کا خیال تھا کہ اُس کے بھائی سے اِختیارِ حکومت سلب کر کے انگریز اُسے ہی مہاراجہ تسلیم کریں گے لیکن اِس کے برعکس انگریزوں نے حکومت کا ''نظم و نسق چلانے کے لئے ایک کونسل قائم کی اور اِس میں ریزیڈنٹ کو کافی اِختیارات دیئے گئے ——''

(''تاریخ ڈوگرہ دیس'' از: نرسنگھ داس نرگسؔ، ص: ۷۰۰)

ریاست جموں و کشمیر اور ریاست کے باہر انگریزوں کے اِس غیر منصفانہ اقدام کے خلاف زبردست احتجاج ہوا اور پرتاپ سنگھ نے بھی اصالتاً اور وکالتاً اپنی بے گناہی اور حکومتِ برطانیہ کے ساتھ وفاداری ثابت کرنے کی کوشش کی۔ بالآخر مہاراجہ کو کونسل کا پریزیڈنٹ اور امر سنگھ کو کونسل کا نائب صدر مقرر کیا گیا۔ راجہ رام سنگھ اور کچھ اور لوگوں کو اُس کونسل میں بطور ممبر شامل کیا گیا۔ بعد میں کافی تگ و دو کے بعد اُس کونسل کو توڑ دیا گیا اور مہاراجہ کے اِختیارات بحال ہو گئے جبکہ راجہ امر سنگھ کو ریاست کا چیف منسٹر مقرر کیا گیا۔ مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے عہدِ حکومت میں اور باتوں کے علاوہ اُردو زبان کو عدالتی زبان تسلیم کیا گیا اور جموں سے رسالہ ''رنبیر'' شائع ہونے لگا۔

بھدرواہ بطور جاگیر

راجہ امر سنگھ کے تحت:

بھدرواہ راجہ امر سنگھ کے تحت ایک اسٹیٹ کے طور پر ۱۸۷۶ء سے ۱۸۸۱ء تک رہی۔ تحصیلدار بھدرواہ کی رپورٹ کے مطابق تحصیلدار موصوف نے راجہ امر سنگھ کے نمائندے کو بھدرواہ جاگیر معہ کچھ چراگاہوں کے نومبر ۱۸۸۶ء میں حوالے کر دی

تھی، جو اُس کی تحویل میں ذاتی جاگیر کے طور پر حکمرانی، ترقیاتی امورات اور مالیہ وصول کرنے کے پورے اِختیارات کے ساتھ اُس کی موت (۱۹۱۲ء) تک رہی ——"

(اسٹیٹ آرکائیوز ریکارڈ)

اُس دور میں بھدرواہ ایک راجواڑہ سا لگتا تھا کیونکہ راجہ امر سنگھ اِسے اہم ترین جاگیر تصور کرتا تھا۔ ذاتی جاگیر بن جانے کے بعد راجہ امر سنگھ اور بعد میں راجہ ہری سنگھ کو اِس کا مالیہ اپنے ذاتی اخراجات پر صرف کرنے کے پورے اِختیارات حاصل تھے۔ جاگیر کے سرکاری کام کاج چلانے کے لئے پہلے کاردار (تحصیل دار) اور بعد میں وزیر وزارت تعینات کئے گئے۔

مہاراجہ پرتاپ سنگھ اور راجہ امر سنگھ کے درمیان جنگلات کی آمدنی پر کشیدگی اور سرحدوں کا تصفیہ:

راجہ امر سنگھ کی ذاتی جاگیر بھدرواہ کے جنگلات کی لکڑی فروخت کرنے کے لئے جموں ریلوے اسٹیشن کے قریب ایک ڈِپو کھولا گیا۔ جاگیروں کی کثیر آمدنی شاہی خاندان کے افراد میں کشیدگی کا باعث بنی اور کچھ عرصہ میں ہی مہاراجہ پرتاپ سنگھ اور راجہ امر سنگھ کے درمیان اِختلافات پیدا ہو گئے۔ بھدرواہ کی بڑھتی ہوئی آمدنی مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے لئے بڑی پریشانی کا باعث بنی۔ لکڑی کی فروختگی پر ہر سال جھگڑا ہوتا رہا۔ آخر کار ۱۹۱۱ء میں بھدرواہ جاگیر اور ریاست جموں کشمیر کی صحیح حد بندی کا اعلان کیا گیا، تاہم اُس اعلان کے بعد بھی ریاستی سرکار اور راجہ امر سنگھ کے درمیان کشیدگی قائم ہی رہی۔ اُس وقت کے اعلان کے مطابق بھدرواہ جاگیر کے جنگلات کو آٹھ بلاکوں میں منقسم کیا گیا جو حسب ذیل ہیں:

(۱) نیرو (۲) کیلاڑ (۳) چراہلہ (۴) جائی (۵) جتوتہ (۶) جنگلواڑ

(۷) بونجواہ اور (۸) بھلیس۔

جنگلات کے ورکنگ پلان کی تشکیل:

اُس دور میں پہلی بار بھدرواہ جاگیر کے جنگلات کا ورکنگ پلان تیار کیا گیا، جو ۱۹۰۲ء تا ۱۹۲۳ء لاگو رہا۔ اِس اقدام سے جنگلاتی لکڑی کی فروخت سے راجہ امر سنگھ کی آمدنی میں اور بھی اضافہ ہوا۔ اِتنی بڑی آمدنی دیکھ کر مہاراجہ پرتاپ سنگھ اپنی اِس غلطی پر پچھتاتا رہا، جس کے طفیل اُس نے میاں امر سنگھ کو یہ جاگیر عطا کردی تھی۔ لیکن اب وہ کچھ بھی نہ کرپایا۔ مہاراجہ پرتاپ سنگھ بھلیس اور مرمت گلیاں وادی کے جنگلات کو بھدرواہ جاگیر سے کسی نہ کسی صورت میں نکال کر اپنے تحت کرنا چاہتا تھا۔ اِس لئے اُس نے ریڈکلف، کنزرویٹر آف فارسٹس کے توسط سے ریزیڈنٹ کشمیر کے پاس دائر کردہ مقدمہ کی سماعت کے دوران ایسا پلان پیش کیا جس سے یہ جنگلات مہاراجہ پرتاپ سنگھ کو مل سکتے تھے لیکن راجہ امر سنگھ جو ذہین، بردبار اور قابل شخص تھا، نے سارا ریکارڈ اور شہادتیں اِکٹھا کرکے اپنے دعوے کو بڑی مضبوط بنیادوں پر تائیدی کاغذات کے ساتھ ایک رپورٹ کی صورت میں ریزیڈنٹ کو پیش کیا جب کہ مقدمہ کی مزید سماعت ہو رہی تھی۔ مقدمہ چلتا رہا اور ''راجہ امر سنگھ نے آربیٹریشن کی تجویز کو قبول کرلیا۔ لیکن رائے بہادر لالہ بھوانی داس، وزیر مال کشمیر سٹیٹ نے غالباً معاملہ کے تصفیہ کو التواء میں ڈالتے ہوئے تجویز پیش کی کہ جاگیر اور ریاست کے درمیان مکمل حد بندی عمل میں لانے کے لئے سارا ریکارڈ جمع کیا جائے۔ ۱۹۰۸ء میں سارے متعلقہ کاغذات اور رپورٹیں جمع کی گئیں۔ اِس سے پہلے یعنی ۱۹۰۷ء میں ہز ہائی نس مہاراجہ نے بھی اسٹیٹ ریزیڈنٹ کی طرف سے پیش کی گئی آربیٹریشن کی تجویز منظور کرلی۔'' معاملہ کی مکمل طور پر چھان بین کی گئی اور اُس پر ریاست کی سٹیٹ کونسل اور وزراء کی سطح پر بحث کے بعد ۸ رجنوری ۱۹۰۹ء کو مکمل طور پر جائزہ لیا گیا جبکہ سیٹلمینٹ

کمشنر نے اپنی حتمی رپورٹ مہاراجہ کی خدمت میں پیش کی اور مہاراجہ نے ۱۱/ اکتوبر ۱۹۱۱ء کو اپنے فائنل فیصلے کے احکامات صادر کیئے اور اُس آرڈر کے تحت بھدرواہ جاگیر اور ریاست کی سرحدوں کی حسب ذیل نشاندہی کی گئی:

۱. (شمال کی طرف) کالنئی نالہ کا بایاں کنارہ اور اُس کی جنوبی حدیں (طغیانی سطح کے سب سے اُونچے حصّہ تک)

۲. اِس مقصد کے لئے کال نئی ایسا دریا ہے جو کالی ناگ سے نکلتا ہے اور ٹھاٹھری میں داخل ہوتا ہے۔

۳. کالنئی کے بائیں کنارے پر پٹری اور دیگر اراضی کے قطعات (پلاٹس) پہلی کی طرح ہی رہیں گے اور اُن کو حسب معمول مراعات جاری رہیں گی۔

۴. نالہ ءکالنئی جس کی اُوپر وضاحت کی گئی ہے کہ وہ جاگیر سے باہر رہے گا، میں کسی قسم کی لکڑی بہائی نہیں جا سکے گی۔ جہاں تک طروَن اور پنج گرائیں کا تعلق ہے وہ سرحد' جو چناب سے نکل کر (بھدرواہ کے) نیتر کوتوال کی دھرم سالہ تک اور یہاں سے الون چل کے نالے کی تہہ تک اور اُس کے بعد ملن گھاٹی کنڈے تک جاتی ہے اور پھر بچھا نالہ کے گھراٹ تک اُترتی ہے اور یہاں سے بچھا نالہ سے نکلتے ہوئے کوہل تک پہنچتی ہے۔'' [۱]

اگرچہ اِس حد بندی سے یہ جھگڑا کسی حد تک ختم تو ہو گیا لیکن اِس حد بندی کے بعد بھی بھدرواہ کی مجموعی آمدنی کا معاملہ ریاستی سرکار اور راجہ امر سنگھ کے درمیان ناخوشگوار تعلقات کا باعث بنا رہا۔ مہاراجہ پرتاپ سنگھ اور راجہ امر سنگھ کی حکمرانی کے دوران بھدرواہ اور بھلیس میں شکتو کوتوال کا پوتا شب سرن بطورِ کاردار تعینات تھا۔

۱. ''ہمالین پرنسی پیلیٹیز'' از ڈاکٹر کول، ص: ۲۳۰-۲۳۱، بشیر بھدرواہی

بھدرواہ قصبہ کا بندوبست:

"۱۸۹۴ء میں بھدرواہ قصبے کے بندوبست کی رپورٹ تیار کی گئی۔ پیمائش کا فریضہ گنشام داس اور موتی لال پٹواری نے واسدیو کنٹھ تحصیلدار بھدرواہ کی نگرانی میں انجام دیا۔ اِس رپورٹ کے مطابق قصبہ میں ۴۵۳ ساگ زار موجود تھے۔ ۱۷۵ کھیوٹ راجہ امر سنگھ کے نام درج تھے۔ یہ رپورٹ ۴۲ صفحات پر مشتمل تھی۔ اُس وقت یعنی ۱۸۸۱ء میں لودن مل بھدرواہ کا دیوان تھا۔ راجہ امر سنگھ نے حد بندی تنازعے کے دوران بھدرواہ اور بھلیس کا تفصیلی دورہ کیا اور اُس نے اپنی جاگیر کے لوگوں کی خوشحالی کے لئے کئی اہم اقدامات اُٹھائے تھے۔ اُس نے بھدرواہ میں سری امر سنگھ سکول کھولا اور اُس سکول کی وجہ سے بھدرواہ کو تعلیم و تدریس کے میدان میں کافی پیش رفت حاصل ہوئی۔ بھدرواہ میں ایک ڈاک خانہ بھی کھولا گیا۔ راجہ امر سنگھ نے اپنی جاگیر میں ریشم کی صنعت کو فروغ دینے میں ذاتی دلچسپی دکھائی۔"[۱]

راجہ امر سنگھ کا دورۂ بھدرواہ:

راجہ امر سنگھ نے ۱۸۹۳ء-۱۸۹۴ء میں بھدرواہ جاگیر کا دورہ کیا۔ کہتے ہیں کہ اُس نے پُل ڈوڈہ سے لمبے پہاڑی مینڈ (کنڈا) کے راستے شیوہ، بارسو اور کنڈ شرو کے دیہات عبور کر کے سبھار دھار تک کا سفر کیا۔ اپنے دورۂ بھلیس کے دوران راجہ امر سنگھ نے علاقہ چلّی میں واقع ایک دھار موسوم بہ "گیلانی دھار" وہاں کے ایک باشندے جمال گوجر کو گاہ چرائی کے لئے ٹھیکہ پر دے دی تھی۔ چنتہ کے مقام پر لوگوں نے اُس کے اِستقبال میں شرکت کی اور ناچ نغمے پیش کئے۔ وہاں سے وہ براستہ جائی بھلیسہ کے دورہ پر روانہ ہوا۔ راجہ نے جاگیر کے مجموعی بندوبست کی نگرانی کے لئے

۱۔ "تصویرِ ضلع ڈوڈہ" از ولی محمد اسیر کشتواڑی، صفحہ: ۲۲۲

۱۹۱۲ء میں کشمیر کے سیٹلمینٹ کمشنر مسٹر ٹیلبوٹ کی خدمات تین سو روپے ماہوار کے الاؤنس پر حاصل کیں۔ اُسی دوران ایک اور جھگڑا پیدا ہوا۔ لودن مل نے قصبہ بھدرواہ کی زمین کو ۱۸۹۴ء کے دوران راجہ امر سنگھ کے نام پر اندراج کیا تھا' جس سے زمین کے مالکان کے دِلوں میں خوف اور شکوک پیدا ہوئے تھے۔ جاگیر کے ٹھاکر اور برہمن مالکان کو چمبہ اور بلاور کے حکمرانوں نے مختلف ادوار میں کچھ سندیں اور تانبے کے پٹوں پر زمین کے مالکانہ حقوق عطا کئے تھے۔ قدرتی طور پر مالکان نے بندوبست کے دوران اپنے مالکانہ حقوق دئے جانے پر بہت اصرار کیا۔ یہ جھگڑا مجموعی بندوبست یعنی ۱۹۱۲ء تک چلتا رہا۔ لاب جو کے وقت سے اُن مالکان کو کاشتکاروں کا درجہ دے دیا گیا تھا اور بعد میں اُن کو مال گزاری کا درجہ دے کر مالکانہ حقوق سلب کر دیئے گئے تھے۔ ۱۹۱۵ء تا ۱۹۱۶ء میں کئے گئے بندوست کے دوران راج دربار کے احکامات کے تحت کچھ زمینداروں کے مالکانہ حقوق بحال کر دیئے گئے۔

۱۸۹۰ء میں پہلی بار بھدرواہ میں مردم شماری عمل میں آئی۔ اپنے دورہٗ بھدرواہ کے دوران راجہ موصوف نے بقول نیک چند کوتوال ''۔۔۔۔۔ سبھار دھار بھدرواہ کے شیش ناگ مندر پر بھی حاضری دی' جو اُس کی بھدرواہ جاگیر کا ہی ایک اہم حصہ تھا۔ دراصل اُس کی کوئی اولاد نرینہ نہ تھی ۔۔۔۔۔'' روایت کی جاتی ہے کہ اُس کا سبھار دھار کا دورہ اِسی سلسلہ میں تھا۔ راجہ نے اُس مندر کے نام پر بہت سے سونے کے زیورات' ایک قیمتی چھتری نذر کی اور دو سو کنال زمین اِندراج کروائی۔ اُن زیورات کا مظاہرہ ہر سال بیساکھی کے میلے میں کیا جاتا ہے۔ راجہ مندر کے چیلے سے کچھ خفا ہونے کے بعد واپس بھدرواہ آیا۔ اُس نے یہاں پر مقیم ایک خدا دوست فقیر کے نام کے کمالات کے بارے میں پہلے ہی سن رکھا تھا۔ واپسی پر اُس نے اُس فقیر کے تکیے پر حاضری دی۔ کافی دِنوں تک حاضری دینے کے بعد ایک دِن فقیر اُس طرف متوجہ ہوا اور پوچھا کہ وہ یہاں کیوں آتا ہے؟ راجہ نے جواب دیا کہ اُسے محض

فقیر کی مہربانی چاہیئے۔ فقیر بولا ''ارے راجہ سُن، تمہیں اولاد کی ضرورت ہے اور یہ خواہش بھی کہ اولاد بھی نرینہ ہو۔ لیکن یہ اولاد تمہاری قسمت میں نہیں ہے۔ جیسا کہ مجھے معلوم ہوتا ہے۔ ہاں ایک صورت میں کہ میں خود اِس جسدِ فانی سے تمہاری اولاد کے لئے دُعا کرتے ہوئے آزاد ہو جاؤں تو ایسا ممکن ہے۔'' دُوسری صبح راجہ یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ فقیر غائب ہو چکا ہے۔ راجہ نے کفِ افسوس ملا۔ کہتے ہیں کہ اُس کی پانچ بیویوں میں سے ایک سے بھی اولاد نہیں تھی۔ جب راجہ اپنی جاگیر کے دورے کے بعد جموں پہنچا تو کچھ عرصے کے بعد ہی اُس کی ایک رانی حاملہ ہو گئی اور اُس کے بطن سے میاں ہری سنگھ ۱۸۹۵ء میں پیدا ہوا۔ اِس واقعہ کا ذِکر نرسنگھ داس نرگسؔ نے ''تاریخ ڈوگرہ دیس'' میں بڑی تفصیل اور دِلچسپ انداز میں کیا ہے۔

دُوسری طرف مسٹر نیک چند کوتوال لکھتے ہیں کہ راجہ امر سنگھ اپنے دورہٗ بھدرواہ کے دوران امیر چند تحصیل دار، جو موجودہ جگوتہ تحصیل بھدرواہ کا باشندہ تھا، کی خدمات سے بہت خوش ہوا اور اُسے کیلاڑ اور چراہلہ کے جنگلات کی لکڑی کے چیران کا ٹھیکہ دے دیا اور لکڑی دریائی ڈھلان کا کام بھی سپرد کیا۔ راجہ کی اِس دریا دِلی پر بھدرواہ کے مقامی زمینداروں اور جاگیرداروں نے مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے کان (امیر چند کے خلاف) بھرے اور اپنی مقصد براری کے لئے مہاراجہ پرتاپ سنگھ اور راجہ امر سنگھ کو اُس کے خلاف کر دیا۔ وہ اپنی سازشوں میں یہاں تک کامیاب ہوئے کہ مہاراجہ نے بھدرواہ جاگیر میں سے زرخیز ترین زمین اُن کے نام کر دی اور اراضی کے بڑے بڑے قطعات اُن کے سپرد کئے۔ امیر چند کی کسی یاترا سے واپسی پر موت واقع ہو گئی اور وہ مہاراجہ کے دربار میں اپنی صفائی پیش نہ کر سکا۔ اُس کے خاندان میں موجودہ دور میں بھی بڑے بڑے تعلیم یافتہ اور پیشہ ورانہ طور تربیت یافتہ افراد موجود ہیں۔ اُن لوگوں کی راج دربار میں خوب رسائی رہی جس وجہ سے بقول نیک چند کوتوال ''اُن کو حکومت کے اعلیٰ عہدے ملے لیکن اُنہوں نے بڑی دولت سمیٹی اور جائدادیں

بنائیں بغیر اِس بات کی پرواکئے ہوئے کہ اُن کی برادری کے کئی لوگ آس پاس میں ایک قابلِ رحم زِندگی گزار رہے تھے اور جن کی خوشحالی کے لئے بھی اُن کو خیال رکھنا چاہئے تھا ــــــ"

(بحوالہ نیک چند کوتوال' باب: بھدرواہ ڈوگروں کے تحت' ص:۱۸۶)

جاگیرداری کے پورے دور میں سمیال اور جموال وزیروں نے مہاراجہ کو اپنے بس میں کر کے بھدرواہ جاگیر کے قرب وجوار میں زمین کے زرخیز ترین قطعات اپنے نام رجسٹر کروائے جس کے نتیجے میں عوامی دور تک کاشتکار لوگ سخت محنت مشقت کے باوجود فاقہ کشی اور ظلم وستم کا شکار رہے۔ امیر چند کوتوال کے خاندان سے مادھولال کوتوال اور اُس کی نسل کے لوگ ابھی جگوتہ کے گاؤں میں آباد ہیں اور ایک شاخ کے لوگ بھالڑہ کے اپنے قدیم مسکن میں رہتے ہیں' جنہوں نے ترقی کی بلندیوں پر پہنچ کر بھدرواہ کا نام روشن کیا۔ اُن میں لکھمی چند کوتوال' شیولال کوتوال ایڈوکیٹ' ڈاکٹر پریم ناتھ مرحوم' جگت رام کوتوال اور ایل.سی.کوتوال بہت مشہور ہوئے۔ کوتوال شیولال مرحوم کے فرزندان موجودہ دور میں بھی اعلیٰ عہدوں پر فائز رہ کر سبکدوش ہوئے ہیں۔

راجہ امر سنگھ کے دورِ اقتدار میں بھدرواہ کے حالات ماسوائے زمینداروں کے مالکانہ حقوق کے سلسلہ میں کی گئی جدوجہد کے پُرامن رہے اور اُس دور میں تعلیمی ترقی ہوئی۔ مردم شماری بھی کی گئی اور بندوبست کے ذریعہ جاگیر کی اراضی کی پیمائش اور جاگیر کی حدبندی کی گئی۔ لوگوں کی شکایات کا کافی حد تک ازالہ ہوا۔ اُس دور میں بھی بہت سے کشمیری نژاد لوگ یہاں آ کر آباد ہوتے رہے۔ اُس دور کی سب سے بڑی دین بھدرواہ میں ایک ہائی سکول کا قیام ہے' جس کا نام ہی راجہ کی نسبت سے سری امر سنگھ سکول رکھا گیا۔ اِس سکول کی بدولت بھدروارہ جاگیر نے اعلیٰ قسم کے قانون دان' ماہر تعلیم' سیاست دان' سماجی کارکن' انجینئر' ڈاکٹر اور معروف آفیسر پیدا کئے جو اِبتداء سے ہی ساری ریاست کی تعمیر وترقی اور سیاسی اور انتظامی اُفق پر چھائے رہے۔ ضلع بھر

میں پہلے بڑے تعلیمی ادارے کی حیثیت سے یہاں کے مقامی اور دیگر تحصیلوں کے طلباء فارغ ہوکر ریاست اور ریاست کے باہر اعلیٰ تعلیمی اور پیشہ وارانہ اداروں سے فیض حاصل کر کے ریاست کے اہم سرکاری اور غیر سرکاری عہدوں پر فائز رہ کر مجموعی ترقی میں اپنا حصّہ ادا کرتے رہے۔ مقامی باشندوں نے عوامی حکومت سے صرف ایک کالج کی مانگ کی اور چند سالوں کی جدوجہد کے بعد ۱۹۵۵ء میں بھدرواہ کے لئے ایک اِنٹرمیڈیٹ کالج منظور کروانے میں کامیاب ہوگئے جس کی بدولت تعلیمی میدان میں بھدرواہ ''ریاست کا کیرلہ'' کہلاتا ہے۔ راجہ امر سنگھ نے بھدرواہ کی مجموعی ترقی کا خاص طور پر خیال رکھا۔ مالکِ جاگیر ہونے کے علاوہ اُس نے پرائم منسٹر کی حیثیت میں بھی حتی المقدور یہاں کے مسائل حل کرنے کی کوشش کی۔ کہتے ہیں کہ موجودہ ڈاک بنگلہ بھی اُس کے دور میں تعمیر کیا گیا۔ یہاں پر ایک ہسپتال کھولنے اور منصفی قائم کرنے کے احکامات بھی صادر کئے گئے۔ بھلیس اور بھدرواہ کے دورے کے دوران اُس نے لوگوں کی شکایات خود سُنیں اور اُن کے مسائل حل کئے۔ ساتھ ساتھ جنگلات اور دیگر سرکاری ارضیات کا بھی ملاحظہ کیا۔ ۱۹۰۳ء میں بھدرواہ خاص میں پہلا ڈاک خانہ کھولا گیا اور جاگیر کے قرب و جوار میں ابریشم کی صنعت کو فروغ دیا گیا۔

راجہ امر سنگھ کی وفات:

مہاراجہ پرتاپ سنگھ کی زِندگی میں ہی راجہ امر سنگھ کی ۱۹۱۲ء میں موت واقع ہوئی جس سے بھدرواہ کے مقامی لوگوں میں بھی صف ماتم بچھ گئی۔ اُن کی وفات کے بعد بھدرواہ راجکمار ہری سنگھ کی تحویل میں بطور جاگیر آ گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد مہاراجہ پرتاپ سنگھ بھی ستمبر ۱۹۲۵ء میں چل بسا اور راجکمار ہری سنگھ مہاراجہ کے طور پر ریاست کی شاہی گدی پر فائز ہوا۔ اِس طرح سے ریاست جموں وکشمیر دو بہترین حکمرانوں سے یکے بعد دیگرے محروم ہوئی۔

نیچے ''گرو کل'' طرز پر چلتے تھے۔ تعلیمِ نسواں کو فروغ دینے کے لئے لڑکیوں کے سکولوں کی تعداد سولہ (۱۶) تک پہنچ گئی۔ مسلم لڑکیوں کے لئے ریاست میں دو نئے سکول کھولے گئے اور پرائمری سطح پر تعلیم مفت کر دی گئی۔ سٹیٹ کونسل کی سفارش پر مُسلم طالب علموں کے لئے بھی کچھ وظائف منظور ہوئے۔ چند ایک منتخبہ سکولوں میں عربی پڑھانے کے لئے عربی مدرّسین کی تعیناتی بھی کی گئی۔ ۱۹۱۵ء میں مسلم اسسٹنٹ انسپکٹروں کی چند ایک آسامیوں کی بھی منظوری دے دی گئی۔ ۱۹۲۱ء میں بہت سے سکولوں کا درجہ بڑھا کر مڈل سکول تک کر دیا گیا۔ اُن میں بھدرواہ جاگیر کے کلھوتران' بھدرواہ' بھیلہ اور بھالا کے پرائمری اسکول شامل ہیں۔ ۱۹۰۱ء میں سکولوں کی تعداد ستاسی (۸۷) تھی لیکن ۱۹۱۱ء میں یہ تعداد بڑھ کر ۳۷۹ اور ۱۹۲۱ء میں ۶۷۵ تک جا پہنچی۔ اُن میں ۳۲،۹۷۱ طلبا تھے۔

موجودہ خطۂ ڈوڈہ کے مختلف مقامات اور علاقوں کی طرف
کشمیری لوگوں کی منتقلی:

اندورنی اور بیرونی اعصابی دباؤ کے علاوہ مہاراجہ پرتاپ سنگھ کو وادیٔ کشمیر میں بہت سے پریشان کن حالات سے دوچار ہونا پڑا۔ اُسے قحط سالی' وبائی بیماریوں اور سیلابوں جیسی آفاقی اور سماوی آفات کے ساتھ مقابلہ کرنا پڑا۔ اُن حالات کے نتیجے میں بہت سے کشمیری لوگ ہجرت کر کے ڈوڈہ' کشتواڑ اور بھدرواہ کے علاقوں میں آباد ہوئے۔ ہیضہ کی بیماری نے ۱۸۸۸ء' ۱۸۹۰ء اور ۱۹۱۰ء کے دوران متعدد لوگوں کی جانیں لیں۔ اُسی دور میں یعنی ۱۹۰۲ء اور ۱۹۰۳ء میں بھیانک سیلابوں نے وادی کو گھیر لیا اور لوگوں کا کافی مالی اور جانی نقصان ہوا۔ ۱۸۹۲ء اور ۱۸۸۹ء کے دوران آتش زدگی کی لپیٹ میں بہت سے مکانات اور دوکانیں وغیرہ آ گئیں۔ اُن ہی حالات میں مقامی

استحصالی عناصر نے، جن میں بڑے بڑے تاجر شامل تھے' اناج کی ذخیرہ اندوزی کر کے لوگوں کو فاقہ کشی کا شکار بنا دیا۔ ۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء کی عالمی جنگ کی وجہ سے کساد بازاری نے کشمیر کے حالات پر بھی بُرا اثر ڈالا۔ خوراک کی کمی کو مالیہ کے بجائے مجوزہ کی صورت میں پورا کرنے کی کوشش کی گئی۔ پنجاب سے غلہ منگوایا گیا۔ اِس کے بعد ابریشم کے ملازمین اور دیگر کاریگروں کی ہڑتال نے پریشان کیا' جس کو دبانے کے لئے لیڈروں کو گرفتار کیا گیا اور کچھ لوگوں کو سزائیں دی گئیں۔ مہاراجہ پرتاپ سنگھ پریس کی آزادی اور سیاسی تنظیموں کے خلاف تھا' تاہم ۱۹۲۴ء میں ریاست کا پہلا اخبار رنبیر شائع ہونے لگا۔ کشمیری لوگوں کی خِطّۂ ڈوڈہ میں آمد کی مکمل تفصیل ایک علیحدہ باب کے طور پر شاملِ کتاب کی گئی ہے۔ مجموعی طور پر مہاراجہ پرتاپ سنگھ کا دور اصلاحات' اِنتظامیہ ترقی اور سلطنت کی وُسعت کے لحاظ سے بے حد ممتاز رہا۔ ہندوستان کی کوئی ریاست اِس کی ہم سری کی حامل نہیں تھی۔

بھدرواہ بطور جاگیر

راجہ ہری سنگھ کے تحت:

پہلے بھی ذِکر ہو چکا ہے کہ ۱۹۱۱ء میں راجہ امر سنگھ کی موت پر بھدرواہ جاگیر راجہ ہری سنگھ کو عطا ہوئی۔ کیونکہ مہاراجہ پرتاپ سنگھ بقید حیات تھا' اِس لئے اُس نے بھدرواہ کے سِول اور فوجداری معاملات نپٹانے کے لئے ایک اِنتظامی کمیٹی تشکیل دی جس میں دیوان شیوسرن' دیوان اننت رام اور وزیر صوبارام کو بطور ممبران شامل کیا گیا۔ ۱۹۱۵ء میں راجکمار ہری سنگھ کو جاگیر کے مکمل اِختیارات تفویض کئے گئے اور جاگیر میں اہلکاروں کی تعداد گھٹا دی گئی۔ ۱۹۱۶ء میں ہری سنگھ کو راجہ کا خطاب دیا گیا۔ چیف منسٹر اور اِنتظامی کمیٹی کے ممبران کو جاگیر کا چارج سنبھالنے کے موقع پر اِنعامات اور خلعتوں سے بھی نوازا گیا۔

حکومتِ برطانیہ سے وفاداری اور شرقی غربی سرحدوں کو محفوظ رکھنے کے اعتراف میں حکومت برطانیہ کی طرف سے ڈوگرہ حکمرانوں کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا اور اُن کی تعریف کی گئی۔ حوصلہ افزائی کے ساتھ ساتھ اُن کو اعزازات سے بھی نوازا جاتا رہا۔ تقریباً سب ڈوگرہ حکمرانوں نے اندرون اور بیرون ملک فوجی اور عسکری طور پر حکومت برطانیہ کی مدد کی تاکہ اُن آقاؤں سے اپنی حکمرانی کے لئے ہر قسم کا تعاون اور مدد حاصل کر سکیں۔

راجہ امر سنگھ نے راجکمار ہری سنگھ کی پرورش اور تعلیم کی طرف خاصا دھیان دیا۔ ''حکومت برطانیہ کی منظوری کے بعد مس مارگیٹ کار کو ہری سنگھ کی گورنیس مقرر کیا گیا اور دستیاب ریکارڈ کے مطابق ۱۹۰۵ء میں میجر لینڈور کو اُس کا اتالیق تعینات کیا گیا۔ اِس کے بعد کیپٹن سویٹ کو ۱۹۰۷ء میں اور لالہ ہربنس لال کو ۱۹۱۴ء میں یکے بعد دیگرے انگریزی اور ہندوستانی پڑھانے کا کام سپرد کیا گیا۔ ۱۹۱۵ء میں اے۔ایم. سٹو کو اُس کا سرپرست اور ٹیوٹر مقرر کیا گیا۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد میاں ہری سنگھ کو حکومت برطانیہ کی طرف سے اعزازی طور پر خطابات وغیرہ سے بھی نوازا گیا اور ریاستی فوج کا کمانڈر اِن چیف بھی مقرر کیا گیا۔ ۱۹۰۸ء میں راجکمار کو اجمیر کے میوٴ کالج میں داخل کیا گیا' جہاں اُس نے بڑی کامیابی سے اپنا کورس ختم کیا۔''[1] بیس سال کی عمر میں یعنی ۱۹۲۲ء کو اُنہیں سٹیٹ کونسل کا سینئر ممبر بنایا گیا۔

راجہ ہری سنگھ کی پہلی شادی ۱۹۱۱ء میں بھرت پور کی راجکماری سے ہوئی۔ اِس کے بعد اُس کی مزید دو شادیاں ہوئیں اور وہ دونوں بیویاں لاولد مر گئیں۔ چوتھی شادی مہاراجہ بننے کے بعد بیجاپور کانگڑہ کے ایک بڑے زمیندار اور رئیس بیلی چند کٹوچ کی دختر تارا دیوی سے ہوئی۔ اُس کے بطن سے یوراج کرن سنگھ ۱۸۹۵ء میں پیدا ہوا۔ اُس کی پیدائش پر ساری ریاست میں خوشیاں منائی گئیں۔

1۔ ''ہمالین پرنسی پیلیٹیز'' از ڈاکٹر پریتم کرشن کول' ترجمہ: بشیر بھدرواہی

راجہ ہری سنگھ کا دورۂ بھدرواہ:

راجہ ہری سنگھ نے بھدرواہ جاگیر کا دورہ سال ۱۹۲۱ء-۱۹۲۲ء کے ماہ جولائی میں بڑی شاہانہ انداز سے کیا ——— ''اُس کے ساتھ باقی لوگوں کے علاوہ اُس کا اے۔ڈی۔سی۔ ڈبلیو ایس ویکفیلڈ بھی تھا' جو بعد میں اُس کی اِس ذاتی ڈومین کا ڈائریکٹر بھی بنا تھا۔ راجہ ہری سنگھ نے گاگل ریسٹ ہاؤس میں قیام کیا' جو ۱۹۲۸ء میں بادل پھٹ جانے کے واقعہ سے پہلے ایک پُر فضا اور دِلکش مقام مانا جاتا تھا۔ یہاں اُسے صرف چار دن قیام کرنا تھا لیکن اِس کے برعکس وہ یہاں پورے ایک ہفتہ تک ٹھہرا۔ جاگیر کے سب اہلکاروں کو مناسب طور پر مالی اور مادی تحائف سے نوازا گیا۔ کوتوالوں کو زمین کے بڑے بڑے قطعات بخشے گئے اور منادر کے نام بہت سی زمینیں عطا ہوئیں۔ گنپتی ماڑی کے مندر کی مرمت کی گئی۔ یہاں پر راجہ ہری سنگھ نے یہ بھی اعلان کیا کہ بھدرواہ کی سڑک کا بہت جلد سروے کیا جائے گا اور اُس کی تعمیر بھی بہت جلد شروع کی جائے گی ———''

(''ہمالین پرنسی پیلٹیز' از ڈاکٹر پریتم کرشن کول' صفحہ: ۲۴۴' ترجمہ: بشیر بھدرواہی)

راجہ ہری سنگھ اور اُس کے کارواں کے اِکیالیس (۴۱) افراد موٹر کاروں میں بٹوت تک آئے۔ اُس کارواں میں ویکفیلڈ کے علاوہ کچھ آفیسر' محافظ اور کئی خدمتگار بھی شامل تھے۔ راجہ کو بٹوت سے بھدرواہ تک لانے کے لئے گھوڑوں' خچروں اور اُن جانوروں کی خوراک کے لئے گھاس وغیرہ کا خاطر خواہ اِنتظام کیا گیا تھا۔ بھلیسہ اور بھدرواہ کے دیہاتی لوگوں کو بار برداری کے لئے بٹوت بھیجا گیا جیسا کہ راجکماروں' راجوں کی یارانیوں کی آمد پر سالہا سال سے ہوتا آیا تھا۔ یہ بھی روایت کی جاتی ہے کہ رانیوں کی پالکیاں اُٹھانے کے لئے یہ لوگ کہاروں کا کام بھی سرانجام دیتے تھے۔ اُن میں خواتین بھی درباری رانیوں کی خدمت کے لئے شامل ہوا کرتی تھیں۔ بیگار پر بھیجے

جانے والے لوگوں کو دورانِ سفر اپنے لئے خوراک سے متعلق چیزیں ساتھ اُٹھانا پڑتی تھیں جس میں مکی کی روٹی اور ستو وغیرہ شامل ہوتے تھے۔

راجہ ہری سنگھ کا یہ کارواں اُس رات کھلینی کے سرکاری بنگلے میں ٹھہرا اور دُوسرے روز بطرف بھدرواہ روانہ ہوا۔ شائقین سڑک کے دونوں کناروں پر اِستقبال کے لئے کھڑے تھے۔ جگہ جگہ راجہ اور اُن کے ہمراہ لوگوں کا شاندار اِستقبال کیا گیا۔ بھدرواہ میں کچھ روز قیام کرنے کے بعد راجہ لوگوں کے اصرار پر چِنتہ روانہ ہوا۔ یہ بھی بھدرواہ کی ایک خوبصورت ترین جگہ ہے جو دیودار کے جنگلات سے گھری ہوئی ہے۔ چِنتہ میں مقامی لوگوں اور بھلیسہ سے آئے ہوئے مرد و خواتین نے راجہ کا دِلی سواگت کیا۔ اُنہوں نے خوشیاں منائیں اور مختلف قسم کے لوک گیتوں اور مقامی لوک ناچ یعنی ''کڈ'' کے مظاہرے سے راجہ کا دِل موہ لیا۔ یہاں سے ہری سنگھ کا کارواں جائی کے صحت افزا مقام سے ہوتے ہوئے بطرفِ کشتواڑ روانہ ہوا۔

مہاراجہ ہری سنگھ کی

اِنصاف پسندی کی چند مثالیں:

جیسا کہ مذکورہ بالا سطور میں ذِکر کیا گیا کہ مہاراجہ ہری سنگھ نے اپنے دورۂ بھدرواہ ۱۹۲۱ء۔ ۱۹۲۲ء کے دوران علاقہ چِنتہ اور جائی کا بھی دورہ کیا۔ بقول مسٹر غلام چوگانی ''—— مہاراجہ ہری سنگھ اپنی رانی کو اپنے ساتھ سیر و تفریح کے لئے جائی کی خوشنما وادی کے ایک گوشے میں لے گیا۔ اِتفاقاً اُس کی نظر ایک بکروال پر پڑی۔ بکروال نے آداب بجالاتے ہوئے اِستقبال کیا اور اپنی روایتی مہمان نوازی سے اُن کو خوش کیا۔ باتوں باتوں میں مہاراجہ کو یہ معلوم ہوا کہ اُس بکروال کے چار بکرے مفت میں کیمپ کے لئے لئے گئے ہیں۔ راجہ نے واپس آتے ہیں منتظمان کو ڈانٹا اور بکروال کو بکروں کی قیمت دِلوادی ——''

مسٹر چوگانی مزید بیان کرتے ہیں کہ ـــــــ "سرگباشی مہاراجہ ہری سنگھ کو اُن کے والد غلام قادر چوگانی نے جائی کے دورے کے دوران دیکھا تھا۔ مہاراجہ ہری سنگھ نے جائی میں رعایا کے جم غفیر میں سینکڑوں بوجھ بردار بوڑھوں اور جوانوں کو دیکھا' جن میں لسّہ چوگانی بھی شامل تھا' جو جرأت مندی اور حق گوئی میں اپنی مثال آپ تھا۔ اُس نے مہاراجہ جی سے عرض کیا کہ ہم رعایا پر سخت ظلم ہوتا ہے۔ ذیلدار حکم کرتا ہے کہ سب تجارت پیشہ لوگ اشیائے خوردنی اُٹھا کر کیمپ کی طرف چلیں' ہمیں حکم ماننا پڑتا ہے۔ مہاراجہ صاحب کی خاطر تو قاطربان بھدرواہ نگر سے چیزیں لا سکتے ہیں مگر سب دوکانداروں کو بیگاری بنا کر کیمپ میں لانا کہاں کا اِنصاف ہے؟ مہاراجہ ہری سنگھ جی نے چوگانی کی شکایت مبنی بر صداقت قرار دی اور جملہ تاجروں کو ہمیشہ کے لئے "بیگار" سے مستثنیٰ قرار دے دیا ـــــــ"

کلہوتران کے حاجی منگو بٹ کا کہنا ہے کہ" ـــــــ کلہوتران (علاقہ بھلیس) کا ایک وفد مہاراجہ صاحب کو پیش ہوا اور عرض کیا کہ ماسٹر روشن لال ساکنہ ریلہ نے کلہوتران سکول کو گندوہ منتقل کر لیا ہے' جو اُس کے اپنے گاؤں کے نزدیک پڑتا ہے۔ مہاراجہ موصوف نے موقع پر ہی سکول کو اپنی جگہ (یعنی کلہوتران) شفٹ کرنے کے احکامات صادر کئے ـــــــ" وہ مہاراجہ بہادر کی اِنصاف پروری کے تیسرے واقعے کا تذکرہ یوں کرتے ہیں" ـــــــ ایک دفعہ تحصیلدار بھدرواہ' بھلیس جا رہا تھا' جائی پہنچ کر اُس نے خود تو لذیذ غذائیں کھائیں مگر پالکی بردار پہلوانوں کو بھوکا رکھا۔ اُن میں مشہورِ زمانہ جملی پہلوان بھی شامل تھا۔ جائی سے روانگی کا حکم ہوا تو اُوپر باچھدار کے قریب جملی پہلوان نے پالکی زمین پر رکھ دی اور دُوسرے پالکی بردار پہلوانوں کو لے کر اپنی راہ لی۔ تحصیلدار کی شکایت پر جملی پہلوان کو مہاراجہ ہری سنگھ کے دربار میں بلایا گیا۔ پیشی کے دوران جملی پہلوان نے عرض کیا۔ "مہاراج' تحصیلدار صاحب نے تو جائی کے مقام پر خود خوب کھانا تناول کیا مگر ہم سب "بیگاریوں" کو بالکل بھوکا رکھا۔

ہم نے بھوک سے نڈھال ہو کر ہمت ہار دی۔ کھانا تو جانوروں کو بھی کھلایا جاتا ہے لیکن ہمیں اُن سے بھی بدتر خیال کیا گیا۔ اِس کے بعد مہاراجہ صاحب نے پالکی برداری کی رسم کو ختم کر دیا اور پہلوانوں کی بیباکی اور صاف گوئی کی داد بھی دی ـــــ‘‘[1]

۱۹۳۰ء میں ریاست جموں وکشمیر میں

بھدرواہ کا ادغام:

مہاراجہ نے اپنی جاگیر بھدرواہ کی ترقی کے لئے بہت سے اِقدامات اُٹھائے۔ راجہ امر سنگھ کی وفات تو پہلے ہی یعنی ۱۹۱۲ء میں ہو چکی تھی لیکن مہاراجہ پرتاپ سنگھ بھی ۱۹۲۵ء میں چل بسا۔ کیونکہ اُس کی اپنی کوئی اولاد نرینہ نہیں تھی، اِس لئے اُس کے بھیجتے راجہ ہری سنگھ کو اُس کی جگہ زینتِ تخت کیا گیا۔ اب بھدرواہ جاگیر کا مالک ساری ریاست کا حکمران اور مہاراجہ بن گیا۔ اِس سے قبل بھدرواہ جاگیر کا درجہ محض ایک جاگیر کا تھا لیکن ہری سنگھ نے مہاراجہ بنتے ہی جاگیر کا درجہ بدل دیا۔ اُسے ذاتی جاگیر کے بجائے ریاست یا مملکت کا نام دیا گیا۔ آفیسر اِنچارج جاگیر کے عہدے کو ڈائریکٹر پرائیوٹ ڈومین میں تبدیل کیا گیا۔ مہاراجہ بننے کے بعد اُس کی بھدرواہ نواسیوں کے تیئں ہمدردیاں اور بڑھ گئیں۔ اُنہیں ملازمتوں میں بھی حصّہ ملنے لگا۔ بھدرواہ اور پونچھ جاگیروں کے لوگوں کو پشتینی باشندہ ریاست ہونے کے حقوق حاصل نہیں تھے، جس وجہ سے تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود وہ ریاستی سرکار کی ملازمتوں کے حقدار تصور نہیں ہوتے تھے۔ یہ مسئلہ راجہ کے دورہ بھدرواہ پر بھی اُس کے گوش گزار ہوا تھا۔ مہاراجہ نے ایک فرمان مجریہ ۲۱ر اکتوبر ۱۹۲۷ء کی رُو سے اِس اہم مسئلہ کو حل کر دیا۔ اُن جاگیروں کے باشندے ریاست جموں وکشمیر کے مستقل باشندے قرار دے دئے گئے۔ بھدرواہ نواسیوں کو بھی ملازمتوں میں حصّہ ملنے لگا اور یہاں تعلیم، صنعت اور حفظانِ صحت کے میدان میں بھی پیش رفت ہوئی۔

۱۹۲۸ء میں موضع ڈنڈی بھدرواہ کے ایک باشندے رُستم خان نے ڈائریکٹر بھدرواہ ڈومین کے ایک آرڈر کے خلاف مہاراجہ کے پاس اپیل کی۔ زمین سے جڑے ہوئے کچھ دُوسرے مسئلوں جیسے سڑکوں، جنگلوں یا دفاتر میں اِستعمال ہونے والی اراضی کے معاوضے کی ادائیگی میں آنے والی قانونی رکاوٹوں نے مہاراجہ کو جاگیر بھدرواہ کی آئندہ حیثیت پر نظر ثانی کرنے پر مجبور کیا اور بالآخر بھدرواہ کی ذاتی جاگیر کو ۱۹۳۰ء میں ریاست جموں و کشمیر میں مدغم کیا گیا۔ اُس کا درجہ گھٹ گیا اور یہ ضلع اُدھم پور کے ساتھ ایک تحصیل کے طور پر شامل ہوگئی۔ اِس سلسلہ میں جاگیروں کے ریاست میں ادغام کے لئے قائم کی گئی کمیٹی کی سفارشات پر عمل کرتے ہوئے جاگیروں کی حیثیت ہمیشہ کے لئے ختم کردی گئی۔

مہاراجہ ہری سنگھ کی پریشانیوں میں اضافہ:

۱۹۲۵ء میں ہری سنگھ کے مہاراجہ کی گدی پر بیٹھنے کے بعد اُس کی ذِمہ داریوں میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ ہندوستان کی شمالی مغربی سرحدوں پر واقع ہونے کی وجہ سے ریاست جموں و کشمیر حکومت برطانیہ کے لئے ایک کلیدی اہمیت کی حامل تھی۔ کیونکہ روس، چین، مغربی ایشیاء اور مڈل ایسٹ وغیرہ کے ممالک اِس کے بالکل قریب واقع تھے۔ اِس دوران مہاراجہ ہری سنگھ نے کئی بار برطانیہ کا دورہ کیا اور ۱۹۳۰ء میں راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں بھی شرکت کی۔ دُوسری طرف برصغیر ہند کے سیاسی حالات نئی کروٹ لے رہے تھے۔ ریاست جموں و کشمیر میں بھی کچھ ایسے حالات رُونما ہوئے جن کی وجہ سے مہاراجہ ہری سنگھ کی پریشانیوں میں اضافہ ہوا۔ مہاتما گاندھی کی قیادت میں آزادئ ہندوستان کی تحریک زوروں پر تھی جس میں بلالحاظ مذہب و ملت ہندوستان کے سب لوگ شامل تھے۔ انگریز سرکار "تقسیم کرو اور حکومت کرو" کی پالیسی پر کاربند رہ کر ہندو مسلم فسادات کو ہوا دے رہی تھی۔ مہاراجہ ہری سنگھ اور انگریزوں کے درمیان

اِختلافات بڑھ رہے تھے کیونکہ مہاراجہ نے ریذیڈنٹ کمشنر کو واپس کر دیا تھا۔ دُوسری طرف جموں جیل میں قرآن شریف کی توہین اور عیدگاہ جموں میں خطبہء عید کے واقعات کی ملکی اخبارات نے بڑی تشہیر کی۔ مہاراجہ نے حالات پر قابو پانے کے لئے جموں سے سات مسلمان نمائندوں اور کشمیر سے دس مسلمان لیڈروں کو سری نگر کے شاہی محلات میں بلایا اور اُن سے بات چیت کی۔ مسلمان لیڈروں نے ایک کمیشن کے تقرر کا مطالبہ کیا۔ لیکن کچھ اِختلافات رُونما ہونے کی وجہ سے یہ بات چیت کسی نتیجے پر پہنچے بغیر ختم ہوگئی اور بالآخر جلسے جلوسوں کا ایک سلسلہ جاری ہوگیا۔ وادی اور جموں کے علاوہ پونچھ اور میرپور کے مسلمانوں میں بھی بے چینی پھیل گئی۔

مہاراجہ ہری سنگھ نے متذکرہ بالا سترہ مسلمان نمائندوں کو بغاوت کی سرگرمیوں میں ملوث ہونے کا اِلزام دینے کے بعد گرفتار کیا، جس سے وادی میں ہڑتال ہوئی، جو اُن کی رہائی تک قریباً سترہ دِن جاری رہی۔ اِسی اثناء میں اُتر پردیش کے ایک شعلہ بیان مسلمان عبدالقدیر نے جامع مسجد سرینگر میں ایک پُر جوش تقریر حکومتِ وقت کے خلاف کرڈالی اور مسلمانوں کے حقوق کی پامالی کا ذِکر کیا۔ عبدالقدیر کی تقریر کو باغیانہ تقریر قرار دے کر اُس پر مقدمہ چلایا گیا اور ۱۳؍ جولائی ۱۹۳۱ء کو اُس کے لئے تین سال قید سخت کی سزا کا فیصلہ سنایا گیا۔ مسلمانوں کا ایک جم غفیر سنٹرل جیل کے باہر پہلے ہی جمع ہو چکا تھا۔ جو مشتعل ہو کر بے قابو ہوگیا۔ اُس جلوس پر گولیاں چلائی گئیں جس سے سات اشخاص شہید ہوگئے۔ اُن کی لاشوں کو جامع مسجد میں ایک بڑے جلوس کی شکل میں لایا گیا۔ ہزارہا لوگوں کے ہجوم کو منتشر کرنے کے لئے پولیس نے پھر گولی چلائی جس کے نتیجے میں مزید دس لوگ جاں بحق ہوگئے۔ مجموعی طور پر اِن سترہ لاشوں کو احاطہ زیارت نقشبندؒ میں سپرد خاک کیا گیا۔ کشمیر کی تاریخ میں ۱۳؍ جولائی ۱۹۳۱ء کا دِن ایک بڑے سیاسی اِنقلاب کا پیش خیمہ تھا۔ ہر سال یہ دِن ''یوم الشہداء'' کے طور منایا جاتا ہے۔ جموں میں پنجابی مسلمانوں کے جتھے جمع ہو کر جموں کی طرف روانہ ہوتے

رہے، جنہیں ہزاروں کی تعداد میں گرفتار کیا گیا اور جیلوں میں قید کیا گیا۔ اُن کو "احرار" کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ بقول نرسنگھ داس نرگس ——— "ریاست کے ہندو مجموعی طور پر حکومت کی پشت پر تھے لیکن مسلمان، جن کی آبادی ریاست میں ۷۸ فیصد تھی، حکومت سے بالکل مطمئن نہیں تھے۔ وہ ہر قیمت پر مہاراجہ کو اِختیارات سے معزول کرنے کے درپے تھے۔ چنانچہ ریاست کے کونے کونے میں ریاستی مسلمانوں نے ایک زبردست تحریک شروع کردی۔ وائسرائے ہند نے کشمیر کے انگریز ریذیڈنٹ کی معرفت ایک ایسے کمیشن کا تقرر عمل میں لائے جانے کی تجویز پیش کی جس سے ریاستی مسلمانوں کی شکایات کا ازالہ کیا جاسکے۔ لیکن مہاراجہ نے انگریز ممبران کے تحت کمیشن بنائے جانے کی تجویز کو منظور نہیں کیا۔ اِس کے برعکس مہاراجہ نے اپنے چیف جسٹس کے تحت ایک تحقیقاتی کمیٹی مقرر کی لیکن اُس سے نہ تو ریاستی مسلمان مطمئن ہوئے اور نہ ہی برطانوی حکمران۔ مہاراجہ کو حکومتِ برطانیہ نے ایک بار پھر تحقیقاتی کمیشن مقرر کرنے کے لئے اصرار کیا جس میں مسلمان جج ہائی کورٹ بھی شامل ہو۔ مہاراجہ نے اُس تجویز کو اپنی ہائی کورٹ کی توہین پر محمول کیا۔ خیالات بد سے بدتر ہوتے گئے۔ اُدھر سے آل انڈیا مسلم کانفرنس نے مہاراجہ کی حکومت کے خلاف ملک بھر میں ایک مہم شروع کردی۔ جلسے جلوسوں اور ہڑتالوں نے زور پکڑا۔ حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے حکومت نے سختی برتنا شروع کردی۔ ایک نوٹیفکیشن کے اجراء کے ردِعمل میں جگہ جگہ گرفتاریاں شروع کی گئیں ———"

گلانسی کمیشن کا قیام:

حکومتِ برطانیہ نے، جو آئے دِن ریاست میں ریاستی مسلمانوں کا ساتھ دے رہی تھی اور اُن کی شکایات کو رفع کرنے کے لئے مہاراجہ پر دباؤ ڈال رہی تھی، مہاراجہ کو چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر حالات پر قابو پانے اور آرڈی نینس واپس لینے

پر آمادہ کیا۔ وقتی طور پر مقید اشخاص کو رہا کیا گیا اور شکایات کا ازالہ کرنے کے لئے ایک کمیشن کی تقرری عمل میں لائی گئی جو ''گلانسی کمیشن'' کے طور پر موسوم ہوا۔

مسٹر بی. جے. گلانسی کی صدارت میں ایک چار غیر سرکاری ممبران پر مشتمل کمیشن ۱۲ر نومبر ۱۹۳۲ء کو مقرر ہوا' جس کے دو ممبران مسٹر غلام احمد عشائی اور پنڈت پریم ناتھ بزاز وادیٔ کشمیر سے اور چوہدری غلام عباس اور مسٹر لوک ناتھ شرما جموں سے نامزد ہوئے۔ بد قسمتی سے جموں کے ہندو ممبر لوک ناتھ ایڈوکیٹ مقامی ہندو اشخاص کے دباؤ میں آ کر دستبردار ہو گئے۔ تاہم گلانسی کمیشن نے اپنا کام جاری رکھا۔ بالآخر کمیشن نے شکایات کی تحقیقات کرنے کے بعد حکومت کو بہت سی تجاویز پیش کیں' جن میں سے کچھ پر عملدر آمد بھی ہوا۔ جیسے سرکاری ملازمتوں میں تعلیمی معیار کا تعین اور زمینداروں کو حق ملکیت دیتے وقت زرِ نذرانہ کی معافی وغیرہ۔ صوبہ جموں میں فرقہ وارانہ فسادات کی تحقیقات مسٹر مڈلسٹن کے سپرد کی گئی۔ حکومت اُس کمیٹی کی سفارشات پر مناسب اقدامات نہ کر سکی اور صورتِ حال یہاں تک بگڑ گئی کہ ''ہندوؤں اور مسلمانوں نے اپنے مسلح رضا کار تیار رکھے تھے جس سے امنِ عامہ سخت خطرے میں پڑ گیا تھا اور حکّام کو اپنی ذِمہ داری کا کوئی احساس نہ تھا۔ بلکہ اُن کا کردار ایک دُوسرے پر ذمہ واری ڈالنے کا تھا۔''

(''تاریخ ڈوگرہ دیس'' از نر سنگھ داس نرگس' ص: ۷۵۴)

۱۹۳۲ء میں مہاراجہ نے ریاست میں پریس کی آزادی بحال کرنے کا اعلان کیا' جس سے ''رنبیر'' اور ایک آدھ اخبارات پر سے پابندی اُٹھائی گئی۔ ۱۹۴۷ء میں اخبارات کی کل تعداد تقریباً ساٹھ تک پہنچ چکی تھی۔ اصلاحاتی کمیشن کے قیام کے بعد اِس کمیشن کی سفارشات پر عمل کرتے ہوئے سرکاری ملازمتوں میں کم سے کم معیار کے تعین پر وادی کی ہندو آبادی اور جموں کے ہندوؤں میں بڑی بے چینی پھیل گئی کیونکہ اِس کا بلا واسطہ فائدہ مسلم اُمیدواروں کو ملتا تھا' جو مقابلتاً کم تعلیم یافتہ تھے۔

سماجی اِصلاحات:

ڈوگرہ خاندان کے دُوسرے حکمرانوں کی نسبت مہاراجہ ہری سنگھ کے دور میں بہت سی سماجی اِصلاحات عمل میں آئیں جن میں کچھ سماجی بدعتوں پر قانونی طور پر پابندی شامل تھی۔ اِس کے علاوہ مختلف محکموں کے قیام اور تعلیمی اداروں اور عدالتوں کی منظوری بھی دی گئی۔

مہاراجہ ہری سنگھ نے سماجی اِصلاحات کے تحت ۱۹۲۹ء میں ۱۶ سال سے کم عمر میں تمباکونوشی، کم سنی میں لڑکے لڑکیوں کی شادی اور عصمت فروشی پر پابندی کے سلسلہ میں قوانین وضع کئے۔ راجپوتوں میں دُختر کشی کے رواج کو ختم کرنے کی اپیل کی گئی۔ بیواؤں کی دوبارہ شادی کی قانونی طور پر اجازت دی گئی اور راجپوتوں کے زراعت پیشہ سے تعلق رکھنے والے کنبوں کے ساتھ کئے جانے والے بھید بھاؤ کو مٹا کر اُن کو اپنی برادری میں شامل کیا گیا۔ ۱۹۳۲ء میں ہریجنوں کو مندروں میں جانے اور پرارتھنا کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ اِس کے علاوہ لداخ میں زمانہ قدیم سے چلی آرہی ایک بیوی سے دو یا دو سے زیادہ بھائیوں کی شادی کی رسم پر روک لگادی گئی۔ زمینداروں کی بہتری کے لئے قانون انتقال اراضی کے ذریعہ اُن کے حقوق محفوظ کئے گئے۔ ٹھاکور لوگوں کو بیگار کی رسم سے مستثنیٰ قرار دے دیا گیا، گو کہ باقی لوگ اِس ظلم کی چکی میں پستے رہے۔ بہت سے سماجی نوعیت کے محکمے قائم کئے گئے جن میں امداد باہمی، پبلک ورکس، ٹاؤن پلاننگ اور محکمہ صحت شامل ہیں۔ بھدرواہ کی منصفی، پولیس سٹیشن، فاریسٹ ڈویژن اور شفاخانہ وغیرہ محکمے بھی اُسی دور میں قائم کئے گئے۔ جموں سے سرینگر تک کی شاہراہ، جو" بانہال کارٹ ویلی روڈ" کے نام سے موسوم ہوئی کے ساتھ ساتھ بہت سی سڑکیں تعمیر کی گئیں۔ ۱۹۴۵ء میں بٹوت۔ بھدرواہ روڈ کا باضابطہ طور پر اِفتتاح ہوا۔ کچھ شہروں اور قصبوں میں پرائمری سطح تک تعلیم لازمی کردی گئی اور سکولوں

کی تعداد میں بتدریج اِضافہ کیا جاتا رہا' جس سے ۱۹۴۷ءتک سکولوں اور کالجوں کی تعداد دوگنی ہوگئی۔ تعلیمِ بالغاں شروع کی گئی اور آسان اُردو کو ذریعۂ تعلیم بنا دیا گیا۔ اساتذہ کی تربیت کے لئے سرینگر اور جموں میں دو تربیتی ادارے قائم کئے گئے اور اِن اصلاحات کا اثر بلاواسطہ طور پر بھدرواہ کے علاقہ جات پر بھی پڑتا رہا۔

نرسنگھ داس نرگسؔ کی تحریر کے مطابق مہاراجہ نے اپنی تقریر' جو ماہ جنوری ۱۹۲۶ءکو ایک اِستقبالیہ تقریب کے دوران کی' میں یہ کہا کہ '' ——— بطور حکمران میرا کوئی مذہب نہیں بلکہ سارے مذاہب میرے ہی ہیں اور اپنا دھرم اِنصاف ہے۔ میرا کام سب کو برابری سے دیکھنا ہے۔ میں جہاں تک ہو سکے اِنصاف سے کام کروں گا۔''

(''تاریخ ڈوگرہ دیس'' از: نرسنگھ داس نرگس' ص: ۴۴۳)

پرجا سبھا کا قیام:

کمیشنوں کی سفارشات پر عمل کرتے ہوئے مہاراجہ ہری سنگھ نے ۷۵ ممبران پر مشتمل ''پرجا سبھا'' کا قیام عمل میں لایا' جس میں اولاً منتخب افراد کی تعداد ۳۳ تھی جو بعد میں بڑھا کر ۴۰ کردی گئی۔ اِس سبھا میں بھدرواہ کے ایک ماہرِ قانون اور شریف النفس دانشور کوتوال شیو لال منتخب ہوئے۔

قانونِ مستقل باشندۂ ریاست:

مہاراجہ ہری سنگھ نے اپنی تاج پوشی کے دوران ہی محسوس کیا کہ ریاست کی سرکاری ملازمتوں میں باہر کے لوگ تعینات ہو رہے ہیں۔ اِس لئے کچھ عرصہ کے بعد ہی اُس نے عام لوگوں کی بہبودی کے لئے مستقل باشندۂ ریاست کا قانون بنایا جس کی رُو سے ریاست کے ایسے اشخاص' جن کے آباواجداد ۱۸۸۵ء سے ریاست میں آباد چلے آرہے ہیں' ان کو ہی ملازمتوں میں ترجیح دی جانے لگی۔

مہاراجہ ہری سنگھ کی اِصلاحات عام لوگوں کی عرصہ دراز سے چلی آرہی مشکلات کا ازالہ کرنے کے لئے مکتفی نہ تھیں اور بدقسمتی سے اُس کے ریاست سے باہر دوروں پر جانے، پولو اور شکار کھیلنے کے دوران عام لوگوں کو سرکاری اہلکاروں کے رحم وکرم پر چھوڑے جانے کی وجہ سے اُن تک اِن اصلاحات کے فائدے نہیں پہنچے۔ مہاراجہ کی عدم موجودگی کی وجہ سے کچھ ظالم اہلکاروں کی طرف سے لوگوں پر ظلم وستم توڑے جانے کی اِطلاعات کی عدم فراہمی جیسے کچھ ایسے مسائل تھے جن کے ردِعمل میں لوگوں میں ناراضگی کی آثار نمایاں ہورہے تھے۔ مہاراجہ اہلکاروں کی کمزوریوں سے بالکل بے بہرہ تھا۔ اِسی نوع کی مختلف وجوہات کی بناء پر اُس وقت کے وزیر برائے خارجہ اموروسیاسی امورات سرایلین بینرجی مستعفی ہوکر یہاں سے واپس چلے گئے۔

تحریکِ حریت کشمیر اور اِس کا

صوبہ جموں کے علاقوں پر اثر:

ریاست جموں وکشمیر میں شخصی راج کے خلاف تحریکِ آزادی کی چنگاریاں مہاراجہ رنبیر سنگھ کے دورِ حکومت میں ہی ظاہر ہونا شروع ہوگئی تھیں، جب ۱۸۷۸ء-۱۸۷۹ء میں قحط زدہ لوگوں کے لئے پنجاب سے منگوائے گئے غلے میں سرکاری اہلکاروں کے ہاتھوں ہیرا پھیری کی وجہ سے ہزاروں کشمیری فاقہ کشی کا شکار ہوکر لقمہ اجل بن گئے تھے اور کچھ لوگ پنجاب اور ریاست کے دُوسرے حصّوں کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہوگئے تھے۔ اِس سے قبل —— "۱۸را پریل ۱۸۶۸ء کے روز وادیٔ کشمیر کے صنعتی مزدوروں نے ایک جگہ جمع ہوکر اپنے مطالبات منوانے کے لئے ایک جلوس نکالا۔ دِیوان کرپارام نے کرنیل بجے سنگھ کی پلاٹون کو اُن نہتے مزدوروں کا محاصرہ کرنے کا حکم دیا۔ اُن فوجیوں نے لوگوں کا قافیہ تنگ کیا اور اُن کو پُل حاجی راتھر کی طرف دھکیل دیا۔ اُس بھگدڑ میں کئی لوگ زخمی ہوئے اور تقریباً ۲۸ مظاہرین کو دریا میں

دھکیل کر شہید کر دیا گیا۔ جب مزدوروں نے اپنے شدید ردِ عمل کا مظاہرہ کیا تو اس تحریک کے قائد رسول شیخ اور ان کے کچھ ساتھیوں کو قلعہ شیر گڑھی میں لایا گیا' جہاں پہلے اُنہیں تازیانے لگائے گئے اور پھر بیڑیاں اور طوق پہنا کر قید کر دیا گیا۔ رسول شیخ اور عیسیٰ پال نے اُسی حالت میں جان دے دی۔ اُن کے علاوہ بہت سے شال باف قصبہ حبک کے جیل میں ڈال دئے گئے۔ ۲۹/اپریل ۱۸۶۷ء کا دِن کشمیر کی تاریخ میں ایک یادگار دن بن گیا ——— "[1]

اسی طرح سے ——— "۲۲/جولائی ۱۸۶۷ء کی صبح کو ریشم خانہ سرینگر کے ہزار ہا مزدوروں پر' جو حضوری باغ میں جمع ہو کر اپنے ۳۵ سرکردہ مزدوروں کی رہائی کا مطالبہ کر رہے تھے' فوج نے حملہ کر دیا اور بے شمار لوگ نیزوں' راج بھالوں کی نوکوں اور گھوڑوں کی ٹاپوں اور ڈنڈوں سے زخمی ہوئے ——— "[2]

مہاراجہ پرتاپ سنگھ نے مہاراجہ رنبیر سنگھ کے اِنتقال (۱۸۸۵ء) کے بعد گدی سنبھالی۔ انگریز ریذیڈنٹ سر آیور سینٹ جان کے فتوے پر مہاراجہ پرتاپ سنگھ نے ایک فرمان جاری کیا' جس کی رُو سے حکومت کا کام ایک کونسل کے سپرد کیا گیا۔ اُس دور میں کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا۔ آخر کار ۱۹۲۵ء میں مہاراجہ کا اِنتقال ہوا اور راجکمار ہری سنگھ تخت نشین ہوا۔ مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے دورِ حکومت میں اگرچہ کافی اِصلاحات عمل میں آئیں تاہم لوگوں کی بہت سی مانگیں تھیں جن کی طرف دھیان نہیں دیا جانے لگا۔ ۱۹۲۴ء میں پہلی بار ایک منظم سیاسی مہم کا آغاز ہوا۔ لارڈ ریڈنگ وائسرائے جب کشمیر کے دورے پر آیا تو اُسے تعلیم یافتہ لوگوں نے ایک میمورنڈم پیش کیا جس میں کاشتکاروں کے حقوقِ مالکانہ بحال کرنے' مسلمانوں کو سرکاری ملازمتوں میں مناسب نمائندگی دینے' بیگار کی ظالمانہ رسم کو ختم کرنے اور مسجدوں پر حکومت کے

---

[1] رسالہ "انجمن"' کشتواڑ' اسیر کشتواڑی' ص: ۱۱۵

[2] "تاریخ اقوام کشمیر" (دیباچہ) محمد دین فوق

ناجائز قبضے کو ختم کر کے واگذار کرنے اور ایسے ہی کئی مطالبات درج تھے۔ اُن مطالبات سے مہاراجہ آگ بگولہ ہو گیا اور اُس میمورنڈم پر دستخط کرنے والے کئی رہنماؤں کو جلاوطن کر ڈالا اور اُن کی جائیدادیں ضبط کر لی گئیں۔ حکومت اور تعلیم یافتہ نوجوانوں کے درمیان یہ ٹکراؤ آزادی کی تحریک کا دُوسرا سنگِ میل ثابت ہوا۔ مہاراجہ نے لوگوں کی بھلائی کے لئے کچھ اچھے کام بھی کئے لیکن وہ پریس اور سیاسی تنظیموں کا بڑا مخالف تھا۔

مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے بعد مہاراجہ ہری سنگھ ۱۹۲۶ء میں تخت نشین ہوا اور اُس نے دورانِ جشن تاجپوشی لوگوں کی بھلائی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی وغیرہ کے بارے میں بہت اچھی تقریر کی۔ اُس تقریر سے لوگوں کی حکومت کے ساتھ بڑی اُمیدوں نے جنم لیا۔ مگر بدقسمتی سے مہاراجہ ہری سنگھ بہت سی وجوہات کی بناء پر لوگوں کی اُمیدوں پر پورا نہیں اُتر سکا۔ مہاراجہ موصوف نے ریاست میں بہت سی آئینی اور سماجی اِصلاحات عمل میں لائیں اور بہت سے سرکاری محکمے کھولنے کا اہتمام کیا —— ''لیکن ملک کی آمدنی کا بیشتر حصہ جاگیرداروں، فوج اور مہاراجہ کے ذاتی اخراجات پر خرچ ہو جاتا تھا جب کہ مالی وسائل محدود تھے ——''[1]

اس پر ۱۹۲۸ء میں ریاست کے فارن اور پولٹیکل منسٹر بینر جی نے اخباروں کے لئے یہ بیان دے کر استعفیٰ دے دیا کہ ——

''ریاست کی کثیر مسلمان آبادی جہالت، غربت اور پسماندگی کی وجہ سے جانوروں کی سی زندگی بسر کر رہی ہے اور ریاست کی مجموعی حالت غیر تسلی بخش ہے۔ عوام اور حکمران میں کوئی رابطہ نہیں ہے اور لوگوں کو اُن کی شکایات حکومت تک پہنچانے کا کوئی وسیلہ نہیں۔ حکومت کی مشینری بوسیدہ ہے اور اُسے عوام سے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ ریاست میں رائے عامہ کو کچل دیا گیا ہے اور نہ ہی پریس کی آزادی کا نام و نشان ہے۔'' اُس نے گھر کے بھیدی کی طرح حکومت کے ڈھکے چھپے عیبوں کو منظر عام پر لا دیا۔

---

[1] رسالہ ''انجمن''، کشتواڑ، اسیر کشتواڑی؛ ص ۱۱۸

ایک مورخ نے اُسے آزادی کی پہلی چنگاری سے تعبیر کیا ہے۔[1]

ایک غیر جانب دار عیسائی وزیر کے اِس بیان سے حکومت کی بنیادیں ہل گئیں۔ اِس بیان پر شمالی ہندوستان کے کئی اخبارات کافی عرصہ تک چرچہ کرتے رہے۔ تعلیم یافتہ مسلم نوجوان، دیگر ذاتوں اور فرقوں کے کم خواندہ اشخاص کو بڑے اور اہم عہدوں پر دیکھ کر حکومت سے پہلے ہی نالاں تھے۔ اِس بیان نے سونے پر سہاگے کا کام کیا اور اِس کے نتیجے میں کئی سیاسی تنظیموں نے جنم لیا۔ نوجوانوں کو ''یقین ہو گیا کہ جب تک اِس نظامِ حکومت کا خاتمہ نہ ہو، جاگیردارانہ نظام، کنبہ پروری، نااہل نوازی اور فرقہ پرستانہ طریق کار کا خاتمہ نہیں ہو سکتا۔''[2]

جہاں وادی میں شیخ محمد عبداللہ اور اُن کے ساتھیوں نے ''ریڈنگ روم'' پارٹی کی بنیاد ڈالی وہیں جموں اور اِس کے جوانب میں چوہدری غلام عباس اور اے آر ساغر وغیرہ نے ''ینگ مینز ایسوسی ایشن'' کو منظم کیا۔ اِس دوران کچھ واقعات بھی پے در پے رُونما ہوئے جن سے مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچی۔ مثلاً ۱۹۳۱ء میں ریاسی میں ایک مسجد شہید کی گئی۔ کوٹلی میں مسلمانوں کو نماز ادا کرنے سے روک دیا گیا اور جموں میں ایک غیر مسلم کانسٹیبل نے جان بوجھ کر قرآن شریف کی بے حرمتی کی۔ اِن واقعات کے ردِ عمل میں حکومت کے خلاف احتجاجی جلسے اور جلوس شروع ہوئے اور دُوسری جانب ایک انگریز سیاح کے خانساماں عبدالقدیر نے خانقاہِ معلیٰ میں ایک اِنقلاب انگیز تقریر کے ذریعہ مسلمانوں کو سیاسی آزادی دینے اور اُن پر سے غلامانہ پابندیاں ختم کرنے کی حکومتِ وقت کو تلقین کی۔ حکومت نے خائف ہو کر عبدالقدیر کو گرفتار کر کے ۱۳ر جولائی ۱۹۳۱ء کے روز سنٹرل جیل سرینگر میں ایک خصوصی عدالت کے سامنے پیش کیا۔ اُس واقعہ کے خلاف مظاہروں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا اور ہزاروں لوگوں پر

---

[1] ''کشمیر میں اُردو'' (جلد اوّل)، مطبوعہ کلچرل اکیڈمی، ص: ۹۳

[2] ''کشمیر میں اُردو'' (جلد اوّل)، مطبوعہ کلچرل اکیڈمی، ص: ۹۲

مشتمل ایک جلوس جیل کی طرف بڑھ کر قدیر کی رہائی کا مطالبہ کرنے لگا۔ مظاہرین پر پولیس نے اندھا دُھند گولیاں چلائیں جن سے ستائیس (۲۷) افراد موقع پر ہی ہلاک ہو گئے اور لاتعداد لوگ زخمی ہو گئے۔ (کچھ مورخین نے یہ تعداد سترہ بتائی ہے) دُوسرے دن شہداء کے جنازے کے ساتھ لوگوں کے ایک جم غفیر نے شرکت کی جو بازاروں سے گھومتا ہوا درگاہِ نقشبند میں اُنہیں سپردِ خاک کر کے اختتام پذیر ہوا۔ شہر کو فوج کے حوالے کر کے شیخ عبداللہ اور چوہدری غلام عباس کو ہزاروں ساتھیوں کے سمیت گرفتار کیا گیا۔ اِس قسم کی مار دھاڑ اور کارندوں کی گرفتاری کے خلاف غم و غصے کی ایک لہر دوڑ گئی۔ ۱۹۳۱ء کو ہی شملہ کے مقام پر ''آل اِنڈیا کشمیر کمیٹی'' کا قیام عمل میں آیا جس میں علّامہ اقبالؔ کے علاوہ کئی دُوسرے مرکزی لیڈروں نے حصہ لیا۔ اللہ رکھا ساغرؔ بھی جموں سے اُس میں شمولیت کے لئے گئے اور وادی سے بھی کچھ سرکردہ لیڈروں نے اُس میں شرکت کی۔

اکتوبر ۱۹۳۱ء میں تحریک احرار کے کچھ سرکردہ قائدین نے سرینگر میں مہاراجہ اور اُس کے وزیر اعظم ہری کرشن کول سے مِل کر اس مسئلہ کو بات چیت کے ذریعے سلجھانے کی کوشش کی لیکن اُن کی کوئی پیش نہ چلی۔ جب یہ لوگ پنجاب واپس پہنچے تو بقول اسیرؔ کشتواڑی ——— ''سارا پنجاب 'کشمیر چلو۔ کشمیر چلو' کے نعروں سے گونج اُٹھا اور آزادیٔ کشمیر کے متوالے رضا کاروں نے سر پر کفن باندھ کر ریاست کی سرحدیں عبور کرنے کا بیڑہ اُٹھایا۔ پہلی یورش سیالکوٹ کی جانب سے ہوئی۔ حکومت کا اندازہ تھا کہ زیادہ سے زیادہ پانچ ہزار رضا کار جموں تک آپائیں گے، جنہیں آسانی کے ساتھ گرفتار کیا جا سکے گا لیکن دیکھتے ہی دیکھتے دس ہزار سے بھی اُوپر لوگ گرفتاریاں پیش کرنے کے لئے جموں پہنچے تو مقامی پولیس بدحواس ہوگئی۔ دُوسری طرف ایک مسلمان کارکن کو دن دہاڑے ایک ڈوگرہ آفیسر نے برسرِعام نوکِ سنگین سے سینہ چھید کر شہید کر ڈالا تو پنجاب کے کونے کونے سے مسلمان نوجوان جہلم کے راستے ''کشمیر چلو۔ کشمیر چلو'' کے نعرے لگاتے ہوئے نکل پڑے۔ تیسری جانب رضا کاروں نے تین

دِن کی سرتوڑ ہمت کے بعد کوہالہ پورہ کا پُل اپنے قبضہ میں لے لیا۔ چنانچہ انگریزوں نے رضا کاروں کو روکنے لئے پنجاب میں بھی گرفتاریاں عمل میں لائیں۔ پنجاب سے تقریباً پینتالیس (۴۵) ہزار نوجوان گرفتار ہوئے۔ پچاس (۵۰) ہزار سے زائد رضا کار دُوسرے صوبوں سے بھی شامل ہوئے —— شیخ عبداللہ اور اُن کے ساتھیوں مرزا محمد افضل بیگ، خواجہ غلام محمد صادق، مولانا مسعودی اور چوہدری غلام عباس وغیرہ نے تحریک جاری رکھنے کا فیصلہ کیا۔ حکومت نے اُنہیں جھٹ سے گرفتار کر کے جیلوں میں بند کیا۔ راجہ ہری کرشن کول نے ''نوٹیفکیشن-ایل'' جاری کر دیا۔ اِس قانون کے تحت ہزاروں بے گناہ جیلوں میں ٹھونسے گئے اور جابجا ٹکٹیاں نصب کر کے برسرِ عام چابکوں سے لوگوں کی کھالیں اُدھیڑ دی گئیں اور مشتعل ہجوموں پر اننت ناگ، شوپیاں، بارہمولہ اور سوپور میں بے دھڑک گولیاں برسائی گئیں۔ بالآخر حکومتِ ہند نے مہاراجہ کو چوبیس گھنٹے کا نوٹس دیا کہ مہاراجہ فی الفور اعلان کر دے کہ:

۱۔ مسجدوں کی واگزاری، قانون گاؤکشی، اجازت خطبہ واذان اور مذہبی آزادی، حقوقِ مزارعان کے متعلق جلد از جلد تحقیقات کر کے عوامی مطالبات جائز حد تک منظور کئے جائیں۔

۲۔ ایک غیر جانب دار برطانوی آئی۔سی۔ایس۔ آفیسر چیف منسٹر مقرر کیا جائے۔

مہاراجہ کو عوامی مطالبات اور برطانوی حکومت کے دباؤ کی وجہ سے یہ مشورہ ماننا پڑا۔ مذکورہ نوٹیفکیشن منسوخ ہوئی۔ سیاسی قیدیوں کو عام معافی دی گئی اور ایک تحقیقاتی کمیشن مقرر رہوا۔ جموں میں نومبر ۱۹۳۱ء کو برطانوی فوجوں کو امن بحال کرنے کے لئے بھیجا گیا۔ بیرونی جتھوں پر پابندی لگا دی گئی۔ گلانسی کمیشن تقرر کا اعلان ہوا۔''[1]

اِس کمیشن نے بہت سی سفارشات پیش کیں جن میں سیاسی اور مذہبی معاملات

---

[1] رسالہ ''انجمن'' کشتواڑ جولائی تا اگست ۲۰۰۱ء

میں پابندیاں اُٹھائے جانے' مزارعان کو مالکانہ حقوق دینے' ملازمتوں میں مسلمانوں اور دیگر فرقوں کو آبادی کے لحاظ سے مناسب تناسب میں بھرتی کرنے' پریس اور تقریر کی آزادی بحال کرنے جیسے معاملات شامل تھے۔ اِس کمیشن کی سفارش کے نتیجے میں ریاست میں ایک اسمبلی کا قیام عمل میں آیا۔ جس کا ایک اہم فریضہ حکومت کو صرف مشورہ دینے تک محدود تھا۔ سب اِختیارات مہاراجہ کے ہاتھ میں تھے۔ اُس ریاستی اسمبلی کے ۷۵ ممبران میں سے ۳۳ ممبر نمبرداروں' پجاریوں' مولویوں' خطاب یافتہ جاگیرداروں' پینشنروں اور مڈل پاس مرد ووٹروں کے ذریعے منتخب ہوتے تھے جن کی تعداد کل آبادی کا چھ فی صد تھا۔ باقی ۴۲ ممبر نامزد کئے جاتے تھے۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ بھدرواہ جاگیر کی مسلم آبادی پر بھی جموں اور کشمیر میں رُونما ہوئے حالات کا بلاواسطہ طور پر گہرا اثر پڑا اور یہاں بھی جلسے جلوس منعقد ہونے لگے۔ جس کی پاداش میں یہاں کے کچھ سرکردہ لیڈروں کو گرفتار کرکے ٹلٹکیوں پر چڑھایا گیا اور چابکوں سے زدوکوب کیا گیا۔ اُن لیڈروں میں چوہدری غلام احمد گنائی (محلّہ حویلی)' غلام رسول ملک (محلّہ صرافاں) اور منشی دِلاور بخش (محلّہ قلعہ) شامل تھے۔ برطانوی حکومت کے دباؤ کے تحت باقی لیڈروں کے ساتھ اُن مقامی لیڈروں کو بھی رہا کیا گیا۔[1]

مُسلم کانفرنس کا قیام:

اکتوبر ۱۹۳۲ء میں سرینگر کی پتھر مسجد میں آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کی بنیاد پڑی۔ شیخ محمد عبداللہ اُس کے صدر اور چوہدری غلام عباس جنرل سکریٹری منتخب ہوئے۔

[1] یہ واقعہ منشی دِلاور بخش نے راقم الحروف سے ۱۹۵۳ء میں بیان کیا تھا' اُس وقت وہ اپنے اہل وعیال سمیت رام بن کے مقام پر سکونت پذیر تھے۔

اِبتداء میں مسلم کانفرنس کا منتہائے مقصود صرف یہ رہا کہ متوسط طبقے کے مسلمانوں' نو جوانوں اور تعلیم یافتہ افراد کے لئے سرکاری ملازمتیں حاصل ہوں' کیونکہ کشمیری مسلمانوں کی غالب اکثریت ریاست میں اِقتصادی لحاظ سے تیسرے درجہ پر تھی اور وہ غریبی' جہالت اور مفلسی سے گھرے ہوئے تھے۔ اِس تنظیم کا پہلا اجلاس ۱۴' ۱۵' ۱۶/ اکتوبر ۲ ۱۹۳ء کو شیخ محمد عبداللہ کی صدارت میں ہوا۔ شیخ صاحب نے عید کے خطبے کی ممانعت' قرآن پاک کی توہین اور جولائی ۱۹۳۱ء کے واقعات کو بہت افسوسناک قرار دیا اور کہا کہ مسلم کانفرنس کی تحریک کسی بھی صورت میں فرقہ وارانہ نہیں ہے۔ یہ سبھی لوگوں کی تکالیف دُور کرنے کے لئے ہے' خواہ وہ مسلم ہو' سکھ ہو یا ہندو ہو۔

مسلم کانفرنس کے کل سات اجلاس ریاست کے مختلف مقامات پر منعقد ہوئے' جو علی الترتیب سرینگر' میر پور' سوپور' سرینگر' پونچھ اور پھر سرینگر میں ہوئے۔ اُن کی صدارت شیخ محمد عبداللہ' میاں احمد یار خان' چوہدری غلام عباس اور غلام محمد صادق نے کی۔

۱۹۳۵ء میں مسلم کانفرنس کا اجلاس چوہدری غلام عباس کی صدارت میں سرینگر میں منعقد ہوا۔ اُنہوں نے اُس موقع پر مسلم کانفرنس کے پروگرام پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ——

''مسلمانوں کی حقوق طلبی کی مہم غیر مسلموں کے حقوق غصب کرنے کے لئے نہیں ہے بلکہ تمام رعایا کے حقوق کی حفاظت اور حمایت کے لئے شروع کی گئی ہے اور جد و جہد کے نتائج سے صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ تمام قومیں مساوی طور پر بہرہ ور ہوتی ہیں ——''[ا]

۸/ مئی ۱۹۳۶ء کو آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کے اہتمام سے ''یوم ذمہ وار حکومت'' منایا گیا' جس میں سب فرقہ کے لوگوں نے حصہ لیا۔ اُسے ''یوم سیاہ'' کا نام بھی دیا گیا ہے۔

ا ''عوامی دور' جموں' شیر کشمیر نمبر' ۸ ۱۹۷ء' ص: ۶۱

مذکورہ اجلاسوں سے پہلے مسلم کانفرنس کے ''میر پور'' میں منعقدہ اجلاس (۱۹۳۳ء) کے بارے میں کامریڈ کرشن دیو سیٹھی نے لکھا ہے کہ تحریک حریت میں ''----- اِس خِطّہ کے عوام نے جوش وجذبے سے شمولیت اختیار کی۔ میر پور کا ضلع واحد ضلع ہے جہاں تحریک کو کچلنے کے لئے سالس بری کی رہنمائی میں گورا فوج طلب کی گئی اور مارشل لاء لگا کر تحریک کو کچلا گیا۔ یہ ٹھیک ہے کہ بعض مقامات پر فرقہ وارانہ بلوے ہوئے لیکن گہرائی میں جا کر دیکھا جائے تو یہ فرقہ وارانہ کم طبقاتی زیادہ تھے' کیونکہ اُس میں نشانہ ہندو ساہوکار تھے۔ غریب ہندو نہیں۔ اُس تحریک میں صوبہ صادق شاہ اور باتا خان پھانسی پر چڑھائے گئے ----- تحریک حریت کے ساتھ اِس خِطّہ کی زبردست شمولیت کے باعث مسلم کانفرنس نے اپنا دُوسرا اجلاس ۱۹۳۳ء میر پور میں منعقد کیا۔ ابھی تک اِس خِطّہ کے مختلف شہروں میں شہیدوں کی موجود قبریں گواہ ہیں کہ مہاراجہ کے سپاہیوں کی گولیوں کا اُس خِطّہ کے لوگ کیسے شکار ہوئے۔''[1]

''بھمبر کے راجہ سلطان خان کی یاد بھی لوگوں کے دِلوں میں باقی ہے' جسے دھوکے سے جموں بُلا کر اندھا کر کے قلعہ باہو اور قلعہ گجیت میں قید کر کے مروادیا گیا۔ پونچھ سے باغ جاتے ہوئے سری نگ کے مقام پر وہ درخت اُس علاقے کے عوام کی جنگِ مزاحمت کے گواہ ہیں جن پر ''ملی خان'' اور ''سبز علی خان'' کو لٹکا کر پھانسی پر چڑھا دیا گیا اور اُن کی کھالوں میں بھوسہ بھر کر رکھا گیا تا کہ عوام کو عبرت ہو -----''[2]

راشٹریہ سیوک سنگھ کا قیام:

۱۹۳۴ء میں آر.ایس.ایس نے ریاست کے مختلف حصوں میں اپنی شاخیں قائم کیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے جموں' سانبہ' اُودھم پور' کوٹلی' میر پور اور کٹھوعہ کے علاوہ کشمیر

۱۔ ''یادِ رفتہ'' از کرشن دیو سیٹھی' ص:۲۲

۲۔ ''یادِ رفتہ'' از کرشن دیو سیٹھی' ص:۲۱-۲۲

(سرینگر) اور دیگر قصبہ جات میں اِس تنظیم نے اپنا کام شروع کیا۔ بھدرواہ میں بھی اِس کی شاخ قائم کی گئی جس میں شامل نوجوانوں کی روزانہ تربیت دی جانے لگی۔ سفید قمیص اور نکر میں ملبوس یہ نوجوان ہاتھوں میں ڈنڈے لے کر مختلف قسم کی کسرتوں میں مصروف رہتے تھے۔

دُوسری طرف آل اِنڈیا کانگریس کی قیادت، خاص طور پر پنڈت نہرو اور مہاتما گاندھی نے شیخ عبداللہ پر ڈورے ڈالنے شروع کیے۔ اُس ہی نزدیکی نے شیخ محمد عبداللہ کو مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس میں بدلنے کا حوصلہ بخشا۔

۱۶ر مئی ۱۹۳۷ء کو مسلم کانفرنس کا پانچواں اجلاس پونچھ میں منعقد ہوا جس کی صدارت شیخ عبداللہ نے کی۔ شیخ صاحب نے اپنی صدارتی تقریر میں یوں کہا: ''صدیوں کے مظلوم اِنسان، جواب تک پالتو جانوروں کی سی بُری زِندگی بسر کرتے تھے، ایک بار اُٹھے، جئیں گے یا مریں گے۔ قید و بند کی تکالیف، نیزوں اور گولیوں کی بوچھاڑ، ہیبت اور ٹکٹکیاں، لاٹھی چارج اور جرمانے اور سزا دینے کے لئے بڑے بڑے ٹیکس...... کوئی بھی اُنہیں روک نہیں سکے۔''[1]

چھٹی کانفرنس جموں میں ۲۷ تا ۲۹ ر مارچ ۱۹۳۸ء کو منعقد ہوئی۔ اُس میں شیخ عبداللہ نے کہا —— ''سرمایہ دار'' ہندو راج کو خطرہ ہے' کہہ کر کہیں ''ہندو دھرم اور ہندو مذہب کو خطرہ'' کہہ کر لوگوں کو بھول بھلیوں میں پھنسا لیتا ہے اور اُن کی توجہ اُن کی تکلیفوں سے ہٹا لیتا ہے۔ جو اِکّا دُکّا سرمایہ دار مسلمان کہیں بھی ریاست کے کسی حصّے میں موجود ہے، وہ نہ صرف آپ کی تحریک سے الگ رہتا ہے بلکہ بَر وقت مشکلات حکومت کا ساتھ دے کر تحریکِ آزادی کو کچلنے سے باز نہیں آتا —— ''[2]

دُوسری طرف ۱۹۳۷ء میں عیدگاہ جموں میں منعقدہ مسلم کانفرنس کے اجلاس

---

1. ''عوامی دور'' جموں، شیر کشمیر نمبر، ۸ ۱۹۷ء، ص: ۳۷
2. ''عوامی دور'' جموں، شیر کشمیر نمبر، ۸ ۱۹۷ء، ص: ۳۷

میں راجہ محمد اکبر خان نے اپنی تقریر میں غیر مسلموں پر مسلم کانفرنس کے دروازے کھول کر اُسے نیشنل کانفرنس میں بدلنے کی قرارداد پیش کی۔ اپنی باغیانہ تقریر کی پاداش میں راجہ صاحب پر مقدمہ چلایا گیا اور اُن کو پانچ سال کی قید بامشقت کی سزا ملی۔ یہ خبر سن کر سرینگر میں بھی مسلم کانفرنس کا ایک اجلاس ہوا جس میں غیر مسلم لیڈروں نے بھی شرکت کی اور گرفتار ہوئے۔ ضلع ڈوڈہ کے مسلم لیڈر اُس تحریک میں پیش پیش رہے۔ بھدرواہ، کشتواڑ، ڈوڈہ میں اِس تحریک میں صرف مسلم لیڈران ہی شامل رہے۔

مسلم کانفرنس کی آل جموں وکشمیر

نیشنل کانفرنس میں تبدیلی:

مارچ ۱۹۳۸ء میں آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس کا سالانہ اجلاس جموں شہر میں منعقد ہوا جس کی صدارت شیخ محمد عبداللہ نے کی۔ اُس اجلاس میں ایک تجویز پیش ہوئی کہ ''وقت آیا ہے جبکہ مسلم کانفرنس کا نام نیشنل کانفرنس میں تبدیل کرنے کی ضرورت محسوس ہورہی ہے۔'' مسلم کانفرنس کی کچھ آئینی پیچیدگیوں کی وجہ سے اِس تجویز پر بحث کرنا معرض التواء میں ڈالا گیا۔ بالآخر پنڈت نہرو اور مہاتما گاندھی کی کوششوں کے نتیجے میں ۱۱رجون ۱۹۳۹ء کو مسلم کانفرنس کے اجلاس منعقدہ زیر صدارت خواجہ غلام صادق، آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس کو ''آل جموں وکشمیر نیشنل کانفرنس'' میں تبدیل کردیا گیا۔ اِس طرح سے ریاست میں نیشنل کانفرنس کی بنیاد پڑی۔ اُس اجلاس میں شیخ عبداللہ، بخشی غلام محمد، پنڈت جیالال کلم، شیام لال صراف، سردار بدھ سنگھ وغیرہ نے بھی شرکت کی۔ اِس کی ورکنگ کمیٹی میں ہندو اور سکھ بھی شامل کئے گئے۔ بھدرواہ میں اُس دوران مسلم کانفرنس بدستور قائم رہی۔ اُس وقت نیشنل کانفرنس نام کی یہاں پر کوئی تنظیم نہیں تھی۔ بقول خواجہ غلام رسول آزاد ـــــ ''میں بحالیات کے سلسلے میں

جون ۱۹۴۸ء تک بھدرواہ میں رہا۔ اُسی دوران میری جیل سے رہائی کے بعد بھدرواہ میں تحصیل نیشنل کانفرنس کی پہلی کمیٹی کا اِنتخاب عمل میں آیا' جس میں ملک غلام رسول صاحب کو صدر اور مجھے سکریٹری چنا گیا۔ صدر کے ساتھ مشورے کے بعد میں نے ایک دفتر قائم کیا اور عبدالعزیز خان کو آفس سکریٹری مقرر کیا۔ ہمارا پہلا کام بھدرواہ کے ہر گاؤں میں کمیٹیاں قائم کرنا تھا ——— ''

(بحوالہ ''جدوجہد'' صفحہ: ۷۰-۷۱)

مُسلم کانفرنس قائم رکھنے کا فیصلہ:

کچھ عرصہ نیشنل کانفرنس کا ساتھ دینے کے بعد چوہدری غلام عباس اور مولانا محمد یوسف شاہ کی قیادت میں ''مسلم کانفرنس'' قائم رکھنے کا فیصلہ کیا گیا۔ ان حالات کا اثر موجودہ ضلع ڈوڈہ اور خاص طور پر بھدرواہ کے سیاسی حالات پر بھی پڑا۔ لوگوں نے ۱۹۳۲ء سے لے کر ۱۹۴۸ء تک مسلم کانفرنس کا ہی ساتھ دیا اور جون ۱۹۴۸ء کے بعد کچھ لوگ نیشنل کانفرنس میں شامل ہو گئے۔ مسلم کانفرنس میں کوئی غیر مسلم شامل نہیں ہوا۔ ۱۹۴۷ء کے سیاسی حالات' ملکی تقسیم اور صوبہ جموں میں ہوئے فسادات کے نتیجے میں یہاں کے مقامی حالات میں بھی کافی تبدیلی آئی۔ اِس سے پہلے چوہدری غلام عباس اور اللہ رکھا ساغر نے مسلم کانفرنس کے قائدین کی حیثیت میں بھدرواہ' ڈوڈہ اور کشتواڑ کے دورے کیے۔ مسلم کارکنان نے اُن کا جگہ جگہ والہانہ اُستقبال کیا۔ پہلی بار چوہدری صاحب بھدرواہ سے جائی کے راستے کشتواڑ اور وہاں سے سرینگر چلے گئے۔ اِس سلسلہ میں چوہدری غلام عباس کی خودنوشت سوانح حیات ''کشمکش'' سے کچھ اِقتباسات درج کیے جاتے ہیں جن سے' مسلم کانفرنس اور نیشنل کانفرنس کے قیام اور شیخ عبداللہ کے نظریہ میں تبدیلی اور اِسکے مضمرات پر چنداں روشنی پڑتی ہے۔ چوہدری عباس نے اپنی مذکورہ سوانح حیات' جو اُنہوں نے ۱۹۴۷ء تک کٹھوعہ جیل میں مکمل کی تھی'

میں مسلم کانفرنس کے قیام، اُس میں شیخ عبداللہ کی شمولیت اور اس سے متعلق کئی تواریخی واقعات قلمبند کیے ہیں۔ اُنہوں نے اِس بات کی بار بار وضاحت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مسلم کانفرنس کی بنیاد مہاراجہ ہری سنگھ کی بنیادیں اُکھاڑنے کے لئے نہیں پڑی تھی البتہ ریاست میں مسلمانوں کی حالت زار، اُن پر توڑے جانے والے ظلم و ستم اور فوجی بربریت جس کا مظاہرہ سرینگر جیل اور پونچھ راجوری کے فرقہ وارانہ فسادات دبانے کے لئے کیا گیا تھا، وہ رُک سکے اور مسلمانوں کو بھی سرکاری ملازمتوں اور اسمبلیوں میں آبادی کے تناسب سے حصّہ ملے۔ اِن ہی باتوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مسلم کانفرنس کے نمائندوں نے مہاراجہ صاحب سے کئی بار ملاقاتیں کیں لیکن اُن کے عامرانہ طرزِ عمل اور حکمرانی کے زعم نے مسلمانوں کو بجائے نزدیک آنے کے دُور ہی کیا۔ اپنے مطالبات جب مہاراجہ بہادر کو ایک یادداشت کی صورت میں پیش کئے گئے تو ملاقات کا شرف تو بخشا گیا لیکن —— ''اگست کا مہینہ تھا، وقتِ مقررہ پر ہم مہاراجہ کے محل پہنچے۔ ہمارے سامنے ایک کرسی خالی پڑی تھی۔ کافی دیر کے بعد مہاراجہ آیا اور پُر تمکنت انداز کے ساتھ سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ مجھے خیال تھا کہ بتیس لاکھ مسلمانوں کے نمائندوں کے ساتھ اُن کا حکمران خندہ پیشانی سے گفتگو کرے گا اور بے گناہوں پر، جو پچھلے دِنوں گولی چلائی گئی تھی، اُس کے لئے ابتداء میں ہی اِظہارِ معذرت کرے گا لیکن اُس کے طرزِ عمل کو دیکھ کر میری تمام قیاس آرائیوں پر پانی پھر گیا —— تقریباً سب نے جھک کر سلام کیا۔ میرے قریب ہی شیخ محمد عبداللہ کھڑے تھے۔ بعض اصحاب تو فرش بوس ہو کر تعظیم بجالائے —— جب میمورنڈم ختم ہو گیا تو مہاراجہ اُٹھ کے چپکے سے محل کی طرف چل دیا۔ ملاقات کا مقصد تو یہ تھا کہ ہماری شکایات، کا ازالہ ہو۔ ہم سے انصاف کیا جائے لیکن محل کے بظاہر خوشگوار مگر بہ باطن مسموم فضا، سوگوار ماحول، اکڑی اور تنی ہوئی گردنیں، کھینچی اور سُکڑی ہوئی پیشانیاں۔ حکمران اور رعایا کے درمیان ابھی اس مصنوعی اور غیر فطری حفظ مراتب سے یہ اندازہ لگ سکتا تھا کہ حکمران

کو اپنی رعایا سے یہ جائز شکایت بھی سُننا گوارہ نہیں۔ اُسی روز مجھے قطعی طور پر یقین ہو گیا کہ ہاتھوں میں کاسۂ گدائی لے کر منت سماجت کر کے قوم کو منزل مقصود کی طرف بڑھایا نہیں جا سکتا ــــــ آزادی جیسی بیش قیمت نعمت دریوزہ گری سے نہیں لی جا سکتی‘ بہ زورِ بازو حاصل ہوگی ــــــ میں سمجھتا ہوں کہ شہدأ اور مجروحین سے ہمدردی کے طور پر یہی تلافی کافی سمجھی گئی کہ ہمیں قصرِ شاہی میں آکر میمورنڈم پیش کرنے کی اجازت دی گئی ــــــ۔“[1]

۱۹۳۲ء میں مسلم کانفرنس کے قیام کے پہلے اجلاس میں اس تنظیم کے اغراض و مقاصد وغیرہ مرتب کیے جانے کے بعد وہ لکھتے ہیں ــــــ ”مسلم کانفرنس عالمِ وجود میں آنے سے بتیس (۳۲) لاکھ مسلمانوں کا ایک مرکز بن گیا۔ اُس سال شیخ عبداللہ صدرِ کانفرنس مقرر ہوئے اور میں معتمد عمومی۔ مسلمانوں کی جدوجہد‘ مصائب و آلام اور قید و بند کا ایک ہی حاصل تھا‘ وہ مسلم کانفرنس تھی۔ جس کی عمارت پر حکومت کی مشین گنوں سے ابھی آنچ نہ آئی تھی۔ لیکن آہ‘ کہ جب اِس کی بنیادوں کے کھوکھلا ہونے کا وقت آیا۔ ہمارے اپنے تشتت و نفاق کا سیلاب‘ جو ذاتی اغراض اور سیاسی عزائم نے پیدا کیا تھا‘ اِس شیشہ بالائی دیوار کو بہا لے گیا اور ہماری مخصوص مصلحتوں نے مسلمانوں کی اِس ایک ڈھال کو نذرِ برہمن کر دیا ــــــ“[2]

میر واعظ اور شیخ عبداللہ کے درمیان

اِختلافات کی خلیج:

”تحریک کے دُوسرے سال ہی سری نگر میں میر واعظ اور شیخ عبداللہ کے درمیان شدید اختلافات رُونما ہونے شروع ہو گئے۔ اِختلافات کی یہ باہمی جنگ یقیناً

[1] ”کشمکش“ از: چوہدری غلام عباس‘ ص: ۹۲ تا ۹۵

[2] ”کشمکش“ از: چوہدری غلام عباس‘ ص: ۱۲۱

مفادِ ملّت کے خلاف تھی۔

میر واعظ کو احساس ہو چلا تھا کہ عبداللہ اب ہماری خاندانی پوزیشن کو ملیا میٹ کر دے گا اور میر واعظ کا قدیم وقار اور اعتبار ختم ہو جائے گا۔ اُدھر شیخ عبداللہ جانتے تھے کے جب تک میر واعظ کا گھر سیاسی، مذہبی اور قومی لحاظ سے سالم وثابت ہے وہ کشمیر کا واحد لیڈر نہ بن سکے گا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ جنگ اِس تیزی سے چھڑ گئی کہ اِس کا تھم جانا اب آسان نہیں تھا —— کشمیر کے دونوں لیڈروں کی باہمی سر پھٹول میں شخصی حکومت کی چاندی تھی۔"[1]

اپنی اسیری کے دوران اُنہوں نے بہت سی اِسلامی کتب کا مطالعہ کیا جن میں قرآن کریم کے بہت سے تراجم، سیرت النبیؐ کی تمام جلدوں کا مطالعہ کرنے کے بعد وہ اِس نتیجے پر پہنچے کہ "خدا کو سمجھنے اور اُس کی توحید کا قائل ہونے کے لئے قرآن کی رہنمائی از بس ضروری ہے اور خدا اور اُس کی مقدس کتاب کو سمجھنے اور اُس پر ایمان لانے کے لئے حضور پُر نُورؐ کو پہچاننا ناگزیر ہے۔" وہ مزید لکھتے ہیں کہ "اِسلامی کتب کے مطالعہ کے دوران مجھے اِتفاقاً تلک کی ترجمہ بھگوت گیتا کا ایک نسخہ مل گیا۔ بھگوت گیتا گہرے مطالعہ کی محتاج ہے۔ اِس کتاب کی اِبتداء ہی ظلم کے خلاف سے ہوئی ہے۔ بقول قرآن حکیم، خدا تعالیٰ نے ہر قریہ اور ہر بستی میں اِنسانی اِصلاح کے لئے اپنے مُرسل مبعوث کئے ہیں۔ ہندوستان کا یہ برصغیر بھی اِس نعمتِ خداوندی سے محروم نہیں رہ سکتا تھا۔ ممکن ہے کہ اصل گیتا کا مصنف ایسی ہی کوئی مقدس ہستی ہو۔ سوامی وویکا نند اور سوامی رام تیرتھ کی تصنیفات بھی میری نظر سے گزریں۔ نفس کشی، گیان دھیان، ذکر وفکر، تصوف اور رُوحانیت کے تذکروں اور طریقوں سے یہ کتب بھری پڑی ہیں۔"[2]

---

1. "کشمکش"، از: چوہدری غلام عباس، ص: ۱۲۸
2. "کشمکش"، از: چوہدری غلام عباس، ص: ۱۴۲-۱۴۳

مُسلم کانفرنس لیڈروں کا
بھدرواہ اور کشتواڑ کا دورہ:

۱۹۳۵ء ہی مسلم کانفرنس کی تنظیم نو کی گئی اور شیخ عبداللہ کی خواہش پر ۲۵-۲۶/ اکتوبر ۱۹۳۵ء کو اِس کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا' جس میں چوہدری عباس کو صدر منتخب کیا گیا۔ اُن کو اعتراف ہے کہ —— شیخ محمد عبداللہ' اُن کے رُفقاء اور مسلمانانِ کشمیر نے میری آؤ بھگت اپنے مقدور اور وسائل سے بڑھ چڑھ کر کی۔ دریائی جلوس اور جلسہ کے اِنتظامات' پنڈال کی آرائش اور مندوبین کے طعام و قیام کا اہتمام سب کچھ قابل تعریف تھا ——''

اِسی دوران وہ بھدرواہ اور کشتواڑ بھی آئے۔ وہ اِس بارے میں یوں رقمطراز ہیں —— ''میں نے صدارت کے ایک سال عرصہ میں تمام ریاست کشمیر کا دورہ کیا۔ بعض ضروری مقامات پر تو مجھے کئی بار جانا پڑا۔ لیکن بھدرواہ اور کشتواڑ میں اُس سال پہلی بار گیا۔ یہاں کے مسلمان شیخ محمد عبداللہ کے مخالف اور میرے عقیدت مند تھے۔ اِس دورے میں میرے دو (۲) رُفقاء بھی ہمراہ تھے۔ علاقہ کے مسلمانوں نے ہمارے اِستقبال کے سلسلہ میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔ قدم قدم پر اپنی محبت اور مہمان نوازی کے بے بہا پھول ہماری راہ میں بکھیر دیئے اور اپنے آتشِ شوق کو شیفتگی اور عقیدت کے مختلف طریقوں سے ٹھنڈا کیا۔ چنانچہ بھدرواہ سے ایک ہفتہ کے قیام کے بعد ہم جب کشتواڑ کی طرف روانہ ہوئے تو بھدرواہ کے تمام مسلمان بلالحاظ صغیر و کبیر ہمیں رُخصت کرنے کے لئے تقریباً تین میل تک ہمارے ساتھ آئے۔ رُخصت کے وقت وہ اِتنا روئے کہ میں خود آبدیدہ ہو گیا۔ علاقہ کے ہر دلعزیز بزرگ منشی رسول ملک بھی ہمارے ہمراہ تھے۔ اُن کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ رہی تھی۔ اُس رات ہمارا قیام ''جائی'' میں تھا۔ ریاست کشمیر میں یہ وادی قدرتی مناظر اور خوبصورتی کے

لحاظ سے مجھے بہت پسند ہے۔ اِس کی اُونچائی قریباً سات ہزار فٹ ہے۔ بھدرواہ کے قصبے سے یہ مقام آٹھ دس میل دُور ہوگا ـــــ تیسرے روز ہم کشتواڑ پہنچے اور اور وہاں ایک ہفتہ قیام کرنے کے بعد سنتھن درّہ کے راستے سرینگر پہنچ گئے۔ جموں سے سری نگر تک تقریباً تین سو میل کا یہ پہاڑی سفر ہم نے ایک مہینے میں طے کیا۔ اِس سفر میں تقریباً بیس مقامات پر جلسے منعقد ہوئے اور اِس پہاڑی علاقہ میں تقریباً ایک لاکھ مسلمانوں سے خطاب کیا۔ میں کئی راستوں سے جموں سے سری نگر گیا ہوں لیکن یہ راستہ شروع سے آخر تک لاجواب ہے، بشرطیکہ سیاحت اور تفریح مدِ نظر ہو۔''[1]

مہاراجہ ہری سنگھ کے بارے میں وہ یوں خامہ فرسائی کرتے ہیں:

'' ـــــ افسوس یہ ہے کہ مہاراجہ نے مسلمانانِ ریاست کی شکایات کا ازالہ کرنے کی بجائے اُن کو باغی قرار دیا حالانکہ اُس وقت مسلمانوں کو مہاراجہ سے کوئی خاص پرخاش نہ تھی۔ اگر یہ بات ہوتی تو ہم بار بار مطالبات کی فہرستیں لے کر اُس کے سامنے دستِ سوال دراز نہ کرتے ـــــ میں مہاراجہ کے بدلے ہوئے تیور دیکھنے کے باوجود بھی اُس کی نیک نیتی کے متعلق حُسنِ ظن رکھتا تھا۔ اور یہ حقیقت بھی ہے کہ مہاراجہ نے اِبتدائی دورِ حکومت میں ایسے قوانین جاری کیے جن کی وجہ سے زمین دار اور کاشت کار عناصر کو قدرے فائدہ پہنچا۔ لیکن راعی اور رعایا دونوں کی بدقسمتی یہ تھی کہ مہاراجہ کو کچھ اندرونی اور کچھ بیرونی مشیروں نے مسلمانوں کے خلاف شدّت سے بدظن کر دیا تھا اور منافرت کے یہ جذبے روز بروز بڑھتے گئے ـــــ ہم نے تقریروں اور تحریروں کے ذریعہ اِس غلط فہمی کو رفع کرنے کی بے حد کوشش کی لیکن یا تو مہاراجہ کو صحیح حالات سے مطلع نہ کیا گیا یا وہ خود بخود اپنے تعصب کے باعث مسلمانوں سے متنفر ہو گیا ـــــ''[2]

---

[1] ''کشمکش''، از: چوہدری غلام عباس، ص: ۱۵۳

[2] ''کشمکش''، از: چوہدری غلام عباس، ص: ۱۵۵

شیخ محمد عبداللہ کے نیشنل اِزم کے بارے میں وہ یوں رقمطراز ہیں:

"ـــــ ۲۵، ۲۷ / مارچ ۱۹۳۸ء کو مسلم کانفرنس کا سالانہ اجلاس جموں میں منعقد ہوا۔ جس کے صدر منتخب شیخ عبداللہ تھے۔ اجلاس سے چند یوم قبل شیخ صاحب نے خان عبدالغفار خان اور پنڈت جواہر لال نہرو سے پہلی دفعہ ملاقات کی۔ جب وہ جموں پہنچے تو اُن کے تیور بدلے ہوئے تھے اور سرحد سے نیشنل اِزم کا اِتنا تند و تیز جام چڑھا کر آئے تھے کہ اُس کا نشہ کبھی اُتر ہی نہ سکا۔ آتے ہی اُنہوں نے میرے ساتھ بند کمرے میں نیشنل اِزم کے متعلق گفتگو شروع کر دی۔ اس کے جواز اور عدم جواز کے بارے میں پہلے تو نرمی سے بحث ہوئی لیکن مجھے افسوس ہوا کہ اب یہ معاملہ بحث و تمحیص اور قومی نفع و نقصان کی سرحدیں پھاند چکا تھا۔ شیخ عبداللہ کا اصرار تھا کہ تین دن تک ہونے والے اجلاس میں اِس کا فیصلہ ضروری ہے۔ شیخ صاحب کی طبیعت کا پہلو واضح رہے کہ جب تک وہ دوست ہیں تو پکے دوست ہیں، لیکن جب وہ آنکھیں پھیر لیتے ہیں تو دُشمنی میں بڑے سے بڑا دُشمن بھی اُن کا مقابلہ نہیں کر سکتا ـــــ اُن کی طبیعت اور سیاسی زِندگی کا سب سے بڑا سُقم آزادی رائے کا فقدان رہا ہے ـــــ بد قسمتی سے ہمارے نصب العین اور طریقِ کار کے درمیان ایک نمایاں دیوار حائل ہونے کا شدید احتمال پیدا ہو گیا۔ جوں توں کر کے میں نے شیخ عبداللہ کو ہموار کر لیا اور اِس طرح باہمی خانہ جنگی کی جو آندھی آ گئی تھی، وہ بغیر نقصان کے گزر گئی ـــــ"۱

مُسلم کانفرنس کی

مجلس عاملہ کا سری نگر میں اجلاس:

"اسمبلی اِنتخابات میں اُنیس کی اُنیس نشستیں مسلم کانفرنس کو ملیں اور اِن اِنتخابات سے فارغ ہو کر شیخ صاحب نے سرینگر میں اندرونی اور خفیہ طور پر نیشنل اِزم

---

۱ "کشمکش"، از: چوہدری غلام عباس، ص: ۱۵۹-۱۶۰

کا پروپیگنڈہ شروع کر دیا اور اُن انتخابات کے ایک ماہ بعد غالباً ۲۵/ جون ۱۹۳۸ء کو مجلسِ عاملہ کا اجلاس سری نگر میں طلب کیا۔ اُس سال وہی مسلم کانفرنس کے صدر تھے۔ اُس اجلاس میں کانفرنس بلانے کی غرض و غایت اسمبلی میں پارٹی لیڈر کا اِنتخاب اور مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس میں تبدیل کرنا تھا۔ شیخ عبداللہ کے اُمیدوار کو اُنیس ممبرانِ اسمبلی میں سے صرف دو ووٹ حاصل ہوئے اور ہمارا اُمیدوار بھاری اکثریت سے کامیاب ہو گیا اور یہی طاقت کی کشمکش اب مسلم کانفرنس کو توڑنے کے معاملہ میں فیصلہ کن ثابت ہونے والی تھی۔ شیخ صاحب اِس شکست سے بوکھلا گئے۔ مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس میں بدلنے کی شیخ صاحب کی دو دلیلیں تھیں۔ ایک یہ کہ ''گوپالا سوامی آئینگر نے اُن کے ساتھ وعدہ کر رکھا تھا کہ اگر ریاست میں نیشنلِسٹوں کا برائے نام ڈھانچہ قائم ہو جائے تو حکومت اِصلاحات کے سلسلہ میں ایک اِنقلاب انگیز قدم اُٹھانے کے لئے تیار ہو گی اور کم از کم دو عوامی منسٹر حکومت میں شامل کر لئے جائیں گے۔ دوم یہ کے میرے ساتھ اب چند غیر مسلم سیاسی کارکن شامل ہو کر قومی کام کرنا چاہتے ہیں ــــــ شیخ صاحب کی یہ دونوں باتیں بے معنی تھیں۔ نہ تو آئینگر ریاست میں اِصلاحات نافذ کر کے مسلمانانِ ریاست کی سیاسی پوزیشن مضبوط کرنا چاہتا تھا کیونکہ اِس طرح مستقبل قریب میں ہی راجہ ہری سنگھ کی متبدانہ اور آمرانہ طاقت کے ختم ہونے کا احتمال تھا اور نہ ہی غیر مسلموں سے کوئی فرد نیک نیتی سے مُسلمانوں کے ساتھ شامل ہو کر ہندو اقلیت کے پاؤں پر کلہاڑا مارنے کا مرتکب ہو سکتا تھا ــــــ''

''ــــــ حقیقت یہ ہے کہ شیخ صاحب کے یہ پانچ معتمد علیہ ہندو' آئینگر کے ایجنٹ تھے۔ یہ مسلمانوں کی سیاسی اور قومی تنظیم سے جس کا مظہر اِنتخابات اسمبلی کے نتائج تھے' خوف زدہ اور پریشان ہو گئے تھے۔ اِس لئے وہ مسلم کانفرنس کی مضبوط جماعت کو توڑ کر مسلمانوں کی وحدتِ ملّی کو پاش پاش کرنا چاہتے تھے ــــــ''[1]

---

1. ''کشمکش'' از: چوہدری غلام عباس' ص: ۱۶۹-۱۷۰

''۔۔۔۔۔ شیخ عبداللہ کے پیشِ نظر اُس وقت گنتی کے چند ہندوؤں کی رفاقت تھی اور حکومت کی جانب سے محکمانہ طاقت کا وعدہ فردا اور بین الاقوامی ذاتی شہرت اور کانگریس کے ظاہری مسحور کن سامانِ زیست وزیبائش۔ شیخ عبداللہ صاحب اُن چیزوں کو ہر حال میں حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اُس وقت بھی محسوس نہ کیا اور اِس وقت بھی وہ اِس احساس سے قطعاً عاری ہیں ۔۔۔۔۔۔ ''[1]

شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ

غلام عباس کا اِختلاف:

''آخر کار شیخ عبداللہ اور میرے درمیان کشمکش نے طول پکڑ لیا۔ شائستہ نوک جھونک کے بعد نوبت اِنتہائی ترش کلامی اور تلخ گوئی تک پہنچ گئی اور اِس طرح اجلاس کسی تصفیہ کے بغیر منتشر ہو گیا۔ یہ ظاہر تھا کہ اب شیخ عبداللہ اور میری سیاسی اور قومی راہ بالکل الگ الگ اور متضاد تھی۔ دراصل تاریخِ کشمیر میں یہ بڑا منحوس دن تھا' جب وحدتِ ملّی اور قومی شیرازہ بندی کے قصر فلک بوس کی آہنی بنیادوں کو کانگریس اور مہاسبھا کے تعلق کی وجہ سے پاش پاش کر دینے کی طرح ڈالی گئی۔ جس کی اِنتہا کا یہ عالم ہے کہ آج اِس کے باعث کشمیری مسلمان ہی نہیں بلکہ تمام ملّتِ اِسلامیہ سوگوار ہے۔ ایسی صورتِ حال میں اِصلاح حال کی تمام راہیں مسدود ہو جانے کا کلی احتمال تھا۔ اس لئے میں نے مصلحتاً مجلس عاملہ میں رائے شماری سے اِجتناب کیا۔ میرا یقین تھا کہ کچھ عرصہ بعد شیخ صاحب اپنی کوتاہ اندیشی اور کمزوری کو محسوس کر کے خود بہ خود راہ پر آ جائیں گے۔ لیکن آئندہ سیاسی حالات کی رفتار اسلامیانِ ریاست کی متحدہ قوت میں اِنتشار اور جماعتی حیثیت میں قومی غداری کے اِرتکاب کا باعث ہو گئی۔ ''[2]

---

[1] ''کشمکش'' از: چوہدری غلام عباس' ص: ۱۶۹-۱۷۰

[1] ''کشمکش'' از: چوہدری غلام عباس' ص: ۱۷۱

فروری ۱۹۳۹ء میں جب شیخ عبداللہ اور چوہدری عباس وغیرہ جیلوں سے رِہا ہوئے تو اُن دو لیڈروں کے درمیان پھر سے مراسم کا سلسلہ قائم ہوا۔ چند ایک شرائط کے تحت مسلم کانفرنس کو ''نیشنل کانفرنس'' میں تبدیل کرنے کی تجویز کی عباس صاحب نے بھی حامی بھرلی۔ اُسی دوران مئی ۱۹۳۹ء میں محمد علی جناح بھی کشمیر آئے اور مسلم کانفرنس کی طرف سے ہی اُن کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا گیا۔ اُس وقت شیخ محمد عبداللہ اور چوہدری عباس اِکٹھے ہی اُن سے ملاقات میں شامل تھے۔ اُس سپاسنامے کے جواب میں جناح نے کہا کہ......''ریاست میں مسلمانوں کی بھاری اکثریت کی وجہ سے مسلمان لیڈروں کا فرض ہے کہ وہ نہ صرف غیر مسلموں کی تالیف قلوب کریں بلکہ اُن کو سیاسی گاڑی کا ایک پہیہ سمجھ کر ساتھ چلائیں.........''[۱]

مجلس عاملہ کے اجلاس میں طے شدہ شرائط پر شیخ صاحب اور اُن کے ساتھی قائم نہ رہے جن کی رُو سے چوہدری عباس نے نیشنل کانفرس میں شامل رہنے کی حامی بھری تھی۔ وہ لکھتے ہیں کہ..........''اگر شیخ عبداللہ اور اُن کے ساتھی باہمی میثاق پر قائم رہتے تو شاید نیشنل اِزم ہی عوام کے درد کا مداوا ہو سکتا تھا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ یہ یقیناً اچھا ہوا کہ نیشنل کانفرنس آج سے دس سال قبل معرضِ وجود میں آئی اور زیادہ اچھا ہوا کہ نا قابلِ اصلاح ''کشمیری گاندھی'' بہت جلد اپنے اصلی رُوپ میں مُسلمانوں کے سامنے آگیا.........ابھی نیشنل کانفرنس معرضِ وجود میں بھی نہیں آئی تھی کہ شیخ محمد عبداللہ پہلے دہلی میں پنڈت نہرو سے ملے اور واپسی پر لاہور پہنچ کر ''ٹریبون'' اخبار کے ذریعہ ایک بیان میں کانگریس کی تعریف کے گیت گانے لگے۔ کانگریس کی مدح سرائی میں اُن کے بیانات کا سلسلہ جاری رہا.........''[۲]

---

۱ ''کشمکش''، از: چوہدری غلام عباس، ص: ۱۷۱

۲ ''کشمکش''، از: چوہدری غلام عباس، ص: ۱۸۰

چوہدری عباس اور شیخ عبداللہ کے درمیان

تعلقات مزید کشیدہ:

اسمبلی میں اسلحہ ایکٹ (جس کی رُو سے ہندو راجپوتوں کو اسلحہ اور بارُود رکھنے کی اجازت دے دی گئی) اور ہندی سے متعلق ایکٹ کی منظوری کے دوران مسلم کانفرنس گروپ کے اِحتجاج کے باوجود نیشنل کانفرنس ممبران کی خاموشی پر چوہدری غلام عباس اور شیخ عبداللہ کے درمیان زبردست اِختلافات پیدا ہوگئے۔ لوگوں کے اصرار اور بدلے ہوئے حالات کے تقاضوں کے تحت چوہدری غلام عباس مسلم کانفرنس کے احیاء کا اعلان کرنے پر مجبور ہوگئے۔ صوبہ جموں کے مسلم رہنماؤں نے اپنی پوری حمایت کا اُنہیں یقین دِلایا اور اُن کے مقبوضہ کشمیر (آزاد کشمیر) بھیجے جانے تک اُن کا ساتھ دیتے رہے۔

چوہدری عباس اور اُن کے ساتھیوں کا

خِطّۂ ڈوڈہ کا دُوسرا دورہ:

چوہدری عباس نے ۱۹۴۲ء کے بعد جموں کے علاقوں کا پھر دورہ کیا اور دُور دراز علاقوں میں بھی مسلم کانفرنس کی تحریک میں از سرِ نو جان ڈالی۔ اِس دورے کے بارے میں وہ لکھتے ہیں: ''اِس دفعہ پھر علاقہ کی دُوری، قدرتی مناظر کی فرو وانی اور لوگوں کی محبت کی وجہ سے کشتواڑ، بھدرواہ اور ڈوڈہ میں ہمارا بہت زیادہ وقت صَرف ہوا۔ اب یہ عالم تھا کہ اُس دُور افتادہ علاقہ کے صرف مرد ہی نہیں بلکہ عورتیں اور بچے بھی قائداعظم کی غائبانہ عقیدت اور پاکستان کے جذبے سے سرشار اور از خود رفتہ نظر آتے تھے بلکہ اُس علاقہ کی کوئی ایسی چوٹی نہیں تھی جو پاکستان کے نعروں سے نہ گونج اُٹھی ہو۔''[1]

---

[1] ''کشمکش''، از: چوہدری غلام عباس، ص: ۲۴۱

اُس دورے میں اے. آر. ساغر بھی اُن کے ہمراہ تھے۔ اپنے اور شیخ صاحب کے تعلقات کے بارے میں وہ لکھتے ہیں: ''۱۹۳۱ء سے لے کر ۱۹۴۰ء تک ہم دونوں نے ایک پلیٹ فارم پر ایک مقصد کے لئے ایک جذبہ کے ساتھ کام کیا۔ یہاں تک کہ اُن دِنوں ہمارا اُٹھنا بیٹھا سوچنا اور عمل کرنا قریباً ایک ساتھ ہوا کرتا تھا اور یہ عجیب بات ہے کہ اِس لمبے عرصے میں ہمارے درمیان کسی اصولی یا فروعی معاملہ میں کبھی اِختلاف نہیں رہا...... یاد رہے کہ شیخ عبداللہ میں اِس کمزوری کے علاوہ (یعنی جیل سے خائف رہنا) دُنیا کے دُوسرے سیاسی کارکنوں کی طرح اور بھی بہت سی سیاسی کمزوریاں رہی ہیں۔ لیکن خدا لگتی بات ہے کہ اُن کا روشن پہلو بھی اپنی جگہ بہت نمایاں رہا ہے اور جب تک وہ ہمارے نقطۂ نگاہ سے سیاسی حیثیت میں زِندہ رہے، بہت بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ بدقسمتی یہ ہوئی کہ برہمن کی چوکھٹ پر ''شیخ'' کے صرف ایک سجدے نے اُن کو کہیں کا نہ رکھا۔ اُنہوں نے دُنیائے اِسلام چھوڑ دی لیکن اپنی مصلحتوں کے لئے بھارت کو نہ چھوڑا۔ دیکھنا اب یہ ہے کہ پنڈت جواہر لال نہرو کے ذاتی اِلتفات کے باوجود بھارت کب اُن کو چھوڑتا ہے۔ یہ مقام بھی دیدنی اور عبرتناک ہوگا......''[1]

ظاہر ہے کہ چوہدری غلام عباس صاحب کی یہ پیش گوئی اگست ۱۹۵۳ء میں حرف بہ حرف دُرست نکلی اور اُس کے بعد کے حالات نے واقعی یہ مقام دیدنی اور عبرتناک ثابت کر دیا۔

چوہدری عباس اپنی سوانح حیات کو اِن دردناک الفاظ پر ختم کرتے ہیں:

''ریاست میں ہماری آخری قید کے زمانے میں خوشگوار اور ناخوشگوار دونوں قسم کے کئی انقلاب آئے۔ پاکستان بنا۔ مشرقی پنجاب اور ریاست جموں و کشمیر میں مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی گئی۔ گو میں نے اُس خون کی ہولی کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا لیکن جیل کی چاردیواری کے اندر بیٹھ کر مارنے والوں کی گولیوں کی آوازیں، مرنے

1۔ ''کشمکش'' از: چوہدری غلام عباس، ص: ۲۵۵-۲۵۶

والے مظلوموں کی آخری چیخیں' اغوا ہونے والی معصوم دوشیزاؤں کی بے اثر آہیں اور فریادیں' ایک مجبور قیدی کی حیثیت میں کلیجہ تھام کر اپنے کانوں سے سنیں۔ اُسی آخری زمانۂ قید میں جہادِ کشمیر کی اِبتداء ہوئی اور جب۔

'چھٹے اسیر تو بدلا ہوا زمانہ تھا' [1]

تحریک آزادی میں صوبہ جموں کا حصّہ

بلراج پوری کی نظر میں:

کامریڈ کرشن ڈیو سیٹھی' چوہدری غلام عباس اور غلام رسول آزاد (مرحوم) کی سوانح عمریوں سے جموں میں چلائی جانے والی آزادی کی تحریکوں کے بارے میں کچھ معلومات اور مواد اِس کتاب کے مختلف ابواب میں درج کیا جا چکا ہے' تاہم اِس ضمن میں ابھی مزید تحقیق کی ضرورت پہلے سے ہی محسوس کی جا رہی ہے۔ اِس ''احساس ناگفتہ'' کے تحت ریاست جموں کے ایک مایہ ناز حقوقِ اِنسانی کے علمبردار' تیز قلم اور بے باک صحافی اور سماجی کارکن مسٹر بلراج پوری' جنہوں نے تحریکِ آزادی کے اِبتدائی دور میں مختلف کارروائیوں میں خود بھی حصہ لیا تھا' اِس ضمن میں ''کشمیر ٹائمز'' کی ۱۶ اگست ۲۰۰۷ء کی اشاعت میں ایک سیر حاصل تبصرہ شائع کیا ہے۔ جس کے کچھ اِقتباسات قارئین کی دِلچسپی اور تاریخی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے نیچے درج کئے جاتے ہیں:

''تاہم خِطہ کشمیر کی تحریکِ آزادی کے بارے میں بیرونی' ہندوستانی اور کشمیری اسکالروں نے کافی کام کیا ہے لیکن جموں کے اِس آزادی کی تحریک میں حصّے کے بارے میں اِس (تحقیقی کام) میں کچھ تحریر میں نہ لایا جانا صاف طور پر عیاں ہے۔ میرے خیال میں اِس خِطہ کے ساتھ بڑی بے اِنصافی اِس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ جموں کے بارے میں تحریکِ آزادی کے یہ اوراق خالی ہیں۔ میاں ڈیڈو، باوا جتو'

---

[1] ''کشمکش'' از: چوہدری غلام عباس' ۱۹۵۰ء' ص: ۱۷۱

شمس ولی، راجہ محمد تیغ سنگھ والیاں جموں، پونچھ اور ڈوڈہ جیسے لوک ہیروؤں کو بھولئے۔ (یہاں کی) آرٹ، موسیقی اور کلچر کے شعبے میں لافانی خدمات کو ایک طرف رکھئے، ہندو اور مسلمانوں کی اُن مشترک بزرگ ہستیوں، زیارتوں، تیرتھوں کو بھی یادوں کے دریچوں سے خارج کیجئے......... ہم نے تو اپنے وِرثے کو ہی بھلا دیا ہے........"

"......... میں اِس وقت ریاست کی تحریکِ آزادی کا قصہ چھیڑ رہا ہوں۔ ریاست میں اِس کا کون بانی تھا۔ یہ مہاتما بدھ سنگھ کے سوا کوئی اور نہ تھا۔ وہ اُس وقت کے ایک پُر وقار جانے جانے والے عہدے یعنی ڈپٹی کمشنری سے مستعفی ہو گئے اور ۱۹۲۵ء میں ریاست میں اپنی نوعیت کی پہلی سیاسی پارٹی "کسان مزدور پارٹی" کی بنیاد نیشنل کانفرنس کے وجود میں آنے سے چودہ سال پہلے ڈالی۔ جس کے مطالبات تقریباً وہی تھے جو بدھ سنگھ نے پہلے ہی اُٹھائے تھے........"

"......... اُس نے ہی چوہدری غلام عباس کے ساتھ شیخ محمد عبداللہ کو مسلم کانفرنس کو ایک سیکولر نیشنل کانفرنس میں بدلنے کے لئے رضامند کرنے کا بیڑہ اُٹھایا اور اِس کی سرگرمیوں کو جموں تک بڑھایا۔ ایک شریفانہ طرز کی غیر تحریری مفاہمت کے تحت اِس کی قیادت دونوں خطوں کے درمیان باری باری دی جانی مطلوب تھی لیکن کشمیری لیڈر اِس مفاہمت پر عمل پیرا ہونے میں ناکام رہے۔ جہاں تک نیشنل کانفرنس کی قیادت کا تعلق تھا، شیخ عبداللہ نمایاں طور پر ایک بڑی شخصیت تھی جس کی طرف سے جموں کے قائدین کو کوئی حمایت حاصل نہیں ہوئی، جبکہ قومی سطح کی لیڈرشپ کے لئے شیخ عبداللہ کا قابو میں آنا بڑی فتح تھی۔ اگرچہ نیشنل کانفرنس کو بھارتی نیشنل کانگریس کی ہی ایک شاخ تسلیم کیا گیا تھا۔ جموں کانگریس یونٹ کام کرتی رہی۔ چوہدری محمد شفیع اُس کا ہردلعزیز لیڈر تھا۔ اُس کے علم کے تحت ہم میں سے چند ایک نے ۹ / اگست ۱۹۴۲ء کو "ہندوستان چھوڑ دو" کی تحریک شروع کی، جس کا وادی میں کوئی چرچہ نہ ہوا (یعنی اِس کی طرف وہاں کوئی متوجہ نہ ہوا) میرپور میں راجہ محمد اکبر، حاجی وہاب دین، عبدالخالق

انصاری، ماسٹر روشن لال اور کرشن دیو سیٹھی جیسے لیڈروں کی کہکشاں نے تحریکِ آزادی کے اُس پرچم کو سربلند رکھا۔ پونچھ میں غلام قادر بانڈے سیکولر طاقتوں میں باہمی طور پر ایک مانے ہوئے قائد تھے........''

''........آزادی کی اِس تحریک کا سنگِ میل چھنی کے لوگوں کا وہ نعرہ تھا جس میں ''کاشتکار کو زمین ملے'' کی گونج تھی۔ بہت سے مرد قائدین جیسے موتی رام بیگڑہ، لالہ جگن ناتھ، امرناتھ شرما، مستری شفیع کے علاوہ اِس تحریک نے ایک مایۂ ناز خاتون لیڈر جس کا نام 'نراتو'' تھا' کو سامنے لایا۔ وہ اُن لیڈروں میں ایک تھی جنہوں نے چھنی سے اُدھم پور کی طرف لوگوں کی ایک بڑی تعداد کو ہجرت کرنے میں رہنمائی کی.......''

''........۱۹۴۳ء میں ایک ایکشن کمیٹی، جس کی سربراہی گوپال دت مینگی کر رہے تھے اور جس کے جنرل سکریٹری اللہ رکھا ساغر تھے، نے جنگ کی وجہ سے قیمتوں میں اضافے کے خلاف ایک عوامی تحریک چلائی۔ احتجاجی جلوس پر شہر میں پولیس نے گولی چلائی۔ (جس کا میں ایک عینی گواہ تھا) اُس میں چار مسلمان اور تین ہندو جاں بحق ہوئے۔ جب میں صوبائی نیشنل کانفرنس کا صدر تھا، میں نے مسلمان شہیدوں کی نشاندہی کی اور ہمارے کارکنان ہر سال وہاں جا کر اُن کے ارواح کے لئے دعائے مغفرت کرتے تھے۔ یہ سلسلہ اُس وقت ختم ہوا جب مجھے نامعلوم وجوہات کی بناء پر پارٹی سے خارج کیا گیا۔ ایک اخباری ایڈیٹر کے ناطے سے اِس ساری ایجی ٹیشن کو سپردِ قلم کیا تھا، جس کا ریکارڈ میرے پاس موجود ہے۔ اِس سلسلہ کے دُوسرے شخص جس کو ہمیں ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے، جموں کا کامریڈ دھنونتری ہے، جو ہماری ریاست سے تعلق رکھنے والا اکیلا ''بھگت سنگھ'' کا ساتھی تھا اور جسے اُس کی سرگرمیوں کی وجہ سے بطورِ سزا انڈومان جیل بھیج دیا گیا تھا.........''

سنت سنگھ تیغ کے تحریکِ آزادی میں قابلِ تحسین رول کا ذکر کرنے کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ تحریکِ آزادی میں کشمیر کے گراں قدر حصّے کے ساتھ ساتھ صوبہ جموں کے

اُس تحریک میں کردار کو بھی تسلیم کیا جانا چاہئے تاکہ دونوں خطّوں کے درمیان باہمی احترام اور اعتماد کی فضا کو فروغ مل سکے۔[1]

شیخ محمد عبداللہ کی بھدرواہ جیل میں

دوبارہ اسیری:

شیخ محمد عبداللہ حکومت مخالف سرگرمیوں کے الزام میں مختلف جیلوں میں نظر بند رہے۔ ۱۹۳۱ء سے ۱۹۳۴ء تک وہ قلعہ ہری پربت اور سنٹرل جیل سرینگر میں چار بار بند رہے اور پانچویں مرتبہ اُنہیں اپنے دیگر رفقاء کے ساتھ ۲۹/ستمبر ۱۹۳۸ء سے ۲۹/فروری ۱۹۳۹ء تک قلعہ باہو جموں اور بھدرواہ جیل میں زیرِ حراست رکھا گیا۔ فروری ۱۹۳۹ء کو وہ بھدرواہ جیل سے ہی رہا ہوئے۔ اُس کے بعد وہ اپنی چھٹی اسیری کے دوران بادامی باغ سرینگر، قلعہ باہو جموں اور بھدرواہ جیل میں ۲۰/مئی ۱۹۴۶ء سے یکم اکتوبر ۱۹۴۷ء تک بند رہے اور بھدرواہ جیل سے ہی رہائی پائی۔

مہاراجہ ہری سنگھ کی پالیسیوں اور ہندوستان اور کشمیر میں چلنے والی سیاسی تحریکوں کے نتیجے میں ۱۹۳۰ء کے لگ بھگ بھدرواہ میں بھی سیاسی سرگرمیوں نے جنم لیا اور یہاں پر بھی مسلم کانفرنس کی بنیاد پڑی۔ اُن دِنوں شیخ صاحب بھی مُسلم کانفرنس کے ساتھ ہی وابستہ تھے۔

''۸/اگست ۱۹۳۳ء کو (سرینگر جیل سے) شیخ صاحب کی رہائی پر کچھ مسلمانوں نے قصبہ بھدرواہ میں جلوس نکالا۔ اُس جلوس میں ہوئی نعرہ بازی کے ردِعمل میں ہندو لوگوں نے بھی جنم اشٹمی کے دِن اُس سال ۱۳/اگست کو ایک جلوس منظّم کیا۔ اُن دو جلوسوں نے یہاں کی سیاسی سرگرمیوں کو ایک فرقہ وارانہ رنگ دیا جس کے نتیجے میں

---

[1] اِس سلسلہ میں ''ہیومن رائٹس'' کے جولائی۔اگست کی اشاعت میں اُن کے ''تحریکِ آزادی میں جموں کا حِصّہ'' کے عنوان کے تحت چھپے ہوئے مضمون کو بھی ملاحظہ کیا جائے۔

دونوں فرقوں کے تعلقات ناخوشگوار ہو گئے۔ ایک فرقے نے دُوسرے فرقے کے خلاف جھوٹی افواہیں اُڑائیں، جھوٹے مقدمے دائر کئے اور ایسے ہی کچھ مسئلے اُٹھائے، جن میں سے کچھ حسب ذیل ہیں:

(۱) پنڈت نندلال کول (پریتم کول کے چچا اور محکمہ جنگلات کے رینج آفیسر) کے خلاف ۱۴ر مئی ۱۹۳۴ء کو نواب دین دوکاندار نے ایک جھوٹا مقدمہ درج کروایا، جس کو ایک ذِی عزت شہری کے خلاف ایک شر پسند شخص کی پہلی شرارت قرار دیا گیا۔

(۲) اگست ۱۹۳۳ء کے مذکورہ جلوس اور نعرہ بازی نے فرقہ پرستی کے جذبات کو بڑھاوا دیا۔ اُن واقعات کا یہ رُجحان دیکھ کر مسٹر دِلاور بخش قریشی (جنرل سکریٹری) اور غلام رسول ملک (صدر) مقامی مسلم کانفرنس نے اِستعفیٰ دے دیا۔

(۳) ۱۹۳۴ء کے اپریل، مئی کے مہینوں میں غلام رسول ملک اور غلام احمد گنائی نے سول نافرمانی کی تحریک شروع کر دی۔ اُن کی تقریریں مقامی اور ریاستی حکومت کے آفیسران بشمول پرائم منسٹر اور اِنسپکٹر جنرل آف پولیس کے خلاف مبینہ طور پر سخت کلامی پر مبنی تھیں۔ اُس تحریک میں وادیٔ کشمیر اور دیگر مقامات کی طرح مسلم فرقے کی سیاست کا رنگ چڑھا ہوا تھا، تاہم حکومت کے خلاف مقامی طور پر بھی ہندو مسلم فرقوں کی مشترکہ جدوجہد کی اپیلیں بھی ہوتی رہیں۔

''حکومت کی طرف سے غلام رسول ملک کی ذیلداری اور جنگلاتی ٹھیکے کے خاتمے کے لئے سخت ترین تدابیر عمل میں لائی گئیں۔ چنانچہ مسلمانانِ بھدرواہ کی طرف سے تحریری طور پر اِس بات کی یقین دہانی کرائی گئی کہ وہ ہز ہائی نس کے وفادار رہیں گے اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی (بھاری چارے) کو برقرار رکھیں گے۔''

''فروری ۱۹۳۶ء میں دونوں فرقوں کے درمیان پرنالہ میں واقع ایک چشمہ باعث نزاع بن گیا۔ اِس مسئلہ کو گرمانے کا ذِمہ وار دفتری ریکارڈ کے مطابق عبدالرحمٰن عرائض نویس تھا۔ عدالت نے اِس مقدمے کا فیصلہ کیا جس میں کچھ افراد کو سزا بھی دی

گئی۔ تاہم اِس مسئلہ کے باہمی رضامندی سے حل ہونے کے نتیجہ میں امن وامان قائم ہوگیا۔''[1]

بہرحال مقامی سیاست میں ۱۹۳۲ء اور ۱۹۴۵ء کے درمیان کافی تبدیلیاں آئیں اور دونوں فرقوں میں پرانا بھائی چارہ پھر سے قائم ہوگیا۔ حالات نے سیکولر رنگ اِختیار کیا' جس کے نتیجے میں ۱۹۴۵ء میں کرائے گئے پرجا سبھا کے چناؤ میں بھدرواہ سے دھنتر سنگھ سلاتھیا کے مقابلے میں ملک غلام رسول یہاں کے پہلے نمائندے کے طور پر کامیاب ہوئے۔ ملک غلام رسول یہاں کے بڑے رئیس' خوش مزاج' دُور اندیش اور غریب پرور شخص تھے۔ لوگ اُن کو بہت احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

ریاست میں سیاسی سرگرمیوں میں تیزی:

دُوسری طرف کشمیر کے حالات میں بڑی تیزی سے تبدیلی آتی رہی۔ ۱۹۴۵ء میں جب آل اِنڈیا مسلم لیگ کے صدر محمد علی جناح اپنی ہمشیرہ کے ساتھ کشمیر آئے تو شیخ عبداللہ نے نیشنل کانفرنس کے صدر کی حیثیت میں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ اُن کا خیر مقدم کیا اور ایک سپاس نامہ بھی پیش کیا۔ کچھ دِنوں کے بعد شیخ صاحب اور جناح کے درمیان کچھ نظریاتی اِختلافات پیدا ہوگئے جن کی وجہ سے اُن میں دُوری پیدا ہوگئی اور جناح صاحب کشمیر سے واپس چلے گئے۔ جیسا کہ پہلے بھی ذِکر آچکا ہے کہ ۱۹۴۵ء کے اِنتخابات میں مسلم کانفرنس نے ۸۰ فی صد سیٹیں جیت لیں۔ جس پر مہاراجہ ہری سنگھ کی حکومت نے بوکھلاہٹ میں ہر قسم کی سیاسی سرگرمیوں پر پابندی لگادی۔ جب مسلم کانفرنس کے لیڈروں نے اِن پابندیوں کی خلاف ورزی کرنا شروع کی تو ۱۹۴۶ء میں اِس کے سارے رہنماؤں اور کارکنوں کو بغیر مقدمہ چلائے جیلوں میں بند کردیا گیا۔ صوبہ جموں میں مسلم کانفرنس کے جو ممبران کا ک شاہی کے عتاب کا شکار

[1] ''ہمالین پرنسی پیلیٹیز'' از: ڈاکٹر پریتم کرشن کول' صفحہ: ۲۵۰-۲۵۱' ترجمہ: بشیر بھدرواہی

ہوئے، اُن میں چوہدری عباس، اے آر ساغر اور کئی دیگر اشخاص شامل تھے۔ اِس دوران نیشنل کانفرنس نے بھی حکومت سے کنارہ کشی اِختیار کی اور ''کشمیر چھوڑ دو'' تحریک کا آغاز کیا۔ مہاراجہ اور اُس کے وزیر اعظم رام چند کاک کے خلاف جگہ جگہ جلوس نکالے گئے اور تقریریں کی گئیں۔ اِس پر نیشنل کانفرنس کے تمام لیڈروں کو جیل کی سلاخوں کے پیچھے بند کر کے رکھا گیا، جن میں شیخ صاحب، مولانا مسعودی، سردار بدھ سنگھ، مرزا افضل بیگ، شام لال صراف، سنت سنگھ تیغ، ڈی. پی. دھر اور وادی کے دیگر سینکڑوں کارکن اور میر پور کے کامریڈ ترلوک چند، کرشن دیو سیٹھی اور دیگر کارندے، جو تحریکِ آزادی میں شریک تھے، قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتے رہے۔ یہ سب کچھ اِس لئے ہوا تا کہ اِس عوامی تحریک کو کچلا جا سکے۔

۱۹۴۷ء میں ہی محی الدین قرہ نے ایک خفیہ کونسل قائم کی اور اِسے زیر زمین (انڈر گراؤنڈ) رہ کر چلایا۔ وہ ایک مزدور کے بھیس میں بھدرواہ بھی آئے اور قلعہ بھدرواہ کی مرمت کے دوران ایک مزدور کی حیثیت میں کام کرتے رہے۔ اِس طرح سے وہ یہ کہہ کر ''قرہ چھس، کیا گرِ'' کی آوازیں دے کر شیخ عبداللہ کے ساتھ اندر باہر مشورے کرتے رہے۔ یہ کشمیری بول بھدرواہ کے لوگوں میں ایک ضرب المثل کے طور پر اب بھی مشہور ہیں۔ اُن دِنوں شیخ صاحب اپنی تین سالہ قید کی سزا کاٹ رہے تھے۔ قرہ صاحب کو شیخ صاحب کے ساتھ ملانے میں جیل کے سٹاف کا بھی پورا ساتھ رہا۔

جولائی ۱۹۴۷ء میں گاندھی جی کے کشمیر کے دورہ اور مہاراجہ بہادر سے ملاقات کے بعد رام چند کاک کو برطرف کیا گیا اور شیخ صاحب کو یکم اکتوبر ۱۹۴۷ء کو بھدرواہ جیل سے رہا کر کے بادامی باغ سرینگر لے جایا گیا۔ وزیر اعظم جنک سنگھ نے اُن سے ملاقات کی۔ اُسی دوران پونچھ میں بھی بغاوت شروع ہوئی۔ اُسی رات مہاراجہ ہری سنگھ بانہال کے راستے جموں پہنچ گئے۔ جموں تب تک مسلم آبادی سے یکسر خالی ہو چکا تھا۔ جیسا کہ پہلے بھی لکھا جا چکا ہے کہ تحریکِ کشمیر کی جدوجہد میں صوبہ جموں کے تقریباً

سارے علاقوں یعنی ڈوڈہ، پونچھ، راجوری وغیرہ اور میر پور کے ذِی شعور لوگوں اور لیڈروں نے بھرپور حِصّہ ادا کیا۔ اُن شخصیات میں چوہدری غلام عباس، اے آر ساغرؔ، راجہ محمد اکبر خان، سردار بدھ سنگھ، کامریڈ کرشن دیو سیٹھی، مولانا عبداللہ، حاجی وہاب الدین اور اُن کے متعدد ساتھی شامل تھے اور ڈوڈہ سے خلیل احمد کچلو، کشتواڑ سے غلام باغوان، پیر یحیٰی شاہ اور اُن کے کئی ساتھی اور بھدرواہ سے بزرگ لیڈروں میں منشی غلام رسول ملک، چوہدری غلام احمد گنائی، منشی دِلاور بخش قریشی اور یہاں کے نوجوان لیڈروں میں غلام محمد نجار، شیخ غلام محمد، عبدالغنی گونی، سیف الدین خان، شیخ اِبراہیم اور بھلیسہ کے کچھ لیڈر شامل تھے۔ اُن لیڈروں نے ریاست کے جاگیردارانہ نظام، بیگار، اِستحصالی عناصر اور راشی افسروں کے خلاف ایک زوردار مہم شروع کی تھی۔ کچھ مدّت کے بعد مسلم کانفرنس کے نیشنل کانفرنس میں بدلنے کے نتیجے میں بہت سے غیر مسلم لوگ اِس تحریک میں شامل ہوگئے۔ اور بقول کامریڈ کرشن دیو سیٹھی ''اب یہ جماعت محنت کش عوام کی آواز بن چکی تھی۔'' مذکورہ بالا لیڈروں کے علاوہ پنڈت دیوراج، کامریڈ ترلوک چند، ماسٹر روشن لال، کامریڈ دیوی چند، سوم ناتھ چڈھا اور موتی رام بیگرہ وغیرہ، جیسے لیڈروں نے اِس تحریک کو تقویت بخشی جبکہ کشمیر سے کچھ پنڈت لیڈران اِس میں پہلے ہی شامل ہو چکے تھے۔[1]

چوہدری غلام عباس اور اللہ رکھا ساغرؔ اور کئی دُوسرے لیڈر کیوں دِل برداشتہ ہوکر واپس مسلم کانفرنس میں چلے گئے، اِس بارے میں کامریڈ سیٹھی یوں لکھتے ہیں:

''اُن حضرات میں سے کچھ لوگ تحریکِ آزادی کے بڑے دھارے سے الگ ہوکر واپس چوہدری غلام عباس کی قیادت میں دوبارہ قائم ہونے والی مسلم کانفرنس میں ضرور چلے گئے۔ لیکن اِس سلسلہ میں قصوروار یا خطاکار وہ لوگ نہیں، بلکہ کشمیر کی غالب لیڈرشپ ہے۔ جس نے اپنا دائرہ کشمیری بولنے والوں تک محدود رکھا

---

[1] ''یادِ رفتہ'' از کامریڈ کرشن دیو سیٹھی، صفحہ: ۱۵-۲۵

اور کسی بھی غیر کشمیری لیڈر کو اپنے اعتماد میں نہیں لیتی تھی........ اِس سلسلہ میں اُنہوں نے بخشی غلام محمد کے لاہور میں قیام کے دوران جبکہ وہ ''کشمیر چھوڑ دو'' کی تحریک کو ریاست سے باہر چلانے کے لئے متعین کیے گئے تھے' اپنی اور مولانا جندالوی کی اسیری سے رہائی کے بعد بخشی صاحب سے ملاقات کا ذِکر کیا ہے' جس میں وہ تحریکِ حریت اور مجاہدینِ پونچھ کی نیشنل کانفرنس میں شمولیت کا اِہتمام کروانا چاہتے تھے۔ بخشی غلام محمد نے اپنی عدم توجہی اور اِنتہائی بے رُخی کی وجہ سے اُس سنہرے موقع کا کوئی فائدہ نہ اُٹھایا بلکہ'' اِس روّیے کا مقصد اِس کے سوا کچھ نہیں ہوسکتا تھا کہ کشمیر کی لیڈر شپ قیادت پر اپنی اجارہ داری قائم رکھنے کے لئے جموں کے کسی بااثر مسلم لیڈر شِپ کو حِصّہ دار نہیں بنانا چاہتی تھی۔[1]

چوہدری غلام عباس کی نیشنل کانفرنس میں شمولیت کی اپیل کے باوجود اُن کو شک کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ یہی وجہ تھی کہ جب حکومت نیشنل کانفرنس کے ہاتھ آئی تو صوبہ جموں کے سرکردہ مسلم کانفرنس لیڈروں کو' جو دورانِ فسادات قید و بند کی زِندگی بسر کر رہے تھے' ۲۸ فروری ۱۹۴۸ء کو رہا کر کے سوچیت گڑھ کے راستے سے بہت سے ہم خیال بچے کھچے مسلمانوں کے ساتھ سیالکوٹ بھیجا گیا اور اُن کے تبادلے میں بریگیڈیر گھنسارا سنگھ اور ٹھاکر سہدیو سنگھ کو یہاں لایا گیا۔

گو موجودہ خِطّۂ ڈوڈہ کی مسلم اکثریت نے بالعموم مسلم کانفرنس کا ہی ساتھ دیا اور بھدرواہ کی لیڈر شپ سے بھی اِس تنظیم کو کافی تقویت ملی' تاہم اِس جماعت کے توڑے جانے اور نیشنل کانفرنس میں بدلنے پر یہاں کے اکثر قائدین نے بہت دیر تک نیشنل کانفرنس کی طرف رُخ نہیں کیا۔ البتہ جون ۱۹۴۸ء کے بعد وقتاً فوقتاً یہاں مقامی طور پر اِس تنظیم کی ایک نئی لیڈر شپ نے جنم لیا اور اُس میں ملک غلام رسول' خواجہ غلام رسول آزاد' عبدالعزیز خان' کوتوال چونی لال' عبدالغنی گونی' غلام محمد شیخ' شیخ محمد ابراہیم'

---

[1] ''یادِ رفتہ'' از کامریڈ کرشن دیو سیٹھی' صفحہ ۱۹۔۲۰

خواجہ غلام محمد دانہ، بشمبر رازدان، مجاہد غلام محمد، منشی انور، عبدالحئی خطیب، غلام احمد مُلاّ، حاجی غلام قادر گنائی، سلطان گنائی، بابو غلام قادر، دین محمد میر اور کئی اشخاص شامل ہوتے رہے۔ اُن میں سے بہت سے اصحاب محاذ رائے شماری توڑے جانے پر کنارہ کش ہو گئے اور کچھ لوگ بعد میں کانگرس سے منسلک ہو گئے۔

کامریڈ کرشن دیو سیٹھی مزید لکھتے ہیں...... ''اِس موقع پر میں یہ ذِکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں کہ یہ امر اِنتہائی افسوس ناک ہے کہ وادئ کشمیر سے تعلق رکھنے والے جتنے بھی اشخاص نے تحریکِ حریت کی تاریخ لکھی ہے اُنہوں نے وادی سے اِس کی ابتداء کر کے وہاں ہی اِس کا اِختتام کر دیا ہے۔ اِس تحریک میں صوبہ جموں نے جو حصّہ ڈالا ہے، اُسے قطعاً نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ خصوصی طور پر میر پور، پونچھ، مظفر آباد اور راجوری کے علاقوں پر مشتمل خِطّہ کو............''[1]

مجلسِ احرار کی خدمات کے بارے میں کامریڈ صاحب یوں لکھتے ہیں:

''اِس امر کا سخت افسوس ہے کہ تحریکِ حریت جموں و کشمیر میں مجلسِ احرار کی گراں قدر خدمات کے باوجود شعوری طور پر کوشش کی جاتی ہے کہ اُن کی خدمات کا ذِکر نہ آنے پائے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ مجلسِ احرار کی خدمات کے بغیر جموں و کشمیر کی تحریکِ آزادی کی تاریخ اُدھوری ہے۔''

''.........۳۰ء کے عشرے میں جموں کا مسلم کانفرنس میں نہ صرف کشمیری رہنماؤں بلکہ غیر منقسم جموں و کشمیر کے رہنماؤں کی ایک کہکشاں موجود تھی۔ حق تو یہ ہے کہ اِس تنظیم کے اکثر سرکردہ رہنماؤں کا تعلق جموں ہی سے تھا، جنہوں نے شخصی راج کے خلاف زبردست معرکہ بازیاں کیں۔ چوہدری غلام عباس نے اپنی سیاسی زِندگی کا آغاز جموں میں ایک نوجوان اِنقلابی کے طور پر کیا۔ اُنہوں نے ۱۹۲۲ء میں ''ینگ مینز ایسوسی ایشن'' کا احیاء کیا، جس کی بنیاد ۱۹۰۹ء میں ڈالی گئی تھی۔ وہ (۱۹۲۴ء) میں

[1] ''یادِ رفتہ'' از کامریڈ کرشن دیو سیٹھی، صفحہ: ۲۴

اِس کے صدر نشین ہوئے۔ وہ ۱۹۳۱ء میں سری نگر میں تحریک آزادی کی صفِ اوّل میں شامل تھے۔''[1]

ٹیچرز ایسوسی ایشن پر تحریکِ آزادی کا اثر:

خواجہ غلام رسول آزاد اپنی سوانح حیات ''جدو جہد'' میں مدرسین پر حکومت کی طرف سے ڈھائے گئے ظلم وستم اور اُن کے ساتھ ناروا برتاؤ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ...... ''اِس تحریک میں جموں وکشمیر ٹیچرز ایسوسی ایشن نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کیونکہ مدرسین کاک شاہی کا نشانہ بنے ہوئے تھے۔'' جہاں شیخ محمد عبداللہ کو حکومت کے ارکان ''باغی عبداللہ'' کہتے تھے وہاں آزاد صاحب کو' باغی آزاد' کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ وہ صوبائی سطح پر اِس تنظیم کے صدر تھے اور اُنہوں نے مدرسین کے حقوق کے حصول کے لئے صوبہ بھر میں ۱۰ اکتوبر ۲۰۰۳ء سے ہڑتال کی کال دی تھی، جس کے نتیجے میں مختلف مقامات پر سکولوں میں مکمل ہڑتال رہی۔ اُس ہڑتال کے نتیجے میں ایسوسی ایشن کی ایکشن کمیٹی کے سب ممبران کو معطل کر دیا گیا۔ اُن میں آزاد صاحب' دیودت مینگی' پنڈت کانت' چوہدری کریم بخش اور کئی دیگر ممبران شامل تھے۔

دُوسری طرف طلباء کے لیڈروں نے بھی اساتذہ کا ساتھ دیتے ہوئے ہڑتال میں حِصّہ لیا اور لاٹھیاں کھائیں۔ اُن نوجوان طلباء میں بلراج پوری' کامریڈ کرشن دیو سیٹھی' کامریڈ جگدیش راج اور شری وید بھیسن کے علاوہ دیگر طالب علم بھی شامل تھے۔ اُن سب پر بھی جرمانے عائد کئے گئے۔ ''تمام سیاسی جماعتوں وسبھا سوسائٹیوں نے اُس ہڑتال کی حمایت میں پوسٹر شائع کئے، جس میں نیشنل کانفرنس کے اراکین' پرجا سبھا کے صدر پنڈت پریم ناتھ ڈوگرہ' انجمنِ اسلامیہ کے صدر کیپٹن نصر الدین اور مسلم کانفرنس کے رہنما سردار ابراہیم اور چوہدری حمید اللہ بھی شامل تھے۔''

---

[1] روزنامہ ''کشمیر عظمیٰ'' جموں زیڈ۔ جی محمد

"........اُن دِنوں ملک میں آزادی کی تحریک نقطہء عروج پر تھی اور اِس کے پہلو بہ پہلو ریاست میں مہاراجہ کے شخصی راج سے نجات پانے کے لئے شروع کی گئی آزادی کی تحریک بھی زوروں پر تھی۔ اِس لئے ٹیچرز ایسوسی ایشن کی تحریک' آزادی کی اُن دو تحریکوں سے متاثر تھی......"[1]

بھدرواہی مدرسین نے اُس تحریک کا اچھی طرح سے ساتھ دیا۔ وادی میں نیشنل کانفرنس کا دفتر مجاہد منزل میں تھا اور جموں میں یہ تنظیم برائے نام چل رہی تھی۔ موتی رام بیگڑہ اِس کے صدر اور نذیر حسین سمنانی اِس کے سیکریٹری تھے۔ پنڈت ترلوچن دت آفس سیکریٹری اور کچھ لوگ ممبر چنے گئے تھے۔ اُن گنے چنے لوگوں کے علاوہ باقی لوگ یا تو مسلم کانفرنس سے وابستہ تھے یا حکومت یا پھر ہندو مہاسبھا کے حامی تھے۔

ضلع ڈوڈہ میں نیشنل کانفرنس کا نام ونشان تک نہیں تھا۔ البتہ ضلع میرپور میں یہ تنظیم راجہ محمد اکبر خان کی سرپرستی میں ایک سیاسی قوت کے طور اُبھر آئی تھی۔ سردار بدھ سنگھ بھی اُس کے سرگرم رُکن تھے۔ کامریڈ کرشن دیو سیٹھی کو دوبار جیل یاترا کرائی گئی اور وہ اکتوبر ۱۹۴۷ء میں رہا ہوئے۔

بھدرواہ میں نیشنل کانفرنس کا قیام:

خواجہ غلام رسول آزاد اپنی سوانح حیات "جدوجہد" میں اِس بارے میں یوں رقمطراز ہیں.........."میں بحالیات کے سلسلہ میں جون ۱۹۴۸ء تک بھدرواہ میں رہا۔ اُس دوران میری جیل سے رہائی کے بعد بھدرواہ میں تحصیل نیشنل کانفرنس کی پہلی کمیٹی کا اِنتخاب عمل میں آیا، جس میں ملک غلام رسول صاحب کو صدر اور مجھے سیکریٹری چنا گیا۔ صدر کے ساتھ مشورے کے بعد میں نے ایک دفتر قائم کیا اور عبدالعزیز خان کو آفس سیکریٹری مقرر کیا۔ ہمارا پہلا کام بھدرواہ میں کمیٹیاں قائم کرنا تھا۔ ہم نے اُن

---

[1] "جدوجہد" از: غلام رسول آزاد صفحہ: ۵۱-۵۳

کمیٹیوں کے ذریعے اِس علاقے کے لوگوں میں سیاسی شعور پیدا کرنے کی ایک تحریک شروع کی۔ آپسی بھائی چارے کو مضبوط کیا تا کہ بحالیات[1] کا کام مکمل کرلیں۔ ہماری یقین دہانیوں اور گاؤں کی کمیٹیوں کی سخت محنت کی وجہ سے تمام ہندو مسلمان اپنے اپنے گھروں میں آباد ہو گئے۔ علاقے میں نیشنل کانفرنس کا ایک مضبوط ڈھانچہ گاؤں، حلقہ اور تحصیل کمیٹی کی شکل میں کھڑا ہو گیا.......''[2]

صوبہ جموں میں پرجا پریشد کا قیام:

مارچ ۱۹۴۸ء میں جموں میں پرجا پریشد کا قیام عمل میں لایا گیا اور آہستہ آہستہ اِس کی شاخیں تحصیل ہیڈ کوارٹر اور دیگر حلقہ جات میں قائم کی گئیں۔ اِس تنظیم کے قیام کے بارے میں کامریڈ کرشن دیو سیٹھی یوں ذِکر کرتے ہیں:

''.........ہماری اِن سرگرمیوں کے ساتھ ہی ساتھ جب رجعت پسند اور فرقہ پرست عناصر نے ہوش سنبھالا تو اُنہوں نے منظّم ہو کر پرجا پریشد کے نام پر ایک جماعت قائم کرلی۔ اِس میں راشٹریہ سوئم سیوک سنگھ کے والنٹیئر، جاگیردار، لینڈ لارڈ، ساہوکار اور مہاراجہ پرست سبھی شامل تھے۔ اُن کو خاندانی حکمرانی کے خاتمے، زرعی اِصلاحات ایکٹ اور ساہوکاری کی تحلیل اور نئی سیکولر فضاء سے سخت دھکا لگا تھا۔ پرجا پریشد نے سارے ڈوگرہ علاقے میں ''ایک وِدھان، ایک پردھان اور ایک نشان'' کے نعرہ کے تحت ایجی ٹیشن شروع کر دی۔ اِس کا مقصد خاندانی حکمرانی کی بحالی، زرعی اِصلاحات اور قرضہ قانون کی منسوخی اور ہندو راج کا قیام تھا۔ اِسے مقامی رجعت پسندوں کے علاوہ ملک بھر کے فرقہ پرست اور رجعت پسند عناصر کی حمایت حاصل تھی۔ بخشی

---

1. جون ۱۹۴۸ء میں آزاد صاحب کو حکومت کی طرف سے پونچھ، راجوری وغیرہ کے علاقوں میں اُجڑے ہوئے خاندانوں کی باز آبادکاری کا اہم فریضہ سپرد کیا گیا تھا۔

2. ''جدوجہد'' از: غلام رسول آزاد، صفحہ: ۷۰-۷۱

غلام محمد بھی اندرونی طور پر اُسے تھپکی دے رہے تھے۔ بعض مقامات پر اِس ایجی ٹیشن نے متشددانہ شکل اختیار کی۔ پولیس اور ایجی ٹیٹروں کے تصادم میں کئی مقامات پر گولی بھی چلی جس سے کئی افراد ہلاک اور زخمی بھی ہوئے۔ اِس ایجی ٹیشن کا دائرہ اثر زیادہ تر سورن ہندوؤں کے ایک حصے تک ہی محدود رہا۔ پرجا پریشد کا اثر ورسوخ بالائی طبقوں تک ہونے کے سبب ہی جب جموں شہر میں ۱۹۵۶ء کے میونسپلٹی کے اِنتخاب ہوئے تو پرجا پرشید کو شکست کا سامنا کرنا پڑا اور نیشنل کانفرنس کو واضح اکثریت حاصل ہوئی۔ ۱۹۵۷ء کے اسمبلی اِنتخابات میں بھی اِسے صوبہ جموں کی ۳۱ سیٹوں میں سے صرف پانچ ہی دستیاب ہوئیں۔[۱]

اُن ہی حالات میں ہندوستان سے ڈاکٹر شیام پرشاد مکرجی بھی، جو بھارتیہ جن سنگھ کے صدر تھے، اِس ایجی ٹیشن کی حمایت میں یہاں چلے آئے۔ اُنہیں گرفتار کرلیا گیا اور اُن کی وفات بھی ریاست میں ہی ہوئی۔ اُن کی موت سے حالات اور بگڑ گئے اور اِس تحریک میں شدّت پیدا ہوگئی۔

پرجا پریشد کی تحریک کا ضلع ڈوڈہ پر اثر:

پرجا پریشد کی تحریک کا اثر ضلع ڈوڈہ کے کشتواڑ، رام بن اور بھدرواہ کے علاقوں پر بھی نمایاں طور پر پڑا۔ قریباً ۱۹۵۰ء میں بھدرواہ میں بھی پرجا پریشد کا قیام عمل میں آیا۔ رام بن قصبہ میں ۱۹۵۳ء کے اوائل میں (راقم الحروف جب وہاں بحیثیت اُستاد تعینات تھا) پولیس نے مشتعل جلوس پر گولی چلائی جس کے نتیجے میں غالباً دو اشخاص موقع پر ہی جان بحق ہوگئے اور کچھ زخمی بھی ہوئے۔ اِسی طرح سے بھدرواہ میں بھی کافی دیر تک جلسے جلوس نکلتے رہے اور ایک دِن موجودہ گرلز ہائر سیکنڈری سکول اور جنگلات کے دفتر کے درمیانی حصے میں علاقہ چوبیہ سے آئے ہوئے خواتین کے

۱۔ "یادِ رفتہ" از کرشن دیو سیٹھی، صفحہ: ۶۴-۶۵-۶۶

جلوس پر سخت قسم کا لاٹھی چارج ہوا۔ جس کے بعد بھی جلسے جلوس ہوتے رہے اور لوگ گرفتاریاں دیتے رہے۔ بھدرواہ میں جو سرکردہ لیڈر پرجا پریشد تحریک میں سرگرم رہے اُن میں کوتوال کرپارام، کوتوال دیوی دیال، کوتوال دیا کرشن، کوتوال سوامی راج وکیل، سوامی راج کاٹل، بدری ناتھ بھال، گوری نند ساکنہ چونری، رُوپ چند چوہان اور کئی اور دیہاتی لوگ شامل تھے۔ بعد میں نارائن داس بھگت نے بھی اُس میں شمولیت کی۔ ۱۹۵۳ء میں ریاست کے پہلے مسلمان شیخ عبدالرحمٰن بھی اُس میں شامل ہوکر ایک اچھے مقرر ہوکر اُبھرے۔ اُس تنظیم میں شامل اصحاب کی فہرست بہت طویل ہے۔

برِ صغیر میں فرقہ وارانہ فسادات:

جیسا کہ پہلے ذِکر کیا جاچکا ہے کہ شیخ محمد عبداللہ اور اُن کے ساتھیوں کی بھدرواہ جیل سے رہائی ۲۹ رستمبر ۱۹۴۷ء کو ہوئی جب کہ اُس سے پہلے ۱۴ راور ۱۵ راگست ۱۹۴۷ء کو ملک آزاد بھی ہوا تھا اور تقسیم بھی۔ آزادی حاصل کرنے سے پہلے ہی سارا برصغیر بدقسمتی سے فرقہ وارانہ فسادات کی لپیٹ میں آچکا تھا۔ اِن فسادات کی اِبتداء ''۱۶ راگست ۱۹۴۶ء کو مسلم لیگ کے 'ڈائریکٹ ایکشن' کے دِن کلکتے سے ہوئی اور وہاں سے یہ مشرقی بنگال کے نواکھلی علاقہ، پھر بہار کے بعد مغربی سرحدی صوبے اور پنجاب سے ہوتے ہوئے دہلی پہنچے۔ چنانچہ دہلی، جہاں ایک طرف آزاد ہندوستان کا دارالخلافہ اور نئی حکومت کا مرکز بنا، دُوسری طرف یہاں ہندو مسلم فسادات نے بھی بڑی شدّت اِختیار کی۔ یہ فسادات ۳۰ رجنوری ۱۹۴۸ء کو مہاتما گاندھی کی ''شہادت'' سے رُک گئے۔ مگر اِن فسادات کی بازگشت ملک کے کچھ حصّوں میں بہت عرصہ تک سنائی دی۔'' اِس تقسیم یا آزادی کے نتیجے میں بھڑک اُٹھنے والے فسادات کا اثر صوبہ جموں پر بھی پڑا۔ مہاراجہ ہری سنگھ نے ۲۶ راکتوبر ۱۹۴۷ء کو ریاست کا اِلحاق ہندوستان سے کیا —— مہاراجہ نے دونوں ملکوں یعنی ہندوستان اور پاکستان کے ساتھ ریاست کے ''جوں کا توں''

(stand still) معاہدے کی پیشکش کی، جسے ہندوستان نے ماننے سے اِنکار کیا۔ تاہم پاکستان کے ساتھ مہاراجہ نے یہ معاہدہ کرلیا جو ۲۶/اکتوبر تک جاری رہا۔ ۱۱/ستمبر ۱۹۴۷ء کو مہاراجہ نے پرائم منسٹر رام چند کاک کو اُس کے عہدے سے برطرف کیا۔"[1]

اِن فسادات کے بارے میں کامریڈ کرشن دیو سیٹھی نے اپنی سوانح حیات "یادِ رفتہ" میں یوں ذِکر کیا ہے:

"——— جب اکتوبر ۱۹۴۷ء میں جیل سے رہائی ہوئی تو زبردست تبدیلیاں رُونما ہوچکی تھیں۔ ہندوستان اور پاکستان دو الگ الگ مملکتیں وجود میں آچکی تھیں۔ سارا برِ صغیر فسادات کی لپیٹ میں تھا۔ وحشت اور بربریت کا دور شروع ہوچکا تھا۔ پاکستان میں غیر مسلموں کا قتلِ عام ہو رہا تھا' بچے ذبح ہو رہے تھے' بوڑھے اور نوجوان مارے جارہے تھے' عورتوں کی عصمت دری کی جارہی تھی' جائیدادیں لوٹی جارہی تھیں۔ مکانات جلائے جارہے تھے۔ یہ سب کچھ اِسلام کے نام پر ہو رہا تھا۔ اُس مذہب کے نام پر جس نے دُنیا میں سلامتی اور امن کا پیغام دیا' جس کا خدا' رب العالمین اور پیغمبر رحمت اللعالمینؐ ہے۔ یہی صورت ہندوستان میں بھی تھی' جہاں مسلمان مارے اور کاٹے جارہے تھے' سہاگ لُٹ رہے تھے' بچے' نوجوان اور بوڑھے گاجر مولی کی طرح کٹے جارہے تھے۔ یہ سب کچھ ہندو دھرم کے نام پر کیا جارہا تھا جس کا ماٹو "اہنسا پرمو دھرما" ہے' جس میں ایک چیونٹی تک کو مارنا پاپ سمجھا جاتا ہے اور وِشو شانتی جس کا نصب العین ہے۔ غرض یہ کہ ہر طرف قرونِ اوّل کی وحشت اور بربریت پھیلی ہوئی تھی ———"

کامریڈ کرشن دیو سیٹھی صاحب کانگریس اور مسلم لیگ کو اِس صورتِ حال کا ذِمہ دار گردانتے ہوئے مزید لکھتے ہیں:

"——— اِس صورتِ حال کے لئے دونوں ذِمہ دار ہیں۔ دونوں نے

---

[1] "جدوجہد" از: غلام رسول آزاد' صفحہ: ۵۷' ۵۸' ۶۱

سیاسی اغراض کے لئے جو ماحول پیدا کیا' یہ صورتِ حال اُس کا منطقی نتیجہ تھی ——"

جناح صاحب کے سیکولر مزاج پر بحث کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

"—— پاکستان کی قائمی کے بعد تو اُنہوں نے پاکستان آئین ساز اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے یہاں تک بھی کہا تھا کہ آج سے پاکستان میں ہندو' مسلمان' سکھ کا سوال نہیں اور ہم سب کو بطورِ پاکستان شہری کے سوچنا چاہیے۔ کانگرس کے لیڈر مہاتما گاندھی اور جواہر لال نہرو تو ہر وقت سیکولرزم کی مالا جپتے تھے اور غیر مذہبی سیاست کا درس دیتے تھے —— مجموعی طور پر اُنہوں نے ۱۹۴۷ء سے پہلے کے دس سالوں میں جو فضا پیدا کی اور فرقہ وارانہ بنیادوں پر تقسیم ملک کا جو فیصلہ کیا' ۱۹۴۷ء کی صورتِ حالات اُس سب کا نتیجہ تھا —— اُس دور کی تباہی و بربادی سے مسلم لیگ اور کانگرس کے اِن لیڈروں کو بری نہیں کیا جا سکتا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اِس ساری وحشت کے لئے بنیادی طور پر وہی ذِمہ دار ہیں۔"[1]

برِصغیر کی تقسیم کا جموں و کشمیر پر اثر:

کامریڈ سیٹھی نے ریاست جموں و کشمیر پر برصغیر کی تقسیم کا نقشہ اِن الفاظ میں کھینچا ہے" —— برِصغیر کی اِس مجموعی صورتِ حال کا اثر جموں و کشمیر ریاست پر بھی پڑا۔ یہاں بھی فسادات شروع ہو گئے۔ خصوصی طور پر صوبہ جموں کے ہندو اکثریتی علاقوں میں مسلمانوں کے ساتھ وہی سلوک کیا گیا جو باقی ہندوستان میں اُن سے ہو رہا تھا اور مسلم اکثریتی علاقوں میں غیر مسلموں کے ساتھ وہی سلوک روا رکھا گیا جو پاکستان میں غیر مسلموں کے ساتھ روا رکھا جا رہا تھا۔ البتہ وادی کے عوام نے فرقہ وارانہ یگانگت کا جو ثبوت دیا تھا وہ اِنتہائی قابلِ ستائش تھا اور رہتی دُنیا تک اُس کی یاد باقی رہے گی۔ اِس پس منظر میں جیل سے رہائی کے بعد اپنی سیاسی زِندگی کے اُس

---

[1] "یادِ رفتہ" از: کامریڈ کرشن دیو سیٹھی' صفحہ: ۳۱-۳۲

وقت تک کے ورثہ کا جنازہ اپنی آنکھوں سے نکلتے ہوئے دیکھا اور کفِ افسوس ملتے رہے ———— "[1]

یہاں پر یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ وادیٔ کشمیر میں اِس دوران راولپنڈی، مظفر آباد اور شمال مغربی سرحدی صوبہ سے تقریباً اڑھائی ہزار ہندو شرنارتھی پہنچ چکے تھے جن کی مقامی ہندو آبادی کی طرح ہی وادی کے سارے مسلمانوں نے نہ صرف حفاظت کی بلکہ اُن کی ہر طرح سے خاطر تواضع بھی کی۔ کہا جاتا ہے کہ اُن میں سے کئی لوگوں کو بہ شمول وادی کے کچھ تجارت پیشہ ہندو کنبوں کو وادی کے ٹانگہ بانوں نے، جموں میں حالات خطرناک ہونے کے باوجود جموں شہر اور اِس کے مضافات میں بہ حفاظت پہنچایا۔ لیکن بدقسمتی سے اُن ٹانگہ بانوں کو جموں سے واپسی پر مبینہ طور نگروٹہ تک کے سفر کے دوران تہس نہس کر ڈالا گیا۔ نگروٹہ میں مقامی مسلم آبادی کے ساتھ جموں سے سرینگر جاتے ہوئے مہاجرین کو بھی گولیوں اور تلواروں کا نشانہ بنایا گیا۔ اِس قافلے میں کچھ بڑے آفیسر بھی مارے گئے۔ وادی کی ہندو آبادی کی حفاظت کے سلسلہ میں شیخ محمد عبداللہ کی نئی تشکیل دی گئی ایمرجنسی حکومت نے بھی کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی اور اُن سب کو قبائلی حملہ آوروں کی یلغار سے محفوظ رکھا۔ البتہ اِس دوران اُن حملہ آوروں کے ہاتھوں مسلمان اور ہندو دونوں فرقوں کو کچھ نقصان پہنچا۔ وادی میں امن و امان قائم رکھنے کا سہرا عوام کے علاوہ نیشنل کانفرنس کو بھی جاتا ہے۔ اُس تاریخی رول کے لئے اِس جماعت کو دُنیا بھر کے سربراہان سے خراجِ تحسین ملتی رہی۔[2]

---

[1] "یادِ رفتہ" از: کامریڈ کرشن دیو سیٹھی، صفحہ: ۳۱-۳۲

[2] معروف صحافی اور "کشمیر ٹائمز" سے وابستہ محترمہ انورادھا بھسین جموال نے "پریجوڈس اِن پیراڈائز" کے عنوان کے تحت ریاست جموں و کشمیر کے دیرینہ متنازعہ جھگڑے کو ۱۹۴۷ء سے لے کر موجودہ دور تک کے سیاسی، مذہبی، فرقہ وارانہ، انتظامی اور تواریخی تناظر کے ساتھ ساتھ برِ صغیر ہند کی تقسیم کے نتیجے میں اِس مسئلہ پر مرتب ہونے والے اثرات اور اُن کے مضمرات وغیرہ کو مختلف مشاہدین کے تحریر کردہ چشم دید واقعات کی رپورٹوں اور مورخین کی اہم کتب کے مستند حوالوں سے.................. (بقیہ اگلے صفحے پر)

مشہور صحافی انورادھا بھیسن جموال اِس بارے میں یوں رقمطراز ہیں:

"——جموں صوبے میں حالات نے بالکل ہی مختلف رُخ اِختیار کیا۔ ریاست میں دُوسری سب جگہوں کے برعکس ہندو اور سکھ، مسلمانوں کی نسبت زیادہ تعداد میں تھے اور گیارہ ہفتوں کے اندر اندر جس کی شروعات اگست کے مہینے سے ہوئی اور جسے پہلے ہی مشرقی پنجاب، پٹیالہ، کپورتھلہ میں رُوبہ عمل لائی گئی طرز پر ہی ایک منظّم وحشی پن کے ذریعے پانچ لاکھ مسلمانوں کی ساری آبادی کا عملی طور پر صفایا کیا گیا۔ دو لاکھ (مسلمان) تو غائب ہی ہوگئے جن کا بعد میں بھی کوئی سراغ نہیں ملا۔ غالباً اُن کو بھی صفائی سے ذِبح کیا گیا یا وہ کسی وبائی بیماری یا شدّت کی سردی کا شکار ہوگئے۔ دُوسرے بے سروسامانی کی حالت میں مغربی پنجاب بھاگ گئے——"[1]

"——ڈوگروں کے غیر مسلّح مسلمانوں کے خلاف دیوانہ پن پر مبنی پُرتشدد لہر ایسے اِنسان کا سر شرم سے ڈبو دینی چاہیے جو عزتِ نفس پر یقین رکھتا ہو۔ میں نے مسلّح غنڈوں اور سپاہیوں کو اُن بے بس مسلم مہاجرین کو گولیوں کا نشانہ بناتے ہوئے

(پچھلے صفحے کا بقیہ فُٹ نوٹ) مزین کر کے تواریخی حقائق کو مسخ کر کے پیش کرنے کی کوششوں کو بے نقاب کیا ہے جس کی اقساط "کشمیر ٹائمز" کے ۲رفروری، ۳رفروری اور ۴رفروری ۲۰۰۵ء کے روزناموں میں بالترتیب شائع کی ہیں۔ اُن سے جموں کے مسلمانوں پر ڈھائے گئے مظالم، اُن کی ہلاکتوں اور ہجرت پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ جموں کے فسادات کے بارے میں کچھ کتب بھی شائع ہوئی ہیں اور بہت سے مضامین یہاں کے مقامی اخباروں (انگریزی، اُردو) میں شائع ہوئے ہیں جن کو کسی مناسب موقعہ پر ایک کتابی صورت میں شائع کیا جائے گا۔ یہاں پر مصنّف اُن حالات کی تفصیل دینا مناسب نہیں سمجھتا، نہ ہی کتاب کی ضخامت میں اُس کو شائع کرنے کی گنجائش ہے۔ البتہ اِتنا لکھنا بے جا نہ ہوگا کہ جموں کے مسلمانوں کو پاکستان پہنچائے جانے کا وعدہ دے کر پولیس لائنز جموں میں جمع کر کے پچاس ٹرکوں اور بسوں میں لادلاد کر راستے میں ہی گولیوں اور تلواروں کا نشانہ بنایا گیا جن میں سے کچھ ہی اشخاص بچ نکلے۔ اُن میں راقم کے چچازاد برادر غلام احمد بھی زخمی حالت میں ہی لاشوں میں سے رات کو اُٹھ کر پاکستان بھاگنے میں کامیاب ہوئے۔

[1] بحوالہ سین سٹیفنز، نیویارک، ۱۹۶۳ء

اور اُن کے ٹکڑے ٹکڑے کرتے ہوئے دیکھا جو پاکستان کی طرف کوچ کر رہے تھے۔ راستوں میں، میں نے سرکاری کارندوں کو بڑی آزادی سے ڈوگروں کو ہتھیار اور گولہ بارود تقسیم کرتے ہوئے دیکھا۔ جموں میں ہوٹل کے کمرے سے جہاں مجھے بند کر دیا گیا تھا، میں نے ایک ہی رات میں ۲۶ دیہات آگ میں جلتے ہوئے دیکھے اور رات بھر خودکار ہتھیاروں کی گولیوں کی جھنجھناہٹ آس پاس کے مہاجرین کیمپوں سے سنی جا سکتی تھی ———"[۱]

"——— فرقہ وارانہ تشدد جس نے جموں کو گرفت میں لیا، کلیتاً یکطرفہ نہ تھا۔ ہندوؤں اور سکھوں کی ایک خاصی تعداد کو بھی اِس خِطّے کے کچھ حصّوں میں قتل کیا گیا تھا۔ خاص کر راجوری، میرپور اور اُن علاقوں میں، جو آج پاکستان کے قبضے میں ہیں، لیکن ریاستی فوج کی طرف سے یہ دانستہ اور نمایاں کوشش، جس کے تحت اُن کے ہاتھوں مسلمانوں کی قتل و غارت اور ایذا رسانی کی حوصلہ افزائی کی گئی، زیادہ ہی چونکا دینے والی حقیقت تھی ———"[۲]

اسیر کشتواڑی اپنی معروف کتاب "فوکس آن جموں اینڈ کشمیر" کے صفحہ ۲۵۶
پر اِن فسادات کی ہولناکیوں کا یوں ذکر کرتے ہیں" ——— جہاں کشمیری لوگ
قبائلی حملہ آوروں کی پیش رفت کے خلاف ایک دیوار کی مانند کھڑے ہوئے اور شیخ محمد
عبداللہ کے نعرے "ہندو مُسلم سِکھ اِتحاد" میں گاندھی جی کو روشنی کی کرن نظر آئی، وہاں
جموں خِطّے کی مسلم اقلیت، خصوصاً جموں شہر فرقہ وارانہ فسادات کی اُس تاریکی میں ڈوب
چکا تھا جس نے پنجاب اور ہندو پاک کی دیگر حدود کو گھیرے میں لے رکھا تھا۔ بہت
سے خاندان تباہ و برباد ہو گئے اور کثیر تعداد میں لوگوں نے پاکستان کی طرف ہجرت
کی۔ بھاگتے ہوئے متعدد لوگوں کا فرقہ پرست عناصر نے قتلِ عام کیا جب کہ حکومت

۱۔ جی۔ کے۔ ریڈی، ایڈیٹر، ہندوا خبار "ڈیلی گزٹ" ۲۸/ اکتوبر ۱۹۴۷ء

۲۔ "۱۹۴۷ء کی تقسیم اور اُس کی کچھ یادیں"۔ جناب وید بھسین کا پبلک لیکچر

ایک تماشائی کی طرح دیکھ رہی تھی۔ جموں سے اغوا کی گئی جوان لڑکیوں میں چودھری غلام عباس کی خوبصورت بیٹی بھی شامل تھی جو بذاتِ خود سرینگر کے سنٹرل جیل میں سخت اور مصائب کا سامنا کر رہے تھے۔ میر پور اور دیگر سرحدی علاقوں سے مہاجرین کا ایک طوفان جموں میں وارد ہو چکا تھا' جہاں موت کا ناچ ایک معمول بن گیا تھا۔ جموں خِطّے کے سارے حصّوں میں فرقہ وارانہ فسادات نے ایک قیامت برپا کر ڈالی اور ایسی تباہی اور بربادی پیدا کی جس کی مثال ملنا محال ہے۔''

شیخ عبداللہ بطورِ نامزد وزیرِ اعظم:

۲۷/ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو گورنر جنرل آف اِنڈیا کی طرف سے دستاویز الحاق کی کچھ شرائط کے تحت منظوری کے بعد مہاراجہ ہری سنگھ نے شیخ محمد عبداللہ کو ہنگامی صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لئے وزیرِ اعظم مقرر کیا۔ شیخ صاحب کے رضا کار حملہ آوروں کا پیچھا کرنے میں پہلے ہی جُٹ گئے تھے لیکن بھارتی فوج کے وادی میں داخل ہونے پر اِن رضا کاروں نے فوجی دستوں کی مدد کی۔ یہ رضا کار ''نیشنل گارڈس'' کے نام سے ضلع ڈوڈہ کے فساد زدہ علاقوں میں بھی آئے اور یہاں امن وامان بحال کرنے میں کافی مدد کی۔ صوبہ جموں شیخ صاحب کی نامزدگی سے پہلے ہی فسادات کی لپیٹ میں آچکا تھا اور بقول کامریڈ کرشن دیو سیٹھی '' ——— مہاراجہ ہری سنگھ کی طرف سے کشمیر سے فرار اِختیار کرنے اور جموں کے قتلِ عام میں ملوث ہونے کے باعث مہاراجہ کو ہٹانے کے مطالبہ نے زور پکڑا۔ مہاراجہ نے شیخ عبداللہ کی قیادت میں بنی ایمرجنسی ایڈمنسٹریشن کی طرف سے کسی بھی اصلاحی قانون پر دستخط کرنے سے اِنکار کر دیا ———''[1]

'' ——— وادیٔ کشمیر میں ہندو آبادی ایسے حالات میں بھی محفوظ اور باحفاظت رہی جب کہ ہندو اکثریتی آبادی والے جموں خِطّے میں مسلمانوں کی فرقہ وارانہ

---

[1] ''یادِ رفتہ'' از: کامریڈ کرشن دیو سیٹھی' صفحہ: ۳۸

لحاظ سے قتل و غارت ہوئی۔ وادی کی اِس نیک نامی کا سہرا شیخ محمد عبداللہ اور اُس کے ساتھیوں کے سر ہے ——— "[1]

بھدرواہ فرقہ وارانہ فسادات کی لپیٹ میں:

بھدرواہ زمانۂ قدیم سے اپنے قدرتی حُسن و جمال، مذہبی رواداری، بھائی چارے اور قومی یکجہتی کی ایک زندۂ جاوید تصویر کے طور پر ساری ریاست میں ایک مشہور مقام تصوّر رہوتا رہا ہے۔ یہاں کے لوگ بلا لحاظ مذہب و ملّت ایک دُوسرے کے رنج و غم اور شادی بیاہ کی تقاریب کے علاوہ مقامی تہواروں میں بھی شریک ہوتے تھے۔ سماجی تقریبات میں ایک دُوسرے فرقے کی شرکت روایتی کلچر اور تمدن کا ایک حصّہ بن چکی تھی اور اِنسان دوستی، باہمی ہمدردی اور پیار و محبت جیسی اقدار ہر فرد کی رگ و ریشہ میں سما چکی تھی لیکن امن و شانتی کی اِس پُر رشک اور قابلِ تقلید فضا کو مکدّر رہونے میں زیادہ دیر نہ لگی اور برِ صغیر کی فرقہ وارانہ بربریت کی زہر آلود آندھی نے اوّل تو جموں شہر، اِس کے گرد و نواح اور باقی ضلعوں کو آناً فاناً اپنی منحوس لپیٹ میں لے لیا اور یہاں کے صدیوں پُرانے بھائی چارے، یکجہتی اور آپسی پیار و محبت کو پارہ پارہ کر کے رکھ دیا۔ ثانیاً ضلع ڈوڈہ کے خرمنِ امن میں ایسی چنگاری لگا دی جس نے ہر ذی شعور اور امن پسند آدمی کا سر شرم سے ڈبو دیا۔

پہلے تو ریاست چمبہ (موجودہ ہماچل پردیش) کے بچے کھچے مُسلم مہاجرین نے قسم قسم کے مصائب کا شکار ہو کر قصبہ بھدرواہ اور اُس کے کچھ مضافات میں آ کر پناہ لی اور اُن میں سے کچھ مہاجر مختلف راستوں سے علاقہ بھلیس میں جا کر پناہ گزین ہوئے۔ بھدرواہ کے مسلمانوں نے روایتی ہمدردی اور اِنسان دوستی کے ناتے حتی المقدور

---

[1] انگریزی روزنامہ کشمیر ٹائمز، "پریجوڈس اِن پیراڈائز"، انورادھا بھیسن جموال، بحوالہ پی۔ ایس۔ ورما، "جموں اینڈ کشمیر۔ دی پولیٹکل کراس روڈس" نئی دہلی ۱۹۹۴ء

اُن کو اپنے مکانوں میں عارضی طور پر پناہ دی اور اُن کی خاطر داری کی۔[1] دُوسری طرف راشٹریہ سیوک سنگھ، جس میں ڈوگرہ فوج کے کچھ نیم فوجی شامل تھے اور بقول کامریڈ کرشن دیو سیٹھی ''نیم رضا کارانہ تنظیم پیس بریگیڈ اس کے قبضہ میں تھی'' نے صوبہ جموں میں پنجاب سے آئے ہوئے مہاجرین کے رجعت پسند عناصر سے مل کر یہاں قتل و غارت کا محشر بپا کیا۔ ضلع جموں، ضلع کٹھوعہ اور ضلع اُدھم پور میں تو مسلمانوں کا تقریباً صفایا کیا گیا اور پھر اِن غارت گروں کا رُخ ضلع ڈوڈہ کی طرف مُڑ گیا۔ بدقسمتی سے غلط اور بے بنیاد قسم کی افواہوں نے سونے پر سہاگے کا کام کیا اور آبادی کی آبادیاں اپنے گھر بار چھوڑ کر محفوظ مقامات کی طرف چلنا شروع ہو گئیں۔

اُدھر بھدرواہ قصبہ کے سیری بازار کے ساتھ ہی لالہ چھانگو شاہ اور کرم چند کپور کے نئے تعمیر شدہ مکان کی دُوسری منزل کی چھت پر کچھ فتنہ انگیز مسلح اشخاص کو اپنے اسلحہ (ہتھیاروں) کا کھلے عام مظاہرہ کرتے ہوئے دیکھا گیا۔ یہ غالباً ۱۴ مگھر ۲۰۰۴ بکرمی اِتوار کا دِن تھا، جب کہ راقم الحروف اور اُس کے چند ایک ہم جماعتی اور دوست موضع دریجہ کے اوپر کنسر کے جنگل میں بالن کی تلاش میں سرگرداں تھے کہ اچانک مذکورہ مکان سے آگ کے شعلے نمودار ہوئے۔ پھر کیا تھا، بندوق کی گولیوں کی بوچھاڑ نے ہمیں اپنے اپنے لکڑی کے گھٹے کھیتوں میں ہی چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور کیا۔ پنج چلن کے بالائی کھیتوں میں ہماری ماؤں کی چیخ و پکار سنائی دی جو گولیوں کی برسات میں گولیوں ہی کی مانند ہماری طرف بڑھ رہی تھیں۔ بہر حال ہم ایک معجزاتی انداز سے بچ نکلنے میں کامیاب ہوئے لیکن پاس ہی ہمارے ایک ہم جماعت طالب علم غلام قادر

---

[1] ایک روایت یہ بھی ہے کہ جموں کی حکومت کے برعکس چمبہ کے راجہ نے ۱۹۴۷ء کے مخدوش حالات میں مقامی مسلمانوں کو بہ حفاظت چمبہ سرحد پار کروا کر بھدرواہ اور بھلیسہ کی طرف جانے کا موقع دیا، جہاں وہ پناہ گزیں ہو سکے، جس سے اُن کی رعایا پروری اور اِنسان دوستی عیاں ہو جاتی ہے۔

کی لاش نالی میں پڑی ہوئی دیکھی گئی، جو موضع تھنالہ (اٹھکھار) کا رہنے والا تھا اور غالباً صبح صبح اپنے گھر واپس لوٹ رہا تھا۔ دُوسری طرف شہر میں کرم چند کپور کے جلتے ہوئے مکان سے شدّت سے گولہ باری ہو رہی تھی جس کے نتیجے میں خواجہ انور، جو رفوگر (فاریسٹ گارڈ) اور غلام محمد نانوائی جاں بحق ہوگئے۔ اِس کے علاوہ غلام محمد شورگر کو بھی محلّہ کھکھل میں قتل کر دیا گیا، جو ایک خداترس اور پرہیزگار اِنسان تھے۔ آناً فاناً بازار سیری کے اطراف و جوانب میں اور محلّہ قلعہ کے کچھ مکانوں کو بھی آگ لگا دی گئی۔

ہمارے گھر پہنچ جانے پر ہمارے گھر، محلّہ واسک ڈیرہ، محلّہ صرافاں اور بازار سیری، محلّہ کھکھل وغیرہ سے آئے ہوئے مُسلم مہاجرین سے کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے۔ بازار سیری اور محکمہ جنگلات کے دفتر سے محلّہ مسجد اور اڈہ (بس اسٹینڈ) کی طرف گولوں اور گولیوں کی گونج سُنائی دیتی تھی۔ محلّہ قلعہ (مسجد) سے کچھ ہندو گھرانے ہجرت کر کے بازار سیری کے جوانب میں چلے گئے۔ بدقسمتی سے برِصغیر ہندو پاک کی طرح ہی ہمارا قصبہ دو حِصّوں میں منقسم ہوگیا۔ مذکورہ دو تین مسلم افراد کی موت کے ردِّعمل میں کچھ شرپسندوں نے جے.بی.رام نامی دُودھ فروش اور جمیت رام دُکاندار کو اپنی تلواروں کا نشانہ بنایا۔ مارے گئے یہ دونوں اصحاب مسلم مقتول شدہ اشخاص کی طرح ہی بڑے شریف، ملنسار اور روادار تھے۔ محکمہ جنگلات کا دفتر تو ایک کھلے محاذ کی صورت اِختیار کر گیا تھا جس کی کمان جموں کے سُنیت سنگھ ڈی.ایف.او. کر رہے تھے جو آرمی سے قبل از وقت ریٹائرڈ ہو کر ڈی.ایف.او بنائے گئے تھے۔ مہاراجہ ہری سنگھ کی حکومت نے اُنہیں پہلے ہی کافی اختیارات سے نواز رکھا تھا۔ اُس کے پاس ایک تھری ناٹ تھری قسم کی رائفل اور ایک توپ (دمدمہ) بھی تھی، جس کو وہ اِستعمال کر رہا تھا۔ سرولباغ اور قصبہ بھدرواہ کے کچھ لوگ اُس کی مدد کر رہے تھے۔ اُس کی رائفل کا پہلا نشانہ بلاور سے آیا ہوا ایک مُسلم مہاجر تھا۔ اُس گولہ باری کی زد میں کچھ مکان بھی آئے۔ پیر نجم الدین رفیقی اور محمد سلطان زرگر کو بھی گولیوں کے چھرے لگے جن سے وہ زخمی ہوگئے۔

بھدرواہ میں اُن دِنوں جموں کے ہی ایک تحصیلدار تعینات تھے‘ جو تھانہ کے کچھ سپاہیوں کو لے کر بھدرواہ کے قلعے میں چلے گئے۔ وہاں سے بھدرواہ قصبے کی طرف وقفے وقفے سے گولی باری ہوتی رہی۔ محلّہ قلعہ کے کچھ اِنسان دوست لوگوں نے بہت سے ہندو بھائیوں کو‘ جن میں خاص کر بزرگ‘ ضعیف اشخاص تھے‘ رات کے وقت اپنے کندھوں پر اُٹھا کر قلعہ کی حدود تک با حفاظت پہنچایا اور خواتین اور بچوں کو بھی پُر وقار طریقہ سے راتوں رات وہاں پہنچایا۔ اِس طرح سے کئی جانیں بچائی گئیں۔ بد قسمتی سے ایک سادھو‘ جو اپنی دونالی بندوق سے گولی باری کر رہا تھا‘ کسی کے ہاتھ چڑھ گیا اور وہ جاں بحق ہو گیا۔ اِس طرح سے مسلمانوں کے ہاتھ ایک بندوق آ گئی لیکن گولیوں (راؤنڈس) کے بغیر ہی۔ بعد میں اِسے ڈوگرہ فوج نے ضبط کر لیا۔ دُوسرے دِن ذیلدار ہری سرن کے بیٹے مہندر کوتوال کی کسی شر پسند کے ہاتھوں موت ہو گئی۔ اِسی طرح سے شاہ محمد خان‘ ساکنہ گاٹھہ بھی ۴؍ مگھر سنہ ۲۰۰۴ بکرمی کو کسی کی گولی کا نشانہ بن گیا جب کہ وہ اپنی چھت پر امن کا سفید جھنڈا لہرا رہا تھا۔ موضع پونیجہ کے بھگی رام نمبر دار کو بھی اِسی رات کسی نے مار ڈالا۔ یہاں یہ کہنا مناسب ہو گا کہ محلّہ مسجد اور پاسری کے کچھ بزرگوں نے کچھ بچوں کو پاسری اور محلّہ قلعہ میں واقعہ مندروں کی حفاظت کی ذِمہ داری سونپ دی اور اُن سے تاکید کی کہ مذہبِ اِسلام دُوسرے مذاہب کے پوجا استھانوں کو کسی قسم کا نقصان پہنچانے سے منع کرتا ہے۔ اِس ٹیم میں راقم الحروف اور اُس کے کچھ دوست بھی شامل تھے۔

اِنہی حالات کے دوران یہ افواہ چلی کہ دھنتر سنگھ نامی ایک سابقہ فوجی جرنیل ڈوگرہ فوجوں کا ایک دستہ لے کر مسلمانوں کا صفایا کرتے ہوئے اُودھم پور سے چھنی اور سُدھ مہادیو کے راستے مرمت کے علاقہ میں داخل ہو چکا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ مسلمان نہتے تھے اور مہاراجہ کے دور میں وہ ہتھیار رکھ بھی نہیں سکتے تھے۔ مُسلمان فوج کا نام سنتے ہی تھرا اُٹھے اور فوری طور پر علاقہ مرمت‘ طروَن‘ کیلاڑ‘ بھالہ‘ سیری‘

درنگہ' کرساڑی' بھالڑہ' مانواہ' خالو' ناسکہ' گاٹھہ' اُدرانہ' ڈنڈی وغیرہ موضع جات سے اننت ناگ (کشمیر)' ڈوڈہ اور بھدرواہ کے موضع چکہ' پونچہ' اٹھکھار اور بھلیس کی طرف ہجرت کر کے چلے گئے اور اپنا مال واسباب' جائیدادیں وغیرہ پیچھے چھوڑ دیں۔ کچھ مُسلم خاندان چنتہ اور چراہلہ واقعہ جنطروَن کی طرف چلے گئے' کچھ چنتہ کے جٹھانی گاؤں میں جمع ہو گئے اور کچھ اِسی علاقے کے موضع بوڑو وغیرہ میں اِس یقین دہانی پر مقیم رہے کہ اُن کی حفاظت کی جائے گی۔ لیکن بدقسمتی سے جٹھانی میں جمع ہوئے متعدد مُسلمانوں کو مبینہ طور پر زِندہ جلا دیا گیا اور بوڑو میں قادر جو شیشہ' اُس کے کنبے کے افراد اور کچھ باہر سے آئے ہوئے مہاجرین کو بھی موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا۔ کچھ شرپسندوں نے موضع چھانی کے سکندر ملِک اور اُس کے بچوں کے ساتھ ساتھ پاس والے گاؤں کے کمہاروں کے کنبوں کو بڑی بے دردی سے قتل کر دیا۔ اُن میں میرا ایک ہم جماعت عبدالعزیز کمہار بھی شامل تھا۔ مکانوں میں مال مویشی تک کو جلا دیا گیا۔ راقم الحروف بھی فسادات رُونما ہونے سے کچھ دِن پہلے تک اپنے والدین' برادر اور ہمشیرہ کے ساتھ موضع چھانی میں ہی مقیم تھا اور اُس کے والد محترم[1] چنتہ اسکول میں مدرّس کے طور پر کام کر رہے تھے۔ اگر غلام محمد داند (مرحوم) ہمیں بھدرواہ نہ لے جاتے تو ہمارا بھی غالباً یہی حشر ہوتا۔ اُن جملہ واقعات کی تفصیل دینا میں مناسب نہیں سمجھتا ہوں' جو بڑے دِل دوز بھی تھے اور قابلِ مذمت بھی۔ مذکورہ موضع جات میں مسلمانوں کی

کی خوب لوٹ کی گئی۔
جائیدادوں کو نذرِ آتش کیا گیا اور مال واسباب کی خوب لوٹ کی گئی۔
اِسی طرح سے ہندو اقلیت والے علاقوں سے ہندو بھائیوں کو محفوظ جگہوں کی
تلاش میں جنگلوں کی طرف ہجرت کرنا پڑی۔ اُن کے مال واسباب کو بھی لوٹا گیا۔
علاقہ اٹھکھار اور پونچہ وغیرہ کے کچھ ہندو لوگ بلاور' بنی وغیرہ
مکانات جلائے گئے۔

---

[1] راقم کے والد محترم خواجہ محمد سلطان خطیب (مرحوم) نہایت ہی قابل اور ہر دِلعزیز مُدرّس تھے۔ اُن کی وفات دسمبر ۱۹۵۷ء میں جموں میں ہوئی۔

علاقوں کی طرف بھاگ گئے اور کچھ علاقہ چنتہ کی طرف جاتے ہوئے موضع ملینی، دھمندہ میں پناہ گزیں ہوئے۔

علاقہ بھلیس کی ہندو آبادی کا بیشتر حصہ علاقہ چمبہ کی طرف ہجرت کر کے چلا گیا۔ بھلیس میں بھی شرپسندوں کے ہاتھوں چند ایک ہندو مارے گئے۔ اِس بارے میں مسٹر غلام رسول چوگانی، ریٹائرڈ بلاک ایجوکیشن آفیسر بھلیس نے راقم کو جو تفصیل عنایت کی، اُس کے مطابق ''بھلیسہ کے معروف جملی پہلوان نے موہڑہ شکرہ (بٹارہ) کے تقریباً پندرہ ہندوؤں (مہاشوں) کو جو کسی وجہ سے ابھی تک بھاگنے نہ پائے تھے، اپنے کچھ مسلم جوانوں کو ساتھ لے کر بہ حفاظت چمبہ کی حدود تک پہنچایا اور کلہوتران میں موہڑہ جکسوں موضع پورہ کے تقریباً پچاس ساٹھ ہندو ٹھکروں کو اپنی حفاظت میں رکھا اور اُنہیں چمبہ سے آئے ہوئے مسلم مہاجرین، جو وہاں مقیم تھے، کی کسی متوقع اِنتقامی کارروائی سے بچایا۔ جملی پہلوان نے اُن ہندوؤں کو تین دِن تک اپنے ہاں چھپانے کے بعد اُن کو بھی چمبہ کی سرحدوں تک بہ حفاظت پہنچا دیا۔ بدقسمتی سے علاقہ چلّی کے دو تین افراد اور موضع پورہ کا شب ناتھ نامی ایک شخص ناسکہ سے آئے ہوئے کسی مشتعل مہاجر کے ہاتھوں مارے گئے۔ چمبہ سے آئے ہوئے شرنارتھیوں کو بھلیس کے مختلف مقامات میں پناہ دی گئی۔ بعد میں چمبہ سے آئے ہوئے یہاں کے مقامی باشندوں کی بازآبادکاری میں بھی بھلیسہ نواسیوں نے کافی مدد کی جب کہ اُن کی جائیدادوں کو لوٹ لیا گیا تھا اور مکانات تلف کر دئے گئے تھے۔ دراصل صحیح اِنسانی اقدار کا تقاضہ بھی یہی تھا۔ بھلیس میں آج کل بھی آپسی بھائی چارے اور یکجہتی کا مظاہرہ قابلِ داد ہے۔

بھدرواہ میں واقعہ ہوئے فرقہ وارانہ فسادات کا مفصّل ذِکر یہاں کے ایک مقامی مورخ جناب نیک چند کوتوال نے اپنی معروف کتاب ''پولیٹکل اینڈ کلچرل ہسٹری آف بھدرواہ، کشتواڑ اینڈ ڈوڈہ'' کے صفحات ۳۱۶ تا ۳۱۸ پر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں'' ــــــ یہ ۴ر مگھر ۲۰۰۴ء بکرمی کا دِن تھا جو تقریباً نومبر ۱۹۴۷ء کے دُوسرے

ہفتہ کا دِن تھا، جب ہماری والدہ ہمیں گھر میں چھوڑ کر گھراٹ پر آٹا لانے کے لئے گئی ہوئی تھی، کہ تقریباً چار بجے ہم نے شنکھ، نگاڑ اور نرسنگا بجنے کی آوازیں سنیں۔ ہم تو اُس سے ڈرے نہیں لیکن ہمیں سمجھ میں آ گیا کہ کچھ نہ کچھ ہو چکا ہے۔ اگر چہ مقامی مسلمانوں کے ساتھ ہمارے تعلقات ایسے حالات میں بھی اور اُن کے بعد بھی خوشگوار تھے، لیکن ایسے ماحول میں کچھ بھی ہو سکتا تھا ــــــ ہماری والدہ بالآخر حفاظت سے گھر پہنچ گئی لیکن وہ قصبہ اور اُس کے گردونواح میں برپا ہونے والے فسادات کا سُن کر کچھ ششدر سی ہوگئی تھی۔ ہماری ماں نے ہمیں اُس تنہا مقام سے رات کے وقت سونگھی گاؤں میں منتقل کیا ــــــ"

"ــــــ کشتواڑ اور ڈوڈہ میں امن کمیٹیاں، امن قائم رکھنے میں پورے طور پر کامیاب ہوئیں اور اِن جگہوں پر کوئی تکلیف دہ حادثہ رُونما نہیں ہوا اور نہ ہی کسی قسم کا جانی یا مالی نقصان ہونے کا موقعہ فراہم کیا گیا۔ ڈوڈہ میں لوگوں نے باہمی اعتماد اور محبت کا بے مثال ثبوت دیا تھا اور اُنہوں نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ کسی ایسے بیرونی عنصر کو اِس مقام پر داخل ہونے کی اجازت نہیں دیں گے جو یہاں کے مقامی حالات اور باہمی تعلقات کو زک پہنچائے۔ یو پی کے کچھ مسلمان مہاراجہ کی معزولی کے لئے اِس ضلع کے مسلمانوں کو منظم کر رہے تھے۔ اِسی طرح جیسے کہ پہلے ہی یقین کیا جاتا تھا، آر. ایس. ایس. کے لوگ اِن علاقوں کا دورہ کر کے اِس تحریک کا مقابلہ کر رہے تھے۔ اِس دوران میں ڈوڈہ کے لوگوں نے ایک شاندار مہم چلائی اور اُنہوں نے چناب پر بنے ہوئے پُل کو ہی جلا ڈالا جو بیرونی دُنیا کے ساتھ ایک ہی رابطہ کا ذریعہ تھا۔ پس ڈوڈہ اور کشتواڑ میں امن وامان قائم رہا ــــــ"

وہ مزید لکھتے ہیں "ــــــ کہا جاتا ہے کہ دھنتر سنگھ نامی ایک راجپوت، جو فوج کا ایک ریٹائرڈ شخص تھا اور چھنی کا رہنے والا تھا، نے کچھ غنڈوں اور مجرموں کو جمع کیا اور گوہا مرمت علاقہ میں داخل ہوا (جو آج ڈوڈہ تحصیل میں شامل ہے)۔ وہ تقریباً

پچاس مسلح اشخاص کی سربراہی کر رہا تھا۔ تقریباً دس آدمیوں پر مشتمل ایک ہراول دستہ تین اِنچ قطر کی ایک بڑی پائپ اُٹھائے ہوئے آگے چلتا تھا اور اُسے توپ کی مانند اِستعمال کرتا تھا۔ اِس مخصوص جتھے کے آگے آگے ڈھول بجانے والی پارٹی اِس لئے چلتی رہتی کہ عام لوگ یہ جان جائیں کہ دھنتر سنگھ پہنچنے والا ہے۔ اِس علاقے کی ساری مسلم آبادی یا تو مسلمانوں کے اجتماع کی طرف، جو جنطروَن دھار میں جمع تھا، بھاگ کھڑی ہوئی یا پھرانت ناگ کی طرف[1]۔ اگرچہ دھنتر سنگھ نے اُنہیں کوئی جانی یا مالی نقصان نہیں پہنچایا، کیونکہ اُس کے بارے میں سُن کر ساری مسلم آبادی پہلے ہی بھاگ چکی تھی، لیکن وہ لوٹ مار اور آتش زنی میں ملوث ہوگیا ——''

''—— وہ لگ بھگ نومبر کے پہلے ہفتہ میں اپنی پارٹی کے ساتھ بھدرواہ میں بھی پہنچا۔ اُس کے یہاں پر داخلے نے سارے بھدرواہ کو خوف و ہراس میں ڈال دیا۔ اُسے سیری بازار میں واقعہ ایک مکان کی دُوسری منزل میں رکھا گیا جس کی پہلی منزل میں ایک گورنمنٹ ڈِسپنسری بھی کرایہ پر چل رہی تھی۔ امن کمیٹی کے اِجلاس باقاعدہ طور پر ہوتے رہتے تھے لیکن اب اُس کے ممبران بھی پریشانی اور تشویش میں ڈُوب گئے تھے۔ مسلمان مطالبہ کر رہے تھے کہ دھنتر سنگھ کو اُن کے حوالہ کیا جائے لیکن یہ مطالبہ ہندوؤں نے ٹھکرا دیا۔ اُس مکان کو جہاں دھنتر سنگھ چھپا ہوا تھا، لوگوں کے کہنے کے مطابق کسی نوجوان مسلمان نے آگ لگا دی۔ دھنتر سنگھ نے مکان کی چھت سے چھلانگ لگا کر مشکل سے جان بچائی اور اپنی توپ پیچھے چھوڑ گیا ——''

''—— دُوسرے روز یعنی ۴ر مگھر ۲۰۰۴ء بکرمی کو، جب کہ امن کمیٹی کی میٹنگ جاری تھی، کسی نامعلوم مسلمان نے بندوق سے ایک فائر کیا جو ایک ہندو راہگیر مسمی مان چند (جو فوج میں کام کرتا تھا اور چھٹی پر آیا تھا) کو جا لگا۔ مان چند جس کی

---

[1] اُن میں سے کچھ مُسلم مہاجرین مرمت اور سدھ مہادیو کے درمیان پڑنے والے جنگل میں چھپے ہوئے تھے اور محاصرے میں آچکے تھے جنہیں کچھ کامریڈ حضرات نے بچا لیا تھا۔

موقعۂ واردات پر ہی موت واقعہ ہوئی' بھدرواہ قصبہ میں فسادات کی بھینٹ چڑھنے والا پہلا شخص تھا۔[1] وہ بھلیسہ کے زیلدار ہری سرن کا بیٹا اور چونی لال کا بھائی تھا ـــــ"

"ــــــ پھر کیا تھا' فسادات نے بھدرواہ کے طول وعرض کو گھیرے میں لے لیا۔ جب کہ اُسی رات پونیچہ گاؤں کے نمبردار بھگی رام کو مقامی مسلمانوں نے موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ اِس کے بعد کیا ہوا' صاف عیاں تھا اور اٹل بھی۔ جہاں مسلمان اکثریت میں تھے وہاں ہندوؤں کا کافی نقصان ہوا اور جہاں ہندو اکثریت میں تھے اُنہوں نے مسلمانوں کی جائیدادوں کو تباہ کر دیا اور لوٹ مار اور آتش زنی کا ارتکاب کیا۔ بھلیسہ علاقہ میں ہندو بہت زیادہ مصیبت کا شکار ہوئے۔ جب کہ بھدرواہ اور نیرو کے دائیں طرف کنڈی کے علاقہ جات میں مسلمانوں پر مصیبت کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ـــــ"

نیک چند کوتوال نے ایک مقامی لیڈر (جن کا تعلق آج بہوجن سماج پارٹی سے ہے اور جو فسادات کے دِنوں میں ابھی ایک طالب علم ہی تھے) کے کنبے سے تعلق رکھنے والے متعدد افراد کے ایک طے شدہ معاہدے کے بعد قتل کئے جانے کا واقعہ کتاب کے صفحہ ۲۴۵ تا ۲۴۶ پر تفصیل سے لکھا ہے جس کے کچھ اِقتباسات یوں ہیں:

"ـــــ اگرچہ ضلع ڈوڈہ کی تحصیل کشتواڑ اور تحصیل ڈوڈہ میں امن وامان رہا تاہم بھدرواہ اِن خوفناک شعلوں سے بچ نہ سکا کیونکہ ہمسایہ ریاست چمبہ اور علاقہ بلاور سے اُجڑے ہوئے (مُسلم) مہاجرین کی ایک کثیر تعداد اپنی حفاظت کے لئے بھلیسہ کے سرحدی علاقوں میں داخل ہو چکی تھی۔ کیونکہ اُس خطے میں مسلمانوں کی

---

[1] فاضل مورخ نے انور جو رنوگر' غلام احمد نانوائی' غلام قادر تھنالہ والا' جیسی رام اور جمیت رام اور گاٹھہ کے نوجوان شاہ محمد خان وغیرہ کا ذکر نہیں کیا ہے جو پہلے ہی دِن گولیوں کا نشانہ بن کر جاں بحق ہوئے اور چنتہ میں ہوئی قتل وغارت کا ذکر تک نہیں کیا ہے جو اُن کے گھر سے چند میل کے فاصلے پر واقعہ ہے۔ اِس سلسلہ میں حال ہی میں مسٹر محمد شفیع شیخ کی شائع شدہ کتاب "وِراثت" (۲۰۰۹ء) کے مختلف ابواب میں بھدرواہ اور اس کے مضافات وغیرہ میں مارے گئے لوگوں کی کچھ تفصیل دی گئی ہے جو بڑی تاریخی اہمیت کی حامل ہے۔

آبادی تقریباً ۷۰ فیصدی ہے۔ مبالغہ آمیز اور ڈراؤنی افواہوں اور من گھڑت کہانیوں نے مقامی آبادی کے جذبات کو بھڑکایا' جنہوں نے ہندوؤں کی اقلیتی آبادی کو ایذائیں دینا شروع کیں' جو نچلے ہندو اکثریتی علاقوں کی طرف بھاگ نکلے' جس سے وہاں پر بھی ایسا ہی ردِعمل ہوا۔ بزرگوں کے منع کرنے کے باوجود ساری تحصیل میں فرقہ وارانہ فسادات رونما ہوئے' جن کا مختلف مقامات پر الگ الگ قسموں کا زور نمایاں تھا——''

''——فسادات کے آخری مراحل میں جب کہ پارہ ٹھنڈا پڑ رہا تھا' مسٹر عبدالرحمان کے بزرگوں نے ہندو مذہب اِختیار کرنے کی خواہش کا اِظہار کیا تھا' بشرطیکہ مقامی آبادی اُنہیں جان و مال کی حفاظت کی ضمانت دے' کیونکہ جس خطِ فاصل پر بھدرواہ کے مضافات کی تقریباً ساری مسلم آبادی' جو پانچ سے دس ہزار کی تعداد پر مشتمل تھی' جمع ہوئی تھی اور اب سارے خِطّے کے ہندو جنگجوؤں' جن کی مدد اور حمایت آر.ایس.ایس. کے سرگرم کارکن خودکار ہتھیاروں سے کر رہے تھے' کے دائرہ گرفت میں تھی۔ یہ میدان جو جنطروَن دھار کے نام سے بہت اُونچے زون پر واقعہ تھا اور 'جنطروَن محاذ'' سے مشہور ہو گیا تھا' اب کچھ دِنوں کے اندر اندر ختم ہونے والا تھا۔ پس اُس علاقہ کے ہندو بزرگ شیخ عبدالرحمان کے کنبے کو جو ۱۴/۱ افراد پر مشتمل تھا' اپنے آبائی مقام پر لائے اور اُن کو مصنف (نیک چند کوتوال) کے گھر میں رکھا' جہاں مصنف کی والدہ اکیلے اپنے خاوند کی آخری رسومات انجام دے رہی تھی جو اُسی سال فوت ہو گئے تھے——''

''—— بدقسمتی سے ایک دِن حالات نے' جو اب آہستہ آہستہ معمول پر آرہے تھے' ایک بھیانک شکل اختیار کی جب کہ پونیجہ کے ایک نمبر دار پر قصبہ بھدرواہ کے قریب رات کو حملہ کیا گیا اور مسلمان فسادیوں نے اُسے مار ڈالا اور اُس کا اسباب لوٹ کر گھر نذرِ آتش کر دیا۔ اِس سے ہندو فسادیوں کو بہانہ مل گیا اور اُنہوں نے اِن مسلمانوں کی پناہ گاہوں پر' جو مختلف جگہوں پر تقریباً دس کی تعداد میں تھیں اور جن کو

ہندوؤں نے حفاظت کا وعدہ دے کر واپس لایا تھا' حملہ کر دیا۔ بالآخر اِس بھیانک المیہ میں عبدالرحمان کے کنبے کے افراد اُن بدمعاشوں کے ہاتھوں قتل ہوئے ـــــ''[1]

وہ مزید تحریر کرتے ہیں'' ـــــ میری ماں نے بڑی شدت سے مزاحمت کی لیکن ایک تنہا مقام پر ہونے کی وجہ سے وہ کسی قسم کی مدد حاصل نہ کر سکی اور بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ یہ سازش اِختتام پذیر ہوئی جس میں بے گناہ عورتیں اور مرد بے رحمی سے قتل کر دیئے گئے۔ لیکن میری والدہ نے اپنی ذہانت کو بروئے کار لا کر عبدالرحمان' اُس کے چھوٹے بھائی غلام مصطفےٰ اور چچا عبداللہ کو بچا لیا اور جو خفیہ راستے سے وہاں نکل جانے میں کامیاب ہوئے ـــــ''

یہاں یہ ذِکر نہ کرنا تاریخ نویسی کے تقاضوں کے منافی ہو گا کہ بھدرواہ تحصیل کے بہت سے دیگر علاقوں اور مضافات میں جن میں چنتہ' علاقہ بھالڑہ' ناسکہ' مانواہ' علاقہ دراب' شِوا' پانتھان' کانڈوت' بھیلہ' چراہلہ ٹھاٹھری وغیرہ کے بہت سے حِصّوں میں مسلمانوں کا کافی مالی اور کہیں کہیں جانی نقصان بھی ہوا اور علاقہ بھلیس اور اور اٹھکھار وغیرہ کے ہندو بھی غلط افواہوں اور کچھ خطرات کو بھانپ کر اپنے گھر بار' مال مویشی گھروں میں چھوڑ کر محفوظ مقامات کی طرف بھاگ نکلے۔ یہ بھی مشہور تھا کہ علاقہ دراب' بھیلہ' کانڈوت وغیرہ کے علاقوں میں مہاراجہ کے کچھ فوجی مقامی لوگوں کے ساتھ مل کر لوگوں کی املاک لوٹنے کے ساتھ ساتھ اُن کے مکانات وغیرہ کو آگ لگاتے دیکھے گئے تھے۔

یہ بھی قابلِ ذِکر ہے کہ بندرابن کی کمانڈ میں مہاراجہ کی فوج کا ایک دستہ' جس

---

[1] فاضل مورخ نے پہلی سطور میں پونیچہ کے نمبر دار بھگی رام کے قتل کئے جانے کی تاریخ ۱۴ رمگھر تحریر کی ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ یہی واقعہ حالات نارمل ہونے کے بعد ظہور پذیر ہوا ہو۔ دراصل اُن سبھی مُسلم پناہ گزینوں کا قتلِ عام ایک سازش کے تحت کیا گیا تھا' جو سراسر وعدہ خلافی پر مبنی تھا۔

کی راہنمائی اور مدد یہاں کے کچھ مقامی ریٹائرڈ فوجی افراد کر رہے تھے' اِن فسادات کے دوران بھدرواہ قصبہ میں داخل ہوا اور یہاں پہنچتے ہی تلاشیوں وغیرہ کا سلسلہ شروع کیا۔ اِسی دستے کے ہاتھوں بھدرواہ کے مقامی قبرستان میں مقیم گوجر مہاجرین پر گولیاں برسائی گئیں' جنہیں بعد میں اِسی قبرستان میں سپردِ خاک کیا گیا۔

''روشنی کا سفر'' ڈوڈہ میں چھپے ہوئے ایک مضمون کے مطابق:

''——— ۱۹۴۷ء کے پُر آشوب وخون آشام دَور میں قصبہ ڈوڈہ امن و آشتی اور ہندو مسلم بھائی چارہ کا گہوارہ تھا ——— کرنل عدالت خان کے تدبّر سے اِس علاقہ کے ہندو مسلمان بچ گئے۔ اُودھم پور' چھنی' علاقہ مرمت اور علاقہ کیلاڑ وغیرہ سے دس ہزار کے قریب مسلمان آبادی نے ہجرت کر کے ڈوڈہ میں پناہ لی تھی۔ مقامی لوگوں نے اِن تباہ حال لوگوں سے عملی طور پر خلوص و ہمدردی کا اِظہار کیا۔ اِن حالات میں پناہ گزینوں کی بحالی اور غیر مسلم گھرانوں کی حفاظت ونگرانی کی ذِمہ داری یہاں کے ہر دِلعزیز راہنما خواجہ محمد خلیل کچلو نے بڑے خلوص سے نبھائی اور اُن کے شانہ بشانہ حضرت پیر عرفان صاحب نے آج کے گرڈ سٹیشن کے پاس ایک دفاعی محاذ قائم کر کے چناب کے پار سے ہونے والی گولی باری کا جواب دیا اور فوجیوں اور اُن کے ساتھ دُوسرے جموں سے آئے ہوئے لوگوں کو روکا۔ دُوسری طرف براستہ بھاگواہ آئے ہوئے فوجی دستے کو کرنل عدالت خان کے ساتھ آئے ہوئے ملیشیا گارڈ کی ٹکڑی نے واپس جانے پر مجبور کیا ———''

فسادات کے دوران خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کس کے ہاتھوں کیا ہوا اور کس سازش یا فتنے کے تحت ہوا۔ تاہم جو کچھ بھی ہوا بہت غلط اور قابلِ مذمّت ہوا۔ اُس جنونی دور میں بیشتر بے گناہ' سیدھے سادھے اور معصوم ہندو مسلمان مرد' عورتیں اور بچے' غنڈہ گرد' فتنہ پرور اور متعصب عناصر کے ہاتھوں بلاوجہ اور بڑی بے دردی سے مارے گئے اور اُن کی جائیدادیں تلف کر دی گئیں۔ جگہ جگہ قتلِ اِنسانی کا ننگا ناچ کھیلا

گیا۔ بے قصور لوگوں کو جانی اور مالی طور پر تباہ و برباد کیا گیا' خواتین کی عصمتیں لوٹی گئیں' لاشوں کے ڈھیر لگے' اِنسانیت اِنسانی جنون کی نذر ہوگئی۔ برِصغیر کو جیسے کسی کی نظر لگ گئی اور صدیوں کے بھائی چارے اور یک جہتی کا دِنوں میں جنازہ نکل گیا۔ ایسے حالات میں بھی بہت سے مقامات پر دُور اندیش' خداترس اور تعصب سے پاک لوگ اِس فرقہ وارانہ زہر کو مزید پھیلنے سے روکنے کی کوشش کرتے رہے' جس میں وہ بہت حد تک کامیاب بھی ہوئے۔ لیکن کہیں کہیں اُن کو غنڈہ عناصر اور منظّم گروہوں کے سامنے ہتھیار بھی ڈالنے پڑے۔ لوگوں کی غالب اکثریت فسادات سے متنفر تھی لیکن وہ حالات کے ہاتھوں مجبور تھی۔ یہ سب کچھ بڑے بڑے لیڈروں کی دانستہ غلطیوں' مقامی لوگوں کی بے حسی اور کوتاہ اندیشی اور کچھ حد تک بے بسی' غنڈہ گرد عناصر کی منفی سوچ اور برِصغیر ہندوپاک کی تقسیم کا نتیجہ تھا۔ شکر ہے کہ یہ خونی اور جنونی لہر بہت ہی جلد ماند پڑ گئی اور لوگوں نے ہوش کے ناخن لے کر وقتی دوریوں کو مٹانے کی پوری کوشش کی۔

اِن دلدوز' المناک اور افسوس ناک واقعات سے درس ملتا ہے کہ ہمیں ہمیشہ اِنسانی برادری اور بھائی چارے کی پاسداری کرنی چاہیے اور ایسے عناصر کے خلاف صف آرا ہونا چاہیے' جو مذہب' فرقے' علاقے یا کسی اور چیز کے نام پر جنگ و جدل میں یقین رکھتے ہوں۔ ایسے عناصر کی چالوں اور دام میں نہ آ کر ہمیں آئندہ پُرامن فضا کے قیام کے لئے جدوجہد کرتے رہنا چاہیے۔ سیاسی مسائل کا حل گفت وشنید سے ممکن ہے نہ کہ جنگ و جدل سے' بشرطیکہ لوگ تعصب' تنگدلی' تنگ نظری اور خودغرضی کی عینک نکال کر کھلے دِل اور نیک نیتی سے باہمی مسائل کو حل کرنا چاہیں۔

***

عوامی دورِ حکومت

(۱۹۴۷ء تا ۲۰۰۹ء)

عہد نامۂ امرتسر اور وادی کی اراضی کی ملکیت:

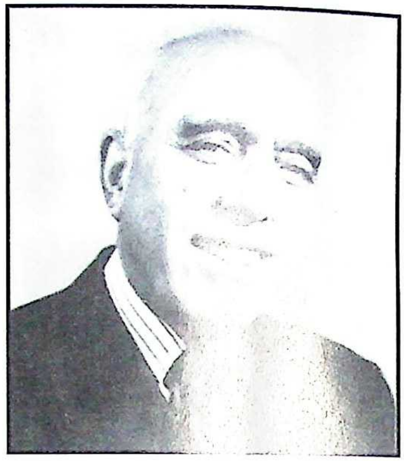
عہد نامۂ امرتسر ۱۸۴۶ء کے تحت حکومتِ برطانیہ نے اپنی سیاسی مصلحتوں کے پیشِ نظر اِس تمام پہاڑی علاقہ کو بشمول ماتحت علاقہ جات مہاراجہ گلاب سنگھ اور اُس کے ورثاء نرینہ کے حق میں منتقل کر کے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اُن کے قبضہ میں دیا، جو دریائے سندھ کے مشرق میں اور دریائے راوی کے مغرب میں واقع ہے۔ اِس میں لاہول کے بغیر چمبہ کا علاقہ بھی شامل ہے اور اِس عطیہ کے عوض مہاراجہ گلاب سنگھ نے برطانوی سرکار کو مبلغ ۷۵ ہزار روپے نانک شاہی ادا کئے۔ اِس طرح سے گلاب سنگھ نے وادیٔ کشمیر کو برطانوی حکمرانوں سے خرید لیا۔

''ریاست کا رقبہ ۷۱۴۴۷ مربع میل تھا۔ اِس نرخ پر اِس جنتِ ارضی کے ایک مربع میل زمین کی قیمت ۱۵۵/روپے بنتی ہے یعنی دو صد ستر مربع گز کی قیمت ایک پیسہ۔ اِس وقت کی آزادی کے مطابق ایک بنی نوع انسان کی قیمت سات روپے اور سوا سات روپے کے درمیان نکلتی ہے۔''[1]

اِس عہد نامے کی رُو سے ''اُس وقت سے وادی کی ساری اراضی کی ملکیت فرمانروائے وقت کی ہونی قرار پائی، یعنی وہ مہاراجہ مالکِ اراضی رہا، جو تخت نشین ہوتا رہا۔ وادیٔ کشمیر میں قابضانِ زمین ''آسامیاں'' کے نام سے پکارے جانے لگے اور

---

[1] ''شہاب نامہ'' از: قدرت اللہ شہاب بحوالہ ''فوکس آن جموں اینڈ کشمیر''۔ از: اسیر کشتواڑی



شیخ محمد عبداللہ



بخشی غلام محمد



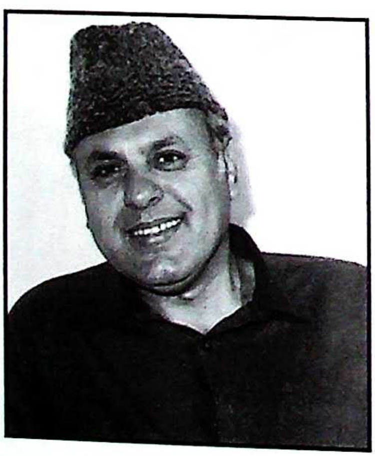
خواجہ شمس الدین



خواجہ غلام محمد صادق



سیّد میر قاسم



ڈاکٹر فاروق عبداللہ

اُن پر یہ لازم قرار دیا گیا کہ وہ مالیہ کے علاوہ مہاراجہ کو مالکانہ بھی ادا کرتے رہیں تا کہ مہاراجہ کے حقوق ملکیت تسلیم متصور ہوں۔ آسامیوں کو زمین منتقل کرنے کا کوئی حق نہ تھا اور اس زمین پر صرف اُس وقت تک قبضہ رکھ سکتے تھے جب تک کہ وہ مالیہ اور مالکانہ ادا کرتے تھے۔ صوبہ جموں میں عہد نامۂ امرتسر سے ماقبل ہی بہت سارا رقبہ مہاراجہ کی ملکیت میں تھا۔ اُس رقبہ کے قابضان کو بھی ''آسامی'' یا ''مال گذار'' کہتے تھے۔''

شیخ محمد عبداللہ کا پہلا دورِ حکومت

(۱۹۴۷ء لغایت ۱۹۵۳ء)

۱۹۰ سال کی مسلسل جدوجہد کے بعد بالآخر ہندوستان انگریزوں کی غلامی کی زنجیروں سے آزاد ہوا لیکن مذہبی بنیادوں پر جو ''دوقومی نظریئے'' کے نام سے مشہور ہے' اس کے دو حصّے ہو گئے۔ سارے برصغیر کو فرقہ وارانہ فسادات نے گھیر لیا۔ لاکھوں ہندو مسلمان اور سکھ حیوانیت کے ننگے ناچ سے موت کے گھاٹ اُتارے گئے۔ لاکھوں دوشیزاؤں کی آبرو لوٹی گئی۔ لاکھوں خواتین کا سہاگ لُٹ گیا اور لاکھوں بچے یتیم ہو گئے۔ آبادی کی منتقلی کی دوران بھی کتنے ہی بے بس اور بے سروسامان لوگ اِنسانی ظلم اور زبردستیوں کا شکار ہو گئے۔ پاکستان کی بنیاد ایک روز پہلے پڑی۔ ریاست جموں وکشمیر کو مہاراجہ ہری سنگھ نے ''جوں کے توں'' معاہدے کے تحت اکتوبر ۱۹۴۷ء تک رکھا اور بعد میں ۲۶/ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ریاست کا الحاق کچھ شرائط کے تحت مملکتِ ہندوستان سے کیا گیا اور وہاں سے فوجی دستے کشمیر میں آنا شروع ہو گئے۔ ۳۰/ اکتوبر کو شیخ عبداللہ کے تحت ایمرجنسی حکومت کے قیام اور جون ۱۹۴۹ء میں مہاراجہ ہری سنگھ کے ریاست چھوڑنے کے بعد شیخ صاحب نے نیشنل کانفرنس کے منشور کی عمل آوری کے سلسلہ میں بہت سے تاریخی نوعیت کے اصلاحاتی اِقدامات اُٹھائے' جن سے ریاست جموں وکشمیر کے باشندگان کو بہت سی آسائشیں ملیں اور صدیوں سے چلی آ رہی بے انصافیوں'

ظلم و اِستبداد اور ساہوکاری نظام، سودخوری وغیرہ سے نجات مل گئی اور وہ زمین کے مالک بنادئے گئے۔ اِن اِقدامات سے یہاں ایک سماجی اور اِقتصادی اِنقلاب برپا ہوا اور نیشنل کانفرنس کی پالیسوں کو سراہا گیا۔ لوگ شیخ صاحب اور مرزا افضل بیگ جیسے اُن کے ساتھیوں کے مداح خواں بن گئے۔ اِس بارے میں السٹر لیمب یوں رقمطراز ہیں:

"شیخ عبداللہ نے اپنے کچھ خیالات کو عملی جامہ پہنانا شروع کیا۔ نیشنل کانفرنس نے اپنے بنیادی پروگرام کے مینی فیسٹو یعنی "نیا کشمیر" میں ۱۹۴۰ء میں ہی ریاست میں ایک جماعتی حکومت کو سماجی اِصلاحات کے لئے وقف کئے جانے کا خاکہ پیش کیا تھا۔ سب سے پہلی ترجیح زمینی اصلاحات (زرعی اصلاحات) تھی اور ۱۹۵۳ء کے ماہ مارچ تک شیخ عبداللہ نے زمین کی حد کی طرز اور وہ بھی زیادہ تر سابقہ زمینداروں اور سرکار کی طرف سے دیئے گئے مالکانہ حقوق کی بنیاد پر زمین کے مالکوں کو بغیر معاوضے کے مقرر کرنے کے سلسلے میں ایک انقلاب برپا کیا تھا۔ بڑی تعداد میں زمین کی ملکیت (چکداری) بشمول جاگیرداری نظام ختم کر کے زمین رکھنے کی زیادہ سے زیادہ حد ۲۳/ ایکڑ یا ۱۸۲ کنال تک کم کردی گئی۔ فاضل زمین کاشتکاروں کو مع مالکانہ حقوق کے چلی گئی۔ اِس میں وہ زمینیں بھی شامل کی گئیں جن کو لارنس کے وقت کے دوران نوتوڑ کر کے زیر کاشت لایا گیا تھا اور حکمرانوں نے جن کو اپنے چہیتے لوگوں میں بانٹ ڈالا تھا۔ اِس قدم سے نیشنل کانفرنس کی ہردلعزیزی زراعتی طبقات میں دوبالا ہوگئی، جن کی ریاست میں زیادہ آبادی تھی۔ اِس کے بعد ہی "بیگار" کا سلسلہ جو ۳۰/ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ریاست میں تبدیلی حکومت کے وقت تک کسی نہ کسی صورت میں ابھی قائم تھا، ختم کیا گیا۔ اِن اقدام نے غریب لوگوں کو اُن سے زبردستی کام لئے جانے کی مصیبت سے ہمیشہ کے لئے نجات دِلائی۔ یہ سلسلہ کشمیری لوگوں کے لئے خاص طور پر باعثِ تشویش بنا ہوا تھا۔"[1]

---

[1] "فوکس آن جموں اینڈ کشمیر" از: اسیر کشتواڑی، ص: ۲۹۴-۲۹۵، ترجمہ: بشیر بھدرواہی

شیخ محمد عبداللہ نے مرزا محمد افضل بیگ کی ذہانت اور کمیونسٹوں کی معاونت سے زرعی اِصلاحات کا قانون پاس کروا کر ایک انقلابی اور تاریخی کام کی بنیاد ڈالی۔ سب سے پہلے مزارعہ ایکٹ نافذ کر کے مالکانِ زمین اور مزارعان کے مابین حصہ غلہ بٹائی مقرر کیا گیا۔ اس ایکٹ کے تحت اب مزارعان پچاس فی صدی غلے کے بجائے دو تہائی حصہ ہی زمین کے مالک کو فصل اُٹھانے کے وقت دے سکتے تھے۔ عوامی حکومت کے دوران سرکاری اہلکاروں کو ''رسومات'' دینے کی بدعت بھی کم ہوتی گئی۔

لینڈ لارڈوں کی طرف سے اِس تاریخی فیصلے کی سخت مخالفت' خصوصی طور پر صوبہ جموں میں' شروع ہوگئی کیونکہ یہاں پر عام حکمرانوں کی مہربانیوں سے زمین کے بڑے بڑے قطعات (چک) پسندیدہ اشخاص میں اُن کی وفاداری یا جرأت مندی کی نسبت سے یا شاہی خاندان سے کسی قسم کے تعلق یا رِشتے کی بِناء پر عطا کئے گئے تھے' جو اِس نئے قانون کی زد میں آ گئے تھے۔

تیسرا اور اہم قانون تحصیل سطح پر ''قرضوں کی تحلیل'' کے سلسلہ میں بورڈوں کا قیام تھا' جو غریب اور لاچار لوگوں کو ساہوکاروں کی طرف سے سود در سود پر دی گئی رقومات کی واپس ادائیگی سے تعلق رکھتا تھا۔ معمولی سی رقم سود پر لئے جانے کے بعد قرض خواہ رقموں کی رقمیں واپس ادا کرنے کے بعد بھی ساہوکار کے چنگل سے آزاد نہیں ہو پاتا تھا۔ اِس قانون کے تحت وہ تمام قرضے منسوخ کر دیئے گئے جن کی ادائیگی کسی بھی نقدی یا جنسی صورت میں ڈیڑھ گنا تک ہو چکی تھی اور باقی کی ادائیگی آسان قسطوں میں کرنے کا اہتمام کیا گیا۔

عوامی حکومت کے اِنقلابی اِقدامات کا بھدرواہ پر اثر:

عوامی حکومت کے اِن اِنقلابی اقدامات کا فوری اثر بھدرواہ کے ہزاروں کاشتکاروں پر بھی پڑا' جو آنِ واحد میں کاشت کردہ زمینوں کے بلا معاوضہ مالک بن

گئے۔قانون کے تحت فاضل زمینیں اُن میں تقسیم کی گئیں جس سے اُن کی خستہ حالی اور غریبی دُور ہوگئی اور وہ چکداروں اور زمینداروں کے علاوہ سرکاری اہلکاروں کے ہاتھوں ہونے والے اِستحصال اور ظلم سے بچنے میں کامیاب ہوگئے۔اُنہیں ''بیگار'' کی صدیوں پرانی لعنت سے بھی چھٹکارا ملا اور ساتھ ہی یہاں پر قائم کردہ ڈیٹ ری کنسیلیشن بورڈ کی اعلیٰ کارکردگی کے نتیجے میں اُنہیں قرضوں کے بوجھ سے بھی نجات مل گئی۔ ممبران بورڈ میں شری ہری لال ہتیشی اور چوہدری عبدالرحمٰن گنائی شامل تھے، جنہوں نے فریقین کے درمیان اُن کی باہمی رضامندی سے متعدد معاملات نپٹانے میں کامیابی حاصل کی۔اِن اقدامات سے دیہاتی حصوں میں شیخ عبداللہ اور ان کی کابینہ اور نیشنل کانفرنس جماعت کی ہردلعزیزی بڑھ گئی اور یہ خستہ حال علاقہ بھی ترقی کی راہ پر گامزن ہوگیا۔اِن اصلاحات کا زیادہ سے زیادہ فائدہ یہاں کے مقامی ہریجنوں اور مسلم کاشتکاروں اور دیگر مقروض اشخاص کو حاصل ہوا۔وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان اصلاحات کے نتائج لوگوں کی اِقتصادی ترقی اور سماجی اِنصاف کی صورت میں نمایاں ہوتے رہے اور وہ جاگیرداروں وغیرہ کے استحصال اور ناروا سلوک سے آزاد ہوگئے۔اُن میں خوداعتمادی کی فضاء قائم ہوگی اور یہاں خوشحالی کا نیا دور شروع ہوگیا۔

ریاست جموں وکشمیر میں یونیورسٹی کا قیام:

شیخ عبداللہ نے زرعی اصلاحات، قرضوں کی تحلیل اور بحالیاتی امورات کے علاوہ ریاست میں ایک دُوررس قدم نومبر ۱۹۴۸ء میں کشمیر یونیورسٹی کے قیام کی صورت میں اُٹھایا۔قبل ازیں ریاست کے سارے کالج اور سبھی ہائی سکول پنجاب یونیورسٹی لاہور کے ساتھ منسلک تھے۔اِمتحانات لئے جانے کے لئے ریاست میں چند ہی مراکز قائم تھے وہ بھی صرف سرینگر اور جموں میں۔مفصلات اور دُور دراز علاقوں کے طلباء اور طالبات کو اِمتحانات دینے میں بہت سی تکالیف اور پریشانیوں کا سامنا کرنا

پڑتا تھا۔ اِنہی وجوہات کی بناء پر غریب اور مفلس گھرانوں سے تعلق رکھنے والے طالب علم اپنی پڑھائی اُدھوری چھوڑنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ ۱۹۴۹ء میں جموں وکشمیر یونیورسٹی کی طرف سے ریاست میں دسویں جماعت کا پہلا اِمتحان منعقد ہوا، جس میں بھدرواہ نواسیوں کی خوش قسمتی سے یہاں کے ایک مقامی، ذہین اور قابل طالب علم شری شانتی پرکاش کاٹل (سکنہ گواڑی) ریاست بھر میں اوّل آئے اور اپنی حسین وجمیل وادی کا نام روشن کیا۔ اِس سے قبل بھی یہاں کے ہی ایک قابل ترین طالب علم مسٹر عبدالحق سہروردی نے پنجاب یونیورسٹی لاہور کے دسویں درجے کے اِمتحان میں ریکارڈ توڑ نمبرات حاصل کر کے پہلی پوزیشن حاصل کی تھی۔ مسٹر کاٹل نے بھدرواہ کے اِمتحانی مرکز سے ہی اِمتحان دیا تھا۔

یونیورسٹی کی سہولت سے ریاست بھر کے طلباء کو پیش آنے والی تکالیف اور دُشواریوں کا ازالہ ہو گیا اور سکولوں میں تعداد طلباء میں بھی اِضافہ ہوتا گیا۔

ضلع ڈوڈہ کی تشکیلِ نو:

۱۷/اپریل ۱۹۴۸ء کو کونسل آرڈر ۶۴۲۔ سی آف ۱۹۴۸ء کے تحت اُودھم پور ضلع میں سے بھدرواہ، ڈوڈہ، رام بن اور کشتواڑ کی تحصیلوں کو الگ کر کے ایک نئے ضلع کی تشکیل عمل میں لائی گئی، جس کا صدر مقام ڈوڈہ مقرر کیا گیا۔ اِس اہم فیصلے سے یہاں کی دیہاتی آبادی کو بالخصوص ہزاروں قسم کی پریشانیوں اور سفری دُشواریوں سے نجات مل گئی جنہیں بصورت دیگر معمولی معمولی اِنتظامی اور دیگر قسم کے دفتری مسائل کی انجام دہی کے لئے سینکڑوں میلوں کی پاپیادہ مسافت طے کر کے اُودھم پور پہنچ کر دفاتر کی خاک چھاننا پڑتی تھی۔ صدر مقام قریب آجانے سے ملازمین وغیرہ کو بھی فائدہ ہوا اور ترقیاتی کاموں کی عمل آوری میں بھی آسانیاں پیدا ہو گئیں۔

۱۹۰۹ء لغایت ۱۹۵۳ء ڈوڈہ ایک سب تحصیل کی حیثیت سے رام بن کے

ساتھ منسلک رہی۔ کیبنٹ آرڈر ۵۰۷ میں مورخہ ۲۴ مئی ۱۹۵۲ء کے تحت تحصیل بھدرواہ کے سات پٹوار حلقوں یعنی حلقہ کھلینی، حلقہ ملھوری، حلقہ موٹھی، حلقہ روٹ، حلقہ منگوتہ، حلقہ طرون اور حلقہ شیوہ کو اِس تحصیل سے الگ کر کے ڈوڈہ کی سب تحصیل میں شامل کیا گیا، جس سے بھدرواہ کی رونق اور تجارتی آمدنی دونوں میں کمی واقع ہوگئی اور رقبے کے لحاظ سے بھی یہ تحصیل بہت کم ہوگئی۔ تاہم بھلیس اور ٹھاٹھری کی موجودہ تحصیلوں کے اِس میں نیابت کے طور شامل رہنے سے اِس کے اِقتصادی اور تجارتی معاملات میں کوئی زیادہ نقصان نہیں پہنچا۔ اِس کے بعد گورنمنٹ آرڈر: ۹۲۳۔ سی آف ۱۹۵۸ء کے تحت تحصیل رام بن کے پندرہ پٹوار حلقوں کو اِس تحصیل سے نکال کر سب تحصیل ڈوڈہ میں شامل کر دیا گیا۔ اور آخر کار ڈوڈہ کو گورنمنٹ آرڈر ۹۲۳۔ سی آف ۱۹۵۸ء کی رُو سے مکمل تحصیل کا درجہ حاصل ہوا۔ ۱۹۸۱ء تک ضلع ڈوڈہ مذکورہ چار ہی تحصیلوں پر مشتمل رہا۔ اِسے کونسل آرڈر ۶۴۔ سی آف مورخہ ۱۷ اپریل ۱۹۴۸ء کو مکمل ضلع کا درجہ حاصل ہوگیا تھا جبکہ اِس کی تین ہی تحصیلیں تھیں۔ لیکن ۱۹۸۱ء میں بھدرواہ کی دو نیابتوں یعنی نیابت گندو اور نیابت ٹھاٹھری کے علاقے اِس سے علیحدہ کئے گئے اور اِن کو الگ طور پر دو مکمل تحصیلوں کا درجہ دیا گیا۔ بھدرواہ سے یہ علاقے الگ ہوجانے کی وجہ سے اِسے ناقابلِ تلافی اِقتصادی نقصان پہنچا اور ریل پیل میں بھی کمی واقع ہوئی۔ کیونکہ اِن علاقوں کے ساتھ قدیم تجارتی رِشتے یک لخت ٹوٹ سے گئے اور یہاں کے مقامی کاروبار کو زبردست دھچکا لگا۔ شیخ محمد عبداللہ کے دور میں یوراج کرن سنگھ کے ایک اعلان کے مطابق ۱۹۵۰ء میں ریاستی آئین ساز اسمبلی کا چناؤ عمل میں لایا گیا۔ حلقۂ اِنتخاب بھلیس بونجواہ سے بھدرواہ کے ایک نامور قانون دان خواجہ عبدالغنی گونی اور حلقۂ اِنتخاب بھدرواہ سے دُوسرے معروف وکیل کوتوال چونی لال ممبر چُنے گئے۔ گونی صاحب ۱۹۵۱ء سے ۱۹۷۷ء تک مسلسل طور پر ایم. ایل. اے بنے رہے اور ریاستی وزراء کی کونسل میں بھی شامل رہے۔ کوتوال چونی لال بھی ۱۹۵۱ء

سے ۱۹۶۳ء تک ممبر اسمبلی بنے رہے اور حلقہ بھدرواہ کی نمائندگی کرتے رہے۔

شیخ عبداللہ کی برطرفی اور بخشی غلام محمد کا دور:

(۱۹۵۳ء تا ۱۹۶۳ء)

ریاستی وزرأ کی کونسل میں اِنتشار ڈاکٹر شیاما پرشاد مکرجی کی سرینگر ہسپتال میں موت، پرجا پریشد ایجی ٹیشن سے پیدا ہوئی شدّت اور شیخ عبداللہ کے رنبیر سنگھ پورہ میں دیئے گئے متنازعہ بیان اور دیگر غیر یقینی حالات کو جواز بنا کر ڈاکٹر کرن سنگھ نے حکومتِ ہند اور ریاستی کونسل کے کچھ وزرأ کے مشورے کے بعد ۹/ اگست ۱۹۵۳ء کو شیخ محمد عبداللہ کو برطرف کر کے اُنہیں گرفتار کر کے کد جیل میں قید کرنے کے احکامات صادر کئے اور اُن کی جگہ بخشی غلام محمد کو نیا وزیر اعظم مقرر کیا۔ دریں اِثناء اُن سے منسلک وزیروں کو بھی برطرف کر دیا گیا۔ اِس گرفتاری کے نتیجے میں ریاست کے کونے کونے میں غم و غصّے کی ایک لہر سی دوڑ گی اور وادی اور ضلع ڈوڈہ میں ہڑتالوں اور جلسے جلوسوں کا ایک سلسلہ سا شروع ہو گیا۔ پولیس ایکشن سے یہ تحریک دبانے کی کوشش میں سینکڑوں لوگ لقمہ ٔ اجل بن گئے۔ ضلع ڈوڈہ کے کچھ موقر کارکنوں کی، جن میں خواجہ عبدالغنی گونی، مولانا عطا اللہ سہر دوری، سیّد میر بادشاہ، محمد ابراہیم، شیخ عبدالعزیز بٹ، محمد یوسف باغوان، عبدالحیٔ خطیب، عبدالغنی مست فریدی، ولی محمد باغوان، غلام محمد نجار، عبدالرشید پاٹیگرو، عشرت کاشمیری، خواجہ سکندر ملک اور کئی دیگر اشخاص کو گرفتار کیا گیا۔ تاہم اپنی جیل سے رہائی کے بعد عبدالغنی گونی اور سیّد میر بادشاہ، بخشی صاحب کی نیشنل کانفرنس میں شامل ہو گئے، جبکہ باقی اصحاب نئی تشکیل دی گئی تنظیم ''آل جموں و کشمیر محاذ رائے شماری'' کے ساتھ ہی منسلک رہے۔ غلام محمد شیخ بھدرواہی، بشیر احمد کچلو اور عبدالرشید پوگلی نے بھی محاذ کا ہی ساتھ دیا، جس کی سربراہی افضل بیگ کر رہے تھے۔ دُوسری طرف اوم مہتہ اور عشرت کاشمیری نے بخشی غلام محمد کا ساتھ دیا۔ کوتوال چونی لال بھدرواہ سے بخشی

صاحب کے ساتھ رہے اور وزارت میں اپنی شمولیت کو برقرار رکھا۔ خواجہ محمد شریف بابا، حبیب اللہ ٹاک اور عبدالرحمٰن دیوانہ کافی دیر تک محاذ رائے شماری کے گرویدہ رہے اور اِس تنظیم کے خاتمے پر سیاست سے ہی دست بردار ہوگئے۔

محاذ رائے شماری کا قیام:

محاذ رائے شماری کی بنیاد مرزا محمد افضل بیگ کی اگست ۱۹۵۵ء میں رہائی کے بعد ۹ اگست کو پڑی۔ اِس میں ضلع ڈوڈہ سے مذکورہ بالا اصحاب بہ استثناء چند، شامل رہے۔ بیگ صاحب کی دوبارہ گرفتاری کے بعد بھدرواہ کے خواجہ عبدالغنی گونی، جو اُس وقت محاذ رائے شماری کے وائس پریذیڈنٹ تھے، کو ہی محاذ رائے شماری کا قائم مقام پریذیڈنٹ مقرر کیا گیا۔ لیکن بخشی صاحب نے اُن سے جیل میں ہی رابطہ قائم کر کے اُنہیں نیشنل کانفرنس میں شامل ہونے کے لئے آمادہ کر لیا۔ اِس طرح گونی صاحب اپنی رہائی کے بعد بخشی صاحب کی وزارت میں شامل ہوگئے۔

بخشی غلام محمد اگرچہ زیادہ پڑھے لکھے نہیں تھے، تاہم وہ بہت سی صلاحیتوں اور قابلیتوں کے مالک تھے، جن کی بدولت وہ کشمیری لوگوں کو اپنی طرف موڑنے میں کامیاب ہوئے۔ سیاسی کارکنوں کی خرید و فرخت اور نئے جوڑ توڑ میں مہارت، مخالفوں پر تشدد کر کے جیلوں میں بند کرنے، مفت راشن دینے اور دیگر قسم کے حربوں کو بروئے کار لا کر بخشی غلام محمد نے اپنی گرفت مضبوط کرنے کی کوشش کی۔ مرکزی حکومت کی طرف سے ریاستی حکومت کو دریا دِلانہ مالی اور اِقتصادی اِمداد نے بھی اُن کو اپنے قدم جمانے میں کامیاب بنایا۔ اِس پر طرہ یہ کہ شیخ صاحب کے حمایتی لوگوں کو دبانے اور ہراساں کرنے کے لئے "پیس بریگیڈ" نامی ایک پولیس فورس قائم کی گئی جسے بے پناہ اختیارات سے لیس کیا گیا۔ خفیہ پولیس کے ایک سلسلے کے ذریعے سیاسی معاملات پر نظر رکھی جاتی رہی۔ کچھ تنظیموں کو توڑنے کے لئے پیسے کا بے دریغ اِستعمال کیا گیا۔ مرکز میں بہت

سے ممبرانِ پارلیمنٹ کی تائید اور حمایت حاصل کر کے بخشی صاحب نے اپنی پوزیشن مضبوط کر لی۔ ریاست میں پولیس ایکشن سے بقول شیخ محمد عبداللہ ''دو ہزار سے تین ہزار کشمیری گولیوں کا نشانہ بن گئے۔''

اپنے اِقتدار کو اور مضبوط کرنے کے لئے بخشی غلام محمد نے ۶ رفروری ۱۹۵۴ء کو آئین ساز اسمبلی کے ذریعے ریاست کے الحاق کی تصدیق ہندیونین کے ساتھ کروائی۔ اُس کے نتیجے میں دفعہ ۳۷۰ کے تحت صدر جمہوریۂ ہند نے ۱۴ رمئی ۱۹۵۴ء کو آئینِ ہند کا اطلاق کچھ ترامیم کے ساتھ ریاست جموں وکشمیر پر کئے جانے کے احکامات صادر کئے۔

بخشی غلام محمد نے دو تین سالوں کے اندر اندر حالات پر پورا کنٹرول حاصل کر لیا۔ ۱۹۴۷ء کے بعد پہلی بار ریاست میں قانون ساز اسمبلی کے چناؤ کروائے گئے' جس میں بخشی غلام محمد کی نیشنل کانفرنس کو ۷۵ سیٹوں میں سے ۶۸ سیٹیں حاصل ہوئیں' پانچ نِشستیں پرجا پریشد اور ایک ایک نشست آزاد اُمیدوار اور مہاسبھا کو چلی گئیں۔ بھدرواہ سے کوتوال چونی لال اور بھلیس بونجواہ سے خواجہ عبدالغنی گونی کامیاب قرار دے دیئے گئے۔ اسمبلی اِنتخابات کے فوراً بعد نیشنل کانفرنس کے دو دھڑے ہو گئے۔ غلام محمد صادق گروپ میں گردھاری لال ڈوگرہ' سیّد میر قاسم' ڈی۔ پی۔ دھر اور غلام رسول رینز و شامل ہوئے۔ اُس نئے اِتحاد نے بخشی غلام محمد کی پالیسیوں کی زبردست مخالفت کی۔ عالمی دباؤ کے تحت پنڈت نہرو بھی شیخ صاحب کو زیادہ دیر زیرِ حراست رکھنا نہیں چاہتے تھے۔ اِس لئے اِس سلسلہ میں بخشی پر مرکز کا دباؤ بنا رہا۔ بالآخر اُنہیں شیخ عبداللہ کو جنوری ۱۹۵۸ء کو رہا کرنا پڑا۔ شیخ عبداللہ کی رہائی کے بعد وادی کی طرف جاتے ہوئے اُن کا جگہ جگہ تاریخی استقبال کیا گیا' حالانکہ سرینگر تک ہر جگہ جلسوں جلوسوں پر قسم قسم کی پابندیاں عائد کر دی گئی تھیں۔ حضرت بل واقعہ کے بعد شیخ عبداللہ کو گرفتار کر لیا گیا۔ ''گاندھر بلی'' کے ہاتھوں شیخ صاحب کے حمائتیوں پر ناقابلِ بیان

ظلم ڈھائے گئے۔ بخشی غلام محمد کی اِن حرکات سے مرکزی سرکار بھی ناخوش تھی۔ ''کشمیر سازش کیس'' کے تحت شیخ عبداللہ کے خلاف مقدمہ دائر کیا گیا۔ڈیموکریٹک نیشنل کانفرنس گروپ نے بھی بخشی سرکار کو آڑے ہاتھوں لیا' البتہ پنڈت نہرو کی مداخلت پر اُن دونوں فریقین میں ایک سمجھوتے کے تحت صادق گروپ کے چار ممبر بخشی صاحب کی کیبنٹ میں شامل ہو گئے۔

اِس کے بعد فروری ۱۹۶۲ء میں ریاستی اسمبلی کے چناؤ عمل میں لائے گئے اور ۱۹۵۷ء کے چناؤ کی طرح ہی اُنہیں بھی بے ضابطگیوں سے پُر اور غیر شفاف کہا گیا۔ اُس چناؤ میں بھدرواہ سے کوتوال چونی لال اور بھلیس بونخواہ سے خواجہ عبدالغنی گونی نے کامیابی حاصل کی۔

بھدرواہ کالج کی منظوری:

شیخ محمد عبداللہ نے لوگوں کے زبردست مطالبے کے پیش نظر اپنے دورۂ بھدرواہ کے دوران بھدرواہ میں ایک کالج کھولے جانے کا وعدہ دیا تھا' جو اُن کی اگست ۱۹۵۳ء میں برطرفی کی وجہ سے پورا نہ ہو سکا تھا۔ البتہ بخشی غلام محمد نے بھدرواہ نواسیوں کے ایک سپاسنامے میں درج مطالبے کے پیشِ نظر یہاں مقامی طور پر کالج دیئے جانے کا اعلان کر دیا۔ اِس سلسلہ میں ۱۹۵۴ء میں حکومت کی طرف سے باضابطہ طور پر احکامات بھی صادر ہوئے۔ بخشی غلام محمد نے موقع پر ہی اراضی حاصل کئے جانے اور کالج کے لئے بلڈنگ کی تعمیر کی احکامات دے دیئے تھے۔ بالآخر ۱۹۵۵ء میں کالج کے پہلے پرنسپل مسٹر عبدالسلام ڈار نے یہاں تدریسی کام شروع کروایا اور دِن رات کی مساعئ جمیلہ سے ایک سال کے اندر ہی اِس نئے کالج میں جان ڈال دی۔

اِس کالج کی بدولت ضلع ڈوڈہ کے اُن غریب اور ذہین طلباء کو بھی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے مواقع مل گئے جو تعلیم کے سلسلہ میں اپنی مالی مجبوری کی وجہ سے

سرینگر یا جموں کے کالجوں میں داخلہ نہیں لے سکتے تھے۔ یہ اُس کالج کی ہی دین ہے کہ پہلے ہی سیشن کے طلباء اور طالبات سے کئی اُمیدوار میڈیکل اور انجینئرنگ وغیرہ کے کورسز کے لئے منتخب ہوئے' جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ریاستی اِنتظامیہ کے بہت سے اُونچے عہدوں پر فائز ہوتے رہے۔ اِنٹرمیڈیٹ پاس کرنے کے بعد کئی طلباء کو سرینگر اور جموں کے کالجوں کے علاوہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں بھی داخلہ لینے کا حوصلہ پیدا ہو گیا اور اُن اداروں میں اپنی قابلیت اور ذہانت کا مظاہرہ کرنے میں وہ کامیاب ہوئے۔ کچھ عرصہ کے بعد اِس کالج کا درجہ بڑھا کہ ڈِگری کالج کر دیا گیا۔
بخشی دور میں لوگوں کی بہبودی کے لئے بہت سے کام ہوئے۔ جگہ جگہ ترقیاتی بلاک قائم ہوئے۔ تحصیل بھدرواہ کے لئے بھی دو بلاک منظور ہوئے اور اُن میں یہاں کے مقامی آفیسر تعینات کئے گئے۔ بھدرواہ بلاک میں بھلیس سے تعلق رکھنے والے ایک جواں سال تعلیم یافتہ شخص مسٹر دینا ناتھ کوتوال (بھال) اور ملانوں بلاک بھلیس کے لئے مسٹر بشیر احمد تاج منتخب ہوئے۔ دونوں حضرات نے اپنے اپنے بلاکوں میں بہت سے تعمیراتی کام سرانجام دیئے۔ دُوسری طرف لوگوں کی مالی مشکلات کا ازالہ کرنے کے لئے محکمہ خوراک کی طرف سے دیئے جانے والے راشن پر سبسڈی منظور ہوئی جس کا فائدہ بڑے بڑے آفیسروں نے بھی اُٹھایا اور کئی متعلقہ ملازمین نے بھی اُس "نعمتِ خداداد" کو مالِ غنیمت سمجھ کر بڑی بڑی جائیدادیں بنا لیں۔ جنگلات کے ٹھیکے رِشتہ داروں' قربت داروں اور منظورِ نظر لوگوں کو ملے' جنہوں نے جنگلات کا ستیاناس کر ڈالا۔ کچھ بڑے بڑے افسروں نے اپنی جاگیر جان کر انہیں خوب لوٹا اور لُٹوایا اور سرمایہ داروں کی صفوں میں شامل ہو گئے۔
اُس دور میں مرکزی سرکار نے ریاست جموں وکشمیر کے لئے بڑی فراخدلی سے رقومات فراہم کیں تاکہ لوگوں کی توجہ "محاذ رائے شماری" کے مطالبے سے ہٹا کر ترقیاتی امورات کی طرف موڑی جا سکے۔ بھدرواہ بشمول بھلیسہ کے بہت سے اُمیدوار

مختلف پیشہ وارانہ تربیتی اداروں کے لئے منتخب ہوئے اور کچھ پڑھے لکھے بے روزگار جوانوں کو سرکاری ملازمتیں دی گئیں۔

پانچ سالہ پلان کے تحت بھدرواہ اور بھلیسہ کے لئے بھی بہت سی رقومات فراہم کی گئیں۔ متعدد نئے سکول کھولے گئے اور بہت سے سکولوں کا درجہ بڑھا دیا گیا۔ اِسی طرح سے حفظانِ صحت' آبپاشی اور ترقیاتی کاموں کی طرف خاص توجہ دی گئی اور بلاکوں کے ذریعہ سڑکوں 'پُلوں اور دیہاتی ضروریات کے پیش نظر دیگر کام ہاتھ میں لے کر پایہ تکمیل تک پہنچائے گئے۔ اِس ضمن میں ہر دو حلقہ اِنتخاب سے چُنے ہوئے نمائندوں نے بھی ترقیاتی کاموں کی طرف کافی دھیان دیا۔

بھدرواہ میں اساتذہ کی پیشہ وارانہ تربیت کے لئے ۱۹۵۵ء میں ایک ٹریننگ سکول کی منظوری دے دی گئی' جس میں ضلع بھر کے اُستاد مستفیض ہوتے رہے۔ اس ادارہ کو بعد میں ہمارے نمائندوں اور لیڈروں کی بے حسی کے وجہ سے کشتواڑ منتقل کیا گیا۔ ریاست میں احیائے علم وادب کی ایک تحریک شروع ہوئی۔ ریاستی سطح پر کلچرل اکیڈمی کے قیام سے تمدنی اور ادبی پروگراموں کو بہت بڑھاوا ملا۔ "جشنِ کشمیر" میں شرکت کی وجہ سے رسا جاودانی کا نام شہرۂ آفاق پر پہنچا۔

بدقسمتی سے اُسی دور میں چھوٹے پیمانے پر رشوت خوری' کنبہ پروری اور سفارش پر کام کرائے جانے کی بدعتیں شروع ہوگئیں۔ مخالف سیاسی تنظیموں کو دبانے کے لئے اوچھے حربے اِستعمال کئے جانے لگے۔ "روٹ پرمٹ سسٹم" سے سیاسی رِشوت کا آغاز ہوا۔ یہاں کے کچھ حضرات کو بھی اِس نعمت سے نوازا گیا۔ اُس دور میں خواجہ غلام رسول آزاد مدرسین کی طرف سے صوبہ جموں کی نشست پر قانون ساز کونسل کے نمائندہ چنے گئے۔ وہ دُوسری بار بھی بلا مقابلہ کامیاب ہوئے لیکن صادق صاحب کے کہنے پر اُنہوں نے استعفیٰ دے ڈالا اور محکمہ تعلیم میں ڈپٹی ڈائریکٹر کے عہدے پر فائز ہوئے اور بعد میں ناظمِ تعلیم کے عہدے سے سبکدوش ہوئے۔

بھلیسہ کے منشی انور بھی اُسی دور میں ممبر قانون ساز کونسل بنائے گئے۔ بالآخر بخشی غلام محمد نے مرکزی سرکار کے ایک خفیہ پلان کے تحت استعفیٰ دے ڈالا جس کو "کامراج پلان" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اِس طرح سے "بڈ شاہ ثانی" کا دور ۱۹۶۳ء میں ختم ہو گیا۔

خواجہ شمس الدین' وزیرِ اعظم (۱۹۶۳ء تا ۱۹۶۴ء)
خواجہ غلام محمد صادق' وزیرِ اعلیٰ (۱۹۶۴ء تا ۱۹۷۱ء)

بخشی غلام محمد کے بعد ۱۹۶۳ء میں خواجہ شمس الدین ریاست کے وزیرِ اعظم بنے اور اُن کے بعد فروری ۱۹۶۴ء میں خواجہ غلام محمد صادق برسر اِقتدار آئے۔ اُن ادوار میں بھدرواہ کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی گئی۔ البتہ یہاں تعلیمی میدان میں کافی پیش رفت ہوئی۔ صادق صاحب نے بھدرواہ کا دورہ کیا۔ اُن دِنوں خواجہ غلام رسول آزاد (مرحوم) کالج کے پرنسپل تھے۔ آزاد صاحب کے اصرار پر صادق صاحب نے کالج کے لئے دو لیبارٹریز کی تعمیر کے احکامات موقع پر ہی صادر کئے۔

۱۹۶۷ء میں بھدرواہ حلقہ اِنتخاب کو شیڈیولڈ کاسٹ حلقہ قرار دے دیا گیا۔ اِس حلقہ میں پرجا پریشد کے ایک سابقہ کارکن شری جگت رام اریَن کو کانگریس کے مینڈیٹ پر کامیاب قرار دے دیا گیا۔ اُسی دور میں خواجہ غلام محمد صادق نے نیشنل کانفرنس کو کانگریس میں ضم کر دیا۔ پرانے نیشنل کانفرنسی' محاذ رائے شماری کے آنگن میں ہی آسن کرتے رہے۔ اُدھر پرجا پریشد کا زور بھی کم پڑتا گیا۔ ۱۹۶۷ء کے اِنتخابات میں حلقہ اِندروال سے گونی صاحب منتخب ہوئے۔ صادق صاحب ۱۹۶۴ء سے ۱۹۷۱ء تک ریاست کے وزیرِ اعلیٰ رہے۔ اُس دور میں شیخ صاحب کو جیل سے رہائی ملی اور مرزا افضل بیگ کی سرپرستی میں "محاذ رائے شماری" میں پھر سے نئی جان پڑ گئی اور وہ وادی کے لوگوں کو ہرا جھنڈا اور پاکستانی نمک کے درشن کرواتے رہے' جس سے کشمیریوں کی

خوش فہمی کا ٹمٹماتا ہوا چراغ کچھ عرصہ کے لئے اور روشن رہا۔

سیّد میر قاسم، وزیر اعلیٰ:

(۱۹۷۱ء تا فروری ۱۹۷۵ء)

سیّد میر قاسم ۱۹۷۱ء میں غلام محمد صادق کی وفات کے بعد وزیر اعلیٰ چنے گئے۔ اُن کا دور فروری ۱۹۷۵ء تک رہا۔ اُس دور میں بہت سے بے روزگار تعلیم یافتہ نوجوان سرکاری نوکریوں میں بھرتی کئے گئے۔ بہت سے تعلیمی ادارے کھولے گئے اور کچھ ترقیاتی کام بھی سرانجام دئے گئے۔ محترمہ اِندرا گاندھی، وزیر اعظم ہند نے ۱۹۷۱ء میں بھدرواہ کا دورہ کیا اور یہاں کے قدرتی مناظر کی بہت تعریف کی۔ بھدرواہ کالج کے تاریخی میگزین کی رسم اجراء اُن کے ہاتھوں سے ہی ہوئی۔ اُس میگزین کو ''رسا نمبر'' کے طور پر شائع کیا گیا تھا۔ اُسی دور میں مہتہ اوم مرکزی سرکار میں شامل کئے گئے، جن کی ذاتی دلچسپی اور عبدالغنی گونی اور دیگر لیڈران کی کاوشوں سے بھدرواہ- چمبہ روڈ منظور ہوئی۔ ۱۹۷۲ء کے چناؤ میں چنتہ کے شری بودھ راج سمن اِس حلقہ (بھدرواہ) سے کامیاب ہوئے لیکن تاریخ پیدائش میں کچھ سُقم ہونے کے بناء پر اُن کا چناؤ رد قرار دے دیا گیا اور اُنہیں اپنی رُکنیت سے ہاتھ دھونا پڑا۔ ضمنی چناؤ میں بھارتیہ لوک دل کے ایک اُمیدوار بھگت نارائن داس کامیاب ہوئے۔ نارائن داس بھی، جو پہلے پرجا پریشد کے زعفران زاروں میں ہوا خوری کر کے تازہ دم ہو کر ''کنول کا پھول'' ہاتھوں میں لئے اِس کی تحریکوں میں اپنا جوش دِکھا چکے تھے اور جو اپنا زانوئے تلمذ جناب عبدالرحمٰن شیخ جیسے پرجا پریشد لیڈر کے سامنے طے کر چکے تھے، اب اپنے اُستاد کو ''لوک دل'' کی طرف رُخ کرتے ہوئے دیکھ کر بھارتیہ لوک دل میں شامل ہو گئے۔ اِدھر ۱۹۷۲ء میں بھدرواہ کے جوشیلے لیڈر شیخ عبدالرحمٰن حلقہ انتخاب جموں (شمال) سے کامیاب قرار دے دیئے گئے۔

بھدرواہ کے ممبرانِ اسمبلی نے بھدرواہ کی ترقی کے لئے بازار سیری میں بہت سی تقریریں کیں لیکن یہ آوازیں نقار خانے میں طوطی کی آواز کے مترادف، بھدرواہ کے اُونچے اُونچے پہاڑوں کے گھنے جنگلات میں ہی گم ہو کر رہ گئیں۔ تاہم اُن کے خلوصِ نیت پر کسی کو شک کرنے کی گنجائش نہیں۔ ۱۹۷۱ء کے دوران جناب محمد یوسف ٹینگ، ڈپٹی سکریٹری کلچرل اکیڈمی سرینگر کی سربراہی میں مختلف کلچرل وفود نے ضلع ڈوڈہ کا بالعموم اور بھدرواہ کا بالخصوص دورہ کیا تو بھگت تھیٹر کی طرف سے پہلی بار کشمیری ڈرامے سے لوگ رُوشناس ہوئے۔ ضلعی اور تحصیلی سطح پر مشاعرے ہونے لگے اور کئی ادبی تنظیموں کو اِستحکام ملا۔ ۱۹۷۲ء میں ''اِصلاحاتِ اراضی'' بل پاس ہوا جس سے زمین میں درمیانہ داری کا سلسلہ ختم ہوا۔ شیخ محمد عبداللہ کی ایماء پر ۱۹۷۳ء میں ریاست میں ''سہائے کمیٹی'' کا تقرر عمل میں لایا گیا جس میں بھدرواہ سے راقم الحروف اور پروفیسر عبدالرحیم مغل نے بطور ممبر شمولیت کی۔ اُس کمیٹی نے نظامِ تعلیم میں بہت سی تبدیلیاں لانے کی سفارشات پیش کیں۔

اِندرا۔ شیخ ایکارڈ اور

شیخ محمد عبداللہ کا دُوسرا دورِ حکومت:

(مارچ ۱۹۷۵ء تا ۱۹۷۷ء)

جنوری ۱۹۷۴ء سے ہی مرکزی حکومت اور شیخ محمد عبداللہ کے درمیان پارتھا سارتھی اور خواجہ محمد افضل بیگ کی وساطت سے شیخ صاحب کو ہندستان کے موقف کی زیادہ تحفظات کو ملحوظ رکھتے ہوئے ریاست جموں وکشمیر کی حکومت پھر سے سونپنے کے بارے میں بات چیت کا ایک مسلسل سلسلہ شروع ہوا اور ایک معاہدے کی راہ ہموار ہو گئی۔ جس کے متن میں درج شرائط کو بالآخر شیخ عبداللہ نے ۱۲ فروری ۱۹۷۵ء کو قبول کر لیا۔ اِندرا گاندھی نے اس ایکارڈ کا اعلان ''کشمیر ایکارڈ'' کے طور پر ۲۴ فروری ۱۹۷۵ء

کو کیا۔ اُس میں ہندوستان کے ساتھ الحاق کو تسلیم کرتے ہوئے ریاست اور مرکز کے تعلقات کو آئینِ ہند کی دفعہ ۳۷۰ کے تحت جاری رکھنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس طویل معاہدے کی رُو سے ۱۹۵۳ء کے بعد رُو بہ عمل یا نفاذ شدہ قوانین کی نظر ثانی کے اختیارات حکومتِ کشمیر کو دئے گئے۔ اس ایکارڈ سے ریاست جموں و کشمیر کے آئین میں وضاحت کردہ شقوں کی ترمیم کئے جانے کی صورت میں صدر جمہوریہ ہند کی منظوری لازمی قرار دے دی گئی اور وزیر اعلیٰ یا گورنر کے عہدوں کے ناموں میں کسی قسم کی تبدیلی کی پابندی لگا دی گئی۔ اِن قیود اور ایکارڈ کی مدّات کی رُو سے شیخ محمد عبداللہ اپنی اِبتدائی حیثیت حاصل کرنے میں ناکام ہوئے۔ آخر کار سیّد میر قاسم وزیر اعلیٰ نے ایکارڈ کو منظر عام پر لانے سے پہلے ہی اپنا استعفیٰ پیش کیا اور کانگریس پارٹی کے نمائندوں کی حمایت سے شیخ عبداللہ نے وزیر اعلیٰ کی گدی ۲۵ رفروری ۱۹۷۵ء کو سنبھالی اور اِس طرح سے اُن کا دُوسرا دورِ اقتدار شروع ہو گیا۔ اِس پر سیاسی حلقوں میں ایک ہلچل پیدا ہو گئی اور اِس سارے ڈرامے کو شیخ عبداللہ کے ہوسِ اقتدار اور سمجھوتہ بازی کے ناموں سے محلول کیا گیا۔ شیخ کی کشمیریوں کے ''حق خود ارادیت'' کے مؤقف کی کرسئ اِقتدار کے عوض تبدیلی اور دست کشی کو قابل مذمت فعل قرار دیا گیا۔ اِس ایکارڈ کی نہ صرف محاذ رائے شماری کے ممبران نے، بلکہ جن سنگھ جیسی تنظیم نے بھی زبردست مخالفت کی۔

محاذ رائے شماری کا خاتمہ:

۵ رفروری ۱۹۷۵ء کو شیخ عبداللہ اور مرزا افضل بیگ نے ''محاذ رائے شماری'' کو تحلیل کر کے اِسے نیشنل کانفرنس میں ضم کرنے کا اعلان کیا۔ اِس پر اُن کے بہت سے ساتھی ناراض ہو گئے اور اُنہوں نے نیشنل کانفرنس کا ساتھ چھوڑنے کا فیصلہ کیا۔ اِس ضمن میں بھدرواہ کے محاذ سے وابستہ بہت سے اراکین نے بھی اِس تنظیم سے علیحدگی اِختیار کی۔ اُن میں شیخ محمد ابراہیم، مجاہد غلام محمد، عبدالحیٔ خطیب وغیرہ سر فہرست ہیں۔

اُن کے علاوہ بھی کئی کارکنان نے اِس قدم کو ’’قوم سے ایک دھوکا‘‘ قرار دے کر شیخ عبداللہ سے دُور رہنے کی ٹھان لی۔ نیشنل کانفرنس اور کانگریس کے اراکین میں وقتاً فوقتاً کچھ تنازعات اُٹھتے رہے۔ دُوسری طرف شیخ محمد عبداللہ کے کچھ اقدامات کو مرکزی لیڈران بھی ناپسندیدگی سے دیکھتے رہے۔

ضلع ڈوڈہ میں سنگل لائن ایڈمنسٹریشن کا قیام:

اُس وقت کے ضلع ڈوڈہ کے ڈپٹی کمشنر اور موجودہ چیئر مین پبلک سروس کمیشن، جناب محمد شفیع پنڈت کی تجویز پر شیخ عبداللہ نے ۸/دسمبر ۱۹۷۶ء کو ڈوڈہ میں ریاستی کابینہ کے اراکین اور مختلف محکموں کے سربراہوں اور سیکریٹریوں، حکومت کے دیگر عہدہ داروں کی منعقدہ میٹنگ میں سنگل لائن ایڈمنسٹریشن کا اعلان کرتے ہوئے اِس کی غرض وغایت کی وضاحت کی۔ اُنہوں نے کہا کہ متعلقہ محکمے ضلع ڈوڈہ کے سماجی اور اِقتصادی مسائل کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد مختلف اسکیموں کا خاکہ تیار کریں اور اُن کو لوگوں کے مشورے کے بعد رُو بہ عمل لانے کی کوشش کریں۔ حکومت ان منصوبوں کی تکمیل کے لئے ضلع کو علیحدہ مالی سہولیات فراہم کرے گی۔ اِس طرح سے ڈوڈہ کے صدر مقام پر ریاست میں سب سے پہلی منعقد ہونے والی ڈسٹرکٹ ترقیاتی بورڈ کی میٹنگ عمل میں آئی۔ اِس کے بعد ترقیاتی بورڈوں کا دائرہ ہر ضلع تک بڑھایا گیا۔

ظاہر ہے کہ اِس انتہائی اہم فیصلے کا ایک خوش گوار اثر بھدرواہ اور بھلیسہ ٹھاٹھری اور دیگر ملحقہ علاقہ جات پر بھی پڑا اور اِن سبھی علاقوں میں ترقیاتی کاموں میں کچھ پیش رفت ہوئی۔

***

کانگریس کا شیخ سرکار سے حمایت واپس لینے کا ڈراما اور

نئے اسمبلی اِنتخابات:

اسمبلی کے اجلاس کے دوران کانگریس کے دس ممبران کا ایک دھڑا عبدالغنی لون کی قیادت میں علیحدہ ہو گیا، جس نے اگست ۱۹۷۶ء میں نیشنل کانفرنس میں شامل ہونے کا اعلان کیا۔ ۱۹۷۷ء کے پارلیمانی چناؤ میں کانگریس کا ڈھانچہ کچھ اِس طرح سے گرا کہ شمالی ہند میں اِسے شکستِ فاش کا منہ دیکھنا پڑا۔ اِس خوف سے کہ اب شیخ عبداللہ جنتا پارٹی کے ساتھ معاہدہ کر کے کانگریس سے علیحدہ ہوں گے۔ اِندرا گاندھی نے ۲۷/ مارچ ۱۹۷۷ء کو شیخ عبداللہ کی حکومت سے اپنی حمایت واپس لے لی۔ گورنر ایل. کے. جھا نے اسمبلی توڑ کر نئے الیکشن کرانے کا اعلان کر دیا۔ اِس کے نتیجہ میں جولائی ۱۹۷۷ء میں اسمبلی کا چناؤ عمل میں لایا گیا اور شیخ صاحب کی پارٹی کو ۷۶ سیٹوں میں سے ۴۷ نشستیں حاصل ہوئیں۔ بھدرواہ سے جنتا پارٹی کے نارائن داس اور اِندروال سے نیشنل کانفرنس کے شیخ غلام محمد بھدرواہی کامیاب قرار دیئے گئے۔ اِس چناؤ میں جنتا پارٹی کو صرف تیرہ سیٹیں ملیں جبکہ کانگریس کو گیارہ، جن سنگھ کو تین اور جماعتِ اسلامی کو صرف ایک سیٹ حاصل ہوئی۔

شیخ عبداللہ کا تیسرا دورِ حکومت:

(۹/ جولائی ۱۹۷۷ء تا ستمبر ۱۹۸۲ء)

شیخ محمد عبداللہ کو اِس کامیابی کے بعد حسب مراد ۹/ جولائی ۱۹۷۷ء کو وزیرِ اعلیٰ کا دستارِ فضیلت پہنایا گیا۔ وادی میں کانگریس پارٹی کو ایک بھی نشست حاصل نہ ہونے کی صورتِ حال کو اندرا۔ شیخ ایکارڈ کو مسترد کئے جانے کی ایک دلیل کے طور پر پیش کیا جانے لگا۔ شیخ عبداللہ کے خلاف مرکز میں اندر ہی اندر سے کچھ سراسیمگی سی پیدا

ہونا شروع ہوئی۔ اُسی دوران مرزا افضل بیگ کو پارٹی سے نکال دیا گیا، جو چالیس سال تک شیخ صاحب کا ساتھ دیتے رہے۔ اِدھر سے صوبہ جموں میں بھی طبقاتی نابرابری اور بیروزگاری کے خلاف مظاہرے ہونے لگے۔ شیخ عبداللہ نے اس سلسلہ میں ایک کمیشن کی تقرری کی جو "سرکاریہ کمیشن" کے نام سے مشہور ہے۔ پھر بھی وادی میں عوامی ایکشن کمیٹی اور اِنقلابی نیشنل کانفرنس (جس کی بنیاد بیگ صاحب نے ڈالی تھی) دونوں شیخ صاحب کے خلاف اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ اُدھر سے کانگریس اور جنتا پارٹی نے بھی ایک خفیہ معاہدہ کیا اور دونوں شیخ عبداللہ کے درپے ہوگئیں۔

۱۹۸۰ء میں لوک سبھا چناؤ عمل میں لائے گئے جس میں کانگریس کی جیت ہوئی۔ اُودھم پور حلقۂ انتخاب سے ڈاکٹر کرن سنگھ منتخب ہوئے۔ اُنہوں نے بھی علاقائی نابرابری کے بارے میں لوک سبھا میں زبردست قسم کے بیانات دیئے۔ اِندرا گاندھی اور شیخ عبداللہ کے درمیان پھر اِختلافات بڑھنے شروع ہوگئے۔ خرابیٔ صحت کی بناء پر شیخ عبداللہ نے اپنے بیٹے ڈاکٹر فاروق عبداللہ کو پارٹی کا صدر مقرر کیا، جس کے نتیجہ میں اُن کا داماد غلام محمد شاہ ناراض ہوگیا اور اُنہوں نے اپنا ایک نیا گروپ بنا ڈالا۔ اِس کے بعد شیخ صاحب ۸ر ستمبر ۱۹۸۲ء کو فات پا گئے۔ وہ ضلع ترقیاتی بورڈ ڈوڈہ کی میٹنگ منعقد کرنے کے بعد بذریعہ طیارہ سرینگر جارہے تھے کہ اُڑان کے دوران اُن کے سینے میں بڑی شدّت کا درد شروع ہوگیا۔ سرینگر میں اُن کی حرکتِ قلب بند ہوگئی اور وہ اِس دُنیائے فانی سے رُخصت ہوگئے۔ اُسی روز فاروق عبداللہ کو ریاست کا چیف منسٹر بنایا گیا اور خاندانی راج نے ریاست میں ایک بار پھر سے جنم لیا۔ شیخ صاحب کی آخری رسومات میں مسز اِندرا گاندھی اور صدر جمہوریہ گیانی ذیل سنگھ کے علاوہ مرکزی اور ریاستی کابینہ کے وزراء نے بھی شرکت کی اور وادی اور وادی سے باہر کے لاکھوں لوگ اُن کے جنازہ میں شامل ہوئے۔ بھدرواہ سے بھی بہت سے کارکنانِ نیشنل کانفرنس نے جنازے میں شرکت کی۔

مرحوم شیخ محمد عبداللہ کے اِس دورِ اقتدار میں بھی بہت سے سماجی، تعلیمی اور اِقتصادی اِصلاحات عمل میں لائے گئے، جن میں صوبہ جموں کے لئے یونیورسٹی کی منظوری، اناج پر ملنے والی سبسڈی میں بتدریج کمی، ملازمین کو مرکزی سطح پر مہنگائی الاونس کی ادائیگی اور کئی دیگر عوامی فائدے کے امورات شامل ہیں۔ بدقسمتی سے شیخ صاحب ۱۹۷۵ء میں اپنی تقریر میں کیئے جانے والے کچھ اہم وعدوں کو عملی جامہ نہ پہنا سکے، جن میں رشوت خوری کا خاتمہ اور سماجی بے اِنصافیوں کا قلع قمع کرنا وغیرہ شامل ہیں۔ وہ اپنی ایڈمنسٹریشن میں وہ ورک کلچر بھی پیدا نہ کرسکے جس کی بسااوقات اُنہوں نے خواہش ظاہر کی تھی۔ رشوت خوری اور کنبہ پروری میں بڑی حد تک اضافہ ہوتا رہا اور وہ بے بس تماشائی کی طرح اپنی کرسی پر جمے رہے۔ ۲۷ر جون ۱۹۸۱ء کو گندو نیابت کو تحصیل کا درجہ دیا گیا اور ہائی سکول کلہوتران کو ہائر سیکنڈری سکول کا درجہ دینے اور مڈل سکول چلی کا درجہ بڑھا کر ہائی سکول میں تبدیل کرنے کا اعلان شیخ صاحب نے بانہال میں منعقدہ بورڈ میٹنگ میں کیا۔ اُن کے اِس دورِ اقتدار میں کئی دُور دراز علاقوں میں ہائی سکولوں کا درجہ بڑھایا گیا، جن میں ہائی سکول دچھن (مڑوہ)، ہائی سکول مڑوہ اور ہائی سکول پاڈر کے علاوہ ہائی سکول واڑون شامل ہیں۔ اُس دور میں ضلع ڈوڈہ کی ہر تحصیل میں تعلیمی میدان میں بہت پیش رفت ہوئی اور تعمیری کاموں کے کئی منصوبے تیار کیئے گئے۔

۱۹۸۱ء میں ہی نیابت ٹھاٹھری کو بھی تحصیل بھدرواہ سے علیحدہ کر کے ایک تحصیل کا درجہ دیا گیا۔ اِن احکامات کے بعد تحصیل بھدرواہ ایک این.ای.ایس. بلاک اور پندرہ پنچائتوں پر مشتمل رہ گئی جس سے یہاں کی مقامی تجارت کو بڑا دھچکا لگا۔ بدقسمتی سے بھدرواہ کاہرہ۔ گندوہ روڈ کا مجوزہ منصوبہ صرف کاغذوں میں ہی گم ہوکر رہ گیا اور اُس پر آج تک کسی قسم کی کارروائی نہیں ہو پائی۔[1] شیخ عبداللہ کے بارے میں

---

[1] غلام نبی آزاد کے دورِ اقتدار میں اِس سڑک کی تعمیر کا کام شروع ہوا۔

ایک معروف صحافی آر. کے. بھارتی اپنے ایک مضمون میں یوں رقمطراز ہیں:

''ہر نوجوان بیک جنبش قلم اس چرخ پیر تلے انقلاب برپا کرنے کے خواب بھی دیکھتا ہے اور کچھ دِنوں کے لئے ''باغی عبداللہ'' بھی بن جاتا ہے لیکن ''باغی عبداللہ'' سے وزیرِاعلیٰ شیخ محمد عبداللہ بننے تک اِس کی تمام تر تیزی کند ہو جاتی ہے اور وہ پھر اُسی جاگیردارانہ نظام کا حصہ بن جاتا ہے، جس کے خلاف وہ کبھی علم بغاوت بلند کر کے سینہ سپر ہو گیا ہوتا ہے۔''

(بحوالہ رسالہ ''انجمن'' کشتواڑ شمارہ:۴)

موقر روزنامہ ''کشمیر ٹائمز'' کی ۱۸ر دسمبر ۲۰۰۶ء کی اشاعت میں ''مرکز نے شیخ کو......... کیا'' کے عنوان سے ایک مشہور قلم کا مسٹر پی. این. بُسس کے چھپے ہوئے ایک انگریزی خطہ کا ترجمہ قارئین کی دلچسپی اور اِطلاع کے لئے شیر کشمیر کے آخری دورِ اقتدار کے واقعات کو قلمبند کرنے کے بعد شامل کیا جا رہا ہے، جس سے شیخ صاحب مرحوم کی ہمہ جہت شخصیت کے کچھ مزید پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے۔ وہ یوں رقمطراز ہیں: '' ـــــــ کچھ اور بھی باتیں ہیں جنہیں تسلیم کیا جانا چاہئے تاکہ شیر کشمیر کی تاریخ حیات زیادہ واضح اور VIVACIOUS ہو سکے۔ شیخ عبداللہ ایک تحریکی فیضان کا ادارہ ہونے کے علاوہ متانت اور رحمدلی کے مجسمہ تھے ـــــــ اُن کا مشن غریب اور مفلس لوگوں کو نجات دلانا تھا۔ ریاست کے لوگوں کو غلامی اور زرعی استحصال سے چھٹکارا دِلانے کے لئے وہ گرمجوشی سے آرزومند تھے۔ اُن کے سیکولرازم' آزادی اور برابری پر غیر متغیر اور غیر متزلزل عقیدے کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اُنہوں نے اپنی برادری اور قریبی احباب سے دُشمنی مول لی مگر کبھی بھی بنیادی اصول کو ذاتی دلچسپی یا شہرت پر قربان نہیں کیا ـــــــ افسوس ہے کہ مرکز نے ہمیشہ اُن کی حق گوئی کو عیاری سے محلول کیا۔ اُنہوں نے اِسے بے جا مداخلت سے befuddle کیا اور اُنہیں شک کی نگاہ سے دیکھا، جس سے اُن کے اعتماد پر ضرب کاری لگا دی گئی۔ مرکز نے اُنہیں نیچا دِکھانے

کے لئے کام کیا۔ اِنتقام کے لئے تانا بانا بُن کر مشتبہ اور سستے قسم کے کرداروں (لوگوں) جو بہت حد تک لادین تھے' سے اِشتراک حاصل کیا اور شیخ صاحب کے خلاف خفیہ طور پر سازش تیار کر کے اُنہیں راہ دکھائی۔ اِس معاندانہ سازش سے بے خبر اُنہیں ''حضرت بل سازش'' کیس میں ملوث کر کے اِقتدار سے نکال کر جیل میں مقید کیا گیا ——— ایک بہادر سپاہی اور حقیقت پسندی کے علم بردار کے طور پر اُنہوں نے اِس للکار کو ہنستے ہوئے قبول کیا مگر اِس کے پیچھے شامل غنڈوں کے سامنے فریاد کرنے کا کبھی فیصلہ نہ کیا۔ شیخ صاحب کے اٹانومی کے نظریے کو ہمیشہ شک کی بنیاد پر پاکستان سے جوڑ کر دیکھا گیا۔ اگر اُن کے اس نظریے کو باہمی اور مکمل طور پر نتھارا گیا ہوتا تو ہماری متبرک سرزمین پُرتشدّد دلھوبھرے واقعات کا مرکز نہ بنتی۔ اُن کے ''ہندو' مسلم' سکھ اِتحاد'' نعرے کی بازگشت ابھی بھی کشمیریوں کے دل و دماغ میں گونجتی نظر آتی ہے جو موجودہ صورتِ حال میں بھی قابل اعتماد ہے۔ وہ بے شک وشبہ ''نیا کشمیر'' کے بانی کار تھے۔ میرے لئے یہ عظیم شخصیت ابھی زِندہ ہے۔ ایسی ارواح کبھی نہیں مرتیں' کیونکہ وہ نسلوں کے لئے بہت سی راہیں اور فرمودات چھوڑ جاتے ہیں۔ میں اس بڑے سپاہی کو کشمیریت اور اِس کی قدیمی شان و شکوہ کو محفوظ رکھنے کے لئے اُن کے لامثال قربانیوں کو سلام کرتا ہوں ———''

(از: پی این سُس' ترجمہ: بشیر بھدرواہی)

ڈاکٹر فاروق عبداللہ بطور وزیر اعلیٰ:

(۸ر ستمبر ۱۹۸۲ء تا ۲ر جولائی ۱۹۸۴ء)

وزیر اعلیٰ شیخ محمد عبداللہ کی وفات پر ۸ر ستمبر ۱۹۸۲ء کو ریاست کے گورنر بی. کے. نہرو نے ڈاکٹر فاروق عبداللہ کو بحیثیت وزیر اعلیٰ حلف دِلوایا۔ ظاہر ہے کہ مسز اِندرا گاندھی اور مرکزی حکومت کی ایماء پر ہی فاروق سرکار بنی لیکن جون ۱۹۸۳ء میں وزیر اعلیٰ کی سفارش پر ریاستی اسمبلی کو برخاست کر کے نئے چناؤ عمل میں لائے گئے'

جن میں نیشنل کانفرنس نے پھر ایک بار اکثریت حاصل کرلی۔ چناؤ کا نتیجہ نکلتے ہی ڈاکٹر فاروق عبداللہ کو نیشنل کانفرنس پارٹی لیڈر چنا گیا اور ۱۲ر جون ۱۹۸۳ء کو اُن کی وزارت کے اراکین کو حلفِ وفاداری دِلوایا گیا۔ اُن دِنوں مفتی محمد سعید کانگریس پارٹی کے ریاستی صدر تھے، جنہوں نے اُس الیکشن میں کی گئی مبینہ دھاندلیوں کی پُرزور مذمت کی۔ نیشنل کانفرنس نے اُس چناؤ میں ۴۷ نشستیں حاصل کیں۔ بھدرواہ (ریزرو) سے کانگریس کے منڈیٹ پر مسٹر ہری لال ہتیشی چناؤ جیتے۔ کانگریس کو صوبہ جموں میں نمایاں کامیابی حاصل ہوئیں۔ اِس پارٹی کے حصّے میں ۲۶ سیٹیں آئیں جبکہ باقی پارٹیوں کو کوئی خاص کامیابی حاصل نہ ہوسکی۔ حلقۂ انتخاب اِندروال سے نیشنل کانفرنس کے اُمیدوار شیخ غلام محمد بھدرواہی کامیاب قرار پائے۔ اُنہوں نے کانگریس کے اُمیدوار خواجہ عبدالغنی گونی کو ہرایا۔

ڈاکٹر فاروق عبداللہ کی برخاستگی اور

غلام محمد شاہ بطور وزیر اعلیٰ (۲ر جولائی ۱۹۸۴ء تا نومبر ۱۹۸۶ء):

وادی کے مختلف حِصّوں میں عسکری تنظیموں کی پُرتشدد کارروائیاں شروع ہوجانے کے باعث مرکزی سرکار کو گورنر بی. کے. نہرو کی جگہ مسٹر جگ موہن جیسے آہنی اِرادے والے آدمی کو بطور گورنر ریاست جموں و کشمیر تعینات کرنا پڑا تاکہ اُن تنظیموں کا قلع قمع کیا جاسکے۔ مرکزی سرکار فاروق عبداللہ کو اُن کی مخالف سیاسی پارٹیوں کے ساتھ میل جول کو شکوک کی نگاہوں سے دیکھتی رہی۔ دُوسری طرف فاروق عبداللہ کے بہنوئی اور شیخ عبداللہ کے داماد (جو اپنے آپ کو شیخ صاحب کا جانشین تصور کرتے تھے) نے پارٹی میں ایک مخالف گروپ تیار کر کے ۲۳ر مئی ۱۹۸۴ء کو ایک کنونشن کا اِنعقاد کیا جس میں فاروق عبداللہ کو نیشنل کانفرنس کی صدارت سے برخاست کیے جانے کے بارے میں ایک قرارداد پاس کروائی اور اُس کی جگہ اپنی بیوی خالدہ کو نیشنل کانفرنس

کا صدر مقرر کیا۔ اُس کنونشن میں شیخ محمد عبداللہ کے دستِ راست اور اُن کے سابقہ وزراء میں سے دیوی داس ٹھاکر، غلام نبی کوچک، موہن کشن ٹکو اور شاہین جیسی شخصیات نے شرکت کی۔ گورنر جگ موہن نے ۲؍جولائی ۱۹۸۴ء کو فاروق سرکار کو برخاست کر ڈالا اور اُس کی جگہ غلام محمد شاہ کو غیر آئینی طریقہ سے ریاست کا وزیرِ اعلیٰ بنا ڈالا۔ اس غیر جمہوری کارروائی کی ملک میں اور بیرون ملک زبردست مذمت ہوئی۔ یہ دراصل بقول السٹر لیمب ''گورنر کے ذریعہ چلائی جانے والی مرکزی حکومت کی طرف سے ایک کٹھ پتلی حکومت تھی۔''

غلام محمد شاہ کی حکومت کو نیشنل کانفرنس کے تیرہ ممبران کی حمایت حاصل تھی جبکہ کانگریس کے ۲۶ ممبران نے بھی جی۔ایم۔شاہ صاحب کی حمایت کی۔ اسمبلی کا اجلاس منعقد ہونے سے پہلے پہلے نیشنل کانفرنس کے تین مزید ممبروں نے بھی شاہ سرکار کا ساتھ دینے کا اعلان کر ڈالا جس میں بھدرواہ نواسی شیخ غلام محمد بھدرواہی ایم۔ایل۔اے اِندروال بھی شامل تھے، جنہیں ایک وزیر کے طور پر حلف دِلوا کر مکانات اور شہری ترقی کا قلمدان سپرد کیا گیا۔

وادیٔ کشمیر میں زبردست ہنگامے:

وادیٔ کشمیر میں زبردست ہنگاموں کے نتیجے میں قانون ساز اسمبلی کے ۳۱؍جولائی ۱۹۸۴ء کے مجوزہ اجلاس کے انعقاد سے پہلے پہلے پولیس کی گولیوں سے تقریباً تیس (۳۰) لوگ جان بحق ہوگئے۔ اِس کے بعد وادی میں بار بار کرفیو نافذ ہوتا رہا جن کی وجہ سے لوگوں نے غلام محمد شاہ چیف منسٹر کو ''گل کرفیو'' کے نام سے پکارنا شروع کر دیا۔ اُس دور میں وادیٔ کشمیر کی مساجد میں جمعہ کے روز اذانیں تک دینا بند ہوگئیں اور ۱۳؍جولائی کے ''یوم الشہداء'' کی تقریبات، جو ۱۹۳۱ء سے لگاتار منائی جاتی رہی ہیں، نہیں منائی جا سکیں۔

غلام محمد شاہ کا استعفیٰ اور

گورنر راج، جگ موہن کے تحت:

۷؍مارچ ۱۹۸۶ء تا نومبر ۱۹۸۶ء)

غلام محمد شاہ کی حکومت کی برطرفی کے لئے ڈاکٹر فاروق عبداللہ نے ریاست بھر کے دورے کئے۔ وہ ضلع ڈوڈہ کے مختلف حصّوں میں بھی بڑی کامیابی کے ساتھ جلسے کرتے رہے۔ لوگ غلام محمد شاہ کی حکومت سے پہلے ہی دِل برداشتہ ہو چکے تھے۔ دُوسری طرف سے راجیو گاندھی کے ہاتھوں ''بابری مسجد'' کے دروازے عام لوگوں کے لئے کھولے جانے پر صوبہ جموں کے مسلمانوں میں رنج اور غصے کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اِس سلسلہ میں اُنہوں نے ایک ''مُسلم ایکشن کمیٹی'' کا قیام عمل میں لا کر جگہ جگہ جلسے اور جلوس نکالنا شروع کئے۔ اِس کے ردّ عمل میں شیوسینا نے بھی جلسے کئے اور جلوس نکالے جن میں ''ہندوستان میں رہنا ہے، تو رام رام کہنا ہے'' جیسے نعرے لگائے۔ اِسی طرح سے مسلمانوں نے بھی اُن نعروں کے ردّ عمل کے طور پر کچھ ہندو مخالف نعرے گھڑ لئے۔ اِن سب باتوں سے فرقہ وارانہ تناؤ بڑھتا چلا گیا۔ جموں میں آپسی مٹھ بھیڑ میں کچھ لوگ زخمی بھی ہوئے۔ جموں میں بھی کرفیو کا نفاذ ہوا۔ اِن حالات نے وادی میں تیل پر دِیا سلائی کا کام کیا۔ وہاں پر کچھ غیر مسلم لوگوں کی دُوکانیں لوٹی گئیں اور وہاں پاکستان اور خالصتان کے حق میں نعرے لگائے گئے۔ اُن حالات کا کچھ اثر سرینگر کے مفصلات پر بھی پڑا اور وہاں کے حالات بھی خراب ہوتے چلے گئے۔ شاہ صاحب کی ''دلنگڑی حکومت'' بگڑتے ہوئے حالات کو قابو میں نہ لا سکی۔ بالآخر اُنہیں ۷؍مارچ ۱۹۸۶ء کو استعفیٰ دینا پڑا۔ گورنر جگ موہن نے ریاست میں گورنری راج لگا دیا۔ جگ موہن کا دورِ حکومت مارچ ۱۹۸۶ء تا نومبر ۱۹۸۶ء رہا۔ اِس کے بعد ریاست جموں و کشمیر پہلی بار صدر راج کے تحت آئی۔

راجیو-فاروق سمجھوتہ

کانگریس اور نیشنل کانفرنس کی مخلوط سرکار:

(۷رنومبر ۱۹۸۶ءتا نومبر ۱۹۸۶ء)

راجیو گاندھی کے سربراہی میں چلنے والی مرکزی سرکار ٗریاست جموں وکشمیر کوزیادہ دیر تک مرکزی حکومت یا صدر راج کے تحت نہیں رکھنا چاہتی تھی۔ اِس لئے اُنہوں نے فاروق عبداللہ کو ایک ایکارڈ کے تحت یہاں کانگریس اور نیشنل کانفرنس کی مخلوط سرکار بنانے پر راضی کرلیا۔ یہ ایکارڈ ''راجیو-فاروق سمجھوتے'' کے نام سے مشہور ہے۔ اِس سمجھوتے کے تحت ۷رنومبر ۱۹۸۶ء کو ریاست میں ڈاکٹر فاروق عبداللہ کی قیادت میں مذکورہ ''ملی جلی'' سرکار قائم کی گئی اور ساتھ ہی مارچ ۱۹۸۷ء میں قانون ساز اسمبلی کے لئے عام چناؤ کروائے جانے کا فیصلہ بھی کیا گیا۔ ریاست میں اُسی روز صدر راج کا خاتمہ ہوا۔ اُس ''لین دین'' کے عوض راجیو گاندھی نے دسمبر ۱۹۸۶ء میں سرینگر آکر ریاست کی ترقی کے لئے مرکز کی طرف سے ایک ہزار کروڑ روپے کی رقم فراہم کرنے کا اعلان کیا۔ اُس سمجھوتے کو بھی مرکز کی طرف سے کشمیریوں پر حکومت ٹھونسے جانے کے اِلزامات لگے۔

۱۹۸۶ء کے اسمبلی چناؤ

ہری لال ہتیشی اور محمد شریف نیاز کی بطور وزیرِ مملکت تقرری:

مارچ ۱۹۸۶ء کے اِنتخابات میں بھدرواہ حلقہ انتخابات سے مسٹر ہری لال ہتیشی کامیاب قرار دیئے گئے جبکہ حلقہ اِندروال سے کانگریس کے اُمیدوار مسٹر محمد شریف نیاز کامیاب ہوئے۔ ہتیشی صاحب کو وزیرِ مملکت برائے تعلیم اور نیاز صاحب کو وزیرِ مملکت برائے قانون کے عہدوں پر معمور کیا گیا۔ دونوں حضرات نے اپنے

مختصر سے دورِ اقتدار میں عام لوگوں کے ساتھ اچھے سلوک کا مظاہرہ کیا اور نئے ترقیاتی کاموں کے لئے منصوبہ بندی کروائی جن کو رُوبہ عمل لانے کا اِن اصحاب کو وقت ہی نہیں ملا کیونکہ یہ گٹھ جوڑ سرکار ۱۹۹۰ء کے پہلے ماہ تک ہی چل پائی۔ السٹر لیمب کے الفاظ میں ''بہ استثنیٰ ۱۹۷۷ء میں کیئے گئے الیکشنوں کے ۱۹۸۷ء کے اِنتخابات بھی اُسی طرح غیر آزادانہ اور غیر شفاف تھے جیسے کہ ریاست کی ہسٹری میں کیئے گئے دُوسرے چناؤ۔ یاد رہے کہ اُس چناؤ میں نیشنل کانفرنس کو مجموعی طور پر ۳۹ نشستیں، کانگریس کو صوبہ جموں میں ہی ۲۴ نشستیں (۴ وادی کشمیر میں)، مسلم فرنٹ کو ۴ اور بھارتیہ جنتا پارٹی کو جموں سے ۲ نشستیں ملیں۔

وادی میں عسکری تنظیموں کی سرگرمیاں اور اُن کا

ضلع ڈوڈہ پر اثر:

جولائی ۱۹۸۸ء اور ۱۹۸۸ء کے اگلے مہینوں میں وادیٔ کشمیر کے کچھ حصّوں میں پہلی بار بم دھماکے کیئے گئے، جس کی ذِمہ داری جموں وکشمیر لبریشن فرنٹ نے لی۔ جموں کے بڑے بازار میں بھی ایک دھماکہ ہوا۔ وادی اور ضلع ڈوڈہ کے کچھ حصّوں میں پاکستان کے یوم آزادی یعنی ۱۴/اگست کو پاکستانی جھنڈے لگائے گئے۔ پاکستان کی حمایتی جماعتوں کے جلوس کے دوران پولیس اور نوجوانوں کے درمیان تصادم ہوا اور وادی کے مختلف مقامات پر پولیس ایکشن میں کچھ جانیں بھی ضائع ہوئیں اور بہت سے لوگ زخمی بھی ہوئے۔ حالات کو بے قابو ہوتے دیکھ کر کچھ سیاسی جماعتوں نے حکومت کی برطرفی کا مطالبہ کیا۔ اُدھر ۱۷/اور ۱۸ ستمبر ۱۹۸۸ء کی درمیانی رات کو علی محمد وٹالی، ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس کی قیام گاہ پر مسلم جوانوں کے ایک گروپ نے گولیاں برسائیں۔ اُس مڈبھیڑ میں لبریشن فرنٹ کا ایک جوان ''اعجاز'' جان بحق ہوا۔ اِس طرح سے وادی میں ''پُرتشدد جدوجہد'' کا آغاز ہوا۔

جموں میں سکھ فرقے کے جلوس پر سنگباری:

دُوسری طرف ۱۳؍جنوری ۱۹۸۹ء کو ایک فرقے کے کچھ لوگوں نے سکھوں کے ایک مذہبی جلوس پر سنگباری کی، جس میں بارہ آدمی مارے گئے اور ایک سو سے زیادہ لوگ زخمی ہوئے۔ یہ تصادم قریباً پانچ گھنٹوں تک جاری رہا، جسے روکنے میں پولیس ناکام رہی۔ لاکھوں کی جائیدادیں بھی تلف ہوئیں۔ کافی نقصان ہونے کے بعد شہر میں کرفیو نافذ کیا گیا۔[1] سکھ فرقے نے جوابی کارروائی سے احتراز کیا۔

''مقبول بٹ'' کو پھانسی دیئے جانے کے بعد اُس کی پہلی برسی پر ۱۱؍فروری ۱۹۸۹ء کو وادی بھر میں ہڑتال رہی، جس کا اثر ضلع ڈوڈہ پر بھی پڑا۔ وادی میں ایڈمنسٹریشن مفلوج ہوکر رہ گئی۔ لبریشن فرنٹ نے ساری وادی کی ایڈمنسٹریشن کو ظاہری طور پر اپنے ہاتھوں میں لے رکھا تھا۔ فاروق عبداللہ نے جہاں راہِ فرار اِختیار کی وہاں نیشنل کانفرنس کے عہدہ داروں نے اپنے عہدوں سے استعفے دینے شروع کردئے، جس سے ایک سیاسی خلاء پیدا ہوا۔ آئے دِن نئی نئی عسکری تنظیمیں حالات کو اپنی طرف موڑتی رہیں۔ روزانہ ہڑتالوں کے فرمان جاری ہوتے رہے اور دھماکوں سے وادی کی سرزمین ہلنے لگی۔ زیرزمین سرگرمیوں نے سیاسی ماحول میں ہلچل سی پیدا کردی۔ سیاسی لیڈروں کو قتل کرنے کا سلسلہ بھی شروع ہوا اور دُوسری طرف گرفتاریوں کا عمل بھی۔ شبیر شاہ وادی کی عسکری سیاست پر چھا سے گئے۔ بی۔ جے۔ پی کے ٹکالال ٹپلو کو جنگجوؤں کے ہاتھوں قتل کئے جانے سے کشمیری پنڈتوں میں خوف و ہراس پیدا ہوگیا۔ کچھ لوگوں کو مبینہ طور پر مخبر گردان کر گولی کا نشانہ بنایا گیا۔ ''مقبول بٹ'' کیس کی شنوائی کرنے والے سیشن جج شری نیل کنٹھ گنجو کو ہلاک کیا گیا۔ چاروں طرف سے افراتفری کا ماحول

---

[1] راقم اور اُس کے کچھ رفقاء رنبیر نہر کے ساتھ واقع پبلک ایڈمنسٹریشن کے ایک کورس میں شامل تھے جب یہ دردناک سانحہ پیش آیا۔ کرفیو کے دوران راقم کو گاندھی نگر میں ایک رفیق نے پناہ دی۔

برپا ہو چلا۔ ایسے حالات میں ہزاروں کشمیری پنڈت اپنی جان بچانے کے لئے جموں، اُودھم پور اور مُلک کے باقی حصّوں میں ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے۔

۱۹۸۹ء کے پارلیمانی چناؤ

غلام نبی آزاد راجیہ سبھا میں:

۳۰ رنومبر ۱۹۸۹ء کو نیشنل کانفرنس کی حمایت سے مسٹر غلام نبی آزاد کو راجیہ سبھا کا رُکن چنا گیا اور سونیا گاندھی کے کانگریس صدر بننے پر وہ آل اِنڈیا کانگریس کمیٹی کے جنرل سکریٹری کے قابلِ رشک عہدے پر فائز کئے گئے۔ اُس عہدے پر رہ کر جناب غلام نبی آزاد نے تنظیمی امورات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور بہت سے پردیشوں میں کانگریس پارٹی کو مضبوط کیا۔ وہ ریاست میں تنظیمی معاملات کے علاوہ ترقیاتی کاموں میں بھی حصہ لیتے رہے اور ساتھ ہی ریاستی اور مرکزی حکومتوں کے درمیان ایک رابطے کے طور پر بھی کام کرتے رہے۔

دسمبر ۱۹۸۹ء میں یہاں پارلیمانی اِنتخابات عمل میں لائے گئے، جن میں وادی کے مختلف مقامات پر ووٹوں کا تناسب ۲ رفیصدی اور ۵ رفیصدی کے درمیان رہا۔ تاہم نیشنل کانفرنس نے وادی کی تینوں نشستوں پر قبضہ کیا۔ مفتی محمد سعید، وی. پی. سنگھ کی وزارت میں بطور ہوم منسٹر تعینات ہوئے لیکن وادی کے حالات دِن بدن خراب ہوتے رہے۔ بڑے قصبوں میں کرفیو لگا دیا گیا۔ سینما ہال اور شراب خانے بند کروائے گئے۔ بہت سی سرکاری املاک تلف کر دی گئیں۔ جنوری ۱۹۹۰ء میں جناب جگ موہن کو پھر سے گورنر مقرر کر کے ریاست میں گورنر راج کا نفاذ عمل میں لایا گیا اور اسمبلی اِنتخابات کو التواء میں ڈال دیا گیا۔ جگ موہن کے گورنر نامزد ہونے پر احتجاج کرتے ہوئے فاروق سرکار نے استعفیٰ دے دیا۔

ڈاکٹر فاروق عبداللہ کا استعفیٰ اور

گورنر جگ موہن کا دُوسرا دور:

(جنوری ۱۹۹۰ء تا ۲۶ رمئی ۱۹۹۰ء)

ڈاکٹر فاروق عبداللہ کی سرکار نے احتجاجی طور پر استعفیٰ دے دیا لیکن گورنر جگ موہن کے سامنے سب سے بڑا چیلنج ریاست میں لاء اینڈ آرڈر کو بحال کرنا تھا۔ لہٰذا جگ موہن نے اُس دور میں عسکریت پسندوں کے خلاف بڑا سخت روّیہ اِختیار کیا۔ وادی میں بم دھماکوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ جنگجوؤں اور فوجی اہلکاروں کے درمیان جھڑپوں کے علاوہ لوگوں کی گرفتاریوں کا عمل بڑھتا ہی گیا۔ جگ موہن کے احکامات کے تحت وادی بھر میں گھر گھر تلاشیوں کی ایک مہم شروع کی گئی۔ لوگوں کو جمع کیا جاتا رہا اور مخبروں سے اُن کی نشاندہی کروائی جانے لگی۔ اُس عمل میں خواتین، بزرگوں اور بچوں تک کو نہیں بخشا گیا۔ حکومت کی اِس شدّت پسندی کے خلاف لوگوں کی طرف سے زبردست مظاہرے شروع ہوئے۔ آزادی کے نعروں نے جگ موہن کی حکومت کی نیندیں حرام کر ڈالیں۔

وادیٔ کشمیر کے واقعات کا اثر دھیرے دھیرے اب ضلع ڈوڈہ کی تقریباً ساری تحصیلوں پر بھی پڑنے لگا تھا۔ ڈوڈہ، بھدرواہ، کشتواڑ اور بانہال میں بھی لوگوں نے مظاہرے کر کے وادی کے لوگوں کے ساتھ یکجہتی کا اظہار کیا۔ تحریک کو دبانے کے لئے حکومت نے ضلع اُدھم پور اور ضلع ڈوڈہ کے لئے ایک سپیشل کمشنر اور ایک ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس کی تعیناتی عمل میں لائی گئی۔ مسٹر ولی محمد اسیرؔ کشتواڑی نے اپنی مشہور کتاب ''فوکس آن جموں اینڈ کشمیر'' کے صفحہ ۴۴۴ پر اِن تمام حالات کا نقشہ کچھ اِس انداز میں کھینچا ہے:

''۔۔۔۔۔ گورنر نے اِن ہنگاموں کے پیشِ نظر ریاست میں بیرونی صحافیوں

کی آمد پر پابندی لگا دی۔ وادیٔ کشمیر میں ہندوستانی افواج نے اُس وقت کی پولیس خاص کر سنٹرل ریزرو فورس میں اِس لئے اضافہ کیا تا کہ کرفیو پر حامل روز بروز بڑھتی ہوئی ایک جابرانہ قسم کی حکومت لوگوں پر مسلط کی جاسکے اور حسبِ معمول عام لوگوں کے گھروں کی تلاشیاں، من مانی گرفتاریاں اور بدلے میں دی جانے والی سزاؤں کے ساتھ ساتھ قریبی علاقوں میں ایسے حالات میں عام طور پر کی جانے والی عصمت دری اور لوٹ مار کے علاوہ سزا کے طور پر گھروں کی بربادی کی جاسکے ـــــ''

''ـــــ جنوری ۱۹۹۰ء میں سی. آر. پی کی فائرنگ کی بوچھاڑ سے علاقہ گاؤکدل کے مقام پر متعدد مظاہرین کو جاں بحق کیا گیا، جن کی لاشوں کو پولیس نے سرینگر کی مسجد میں لاکر ڈال دیا۔ اُس واقعہ سے حالات میں زیادہ ہی کشیدگی پیدا ہوئی۔ کچھ برگزیدہ شخصیات کو بے رحمی سے قتل کئے جانے کی وجہ سے وادی کے مختلف علاقوں میں خوف وخطر کا جو ماحول پیدا ہوا، اُس کے نتیجے میں کشمیری پنڈتوں نے اپنے گھربار، مال ومتاع چھوڑ کر جموں، اُدھم پور اور دہلی کے مقامات کی طرف ہجرت کرنا شروع کی۔ اِس سلسلہ میں یہ بھی باور کرایا گیا کہ کشمیری پنڈت مبینہ طور پر گورنر جگ موہن کی خفیہ ہدایات پر اپنی املاک چھوڑ کر وادی سے رُخصت ہوئے ہیں۔ بھاری تعداد پر مبنی اِس قابلِ افسوس ہجرت نے وادی کے ہندو۔ مسلم فرقوں کی صدیوں پرانی برادری اور گہرے رِشتوں کو نا قابلِ تلافی نقصان پہنچایا۔ ۱۹۹۰ء میں ہی وادی کے متعدد مسلم طبقے کے چیدہ چیدہ لوگوں کو گولیوں کا ہدف بنایا گیا اور اِس ضمن میں کشمیر یونیورسٹی کے ہردلعزیز وائس چانسلر تک کو نہ بخشا گیا جو غیر ریاستی باشندہ تھے اور جنہیں مقامی سیاست سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ اُس دور میں حکومت نے فلاحِ عام ٹرسٹ کے تحت چلنے والے بہت سے مدرسے بند کر دیئے اور ایک سو سے زیادہ ملازمین کو نوکری سے برخاست کیا گیا۔ گورنر جگ موہن کے اِن سخت گیر اقدامات سے عسکری تنظیموں کے ساتھ لوگوں کی ہمدردیاں بڑھنے لگیں۔ یکم مارچ ۱۹۹۰ء کو دفعہ: ۱۴۴ کی خلاف ورزی

کرتے ہوئے وادی کے مختلف مقامات سے آئے ہوئے لوگوں پر مشتمل ایک بڑا جلوس سونہ وار سے نکالا گیا جس میں ہند مخالف اور آزادی کے حق میں نعرے لگائے گئے۔ مختلف مقامات پر پولیس فائرنگ سے بہت سے لوگ جاں بحق ہوئے۔ حکومت کی طرف سے جلسے جلوسوں کو سختی سے دبایا گیا اور لوگوں کو گھروں سے نکال کر تلاشیوں اور گرفتاریوں کا سلسلہ جاری ہوا اور بہت سے مشتبہ جوانوں کو صعوبت خانوں میں ڈال کر اُن پر قسم قسم کے ظلم ڈھائے گئے۔ بار بار کرفیو لگتا رہا اور حالات آئے دِن بد سے بدتر ہونے لگے۔ اِن تحریکوں اور سرگرمیوں کا اثر ضلع ڈوڈہ پر بالعموم اور بھدرواہ کے علاوہ بھلیس، ٹھاٹھری اور کیلاڑ اور مرمت کے علاقوں پر بالخصوص پڑا ———"

سیری بازار بھدرواہ میں مُسلمانوں کے جلوس پر فائرنگ اور

عسکری کارروائیوں کی شروعات:

"——— وادیٔ بھدرواہ کے حالات پر تب تک وادی میں چلائے جانے والی تحریکوں اور عسکری سرگرمیوں کا خاص اثر نہیں پڑا تھا گو کہ اندرونی طور پر لبریشن فرنٹ کے ساتھ مسلم طبقے کے ہمدردی بڑھ رہی تھی۔ بدقسمتی سے ۱۳/اپریل ۱۹۹۰ء کو بازار سیری (بھدرواہ) میں مسلمانوں کے ایک جلوس پر کچھ غیر مسلم عنصر نے حملہ کیا جس کے نتیجے میں بشیر احمد بٹ، ارشاد احمد اور عبدالواحد شورا نامی تین مُسلمان پولیس فائرنگ سے جاں بحق ہوئے۔ سرکار کے مقامی عہدہ داروں نے مسلمان نوجوانوں کو گرفتار کرنے کی مہم شروع کردی جس وجہ سے بھدرواہ کے ایک سو سے زیادہ نوجوان عسکری تنظیموں میں شامل ہوگئے۔ بہت سے بے گناہ لوگوں، جن میں زیادہ تر سرکاری ملازم تھے، کو گرفتار کر کے جموں کے جوائنٹ تفتیشی صعوبت خانے میں بھیجا گیا، جس سے اُ [illegible] ں زبردست قسم کی غم و غصے کی لہر پیدا ہوگئی۔ پس ڈوڈہ ضلع کا پہاڑی علاقہ بھی ۱۹۹۰ء کے اواخر میں جنگجو تحریکوں کی لپٹ میں آگیا ———" (ترجمہ: بشیر بھدرواہی)

اُس پُرامن جلوس کو پرامن طریقوں سے ہی منتشر بھی کیا جا سکتا تھا لیکن سرکار کے مقامی کارندوں نے آفیسرانِ بالا کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے اور دُور اندیشی سے کام نہ لیتے ہوئے عسکری تنظیموں کو خود اِس پُرامن وادی میں مصروف العمل ہونے کی دعوت دی۔ حالات زیادہ بگڑ جانے کی وجہ سے بالآخر جگ موہن کو مئی ۱۹۹۰ء میں مستعفی ہونا پڑا۔ گو جموں کو ترقی دینے اور اِس کو خوبصورت بنانے کی طرف اُس دور میں کافی توجہ دی گئی لیکن بھدرواہ کی وادی حکومت کی طرف سے غفلت کا شکار رہی۔

جگ موہن کا استعفیٰ اور

گریش چندر سکسینہ نئے گورنر:

مئی ۱۹۹۰ء میں گورنر جگ موہن کے مستعفی ہو جانے کے بعد گورنری کا قلمدان مسٹر گریش چندر سکسینہ نے سنبھالا۔ اُسی دوران عسکری تنظیموں کے ہاتھوں سرکاری دفاتر، سکولوں کی عمارات، پلوں اور دیگر سرکاری عمارات وغیرہ جلانے کا ایک خوفناک دور شروع ہوا۔ ایسی کارروائیاں آہستہ آہستہ ضلع ڈوڈہ میں بھی شروع کی گئیں۔ تاہم کچھ دُور اندیش بزرگوں، سیاسی اور مذہبی لیڈروں نے اِس ضلع میں امن اور شانتی قائم رکھنے کی گراں قدر کوششیں کیں اور یہاں سے اقلیتوں کو کسی دُوسری جگہ ہجرت کرنے سے روکے رکھا۔ دُوسری طرف حکومت کی طرف سے اقلیتی علاقوں میں دفاعی کمیٹیوں کا قیام عمل میں لایا گیا، جن کو اُن دیہاتوں یا علاقوں کی حفاظت کا کام سپرد کیا گیا۔ کہیں کہیں اُن کمیٹیوں کے خلاف مبینہ طور پر مخصوص فرقے کی طرفداری کے الزامات بھی لگے اور حکومت پر بھی اِلزام لگا کہ کچھ افسروں نے ایک ہی فرقے کے لوگوں میں ہتھیار بانٹ کر ایک ہی گاؤں میں بسنے والے دُوسرے فرقے کے ساتھ اِمتیازی سلوک روا رکھا۔ تاہم اِس اقدام سے اقلیتی فرقے کے اندر تحفظ کا احساس پیدا کئے جانے میں کافی مدد ملی۔

ضلع ڈوڈہ میں عسکری سرگرمیاں:

ضلع ڈوڈہ میں بابر بدؔر کی سربراہی میں مسلم جانباز فورس نے اپنی عسکری کارروائیاں [redacted] شروع کر دیں۔ بابر بدؔر کو ۱۹۹۱ء میں گرفتار کیا گیا۔ دُوسری طرف کچھ جنگجو جوانوں نے فوجی دباؤ اور حکومت کی سخت گیر پالیسی کے تحت ہتھیار ڈالنا بھی شروع کئے۔ گورنر سکسینہ کے ایک بیان کے مطابق تب تک ۸۹۴ ملی ٹنٹس نے اپنے آپ کو فوج کے حوالے کر دیا تھا اور ہزاروں لوگوں کی گرفتاری عمل میں لائی گئی۔ ریاست کے مختلف حصوں میں لاتعداد افراد لقمۂ اجل بن گئے۔ ضلع ڈوڈہ میں ڈوڈہ، بھدرواہ، بانہال کے علاوہ کشتواڑ کے کچھ علاقے بلاواسطہ طور پر ملی ٹینسی کی زد میں آچکے تھے۔ وادی کی طرح ہی اِن مقامات پر بھی ہڑتالوں کا سلسلہ شروع ہوا اور ضلع کے مختلف مقامات پر فوج اور عسکری تنظیموں سے تعلق رکھنے والے نوجوانوں کے درمیان مسلح جھڑپوں کے نتیجے میں دوطرفہ جانی نقصان بھی ہونے لگا۔

موضع پونیجہ بھدرواہ میں جھڑپ:

”ــــــ ۱۵؍اگست ۱۹۹۲ء کو ضلع ڈوڈہ میں چمبہ۔بھدرواہ روڈ پر واقع ایک گاؤں پونیجہ کے مقام پر ایک جھڑپ ہوئی جس میں کچھ جانی نقصان بھی ہوا۔ دوپہر کے بعد اُودھم پور۔ڈوڈہ رینج کے ڈی۔آئی۔جی شری انوپم سنگھ سلاتھیہ اور ضلع کے سینئر سپرنٹنڈنٹ آف پولیس شری اشوک گپتا موقعۂ واردات کی طرف روانہ ہوئے لیکن چمبہ بھدرواہ روڈ پر چنوت گاؤں کے قریب وہ جنگجوؤں کے شدید حملے کی زد میں آگئے۔ ایس۔ایس۔پی۔ شدید طور پر زخمی ہوئے اور ڈی۔آئی۔جی۔ کو بھی معمولی خراشیں آئیں جب کہ وہ کھیتوں میں جان بچانے کے لئے لیٹے رہے۔ یہ جائے واردات ”لانچنگ موڑ“ کے نام سے مشہور ہوئی۔ چند اموات واقع ہونے اور کچھ آدمی زخمی

ہونے کے علاوہ چند ایک گاڑیوں کو بھی نقصان پہنچا۔ بھدرواہ کا قصبہ ایک میدان جنگ میں بدلا ہوا نظر آرہا تھا۔ تحصیل اور پولیس دفاتر بھی شدید طور پر گولہ باری کی زد میں آگئے۔ ضلع ڈوڈہ میں عسکریت پسندوں کی طرف سے یہ پہلی کارروائی تھی، جس میں مارٹر، گرینیڈ اور یو۔ایم۔جی اور راکٹوں کا اِستعمال ہوا۔ کرفیو، جس کا اعلان ۱۵ راگست کو ہی ہوا تھا، نافذ نہ ہوسکا جب کہ قصبہ کو دُوسرے دِن کی صبح سے ہی فوج کے حوالے کیا گیا۔ ڈوڈہ اور بھدرواہ کے درمیان چلنے والی گاڑیوں پر بھی حملے ہوئے، جس وجہ سے مزید فوج (بھدرواہ) روانہ کرنے میں کچھ تاخیر ہوئی۔ جبکہ بھدرواہ کی طرف پرواز کرتے ہوئے ایک ہیلی کاپٹر تک پر کسی پہاڑی چوٹی سے گولی باری ہوئی ——"[1]

ڈوڈہ میں آگ کی واردات اور کرفیو کا نفاذ:

ڈوڈہ شہر میں ایسی وارداتیں پہلے ہی رُونما ہو چکی تھیں جبکہ ایک سی آر پی ایف کے جوان کی [redacted] ایک جنگجو کے ہاتھوں موت کے بعد اُس شدّت پسند کی کمین گاہ کو گولوں سے اُڑا کر خاکستر کیا گیا اور اِس کے ساتھ ہی وہاں کئی دُوکانوں اور مکانوں کو آگ لگ گئی۔ قصبہ میں کرفیو نافذ کر دیا گیا۔ اِسی اثناء میں سی آر پی ایف کی فائرنگ سے ڈوڈہ قصبہ کے ایک نوجوان مسعود اطہر فرزند مشتاق فریدی اور عبدالرحمٰن بنگرو نامی شخص کی اموات واقع ہوئیں، جس سے قصبہ میں ایک کہرام سا مچ گیا۔ دُوسرے مقامات پر بھی ایسے ہی واقعات پیش آنے کی وجہ سے ضلع بھر کا امن وامان درہم برہم ہوگیا۔ ضلع ڈوڈہ میں نجی اور سرکاری املاک کا بھاری نقصان ہونے لگا اور ہر جگہ سیاسی کارکنوں اور اَپر گراؤنڈ لیڈروں کی گرفتاریوں کا سلسلہ شروع ہوگیا، جس میں بھدرواہ کے ایک نامور لیڈر خواجہ عبدالحیٔ خطیب بھی شامل تھے۔

---

[1] "فوکس آن جموں اینڈ کشمیر" از اسیر کشتواڑی، ص: ۴۲-۲۷، ترجمہ: بشیر بھدرواہی

کشمیر میں حریت کانفرنس کا قیام:

دسمبر ۱۹۹۲ء میں وادی میں میر واعظ عمر فاروق کی صدارت میں ''حریت کانفرنس'' نامی تنظیم قائم ہوئی جس میں وادی کی ''آزادی پسند'' سیاسی جماعتوں کے ممبران کو ہی شامل کیا گیا اور صوبہ جموں کے کسی علاقے کو کوئی نمائندگی نہیں دی گئی۔ اُس تنظیم کے ممبران اکثر بھدرواہ بھی آئے، جہاں ناراضگی کے باوجود بھی لوگوں نے اُس تنظیم سے اُمیدیں وابستہ رکھیں۔

کے.وی. کرشنا راؤ کا عہدِ گورنری اور

سیاسی لیڈروں اور شہریوں کے قتل کی وارداتیں:

۱۹۹۲ء اور ۱۹۹۳ء کے درمیان وادی میں بہت سے جنگجو اور عام لوگ مارے گئے۔ ضلع ڈوڈہ میں بھی لیڈروں کے قتل کئے جانے کا سلسلہ دسمبر ۱۹۹۲ء میں بھارتیہ جنتا پارٹی کے ایک نوجوان لیڈر سنتوش ٹھاکر کی کسی نامعلوم بندوق بردار کی گولی سے موت واقع ہونے سے ہوا۔ ریاست میں حالات بگڑ جانے پر گورنر سکسینہ کی جگہ کے.وی. کرشنا راؤ کو گورنر مقرر کیا گیا۔ وہ ۱۲؍مارچ ۱۹۹۳ء سے اکتوبر ۱۹۹۶ء تک اِس عہدے پر براجمان رہے۔ اُن کے دور میں وادی میں بہت سے جنگجو لیڈر گرفتار ہوئے۔ اِس اثناء میں کشتواڑ کے ایک معروف لیڈر، جو ہندو رکھشا سمیتی سے تعلق رکھتے تھے، کو ۱۰؍مئی ۱۹۹۳ء کو کسی نامعلوم شخص نے اُن کی دُوکان کے باہر گولی مار کر ہلاک کر ڈالا۔ اِس سے کشتواڑ کے حالات بے قابو ہو گئے اور وہاں غیر معینہ عرصہ کے لئے کرفیو لگا دیا گیا۔ ردِّعمل کے طور پر سرکوٹ میں واقع سر اقبال اکیڈمی کو آگ لگا دی گئی اور کچھ دیگر سرکاری اور غیر سرکاری املاک کو بھی نقصان پہنچایا گیا۔ فرقہ وارانہ کشیدگی یہاں تک بڑھ گئی کہ مسٹر محمد شریف نیاز ایم.ایل.اے. اندروال اور اُس وقت کے

نائب وزیرِ قانون کے ذاتی سیکریٹری عبدالقیوم ڈار، سکنہ بھلیس کو اپنے ڈیرہ پر زِندہ جلا دیا گیا۔ ایک فوجی کیمپ میں کشتواڑ کے تین انجینئروں کو زیرِ حراست قتل کیے جانے سے حالات بہت ہی کشیدہ ہو گئے۔ جون ۱۹۹۳ء کے اِس بہیمانہ قتل کے بعد اگست ۱۹۹۳ء کو ہستی کے مقام پر سولہ ہندو مسافروں کو بس سے اُتار کر بڑی بے دردی سے موت کے گھاٹ اُتارا گیا۔ اُس دِلسوز قتل کی ہر طرف سے مذمت کی گئی۔ تاہم قصبہ بھدرواہ میں بھی کشتواڑ ہی کی طرح کئی روز تک کرفیو نافذ کیا گیا۔ اِس دوران افغان جنگجوؤں اور فوج کے درمیان شدید جھڑپیں ہوئیں۔ اُن میں سے سب سے بڑی جنگی کارروائی بھدرواہ کی ''اشودھار'' پر ہوئی جو مسلسل ساٹھ گھنٹوں تک چلتی رہی۔ ضلع بھر میں کئی شدّت پسند اور فوجی جوان جان بحق ہوئے۔

بھدرواہ میں عسکریت پسندوں کی ہلاکتیں:

۱۲ر مئی ۱۹۹۳ء کو بھدرواہ کے قبرستان کے قریب بھدرواہ کے دو آزادی پسند نوجوان شبیر احمد نجار ولد غلام محمد نجار اور مسعود احمد ملک، ساکنہ چنوت فوجی جوانوں کے گھیرے میں آ گئے جن کی گولیوں کا نشانہ بن کر وہ جان بحق ہو گئے۔ قصبہ میں ایک فرقے کی طرف سے ہڑتال کا اعلان ہوا اور سب کاروبار ٹھپ ہو گیا۔ اِس کے بعد ہی ۲۳ر مئی ۱۹۹۳ء کو موضع دریجہ کے ایک مکان میں تین شدّت پسندوں کو گرفتار کیا گیا۔ اُنہیں زدوکوب کرنے کے بعد مبینہ طور پر ٹورسٹ ہٹ ڈانڈی میں لے جایا گیا، جہاں اُنہوں نے دم توڑ دیا۔ اِس واقع پر بھی قصبہ بھدرواہ کے مسلم باشندوں میں غم و غصے کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اُس روز قصبہ اور اِس کے مضافات میں مسلم دوکانیں اور کاروبار بند رہے۔ جان بحق ہوئے نوجوانوں میں اعجاز احمد زرگر ولد غلام محی الدین زرگر، ساکنہ دریجہ، عبدالحمید بٹ ولد عبدالغنی بٹ، ساکنہ پرنالہ بھدرواہ اور گگو ڈار ولد محمد حنیف ڈار، ساکنہ چکّہ بھدرواہ شامل تھے۔

تیس لاکھ روپے کی
سرکاری رقم لوٹے جانے کا واقعہ:

''_____ ۷ر دسمبر ۱۹۹۳ء کو ٹھاٹھری کلھوتران روڈ پر واقع موضع ملک پورہ کے مقام پر کچھ مشتبہ جنگجوؤں نے تیس لاکھ روپے کی رقم لوٹ لی۔ یہ رقم ڈوڈہ کے ضلعی خزانے سے گندوہ کے خزانے کو سرکاری ملازمین کی تنخواہوں کے لئے بھیجی گئی تھی۔ سرکاری رقم کے لوٹے جانے کا پہلا واقعہ تھا _____ ''[1]

اِس دوران لوگوں کو اغوا کرنے اور مخبروں کو مارنے کا سلسلہ جاری رہا۔ کشتواڑ کے ایک جونیئر انجینئر سبھاش چندر سین کو آستانِ پائیں میں دِن دھاڑے گولی کا نشانہ بنایا گیا، تاہم فورسز کی جانب سے ایک مشتبہ جنگجو کو سرکوٹ کی مسجد شریف میں ہلاک کیا گیا۔ وہاں گولہ باری سے مسجد شریف نذرِ آتش ہوگئی۔

سوامی راج کاٹل کا قتل:

۳۰ر مئی ۱۹۹۴ء کو بھدرواہ کے ایک مشہور بی. جے. پی. لیڈر اور عرائض نویس سوامی راج کاٹل کو بھدرواہ کی عدالت سے واپسی پر موضع مونڈہ سر تنگل اپنے گھر جاتے ہوئے کسی مشتبہ جنگجو نے گولی کا نشانہ بنا ڈالا۔ اِس واقعہ سے بھی بھدرواہ قصبے اور اِس کے مضافات میں فرقہ وارانہ کشیدگی پیدا ہوگئی۔ تاہم سرکاری مشینری ہندو مسلم لیڈروں اور بزرگوں کی مدد سے حالات کو قابو میں رکھنے میں کامیاب رہی۔ کاٹل کی موت پر بھی قصبہ میں جزوی طور پر ہڑتال رہی۔

---

[1] ''فوکس آن جموں اینڈ کشمیر'' از اسیر کشتواڑی

ایک شدّت پسند کی ہلاکت:

اُس حادثے سے کچھ ہی روز پہلے یعنی ۱۵رمئی ۱۹۹۴ء کو ایک شدّت پسند عبدالغفور گنائی ولد محمد سلطان گنائی، ساکنہ محلّہ کاہی بھدرواہ فوجی جوانوں کے ساتھ ایک جھڑپ میں ہلاک ہوا۔ حسبِ معمول یہاں کے مسلم فرقے کی طرف سے ہڑتال کا اعلان ہوا اور اِس فرقے کے کاروباری ادارے بند رہے۔ یاد رہے کہ متوفی کے والد محمد سلطان گنائی، بخشی غلام محمد کے ایک قریبی ساتھی رہ چکے تھے۔ بخشی صاحب نے اُنہیں ایک ٹرک کا لائسنس بھی دِلوایا تھا، جس کی نسبت سے اُنہیں ''ٹرک سلطان'' کے طور پر بھی یاد کیا جاتا تھا۔

بی جے پی لیڈر کی ہلاکت اور فرقہ وارانہ کشیدگی:

اُنہی دِنوں بی جے پی کے ایک اور لیڈر رُچر کمہار کو بھی کسی مشتبہ جنگجو نے ہلاک کر ڈالا، جس کے ردّ عمل میں قصبہ بھدرواہ اور ملحقہ مضافات میں زبردست قسم کی فرقہ وارانہ کشیدگی پیدا ہو گئی۔ بازار سیری کے اِردگرد ہندو مسلم فرقوں کے درمیان کچھ جھڑپیں بھی ہوئیں، جن کے نتیجہ میں مبینہ طور پر کسی نامعلوم شخص کے ہاتھوں محکمہ بجلی کے ایک ملازم بشیر احمد شورگڑو کو گولی کا نشانہ بنایا گیا اور اُس علاقے میں رہنے والے مسلم کنبوں کی املاک کو بھی نقصان پہنچایا گیا۔ وقتی طور پر چند ایک گھرانوں نے نقل مکانی بھی کی اور حالات کافی دِنوں تک کشیدہ رہے۔

شبیر شاہ کا دورۂ بھدرواہ:

غالباً ۱۹۹۴ء میں ہی پیوپلز لیگ کے بانی لیڈر شبیر شاہ نے ریاست کے لوگوں کو ''اپنے مستقبل کا خود فیصلہ کرنے کے حق'' کے نعرے سے ضلع ڈوڈہ کے مختلف

تحصیل ہیڈکوارٹروں کا دورہ کیا اور اپنی جیل یاترا سے رہائی کے بعد ہی وہ بھدرواہ بھی آئے۔ یہاں اُن کا مسلمانوں نے بڑی گرمجوشی سے اِستقبال کیا۔ تاہم عسکری تنظیموں کی آپسی مخالفت اور اندرونی جھگڑوں کا دائرہ وسیع تر ہوتا گیا' جس کی عام لوگوں نے نکتہ چینی کی۔ تاہم وادی کے سیاسی حالات کا اثر بلاواسطہ طور پر ضلع ڈوڈہ پر بھی پڑتا رہا اور یہاں کے مسلم نوجوان مختلف عسکری تنظیموں میں شامل ہوتے رہے۔

عسکریت پسندوں کی ہلاکتیں:

۲۴ر مئی ۱۹۹۴ء کو بخت پرویز داند عُرف جُنید ولد غلام حسین داند' ساکنہ ٹھٹرہ بھدرواہ کو موضع ناسکہ کے مقام پر فوجی جوانوں کی گولیوں کا شکار ہونا پڑا۔ اُس کی موت کی خبر سنتے ہی بھدرواہ کے مسلم فرقے نے پھر ہڑتال کر کے اپنا کاروبار بند کر دیا اور کثیر تعداد میں مرحوم کے جنازے میں شرکت کی۔

۲۵ر نومبر ۱۹۹۴ء کو ایک نوجوان عارف شجاع ملک ولد محمد الیاس ملک' ساکنہ دھرم پورہ کی موت ایک دھماکے سے اپنے ہی گھر میں واقع ہوئی۔ پُراسرار حالات میں ہوئی یہ موت سارے قصبے میں غم و غصے کا باعث بن گئی۔ مرحوم کے جنازے میں سارا بھدرواہ ہی اُمڈ آیا۔

بھدرواہ میں وارداتیں اور

ماہر تعلیم غلام نبی ریشو زخمی:

۳۰ر نومبر ۱۹۹۴ء اور یکم دسمبر ۱۹۹۴ء کی درمیانی رات کو محلّہ مسجد بھدرواہ میں واقع بلال احمد کے رہائشی مکان میں دو عسکریت پسند جوان داخل ہو گئے۔ بلال احمد ولد غلام مصطفیٰ محکمہ زراعت میں ایگریکلچر اسسٹنٹ کے طور پر کام کرتا تھا۔ وہ ڈر کے مارے کسی اور کے مکان میں چلا گیا اور وہاں سے نمازِ فجر کی ادائیگی کے لئے جامع مسجد

میں داخل ہوا۔ اِسی اثناء میں اُس کے مکان کو آرمی کے ایک دستے نے ایک کمانڈو کے رہنمائی میں گھیر لیا اور بلال احمد کے مکان کی تلاشی شروع ہوگئی۔ دو ملی ٹینٹوں میں سے کسی ایک نے کمانڈو راجو پر گولی چلائی جس سے وہ ہلاک ہو گیا۔ اِسی واقعہ کے دوران شاہد ملک ولد ماسٹر محمد انور ملک' ساکنہ محلّہ اڈہ بھدرواہ بھی اُس مکان کے اندر ہی کسی فوجی جوان کی گولی کا نشانہ بن گیا۔ بلال احمد جب گھر لوٹ رہا تھا تو اُس کو مسجد کی دیوار کے ایک کونے میں کھڑا کر کے مبینہ طور پر گولی سے ہلاک کیا گیا' جبکہ وہ اِلتجا کر رہا تھا کہ اُسے گھر جا کر بچوں کے ساتھ ملنے دیا جائے۔ دُوسرا جنگجو مسمی عباس احمد ولد محمد منور' ساکنہ ٹھاٹھری مکان کی چھت سے بھاگنے میں کامیاب تو ہوا لیکن نزدیک کی ہی ایک گلی میں پکڑا گیا۔ اُسے اڈہ بھدرواہ پر واقع ہوٹل چھوٹا کشمیر ''عقوبت خانے'' میں لے جا کر خوب زدوکوب کیا گیا اور بعد میں مبینہ طور پر بندوق کی گولیوں سے ہلاک کر دیا گیا۔ اِسی دوران چند فوجی جوان شہر کے ایک معزز ماہر تعلیم اور سماجی کارکن مسٹر غلام نبی ریشو کو مبینہ طور پر برف پر ننگے پاؤں چلا کر مذکورہ عقوبت خانے میں لے گئے اور وہاں پر اُنہیں بندوقوں کے کندوں اور ڈنڈوں سے اِس قدر زدوکوب کیا کہ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے اور اُن کی ایک آنکھ شدید طور پر زخمی ہوئی اور کچھ پسلیاں بھی ٹوٹ گئیں۔ ڈاکٹر ولی محمد خان اِتفاق سے اُدھر سے گزرے تو اُن کی نظر ریشو صاحب پر پڑی' جو برآمدے میں بے حس و حرکت پڑے ہوئے تھے۔ موصوف نے اُن کی نبض چیک کی اور اُنہیں اپنی جیپ پر ڈال کر مقامی ہسپتال میں لے گئے۔ شہر میں اُس دِن کرفیو نافذ کیا گیا۔ وہاں سے اُنہیں رات کے وقت ایک لیڈی ڈاکٹر کی نگرانی میں جموں کے میڈیکل کالج میں شفٹ کیا گیا۔ جہاں ریشو صاحب کی آنکھ کا آپریشن ہوا اور اُسے ناکارہ قرار دے کر باہر نکال دیا گیا۔ اِس طرح سے وہ ایک آنکھ کی بصیرت سے بلا قصور محروم ہو گئے۔ موصوف محکمہ تعلیم میں بڑے اچھے عہدوں پر کام کر کے ریٹائر ہوئے تھے۔ پسلیوں میں چوٹیں آنے کی وجہ سے اُن کے ایک پھیپھڑے میں زخم پیدا ہوا' جس

نے بعد میں ایک ''لاعلاج مرض'' کی شکل اِختیار کی اور ۶ / مارچ ۲۰۰۶ء کو وہ ہمیں داغِ مفارقت دے کر خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ ''اِنا للہ و اِنا الیہ راجعون'' اُن کی موت سے بھدرواہ میں صفِ ماتم بچھ گئی۔

اخوانی شدّت پسندوں کی خود سپردگی:

جنوری ۱۹۹۵ء میں اخوان المسلمین کے ۳۲ شدّت پسندوں نے سنبل بارہمولہ کے مقام پر فوج کے سامنے ہتھیار ڈالے اور فوج کے لئے جنگجو تنظیموں کے خلاف کام کرنا شروع کر دیا۔ اِس نئی صورتِ حال کے بعد کچھ دیگر تنظیموں کے جوانوں نے بھی ہتھیار ڈالنے شروع کئے۔ کوکا پرے، نب آزاد وغیرہ نے کھلم کھلا طور پر مرکزی فوجوں کا ساتھ دینا شروع کیا۔ یہاں تک کہ اُنہوں نے حزب المجاہدین اور جماعتِ اسلامی کے خلاف جنگ سی چھیڑ دی اور اُن تنظیموں کو کافی نقصان پہنچایا۔ حریت کانفرنس نے اُن گروہوں کو دھوکے باز کہہ کر اُن کی حرکتوں کو ''تحریک حریت کے خلاف ایک سازش'' قرار دیا۔ بالآخر ''سابقہ جانباز'' جمشید شیرازی یعنی کوکا پرے کو سونہ واری حلقۂ اِنتخاب سے ریاستی اسمبلی کے چناؤ میں کامیاب قرار دے دیا گیا۔ اِس حلقہ کی پرے نے چھ سال تک نمائندگی کی۔ وادی میں اِسی طرح سے ایک تیسری طاقت ظہور میں آئی اور ضلع ڈوڈہ میں ملی ٹینسی میں شدّت پیدا ہو گئی۔

بھالا- کیلاڑ میں جنگجوؤں کی ہلاکتیں:

۶ / مارچ ۱۹۹۵ء کو راشٹریہ رائفلز کی طرف سے ضلع ڈوڈہ کے قرب و جوار میں جنگجوؤں کے خلاف جارحانہ قسم کی کارروائیاں شروع کی گئیں۔ تحصیل بھدرواہ کے مختلف مقامات پر بھی ایک زبردست فوجی نقل و حمل شروع ہوگئی۔ اِسی دوران موضع بھالا علاقہ کیلاڑ بھدرواہ کے مقام پر فوج اور عسکریت پسندوں کے درمیان کئی گھنٹوں

تک مسلح جھڑپیں جاری رہیں۔ اِس میں دس جنگجو اور راشٹریہ رائفلو کے ایک کیپٹن کی موت واقع ہوئی۔ اُن ہلاک شدہ جنگجوؤں میں حرکت المجاہدین اور حرکت الانصار کے شدّت پسند شامل تھے، جن میں دو بیرونی ممالک یعنی سوڈان اور افغانستان سے تعلق رکھتے تھے۔ اُن ہلاکتوں کے خلاف قصبہ بھدرواہ اور کچھ ملحقہ علاقوں میں ایک فرقے کی طرف سے ہڑتال رہی۔

عسکریت پسندوں کے خلاف فوجی کاروائیاں:

۲؍اگست ۱۹۹۵ء کو ایک شدّت پسند آفتاب عالم ولد عبدالرؤف مغل، ساکنہ موضع چکہ بھدرواہ فوجی گھیرے میں آکر ہلاک ہوا۔ آفتاب کی ہلاکت پر بھدرواہ کے مسلم فرقے میں غم و غصے کی لہر دوڑ گئی اور اُس روز بھدرواہ اور وہاں کے کچھ اور مقامات پر ہڑتال کی گئی۔

۱۹۹۵ء میں ضلع ڈوڈہ میں ہوئی عسکری کارروائیوں کے متعلق مسٹر ولی محمد اسیر کشتواڑی اپنی معروف کتاب ''فوکس آن جموں اینڈ کشمیر'' کے صفحہ نمبر ۴۸۹ پر یوں رقمطراز ہیں:

''_____ ضلع ڈوڈہ کے مختلف مقامات پر بیرونی ممالک سے تعلق رکھنے والے جنگجوؤں کی موجودگی کی خبر پاتے ہی فوج اور حفاظتی دستوں نے اُس پہاڑی علاقہ میں شدت پسندوں کی نقل و حمل کو روکنے کے لئے پہاڑی چوٹیوں اور حربی لحاظ سے کچھ موزوں جگہوں پر چوکیاں قائم کیں۔ اِن تمام اِقدامات کے باوجود اغواہوں، بم دھماکوں، ہلاکتوں، سرنگی دھماکوں، جھڑپوں، قتل کی وارداتوں اور اموات کا سلسلہ ایک معمول کے طور پر جاری رہا۔ قصبہ بھدرواہ میں فرقہ وارانہ کشیدگی کے ساتھ ساتھ شدّت پسندوں کی طرف سے سارے علاقہ میں گڑبڑ پیدا ہوگئی۔ ۲۰؍مئی ۱۹۹۵ء کو سدھانشو پانڈے، ڈپٹی کمشنر ڈوڈہ اور جاوید مخدومی سینئر ایس۔ پی۔ ڈوڈہ، بھدرواہ

ڈوڈہ روڈ پر واقع گل گندر کے مقام پر شدّت پسندوں کی طرف سے اُن کی جیپ پر کی جانے والی شدید گولہ باری کی زد میں آ کر بال بال بچ نکلے۔ اُس حملے میں مخدومی صاحب کا ایک حفاظتی گارڈ ہلاک ہوا اور ڈپٹی کمشنر ڈوڈہ کی ویگن پر بہت سی گولیاں لگیں ——— '' وہ مزید لکھتے ہیں '' ——— جموں خطّے میں پڑنے والے بہت سے علاقے یعنی پونچھ، راجوری، مہور، گول، سدھ مہادیو، لاٹی، ڈوڈہ، بسنت گڑھ، بنی اور سرتھل شدت پسندوں کی کارروائیوں میں گھر گئے ——— ''[1]

ایک اہم بیان:

محمد یوسف لون ساکنہ مالنئی تحصیل بھدرواہ کے بیان کے مطابق:

'' ——— ۳؍اور ۴؍جنوری ۱۹۹۶ء کی درمیانی رات کو قریباً ۹ بجے کے بعد ایک گاڑی بھدرواہ کی طرف سے بطرف پرانوں آئی، جبکہ وہ اپنی بچی کو حساب کے کچھ سوالات سمجھانے میں مصروف تھے۔ رات کے وقت اکثر آرمی کے افراد وہاں آیا کرتے تھے۔ گاڑی مولوی محمد حسین کی دُوکان کے پاس رُکی جبکہ وہ اینٹوں کی بھٹی پر گارا لگا رہے تھے۔ تین وردی پوش اور بندوق بردار اشخاص گاڑی سے اُترے اور مولوی محمد حسین سے فضل حسین ڈار کے مکان کے بارے میں پوچھا۔ مولوی صاحب کے ذریعے ہی فضل حسین ڈار کو بلوایا گیا۔ وہ انسپکٹر کوآپریٹیو کے طور پر کام کرتا تھا۔ اُس کے مکان کی تلاشی لی گئی اور ماسٹر فرید حسین کے بارے میں بھی پوچھ تاچھ کی گئی جو ڈار صاحب کا نابالغ بیٹا تھا اور بارہویں کلاس کا اِمتحان پاس کر کے کسی پرائیویٹ سکول میں کام کرتا تھا۔ وہاں پر ڈار صاحب کا حقیقی بھانجہ بھی مقیم تھا۔ بندوق بردار فضل حسین ڈار، فرید حسین ڈار، طالب حسین لون اور مولوی محمد حسین لون کو ٹرک میں ڈال کر پرانوں کی طرف لے گئے۔ اِس بات سے گاؤں میں تشویش بڑھ گئی اور متعلقہ لوگوں کے گھر

---

[1] ''فوکس آن جموں اینڈ کشمیر'' از اسیر کشتواڑی، صفحہ: ۴۹۰، ترجمہ: بشیر بھدرواہی

کے افراد پرانوں میں واقع سی. آر. پی چیک پوسٹ پر پہنچے لیکن اُن کی کوئی سنوائی نہ ہوئی اور اُن کو واپس لوٹا دیا گیا۔ دُوسری صبح ڈوڈہ کو ایک وفد روانہ ہوا۔ ڈی سی ڈوڈہ نے وفد کو ایڈیشنل ایس. پی. کے پاس بھیجا۔ اُن دِنوں مخدومی صاحب ایس. پی. ڈوڈہ تھے لیکن وفد خالی ہاتھوں لوٹ آیا۔ اِس کیس میں ایک شخص محمد اشرف، ساکنہ بھیلہ کو حراست میں لیا گیا لیکن وہ بھی بری ہو گیا۔ کہا جاتا ہے کہ مذکورہ ٹرک مبینہ طور پر پولیس کا ہی ٹرک تھا۔ طالب حسین لون دُوسرے دِن گھر واپس آ گیا۔ اُس سے پتہ چلا کہ اُنہیں پریم نگر چناب دریا کے نزدیک اُتارا گیا۔ وہ اندھیرے کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے بھاگ کر ایک کھڈ میں چھپا رہا۔ اُس نے فائرنگ کی آوازیں سنیں۔ اُس کے بیان کے مطابق اغلب ہے کہ مذکورہ اشخاص کو دریائے چناب میں یا تو زِندہ طور پر غرق آب کیا گیا یا گولی مارنے کے بعد۔ سچ کیا ہے خدا ہی جانتا ہے۔ اگر کیس کی مناسب طور پر تحقیقات کی گئی ہوتی تو سچ ضرور سامنے آ جاتا ——"[1]

دریچہ بھدرواہ میں بے گناہ شہریوں کا قتل:

۲۰ر جنوری ۱۹۹۶ء کو موضع ڈھونسہ پائیں دریچہ بھدرواہ میں رات کی تاریکی میں شمس الدین زرگر کے رہائشی مکان میں کچھ وردی پوش بندوق بردار داخل ہوئے اور کنبے کے افراد پر گولیوں کی بارش شروع کر دی، جس میں وہاں موجود سبھی افراد ہلاک ہو گئے۔ اِس دلدوز واقع میں شمس الدین زرگر، اُس کی زوجہ جانہ بیگم، اُس کا فرزند شبیر احمد، بہو سعیدہ بیگم، دُوسرے دو فرزند جہانگیر احمد اور جنید احمد جاں بحق ہوئے۔ اُن کے علاوہ بھلیسہ سے آئی ہوئی اُن کی ایک مہمان خاتون مریم بیگم اور اُس کا فرزند محمد اِسحاق بھی گولیوں کا نشانہ بنے۔ ساری وادیٔ بھدرواہ میں اِس سانحہ سے رنج والم کی لہر دوڑ گئی اور مسلمانوں کی طرف سے اِس معاملے کی تحقیقات کرانے کا مطالبہ کیا

---

[1] محمد یوسف لون کے ساتھ ایک مُلاقات کے دوران رقم کیا گیا بیان

گیا۔ واقعہ میں مبینہ طور پر ملوث ایک مقامی لیڈر کے حفاظتی گارڈ اور ٹاسک فورس کی طرف اُنگلیاں اٹھنے لگیں لیکن پولیس اِس کی پوری تحقیقات نہ کر پائی' جس وجہ سے اصلی قاتلوں کا کوئی سراغ نہ مل سکا۔ اُن سب مقتولان کو بھدرواہ کے مزار الشہداء میں سپردِ خاک کیا گیا۔ یہ بات عیاں تھی کہ اُن ہلاک شدگان میں کسی بھی شخص کا تعلق کسی بھی شدّت پسند تنظیم کے ساتھ نہ تھا اور وہ ہر لحاظ سے معصوم اور بے گناہ تھے۔

جانباز فورس اور الجہاد کمانڈروں کی سپر اندازی:

مرکزی حکومت بیرونی اور اندرونی جمہوریت پسند طاقتوں کے دباؤ کے نتیجہ میں ریاست جموں و کشمیر میں اب زیادہ دیر تک صدر راج قائم نہیں رکھنا چاہتی تھی۔ اِس لئے سیاسی سطح پر مقامی سیاسی تنظیموں کے علاوہ دیگر عسکری تنظیموں کے ساتھ بات چیت کا سلسلہ جاری رکھا گیا۔ اِس کے ساتھ ہی اسمبلی کے چناؤ عمل میں لائے جانے اور جنگجوؤں کی متشدد کاروائیوں کو دبائے جانے کی پالیسی مرتّب کی گئی۔ علاوہ ازیں موخر الذکر تنظیموں سے ہتھیار ڈلوانے کا کام بھی سرعت سے جاری رہا۔ اس پالیسی کے تحت ''پاکستان نواز'' چار تنظیموں کے کمانڈروں یعنی عمران راہی' بابر بدر (بھدرواہ کے فردوس احمد بابا)' ڈوڈہ کے عادل فریدی' بھدرواہ کے مسرت رفیقی اور الجہاد تنظیم کے دُوسرے کمانڈروں نے پتنی ٹاپ کی خوشنما وادی میں اپنے ہتھیار ڈال دیئے [redacted]

[redacted]۔ تاہم

دیگر عسکری تنظیموں کے ضلع کے اُفق پر نمودار ہونے سے یہاں شدّت پسند کارروائیاں جاری رہیں۔ دراصل ہتھیار ڈالنے والی اُن تنظیموں کے ساتھ مرکزی حکومت کی طرف سے مارچ ۱۹۹۶ء میں بات چیت شروع ہوئی اور کسی خفیہ سمجھوتے کے تحت اُنہوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ بابر بدر کو بعد میں قانون ساز کونسل کا رُکن بھی بنایا گیا اور بیرونی ممالک کی سیر و سیاحت کے دوران کچھ بیانات بھی دِلوائے گئے۔ بابر بدر (مسلم جانباز فورس) کو نیشنل کانفرنس کی چھتر چھایہ میں قانون ساز کونسل میں سیٹ ملی۔ بلال لودھی پی۔ ڈی۔ پی میں شامل ہوئے اور عمران راہی نے اپنی ایک الگ پارٹی تشکیل دے کر چناؤ لڑا۔ بلال لودھی کو بھی قانون سازیہ میں نشست دی گئی۔

ریاست میں پارلیمانی چناؤ:

ریاست میں چھ پارلیمانی سیٹوں کے لئے ۱۹۹۶ء میں چناؤ کروائے گئے‘ جس میں وادی میں ووٹوں کا تناسب بہت ہی کم رہا۔ اُودھم پور - ڈوڈہ حلقہ سے پروفیسر چمن لال گپتا (بی جے پی) کامیاب ہوئے۔ اِس چناؤ کے ساتھ ہی صدر راج کی مدّت میں ۱۸ر جنوری ۱۹۹۷ء تک اضافہ کیا گیا۔

ریاست میں قانون ساز اسمبلی کے چناؤ:

صدر راج کی مدّت میں اگرچہ اضافہ کیا گیا لیکن ریاستی اسمبلی کے چناؤ ستمبر ۱۹۹۶ء میں ہی کروائے گئے‘ جن میں نیشنل کانفرنس کو بھاری اکثریت سے کامیابی حاصل ہوئی۔ حسبِ معمول حریت کانفرنس اور دیگر عسکری تنظیموں کی طرف سے اِن انتخابات میں ووٹ نہ دینے کی اپیل کی گئی۔ یہ چناؤ بھی کڑی فوجی نگرانی میں عمل میں لائے گئے۔ اِس میں نیشنل کانفرنس کو ۵۷ نشستیں حاصل ہوئیں۔ اِس کے بعد بانہال اور گریز کے دو آزاد ممبرانِ اسمبلی بھی اُس میں شامل ہوئے۔ بی۔ جے۔ پی کو آٹھ‘ جبکہ

کانگریس کو سات سیٹیں ملیں۔ ۵ سیٹیں جنتا دل، ۵ بہوجن سماج پارٹی اور ایک ایک سیٹ سی. پی. ایم اور پینتھرس پارٹی اور دو سیٹیں دیگر پارٹیوں کو حاصل ہوئیں۔ بھدرواہ حلقۂ اِنتخاب سے شیخ عبدالرحمٰن بہوجن سماج پارٹی کی ٹکٹ پر کامیاب ہوئے اور اِندروال سے قاضی جلال الدین نیشنل کانفرنس کے اُمیدوار کے طور پر کامیاب ہوئے۔

فاروق عبداللہ کا نیا دورِ حکومت:

(۹/اکتوبر ۱۹۹۶ء تا ۱۷/اکتوبر ۲۰۰۲ء)

ڈاکٹر فاروق عبداللہ کی سربراہی میں ریاست کی نئی حکومت نے سرینگر میں ۹/اکتوبر ۱۹۹۶ء کو حلف لیا۔ یہ حکومت ۱۷/اکتوبر ۲۰۰۲ء تک قائم رہی۔ اِس دور میں ڈسٹرکٹ ترقیاتی بورڈوں کی تشکیل نو کی گئی اور ڈپٹی کمشنر کی جگہ ایک ایک منسٹر کو ضلعی بورڈ کا چیئر مین مقرر کیا گیا۔

۱۹۹۷ء- عسکری وارداتوں کا سال:

اِس دور میں بھی ریاست کے باقی حصّوں کی طرح ضلع ڈوڈہ اور تحصیل بھدرواہ وغیرہ میں ملی ٹینسی کی وارداتیں ہوتی رہیں، جن میں عسکری اور فوجی اشخاص کے علاوہ عام لوگ بھی ہلاک ہوتے رہے۔ دراصل ۱۹۹۷ء کا سال ہی بڑی بڑی وارداتوں کا سال رہا جس میں اِنسانی جانوں اور املاک کا کافی نقصان ہوا۔

فاروق عبداللہ کے دور میں مرکزی حکومت نے ترقیاتی کاموں اور خاص طور سکولوں کی تلف شدہ عمارتوں کی تعمیر نو، سڑکوں کی مرمت وغیرہ کے لئے کافی رقومات فراہم کیں۔ حکومت کی طرف سے رشوت ستانی کے خلاف اِقدامات اُٹھائے جانے کے باوجود رِشوت کا بازار گرم رہا۔ دیہاتی ڈیفنس کمیٹیوں کے ممبران پر بھی حملے ہوتے رہے۔ سرکاری اِطلاعات کے مطابق ۱۹۹۷ء کے دوران ۱۰۹۷ عسکریت پسندوں کو

ہلاک کیا گیا۔ ایک دُوسری اِطلاع کے مطابق ڈوڈہ اور اُودھم پور کے اضلاع میں ہی اِس دوران فوجوں اور عسکریت پسندوں کے درمیان ۳۵۵ جھڑپوں میں لشکر طیبہ وغیرہ کے اِکہتر (۷۱) جنگجو ہلاک کیے گئے۔ ۱۹۹۷ء میں صرف ڈوڈہ ضلع میں ہی ۱۰۷ جھڑپیں ریکارڈ کی گئیں۔ اُن میں چوّن (۵۴) جنگجو مارے گئے۔

ریاست میں پانچواں پے کمیشن لاگو:

دسمبر ۱۹۹۷ء کو ریاستی حکومت نے مرکزی حکومت کی طرز پر پانچویں تنخواہ کمیشن کی رپورٹ کو تسلیم کرتے ہوئے ریاست کے تقریباً تین لاکھ ملازمین کے حق میں نئے تنخواہ ڈھانچے کا اعلان کیا، جس پر ضلع ڈوڈہ کے ملازمین نے خوشیاں منائیں اور حکومت کے اِس اقدام کو سراہا۔

وندہامہ میں کشمیری پنڈتوں کا قتل:

۱۹۹۸ء کے اوائل میں گاندھر بل (سرینگر) میں وندہامہ کے مقام پر اقلیتی فرقے سے تعلق رکھنے والے تیئس (۲۳) کشمیری پنڈتوں کو نامعلوم بندوق برداروں نے موت کے گھاٹ اُتارا جس پر وادی بھر کے مسلمانوں نے اِس وحشیانہ قتل کی سخت مذمت کی۔ صوبہ جموں میں ہر فرقے سے تعلق رکھنے والے لوگوں نے بھی اِس بہیمانہ قتل کی کڑی مذمت کی۔ لیکن عسکری تنظیموں نے اِسے ایک ''فوجی سازش'' کا نام دیا۔ اِسی اثناء میں مڑوہ کے موضع قدرنہ میں نو (۹) لوگوں کو فوجی گولیوں کا نشانہ بننا پڑا جن میں ایک خاتون اور ایک بچہ بھی شامل تھے۔ اِس کے ردّ عمل میں ایک فرقے کے لوگوں نے ضلع بھر میں ہڑتال کی۔

۸ر جنوری ۱۹۹۸ء کو بھالا کے مقام پر جنگجوؤں اور فوجی جوانوں کے مابین زبردست جھڑپ ہوئی جس میں دو فوجی جوان مارے گئے۔

گریش چندر سکسینہ بطورِ گورنر:

۲؍مئی ۱۹۹۸ء کو گریش چندر سکسینہ کو ریاست کے گورنر کے طور پر دوسری بار حلف دلایا گیا جبکہ ڈاکٹر فاروق عبداللہ بطور وزیر اعلیٰ کام کر رہے تھے۔

چاپناڑی میں ہندو باراتیوں کا قتل:

بدقسمتی سے ۲؍جون ۱۹۹۸ء کو چاپناڑی (ڈوڈہ) کے مقام پر جنگجوؤں نے ایک بارات پر، جو اقلیتی فرقے سے تعلق رکھتی تھی، اچانک حملہ کر کے قریباً پچیس (۲۵) باراتیوں کو معہ دولہے کے بے دردی سے گولیوں کا نشانہ بنایا، جس سے ضلع بھر میں حالات خراب ہو جانے کا اندیشہ بڑھ گیا۔ حکومت نے فوری طور ڈوڈہ، بھدرواہ اور کشتواڑ کے تحصیل ہیڈ کوارٹرس پر کرفیو لگا دیا۔ اِس دلسوز اور ظالمانہ سانحہ کی سبھی فرقوں نے شدید مذمت کی۔

مولانا عطاء اللہ سہروردی کا وفات:

ضلع ڈوڈہ کے ایک معروف مذہبی رہنما اور نیشنل کانفرنس کے ایک بزرگ، تجربہ کار اور سیاسی لیڈر مولانا عطاء اللہ سہروردی فرید آبادی اِس جہانِ فانی سے ۲۷؍جنوری ۱۹۹۷ء کو آل اِنڈیا میڈیکل اِنسٹی چیوٹ دہلی میں رحلت کر گئے "اِنا اللہ و اِنا الیہ راجعون"۔ مرحوم اِبتدائی دور میں مسلم کانفرنس کے ساتھ وابستہ رہے لیکن بھدرواہ جیل میں شیخ عبداللہ کے ساتھ ملاقات کے بعد نیشنل کانفرنس کے حامی بن گئے۔ آخری دم تک اُنہوں نے اپنے موقف میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ البتہ شیخ صاحب کے سیاسی نشیب و فراز میں اُن کا ساتھ دیتے رہے۔ سہروردی صاحب بچپن سے ہی جامع مسجد ڈوڈہ کے امام کے فرائض انجام دیتے رہے۔ اُن کی بے باکی، ایمانداری، دُور اندیشی

اور غربا پروری کی سب لوگ داد دیتے رہے۔ اُنہوں نے تحریکِ حریت کشمیر کے لئے اپنا سب کچھ وقف کر ڈالا تھا۔ وادیٔ کشمیر، جموں، بھدرواہ، بھلیسہ اور ٹھاٹھری کے علاقوں کے لوگوں کے ساتھ اُن کی کافی وابستگی رہی۔ اپنے وزارتی عہد کے دوران وہ مستحق لوگوں کی کافی مدد کرتے رہے۔ محکمہ تعلیم میں ایڈمنسٹریٹو ڈھانچہ کی تشکیلِ نو میں اُن کا کافی ہاتھ رہا ہے۔ اُن کے دور میں تحصیل ڈوڈہ کے مختلف مقامات پر کافی سے زیادہ ترقیاتی سکیموں کی شروعات ہوئیں، سکول کھولے گئے اور اِن کے لئے عمارات فراہم کی گئیں۔ اُس قابلِ قدر لیڈر کے سانحہ اِنتقال پر ضلع ڈوڈہ کے مختلف علاقوں میں رنج وغم اور دُکھ کی ایک لہر دوڑ گئی اور لواحقین کے ساتھ شریکِ غم ہونے کے لئے ہزاروں لوگ ڈوڈہ چلے آئے۔

چمبہ کی سرحد پر بے گناہ دیہاتیوں کا قتل:

۵/اور ۶/ جولائی کے درمیانی رات کو ضلع چمبہ کے سمائی گاؤں سے تعلق رکھنے والے چار لوگوں کو چمبہ کی سرحد سے ملنے والی بھدرواہ کی ایک اُونچی دھار پر نامعلوم اشخاص نے گولیوں کا نشانہ بنایا۔ اگست کے دوران چمبہ کے کالابن وغیرہ کے مقامات پر بھی عسکریت پسندوں نے سولہ (۱۶) بے گناہ دیہاتیوں کو ہلاک کر ڈالا۔ اِس دوران بھدرواہ اور ضلع ڈوڈہ کے دیگر مقامات پر عسکری کارروائیاں جاری رہیں اور فوجوں اور جنگجوؤں کا دوطرفہ جانی نقصان ہوتا رہا۔

مالنئی میں سڑک حادثہ:

۸/ اکتوبر ۱۹۹۸ء کے روز مالنئی (بھدرواہ) کے مقام پر سڑک کے ایک حادثے میں گیارہ لوگوں کی موت ہوگئی، جن میں تین خواتین بھی شامل تھیں۔ اُس سڑک حادثے میں کُل پینتالیس (۴۵) افراد زخمی ہوئے۔

جنگجوؤں کی سپر اندازی:

دسمبر ۱۹۹۸ء کے دوران حزب المجاہدین اور حرکت الانصار تنظیموں کے ساتھ تعلق رکھنے والے ۱۲ر جنگجوؤں نے ضلع ڈوڈہ کے صدر مقام پر میجر سی. ایس. برار کے سامنے اپنے ہتھیار ڈال دیئے۔ حزب المجاہدین کے جنگجوؤں نے ۱۹/۲۰ر جولائی کی درمیانی رات کوٹھاٹھری۔ کے نزدیک لہوتی کے مقام پر ایک ہی کنبے کے ۱۵ر افراد کو بڑی بے دردی سے گولیوں کا نشانہ بنایا اور دیگر چھ افراد کو زخمی کر ڈالا۔ اِس ظالمانہ کارروائی کے خلاف ضلع بھر میں ہڑتالیں ہوئیں اور سب فرقوں نے اِس کی مذمت کی۔ ۱۹۹۹ء کے دوران وادی میں عسکری کارروائیوں میں اِضافہ ہوتا رہا جس کا اثر ضلع ڈوڈہ کے مختلف مقامات پر بھی حسبِ حال پڑتا رہا۔

لاہور ڈیکلیریشن:

۲۱ر فروری ۱۹۹۹ء کو ہندوپاک کے پرائم منسٹروں کے درمیان ایک تاریخی اعلانیے پر دستخط ہوئے جسے ''لاہور ڈیکلیریشن'' کا نام دیا گیا۔ بھارت کے وزیر اعظم اٹل بہاری واجپائی اور پاکستان کے پرائم مسٹر نواز شریف کی بے لوث کوششوں کو دونوں ممالک میں کافی سراہا گیا۔ اس اعلانیے میں اتفاقی طور پر ایٹمی سانحوں کے وقوع نہ ہونے دینے اور ایک دوسرے کے خلاف ان کے اندرونی معاملات میں دخل اندازی سے گریز کرنے جیسے تاریخی فیصلے شامل تھے۔ اِس سے دونوں ممالک کے درمیان عرصہ دراز سے کشیدہ ہوئے رِشتوں کے پھر سے اُستوار ہونے کی اُمید بندھ گئی۔

اٹانومی کمیٹی کی رپورٹ:

اِسی دوران ''سٹیٹ اٹانومی کمیٹی'' اور ''علاقائی اٹانومی کمیٹی'' کی رپورٹیں اسمبلی

میں پیش کر کے پاس کروائی گئیں، جسے بھارتیہ جنتا پارٹی نے ''ایک خطرناک اور قومی مفاد کے خلاف قدم قرار دیا''۔ ضلع ڈوڈہ کے عام لوگوں نے بھی اِن رپورٹوں کو سنجیدگی سے نہیں لیا۔ البتہ نیشنل کانفرنس کے کارکنان جگہ جگہ اِس کی تعریف کرتے دیکھے گئے۔ واجپائی سرکار نے بھی اِن رپورٹوں کو بستہ خاموشی میں ڈال کر انہیں کوئی اہمیت نہیں دی۔

پی.ڈی.پی کا قیام:

جولائی ۱۹۹۹ء کو مفتی محمد سعید نے کانگریس پارٹی سے کنارہ کشی اختیار کی اور ریاست جموں وکشمیر میں پیپلز ڈیموکریٹک پارٹی کے نام سے ایک نئی سیاسی پارٹی کا قیام عمل میں لایا۔ سب سے پہلے بھدرواہ سے یہاں کے ایک شریف گھرانے سے تعلق رکھنے والے نوجوان شیخ نجیب احمد اِس نئی پارٹی میں شامل ہوئے اور اُنہوں نے بہت سے دیگر نوجوانوں کو اِس پارٹی میں شامل کروایا۔ موصوف ضلع ڈوڈہ کے لئے پی.ڈی.پی کے صدر رہیں۔

پارلیمانی چناؤ:

ستمبر ۱۹۹۹ء کے پارلیمانی چناؤ میں بی جے پی کے اُمیدوار اور ممبر پارلیمنٹ پروفیسر چمن لال گپتا نے حلقۂ انتخاب اُودھم پور سے چناؤ جتیا اور مرکزی بھاجپا سرکار میں اُن کو کامرس اور سیاحت کا وزیر مملکت بنایا گیا۔

ریاست میں ہلاکتوں کا تخمینہ:

(جنوری ۱۹۹۰ء تا دسمبر ۱۹۹۹ء)

سرکاری اطلاعات میں درج اندازوں کے مطابق جموں کشمیر میں جنوری

۱۹۹۰ء سے لے کر دسمبر ۱۹۹۹ء تک ۹۵۱۹ / مقامی اور ۱۲۹۷ / غیر ملکی جنگجو مختلف کارروائیوں میں مارے گئے۔ اسی طرح مختلف سیاسی پارٹیوں کے ۲۱۷ / کارکنان کو جنگجوؤں نے مار ڈالا۔ ۳۶۵۸ / لوگوں کو جن میں سیاسی کارکن، سرکاری آفیسران، خواتین، مرد اور بچے وغیرہ شامل تھے، اغوا کیا گیا، جن میں ۲۰ / غیر ملکی اشخاص بھی شامل ہیں۔ اُن میں سے ۱۲۷۸ / لوگوں کو قتل کر دیا گیا اور باقی ۹۳۰ لوگ مارے گئے۔ اسی طرح سے اِس دوران ۶۱۱ سکولی عمارتیں، ۳۳۰ پل اور ۱۰۹۳ سرکاری عمارتیں جلا کر خاکستر کی گئیں۔" (بحوالہ "فوکس آن جموں اینڈ کشمیر" از اسیر کشتواڑی، ص: ۵۴۹-۵۵۲)

ہزاروں ریاستی باشندے فوج اور جنگجوؤں کے درمیان ہونے والی جھڑپوں اور دیگر عسکری کارروائیوں میں کام آئے اور تقریباً ۳۰۰۲ / ملی ٹینٹوں نے فوج کے آگے ہتھیار ڈال دئے اور اُن کے ساتھ مل کر عسکری تنظیموں کے خلاف دفاعی کارروائیوں میں شامل ہوئے۔ اِس دوران مبینہ طور پر زیرِ حراست لوگوں کی بہت سی اموات بھی واقع ہوئیں۔ کئی بے گناہ لوگوں کو زبردست تشدد، مار دھاڑ وغیرہ کا سامنا کرنا پڑا۔ خواتین کی عصمت دری اور چھیڑ چھاڑ کی کئی وارداتیں بھی مبینہ طور پر سامنے آئیں۔

عام شہریوں اور جنگجوؤں کی ہلاکتیں:

سال ۲۰۰۰ء بھی پر تشدد (واقعات) وارداتوں اور سانحوں کا سال رہا۔ امریکہ کے صدر بل کلنٹن کی بھارت کے دورے پر ۲ / مارچ ۲۰۰۰ء کو اننت ناگ ضلع کے علاقہ چھٹی سنگھ پورہ میں نامعلوم بندوق برداروں نے اقلیتی سکھ فرقے کے پینتیس (۳۵) افراد کو بڑی بے دردی سے قتل کر ڈالا۔ اِس پر وادی اور وادی کے باہر علاقوں میں غم و غصے کی لہر دوڑ گئی۔ خصوصی طور پر جموں میں ایک بڑا پُر تشدد جلوس نکالا گیا جس میں شامل کچھ عناصر کے ہاتھوں گاڑیوں اور دُوکانوں کو کافی نقصان پہنچایا گیا، جس کے نتیجے میں جموں اور اِس کے مضافات میں کرفیو نافذ کیا گیا۔ اِس دلدوز سانحہ کی کسی

عسکری تنظیم نے ذمہ داری قبول نہیں کی اور مبینہ طور پر باور کرایا گیا کہ یہ بین الاقوامی ہمدردی حاصل کرنے کے لئے اور عسکری تنظیموں کو بدنام کرنے کے لئے ''مرکزی سرکار کی سازش تھی''۔ بہر حال ہر فرقے اور طبقے کے لوگوں نے اِس واقعہ کی پُر زور مذمت کی۔ وادی اور ضلع ڈوڈہ کے علاقوں میں قتل و غارت کا سلسلہ جاری رہا۔

پائلٹ ندیم احمد خطیبؔ کی ہلاکت:

خواجہ عنایت اللہ خطیبؔ (سابقہ چیف انجینئر) کے فرزند ندیم احمد خطیبؔ نے امریکہ میں بطور پائلٹ (PILOT) تربیت حاصل کی اور وہاں کچھ سال کسی کمپنی کا جہاز چلاتا رہا۔ وہ وہاں پر لاکھوں روپے ماہوار کماتا تھا۔ سال ۲۰۰۰ء میں وہ بھی جموں و کشمیر کی ایک عسکری تنظیم میں شامل ہوا۔ ۱۳ / مارچ ۲۰۰۰ء کو وہ علاقہ گول کے بدھن کے مقام پر ایک جھڑپ کے دوران کسی فوجی کی گولی کا نشانہ بن کر لواحقین کو داغِ مفارقت دے گیا۔ دُوسرے روز جب اُس کی لاش سرینگر پہنچی تو ساری وادی کے لوگ اُس کے جنازے میں شامل ہوئے۔ حریت پسند تنظیموں نے اُسے خراجِ تحسین پیش کیا۔ ضلع ڈوڈہ میں بھی اُس کی ہلاکت پر غم و غصے کی لہر دوڑ گئی۔ اُن کے آبائی قصبہ بھدرواہ میں صفِ ماتم بچھ گئی۔

قدرت اللہ منشی کا قتل اور دیگر ہلاکتیں:

۱۵ / جولائی ۲۰۰۰ء کو عسکریت پسندوں نے مبینہ طور پر نیشنل کانفرنس کے ایک سینئر لیڈر قدرت اللہ منشی کو گولی کا نشانہ بنایا، جس سے قصبہ ڈوڈہ میں افراتفری پھیل گئی۔ مرحوم نہایت خلیق اور شریف النفس شخص تھے۔ جن کی موت سے قصبہ ڈوڈہ اور باقی تحصیلوں کے صدر مقامات پر رنج و غم کا اِظہار کیا گیا۔

اِسی دوران بانہال کے پوگل پرستان وغیرہ علاقوں میں تقریباً اُنتیس (۲۹)

لوگ گولیوں کے نشانہ بنے، جن میں دیہی حفاظتی کمیٹیوں کے آٹھ ممبران بھی شامل تھے۔ حالات خراب ہونے کے خدشہ سے کچھ علاقوں میں کرفیو نافذ رہا۔ بھدرواہ کے قدیم قلعہ پر بھی ۳۰/اگست ۲۰۰۰ء کو ایک راکٹ داغا گیا، جس سے اُس کے ایک حصّے کو جزوی طور پر نقصان ہوا۔ اُس حملے میں محمد آزاد نامی ایک سپاہی بھی زخمی ہوا۔ دھماکے کی بھیانک آواز سے بھدرواہ کی ساری وادی گونج اُٹھی۔ تحصیل کشتواڑ کے پتم ہال گاؤں کے مقام پر بندوق برداروں نے چھ اشخاص کو کسی جنگل میں لے جا کر اُن میں سے پانچ کو مار ڈالا۔ اُن میں سے ایک بچ نکلا۔ یہ سب اقلیتی فرقے سے تعلق رکھتے تھے۔ اِس واقعہ کی ضلع بھر میں مذمت ہوئی۔ اِسی سال بھدرواہ کے کچھ جوان مقبوضہ کشمیر کا بارڈر کراس کرتے ہوئے بھارتی فوجوں کی گولیوں کا نشانہ بنے۔ اُن میں امجد علی مغل ولد اصغر علی مغل اور نثار احمد خطیب ولد غلام حسین خطیب بھی شامل تھے۔ علاقہ مرمت، کیلاڑ، بھیلہ اور ٹھاٹھری کے علاقوں میں بھی عسکری کارروائیاں جاری رہیں اور کافی جانی و مالی نقصان ہوتا رہا۔

دو ہر دلعزیز اُستاد بم دھماکے میں ہلاک:

۳/نومبر ۲۰۰۰ء کو ماسٹر صادق حسین شاپو، ماسٹر اختر حسین رفیقی اور ماسٹر جمیل احمد بٹ جامع مسجد بھدرواہ سے نمازِ مغرب ادا کرنے کے بعد بازار سیری کی طرف روانہ ہوئے۔ اُن کے وہاں پہنچتے ہی کسی نامعلوم شخص نے ایک گرینیڈ پھینکا، جس کے پھٹ جانے سے ماسٹر اختر حسین رفیقی موقع پر ہی جاں بحق ہو گئے اور ماسٹر صادق حسین شاپو اور ماسٹر جمیل احمد شدید طور پر زخمی ہوئے۔ بدقسمتی سے صادق حسین شاپو نے بھی راستے میں ہی دم توڑ دیا، جبکہ اُن کو جموں ہسپتال میں علاج معالجے کے لئے لے جایا جا رہا تھا۔ ماسٹر جمیل احمد بٹ کے سر اور ٹانگوں وغیرہ میں شدید زخم آئے، جو کافی دیر تک جموں میں زیرِ علاج رہنے کے بعد رُو بہ صحت ہوئے۔ اِس دلدوز واقعہ

نے بھدرواہ میں عوام کے دِل بلالحاظ مذہب وملت دہلا دیئے اور قصبے میں غم وغصے کی ایک لہر دوڑ گئی۔ بازار بند ہو گئے اور سرکاری سکولوں میں بھی ہڑتال رہی۔ مرحومین کے آخری سفر میں یہاں کے ہزاروں باشندوں نے شرکت کی۔ مرحوم اُستاد صاحبان نہایت ہی شریف النفس، ہمدرد اور قابل ترین اُستاد تھے۔ مرحوم شاپو صاحب حساب کے مضمون جبکہ رفیقی مرحوم سائنس کے مضامین پڑھانے میں زبردست مہارت رکھتے تھے۔ اُن کے ہزاروں مداحوں کے علاوہ اُن کے بے شمار شاگردوں نے اُن کا سوگ منایا اور اُن کے جنازے میں شرکت کی۔ اُن کی ناگہانی موت سے ایک ایسا اور اِتنا بڑا خلاء پیدا ہو گیا جس کا پُر ہونا آئندہ کافی دیر تک محال ہے۔

کشتواڑ کی قدیم تاریخی جامع مسجد نذرِ آتش:

یکم جنوری ۲۰۰۱ء کی شام کو قصبہ کشتواڑ کی تاریخی جامع مسجد پُر اسرار حالات میں نذرِ آتش ہوئی، جس پر سارے خطّے میں مظاہرے ہوئے۔ حریت کانفرنس کی ایماء پر ۵/جنوری ۲۰۰۱ء بروز جمعہ خِطۂ ڈوڈہ کے سارے قصبوں میں (ایک فرقے کی طرف سے) ہڑتال رہی، جن میں بھدرواہ بھی شامل تھا۔ کچھ دیر کے بعد حالات پر قابو پالیا گیا اور آپسی بھائی چارے کو کوئی زک نہیں پہنچا۔

اضافی پینشن اور فیملی پینشن کو منظوری:

۳۱/جنوری کو ریاستی حکومت نے اپنے پینشن یافتہ ملازمین کے حق میں بھی پوری پینشن (اضافی) اور فیملی پینشن دینے کا اعلان کیا، جن سے اُن حلقوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اِس دوران وادیٔ کشمیر اور جموں کے پہاڑی علاقوں میں متعدد عسکری کارروائیاں عمل میں آتی رہیں۔ پنجاب اور دہلی میں کچھ شرارتی عناصر کی طرف سے قرآن کریم کی توہین کی گئی جس کے ردِّ عمل میں ریاست بھر میں غم وغصے کی لہر دوڑ گئی

اور وادیٔ کشمیر اور جموں کے مسلم اکثریتی حلقوں اور علاقوں میں زبردست مظاہرے ہوئے۔ پولیس فائرنگ میں متعدد لوگ بھی زخمی ہوئے۔ بھدرواہ میں بھی مظاہرے ہوئے، ہڑتال رہی اور آمدورفت کے ذرائع متاثر رہے۔

شیخ عبدالرحمٰن کو "بہترین قانون ساز" کا ایوارڈ:

جموں وکشمیر کی قانون ساز اسمبلی کی ایک خصوصی کمیٹی کی سفارش پر شیخ عبدالرحمٰن کو اسمبلی میں اُن کی بہترین کارکردگی کے لئے "بہترین قانون ساز" ایوارڈ سے نوازا گیا۔ ایوارڈ کمیٹی میں باقی ممبران کے علاوہ خواجہ عبدالغنی گونی، سابقہ سپیکر بھی شامل تھے۔ اِس ایوارڈ میں ایک سند کے علاوہ ایک لاکھ روپے کا نقد اِنعام بھی شامل تھا۔ یہ سب بھدرواہیوں کے لئے ایک حوصلہ افزاء اور پُر مسرت واقعہ تھا۔ شیخ صاحب واقعی ایک قابل اور تجربہ کار سیاسی رہنما ہیں اور وہ بہوجن سماج پارٹی کے ریاستی صدر بھی رہے ہیں۔

عسکریوں کارروائیوں میں تیزی:

ایک سرکاری اِطلاع کے مطابق موضع پونیجہ بھدرواہ میں ایک جھڑپ کے دوران مشتاق احمد بیگ ولد محمد قاسم بیگ ۱۵ راگست ۲۰۰۱ء کو جان بحق ہوا لیکن لواحقین اور گاؤں کے باشندوں کے بیان کے مطابق مرحوم کو ایس. ٹی. ایف کے جوانوں نے ۱۵ راگست شام کو گرفتار کیا اور مبینہ طور پر اُسے ہلاک کر کے دُوسری صبح اُس کو لاش والدین کے حوالے کی گئی۔ مذکورہ ایس. ٹی. ایف کے جوانوں نے مشتاق احمد بیگ کی ہلاکت کی ایف. آئی. آر کراس فائرنگ میں درج کروائی۔ والدین نے تھانہ بھدرواہ میں اِس ہلاکت کے سلسلہ میں ایف. آئی. آر. درج کروانے کی کوشش کی لیکن تھانہ کے اِنچارج نے اِس رپورٹ کو درج کرنے سے اِنکار کر دیا۔ بعد میں سی. جی. ایم. ڈوڈہ کی

ہدایات پر تھانہ بھدرواہ میں رپورٹ درج کی گئی اور مسٹر قاسم بیگ کے مطابق ''کیس یہاں سے شفٹ کیا گیا لیکن کرائم برانچ نے آج مورخہ ۲۰/نومبر ۲۰۰۷ء تک اِس سلسلہ میں کوئی چالان پیش نہیں کیا۔ نومبر ۲۰۰۱ء کو اِسی گاؤں میں رہنے والے ایک باشندے غلام محمد نجار کو پُر اسرار حالات میں نذرِ آتش کیا گیا۔''

ضلع ڈوڈہ میں سال ۲۰۰۱ء کے دوران بہت سے لوگوں کو غیر شناخت شدہ ہتھیار برداروں نے مختلف مقامات پر اغوا کر کے مار ڈالا جن میں علاقہ پاڈر اٹھولی کے موضع سزار کے تقریباً گیارہ بے گناہ اشخاص، چیرجی (کشتواڑ) کے مقام پر پندرہ معصوم اور پسماندہ لوگوں اور چھاترو کے علاقہ کے پانچ اشخاص شامل ہیں، جنہیں بڑی بے دردی سے گولیوں کا نشانہ بنایا گیا۔ اِن واقعات سے ضلع بھر میں حالات نے سخت شدّت اختیار کی۔ مقتولین کا تعلق چونکہ اقلیتی فرقے کے ساتھ تھا، اِس لئے حالات کو قابو میں رکھنے کے لئے ضلع انتظامیہ نے مختلف قصبوں میں کرفیو لگا دیا۔ اِن سانحات کی شدید مذمت ہر طبقۂ خیال اور فرقے نے کی۔ اگست کے مہینے کے دوران ہی پاڈر کے شروتی گاؤں میں کچھ غیر ملکی بندوق برداروں نے تیرہ بے گناہ افراد کو قتل کر ڈالا اور پانچ اشخاص کو زخمی کر دیا۔ اِس پر اِنتظامیہ نے پھر ایک بار کشتواڑ میں کرفیو نافذ کر دیا۔ اِس دوران ضلع سے باہر بھی قتل و غارت کا سلسلہ جاری رہا۔ اِن سب واقعات کا اثر بھدرواہ پر بھی پڑتا رہا اور یہاں پر بھی گاہے بگاہے کرفیو نافذ ہوتا رہا اور ہڑتالیں بھی ہوتی رہیں۔ کچھ شدت پسند بھی فوجی دستوں کے ہاتھوں مارے جاتے رہے۔ ان حالات کو دیکھ کر فاروق سرکار نے اِس ضلع کو بھی ''گڑبڑ والا علاقہ'' اور ''فوجوں کو خصوصی اختیارات'' دینے کے دونا پسندیدہ قوانین کے تحت لایا۔

وزیر خوراک خواجہ بشیر احمد کچلو کی وفات:

۲۶/اگست ۲۰۰۱ء کو خواجہ بشیر احمد کچلو وزیر برائے خوراک مختصر علالت کے

بعد دہلی میں وفات پا گئے۔ وہ نیشنل کانفرنس کے سرکردہ لیڈر اور ہردلعزیز اِنسان تھے۔ اُن کی وفات حسرت آیات پر ریاست بھر میں رنج وغم کی لہر سی دوڑ گئی۔ ضلع ڈوڈہ میں توصفِ ماتم بچھی ہی تھی۔ اُن کے جنازے میں ریاست اور ضلع سے تعلق رکھنے والے اُن کے ہزاروں مداحوں اور رفقاء نے شرکت کی۔ بھدرواہ سے بھی اُن کے کئی احباب نے اُن کی آخری رسومات میں شرکت کی۔ مرحوم یہاں کے لیڈر حضرات کی دُوسرے مقامات پر نقل مکانی کی وجہ سے پیدا شدہ خلاء پورا کرنے کی کوشش کرتے رہے اور وقتاً فوقتاً یہاں آ کر ترقیاتی سکیموں اور حالات کا جائزہ لیتے رہتے۔ بحیثیت فارسٹ منسٹر اُنہوں نے ڈِگری کالج بھدرواہ کے کھیل کے میدان کے چاروں طرف عمدہ قسم کی آہنی جالی سے باڑ بندی کروائی اور سوشل فارسٹری محکمہ کی طرف سے سڑک کے کنارے جالی کے اندورنی حصّے میں بہت سے درخت لگوائے، جن سے یہ میدان خوشنما دکھائی دینے لگا اور بیرونی آمدورفت سے ہونے والے نقصان سے محفوظ بھی ہو گیا۔ بھدرواہ نواسیوں کو اُن کی موت سے بڑا صدمہ پہنچا۔ مرحوم بڑے ملنسار، صاف گو، ہمدرد اور دُور اندیش اِنسان تھے۔

ممبر پارلیمنٹ ویدویشنو دت کی موت:

۲۷/نومبر ۲۰۰۱ء کو ریاست کی بھارتیہ جنتا پارٹی اور راشٹریہ سوئم سنگھ کے مقتدر لیڈر وید ویشنو دت کی موت دہلی میں واقع ہوئی۔ وہ جموں۔پونچھ پارلیمانی حلقۂ اِنتخاب کی نمائندگی کرتے تھے۔ اُن کی موت پر جموں کے مختلف مقامات پر سوگ منایا گیا۔ بھدرواہ سے تعلق رکھنے والے بی. جے. پی اور آر. ایس. ایس کے کارکنان میں بھی صفِ ماتم بچھ گی۔ مرحوم ویشنو دت بڑے کٹر قسم کے لیڈر ہونے کے باوجود ہر فرقے میں مقبول ومعروف تھے اور کچلو صاحب کی طرح ہی بڑے نرم مزاج، صاف گو اور اچھے اطوار کے مالک تھے۔

ریاست میں ''پوٹا'' قانون کا نفاذ:

نومبر ۲۰۰۱ء کو فاروق سرکار کی طرف سے ''پوٹا'' کی شکل میں ایک اور غیر انسانی قانون لاگو کیا گیا' جس کے ذریعہ افواج اور دیگر حفاظتی کارندوں کو ملی ٹینٹوں اور اُن کے ہمدردوں کے خلاف کارروائی کرنے کے لامحدود اختیارات دے دیئے گئے۔ اِس قانون کی رُو سے فوج اور پولیس کے اہلکار کسی بھی شخص کو شک کی بناء پر گرفتار کر سکتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ریاستی حکومت کے ایک انسپکٹر جنرل پولیس نے اِس قانون کی سیاہی سوکھنے سے پہلے ہی ایک گھر کے باشندوں کو سردی کے موسم میں باہر دھکیل کر مکان کو مقفل کر ڈالا۔ حقوقِ انسانی سے تعلق رکھنے والی تنظیموں اور وکلاء نے اِس قانون کی سخت مذمت کی۔

۲۰۰۱ء میں ہلاکتوں کا تخمینہ:

سال ۲۰۰۱ء ریاست بھر میں قتل و غارت گری' اغوا کی وارداتوں اور املاک کے تلف ہونے کے لئے مُلکی اور بیرونی اخبارات کی سرخیوں میں بنا رہا۔ ایک اندازے مطابق اِس سال تقریباً ۳۵۰۰ عام شہری' فوجی اور عسکری تنظیموں سے تعلق رکھنے والے لوگ جاں بحق ہوئے۔

ایک غیر سرکاری تخمینے کے مطابق ریاست جموں وکشمیر میں عسکری اور فوجی کارروائیوں کی شروعات ہونے کے دِن سے اِس سال کے آخر تک ساٹھ ہزار سے زیادہ لوگ مارے گئے۔ اِس سال کے دوران فوجیوں کا بھی کافی نقصان ہوا اور کئی بے گناہ شہری بھی مختلف جھڑپوں میں کام آئے۔ ایک سرکاری اندازے کے مطابق دو ہزار سے زائد جنگجو جھڑپوں میں مارے گئے۔

۲۰۰۲ء بھی دردناک:

۲۰۰۱ء کی طرح سے ۲۰۰۲ء کا سال بھی انتہائی دردناک رہا۔ اِس سال بھی سیاسی سرگرمیوں، فوج اور عسکریت پسندوں کے درمیان جھڑپوں، عام شہریوں کے قتلِ عام اور فدائین کے حملوں کا دور دورہ رہا۔ ضلع ڈوڈہ اور ٹھاٹھری، بھلیسہ اور بھدرواہ تحصیلوں کے مختلف مقامات بھی اِن حالات سے متاثر ہوتے رہے۔ یہاں بھی ہڑتالوں کا سلسلہ جاری رہا۔ بہت سے بیرونی اور ریاستی شدّت پسند اور فوجی جوان باہمی جھڑپوں اور حملوں میں کام آئے۔ ۱۲ر ستمبر ۲۰۰۲ء کو عارف اقبال بٹ، ساکنہ مٹھولہ ایک جھڑپ میں جان بحق ہوا۔ اُسے بھی بھدرواہ کے مزارِ الشہداء میں سپردِ خاک کیا گیا۔

غلام نبی آزاد

پردیش کانگریس کمیٹی کے صدر مقرر:

آل اِنڈیا کانگریس کمیٹی کے جنرل سیکریٹری جناب غلام نبی آزاد کی ۲۷ر مارچ ۲۰۰۲ء کو ریاست جموں کشمیر کی پردیش کانگریس کمیٹی کے صدر کے طور پر تقرری عمل میں لائی گئی۔ اُنہوں نے کانگریس پارٹی کے بکھرے ہوئے شیرازے کو دُرست کیا اور وادی کے علاوہ صوبہ جموں میں بھی پارٹی کو مضبوط کرنے کے اقدامات اُٹھائے۔ اُنہیں ریاست کے آئندہ چیف منسٹر کے طور پر بھی ظاہر کیا جانے لگا۔ ضلع ڈوڈہ کی مختلف کانگریسی یونٹوں میں اُنہوں نے ایک نئی رُوح پھونکی اور دہلی میں بیٹھ کر بھی اِس پسماندہ ضلع کی ترقیاتی سکیموں میں اپنے فنڈ میں سے رقومات فراہم کرتے رہے۔

ریاست بھر میں اِس دوران فدائین حملوں میں کئی اشخاص جاں بحق ہوئے اور بہت سے زخمی ہوئے۔ اپریل کے پہلے ہی ہفتہ میں بھلیسہ کے ایک گاؤں ڈُڈواڑ میں نامعلوم بندوق برداروں نے پانچ لوگوں کو بندوقوں کی گولیوں کا نشانہ بنایا۔ اِس

واقع میں چار لوگ زخمی بھی ہوئے۔ اِس خوفناک سانحہ سے علاقہ بھر میں خوف وہراس کی ایک نئی لہر دوڑ گئی۔

وادی میں حریت کانفرنس کے لیڈر عبدالغنی لون کے قتل، لیڈروں کی گرفتاریوں، حریت کانفرنس کی طرف سے مرکزی سرکار کے ساتھ مشروط طور پر بات چیت کرنے کی آمادگی، فاروق گروپ اور گیلانی گروپ کے باہمی اختلافات کے ساتھ ساتھ پرائم منسٹر اٹل بہاری واجپائی کی طرف سے ریاست کے لئے کروڑہا روپے کے پیکیج کے اعلان وغیرہ کا ضلع ڈوڈہ یا بھدرواہ پر کوئی خاص اثر نہیں پڑا۔ تاہم بڑے بڑے سانحوں اور واقعات پر یہاں مقامی طور پر حسبِ معمول ہڑتالیں وغیرہ ہوتی رہیں۔ صوبہ جموں میں بھی کئی مقامات پر فوجی کیمپوں پر ہتھیار بردار شدّت پسندوں کے حملے جاری رہے اور اُن کے خلاف فوجی کارروائیاں بھی شدّت سے جاری رہیں۔ بھارتیہ جنتا پارٹی کے مقامی لیڈروں کی طرف سے جلسے وغیرہ ہوتے رہے اور عسکری تنظیموں کے خلاف سخت کارروائی کرنے کے لئے جوش بھری تقاریر سے وہ لوگوں کی دِل بہلائی کا سامان کرتے رہے۔

مئی کے مہینے کے اواخر پر دو فدائین نے پولیس لائن ڈوڈہ پر دھاوا بولا اور گیٹ پر متعین سنتری کو گولی کا نشانہ بنا کر اندر گھسنے میں کامیاب ہوئے اور گولیوں کی برسات شروع کر دی۔ اِس دوران دو آفیسر بھی جان بحق ہوئے اور بعد میں پولیس کی جوابی کارروائی میں دونوں جنگجو بھی ہلاک ہو گئے۔ کچھ دیر بعد حالات معمول پر آ گئے۔

بطور صدر نیشنل کانفرنس عمر عبداللہ کی دستار بندی:

جون ۲۰۰۲ء میں ڈاکٹر فاروق عبداللہ کے فرزند عمر عبداللہ کی اپنے والد کی جگہ بطور صدر نیشنل کانفرنس تعیناتی عمل میں لائی گئی۔ اُس تقریب پر سب مذاہب کی مقدس کتابوں سے آیات اور شلوک پڑھے گئے۔ یہ بات عام ہو گئی کہ نیشنل کانفرنس

نے ریاست کے ترقیاتی منصوبوں کی تکمیل کی آڑ میں اپنے اِقتدار کو بحال رکھنے کی خاطر مرکز میں جمہوری سمجھوتے کے تحت چلنے والی بھاجپا سرکار کو اپنی پوری حمایت کی پیش کش کی جس کی بدولت عمر عبداللہ کو مرکزی سرکار میں خارجہ امور کے سٹیٹ منسٹر کے عہدے سے نوازا گیا۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ فاروق سرکار ہمیشہ سے بھاجپا کے خلاف اور بی۔ جے۔ پی۔ فاروق سرکار کے خلاف برسرِ پیکار رہی ہیں۔ اِس سمجھوتہ کو مبصرین نے ایک غیر فطری سمجھوتہ قرار دے کر اِسے نیشنل کانفرنس کی ہوسِ اقتدار کے ایک ثبوت کے طور پر پیش کیا۔

بھدرواہ کے اقلیتی فرقے کے کچھ افراد کی طرف سے وِشو ہندو پریشد کی طرف سے ریاست کو تین حصّوں میں تقسیم کرنے کے منصوبے کی کسی حد تک تائید کی لیکن اِس تجویز کی مسلمانوں، سکھوں اور ہندوؤں کے سیکولر طبقے سے تعلق رکھنے والے لوگوں نے سخت مخالفت کی۔ اِن میں پینتھرز پارٹی کے صدر بھیم سنگھ، بہوجن سماج پارٹی کے صدر شیخ عبدالرحمٰن، بی۔ جے۔ پی کے ہی مسٹر کابلی اور رشی کمار کوشل جیسے لیڈر شامل تھے۔ اُنہوں نے اِسے ایک غیر معقول تجویز قرار دیا۔ نیشنل کانفرنس اپنے موقف یعنی اندرونی خودمختاری پر ڈٹی رہی اور مرکزی اور ریاستی بی۔ جے۔ پی۔ نے اِس مسئلے پر مبینہ طور پر خاموشی اِختیار کی۔

مرمت میں زبردست آتش زدگی:

۲۰؍اور ۲۱؍اگست کو سابقہ بھدرواہ تحصیل سے جڑے مرمت علاقہ کے چار دیہات میں تقریباً ۱۳۵ گھر جل کر خاکستر ہو گئے اور اُن میں رہنے والے لوگ خوف و دہشت کے عالم میں جنگلوں کی طرف بھاگ گئے۔ فوجی آفیسروں کے ایک بیان کے مطابق اُن گھروں کو شدّت پسندوں نے ہی جلا ڈالا جبکہ عسکریت پسندوں اور مرمت کے مقامی لوگوں نے اِسے فوج کی طرف سے ایک اِنتقامی کارروائی قرار دیا۔ دلیل یہ

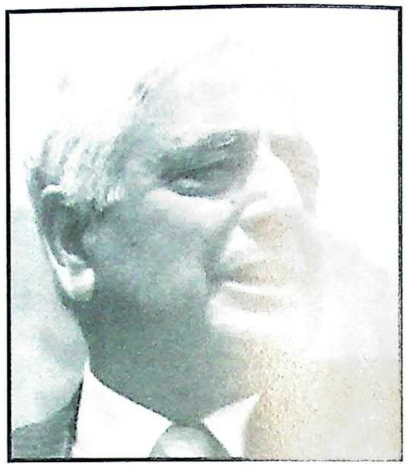
دی گئی کہ ۱۹/اگست کے بم دھماکے میں موضع منگوتہ میں ایک فوجی آفیسر کے مارے جانے پر کچھ فوجی جوان بے قابو ہو گئے اور اُنہوں نے اِنتقامی جذبے سے آو دیکھا نہ تاؤ عام باشندوں کے گھروں میں آگ لگا کر انہیں خاکستر کر ڈالا۔ یہ لوگ اکثریتی فرقے سے تعلق رکھتے تھے۔ اِس مبینہ فوجی کارروائی کے نتیجے میں مرمت کے پانچ دیہاتوں کے لوگ اِس آگ زنی سے بے خانماں ہو کر جنگلوں کی طرف بھاگ نکلے۔ آس پاس میں بسنے والے لوگوں کی لاکھوں روپے مالیت کی جائیدادیں تلف ہو گئیں۔ ۲۲/اگست کو مرمت کی جانب سے ایک احتجاجی جلوس ڈوڈہ کی طرف روانہ ہوا اور فوج اور مقامی ایم ایل اے اور داخلی امور کے ریاستی وزیر مسٹر سہروردی کے خلاف نعرے بلند کرتے ہوئے ڈوڈہ پہنچا اور وہاں پر زبردست مظاہرہ کیا۔ اِس دوران خواتین اور بزرگوں کے ساتھ ناروا اور غیر انسانی سلوک کئے جانے کا بھی مبینہ طور پر الزام لگایا گیا۔ ضلع بھر کے قصبوں کے صدر مقاموں پر احتجاجی جلسے منعقد کئے گئے اور ہڑتالیں ہوئیں۔ حالات کو بگڑتے ہوئے دیکھ کر مرکزی وزیر داخلہ جارج فرنانڈیز، چیف منسٹر ڈاکٹر فاروق عبداللہ اور دیگر فوجی اور پولیس کے آفیسران نے علاقہ مرمت وغیرہ کا ہوائی دورہ کیا اور اس معاملے کی تحقیقات کروانے کی یقین دہانی کرائی۔

اِنسانی ہمدردی اور دردمندی کے پیشِ نظر ڈوڈہ، بھدرواہ، ٹھاٹھری، کشتواڑ اور ملحقہ علاقوں سے لوگوں کی بازآبادکاری کے لئے مختلف قسم کا امدادی سامان مرمت بھیجا گیا۔ حکومت نے بھی فوری امداد کا یقین دلایا۔ مرمت سے ڈوڈہ آئے ہوئے لوگوں کے لئے ڈوڈہ نواسیوں نے ایک عام لنگر کا بھی اہتمام کیا۔ بعد میں کچھ سیاسی لیڈروں نے بھی اُس علاقہ کا دورہ کیا اور امداد فراہم کئے جانے کے وعدے کئے۔ البتہ سرکار کی طرف سے ہر گھر کو ایک ایک لاکھ روپے نقد اور پچاس پچاس ٹین کے تختے امدادی طور پر دیئے گئے۔

اسمبلی اِنتخابات کا اعلان:

ستمبر ۲۰۰۲ء میں ریاستی اسمبلی کے اِنتخابات کرائے جانے کا اعلان ہوا جس پر سیاسی پارٹیوں کا ملا جلا ردّعمل رہا۔ البتہ حریت کانفرنس اور دیگر عسکری تنظیموں نے حسبِ معمول اِس انتخاب سے دُور رہنے کا فرمان جاری کیا۔ پردیش کانگریس کمیٹی کے ریاستی صدر جناب غلام نبی آزاد صاحب اور محترمہ امبیکا سونی اُس وقت بال بال بچ گئے جب ۱۱ ستمبر ۲۰۰۲ء کو سرنکوٹ کے مقام پر کانگریس کی ایک ریلی پر جنگجوؤں نے دو مقامات پر زبردست فائرنگ کی، جس میں ایک درجن سے زیادہ فوجی جوان اور شہری جان بحق ہوئے اور قریباً چودہ (۱۴) لوگ شدید طور پر زخمی ہوئے۔ اُس میں دو جنگجو بھی مارے گئے۔ مذکورہ لیڈران بھی اُس ریلی کو خطاب کرنے والے تھے۔ اُن کا ہیلی کاپٹر جونہی سرنکوٹ (پونچھ) کی فضاء پر نمودار ہوا تو گولہ باری کا ایک سلسلہ جاری ہوگیا۔ تاہم حفاظتی عملے نے اُن دونوں لیڈروں کو بحفاظت الیکشن جلسے تک پہنچادیا۔ جلسہ ابھی جاری تھا کہ کچھ ہی دُوری پر ایک فوجی گاڑی پر کچھ شدّت پسندوں نے حملہ کرڈالا۔ اس حملہ میں تین فوجی جوان اور دو شہری ہلاک ہوئے اور کچھ لوگ زخمی بھی ہوئے۔ اُن واقعات میں مرنے والوں کی تعداد ۱۲ ستمبر ۲۰۰۲ء تک سولہ (۱۶) ہوگئی تھی۔

اسمبلی اِنتخاب کے ہر مرحلے کے دوران اِنتخابی جلسوں پر اِکے دُکّے عسکری حملوں کے واقعات رُونما ہوتے رہے۔ وادی میں حریت کانفرنس کی کال پر ہڑتال کی گئی اور حکومت نے کچھ گرفتاریاں بھی عمل میں لائیں۔ اِس چناو میں حبہ کدل اِنتخابی حلقے سے صرف ایک فی صدی ووٹ پڑے جبکہ جموں میں ۵۶ فی صدی، بڈگام میں ۵۱ فی صدی ووٹ پڑے۔ تشدد کے واقعات میں بہت سے شہری اور فوجی مارے گئے اور کچھ زخمی بھی ہوئے۔ اِنتخابات کے دوران کچھ معروف لیڈروں نے ضلع ڈوڈہ کا بھی دورہ کیا اور جلسوں سے خطاب کیا۔ اُن میں مسٹر غلام نبی آزاد اور پی ڈی پی لیڈر محبوبہ



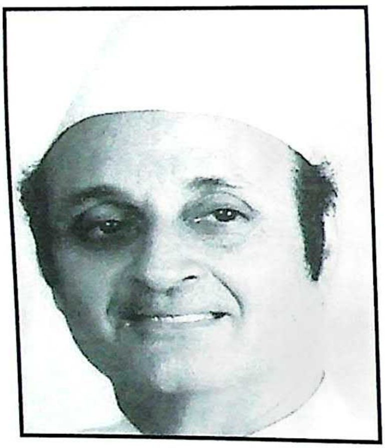
مُفتی محمد سعید



غلام نبی آزاد



عمر عبداللہ



ڈاکٹر کرن سنگھ



غلام محمد شاہ



جگموہن

اِندرول حلقے سے مسٹر غلام محمد سروڑی نے قاضی جلال الدین کو ۱۸۸۸۴ ووٹوں کے فرق سے شکست دی۔ حلقہ اِنتخاب کشتواڑ سے مسٹر سجاد احمد کچلو کامیاب ہوئے جبکہ حلقہ اِنتخاب ڈوڈہ سے عبدالمجید وانی نے مولانا نجیب سہروردی کو ہرایا۔

مفتی محمد سعید کو وزیر اعلیٰ بنانے پر اِتفاق:

حکومت سازی کو عملی شکل دینے کے دوران کانگریس ہائی کمانڈ کی خواہش کے تحت جناب غلام نبی آزاد نے ۲۲ر اکتوبر کے روز ایک طے شدہ معاہدے کے تحت مفتی محمد سعید کو پہلے تین سال کے لئے بحیثیت چیف منسٹر کام کرنے کی رضامندی کا اِظہار کیا۔ حالانکہ اصولی طور پر ممبران کی اکثریت کی بناء پر کانگریس پارٹی کی طرف سے چنے گئے اُمیدوار غلام نبی آزاد کا ہی حق بنتا تھا کہ وہ پہلے تین سالوں کے لئے چیف منسٹر کی حیثیت سے حلف لیتے۔ بڑی گفت وشنید کے بعد ''کم سے کم مشترکہ پروگرام'' پر اِتفاق رائے کے بعد مفتی محمد سعید صاحب کو حکومت سازی کا کام تفویض ہوا۔ فاروق صاحب کے انکار پر کہ وہ معینہ تاریخ کے بعد بحیثیت چیف منسٹر کام کرنا پسند کریں گے' اسمبلی کو اِلتواء میں رکھ کر ۱۷ر اکتوبر کی درمیانی رات سے ریاست میں گورنری راج نافذ کیا گیا' جو ۳۰ر اکتوبر ۲۰۰۲ء تک جاری رہا۔ اِس طرح سے فاروق عبداللہ کی سرکار نے اپنے چھ سال کا دورانیہ مشکل حالات سے گزار کر ختم کیا۔

فاروق عبداللہ کی سرکار کی شکست کی وجوہات میں اُن کا مرکزی سرکار کے ساتھ غیر فطری گٹھ جوڑ' مرکز میں اُن کے فرزند کے تئیں ہوم منسٹر کا عہدہ قبول کرنا اور ریاست بھر میں رِشوت ستانی وغیرہ شامل سمجھی جاتی رہی ہیں۔

مفتی محمد سعید کا دورِ حکومت:

(۲ر نومبر ۲۰۰۲ء تا یکم نومبر ۲۰۰۵ء)

آلِ اِنڈیا کانگریس کمیٹی اور پیوپلز ڈیموکریٹک پارٹی کے درمیان اِکتیس (۳۱) نکات پر مشتمل ایک معاہدے کے تحت ۳۰ر اکتوبر ۲۰۰۲ء کو کانگریس پارٹی کے معروف لیڈر اور ریاستی صدر جناب غلام نبی آزاد نے گورنر گریش چندر سکسینہ کو اُن تمام پارٹیوں کے ممبران اسمبلی اور آزاد اُمیدواروں کے ناموں پر مشتمل ایک فہرست پیش کی جس کے نتیجے میں گورنر نے اِطمینان کا اِظہار کرتے ہوئے نامزد وزیرِ اعلیٰ مفتی محمد سعید کو ۲ر نومبر ۲۰۰۲ء کو حلف برداری اور حکومت سازی کی دعوت دی۔ اِس مخلوط سرکار کو باون (۵۲) ممبران اسمبلی کی حمایت حاصل رہی، جس میں اُن دو پارٹیوں کے علاوہ پینتھرز پارٹی اور کمیونسٹ پارٹی بھی شامل تھی۔

مفتی صاحب کے دور میں لوگوں کے ''زخموں پر مرہم کرنے'' کی پالیسی اور ''ہندو پاک دوستی'' کے دو اہم امورات پر کافی زور دیا جاتا رہا، جس وجہ سے اِس ملی جلی سرکار کے باہمی اِشتراک اور مرکزی حکومت کی فراخدلانہ مالی امداد سے یہاں کے سیاسی اور حفاظتی امورات سے متعلق معاملات میں کافی سے زیادہ بدلاؤ محسوس کیا جانے لگا۔ پچھلی حکومتوں کے مقابلہ میں لوگوں نے اِس دور میں کافی حد تک اِطمینان کا سانس لیا اور اپنے آپ کو قدرے محفوظ سمجھنے لگے۔ حالانکہ عسکریت پسند تنظیموں کے خلاف کارروائیاں جاری رہیں۔ مفتی صاحب اور اُن کے وزراء مختلف مقامات پر لوگوں سے ملتے رہے اور ہر سطح پر ترقیاتی کاموں کا سلسلہ دوبارہ جاری ہوگیا۔ اِقتصادی طور پر بھی ترقی کا احساس سا پیدا ہوا۔ سیاسی لیڈران بھی ریاست کے کونے کونے میں جا کر کڑے حفاظتی اِنتظامات کے تحت جلسے منعقد کرنے لگے۔ خواجہ غلام نبی آزاد کی ایماء پر اُن تین سالوں میں ضلع ڈوڈہ کی جانب بھی کافی توجہ دی جانے لگی۔ باقی مقامات کی طرح ہی

یہاں پر بھی بہت سے پرائمری سکول کھولے گئے۔ مڈل اور ہائی سکولوں کا درجہ بڑھایا گیا۔ بھالڑہ' چنتہ اور بھلیسہ کے کچھ ہائی سکولوں کو ہائر سکینڈری سکولوں کا درجہ دیا گیا۔

محمد شریف نیاز' جو مفتی سرکار میں وزیر برائے بجلی مقرر ہوئے' کی سرپرستی میں میں ساری ریاست میں بجلی کی فراہمی اور پرانے کھمبوں اور تاروں وغیرہ کو بدلنے کے اقدامات کئے گئے۔ بھدرواہ' ٹھاٹھری اور گندو کے علاوہ علاقہ مرمت میں بجلی کے محکمہ کو سرگرم عمل کیا گیا۔ بھدرواہ میں زائد المیعاد کھمبوں اور تاروں کو یک سر بدل دیا گیا۔ یہ خطرناک حد تک پرانے ہو چکے تھے۔ بھدرواہ میں بجلی گھر کی مرمت کی گئی اور اس میں نئے ٹربائین لگوائے گئے' جو سالہا سال سے اُودھم پور کے ایک سٹور میں سڑ رہے تھے۔ بجلی کے کئی مائیکرو (جزوی) منصوبے تیار کئے گئے۔ پرانے شروع کئے گئے ترقیاتی کاموں کی تکمیل کے لئے ضلع سطح پر رقوم فراہم کی گئیں۔ بھدرواہ کا ریڈیو اسٹیشن چالو کیا گیا' جس کے لئے مسٹر غلام نبی آزاد نے بحثیت مرکزی وزیر رقومات فراہم کروائیں تھیں۔ البتہ اُس دور میں چمبہ - بھدرواہ اور بھدرواہ - بنی - بسوہلی روڈ کے علاوہ بھدرواہ - ڈوڈہ روڈ کی حالت خراب ہی رہی اور اُن کی تکمیل یا مرمت کے لئے چنداں دھیان نہیں دیا جاسکا۔

اُس دور میں جناب غلام نبی آزاد کی بے لوث کوششوں سے بھدرواہ اور کشتواڑ کے لئے ''ڈویلپمنٹ اتھارٹی'' کا اعلان کیا گیا۔ اُنہوں نے بھدرواہ ڈاک بنگلہ کے لئے ایک نئے طرز کا کمرہ ڈِگری کالج کے لئے ایک گرلز ہوسٹل وغیرہ اپنی پارلیمانی گرانٹ سے پایۂ تکمیل کو پہنچائے۔ اس دور میں کئی رابطہ سڑکوں کے منصوبے تیار کئے گئے اور پرانی سڑکوں کی مرمت کا کام ہاتھ میں لیا گیا۔ بھدرواہ' بھلیسہ' ڈوڈہ وغیرہ کے لئے بھی اُنہوں نے کچھ ترقیاتی کاموں کے لئے رقومات فراہم کروائیں۔ بہت سے ایسے مدرسے' جو کئی سال سے بند پڑے تھے' پھر سے شروع کئے گئے اور سکولوں کی تباہ شدہ عمارت کی مرمت کا کام بھی ہاتھ میں لیا گیا۔ اُن کی تعمیر کے لئے

منصوبہ سازی ہوئی۔ دُور دراز علاقوں میں عسکریت پسندوں اور اُن کی تنظیموں کے خلاف کارروائیاں کرنے کے لئے سپیشل آپریشن گروپ اور سپیشل ٹاسک فورس وغیرہ قائم کی گئیں۔ پنچایت ایکٹ کی ترمیم کر کے اُس میں عورتوں کے لئے ۳۳ فیصدی نشستیں مقرر کی گئیں اور ریاست کے مختلف حصّوں میں پنچایت چناؤ کروائے گئے۔ رہبر تعلیم سکیم کے تحت (جسے نیشنل کانفرنس سرکار نے شروع کیا تھا) دیہاتی لوگوں کو بھی سکولوں کا کام کاج کا جائزہ لینے کے مواقع فراہم کئے گئے۔ ریاست بھر میں ٹیکسوں کے بقایاجات اور بجلی فیس کی وصولی کے لئے اِقدامات کئے گئے، جس سے ریاست کی آمدنی میں کچھ اِضافہ ہوا۔

غلام نبی آزاد راجیہ سبھا کے لئے منتخب:

۹ نومبر ۲۰۰۲ء کو ڈاکٹر فاروق عبداللہ، پروفیسر سیف الدین سوز اور سردار ترلوک سنگھ باجوہ کے ساتھ ہی غلام نبی آزاد بھی راجیہ سبھا کے ممبر منتخب ہوئے۔ آزاد صاحب ۲۰ نومبر ۲۰۰۵ء تک اِس عہدے پر قائم رہے۔ وہ مرکزی حکومت میں وزیر برائے شہری ترقی اور پارلیمانی امور کے فرائض بھی نبھاتے رہے اور پردیش کانگریس کمیٹی کے صدر کی ذمہ داریاں بھی۔ اِس دوران ریاست میں فوجی دستوں اور عسکریت پسندوں کے درمیان جھڑپیں جاری رہیں لیکن ساتھ ہی ساتھ مرکزی حکومت کے مذاکرات کچھ حریت پسند تنظیموں کے ساتھ جاری رہے، جن میں شبیر شاہ کی (DFP) ڈیموکریٹک فریڈم پارٹی سرفہرست تھی۔

ریاست جموں وکشمیر میں پہلی بار قانون ساز اسمبلی اور کونسل نے ''اکاؤنٹی بلٹی بل''، بالترتیب ۲۶ نومبر ۲۰۰۲ء اور ۲۸ نومبر ۲۰۰۲ء کو پاس کرلیا، جس کے دائرے میں وزیر اعلیٰ تک کے عہدے کو لایا گیا۔ ۳۰ نومبر ۲۰۰۲ء کو پل ڈوڈہ۔ مرمت روڈ پر کھلینی کے مقام پر ایک بھیانک بس حادثے میں پینتیس (۳۵) افراد ہلاک ہوگئے،

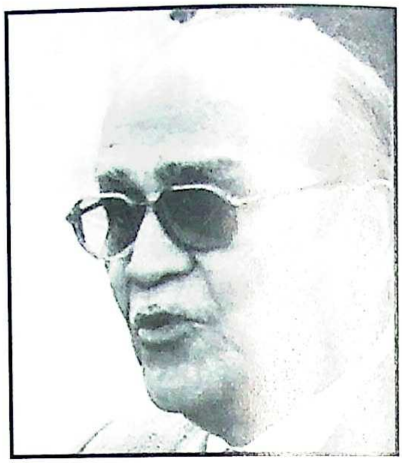
جن میں مرمت، ڈوڈہ اور کشتواڑ کے کئی ملازمین بھی شامل تھے۔ دسمبر ۲۰۰۲ء کو جناب غلام نبی آزاد ملی جلی سرکار کی رابطہ کمیٹی کے سربراہ مقرر ہوئے۔

واجپائی کا پاکستان کی طرف دوستی کا ہاتھ:

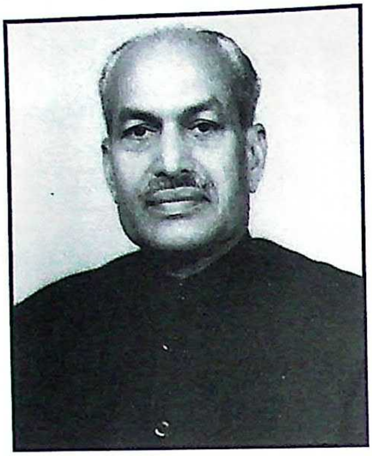
اپریل ۲۰۰۳ء کو پرائم منسٹر اٹل بہاری واجپائی نے اپنے ریاستی دورہ کے دوران سری نگر میں بلائی گئی ایک پریس کانفرنس میں پاکستان کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرنے اور تمام باہمی معاملات بشمول ''مسئلہ کشمیر'' بات چیت کے ذریعہ حل کرنے کا اعلان کیا، جسے پاکستان اور ریاستی عوام نے سراہا۔ دُوسری طرف کانگریس پارٹی کی صدر سونیا گاندھی نے بھی وادیٔ کشمیر میں آکر مختلف طبقۂ خیال کی تنظیموں کے ساتھ مخلصانہ اور بامقصد بات چیت کرنے کے اِرادے کا اِظہار کیا۔ اِسی دوران مِس محبوبہ مفتی کو مسٹر مظفر حسین بیگ کی جگہ پی ڈی پی کے نئے صدر کے طور پر منتخب کیا گیا۔ محبوبہ مفتی نے ضلع ڈوڈہ کے کچھ علاقوں کا بھی دورہ کیا اور اُن میں اپنی تنظیم کے کچھ ڈھانچے تیار کئے۔ اِس سے قبل ۱۵ رمارچ ۲۰۰۳ء کو کلدیپ کمہار ولد لال چند، عرف اختر انصاری، ساکنہ پونیجہ بھدرواہ، ایک جھڑپ میں ہلاک ہوا۔ بھدرواہ میں عسکری تنظیم سے وابستہ یہ پہلا ہندو نوجوان تھا۔ اُس کو بھی مزار الشہداء میں سپردِ خاک کیا گیا۔

سکسینہ کی جگہ سنہا گورنر:

۴ رجون ۲۰۰۳ء کو مرکزی سرکار نے گورنر گریش چندر سکسینہ کی جگہ لیفٹیننٹ جنرل (ریٹارڈ) ایس. کے. سنہا کو ریاست جموں و کشمیر کا گورنر مقرر کیا۔ لوگوں نے ''جنرلوں کی تعیناتی یا تبادلے'' میں کسی خاص دِلچسپی یا ردّ عمل کا اِظہار نہیں کیا۔ کیونکہ اِن امورات میں مرکزی حکومت اپنے مفادات ہی کو پیشِ نظر رکھتی چلی آئی ہے۔



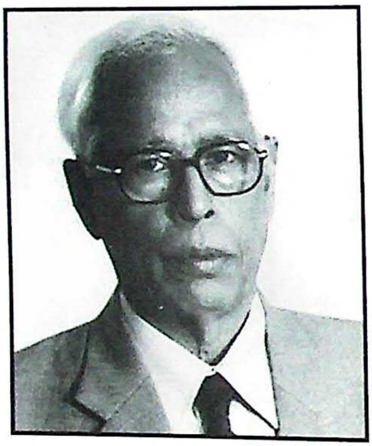
گریش چندر سکسینہ



جنرل کے.وی.کرشنا راؤ



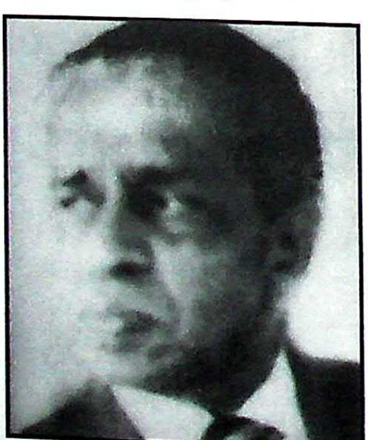
ایس.کے.سنہا



این.این.ووہرا



پنڈت پریم ناتھ ڈوگرہ (سابقہ وزیرِ وزارت)



ایل.کے.جھا

کی لہر دوڑ گئی۔ اِس حادثے میں ڈوڈہ کے ایک نوجوان سماجی کارکن مسٹر عطا محمد زرگر بھی دریائے چناب کی لہروں میں ہمیشہ کے لئے سما گئے۔

اِس حادثے کے کچھ عرصہ بعد ہی یعنی ۲۴ر جولائی ۲۰۰۳ء کو اِسی ہائی وے پر ٹھاٹھری سے ڈوڈہ آتے ہوئے ایک منی بس دریائے چناب میں گر گئی۔ اُس میں میں بھی ۲۵ آدمی غرقِ آب ہوئے اور چھ اشخاص زخمی ہوئے۔ دریا سے صرف چار لاشیں برآمد ہوئیں۔ کچھ شخصیات کے علاوہ اِس حادثے میں تحصیل ٹھاٹھری کے مقامی کانگریس کمیٹی کے صدر صادق حسین کچلو بھی دریا میں بہہ گئے۔ اِس حادثے پر بھی ضلع بھر میں رنج و غم کا اِظہار کیا گیا اور ٹریفک پولیس کی نکتہ چینی کی گی۔

واجپائی کی سرینگر میں آمد:

پرائم منسٹر شری اٹل بہاری واجپائی کے وادی میں آٹھویں ریاستی باہمی رابطہ کونسل کے اجلاس کی صدارت کرنے کے لئے آنے پر کچھ حریت پسند تنظیموں کے اِشارے پر وادیٔ کشمیر میں ۲۷ر اگست اور ۲۸ر اگست ۲۰۰۳ء کو ہڑتال کی وجہ سے عام زِندگی کے معمولات کافی حد تک اثر انداز ہوئے۔ اِس ہڑتال کا ملا جلا اثر ضلع ڈوڈہ کے مختلف مقامات بشمول بھدرواہ پر بھی پڑا۔ لیکن واجپائی کے ہندو پاک رِشتوں سے متعلق گفت وشنید میں تھوڑی سی پیش رفت ہونے کے اِظہار پر جموں و کشمیر کے لوگوں نے اِطمینان کا سانس لیا۔

مسٹر اٹل بہاری واجپائی نے اپنے اِسی دورے کے دوران "بغلیار پروجیکٹ" کے لئے بائیس (۲۲) ہزار کروڑ روپے واگزار کرنے کا اعلان بھی کیا۔ یہ مجموعی طور پر ضلع ڈوڈہ کے باشندوں کے لئے ایک خوش آئند بات تھی۔ بھدرواہ کی عوام نے بھی دونوں مما لک کے درمیان تعلقات میں بہتری آنے پر مسرت کا اِظہار کیا۔

پردیش بھارتیہ جنتا پارٹی کے نئے صدر:

ڈاکٹر نرمل سنگھ، جو کچھ عرصہ سے پردیش بھارتیہ جنتا پارٹی کے قائم مقام صدر کے طور پر کام کر رہے تھے، کو باضابطہ طور پر اکتوبر ۲۰۰۳ء کے پارٹی انتخابات میں پارٹی کا ریاستی صدر منتخب کیا گیا۔ اُن کے اِنتخاب میں صوبہ جموں کے بھاجپا حلقوں میں مسرت کی لہر دوڑ گئی، تاہم بھدرواہ کے اراکین نے کسی خاص ردِّعمل کا اِظہار نہیں کیا۔

۲۰۰۳ء میں ملی ٹینسی کی وارداتیں:

سال ۲۰۰۳ء کے دوران جموں وکشمیر میں ملی ٹینسی کی وارداتوں میں اِضافہ ہوتا گیا۔ اِس دوران فدائین حملوں میں بھی شدّت آ گئی لیکن شہری اور فوجی شرح اموات میں مقابلتاً کچھ کمی واقع ہوئی۔ سرکاری اِطلاعات کے مطابق سال کے اِختتام تک ۱۴۵۱ اشدّت پسند اور ۵۹۹ شہری مارے گئے اور ۴۲۵ فوجی جھڑپوں میں ہلاک ہوئے۔ ۱۱۵ جنگجوؤں نے ہتھیار ڈالے۔ اِس دوران ۵۵ ایس۔ پی۔ اوز، ۶۰ پولیس اہلکار اور دیہاتی حفاظتی کمیٹیوں کے ۶۰ ممبران بھی جان بحق ہوئے۔

غیر سرکاری ذرائع کے مطابق اموات کی تعداد دِکھائے گئے شماریات سے زیادہ تھی۔ اِن تخمینوں میں ضلع ڈوڈہ کے افراد وغیرہ شامل ہیں۔

ڈوگری آٹھویں شیڈیول میں شامل:

مرکزی سرکار نے ایک آئینی ترمیم کے تحت ڈوگری زبان کو زبانوں کے آٹھویں شیڈیول میں شامل کر کے ڈوگری زبان کے ادباً، شعراُ اور قلمکاروں کی اُس دیرینہ مانگ کو پورا کیا جس کے لئے وہ عرصہ دراز سے جدوجہد کر رہے تھے۔ مرکزی سرکار کے اِس اقدام کو صوبہ جموں کے سیاسی، ادبی اور سماجی تنظیموں نے کافی حد تک سراہا۔

۲۰۰۴ء بھی جوں کا توں:

ریاست جموں و کشمیر کی سیاسی و سماجی صورتِ حال کے حوالے سے ۲۰۰۴ء بھی جوں کا توں ہی رہا اور ریاست کے حالات کچھ اچھے نہیں رہے۔ البتہ ۲۲ / جنوری ۲۰۰۴ء کو بھارت کے نائب وزیر اعظم مسٹر لال کرشن ایڈوانی اور ریاستی حریت کانفرنس (فاروق گروپ) کے پانچ ممبران کے درمیان دہلی میں بات چیت ہوئی، جس میں مسئلہ کشمیر سے جڑے ہوئے تمام مسائل کو مرحلہ وار طریقے سے باہمی گفت وشنید کے ذریعہ حل کرنے کی خواہش کا اِظہار کیا گیا۔ اِس بات چیت کو فریڈم پارٹی کے چیئرمین نے ایک ''بے نتیجہ بات چیت'' قرار دیا جبکہ علی شاہ گیلانی گروپ نے اِس کی زبردست مخالفت کی اور حریت کے مذکورہ لیڈروں پر حریت کانفرنس کا نام غلط طور پر استعمال کرنے کا الزام لگایا۔ ضلع ڈوڈہ اور خاص طور پر بھدرواہ کے سیاسی حلقوں نے بھی اِس بات چیت کو سنجیدگی سے نہیں لیا۔

فروری ۲۰۰۴ء کو ریاست کی ملی جلی سرکار کی توسیع کی گئی، جس سے منسٹروں کی تعداد ۳۹ تک پہنچ گئی۔ اُن میں صوبہ جموں کے کچھ حصّوں سے پانچ اور وادی وغیرہ سے چار منسٹر تعینات ہوئے۔ تاہم ضلع ڈوڈہ کی نمائندگی مسٹر محمد شریف نیاز اور مسٹر عبدالمجید وانی بدستور کرتے رہے۔ اِسی دوران مرکزی نائب وزیر اعظم لال کرشن ایڈوانی اور حریت کانفرنس کے درمیان ۲۷ / مارچ ۲۰۰۴ء کو بات چیت کا ایک اور دور اِختتام پذیر ہوا۔ اُس بات چیت سے بھی کوئی خاص نتیجہ برآمد نہیں ہوسکا۔ تاہم آئندہ گفت وشنید کا سلسلہ جاری رکھنے کا اعلان ضرور رہوا۔

موضع شریکھی میں جنگجو کی ہلاکت:

۲۳ / اپریل ۲۰۰۴ء کو زبیر احمد بٹ المعروف کرنل مزمّل، ساکنہ محلّہ قلعہ بھدرواہ

موضع شریکھی (اٹھکھار) کے مقام پر فوج کے ساتھ ایک تصادم میں ہلاک ہوا، جس کو بھدرواہ کے مزارالشہداء میں سپردِ خاک کیا گیا۔ اِس سلسلہ میں قصبہ میں جزوی طور پر ہڑتال بھی رہی۔

لوک سبھا کے اِنتخابات۔ ۲۰۰۴ء:

۲۰۰۴ء میں ریاست جموں وکشمیر کی مختلف لوک سبھا سیٹوں کے لئے اِنتخابات اپریل اور مئی کے مہینوں میں کروائے گئے، جن میں ریاستی سطح پر ۳۴ء۷ فی صدی ووٹ ڈالے گئے جس کی اوسط پچھلے چناؤ سے قدرے زیادہ تھی۔ کانگریس نے اُودھم پور۔ ڈوڈہ، جموں۔ پونچھ اور لداخ کی پارلیمانی سیٹیں جیت لیں جبکہ نیشنل کانفرنس نے سرینگر اور بارہمولہ کی نشستوں پر قبضہ جمایا۔ پی ڈی پی نے اننت ناگ کی نشست حاصل کی۔ اُودھم پور۔ ڈوڈہ سے چودھری لال سنگھ کامیاب قرار دیئے گئے۔ اُنہوں نے اپنے حریف پروفیسر چمن لال گپتا کو اُن کے مسلسل تین دورانیوں کے بعد ۴۷۱۷۵ ووٹوں سے ہرایا۔ مرکز میں بی۔ جے۔ پی کی گٹھ جوڑ والی سرکار ختم ہوئی اور کانگریس کی سربراہی میں ایک نئی ''ملی جلی'' سرکار کی تشکیل عمل میں آئی، جس کے پرائم منسٹر ڈاکٹر من موہن سنگھ جی مقرر ہوئے۔

اِس انتخاب کے بعد چودھری لال سنگھ نے بھدرواہ اور ضلع کے دیگر مقامات کا بھی دورہ کیا۔ بھدرواہ کے دورے پر اُنہوں نے یہاں کی تعمیر وترقی اور ایک یونیورسٹی کیمپس قائم کرنے جیسے معاملات کے بارے میں اپنی مکمل حمایت کا یقین دِلایا۔ ۲رجولائی ۲۰۰۴ء کو وہ چھاترو (کشتواڑ) کے دورے کے دوران شدّت پسندوں کی طرف سے کیے گئے ایک حملے میں بال بال بچ گئے جبکہ اُس حملے کے نتیجہ میں ایک ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس اور چھ پولیس اہلکار ہلاک ہوئے۔

وزیرِ اعظم کا دورہ جموں و کشمیر:

ڈاکٹر من موہن سنگھ وزیرِ اعظم ہند ۱۷ر نومبر ۲۰۰۴ء کو ریاست جموں و کشمیر کے دورے پر آئے جبکہ حریت کانفرنس کی ایماء پر کی گئی ہڑتال کی وجہ سے وادیٔ کشمیر میں سارا کاروبار ٹھپ ہو کر رہ گیا۔ تاہم وزیرِ اعظم نے شیرِ کشمیر سٹیڈیم میں ہزاروں لوگوں کے اجتماع سے خطاب کیا۔ یہاں اُنہوں نے مرکز کی طرف سے ریاست کے ترقیاتی منصوبوں کے لئے ۲۴ ہزار کروڑ روپے کی امداد کا بھی اعلان کیا۔ وہ دُوسرے دن جموں آئے اور وہاں پریڈ گراونڈ میں ایک بھاری جلسے کو خطاب کیا۔ اُنہوں نے سرکاری ملازمتوں پر لگائی گئی پابندی کے احکامات کو ریاست جموں و کشمیر کے دائرے سے باہر رکھے جانے کا بھی اعلان کیا، جس پر ہر طرف سے خوشی کا اِظہار کیا گیا۔ پرائم منسٹر نے امن و امان کے سلسلہ کو آگے لے جانے کا بھی یقین دِلایا۔

وزیرِ اعظم پاکستان کا دورہ بھارت:

پاکستان کے وزیرِ اعظم شوکت عزیز ایک خیر سگالی دورہ پر ۲۳ر نومبر ۲۰۰۴ء کو دو روز کے لئے دہلی آئے۔ یہاں پر وہ مرکزی سرکار کے ایک وفد کے علاوہ مخالف پارٹیوں کے لیڈروں سے بھی ملے جن میں ایل۔ کے۔ ایڈوانی بھی شامل تھے۔ اُنہوں نے ایک عشائیے پر حریت کانفرنس کے لیڈروں سے بھی ملاقات کی اور ہند و پاک کے درمیان کشمیر کے تنازعے پر ہونے والی بات چیت پر بھی تبادلۂ خیال کیا۔ حریت کانفرنس کے علاوہ اِس بات چیت میں کشمیر سے آئے ہوئے کچھ اور بھی لیڈر شامل ہوئے۔ ۲۴ر نومبر ۲۰۰۴ء کو اُن کی ملاقات وزیرِ اعظم ڈاکٹر من موہن سنگھ سے ہوئی جس میں سری نگر۔ مظفر آباد بس سروس، باہمی اعتماد سازی اور دیگر مسائل پر ہمہ گیر بات چیت کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ ضلع ڈوڈہ کی مختلف تنظیموں نے اِس ملاقات کا خیر مقدم کیا۔

بھدرواہ، بھلیس، ٹھاٹھری اور دیگر مقامات پر سیاسی اور سماجی حلقوں نے اِس بات چیت کو ایک خوش آئند قدم قرار دیا۔

۲۰۰۵ء کا آغاز اور سابقہ وزیرِ تعلیم کی وفات:

یکّم جنوری ۲۰۰۵ء کو نیشنل کانفرنس کے ایک مقتدر لیڈر اور سابقہ وزیرِ تعلیم عبدالقیوم اپنے گھر تلسی باغ میں وفات پا گئے۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں ایم۔اے، ایل۔ایل۔ بی کی ڈِگری حاصل کرنے کے بعد وہ گورنمنٹ ڈِگری کالج بھدرواہ میں بطور لیکچرر تعینات ہوئے تھے۔ بعد میں اُنہوں نے نوکری کو خیرباد کہہ کر میدانِ سیاست میں قدم رکھا۔ بھدرواہ میں اُن کے لاتعداد شاگردوں، شناساؤں اور عام لوگوں نے اُن کی وفات پر رنج و غم کا اِظہار کیا اور اُن کی خدمات کو سراہا۔

سری نگر۔ مظفرآباد بس سروس کا آغاز:

۷/اپریل ۲۰۰۵ء کو بھارت کے پرائم منسٹر ڈاکٹر من موہن سنگھ نے ہندو پاک حکومت کے درمیان ہوئی گفت و شنید کے نتیجے میں تقریباً ۵۷ سال کے بعد سرینگر سے پہلی بس سروس کو سبز جھنڈی لہرا کر مظفرآباد کی طرف روانہ کیا۔ اُس موقع پر اُن کے ساتھ کانگریس کی چیئرپرسن محترمہ سونیا گاندھی، مرکزی وزیر غلام نبی آزاد کے علاوہ کئی ریاستی اور مرکزی شخصیات موجود تھیں۔ اس سروس کو ''کاروانِ امن'' کا خصوصی نام دیا گیا۔ سٹیٹ روڈ ٹرانسپورٹ کارپوریشن کی دو نئی بسوں میں ریاست کے اِس حصّے سے ۱۹/افراد سوار تھے۔ سری نگر سے ۱۲۰ میل کی دُوری پر واقع کامران نامی چوکی سے اِن لوگوں نے لائن آف ایکچوئل کنٹرول کو پار کیا، جہاں بہت سے سرکاری اہلکاروں اور اُن کے رِشتہ داروں کے علاوہ ہزاروں لوگوں نے اُن کا گرمجوشی سے اِستقبال کیا۔ اِسی طرح سے مظفرآباد سے آئے ہوئے ۳۰/افراد کا کامران چوکی پر ریاست کے

وزیراعلیٰ مفتی محمد سعید‘ کچھ وزراء اور سرکاری اہلکاروں نے پُرتپاک خیر مقدم کیا۔ یہ کارواں خیریت سے شام کو سری نگر پہنچ گیا۔ سری نگر تک کی سڑک کے دونوں اطراف پر جمع لوگوں کے ایک بھاری ہجوم نے اُن مہمانوں کا بڑی گرمجوشی سے اِستقبال کیا۔ ہندو پاک کی حکومتوں کے اِس اقدام کو ریاست میں بالعموم اور ضلع ڈوڈہ کے مختلف مقامات کے لوگوں نے خصوصی طور پر بڑی سراہنا کی اور اِسے دونوں ممالک کے درمیان آئندہ تعلقات کی مزید اُستواری کا پیش خیمہ قرار دیا۔

۲/ جون ۲۰۰۵ء کو سری نگر سے حریت کانفرنس کے ”اعتدال پسند گروپ“ نے پہلی بار کنٹرول لائن کو عبور کر کے مقبوضہ کشمیر اور پاکستان کے لیڈروں سے ملاقاتیں کیں جس کا مقصد بحالیٔ امن کے تعلق سے کی جانے والی کوششوں کو آگے بڑھانا اور مسئلہ کشمیر کا باہمی گفت وشنید کے ذریعہ کوئی مستقل حل تلاش کرنا تھا۔ اُس گروپ میں مولوی عمر فاروق کے علاوہ جموں وکشمیر لبریشن فرنٹ کے چیئرمین یٰسین ملک اور فریڈم پارٹی کے کچھ ممبران شامل تھے۔ ”آزاد کشمیر“ کے باشندوں نے یٰسین ملک کے تئیں کچھ زیادہ ہی جوش وخروش کا مظاہرہ کیا اور مجموعی طور پر جگہ جگہ اُن سب کا گرمجوشی سے اِستقبال کیا گیا۔ ضلع ڈوڈہ اور خصوصاً بھدرواہ کے علاقہ میں اُن دوروں کا خوشگوار اثر پڑا۔ کچھ ماہ کے بعد ہی ۱۹۴۷ء کے دوران یہاں سے گئے ہوئے کچھ مہاجرین بھی اُسی کاروان امن کے ذریعہ یہاں اپنے رِشتہ داروں سے ملنے آئے اور واپس چلے گئے۔

موضع چکہ میں مڈبھیڑ:

ہفت روزہ ”صدائے کوسہار“ ڈوڈہ کے یکم جولائی ۲۰۰۵ء کے شمارے میں چھپی ایک اطلاع کے مطابق —— ”چکہ بھدرواہ میں لشکر طیبہ سے وابستہ عسکریت پسندوں اور سیکورٹی فورسز کے درمیان ہوئی ایک طویل مڈبھیڑ میں چار سیکورٹی فورس جوان‘ جن میں دو ایس. پی. او اور دو سی. آر. پی. ایف جوان شامل تھے‘ ایک عام شہری اور ایک عسکری ہلاک ہوگئے۔ گو سرکاری طور پر عام شہری فاروق احمد ولد محمد شریف‘

ساکنہ اُپر چکہ کو بھی عسکریت پسند بتایا جارہا ہے لیکن علاقہ کے لوگوں کا بیان ہے کہ وہ ایک عام شہری تھا۔ اِس مُڈبھیڑ میں فاروق احمد‘ محمد شفیع اور منظور احمد فرزندان محمد شریف بٹ‘ ساکنانِ چکّہ اور ایاز احمد ولد عبدالکریم‘ ساکنہ اپر چکہ کے مکانات مکمل طور پر خاکستر ہو گئے۔ ہلاک ہوئے ایس. پی. اوز کی شناخت سنجے کمار اور منٹو کے طور پر ہوئی ہے جبکہ ۸۷ ویں بٹالین سے وابستہ جوان کی پہچان ریڈیو آپریٹر شکتی ویلو اور کانسٹیبل انیس فلپس کے طور ہوئی ہے۔ ہلاک ہوئے عسکری کی پہچان عابد ضیا کوڈ جعفر ولد ضیا راز دان‘ ساکنہ منٹھی مرمت کے طور پر ہوئی ہے۔ عام شہری کی ہلاکت کے خلاف بھدرواہ میں جلوس نکالا گیا جس کی سربراہی شیخ مجیب علی کررہے تھے۔ اُس شہری کی ہلاکت کے خلاف بھدرواہ میں مسلم فرقے کی طرف سے ہڑتال رہی ——"

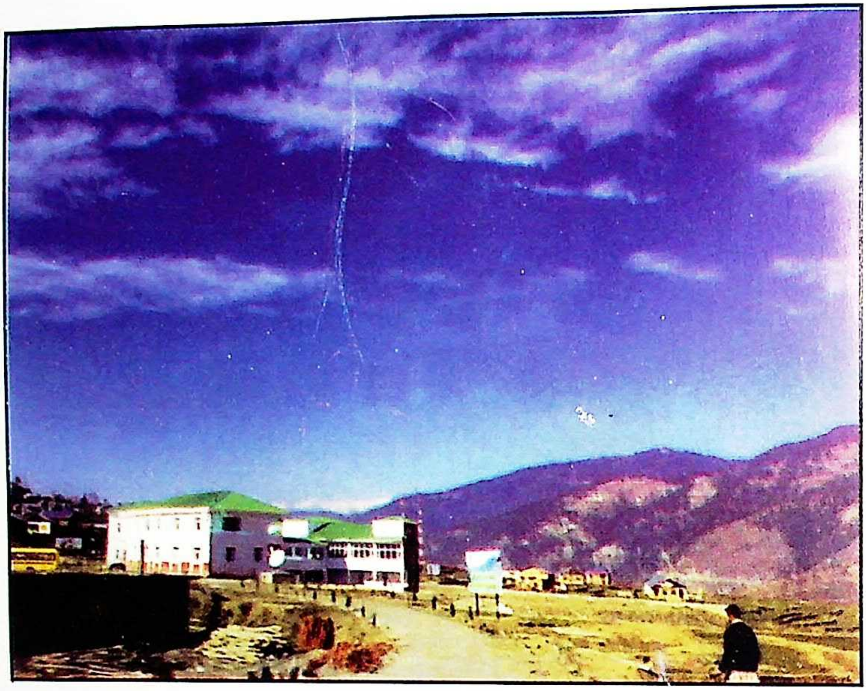
گورنمنٹ ڈِگری کالج بھدرواہ کا جشن زریں اور

یونیورسٹی کیمپس بھدرواہ کے قیام کا اعلان:

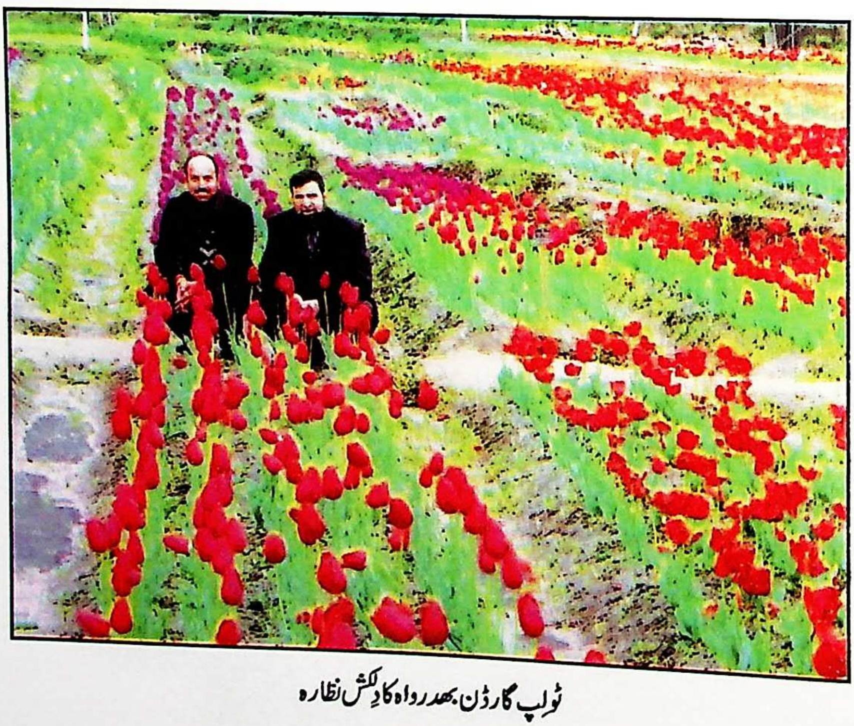
۹ ستمبر ۲۰۰۵ء کو ڈِگری کالج بھدرواہ کے پچاس سال مکمل ہونے پر کالج کے نشیبی گراؤنڈ میں ایک شاندار جشن مسرت کا اہتمام کیا گیا‘ جس میں ریاست کے وزیر اعلیٰ مفتی محمد سعید‘ مرکزی وزیر برائے پارلیمانی امورات وشہری بہبود مسٹر غلام نبی آزاد‘ اُن کی اہلیہ محترمہ شمیمہ آزاد‘ وزیر برائے بجلی محمد شریف نیاز‘ وزیر تعلیم مسٹر ہرش دیو سنگھ‘ ممبر پارلیمنٹ چودھری لال سنگھ‘ ٹھاکر پورن سنگھ‘ مسٹر غلام محمد سروڑی ممبر اسمبلی (اندروال)‘ مسٹر عبدالمجید وانی ممبر اسمبلی (ڈوڈہ)‘ مولوی عبدالرشید ممبر اسمبلی (بانہال) کے علاوہ سابقہ پرنسپل‘ پروفیسر صاحبان ڈگری کالج بھدرواہ‘ ڈائریکٹر کالجز ڈاکٹر این. ڈی. وانی اور ہزاروں لوگوں‘ اساتذۂ کرام اور سکولی بچوں نے شرکت کی۔ ڈاکٹر این. ڈی. وانی نے مندوبین کا اِستقبال کیا جبکہ کالج کے پرنسپل پیرزادہ شمس الدین نے اپنے خطبے میں کالج کے مختلف شعبوں میں کیئے گئے کارہائے نمایاں کا تفصیلی ذِکر

کیا اور کالج کی آئندہ ضروریات پر روشنی ڈالی۔ اِس کے بعد غلام نبی آزاد' چودھری لال سنگھ' مسٹر محمد شریف نیاز وغیرہ نے یہاں پر یونیورسٹی کیمپس قائم کرنے کی حمایت میں زوردار اور پُر اثر تقاریر کیں۔ آخر پر ریاست کے وزیر اعلیٰ مفتی محمد سعید نے تالیوں کی گونج اور فلک شگاف نعروں کے درمیان اِس بات کا اعلان کیا کہ حکومت نے اِس ضلع کے سب سے پرانے اور بڑے ڈِگری کالج بھدرواہ کی پچھلے پچاس سال کی شاندار کارکردگی' اس کی تاریخ اور تدریسی اہمیت' یہاں کی مجموعی شرح خواندگی' بھدرواہ کے محل وقوع اور اِس کے خداداد حسن اور کچھ دیگر ریاستوں اور ضلعوں کے ساتھ اِس کی نزدیکی اور دیگر کئی مثبت نکات کے پیشِ نظر یہاں پر ایک یونیورسٹی کیمپس قائم کرنے کا فیصلہ لیا ہے جس کے لئے موجودہ وائس چانسلر جموں یونیورسٹی مسٹر امیتابھ مٹو نے بھی سفارش کی ہے۔ لوگوں نے وزیرِ اعلیٰ مفتی محمد سعید' غلام نبی آزاد اور وائس چانسلر پروفیسر امیتابھ مٹو اور دیگر شخصیات کا تہہ دل سے شکریہ ادا کیا۔

مفتی صاحب نے اپنی تقریر کے دوران ملی جلی سرکار کی طرف سے ریاست کے تینوں خِطّوں کی برابری کے اصول پر ترقی' امن و خوشحالی اور گفت و شنید کے ذریعے مسئلہ کشمیر کا مستقل اور پائیدار حل تلاش کرنے پر مفصل طور پر روشنی ڈالی اور وادیٔ بھدرواہ کی تہذیب' تعلیم اور خوبصورتی کی سراہا۔ اُنہوں نے مزید کہا کہ بھدرواہ کی مجموعی ترقی کے لئے ایک ''ترقیاتی اتھارٹی'' کا قیام عمل میں لایا گیا ہے جو یہاں کی سیاحتی سرگرمیوں کے اِمکانات کا جائزہ لے گی۔ اُنہوں نے بھدرواہ- چمبہ روڈ اور بسوہلی -بھدرواہ روڈ کے ذریعہ اِس علاقہ کو دُوسرے ملحقہ علاقوں سے مِلانے کے لئے اِقدامات کئے جانے کا بھی یقین دِلایا۔ مرکزی وزیر برائے پارلیمانی امورات و شہری بہبود مسٹر غلام نبی آزاد نے یہاں کے لوگوں کو بڑے مشکل حالات میں فرقہ وارانہ بھائی چارہ قائم رکھنے کے لئے دِلی مبارک باد پیش کی اور مختلف فرقوں کے باہمی دوستانہ رشتوں کو سراہتے ہوئے کہا کہ یکجہتی اور بھائی چارے کے یہ مظاہر ریاست کے دُوسرے حصّوں میں بسنے



جموں یونیورسٹی کا بھدرواہ کیمپس



ٹولپ گارڈن بھدرواہ کا دلکش نظارہ

والے لوگوں کے لئے باعثِ تقلید بھی ہیں اور قابلِ تحسین بھی۔ سرکار کی طرف سے حال ہی میں ضلع ڈوڈہ کے کشتواڑ علاقے میں تین نئی تحصیلوں کی تشکیل اور رام بن جیسے علاقہ میں ڈگری کالج کھولے جانے کی منظوری وغیرہ ترقی کی طرف کچھ نئے اِقدامات ہیں۔ اُنہوں نے بھدرواہ کالج میں اپنی طالب علمی کے زمانے کے کچھ تاریخی اور اِخلاقیات سے جڑے ہوئے واقعات کا بھی ذِکر کیا۔ اِس کالج کی نمایاں کارکردگی کا ذِکر کرتے ہوئے اُنہوں نے کہا کہ یہاں سے فارغ التحصیل ہزاروں طلباء نے سیاسی، سماجی، اقتصادی شعبوں کے علاوہ ملکی، ریاستی اور بیرونی ممالک میں مختلف عہدوں پر کام کر کے نہ صرف بھدرواہ بلکہ ہماری ریاست اور ملک کا نام روشن کیا ہے۔ بعدازاں مذکورہ اصحاب نے یہاں کے معروف مقامی میلے ''میلہ پٹ'' میں بھی شرکت کی اور رات کو دیر گئے تک بھدرواہ کالج میں پیش کئے گئے موسیقی کے پروگرام میں شمولیت کی۔ البتہ کچھ ممبرانِ اسمبلی بھدرواہ میں یونیورسٹی کیمپس دیئے جانے کے خلاف بطورِ احتجاج جلسہ کے دوران ہی اُٹھ کر بھدرواہ سے باہر چلے گئے تھے، جس کے نتیجے میں دُوسرے دِن ڈوڈہ، کشتواڑ اور بانہال وغیرہ مقامات پر مظاہرے کئے گئے اور ہڑتالیں کی گئیں۔ مسٹر سجاد احمد کچلو نے ایک جلسے کے دوران اِس اقدام کو کشتواڑ جیسے پسماندہ علاقے کی حق تلفی قرار دیا۔ تاہم سروڑی صاحب اور مجید وانی صاحب کو دُوسرے روز مفتی صاحب اور آزاد صاحب کے ساتھ ملاقاتوں میں مصروف دیکھا گیا۔ دراصل یہ ایم. ایل. اے حضرات ڈِگری کالج کشتواڑ اور ڈوڈہ میں آئندہ سال سے پوسٹ گریجویٹ کلاسز شروع کروانے کے سلسلہ میں یقین دہانی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے، جس سے ہڑتالوں کا سلسلہ ماند پڑ گیا۔

ریاست میں زبردست زلزلہ:

۸/اکتوبر ۲۰۰۵ء کو ریاست جموں و کشمیر، آزاد کشمیر (مقبوضہ کشمیر) اور پاکستان

کے سرحدی علاقوں میں ایک زبردست زلزلہ نے، جس کی شدّت ریکٹر سکیل کے حساب سے ۷،۴ تھی، تباہی مچا ڈالی۔ اِس زلزلے نے صدیوں پہلے آئے ہوئے زلزلوں کے تمام ریکارڈ توڑ ڈالے۔ چند ہی جھٹکوں نے ریاست کے آر پار کئی بستیوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا۔ نتیجہ میں قریباً ایک لاکھ لوگ مارے گئے۔ اِس پار اُوڑی اور کرناہ کے سرحدی قصبے سب سے زیادہ متاثر ہوئے۔ اِن قصبوں میں ۹۷۸ افراد ہلاک اور ۳۰۰۰ سے زیادہ لوگ زخمی ہوئے۔ صرف اُوڑی کے علاقوں میں ہی ۶۶۷ افراد لقمۂ اجل بن گئے، جن میں صرف ٹنگدھار میں مرنے والوں کی تعداد ۶۰۰ تک پہنچ گئی۔ کرناہ میں مرنے والوں کی تعداد ۳۱۱ رہی۔ اُوڑی میں ۱۲۵۰۰ مکانات مکمل طور پر زمین بوس ہوگئے جبکہ ۵۱۵۰ مکانوں کو جزوی طور پر نقصان پہنچا۔ زلزلوں کے دوران ریاست میں ۱۴ فوجی جوان بھی ہلاک ہوئے اور تقریباً ۱۲۰۰ زخمی ہوئے۔ بارہمولہ، سری نگر اور کپواڑہ اضلاع شدید طور پر متاثر ہوئے۔ اُوڑی میں اُروسا نامی گاؤں کے تمام گھر زمین بوس ہوگئے۔ اِس خوفناک زلزلے نے اُوڑی ڈیم، شنکر آچاریہ مندر سرینگر، ٹی وی ٹاور اور نشاط باغ میں واقع پانی صاف کرنے کے پلانٹ کو کافی نقصان پہنچایا۔ اِن علاقوں میں رہائشی مکانوں کے علاوہ سکولوں کی سینکڑوں عمارتیں بھی تباہ ہوئیں۔

انگریزی روزنامہ ''کشمیر ٹائمز'' کے مورخہ ۱۹ رمئی ۲۰۰۷ء کے شمارے میں شائع ہوئے ایک مضمون کے مطابق ''—— آزاد کشمیر میں ۸ ر اکتوبر ۲۰۰۵ء کے زلزلے کے نتیجے میں سات ہزار مربع کلومیٹر رقبہ، دس لاکھ اسّی ہزار لوگ اور نو سو ستہتر دیہات بُری طرح متاثر ہوئے۔ ۳,۲۹,۵۷۹ گھروں کو نقصان پہنچا۔ ۴۶,۵۴۸ لوگ مارے گئے اور ۳۳,۴۷۹ لوگ زخمی ہوئے۔ اِس سے زِندگیوں (جانوں) کا کافی نقصان ہوا اور ذرائع معاش کو کافی دھچکا لگا۔ تقریباً سارا معاشی اور سماجی نظام ہی بدل گیا ——''

(اُردو ترجمہ: بشیر بھدرواہی)

سڑکوں، رسل و رسائل، نظام آبپاشی اور بجلی کے نظام کو بھاری نقصان ہوا۔ اس زلزلے کا مرکز مظفر آباد (آزاد کشمیر) ہی تھا جس کے نتیجے میں وادی میں مواصلاتی نظام، بجلی اور پانی کی فراہمی کے ذرائع میں کافی خلل پڑ گیا۔ اِس زلزلے کا اثر صوبہ جموں کے مختلف حصوں پر بھی پڑا۔ ایک اندازے کے مطابق اِس صوبہ میں ۱۷ لوگ ہلاک جبکہ ۱۶۷ اشخاص زخمی ہوئے۔ پونچھ اور جموں میں بہت سی عمارتیں، قلعے، جموں میں مبارک منڈی کمپلیکس اور یونی ورسٹی کے علاوہ میڈیکل کالج کی عمارات کو جزوی طور پر نقصان پہنچا۔ ۱۱ر اکتوبر ۲۰۰۵ء کو ریاست میں اموات کا تخمینہ ۱۳۰۰ لگایا گیا۔

اِس دوران مسز سونیا گاندھی، مرکزی وزراء خصوصاً غلام نبی آزاد نے اُوڑی اور دیگر متاثرہ علاقوں کا دورہ کیا۔ مسٹر غلام نبی آزاد مکمل طور پر لوگوں کی باز آبادکاری اور فراہمی امداد کے سلسلہ میں ان علاقوں میں جٹے رہے۔ مرکزی حکومت کی امداد سے وہ کافی حد تک اِس اہم فریضہ کی انجام دہی میں کامیاب رہے۔ اِس سلسلہ میں پرائم منسٹر نے مزید پانچ سو کروڑ روپے کی امداد دینے کا اعلان بھی کیا۔

اُردو روزنامہ ''کشمیر عظمیٰ'' کے ۲۲ر نومبر ۲۰۰۷ء کے شمارے میں اُوڑی کے لوگوں کا ایک بیان شائع ہوا جس کے مطابق ''—— ۱۸ر اکتوبر ۲۰۰۵ء کو قیامت خیز زلزلے میں ایک لاکھ اُنیس ہزار آبادی والے ۹۵ دیہات میں ۲۱,۱۰۰ ہزار رہائشی مکان زمین بوس ہوئے تھے جب کہ ۴۵,۴۰۰ مکانوں کو جزوی نقصان ہوا۔ ۷۸۲ افراد لقمہ اجل ہوئے، جب کہ غیر سرکاری طور پر اِن کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ بتائی جاتی ہے۔ مکمل طور پر تباہ شدہ رہائشی مکانوں کو دوبارہ تعمیر کرنے کے لئے ایک لاکھ پینتیس ہزار روپے دینے کا اعلان کیا گیا تھا ——''

جہاں تک پاکستانی زیرِ کنٹرول علاقہ آزاد کشمیر کا تعلق ہے، وہاں زلزلے کی ہولناکیوں کو بیان کرنا ایک مشکل امر ہے۔ اُس حصّے کا دارالخلافہ ''مظفر آباد'' تباہی اور بربادی کا ایک خوفناک اور المناک منظر پیش کر رہا تھا۔ اسی طرح سے ''باغ'' کا قصبہ

بری طرح سے متاثر ہوا۔ کچھ اندرونی اور دُور افتادہ دیہات کی تباہی کا اندازہ کرنے کے لئے ابھی کافی وقت درکار ہوگا۔ اُس زلزلے کی وجہ سے بہت سے علاقوں میں زمین کے کٹاؤ اور پسیاں گر آنے سے گاؤں کے گاؤں اُجڑ گیئے۔ بجلی کے تاروں کھمبوں نہروں اور پانی کی دیگر سہولیات درہم برہم ہوکر رہ گئیں۔ اِس زلزلے سے پاکستانی سرحدی صوبے میں ۲،۰۰۰ لوگ ہلاک ہوئے اور ۳۰ لاکھ لوگ بے گھر ہو گئے۔ ''کشمیر ٹائمز'' کے ۱۶ اکتوبر ۲۰۰۵ء کے شمارے میں چھپی ایک اِطلاع کے مطابق ''_____ اموات کا بیشتر حصّہ جن کا سرکاری طور پر پاکستان میں اعلان ہوا ہے ۶۵،۰۰۰ اشخاص صرف پاکستانی مقبوضہ کشمیر کے ہی تھے۔ مظفر آباد میں گیارہ ہزار لوگوں کی ہلاکت کی تصدیق ہو چکی ہے۔ یو.این. او کے تخمینے کے مطابق اِن ہلاکتوں کا کل میزان ۳۰،۰۰۰ (تیس ہزار) تک پہنچ گیا ہے۔ اِس تعداد میں اضافے کا کافی امکان موجود ہے _____''

اُس زلزلے کے جھٹکے بھدرواہ میں بھی اُس دِن صبح ۹ رنج کر ۲۰ منٹ پر محسوس کئے گئے۔ لوگ خوف و ہراس کی حالت میں گھروں سے باہر آ گئے تاہم یہاں پر کسی خاص قسم کے جانی یا مالی نقصان کی کوئی اِطلاع موصول نہیں ہوئی۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ضلع ڈوڈہ اور خصوصی طور پر بھدرواہ سے مقبوضہ کشمیر میں گئے ہوئے بہت سے مہاجرین کے مکان زمین بوس ہو گئے اور کئی مہاجرین جان بحق بھی ہوئے، جن میں راقم الحروف کا ایک بھتیجا (مرحوم) عطاء اللہ خطیب ولد ماسٹر غلام احمد خطیب، مظفر آباد کے ایک بینک کی عمارت کے ملبے کے تلے آ کر وفات پا گیا۔ وہ وہاں کے ایک بینک میں بحیثیت منیجر کام کرتا تھا۔

مفتی دورِ حکومت کا اِختتام:

اِقتدار کی تقسیم کے ایک فارمولے کے تحت مفتی سعید نے تین سال کا عرصہ

پورا کرنے کے بعد چیف منسٹری کے عہدے سے سری نگر میں ۲۹/اکتوبر ۲۰۰۵ء کو گورنر ایس۔ کے۔ سنہا کو اپنا استعفیٰ پیش کیا۔ اکتوبر کے پہلے ہفتہ میں دہلی دربار اور وادیٔ کشمیر میں اِس تبدیلیٔ اِقتدار کے سلسلہ میں گفت وشنید کے بہت سے دور ہوئے۔ مفتی صاحب کا کہنا تھا کہ موجودہ حالات میں زمامِ اقتدار اُن کے ہی ہاتھ میں ہونی چاہیے تھی تاکہ وہ اپنی ''زخم پر مرہم'' رکھنے کی پالیسی وغیرہ پر پورے طور پر عمل پیرا ہو کر لوگوں کے دِل جیت سکتے۔ تاہم سمجھوتے کی مضبوط سرحدوں کو وہ کسی طرح سے پھلانگ نہ سکے۔ اِس طرح سے ۲/نومبر ۲۰۰۲ء سے اُن کا دورِ حکومت شروع ہو کر ۲/نومبر ۲۰۰۵ء کو اِختتام پذیر ہوا۔

مفتی صاحب نے اپنے دور کی ملی جلی سرکار کے کارہائے نمایاں پر تفصیل سے روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ اُن کے تین سالہ دورِ اقتدار میں ریاست کے حفاظتی منظر نامے میں مجموعی طور پر تبدیلی آ گئی تھی اور لوگوں نے کچھ اِطمینان کا سانس لیا تھا۔ ساتھ ہی اِنسانی حقوق کی خلاف ورزیوں میں کمی آ چکی تھی۔ بہرحال ریاستی کانگریس کی طرف سے جناب غلام نبی آزاد پہلے ہی وزیرِاعلیٰ کے عہدے کے لئے پارٹی اُمیدوار چن لئے گئے تھے، لیکن اکتوبر ۲۰۰۵ء کے اواخر پر کانگریس کی چیئر پرسن سونیا گاندھی نے غلام نبی آزاد مرکزی وزیر برائے پارلیمانی امورات اور شہری بہبود کو مذکورہ عہدے کے لئے نامزد کر دیا۔ مرکزی لیڈروں کے مشورے سے وہ مرکزی وزارت کے عہدے سے مستعفی ہو گئے۔

وزیرِاعلیٰ غلام نبی آزاد کا دورِ حکومت:

ریاست جموں و کشمیر کی تاریخ میں پہلی بار صوبہ جموں سے تعلق رکھنے والے جواں سال سیاستدان مسٹر غلام نبی آزاد کو ۲/نومبر ۲۰۰۵ء کو بطور چیف منسٹر حلف دِلایا گیا۔ کانگریس پارٹی کی طرف سے وہ ریاست کے تیسرے وزیرِاعلیٰ بنے۔ اُن

سے پہلے خواجہ غلام محمد صادق اور سیّد میر قاسم اِس پارٹی کے نمائندہ وزیر اعلیٰ تھے۔ آزاد صاحب کو مرکزی حکومت میں ایک وزیر کی حیثیت کے ساتھ ساتھ پردیش کانگریس کے صدر کی ذمہ داری بھی سونپ دی گئی تھی۔ اِس حیثیت میں اُنہوں نے کافی عرصہ کے بعد ۲۰۰۲ء کے اسمبلی اِنتخابات میں کانگریس کو ۲۱ سیٹیں دِلا کر اِسے ریاستی اسمبلی میں سب سے بڑی پارٹی کا اعزاز دِلانے میں کامیابی حاصل کی۔

آزاد صاحب کے علاوہ دس کیبنٹ وزرائُ نے بھی حلفِ وفاداری لیا، جن میں دو منسٹر آف سٹیٹ بھی بغیر کسی قلمدان وزارت شامل تھے۔ اس سرکار میں مظفر حسین بیگ کو بطور نائب وزیر اعلیٰ مقرر کیا گیا جو ریاست کے مانے ہوئے قانون دان اور سلجھے ہوئے اِنسان ہیں۔ ضلع ڈوڈہ یا تحصیل بھدرواہ سے کیبنٹ میں کوئی وزیر نہیں لیا گیا حالانکہ مفتی سرکار میں یہاں سے دو وزیر شامل تھے۔ دراصل مفتی صاحب کی سرکار میں ۳۹ وزراء شامل تھے جو تسلیم شدہ تعداد سے بہت زیادہ تھے۔ آزاد صاحب نے کم وزراء کو اپنی کیبنٹ میں شامل کر کے پہلی بار اِس معیار پر عمل درآمد کیا۔ اِس اقدام کی ہر طبقہءفکر نے پذیرائی کی۔ دیگر وزراء کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:

۱. پنڈت منگت رام شرما- وزیر برائے ٹرانسپورٹ، فلوری کلچر
۲. مسٹر عبدالعزیز زرگر- وزیر برائے زراعت، امداد باہمی، فشریز
۳. حکیم یاسین- وزیر برائے خوراک
۴. پیرزادہ محمد سعید- وزیر برائے حج و اوقاف، یوتھ سروسز و کھیل کود
۵. تاج محی الدین- وزیر برائے حیوانات، پشو پالن
۶. قاضی محمد افضل- پبلک ہیلتھ، آبپاشی اور فلڈ کنٹرول
۷. حاجی نثار علی- وزیر برائے سماجی بہبود
۸. اے. ایچ. قرہ- وزیر برائے شہری بہبود، جنگلات
۹. بابو سنگھ- سٹیٹ منسٹر دیہاتی ترقی
۱۰. گل چین سنگھ چاڑک- سٹیٹ منسٹر برائے عمارات، سڑکیں

۱۱. لوا نگ رِگزن جورا-وزیر بجلی، صنعت وغیرہ

وزیرِاعلیٰ غلام نبی آزاد نے اپنے پاس جنرل ایڈمنسٹریشن، ہوم اطلاعات، تعلیم، صحت عامہ، محکمہ مال وغیرہ رکھے جبکہ ڈپٹی چیف منسٹر بیگ کو خزانہ، منصوبہ بندی، پارلیمانی امورات اور سیاحت کے محکمے سپرد کئے گئے۔ آزاد صاحب نے اپنے پالیسی بیان میں ریاست کی خوشحالی، مجموعی ترقی اور خصوصی طور پر پسماندہ اور نظر انداز کئے گئے علاقوں کی طرف خصوصی توجہ دینے کا یقین دِلاتے ہوئے کہا کہ ہماری ریاست کے موہڑوں، دیہاتوں، دُور افتادہ اور پہاڑی اور دُشوار گزار علاقوں سے غربت اور افلاس کو دُور کیا جائے گا۔ ریاست کے تینوں خِطوں یعنی کشمیر و جموں اور لداخ کو برابری کے اصول پر ترقی دی جائے گی تا کہ لوگوں کی اِقتصادی، تعلیمی اور سماجی حالات سدھر سکیں۔ دیگر مسائل میں ریاست میں امن وشانتی کی بحالی، علاقوں کو سڑکوں ورابطہ سڑکوں کے ذریعے جوڑ کر لوگوں کو آمد ورفت کی سہولیات فراہم کرنے، صحتِ عامہ کی بنیادی ضروریات کو دُور اُفتادہ علاقوں تک پہنچانے کے لئے نئے ہسپتالوں کی تعمیر اور پرانے ہسپتالوں میں ادویات اور نئی طرز کی جراحی کے سامان کی فراہمی اور ڈاکٹروں کی تعیناتی کرنے کی طرف خاص توجہ دی جائے گی۔ اِسی طرح سے قدرت کی طرف سے زراعت، ہارٹی کلچر اور دیگر متعلقہ پیشوں کے لئے ذرائع کی بکثرت موجودگی کو مدنظر رکھتے ہوئے اِن شعبوں کی ترقی کے لئے کافی محنت اور لگن سے کام لیا جائے گا، جس سے نوجوان تعلیم یافتہ بیروزگاروں اور مزدور طبقہ لوگوں کے لئے معاشی ضروریات پوری ہوں گی اور دُوسری طرف ریاست کے مالی حالات میں بھی اِضافہ ہوگا۔ ترقیاتی سیکٹروں میں، جیسے زراعت، باغبانی، سیاحت، صنعت وحرفت وغیرہ کو فروغ دینے کے علاوہ حکومت نے ڈوڈہ، کپواڑہ اور پونچھ ضلعوں میں ''روزگار کو یقینی بنانے کی سکیم'' شروع کی ہے۔

اُنہوں نے مزید کہا کہ پچھلے سولہ سال کے پُر تشدد ماحول کے دوران ریاست

میں خون کی ہولی کھیلی گئی، لوگوں پر ظلم وستم کے پہاڑ ڈھائے گئے۔ بے شمار اِنسانی جانوں کا زیاں ہوا اور املاک و جائیدادوں کو تباہ و برباد کیا گیا۔ لاتعداد بچے یتیم ہوئے اور ہزاروں خواتین بیوہ ہوئیں۔ اِن سب امورات کی طرف خصوصی دھیان دیا جائے گا اور ریاست میں مجموعی امن وامان اور خوشحالی کا ماحول پیدا کرنے کی پوری کوشش کی جائے گی۔ اُنہوں نے بندوق بردار جوانوں سے اپیل کی وہ ریاست میں کشت وخون سے برآمدہ نتائج کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی بندوقوں کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہیں اور گفت وشنید کی میز پر مسائل کا حل تلاش کریں، کیونکہ آج تک بندوقوں سے کوئی مسئلہ حل نہیں کیا جاسکا ہے۔

آزاد کے اعزاز میں بھدرواہ اسمبلی کے باشندگان کی طرف سے

جموں میں شاندار اِستقبالیہ:

بھدرواہ کے حلقۂ انتخاب سے تعلق رکھنے والے جموں میں مقیم شہریوں کی طرف سے جموں میں ۸؍فروری ۲۰۰۶ء کو ایک عظیم الشان اِستقبالیہ تقریب کا اہتمام کیا گیا۔ اُس تقریب میں پروفیسر عبدالعزیز بٹ، شری دیاناتھ کوتوال، شری سوامی راج شرما، مسٹر محمد شریف نیاز، پروفیسر محمد ایوب شیخ، پروفیسر جیالال کوتوال وغیرہ نے بھدرواہ، بھلیس، ٹھاٹھری اور کشتواڑ وغیرہ علاقوں کے لوگوں کی طرف سے نمائندگی کرتے ہوئے اپنی تقاریر میں آزاد صاحب کے چیف منسٹر کا عہدہ سنبھالنے پر دِل کی عمیق گہرائیوں سے اور بڑے جوش وجذباتی انداز میں اظہارِ مسرت کرتے ہوئے اُنہیں مبارک باد پیش کی۔ اِس تقریب پر جناب غلام نبی آزاد اور اُن کی اہلیہ محترمہ شمیمہ آزاد کو یادگاری تحائف پیش کیے گئے۔ تقریب پر بھدرواہ حلقۂ انتخاب کے ممبر محمد شریف نیاز نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ آزاد صاحب نے اپنے ایک سوا یّام کے دورِ حکومت میں ریاست میں کام کرنے کے کلچر کو ایک نئی طرح دیکر بڑے بے باکانہ

اور قابل تحسین تاریخی اقدامات اُٹھائے ہیں۔ آزاد صاحب کی جائے مقررہ میں آمد پر بڑی گرمجوشی سے اُن کا اِستقبال کیا گیا۔ اُن پر گلباری کی گئی اور اُنہیں اور اُن کی اہلیہ کو پھولوں کی مالائیں پہنائی گئیں۔ بھدرواہ کے مشہور ''ڈکوڈانس'' میں بزرگ اور جوان افسروں اور شہریوں نے حصہ لیا اور ڈانس کے دوران بانسریوں، ڈھول اور نرسنگھوں کی آوازوں نے اُس تقریب کی دلآویزی میں نئے رنگ بھر دیئے۔ دُوسری طرف ایک مختصر دورانیے کے تمدنی پروگرام نے سامعین کے دِل موہ لئے۔ تقریب گاہ کو دِلکش، خوبصورت گیٹوں، محرابوں اور رنگارنگ جھنڈیوں سے سجایا گیا تھا۔ آزاد صاحب نے اُس تاریخی تقریب کے اِختتام سے پہلے ضلع ڈوڈہ، بھدرواہ اور ملحقہ علاقوں کی فلاح و بہبود سے متعلق کچھ تاریخی اعلانات کئے جن میں سیاحت کو فروغ دینے کے لئے پٹھانکوٹ، بسوہلی، بنی، بھدرواہ، ڈوڈہ، کشتواڑ اور کوکرناگ (کشمیر) تک ایک ٹورسٹ سرکٹ کی منظوری سرِفہرست تھی۔ اُنہوں نے اِس بارے میں وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ مذکورہ علاقوں میں بہت سے اَن چھوئے، اچھوتے، دلکش اور حسن بھرے سیاحتی مقامات موجود ہیں جن کی طرف ابھی تک کسی کی نظر تک نہیں پڑی ہے۔ ایسے علاقوں کی سیاحتی اہمیت کے پیش نظر بااختیار ترقیاتی اتھارٹیاں قائم کی گئی ہیں اور ہر اتھارٹی کے پاس سیاحتی کاموں کے فروغ کے لئے بیس بیس کروڑ روپے کی رقومات رکھی گئی ہیں۔ دُوسرا اعلان بھدرواہ یونیورسٹی کیمپس میں سالِ رواں کے اِختتام سے کلاسوں کی شروعات سے متعلق تھا۔ اِس کیمپس کے لئے ایک ہزار کنال زمین کی نشان دہی کا عمل پورا کیا جا چکا ہے۔ فی الحال اِس زمین میں سے ۵۰ر کنال کا رقبہ عمارتی کاموں کی تعمیر کے لئے مخصوص رکھا گیا ہے۔

اُنہوں نے ٹھاٹھری۔ کلہوتران روڈ کی تعمیر اور کشادگی وغیرہ کے لئے ۴۰ کروڑ روپے کی مرکزی امداد سے کام شروع کئے جانے کا بھی اعلان کیا، جس کو اگلے تین سال میں مکمل کرنے کی منصوبہ بندی کر دی گئی ہے۔ اُنہوں نے بھدرواہ کو بھلیس

کے ساتھ جوڑنے کے لئے ملانوں- کاہرہ- گندوروڈ کا بھی اعلان کیا جو جائی- جوڑہ سے ہوتے ہوئے ملانوں اور کاہرہ تک پہنچے گی اور کاہرہ کے مقام پر کلھوتران روڈ سے جاکر ملے گی۔ باغبانی کے بہتر اِمکانات کا ذِکر کرتے ہوئے اُنہوں نے ضلع ڈوڈہ کے باشندگان سے اچھے قسم کے پھل دار درخت لگانے کے سلسلہ کو شروع کرنے کی اپیل کی تاکہ یہاں پر موزوں جگہوں پر پھلوں کو پروسیس کرنے کے پلانٹ نصب کیئے جاسکیں۔

اُس پُروقار تقریب کا اِختتام مختلف قسم کے پکوانوں پر مشتمل ظہرانے پر ہوا جس میں ہزاروں پنشن یافتہ افسروں، معزز شہریوں، متعدد نوجوانوں اور سرکاری و غیر سرکاری اہلکاروں نے حصّہ لے کر اُسے ایک یادگاری ملن کی صورت بخشی۔

بھدرواہ ضمنی چناؤ کے لئے آزاد بحیثیت اُمیدوار:

۵/مارچ ۲۰۰۶ء کو چیف منسٹر غلام نبی آزاد جب اپنے حلقہ اِنتخاب بھدرواہ کے ضمنی چناؤ کے کاغذات نامزدگی داخل کرنے کے لئے جموں سے بذریعہ سڑک بھدرواہ پہنچے تو نیشنل ہائی وے اور ڈوڈہ تا بھدرواہ روڈ پر اُن کا والہانہ طور پر اِستقبال کیا گیا۔ پرانوں سے بھدرواہ تک کی سڑک کے دونوں کناروں پر ہزاروں لوگوں کی قطاریں اُن کے گرمجوشانہ اِستقبال کے لئے منتظر تھیں۔ جگہ جگہ خوبصورت محرابیں بنائی گئی تھیں اور سڑک کو جھنڈیوں سے سجایا گیا تھا۔ بہت سے مکانات پر اُن کے قافلے کا بھدرواہی لوک ناچ اور گیت سنگیت کی سحر انگیز دُھنوں سے خیر مقدم کیا گیا۔ پرانوں، بھالہ، مالنئی، سیری، امیرانگر، گاٹھہ اور شہر میں اُن کا بڑی گرمجوشی اور فلک شگاف نعروں سے اِستقبال کیا گیا۔ کاغذات نامزدگی داخل کرنے کے بعد آزاد نے بازار سیری میں ایک عظیم الشان اور تاریخی نوعیت کے جلسے سے خطاب کیا، جس میں تحصیل بھدرواہ، بھلیسہ اور ٹھاٹھری کے قریہ قریہ اور گاؤں گاؤں سے آئے ہوئے لوگوں نے شرکت کی۔ آزاد صاحب نے ایک بار پھر اقرباء پروری اور رِشوت خوری کے خلاف اعلان جنگ کرتے ہوئے ریاست

کے تمام علاقوں کو برابری کے اصول پر ترقی دِلانے اور خاص طور پر پسماندہ علاقوں میں رہنے والے لوگوں کی غربت اور افلاس کو کم سے کم وقت میں ختم کرنے کا یقین دِلایا' تاکہ ریاست جموں و کشمیر بھی ملک کی دیگر ترقی یافتہ ریاستوں کی صف میں شامل ہو سکے۔ اُنہوں نے مزید کہا کہ وہ اپنے حلقہ انتخاب کو ایک نمونے کا حلقہ بنانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کریں گے۔ اُن کے رفقاء سفر میں جناب پیرزادہ محمد سعید' ٹھاکر گل چین سنگھ چاڑک' محمد شریف نیاز' ممبر پارلیمنٹ مدن لال شرما' چودھری لال سنگھ' ٹھاکر پورن سنگھ' غلام احمد میر' عبدالغنی وکیل' غلام محمد سروڑی اور عبدالمجید وانی شامل تھے۔ اُن میں سے اکثر اصحاب نے جلسے کو خطاب کیا اور نئی حکومت کی طرف سے اِس نظرانداز شدہ پسماندہ علاقے کو ٹورازم کے نقشے پر لانے اور اِس کو ہر طرح سے ترقی دِلانے کا یقین دلایا۔

چیف منسٹر کا دورۂ بھلیس:

چیف منسٹر غلام نبی آزاد نے ریاست کے مختلف پسماندہ علاقوں کے دورے شروع کئے اور وہاں موقع پر ہی ترقیاتی کاموں کی رفتار اور کام کے معیار کا جائزہ لیا۔ اِس دوران وہ ۱۱/مارچ ۲۰۰۶ء کو علاقہ بھلیس کی طرف بھی آئے' جہاں مختلف مقامات پر لوگوں نے اُن کا والہانہ اِستقبال کیا اور اپنے مطالبات پیش کئے۔ موضع کوٹہ کے لوگوں نے اپنے میمورنڈم میں سڑکوں کی تعمیر' پینے کے پانی کی فراہمی' صحت عامہ اور تعلیم سے متعلق اپنی مانگیں پیش کیا۔ آزاد صاحب نے اُن مطالبات میں سے بھڑ گی۔سِنوں سڑک کی تعمیر' کوٹہ کے ۱۸ دیہات میں سماجی ضروریات کی فراہمی اور کھڑنگل کے مقام پر ایک ہائی سکول کے قیام کی یقین دہانی کرائی۔ اِس کے بعد جلکیاس کے مقام پر ایک جلسے میں شرکت کے دوران اُنہوں نے لوگوں کے مطالبات پر ہمدردی سے غور کرنے کا یقین دِلایا۔ اُنہوں نے اخیار پور کے مقام پر "غنیۃ العلوم"

کے ہوسٹل کا سنگِ بنیاد رکھا۔ اُس دورے میں سابقہ منسٹر برائے بجلی محمد شریف نیاز اور غلام محمد سروڑی، ایم .ایل .اے. اِندروال حلقہ بھی اُن کے ساتھ تھے۔

بھدرواہ حلقہ انتخاب میں جناب غلام نبی آزاد کی

ریکارڈ توڑ کامیابی:

۴۵۰۰ مربع کلومیٹر رقبہ پر پھیلے ہوئے حلقہ انتخاب بھدرواہ کے ضمنی چناؤ میں ۲۷/اپریل ۲۰۰۶ء کی گنتی کے مطابق جناب غلام نبی آزاد نے کُل ڈالے گئے ۶۶,۱۲۹ ووٹوں میں سے ۶۲,۰۷۲ ووٹ حاصل کر کے ریاستی اسمبلی کے اپنے آبائی حلقہ انتخاب سے اپنی تیس سالہ سیاسی زِندگی میں پہلی بار پچھلے سارے ریکارڈ توڑتے ہوئے ایک عظیم الشان کامیابی حاصل کی۔ کُل ڈالے گئے ووٹوں میں سے حاصل کئے گئے ووٹوں کا تناسب ۶۶ء۹۳ فیصد رہا۔ پچھلے ضمنی چناؤ سے بھارتیہ جنتا پارٹی کی مقبولیت کا گراف کم سے کم ہوتا گیا۔ اِس حلقہ میں اِس پارٹی کے امیدوار مسٹر کوشل کمار کو صرف ۵۷ء۴ فی صدی ووٹ ملے جبکہ نیشنل کانفرنس نے بھدرواہ کی مجموعی ترقی کو ملحوظ رکھتے ہوئے بھدرواہ کے حلقہ انتخاب میں آزاد صاحب کی ہی حمایت کی۔

آزاد صاحب نے چونکہ ۲/نومبر ۲۰۰۵ء کو بطور وزیر اعلیٰ حلفِ وفاداری لیا تھا، اِس لئے اُنہیں ۲/مئی ۲۰۰۶ء سے پہلے پہلے کسی بھی اِنتخابی حلقہ سے چناؤ جیتنا ایک آئینی ذمہ داری تھی۔ اِس سلسلہ میں اُن کے چچازاد بھائی اور ایم .ایل .اے حلقہ بھدرواہ محمد شریف نیاز نے اُن کے لئے اپنی سیٹ سے استعفیٰ دے دیا۔ یہ چناؤ ۲۴/اپریل ۲۰۰۶ء کو عمل میں آیا، جس میں بھدرواہ، بھلیس، کیلاڑ اور چراہلہ کے لوگوں نے بلالحاظ مذہب وملت یا علاقائی تعصب کے آزاد صاحب کے حق میں ووٹ ڈالے، جس سے یہاں پر عرصہ دراز سے چلی آ رہی فرقہ وارانہ کشیدگی یکسر ختم ہوگئی۔ بی. جے. پی نے اِس اِنتخاب میں تین کا ہندسہ صرف چار پولنگ اسٹیشنوں میں حاصل

کیا، جن میں بالترتیب ڈھونسہ (بھلیس) میں ۱۲۵، منتھلہ میں ۱۴۷، سرتنگل بھدرواہ میں ۱۱۱۵ اور اُدرانہ بھدرواہ میں ۱۵۷ ووٹ پڑے۔ یادرہے کہ منتھلہ مسٹر کوشل کا آبائی گاؤں ہے۔ آزاد صاحب کو موضع ہڈل (بھلیس) میں ۳۴۹ ووٹوں میں سے ۳۴۹ جبکہ کھیلنی بھدرواہ کے پولنگ اسٹیشن پر کل ۱۴۰۵ ووٹوں میں سے ۱۱۸۱ ووٹ حاصل ہوئے۔ بی۔ جے۔ پی کو یہاں پر صرف ۱۵ ووٹ ملے۔ اُدرانہ۔اے اسٹیشن سے زیادہ ووٹ بی۔ جے۔ پی کو حاصل ہوئے لیکن دُوسرے کسی اسٹیشن پر اُسے سبقت حاصل نہ ہوسکی۔ پولنگ کے دوران بھدرواہ حلقہ اِنتخاب میں شدّت پسندوں کی طرف سے دو تین گرینیڈ حملوں کے علاوہ کوئی خاص واقعہ رُونما نہیں ہوا۔ بھدرواہ پولیس اسٹیشن پر ایک حملے کے نتیجے میں ایک کانسٹیبل ہلاک ہوا۔ اِس کے کچھ ہی دِن پہلے محلّہ قلعہ کا ایک شدّت پسند بندوق بردار فوجی عملہ کے ساتھ ایک فائرنگ میں ہلاک ہوا۔

اِس سارے الیکشن میں لوگوں کی کثیر تعداد نے آزاد صاحب کو اُن کے ترقیاتی منصوبوں امن وخوشحالی اور فرقہ وارانہ بھائی چارے سے متعلق اُن کی قابلِ تحسین پالیسیوں کے حق میں اپنے ووٹ کا اِستعمال کرتے ہوئے ریکارڈ توڑ ووٹوں کی بھاری اکثریت سے کامیاب کیا۔ آزاد صاحب نے ۵/اپریل کو اپنے کاغذات نامزدگی داخل کرنے کے بعد دورانِ الیکشن بھدرواہ حلقہٴ اِنتخاب کا کوئی دورہ نہیں کیا کیونکہ اُنہوں نے اِس بارے میں خود ہی کہا تھا کہ وہ اپنے افراد سے ووٹ مانگنے کیوں آئیں گے جبکہ اُنہیں یقین ہے کہ لوگ خود بخود حق رائے دہی کا اِستعمال اپنی سوجھ بوجھ سے کریں گے۔ اُنہوں نے جمہوری روایات کا پاس رکھتے ہوئے اِتنا بھی کہا تھا کہ اُن کے خلاف کوئی بھی شخص، خواہ وہ کسی بھی سیاسی پارٹی سے تعلق رکھتا ہو الیکشن لڑ سکتا ہے کیونکہ جمہوریت کا تقاضہ بھی یہی ہے۔

چناؤ نتائج کا اعلان ہونے پر بی۔ جے۔ پی کے اُمیدوار شری کوشل کوتوال نے بڑی فراخدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی شکست قبول کی، حالانکہ اُن کی ضمانت تک

ضبط ہو چکی تھی۔ مسٹر غلام نبی آزاد اپنی اہلیہ محترمہ شمیمہ دیٔو وزیر ٹرانسپورٹ شری منگت رام شرما کے ہمراہ ۲۷ ر اپریل کو کٹھوعہ میں جاری ڈسٹرکٹ بورڈ میٹنگ سے کچھ گھنٹوں کی فراغت لیتے ہوئے ہائر سیکنڈری سکول بھدرواہ کی گراؤنڈ میں پہنچے' جہاں لوگوں کے ایک جم غفیر نے اُن کا بڑی گرمجوشی اور نعروں کی گونج میں والہانہ طور پر اِستقبال کیا اور مبارک باد پیش کی۔

آزاد صاحب نے حلقۂ اِنتخاب بھدرواہ کے سب ووٹروں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنی شاندار کامیابی کو جمہوریت' سیکولرازم اور یہاں کی قومی یکجہتی' دوستی اور بھائی چارے کی فتح قرار دیا۔ اُنہوں نے اِس چناؤ کو آزادانہ اور خوشگوار ماحول میں بغیر کسی دباؤ کے کروائے جانے پر متعلقہ حکام کی بھی سراہنا کی' حالانکہ بقول اُن کے اس حلقۂ اِنتخاب کے کچھ حصّوں میں تشددانہ واقعات کو خارج از امکان نہیں قرار دیا جا سکتا تھا۔ اُنہوں نے اِس بات پر زور دیا کہ لوگوں نے اِس علاقے کی ترقی اور خوشحالی کے لئے اُن پر اِتنے بڑے اعتماد کا اظہار کیا۔ اِس بات کا بھی یقین دِلایا کہ اب لوگوں کے جذبات سے کھیلا نہیں جائے گا اور اُن کے دیرینہ مطالبات کو پورا کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے گی۔ اُنہوں نے لوگوں کو اِس امر پر پھر ایک بار مبارک باد دی کہ یہ الیکشن بغیر کسی فرقہ وارانہ ہنگامے یا کسی تشددانہ واقعہ کے انجام پذیر ہوا۔

آزاد صاحب کے اِستقبال کے لئے سابقہ وزیر برائے بجلی محمد شریف نیاز' ڈوڈہ کے ایم.ایل.اے عبدالمجید وانی' اِندروال کے ایم.ایل.اے غلام محمد سروڑی کے علاوہ اِس حلقۂ اِنتخاب کے ہزاروں مقتدر لوگ' سکولوں کے طلباء اور طالبات وغیرہ چشم براہ تھے۔ جلسہ گاہ پر پہنچتے ہی آزاد صاحب اور اُن کی اہلیہ کو بڑی بڑی پھول مالائیں پہنائی گئیں اور گل پوشی کی گئی۔ بعد دوپہر اُن کا ہیلی کاپٹر کوہِ کیلاش کی برف بوش چوٹیاں سر کرتے ہوئے دوبارہ کٹھوعہ کی طرف روانہ ہوا جہاں پر بورڈ میٹنگ ابھی جاری تھی۔

سیاحتی شعبہ کی ترقی کے لئے مرکزی سرکار کی امداد:

''دکشمیر ٹائمز'' میں چھپی ایک خبر کی رُو سے ''ٹورسٹ سرکٹ لکھن پور، بسوہلی، بنی، سرتھل کو بڑھاوا دینے کے لئے مرکز کی طرف سے منظور شدہ ۶۹ء۷۹۹ لاکھ روپے کی رقم کے برخلاف ریاست کے حق میں ۶۳۹ لاکھ روپے کی رقم پچھلے مالی سال میں منظور کی گئی۔ بھدرواہ، کشتواڑ، سنتھن، سرینگر ٹورسٹ سرکٹ کی ترقی اور قیام کے لئے کل منظور شدہ رقم ۱۳ء۶۹۱ لاکھ روپے کے مدِّ مقابل ۹۰ء۵۵۲ لاکھ کی رقم واگزار کی گئی ــــــ''[1]

توقع ہے کہ موخرالذکر سرکٹ کی تکمیل میں اِس قدر بھاری رقم کی واگزاری سے سرعت آئے گی اور لوگوں کے بہت سے رسل و رسائل وغیرہ اور سیاحت سے متعلق مسائل و مشکلات کا ازالہ ہو جائے گا۔

کلہانڈ میں بے گناہ لوگوں کا قتل:

یکّم جون ۲۰۰۶ء کو موضع کلہانڈ تحصیل ڈوڈہ کے مقام پر ہندو فرقے سے تعلق رکھنے والے بائیس (۲۲) افراد کو بندوق برداروں نے اپنی گولیوں کا نشانہ بنایا۔ اِس سانحۂ عظیم میں تقریباً دس دیہاتی لوگ بھی زخمی ہوئے جن میں سے آٹھ زخمیوں کو بذریعہ جہاز میڈیکل کالج جموں برائے علاج لے جایا گیا۔ باقی دو زخمیوں کو مقامی ضلع ہسپتال میں داخل کیا گیا۔ اِس دلدوز واقعہ سے ضلع بھر کے عوام میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی اور ہر فرقہ کے لوگوں نے بلالحاظ مذہب و ملت اِس انسانیت سوز واقعہ کی زبردست مذمت کی۔ ضلع کے حکمران جائے وقوع پر پہنچ گئے اور لواحقین کو ہر ممکن مدد کی یقین دہانی کرائی۔ وزیرِاعلیٰ غلام نبی آزاد نے مرحومین کی آخری رسومات میں شرکت کی اور

[1] ''دکشمیر ٹائمز''، مورخہ ۲۵ اپریل ۲۰۰۶ء ص:۶

پسماندگان کے ساتھ اظہارِ ہمدردی اور ماتم کرتے ہوئے متعلقہ حکام کو فوری طور پر مالی امداد منظور کرنے کے احکامات صادر کیئے۔ اِس مسئلہ میں ضلع بھر کے قصبوں میں دُوکانیں، کاروبار اور سکول بند رہے۔ بھدرواہ میں بھی اِس واقعہ کی شدید مذمت کی گئی اور اِس سانحہ کی عدالتی تحقیقات کروانے کا مطالبہ کیا گیا۔ حکومت کی طرف سے لواحقین میں سے ۱۳؍اشخاص/خواتین کو سرکاری ملازمتیں بھی دی گئیں اور حسبِ ضابطہ مالی امداد بھی ہر کنبے کو دی گئی۔

رسؔا جاودانی کی برسی پر تقریب کا اہتمام:

۱۸؍جولائی ۲۰۰۶ء کو وزیر اعلیٰ غلام نبی آزاد کی ہدایات پر ریاستی کلچرل اکیڈمی کے زیرِ اہتمام برصغیر کے معروف شاعر رسؔا جاودانی کی برسی کے سلسلہ میں ڈاکٹر رفیق مسعودی، سکریٹری کلچرل اکیڈمی کی سرپرستی میں ایک عظیم الشان تقریب کا اہتمام کیا گیا جس میں وادیٔ کشمیر، ضلع ڈوڈہ اور جموں سے آئے ہوئے متعدد گلوکاروں اور فنکاروں نے حصہ لیا۔ یہاں کے مقامی جواں سال گلوکاروں میں راشد جہانگیر، اِندو بالا، اعجاز، زلیخا اور شاہد نے اپنی جادوئی آوازوں میں رسؔا جاودانی کے کلام اور مقامی لوک گیتوں سے سامعین کو محظوظ کیا۔ تقریب کی آخری کڑی میں ڈاک بنگلہ بھدرواہ میں ایک مشاعرے کا اہتمام کیا گیا جس میں ضلع ڈوڈہ کے مقتدر شعراء کے علاوہ وادی کے کچھ نامور شعراء نے بھی اپنا اپنا کلام پیش کیا۔

اِس مشاعرے کی صدارت کرنے کا شرف راقم الحروف (بشیؔر بھدرواہی) کو حاصل ہوا جب کہ نظامت کے فرائض مقامی شاعر ساغؔر صحرائی نے انجام دیئے۔ وزیر اعلیٰ نے شعرا حضرات سے دہلی سے براہِ راست بذریعہ فون خطاب کیا اور اُن کا شکریہ بھی ادا کیا۔ ڈاکٹر رفیق مسعودی نے کلچرا کیڈمی کے مجوزہ پروگراموں سے سامعین کو شناسا کیا اور شعراء کا شکریہ کا ادا کیا۔

کھیلنی اور کیلاڑ میں ٹورازم میلے کا اِنعقاد:

بھدرواہ کی خوبصورت وادی اور اِس کے ملحقہ حسن بھرے مقامات کی سیاحتی اہمیت کو اُجاگر کرنے کے لئے حکومت کی طرف سے ایسے مقامات پر سیاحتی میلوں کا اہتمام کیا جارہا ہے جس کا نوڈل آفیسر بھدرواہ ڈویلپمنٹ اتھارٹی کے چیف ایگزیکٹو آفیسر کو بنایا گیا ہے۔ اِس سلسلہ میں ۱۴/ جولائی ۲۰۰۶ء کو کھیلنی کیلاڑ کے ایک حسین ترین مقام پر ایک میلے کا اِنعقاد کیا جانا تھا لیکن بارشوں کی شدّت کی وجہ سے یہ میلہ ماہ اگست کے دوران مقامی تہواروں اور میلوں کے ساتھ ساتھ منعقد کیا گیا۔ لوگوں نے علاقہ کیلاڑ کے اِس ''سیاحتی گیٹ'' کو عبور کرکے اِس علاقہ کی خوبصورتی اور قدرتی حسن کا نظارہ کیا اور لطف اندوز ہوئے۔ یہاں پر اِس بات کا ذِکر کرنا مناسب ہے کہ ڈوڈہ۔ بھدرواہ شاہراہ کے موضع سینائی سے کھیلنی تک ایک موٹر روڈ کی تعمیر پہلے ہی مکمل کی جاچکی ہے، جس کو موضع ڈوگلی تک لے جایا جارہا ہے تاکہ علاقہ کیلاڑ کو مجموعی طور پر سیاحوں کے لئے کھولا جائے، جو ایک بڑے سیاحتی مرکز میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ کھیلنی کے مقام پر ٹورسٹ ہٹس اور دیگر رہائشی اور تفریحی سہولیات کا اہتمام کیا جارہا ہے۔

نئے اضلاع، تحصیلوں، سب ڈویژنوں اور

نیابتوں کی منظوری:

وزیر اعلیٰ مسٹر غلام نبی آزاد اور ڈپٹی چیف منسٹر جناب مظفر حسین بیگ نے سرینگر میں ۴/ جولائی ۲۰۰۶ء کو مشترکہ طور پر بلائی گئی ایک پریس کانفرنس کو خطاب کرتے ہوئے ریاست میں آٹھ نئے ضلعوں، تین سب ڈویژنوں، تیرہ نئی تحصیلوں اور کچھ نیابتوں کے منظور کئے جانے اعلان کیا جبکہ عرصہ تیس سال سے نئے اضلاع اور تحصیلوں کا مسئلہ سرد خانے میں پڑا ہوا تھا۔ صوبہ جموں کے نئے منظور شدہ ضلعوں میں

کشتواڑ، رام بن، سانبہ اور ریاسی جبکہ وادیٔ کشمیر کے ایسے ضلعوں میں بانڈی پور، کلگام، قاضی کنڈ اور شوپیاں کے اضلاع شامل ہیں۔ ضلع ڈوڈہ کو اِسی طرح تین ضلعوں میں تقسیم کیا گیا اور اِس میں تین نئی تحصیلیں اٹھولی، چھاترو اور مڑوہ کے مقامات پر منظور کی گئیں جبکہ اِس سے قبل اِن مقامات پر نیابتیں قائم تھیں۔ تحصیل گندو ریاست کی اُن تین تحصیلوں میں شامل ہے، جن کا درجہ بڑھا کر سب ڈسٹرکٹ کر دیا گیا۔ ملی جلی سرکار کے اِس تاریخی اقدام کی ریاست بھر سراہنا ہوئی۔

بھدرواہ میں ٹورسٹ ریزارٹ کا سنگِ بنیاد:

ریاستی سرکار کے محکمہ سیاحت کی طرف سے موضع ڈنڈی بھدرواہ کے مقام پر ۲۱ راگست ۲۰۰۶ء بروز سوموار بعد دوپہر جناب غلام نبی آزاد نے ''بھدرواہ ٹورسٹ ریزارٹ'' کا سنگِ بنیاد رکھا۔ اِس تقریب میں مسٹر مظفر حسین بیگ نے بھی شرکت کی اور ڈائریکٹر ٹورازم، ضلع کے افسران، مقامی معزز شہری اور متعدد سیاسی کارکنان کی موجودگی سے تقریب کی رونق دوبالا ہوگئی۔ یاد رہے کہ موضع ڈنڈی کے مقام پر جناب آزاد صاحب نے مرکزی وزیر برائے سیاحت بہت سی ٹورسٹ ہٹس تعمیر کروائی تھیں، جن کو بدقسمتی سے کچھ سال پہلے کچھ تشدد پسند بندوق برداروں نے مبینہ طور پر نذرِ آتش کر دیا۔ اب آزاد صاحب نے بحیثیت وزیرِ اعلیٰ اس جگہ پر نئی طرز کی عمارات تیار کروانے کا اہتمام کر لیا ہے، جن کی تعمیر جاری ہے۔ توقع ہے کہ یہ خوبصورت اور دیدہ زیب عمارتیں سال رواں ۲۰۰۷ء-۲۰۰۸ء کے اِختتام تک مکمل کی جائیں گی۔

بھدرواہ میں کیلاش ٹورازم میلے کا اہتمام:

سال ۲۰۰۶ء-۲۰۰۷ء کی کیلاش یاترا سے جڑے ہوئے سیاحتی میلے کا اِفتتاح ریاست کے چیف منسٹر غلام نبی آزاد نے مقامی طور پر ۹ راگست ۲۰۰۶ء کو کیا، جو ۲۸ راگست

۲۰۰۶ء تک جاری رہا۔ اِس میلے کا اہتمام وزیراعلیٰ کی ہدایات پر بھدرواہ کی ترقیاتی
اتھارٹی نے اِس مقصد کے تحت کیا تھا کہ بھدرواہ کے حسنِ فطرت اور مسحور کن خوبصورتی
جو صدیوں سے مختلف حکومتوں کی غفلت کا شکار ہو کر باہری دُنیا سے پوشیدہ رہی ہے، کی
بڑے پیمانے پر تشہیر کی جائے تا کہ یہ بیرونی اور ریاستی سیاحوں کی دلکشی کا باعث بن کر
یہاں پر ایک سیاحتی صنعت کے طور پر اُبھرے۔ اِسی مقصد کے تحت وزیر اعلیٰ نے بین
الاقوامی شہرت کے حامل متعدد ٹور آپریٹرس کو اِس میلے میں شرکت کی دعوت دی تھی۔

میلے کے دوران متعدد تمدنی پروگرام، لوک سنگیت، لوک ناچوں کے علاوہ
یہاں کے مقامی طور پر فنِ مصوری، مجسمہ سازی (سنگتراشی) کی نمائش کا بھی اہتمام کیا
گیا تھا۔ ''شامِ بھدرواہ'' کے نام سے بہت سے رنگارنگ پروگرام منعقد کئے گئے جن
میں جموں، سرینگر، ڈوڈہ، پاڈر، بھلیسہ کے علاوہ یہاں کے مقامی گلوکاروں وسنگیت کاروں
نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور ہزاروں مقامی اور بیرونی ناظرین وسامعین کو محظوظ کیا۔

اِس سے قبل وزیراعلیٰ جناب غلام نبی آزاد اور نائب وزیراعلیٰ مظفر حسین بیگ نے
یہاں منعقد کے گئے ایک بھاری جلسہ سے خطاب کیا اور وادی کے کچھ حصوں کی طرح
جموں کے بہت سے پسماندہ علاقوں کے ساتھ برتے گئے امتیازی سلوک پر پچھلی
حکومتوں کو آڑے ہاتھوں لیا۔ دونوں حضرات نے زوردار الفاظ میں یقین دِلایا کہ مِلی جلی
سرکار ریاست کے ہر حصے اور ذیلی خطوں کی فلاح و بہبود کے سلسلہ میں مؤثر اور قابلِ عمل
منصوبہ بندی کرے گی۔ بیگ صاحب نے اِس بات کا کھلے الفاظ میں اعتراف کیا کہ
سابقہ حکومتوں نے جموں کے ساتھ مجموعی طور پر امتیازی سلوک برتا ہے اور سیاحتی
اِمکانات کے لحاظ سے یہ خطہ اُن کی غفلت کا شکار رہا ہے۔ آزاد صاحب نے بھدرواہ
کو سیاحتی نقشے پر لائے جانے کی بھدرواہی لوگوں کی دیرینہ مانگ کا ذکر کرتے ہوئے
کہا کہ اب بھدرواہ کو نہ صرف ریاستی سیاحت بلکہ ملکی سیاحت کے نقشہ پر لایا گیا ہے۔
لوگوں نے تالیوں کی گونج میں زوردار نعروں سے اِس اعلان پر خوشی کا اظہار کیا۔ میلے

کے اِختتام پر ٹور آپریٹرس نے اخباری نمائندوں سے بات چیت کرتے ہوئے بھدرواہ کی خوبصورتی اور اِس خطّہ کے سیاحتی امکانات کی وضاحت کرتے ہوئے کہا ''ملک کے پہاڑوں میں کبھی نہ دیکھے گئے اِس جیسے ''خوبصورت ترین خطّہ ارض'' کو ''سیاحتی جائے مقصود'' کے طور پر ترقی دینے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی جائے گی اور اِس جگہ کی ایک سیاحتی مرکز کے طور پر ملک بھر میں تشہیر کی جائے گی۔'' اُنہوں نے آزاد صاحب سے درخواست کی کہ یہاں کے متوافق قدرتی توازن کو سیاحی سرگرمیوں کے نام پر ترقی دیتے ہوئے کسی قسم کی خلل اندازی سے نہ بگاڑا جائے اور یہ کہ ویشنو دیی یاترا پر آنے والے لوگوں کے لئے وہاں سے بھدرواہ تک آنے اور واپس جانے کے لئے ہیلی کاپٹر سروس کا اہتمام کیا جائے۔ جن بین الاقوامی شہرت یافتہ ٹور آپریٹروں نے اپنی تجاویز دیں، اُن میں مسٹر مکیش جگا، صدر ڈومیسٹک ٹور آپریٹرس سرفہرست تھے، جن کے ساتھ چالیس اشخاص پر مشتمل ٹور آپریٹروں کی ایک ٹیم بھدرواہ میلے میں شرکت کے لئے آئی تھی۔ اِس پریس کانفرنس سے پہلے بھدرواہ میں سال ہا سال کے وقفہ کے بعد ایک بڑی کُشتی کا اہتمام کیا گیا جس میں یو پی، پنجاب، مغربی بنگال، ہماچل پردیش، ہریانہ اور ریاست کے پہلوانوں کے درمیان کُشتیاں ہوئیں، جس کو تقریباً بیس ہزار لوگوں نے دیکھا۔ آخری مقابلے میں بھلیس کے راحت علی پہلوان کو کامیاب قرار دیا گیا۔ پہلوانوں کو نقد اِنعامات سے نوازا گیا۔ ہائر سکینڈری سکول بھدرواہ کے میدان میں ہزاروں لوگ یہاں پہلی بار منعقد کی گئی ''پیرا گلائڈنگ'' کے دلچسپ کھیل سے محظوظ ہوئے۔

بسوہلی میں دریائے راوی پر پُل کی تعمیر:

موقر اخبار ''ہند سماچار'' کی ایک اطلاع کے مطابق ہند سرکار نے دریائے راوی پر ۵۷۲ فٹ لمبائی کے ایک پل کی منظوری دے دی ہے، جس پر ۷۰ کروڑ روپے لاگت آنے کا تخمینہ لگایا گیا ہے۔ اِس پُل کی تعمیر سے پٹھانکوٹ سے براستہ بسوہلی۔

بھدرواہ- سرینگر جانے کے لئے راستے کا فاصلہ ۵۲ کلومیٹر کم ہو جائے گا۔ اِس سلسلہ میں ٹینڈر بھی طلب کئے گئے ہیں۔ امید ہے اِس پل کی تعمیر سے بسوہلی، بھدرواہ وغیرہ علاقوں میں تعمیر وترقی کا ایک نیا دور شروع ہوگا۔ بسوہلی، لکھن پور، سرتھل سیاحتی سرکٹ اور بھدرواہ، ڈوڈہ، کشتواڑ، سنتھن ٹورسٹ سرکٹوں کے لئے اِس پُل کی تعمیر سے سیاحتی اِمکانات روشن ہوں گے اور یہ پُل بسوہلی اور دونیرا پنجاب کو بھی ملائے گا۔

وزیراعلیٰ کا بھدرواہ، بھلیس اور ٹھاٹھری کا دورہ:

۱۱راپریل ۲۰۰۷ء کو وزیراعلیٰ نے بھلیس، بھدرواہ اور تحصیل ٹھاٹھری کے کچھ علاقوں کا دورہ کیا اور ملانوں، کانڈوت اور جائی کے مقامات پر پبلک جلسوں سے بھی خطاب کیا۔ اُنہوں نے اِن مقامات پر پانی کی فراہمی کی کچھ سکیموں اور سڑکوں وغیرہ کی تعمیر کے سنگِ بنیاد رکھے۔ ملی ٹینسی کے دوران جائی جیسے صحت افزاء مقام پر پرانی سرائے، ایک جنگلاتی بنگلے اور نئی تعمیر شدہ ۱۴ ٹورسٹ ہٹس کو نذر آتش کئے جانے پر گہرے دُکھ کا اظہار کیا اور اِس دلکش مقام کی سیاحتی اہمیت کے مدنظر یہاں پر فیبر یکٹیڈ ٹورسٹ ہٹس تعمیر کرائے جانے کی یقین دہانی کرائی اور ان علاقوں میں سڑکوں کا جال بچھانے اور زراعت اور باغبانی کو فروغ دینے کے لئے فوری اقدامات اٹھائے جانے کا اعلان کرتے ہوئے لوگوں سے بھی اپیل کی کہ وہ مختلف قسم کے میوہ دار درخت لگائیں۔ اُنہوں نے کاہرہ- جوڑا سڑک نمبرایک کی تعمیر کے لئے ۲۵ کروڑ روپے کی رقم منظور کئے جانے کا اعلان کیا اور کہا کہ جائی- جوڑہ سڑک کے لئے بھی رقومات فراہم کی جارہی ہیں، جس سے تحصیل بھدرواہ، ٹھاٹھری اور گندو کے درمیان لوگوں کو آنے جانے میں سہولیات فراہم ہوں گی اور پرانے سماجی، اِقتصادی اور سیاسی رِشتے مستحکم ہوں گے۔ کنڈی نہر کا ذکر کرتے ہوئے اُن کے ساتھ آئے ہوئے وزیر آبپاشی مسٹر دِلاور میر نے کہا کہ یہ نہر ملانوں سے نکل کر علاقہ ٹھاٹھری اور اِس کے ملحقہ دیگر علاقوں کی بنجر

زمینوں اور خشک حصّوں کو سیراب کرے گی جس سے پیداوار میں اضافہ کے باعث لوگوں کی اِقتصادی حالت سدھر سکے گی۔ وزیراعلیٰ نے مجوزہ کنڈی نہر کے سرے اور آخری حصّے پر پہنچ کر لوگوں کے ہجوم سے خطاب کیا' جنہوں نے اُن کا اور اُن کے ساتھیوں کا پُر جوش اِستقبال کیا۔ جائی کے مقام پر پانی کی فیز نمبر ۲ سکیم کا سنگِ بنیاد بھی رکھا۔ اس سکیم کو دو زونوں کے لئے مخصوص کیا گیا ہے جس پر دس کروڑ روپے خرچ آنے کا اندازہ ہے۔ اِس میں سے زون نمبر ایک پر ۱۶ء۴ کروڑ خرچ ہوں گے جس کا فائدہ ۱۴ ردیہات کو ملے گا جن میں چنتہ علاقے کے چنچوڑہ' چھانی' ترپی' لانچان' ڈُگہ جالگہ' رہی اور بھالڑہ کی طرف کے پینڈ کو' کونٹرہ' مسرٹہ' دگی ناسکہ اور خالو موضع جات شامل ہوں گے۔ فیز نمبر دو پر ۵۵ء۶ کروڑ روپے صرف ہوں گے جن سے ۱۵ ردیہات کو فائدہ پہنچے گا۔ اُن میں شرورا' ہموت' ٹنگومہ' کنگلہ' سورا' برم پوری' ٹینسنہ' کنڈوسو' چوندھری تندورا' چکرابتی' سندراہ' کٹھیاڑہ' کاہلہ اور درایہ موضع جات شامل ہیں۔ اِن سکیموں کو ایک سال کے اندر اندر مکمل کرنے کے احکامات دیئے جا چکے ہیں۔ سب سے پہلے چیف منسٹر نے کنڈی نہر کا سنگِ بنیاد رکھا۔ اِس پر ۵۳ کروڑ روپے لاگت آنے کا تخمینہ ہے اور یہ ملانوں سے نکالی جائے گی۔

ڈی۔ایس۔پی شیلے سنگھ کی ہلاکت:

۳۰ رمئی ۲۰۰۷ء کو سپیشل آپریشن گروپ جموں کے ڈی۔ایس۔پی۔ شیلے سنگھ کو لشکر طیبہ کے ڈویژنل کمانڈر خلیل الرحمٰن المعروف ابوعمر' ساکنہ بہاولپور' پاکستان نے موضع اُدرانہ بھدرواہ کے مقام پر ایک کارروائی کے دوران گولی کا نشانہ بنایا جب وہ شدت پسندوں کے تعاقب میں جموں سے اُسی روز آئے تھے۔ ایک نجی مکان میں چھپے ہوئے شدّت پسند نے اُن پر مکان میں داخل ہوتے ہی گولی چلائی جس کے نتیجے میں وہ ہلاک ہوئے اور ملی ٹنیٹ بھاگنے میں کامیاب ہوگیا۔ اِطلاعات کے مطابق دو

شدّت پسند بھی اُس روز کسی جیپ میں سوار ہو کر موضع اُدرانہ میں اُترے تھے۔

قصبہ بھدرواہ کے لئے ماسٹر پلان:

جناب غلام نبی آزاد کی سربراہی میں چلنے والی مخلوط سرکار نے محکمہ سیاحت کی وساطت سے احمد آباد کی سی۔ پی۔ ٹی۔ یونیورسٹی سے ''چھوٹا کشمیر'' بھدرواہ کو ٹورسٹ سرکٹ پر لانے کے لئے ایک ماسٹر پلان تیار کروانے کی خاطر رابطہ قائم کیا۔ احمد آباد سے ایک ٹیم وادیٔ بھدرواہ اور کشتواڑ کا دورہ کر کے ان قصبوں سے متعلق بنیادی نوعیت کی ضروری اِطلاعات جمع کرے گی جس کے بعد حکومت اِن دونوں قصبوں کی سیاحتی صنعت کے فروغ کے اِمکانات کا جائزہ لے کر اِن کو پہلگام اور گلمرگ جیسے سیاحتی مراکز کی سطح پر لانے کا فیصلہ کرے گی۔

احمد آباد یونیورسٹی کا متعلقہ شعبہ ایک ماسٹر پلان تیار کرے گا، جس میں نہ صرف یہاں کے بنیادی ڈھانچے جیسے رابطہ سڑکیں، آب نوشی کی سہولیات، گلے سڑے اور ضائع ہوئے اور اِستعمال شدہ مواد کی تحویل وغیرہ منصوبے شامل ہوں گے۔ بلکہ اِن میں سیاحتی امورات سے جڑی ہوئی سہولیات جیسے دریائی کشتی بانی، پیرا گلائڈنگ اور مہماتی سرگرمیوں کی عکاسی بھی شامل ہوگی۔ ان سرگرمیوں کے لئے بھدرواہ قدرتی ذرائع سے پہلے ہی مالا مال ہے اور چاروں طرف فلک بوس مناظر بھرے پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے۔ دُوسری طرف دریائے نیرو کشتی بانی کے لئے بھی موزوں ہے۔ دیودار اور دُوسرے قسم کے درختوں سے بھرے ہوئے جنگلاتی وسائل کو اگر اِس سلسلے میں مناسب طور پر بروئے کار لایا جائے تو وہ مہم جوئی کی صنعت کے لئے ایک جنت کے مترادف ہوں گے۔ متعلقہ ریاستوں یا وادیٔ کشمیر کے ساتھ اندرونی طور پر جوڑنے کے لئے مجوزہ سڑکوں کی تعمیر اور ٹورسٹ سرکٹوں کے قیام سے یہاں کی اِقتصادیات میں کافی بڑھاوے کے اِمکانات موجود ہیں۔

بھدرواہ میں سیاحتی میلے کا انعقاد:

۱۵ ر جون ۲۰۰۷ء کو ایک رنگارنگ تقریب پر ریاست کے وزیر اعلیٰ نے ایک پندرہ روزہ سیاحتی میلے کا اِفتتاح کیا۔ اُن کے ہمراہ مرکزی وزیر برائے سیاحت مسز امبیکا سونی بھی تھیں۔ کبوتروں کے جھنڈ اور رنگارنگ غباروں کی آسمان کی طرف اُڑانوں نے اِس میلے کی اِفتتاحی تقریب کو نہایت ہی لطف اندوز بنادیا۔ معزز مہمانوں نے دستکاریوں پر مبنی لگائے گئے سٹالوں، مجسمہ سازی اور مصوری کی نمائش کا معائنہ کرنے کے بعد سیوج دھار اور کیلاش کی خوبصورت چراگاہوں اور سبزہ زاروں کی بھی بذریعہ ہیلی کاپٹر سیر کی۔ بعد میں ایک بھاری جلسے سے خطاب کرتے ہوئے آزاد صاحب نے کہا کہ مقامی ڈویلپمنٹ اتھارٹی کو ۲۰ کروڑ روپے کی رقم یہاں سیاحتی سرگرمیوں کی شروعات کرنے کے لئے دی گئی ہے، جس سے سیاحتی امورات کے لئے بنیادی ڈھانچہ فراہم ہوگا اور منظور شدہ ٹورسٹ سرکٹوں کو ترقی دینے سے یہاں پر خوشحالی کے دور کا آغاز ہو سکے گا۔ شام کو ایک مشاعرے کی تقریب پر اُنہوں نے یونیورسٹی کیمپس بھدرواہ میں ''رسؔا جاودانی میموریل چیئر'' قائم کرنے کا اعلان کیا جس کے لئے ہر طبقہ فکر نے اُن کی سراہنا کی۔ اُنہوں نے بھدرواہ، ڈوڈہ ڈبل لین شاہراہ کی تکمیل اگلے سال ماہ مئی تک ہونے کا یقین دِلاتے ہوئے اعلان کیا کہ چمبہ، بھدرواہ روڈ کے لئے ۶۷ کروڑ روپے کی اضافی رقم منظور کی جاچکی ہے۔

اِس سے قبل وزیر اعلیٰ نے بھدرواہ میں اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اور لینگویجز کے ایک سب آفس کا اِفتتاح بھی کیا اور ۳۵ لاکھ روپے کی لاگت سے بنے ہوئے ڈِگری کالج لنک روڈ پر ایک نئے پُل کا اِفتتاح بھی کیا اور ڈِگری کالج بھدرواہ میں ''چناب کے طاس میں ۲۰۲۰ء تک کے تصویری لحاظ سے تعلیمی میدان اور سیاحتی شعبہ میں بقا اور ترقی'' کے موضوع پر ایک نیشنل سطح کے سیمینار سے خطاب کیا۔ یادِ رسؔا میں

منعقد کردہ موضوع پر ریاستی سطح کے ایک مخلوط مشاعرے میں شرکت کر کے وہ رات گئے تک سینکڑوں مہمانوں اور مندوبین کے اعزاز میں دیئے گئے ایک عشائیے میں حاضرین کی خاطر تواضع کرتے رہے اور درجنوں وفود سے بھی ملے۔ٹورسٹ میلے کے دوران ۲۰/جون لغایت ۲۴/جون ۲۰۰۷ء دنگلوں کا بھی اِہتمام کیا گیا جس میں پنجاب، ہریانہ، ہماچل پردیش اور ریاستی اور مقامی پہلوانوں نے حصہ لیا اور ہزاروں ناظرین کو محظوظ کیا۔اِس دوران سیاحوں کی رہائش کے لئے بہت سے مکانات اور ہوٹل کرایے پر لئے گئے تھے۔کئی روز تک متعدد گلوکاروں، سنگیت کاروں اور موسیقاروں نے اپنے فنون کا مظاہرہ کیا۔کچھ سیاحوں نے ہیلی کاپٹروں کے ذریعہ سیوج دھار وغیرہ کی دلکش وادیوں کا لطف بھی اُٹھایا۔

بھلیس کے دس عسکریت پسندوں کی خود سپردگی:

علاقہ بھلیس کے دس جنگجوؤں نے ۵/جون ۲۰۰۷ء کو ڈوڈہ کے مقام پر وزیر اعلیٰ اور پولیس افسروں کے سامنے اپنے ہتھیار ڈال دیئے اور تشدد کی راہ کو خیر باد کہا۔اُن میں حرکت المجاہدین تنظیم سے وابستہ ایک ڈویژنل کمانڈر بھی شامل تھا۔غالباً ریاست کی تاریخ میں کسی وزیر اعلیٰ کے سامنے خود سپردگی کا یہ پہلا واقع تھا۔اس واقعہ کے بعد علاقہ بھلیس میں حزب المجاہدین تنظیم کی موجودگی نہ ہونے کے برابر رہی۔ اطلاعات کے مطابق اِس کارروائی سے وہاں کے لوگوں نے راحت کا سانس لیا۔اِس سے قبل ۴/جون ۲۰۰۷ء کو موضع ٹانٹلی بسران میں ایک فوجی جھڑپ کے دوران دو شدّت پسند جوان ہلاک ہوئے۔اُن میں سے ایک شاہ دین کوڈ شیر خان ولد محمد شفیع، ساکنہ موضع تھنالہ بھدرواہ سے تعلق رکھتا تھا، جو پولیس کے ماہرین کے مطابق دھماکہ خیزی کے فن میں مہارت رکھتا تھا۔اُس کی لاش کو بھدرواہ لا کر سپرد ِخاک کیا گیا۔ دُوسرے حریت پسند جنگجو کا نام غلام محمد کوڈ نام محمود ولد قاسم دین، ساکنہ کوٹا بھلیس تھا۔

یہ دونوں شدّت پسند ٹھاٹھری (بھلیسہ) گندو تحصیلوں میں کافی عرصہ سے سرگرم عمل تھے اور غلام محمد کے خلاف ایک خاتون روبینہ کے قتل کا الزام بھی تھا۔

جموں و کشمیر فریڈیم موومنٹ کے صدر

سعداللہ تانترے کا انتقال:

سعداللہ تانترے (مرحوم) موضع گھٹ ڈوڈہ میں ایک سیاسی اور دینی شعور رکھنے والے خاندان میں پیدا ہوئے۔ اپنی ابتدائی تعلیم اُنہوں نے گھٹ اور ڈوڈہ کے سکولوں سے حاصل کی۔ ۱۹۵۵ء میں میٹرک پاس کیا اور ۱۹۵۶ء میں بحیثیت اُستاد محکمہ تعلیم میں بھرتی ہوئے۔ وہ مولانا غلام احمد احرار کے خطابات سے متاثر ہوتے رہے۔ جلدی ہی حلقہ جماعت اِسلامی میں ایک رُکن کی حیثیت حاصل کی۔ اُن کی ان تھک کوششوں سے ڈوڈہ تحصیل کے مختلف مقامات پر کئی دینی ادارے قائم ہوئے۔ جماعت اِسلامی کے ساتھ منسلک ہونے کی وجہ سے اُنہیں تبادلوں کی یلغار کا سامنا کرنا پڑا۔ بالآخر تنگ آ کر وہ ملازمت سے مستعفی ہو گئے اور باضابطہ طور پر جماعتِ اسلامی کی تحریک میں شمولیت کر لی۔ کافی عرصہ تک جیلوں کی صعوبتیں برداشت کیں۔ ۱۹۷۲ء میں حلقۂ اِنتخاب ڈوڈہ سے چناؤ بھی لڑا لیکن کامیاب نہ ہوئے۔ ۱۹۶۵ء کے دوران پانچ بار جیل گئے۔

صوبہ جموں کو حریت کانفرنس کی مجلس عاملہ میں رُکنیت نہ ملنے کے ردعمل میں تانترے (مرحوم) نے ۲۰۰۱ء میں ''جموں و کشمیر فریڈم موومنٹ'' کے نام سے ایک تنظیم تشکیل تو دی، تاہم نظریاتی طور پر جماعتِ اسلامی سے تاحیات اپنی وابستگی برقرار رکھی۔ اگست ۲۰۰۱ء میں ہوئے ایک کار حادثے میں وہ بال بال بچ گئے لیکن بدقسمتی سے ۲۰۰۵ء میں وہ نیم خوابی کے عالم میں گر پڑے اور ایک ٹانگ میں فریکچر ہو گیا۔ بالآخر ۲۹ رمئی ۲۰۰۷ء کو اُن کی رُوح اِس دارِ فانی سے پرواز کر کے اپنے مالکِ حقیقی

سے جا ملی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون [1]

تانترے (مرحوم) سال میں ایک دو بار بھدرواہ تشریف لاکر جمعہ کے روز جامع مسجد شریف بھدرواہ میں نمازیوں سے بڑے موثر انداز میں دینی مسائل پر خطاب فرماتے تھے اور مذہبی اجتماعات اور شادی غمی کے مواقع پر لوگوں کی خوشی اور غم میں شریک رہتے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔ آمین! اُن کی جگہ مسٹر محمد شریف سرتاج متفقہ رائے سے تنظیم کے چیئرمین مقرر ہوئے اور خواجہ عبدالحئیٰ خطیب (بھدرواہ) اِس کے نائب چیئرمین چنے گئے۔ مسٹر محمد اقبال ملک جنرل سکریٹری مقرر ہوئے۔ سرتاج صاحب علاقہ بھلیس سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ ایک معروف صحافی، سیاست دان اور اچھے دینی شعور کے حامل ہیں۔ وہ روزنامہ ''راہ منزل'' کے مدیرِ اعلیٰ اور رُوحِ رواں بھی ہیں۔

محلّہ عیدگاہ میں ایک شدت پسند ہلاک:

۸ر جولائی ۲۰۰۷ء کو ایک جنگجو خلیل الرحمٰن المعروف ابوعمر، ساکنہ بہاولپور پاکستان، پولیس ٹاسک فورس اور سی. آر. پی وغیرہ کی ایک مشترکہ کارروائی میں بہ مقام عیدگاہ بھدرواہ ہلاک ہوا۔ یہ شدّت پسند مسٹر شلیے سنگھ (ڈی. ایس. پی) کی ہلاکت میں مبینہ طور پر ملوث تھا، جو موضع اُدرانہ بھدرواہ میں ۳۰ر مئی ۲۰۰۷ء کو اُس کی گولی کا نشانہ بنے تھے۔ عیدگاہ کے اِس ٹکراؤ میں ایک مفلوک الحال خاتون مصرہ بیگم بھی ہلاک ہوئی۔ مقامی لوگوں نے اِلزام لگایا کہ مذکورہ خاتون کو باہر نکلنے کا کوئی موقع دیئے بغیر بے گناہ اور بلا قصور طور پر ہلاک کیا گیا اور مزید یہ کہ جاں بحق ہوئے جنگجو کے پاس بھی کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ اِس سلسلہ میں بھدرواہ کے مُسلم فرقے نے ہڑتال کی اور کچھ لوگوں نے نعرہ بازی بھی کی۔ ابوعمر کو بھدرواہ کے مزار الشہداء میں سپردِ خاک کیا گیا۔

---

[1] استفادہ ''ہفت روزہ صدائے کوہسار'' ڈوڈہ، مورخہ: ۸ر جون ۲۰۰۷ء

حزب کا تحصیل کمانڈر ہلاک:

۹ راگست ۲۰۰۷ء کو حزب المجاہدین تنظیم سے تعلق رکھنے والا تحصیل کمانڈر محمد شفیع المعروف شہباز، ساکنہ کنتھال (تحصیل ٹھاٹھری) فوج کے ساتھ ایک جھڑپ میں جاں بحق ہوا جبکہ دُوسرے جنگجو نے پولیس کے سامنے اپنے ہتھیار ڈال دئے۔ اُس کا نام اختر حسین، ساکنہ چراہلہ (ٹھاٹھری) بتایا جاتا ہے۔ اِس ماہ کے دوران کچھ اور شدّت پسندوں نے فوج اور پولیس کے سامنے اسلحہ سپردگی کی، جن کا تعلق تحصیل گندو سے تھا۔

وزیرِاعلیٰ کا دورہ کھلینی اور کیلاڑ:

۱۷ ستمبر کو وزیرِاعلیٰ غلام نبی آزاد نے علاقہ کیلاڑ کے زیرِ تعمیر سیاحتی مرکز کا دورہ کیا، جہاں ہزاروں لوگوں نے اُن کا بڑی گرمجوشی سے اِستقبال کیا۔ لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے اُنہوں نے کہا کہ وہ سیاحتی سرگرمیوں سے تعلق رکھنے والی مختلف سکیموں کا فائدہ اُٹھائیں، جن میں حکومت کی طرف سے دو لاکھ روپے کی امداد سے اضافی مکانیت کی سہولیات فراہم کر کے اِس میں سیاحوں کو بطور ''پینگ گیسٹ'' رکھنے، ہارٹی کلچر کو فروغ دینے وغیرہ جیسی سکیمیں شامل ہیں۔ وزیرِاعلیٰ نے دیگر ترقیاتی کاموں کا جائزہ لینے کے بعد یہاں پر تعمیر کئے گئے تین سیاحتی ہٹوں (HUTS) کی رسم افتتاح بھی کی، جن میں تین مزید ہٹوں کے اضافہ پر حکومت ایک کروڑ روپے کی رقم خرچ کر رہی ہے۔ اِن میں دس کمرے، ایک ریسٹورنٹ اور ایک تفریحی پارک شامل ہوگا۔ آزاد صاحب نے سیری کے مقام پر نالہ نیرو پر ۷۵ لاکھ روپے کی لاگت سے ایک نیا پُل تعمیر کرنے کا اعلان بھی کیا۔ بھدرواہ کا دورہ اُنہیں سکیورٹی وجوہات کی وجہ سے منسوخ کرنا پڑا، جہاں اُنہیں نے ایک ہارٹی کلچر نمائش کا اِفتتاح کرنے کے

بعد ''میلہ پٹ'' میں شریک ہونا تھا۔

موضع چنوت بھدرواہ میں دو جنگجو ہلاک:

۸/ستمبر ۲۰۰۷ء کو موضع چنوت بھدرواہ میں مرحوم فیض احمد گونی کے مکان میں روپوش لشکر طیبہ سے تعلق رکھنے والے دو جنگجو، فوج اور پولیس کی ایک مشترکہ کارروائی میں ہلاک ہوئے۔ اُن میں سے ایک اُسی موضع کا اعجاز احمد ولد غلام محمد لون تھا اور دُوسرا تحصیل مڑوہ، ضلع کشتواڑ کا ساجد المعروف اُسامہ نامی شدّت پسند تھا۔ سرکاری ذرائع کے مطابق اُسامہ نے مکان کے اندر سے ہی گولہ باری شروع کی جبکہ فوج وغیرہ نے مکان صبح سے گھیرے میں لے رکھا تھا۔ چھ بجے شام تک وقفہ وقفہ سے زبردست گولہ باری کے بعد مکان سے دونوں شدّت پسندوں کی لاشیں برآمد کی گئیں۔ پوسٹ مارٹم کے بعد اُنہیں موضع چکّہ کے قبرستان میں سپردِ خاک کیا گیا۔ اُن کے جنازے میں سینکڑوں لوگوں نے شرکت کی۔ اُس جھڑپ کے دوران سب انسپکٹر شیو کرشن شرما المعروف سونو، پون کمار ایس. پی. او، کانسٹیبل جان محمد میر، کانسٹیبل راجیش کمار، میجر وپل ویشوالی (کمپنی کمانڈر شنکھوجہ) اور لیس نائک مہیش پال زخمی ہوئے۔ ''سونو'' کو بذریعہ جہاز علاج معالجہ کے لئے جموں لے جایا گیا۔ اِس کارروائی کی نگرانی راشٹریہ رائفلز کے برگیڈیر اے. کے. گنگولی اور ڈوڈہ کشتواڑ رینج کے ڈی. آئی. جی مسٹر فاروق احمد خان کررہے تھے۔

ریاست میں روشنی سکیم کا آغاز:

آزاد صاحب کی قیادت میں چلنے والی مخلوط سرکار کی طرف سے گزشتہ سال لاگو کیے گئے اِنقلابی نوعیت کے روشنی ایکٹ کی بدولت جموں و کشمیر کے کسانوں کو قریباً سولہ ہزار کروڑ مالیت کی ۲۱ء۵ لاکھ کنال سرکاری زمین پر مالکانہ حقوق دیئے جارہے

ہیں۔ اِس سکیم کا رسمی طور پر آغاز آزاد صاحب نے جموں میں ۲۵ ستمبر ۲۰۰۷ء کو کیا۔ مذکورہ بالا رقم ریاست کے بجٹ سے تین گنا زیادہ ہے۔ اِس زمین پر سال ہا سال سے کسان کاشتکاری کر رہے تھے، مگر اُنہیں مالکانہ حقوق حاصل نہیں تھے۔ حکومت کی طرف سے اکیسویں صدی کا یہ سب سے بڑا تحفہ تصور کیا جا رہا ہے۔ اِس زمین میں سے ۵ء۱۱ لاکھ کنال زمین جموں ڈویژن اور باقی کشمیر ڈویژن میں تقسیم کی جا رہی ہے۔ اِس ایکٹ کی رُو سے اِس قدیم مملکت کے مقامی کاشتکاروں میں تقسیم کی گئی زمین کی علاقہ وار تقسیم درج ذیل ہے:

۱.	بھدرواہ	۰۶ء ۱۳۷۷ کنال
۲.	گندو	۱۹ء ۶۵۳۸ کنال
۳.	ٹھاٹھری	۱۱ء ۴۳۶۱ کنال
۴.	بونجواہ	۰۴ء۲۸۸ کنال
۵.	مرمت	۰۵ء۱۸۶۰ کنال

(نوٹ: ''ء'' سے مراد عشاریہ ہے)

یاد رہے کہ مرحوم شیخ محمد عبداللہ کی عوامی حکومت میں لاکھوں کنال زمین کاشتکاروں میں مفت تقسیم کئے جانے اور اُس کے مالکانہ حقوق دیئے جانے کے لئے تاریخی فیصلہ کے بعد یہ دُوسرا موقع ہے، جب کاشت کاروں کو زمین کے مالکانہ حقوق دیئے جا رہے ہیں۔ اِس اقدام پر آزاد صاحب کو ہر طرف سے خراجِ تحسین پیش کیا جا رہا ہے۔

بس سے دس کلو چرس برآمد:

۱۰/ اکتوبر ۲۰۰۷ء کو ٹھاٹھری کے مقام پر کشتواڑ سے آنی والی ایک بس سے مقامی پولیس نے دس کلو چرس برآمد کر کے ضبط کرلی۔ پچھلے کئی سالوں میں اِتنی مقدار

میں چرس ضبط کیے جانے کا پہلا موقع ہے۔

کٹھوعہ -بسوہلی -بھدرواہ- کشتواڑ

ریلوے لائن کا سروے:

وادیٔ کشمیر کو ریل کے ساتھ جوڑنے کے منصوبے پر کام شروع ہونے کے بعد اب مرکزی وزارت ریلوے نے چودھری لال سنگھ، ممبر پارلیمنٹ ڈوڈہ- اُودھم پور کی تجویز پر فیصلہ کیا ہے کہ جموں خطّے کے پہاڑی علاقہ جات کو بھی ریل کی سہولیات سے نوازا جائے۔ اِس سلسلہ میں مرکزی وزارت ریلوے نے کٹھوعہ -بھدرواہ- بسوہلی بھدرواہ- کشتواڑ ریلوے لائن کا سروے کروائے جانے کی منظوری دی ہے، جس کے مکمل ہونے کے بعد اِس لائن پر تعمیر کام شروع کیا جائے گا۔ سروے کے لئے مرکزی سرکار نے ۱۲ر لاکھ روپے کی رقم منظور کی ہے۔

اِبتدائی تخمینے کے مطابق یہ رُوٹ ۱۴۰ کلومیٹر لمبا ہوگا جس میں چالیس کے قریب چھوٹے بڑے ٹنل تعمیر ہوں گے۔ یہ کٹھوعہ سے شروع ہو کر بسوہلی، بنی، لوانگ کھڑوا، سرتھل، چھتر گلہ، گرڈنڈا، ٹھن ٹھیرا اور نالٹھی کے راستے بھدرواہ پھر ڈوڈہ کے راستے کشتواڑ پہنچ جائے گی۔ اِس بات کا فیصلہ بعد میں کیا جائے گا کہ آیا یہ لائن پہلے ڈوڈہ سے ہوتے ہوئے کشتواڑ لے جائی جائے گی یا ٹنل تعمیر کر کے ٹھاٹھری سے گزرتے ہوئے کشتواڑ جائے گی۔ اِس کی تعمیر سے وادیٔ چناب کے علاقوں میں ترقی کا ایک نیا باب شروع ہوگا۔[1]

ٹھاٹھری میں لشکر طیبہ کے دو جنگجو ہلاک:

ٹھاٹھری میں لشکر طیبہ کے دو جنگجو ہلاک:

۴ر نومبر ۲۰۰۷ء کو تحصیل ٹھاٹھری کے موضع سنار ٹھاوا میں فوج اور پولیس کی

---

[1] استفادہ ''روزنامہ کشمیر عظمیٰ''، ۳۱ر اکتوبر ۲۰۰۷ء

ایک مشترکہ کارروائی کے دوران لشکر طیبہ کے دو جنگجو مارے گئے۔ فوج کے مطابق اُن میں سے ایک اِس تنظیم کا ضلع کمانڈر تھا اور گزشتہ سات سال سے سرگرم تھا۔ اُس کی شناخت شوکت علی خان، کوڈ ابو عقب ولد ظریف خان، ساکنہ گھوڑو کے طور پر ہوئی۔ دُوسرے شدّت پسند کی شناخت عبد الطیف کوڈ ابوزبیر ولد غلام حسن، ساکنہ لوہاڑ ٹھاوا (چراہلہ) بتائی گئی۔ جائے تصادم سے کچھ ہتھیار بھی ملے ہے۔ یہ دونوں جنگجو کچھ وارداتوں میں بھی ملوث تھے۔

جموں و کشمیر لبریشن فرنٹ کے چیئرمین کا

دورہ ضلع ڈوڈہ:

جموں و کشمیر لبریشن فرنٹ کے چیئرمین محمد یٰسین ملک کو ۵/ نومبر ۲۰۰۷ء سے شروع ہونے والے "سفر آزادی" کے دُوسرے مرحلہ سے ایک دِن پہلے ہی ضلع ڈوڈہ کے صدر مقام فرید آباد میں گرفتار کیا گیا جبکہ وہ ۴/ نومبر بعد دوپہر سرینگر سے یہاں پہنچ گئے تھے اور عید گاہ میں خیمہ زن تھے۔ اِس گرفتاری سے حالات میں کشیدگی کی صورت اختیار کر لی۔ گرفتاری کی وجہ دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی بتائی گئی۔ گرفتاری کے بعد ملک صاحب کو بٹوت لے جایا گیا اور بعد میں غالباً کشمیر پہنچایا گیا۔ ملک صاحب کے "سفر آزادی" کا یہ کارواں ڈوڈہ کے علاوہ مرمت، ٹھاٹھری، گندو، بھدرواہ، رام بن اور بانہال وغیرہ علاقوں کا دورہ کرنے والا تھا۔ فرنٹ کے اراکین نے حکومت اور اِنتظامیہ کی طرف سے اُٹھایا گیا یہ قدم سراسر بوکھلاہٹ پر مبنی قرار دیا۔

مُسلم جانباز فورس کے سابق چیف کمانڈر کا

"اعترافِ گناہ"

اُردو روزنامہ "کشمیر عظمیٰ" کے ۲۴/ اکتوبر ۲۰۰۷ء کے شمارے میں "بابر بدر کا

اعتراف گناہ'' کے عنوان سے چھپے ہوئے اداریے اور اُس سے ماقبل بدر صاحب کی طرف سے چھپے ہوئے ایک مضمون کے تحت صاحب موصوف نے ''چند روز قبل اپنی سیاسی لغزشوں اور خطا کاریوں کا عام اعتراف کر کے اپنی پوزیشن واضح کردی ہے۔ دیر سے ہی سہی اُنہوں نے ''سچائیوں کا سامنا'' کر کے تحریری طور قوم سے ''غیر مشروط معافی'' مانگ لی ہے۔ وہ دِلّی کے ساتھ گو اپنے ناکام مذاکرات پر حددرجہ پچھتاوا ظاہر کر رہے ہیں، تاہم اصولی طور پر وہ مذاکراتی عمل کو اب بھی سیاسی بصیرت کا خاصہ سمجھتے ہیں۔'' فردوس سعید عرف بابر بدر ایک زمانے میں اپنے عسکری کردار کی بدولت زباں زدِ عام تھے۔ وہ مذکورہ تنظیم کی رُوحِ رواں بھی تھے۔ مرکزی وزارتِ داخلہ کے ساتھ اُن کی راہ و رسم دورانِ نظر بندی بڑھ گئی اور ''بابر بدر صاحب بھی جیل کی سلاخوں کے پیچھے عسکریت کو خیر باد کہتے اور مذاکراتی عمل کے زبردست خیر خواہ بن گئے۔'' باقی تنظیموں کے رِہا شدہ کمانڈروں کے ساتھ مل کر اُنہوں نے ایک ''فورم'' بنایا اور ''مسئلہ کشمیر کا مستقل حل'' ڈھونڈ نکالنے چل پڑے۔ دِلّی کے ساتھ مذاکرات کی بے نتیجہ نشستوں کے اور گیارہ سال کی عیش کوشی اور دِلّی اور کشمیر کی مہمان نوازی اور سیاسی تواضع کے بعد اب ''سابقہ چیف کمانڈر کو یہ احساس ڈس رہا ہے کہ اُن سے تحریکِ مزاحمت کے حوالے سے بھول چوک ہوئی ہے اور اِس حوالے سے وہ خود کو علی الاعلان گناہ گار تصور کرتے ہیں ——— اُن کے بارے میں مستقبل ہی فیصلہ کرے گا کہ اُن کے اعتراف گناہ میں خلوص، دانشمندی اور بے ریائی کا کتنا عمل دخل ہے ——— بابر بدر صاحب اپنی پشیمانی میں کس قدر پُر خلوص ہیں، اُن کے آنے والی زندگی سے یہ صاف ہو جائے گا۔''[1]

ہائے اُس زود پریشان کا پشیماں ہونا

---

1. استفادہ ''کشمیر عظمیٰ'' ۳۱ را کتوبر ۲۰۰۷ء

ڈوڈہ- بھدرواہ روڈ پر بس حادثہ:

ماہ نومبر میں ہی ڈوڈہ- بھدرواہ شاہراہ پر پُل ڈوڈہ سے بھالا کی طرف جانے والی ایک گاڑی (نمبر: ۹۴۳ جے کے ۵۶) کو پرانوں کے نزدیک شاہ پور موڑ پر ایک حادثہ پیش آیا، جس میں موضع درفڑ ملوٹھی کیلاڑ کا شکتی پال نامی شخص ہلاک ہوا اور باقی نو اشخاص زخمی ہوئے، جن کو ڈوڈہ کے ہسپتال میں داخل کیا گیا۔ ازاں بعد تندرست ہونے پر اُنہیں ہسپتال سے فارغ کیا گیا۔

اٹھارہ سال کے پُرتشدد واقعات کی تفصیل:

۸ر نومبر ۲۰۰۷ء کے روزنامہ ''کشمیر ٹائمز'' میں مسٹر یاسر سعید کی مرتّب کی ہوئی تفصیل کے مطابق پچھلے اٹھارہ سالوں میں ریاست میں پُرتشدد واقعات کے ۶۶۵۹۰ واقعات رُونما ہوئے۔ ایسے واقعات ۱۹۹۵ء کے دوران ۵۹۴۰ تک پہنچے، جو اُس وقت تک سب سے زیادہ تعداد تھی۔ سالِ رواں میں ایسے واقعات کی تعداد ۹۲۶ رہی جو پچھلے ۱۸ رسال میں کم سے کم تعداد ہے۔ شماریات کے مطابق فوجیوں پر گرینیڈ پھینکے جانے کے ۶۰۴۵ واقعات ریکارڈ کئے گئے۔ یہ تعداد ۱۹۹۴ء کے دوران ۸۲۱ تک پہنچ گئی۔ لیکن ۲۰۰۱ء کے بعد اِن واقعات کی تعداد میں کمی ہونے کا رُجحان دیکھا گیا۔ ۱۹۹۰ء میں گرینیڈ پھینکے جانے کے ۲۴۲، ۱۹۹۱ء میں ۴۰۲، ۱۹۹۲ء میں ۵۰۹، ۱۹۹۳ء میں ۶۷۸، ۱۹۹۴ء میں ۸۲۱، ۱۹۹۶ء میں ۶۵۷، ۱۹۹۷ء میں ۴۴۴، ۱۹۹۸ء میں ۱۶۸، ۱۹۹۹ء میں ۱۸۷، ۲۰۰۰ء میں ۲۰۱، ۲۰۰۱ء میں ۲۴۳، ۲۰۰۲ء میں ۳۷۳، ۲۰۰۳ء میں ۲۸۳، ۲۰۰۴ء میں ۱۹۹، ۲۰۰۵ء میں ۱۴۳، ۲۰۰۶ء میں ۱۵۲ اور ۲۰۰۷ء میں ابھی تک ۹۸ واقعات رُونما ہوئے۔

اِن شماریات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اِس دوران میں ۵۶۱۵ بم دھماکے کئے

گئے، جن میں سب سے زیادہ یعنی ۱۲۸۰ سال ۱۹۹۰ء کے دوران ہوئے۔ سالِ رواں ۲۰۰۷ء کے دوران اب تک ۴۷ دھماکے رُونما ہوئے۔

پچھلے ۱۸ سال کے دوران کراس فائرنگ کے ۲۱۳۰۹ واقعات کی تصدیق ہوئی ہے۔ ۱۹۹۰ء کے دوران کراس فائرنگ کی سب سے زیادہ تعداد رُونما ہوئی جو ۱۸۹۱ تک جا پہنچی۔

فوجیوں پر پُرتشدد حملوں کی تعداد ۱۹۹۱ء میں ۱۳۵۸، ۱۹۹۲ء میں ۱۹۳۴، ۱۹۹۳ء میں ۲۲۸۸، ۱۹۹۴ء میں ۲۶۷۵، ۱۹۹۵ء میں ۲۵۷۰، ۱۹۹۶ء میں ۱۴۷۳، ۱۹۹۷ء میں ۱۱۴۹، ۱۹۹۸ء میں ۱۱۸۱، ۱۹۹۹ء میں ۱۲۰۹، ۲۰۰۰ء میں ۱۴۹۸، ۲۰۰۱ء میں ۱۱۰۹، ۲۰۰۲ء میں ۸۷۰ درج کی گئی۔ ۲۰۰۴ء میں ۴۸۱، ۲۰۰۵ء میں ۳۲۷، ۲۰۰۶ء سے ابھی تک ۱۸۹ واقعات درج کئے گئے ہیں۔[1]

ریاست میں اٹھارہ نئے کالجوں کی منظوری:

مسٹر غلام نبی آزاد کی سربراہی میں چلنے والی مخلوط سرکار نے ۱۴ر دسمبر ۲۰۰۷ء کو ایک خصوصی کیبنٹ میٹنگ میں ریاست کے مختلف پسماندہ علاقوں میں اُونچی سطح کی تعلیم کے مواقع اِن علاقوں کے طالب علموں کے گھروں کے نزدیک پہنچانے کے لئے اٹھارہ نئے ڈِگری کالج بتدریج کھولنے کی منظوری دی۔ اِن احکامات کے تحت ایسے نو (۹) کالج صوبہ کشمیر اور نو (۹) کالج صوبہ جموں کے دُور اُفتادہ مقامات پر کھولے جائیں گے۔ پچھلے کچھ سالوں میں بائیس (۲۲) نئے کالج کھولے گئے۔ اِس طرح حالیہ منظور شدہ کالجوں کے سمیت اِن کالجوں کی تعداد چالیس (۴۰) تک پہنچ گئی ہے۔ چند سالوں میں اِتنی تعداد میں کالج کھولے جانے سے لوگوں کی ساٹھ سالہ مانگیں پوری کئے جانے کا یہ ریکارڈ توڑ فیصلہ ہے۔

---

[1] استفادہ ''روزنامہ کشمیر ٹائمز'' مورخہ ۸ر نومبر ۲۰۰۷ء ترجمہ: بشیر بھدرواہی

گورنر ایس.کے سنہا کا دورۂ بھدرواہ:

ریاست جموں وکشمیر کے گورنر لیفٹیننٹ جنرل (ریٹائرڈ) ایس.کے.سنہا نے ۱۵؍دسمبر ۲۰۰۷ء کووادیٔ بھدرواہ کا دورہ کیا' جہاں اُنہوں نے جموں یونیورسٹی کے توسیع شدہ کیمپس میں ''پہاڑی خطّوں کی ترقی۔ مستقبل کے لئے ایک ایجنڈا'' عنوان کے تحت منعقد کئے گئے اِس نوعیت کے پہلے سیمینار کا اِفتتاح کیا۔اُنہوں نے پہاڑوں کی اہمیت اور میدانی علاقوں کے ان علاقوں کے پانی وغیرہ پر انحصار پر روشنی ڈالی اور دُور اُفتادہ پہاڑی علاقوں کے باہمی رابطوں کے لئے سڑکوں کی ضرورت پر زور دیا۔ اِس بارے میں حکومت کی پالیسی کوواضح کرتے ہوئے گورنر صاحب نے کہا کہ پسماندہ علاقوں کے ہر دیہات کو رابطہ سڑکوں کے ذریعے ملایا جائے گا۔ گورنر نے زیرِ تعمیر کیمپس کی بلڈنگ کا معائنہ بھی کیااور موقع پر کچھ ہدایات بھی دیں۔

سابق صدر ڈسٹرکٹ کانگرس ڈوڈہ کا اِنتقال:

دسمبر ۲۰۰۸ء کو بھدرواہ کے سیوادَل یونٹ نے اپنے ضلعی صدر بشیر احمد وانی کی صدرات میں ایک ماتمی اِجلاس منعقد کیا جس میں ضلع کانگرس کے صدر کیپٹن ایچ.آر.کوتوال کی بے وقت موت پر اِظہار افسوس کیا گیا۔اجلاس میں مرحوم کے کارہائے نمایاں اوراُن کی سماجی خدمات کے لئے اُنہیں خراجِ تحسین پیش کیا گیا۔

روشنی ایکٹ کے تحت کاغذات تقسیم:

۶؍دسمبر ۲۰۰۷ء کو بھی بھدرواہ ڈِگری کالج کا یومِ تاسیس منایا گیا جس میں وزیرِ اعلیٰ غلام نبی آزاد نے کالج کے طلباء کی سراہنا کرنے کے بعد روشنی ایکٹ کے تحت متعلقہ مالکانِ زمین کو زمین کے ۴۵۰ کاغذات سپرد کئے۔اُنہوں نے کہا کہ اِس سکیم

کے تحت ضلع ڈوڈہ کے ۱۴،۰۰۰ (چودہ ہزار) لوگ مستفید ہوں گے۔

ڈوڈہ سٹی لنک روڑ پر المناک حادثہ:

۳۱/ جنوری ۲۰۰۸ء کو ڈوڈہ سٹی لنک روڑ پر ایک میٹاڈور حادثے کا شکار ہو کر ایک گہری کھائی میں گر گئی جس میں سات افراد موقع پر ہی ہلاک ہو گئے جبکہ اِکتیس اشخاص شدید طور پر زخمی ہوئے۔ زخمیوں میں سے دس کی حالت تشویشناک ہونے کی وجہ سے اُنہیں ہیلی کاپٹر کے ذریعہ میڈیکل کالج جموں میں منتقل کیا گیا۔ باقی ماندہ زخمیوں کو ڈوڈہ کے ہسپتال میں داخل کیا گیا۔ مرنے والوں میں زیادہ تر ڈوڈہ، بھدرواہ، ٹھاٹھری اور بھلیس کے مسافر تھے۔ اِن میں چیت سنگھ (بھالا بھدرواہ)، سمنہ دیوی (چراہلہ، ٹھاٹھری)، انل کمار (کیلاڑ، بھدرواہ)، درشنا دیوی ساکنہ جودھ پور ڈوڈہ، اشتیاق احمد لون ساکنہ شیوہ ڈوڈہ، عرفات تعمیر، شاہ دین ساکنہ بھرتی بھلیس شامل تھے جبکہ شدید زخمیوں میں زیادہ تر مسافر بھدرواہ کے تھے۔ اِن علاقوں میں لوگوں نے ٹریفک اِنتظامیہ کے خلاف زبردست غصّے کا اِظہار کیا۔

وادیٔ چناب میں زبردست برفباری:

لوگوں کو ۲۰۰۵ء میں آئی ہوئی برفانی سونامی سے پیدا شدہ حالات ابھی بھولے بھی نہ تھے کہ ریاست کے سارے پہاڑی علاقوں میں ۵/فروری ۲۰۰۸ء سے ۹/فروری ۲۰۰۸ء تک لگاتار اور شدید برفباری کی وجہ سے عام زندگی درہم برہم اور مفلوج ہو کر رہ گئی۔ ضلع ڈوڈہ کے تقریباً سارے علاقوں کے اندرونی اور بیرونی سڑک رابطے منقطع ہو گئے۔ ۹/فروری کو موسم میں تھوڑا سا سدھار آتے ہی ریاست کے وزیرِ اعلیٰ جناب غلام نبی آزاد نے اعلیٰ حکام کے ساتھ متاثرہ علاقوں کا ہوائی دورہ شروع کیا۔ وہ بھدرواہ قصبہ میں بھی آئے اور حالات کا موقعہ پر ہی جائزہ لے کر ضلع

اور تحصیل سطح کی اِنتظامیہ کو راستوں پر سے برف ہٹانے‘ پانی‘ بجلی اور راشن کی سہولیات بحال اور فراہم کرنے کی ہدایات دیں۔ اُنہوں نے مقامی لوگوں سے بات چیت کی اور لوگوں کو اِس ناگہانی مصیبت سے چھٹکارا دِلانے کی ہر ممکن کوشش کئے جانے کا یقین دلایا۔ وہ بعد میں شریکھی‘ تھنالہ‘ بھیچہ کے موضع جات میں بھی گئے اور اِن علاقوں کے حالات کا بھی جائزہ لیا۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ قصبہ بھدرواہ میں ۵ فٹ اور بالائی علاقوں میں ۱۲ سے ۱۷ فٹ تک برف جمع ہو چکی تھی۔ اِس کے بعد آزاد صاحب نے ڈوڈہ کے ایم. ایل. اے جناب عبدالمجید وانی اور افسران کے ساتھ ڈوڈہ اور دیسہ علاقوں کا دورہ کیا۔ آزاد صاحب کی ہدایت پر کئی وزراء اور ممبرانِ اسمبلی نے کشتواڑ‘ رام بن وغیرہ علاقوں کے دورے کئے اور حالات کا جائزہ لیا۔ ۱۰ رفروری کو موسم پھر خراب ہو گیا۔ تاہم ۱۱ رفروری ۲۰۰۸ء کو وزیرِ اعلیٰ نے حالات کا موقعہ پر جائزہ لینے کی مہم کو جاری رکھتے ہوئے ضلع اُدھم پور‘ ضلع ڈوڈہ اور ضلع کشتواڑ کے بہت سے علاقوں کا دورہ کیا اور لوگوں کی تکالیف کا ازالہ کرنے کے احکامات صادر کئے۔

وزیرِ اعلیٰ نے ضلع ڈوڈہ‘ ضلع رام بن اور ضلع کشتواڑ کے عوام کے لئے تین ماہ کے لئے مفت راشن فراہم کرنے کا اعلان بھی کیا اور ہر شعبۂ زندگی میں ہوئے نقصانات کا تخمینہ لگانے اور معاوضہ دینے کی موقعہ پر ہدایات جاری کیں‘ جن پر بعد میں عمل درآمد بھی ہوا۔ آزاد صاحب نے اِس دوران مرمت‘ گندنہ‘ کلہوتران‘ چنگا کے علاوہ اُدھم پور ضلع کے ڈوڈو‘ بسنت گڑھ علاقوں کا بھی دورہ کیا اور لوگوں کو ہر قسم کی اِمداد دینے کی یقین دہانی کرائی۔

۱۴ رفروری کو غلام نبی آزاد نے اپنے حلقۂ اِنتخاب کے کاہل‘ جگاسر‘ چراہلہ‘ چنتہ‘ چکراہ بتی جیسے دُور اُفتادہ اور پسماندہ علاقوں کا دورہ کیا اور اپنے گھروں میں بند بے یار و مددگار لوگوں کو اِس برفانی آفت پر ڈھارس بندھائی اور ہر ممکن اِمداد کا یقین دلایا جس میں راستوں کی بحالی‘ راشن‘ بجلی اور پانی کی فراہمی وغیرہ قابلِ ذِکر ہیں۔

اِس برف باری کے دوران سارا اِنتظامی ڈھانچہ ٹھپ پڑ گیا اور لوگ کئی روز تک اپنے مکانوں میں بند پڑے رہے۔ ۱۴؍افراد کو جو تقریباً ۱۵؍فٹ برف میں پدری دھار کے ایک گوجر کوٹھے میں پھنس گئے تھے، شریکھی اور تھنالہ کے لوگوں نے پولیس کی مدد سے بچا کر نکال لیا۔ ۲۴؍فروری ۲۰۰۸ء کو کانگرس کی صدر سونیا گاندھی، مرکزی وزیرِ آبپاشی سیف الدین سوز اور وزیرِ اعلیٰ غلام نبی آزاد نے باقی ضلعی اِنتظامیہ کے آفیسران کے ساتھ بھدرواہ کا دورہ کیا جو ریاست کے مختلف علاقوں کا برفباری سے پیدا شدہ حالات کا جائزہ لینے کے لئے دو دِن کے دورے پر آئے تھے۔ بھدرواہ میں سونیا گاندھی اور اُن کے ساتھیوں نے لوگوں سے بات چیت کر کے حالات کا جائزہ لیا اور ہر ممکن اِمداد دینے کا یقین دِلایا۔

سیف الدین سوزؔ پردیش کانگریس کے نئے صدر:

مرکزی کانگریس کی صدر سونیا گاندھی نے ۱۳؍فروری ۲۰۰۸ء کو جناب سیف الدین سوزؔ کو، جو مرکزی کابینہ میں آبی وسائل کے وزیر ہیں، ریاست جموں و کشمیر کی کانگریس کمیٹی کا نیا صدر مقرر کیا۔ سوز صاحب، پیرزادہ محمد سعید کی جگہ لیں گے، جو رشوت کے مبینہ اِلزام کے بعد وزیرِ تعلیم اور صدر پردیش کانگریس کے عہدوں سے مستعفی ہوئے تھے۔ ازاں بعد یہ الزام بے بنیاد ثابت ہوا اور وہ موجودہ حکومت میں وزیرِ تعلیم کے عہدے پر فائز ہیں۔ مسٹر سوز کے تقرری کی بھدرواہ کے کانگریسی حلقوں کی طرف سے سراہنا کی گئی۔

ڈاکٹر محمد سلیم میرؔ کا اِنتقال:

ضلع ڈوڈہ سے تعلق رکھنے والے ہڈیوں کے ماہرِ امراض ڈاکٹر محمد سلیم میرؔ ۲؍مارچ ۲۰۰۸ء کو شام کو طویل علالت کے بعد وفات پا گئے۔ وہ تقریباً دو برس سے

سرطان کے مرض میں مبتلا تھے۔ وہ صوم وصلوٰۃ کے پابند اور ایک نامور ڈاکٹر' ایک غریب پرور اور شریف النفس اِنسان تھے۔ اُن کے اِنتقال کی خبر سنتے ہی ہزاروں لوگ اُن کی رہائش گاہ پر جمع ہوئے' جہاں سے اُنہیں اُن کے آبائی گاؤں بھیلہ لے جایا گیا۔ ۳ر مارچ ۲۰۰۸ء کو ۱۱ر بجے کے قریب اُن کی نمازِ جنازہ آبائی قبرستان میں ادا کی گئی۔ اُن کے ماتم سے ضلع بھر میں صفِ ماتم بچھ گئی اور لوگوں نے اُن کی شاندار خدمات کو شاندار خراجِ عقیدت پیش کیا۔

حزب المجاہدین کے دو عسکریت پسند ہلاک:

حزب المجاہدین تنظیم سے تعلق رکھنے والے دو جنگجو (جن میں ایک ڈویژنل کمانڈر تھا) موضع پیا کل تحصیل گندو اور کشتواڑ کے کسی دُوسرے گاؤں میں اُس وقت ہلاک ہوئے جب ایک مصدقہ اِطلاع ملنے پر ایک پولیس پارٹی نے اُن کی کمین گاہوں پر علیحدہ علیحدہ طور پر چھاپے مارے۔ اُن میں سے ایک کا نام غلام حسن وانی (کوڈ نام شمیم ٹھول) المعروف شمیم شاہد ولد دین محمد' ساکنہ موضع بیلی تحصیل گندو بتایا جاتا ہے' جو اِس تنظیم کا ڈویژنل کمانڈر تھا اور جو ۱۹۹۴ء میں اِس عسکری تنظیم میں شامل ہوا تھا اور تربیت حاصل کرنے کے بعد کشتواڑ' ٹھاٹھری اور گندو کے علاقہ جات میں عسکری کارروائیوں میں مصروف تھا۔ دُوسرے جنگجو کا نام محمد اقبال المعروف حق نواز ولد منگتا ملک' ساکنہ مٹھوڑی ڈوڈہ بتایا جاتا ہے جو کشتواڑ کے کسی گاؤں میں پولیس کے ساتھ ایک جھڑپ میں جاں بحق ہوا۔ اِن دونوں سے کافی قسم کے ہتھیار' گولہ بارود اور کچھ غیر قانونی کاغذات ضبط کئے گئے۔

کشتواڑ نیشنل ہائی وے پر خوفناک بس حادثہ:

۹ر مئی ۲۰۰۸ء کو کشتواڑ سے جموں جاتی ہوئی ایک بس دَرڑہ کے مقام پر ایک

حادثہ کا شکار ہو کر دریائے چناب میں جا گری۔ اِطلاعات کے مطابق اُس بس میں بیالیس افراد سوار تھے، جن میں چھتیس افراد جاں بحق ہوئے۔ پانچ لوگ شدید طور پر زخمی ہوئے جن کو بذریعہ ہیلی کاپٹر جموں برائے علاج لے جایا گیا۔ مسافروں میں سے ایک بچی لاپتہ ہے۔ ۱۰رمئی تک دریائے چناب سے چونتیس لاشیں نکالی گئی تھیں۔ اِس حادثے میں بلاور سے سفر کرتے ہوئے ایک ہی کنبہ کے تمام افراد ہلاک ہوئے جو بہ سلسلۂ زیارت کشتواڑ آرہے تھے۔ باقی زیادہ تر مسافر کشتواڑ ضلع سے تعلق رکھتے تھے۔ البتہ ڈوڈہ، بھلیس، بھدرواہ اور بونجواہ علاقوں سے تعلق رکھنے والے افراد مندیپ کمار ساکن پونیچہ (بھدرواہ) جو بس کنڈیکٹر تھا، المینہ دختر محمد ایوب ساکن بونجواہ، ذُوالفقار ساکن بونجواہ، تنویر حسین میر ساکن مرمت، اعجاز احمد ساکن کھورین بونجواہ، خوشنما تبسم (ڈوڈہ)، اختر حسین کین ساکن بونجواہ، نعیمہ دختر محمد اکبر ساکن بونجواہ، عبدالرشید بکروال ساکن کھلینی (ڈوڈہ) اور سجاد حسین ساکن بونجواہ لقمۂ اجل بن گئے۔ شدید زخمیوں میں سجاد احمد ولد غلام رسول ساکن چلی شامل تھا۔ اِس حادثے سے بھدرواہ، ڈوڈہ، بھلیس اور کشتواڑ میں رنج و غم کی ایک لہر دوڑ گئی۔

فوجی گاڑی دریائے چناب میں غرق:

۱۱رمئی ۲۰۰۸ء کو ۸ر راشٹریہ رائفلز کی ایک گاڑی گھٹ سے قصبہ ڈوڈہ کی طرف آتے ہوئے تھوڑی سی دُوری پر دریائے چناب میں جا گری۔ اِس میں سوار تین اہلکار موقعہ پر ہی دم توڑ گئے۔ بعد میں دو مزید شدید طور پر زخمی ہوئے فوجی بھی دم توڑ گئے اور تین افراد دریا بُرد ہوئے۔ پچھلے تین چار روز کے اندر ضلع ڈوڈہ میں یہ سڑک کا تیسرا حادثہ ہے۔ اِن حادثات میں اُنچاس لوگ ہلاک اور دو درجن کے قریب اشخاص زخمی ہوئے۔ بھرت، ڈوڈہ سڑک پر چند روز قبل ایک حادثے میں چار لوگ مارے گئے اور کئی زخمی ہوئے۔

جنگجوؤں کی اعانت کے اِلزام میں
آٹھ افراد گرفتار:

۱۵ رمئی ۲۰۰۸ء کو جنگجوؤں کی اعانت کرنے کے الزام میں آٹھ افراد کو گرفتار کیا گیا جن میں دو ایس. پی.او. مسمی برکت علی اور فاروق احمد بٹ' ساکنان بھٹیاس کے علاوہ ایک خاتون شکیلہ بیگم بیوہ محمد اقبال ملک' ساکن تینڈلہ شامل ہیں۔ اُن کے علاوہ ٹھاٹھری تحصیل کے علاقہ چراہلہ سے تعلق رکھنے والا عبدالغفور دیدنی' ڈوڈہ کا محمد شفیع' علاقہ چلی بھلیس سے تعلق رکھنے والے محمد عباس کھانڈے اور غلام رسول شیخ اور دیدنی ڈوڈہ کا عبدالعزیز شیخ بھی گرفتار ہوئے ہیں۔

ڈِگری کالج کلہوتران کی اِفتتاحی تقریب
آزاد کے ہاتھوں:

۱۰ رجون ۲۰۰۸ء کو جناب غلام نبی آزاد نے کلہوتران کے مقام پر ایک گورنمنٹ ڈِگری کالج کی رسم اِفتتاح سے پہلے بہت سے علاقوں کا دورہ کیا اور اِن مقامات پر ہزاروں لوگوں پر مشتمل جلسوں کو خطاب کیا۔ وہ پہلے موضع جوڑہ بالا گئے اور اُس کے بعد کانڈوت (ٹھاٹھری) میں خطاب کے بعد کلہوتران پہنچے۔ اُن کے ساتھ وزیرِ تعلیم گل چین سنگھ چاڑک' چودھری لال سنگھ ایم. پی' غلام محمد سروڑی نائب وزیرِ تعلیم اور سابق ایم.ایل.اے محمد شریف نیاز بھی تھے' جنہوں نے وزیرِ اعلیٰ کی تقریر کے بعد اُن جلسوں سے خطاب کیا۔

وزیرِ اعلیٰ نے کانڈوت میں کنڈی نہر کی تعمیر کا بھی ذِکر کیا جس پر اُن کی حکومت پچاس کروڑ روپے خرچ کر رہی ہے۔ یہ ڈوڈہ' کشتواڑ اور رام بن اضلاع میں سب سے بڑی اور مفید نہر ہوگی جو ٹھاٹھری سے بھلیس تک کے علاقوں میں زراعتی

اِنقلاب کی پیش خیمہ ثابت ہوگی۔ وزیرِ اعلیٰ کے علاوہ اُن کے مذکورہ ساتھیوں نے علاقہ بھلیس کے عوام کو اِس علاقہ میں ڈِگری کالج کھولے جانے پر مبارکباد پیش کی اور لوگوں کو اِس کالج سے بھرپور فائدہ حاصل کرنے کی تاکید کی۔

اِس پروگرام میں اسکولوں اور کالجوں کے طلباء اور طالبات نے رنگارنگ قسم کے تفریحی اور کلچرل پروگرام پیش کئے اور جلسے کی کارروائی فلک شگاف نعروں سے اِختتام پذیر ہوئی۔ پروگرام کی نظامت کے فرائض ڈاکٹر اقبال صاحب، پرنسپل ڈِگری کالج بھدرواہ نے پُراثر انداز میں انجام دئے۔ اُن کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر محمد اقبال خطیب، پرنسپل ڈِگری کالج ڈوڈہ (نوڈل آفیسر) اور دیگر ضلعی آفیسران نے اِس تاریخی جلسہ کی تقریب کو کامیاب بنانے میں اَن تھک کوششیں کیں۔

سڑکوں کی تعمیر اور توسیع کے لئے رقوم کی فراہمی:

۱۲؍جون ۲۰۰۸ء کو مرکزی حکومت نے وزیرِ اعلیٰ غلام نبی آزاد کی درخواست پر بھدرواہ- چمبہ روڈ کی تعمیر، مرمّت اور کشادگی کے لئے ۴۷ کروڑ روپے کی رقم واگزار کی۔ یہ سڑک تقریباً بیس سال سے عدم توجہی کا شکار رہی۔ پچاس کلومیٹر روڈ تعمیر ہونے سے بھدرواہ اور ہماچل پردیش کے درمیان یہ پہلی بین ریاستی رابطہ سڑک ہوگی جس سے سیاحتی سرگرمیوں کو بڑھاوا ملے گا۔

بسوہلی-بنی-بھدرواہ روڈ کی ۸۰ کلومیٹر تعمیر اور کشادگی کے لئے بھی مرکزی حکومت نے ۱۶۵ کروڑ روپے کے ایک پروجیکٹ کی منظوری دی ہے۔ اِس سڑک کی چوڑائی ۴.۳ میٹر سے ۱۰.۴ میٹر کی جائے گی۔ اِس پر مزید چھ بڑے اور چھوٹے پُل تعمیر ہوں گے جو ڈبل لین ہوں گے۔ بھدرواہ کے عوام نے آزاد صاحب کی اِن کوششوں کو سراہا ہے جن کے طفیل یہ رقومات منظور ہوئی ہیں۔ یہ ان علاقوں کے عوام کی دیرینہ مانگ تھی جسے پورا کرنے کے لئے آزاد صاحب نے ٹھوس اقدامات کئے۔

پردیش کانگریس کمیٹی کی تشکیل نو:

۲۳ رجون ۲۰۰۸ء کو دہلی میں پردیش کانگریس کمیٹی کے صدر سیف الدین سوزؔ نے جموں وکشمیر پردیش کانگریس کمیٹی کی نئی تشکیل عمل میں لائی جس کے لئے پارٹی کی صدر سونیا گاندھی سے منظوری حاصل کی گئی تھی۔

اِس اعلانیہ کی رُو سے شری نریش گپتا ایڈوکیٹ بھدرواہ کو ضلع ڈوڈہ کی کانگریس کمیٹی کا پھر سے صدر مقرر کیا گیا ہے۔سوز تنظیم کے صدر بنے رہیں گے۔ گپتا صاحب کی تقرری کو عوامی سطح پر بھی سراہا گیا۔ وہ ایک شریف النفس، ہر دِل عزیز اور ہمدرد اِنسان ہیں اور ایک معروف وکیل بھی۔

این.این.ووہرا ریاست کے نئے گورنر:

۲۵ رجون ۲۰۰۸ء کو مسٹر نریندر ناتھ ووہرا نے اپنی تعیناتی کے بعد، ریاست جموں وکشمیر کے آئینی سربراہ کی حیثیت سے حلف اُٹھایا۔ ووہرا صاحب ریاست کے نویں گورنر ہوں گے جو روایات کے برعکس پہلے ''نان آرمی'' سربراہ ہوں گے۔ نئے گورنر کی تقرری سے سابقہ گورنر ایس.کے.سنہا جو ''اب تک کے سب سے متنازعہ گورنر تھے، بڑے بے آبرو ہو کر ریاست سے چپ چاپ چلے گئے۔'' اُن کے کچھ اِقدامات سے ریاستی بھائی چارے میں ایک خلیج پیدا ہوگئی تھی اور اُن کے جاتے ہی وادی اور صوبہ جموں کے کچھ مقامات پر مظاہروں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہوگیا۔ شرائن بورڈ کے چیئرمین کی حیثیت سے اُنہوں نے ۸۰۰ کنال جنگلاتی رقبہ مذکورہ بورڈ کے نام کروادی، جسے کشمیری لوگوا ؛ نے دفعہ ۳۷۰ کی خلاف ورزی قرار دیا۔ غلام نبی آزاد صاحب کی ریاستی سرکار نے جس کیبنٹ میٹنگ میں مذکورہ اراضی شرائن بورڈ کو منتقل کرنے کا فیصلہ لیا تھا، اُس میں پیوپلز ڈیموکریٹک پارٹی کے وزراء بھی شامل تھے، جواب اِس منتقلی کی

مخالفت کر رہے ہیں۔ حالات اِس قدر خراب ہوئے کہ اِن میں فرقہ وارانہ رنگ دینے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ نئے گورنر نے عہدہ سنبھالتے ہی اعلان کیا کہ وہ اِس تنازعہ کو ختم کرنے کی پوری کوشش کریں گے خواہ اُنہیں منتقلی اراضی کے موجودہ فیصلہ کو منسوخ ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔

جموں بند کی کال:

کچھ مقامی تنظیموں نے ۲۵؍جون ۲۰۰۸ء کو جموں بند کی کال دی اور جموں اور کئی دیگر علاقوں میں پورا بند رہا۔ وادیٔ کشمیر میں بھی بند رہا اور مظاہرے کئے گئے جن میں تقریباً بیاسی لوگ زخمی ہوئے۔ زخمیوں میں دو تھانیدار اور چوبیس پولیس اہلکار بھی شامل تھے۔ اِس دوران حوّل سرینگر کا رہنے والا فیروز احمد نامی نوجوان سنٹرل ریزرو پولیس فورس کی گولی کا نشانہ بنا اور بعد میں جاں بحق ہو گیا' جس کے دُوسرے دِن وادی کے حالات بہت ہی مخدوش ہو گئے۔ ۲۵؍جون کو سنٹرل ریزرو پولیس فورس کی فائرنگ کے نتیجہ میں سمیر احمد نامی نوجوان مارا گیا اور دو سو آدمی زخمی ہوئے۔ ۲۷؍جون کو انجمن اِسلامیہ بھدرواہ کی کال پر بھدرواہ میں جزوی طور ہڑتال رہی۔ وادی میں مظاہرے جاری رہے اور تشدّد کے دوران ایک ہی دِن میں چونتیس پولیس اہلکار زخمی ہو گئے اور سینتالیس گاڑیوں کو نقصان پہنچا۔

پی.ڈی.پی کا حمایت واپس لینے کا فیصلہ:

چند روز قبل مخلوط سرکار کی ایک اہم حمایتی جماعت پیوپلز ڈیموکریٹک پارٹی (پی.ڈی.پی) کی صدر محبوبہ مفتی نے آزاد صاحب پر زور ڈالنا شروع کیا کہ وہ اِنتقالِ اراضی کا فیصلہ فوری طور پر واپس لیں۔ بعد میں ۳۰؍جون تک کی مہلت دی گئی لیکن اپنے ہی فیصلہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مذکورہ پارٹی نے ۲۸؍جون کو ہی سرکار

اور ایک شخص شدید طور پر زخمی ہوا، جس کو مزید علاج کے لئے فوری طور پر جموں میڈیکل کالج منتقل کیا گیا، جہاں اُس کی موت واقع ہوگئی۔ بھدرواہ میں فرقہ وارانہ کشیدگی زبردست طور پر بڑھ گئی اور دو فرقوں کے درمیان پتھراؤ ہوا جس کے نتیجے میں دونوں اطراف کے بہت سے لوگ زخمی ہوئے۔ بھدرواہ کا ذہین اور سیکولر طبقہ کچھ لوگوں کی کوتاہ اندیشی پر کفِ افسوس ملتا رہا۔

ریاستی اسمبلی کا اِجلاس طلب:

جموں وکشمیر کے گورنر این. این. ووہرا نے ریاست کے بگڑتے ہوئے سیاسی حالات کے پیشِ نظر اور جناب غلام نبی آزاد کو ''اعتماد کا ووٹ'' حاصل کرنے کے سلسلہ میں ریاستی قانون ساز اسمبلی کا اِجلاس ۷؍جولائی ۲۰۰۸ء کو طلب کیا۔ یہ اِجلاس سری نگر میں منعقد ہوا، جس میں آزاد صاحب نے اپنے دور کی اِقتصادی ترقی، ترقیاتی منصوبوں، مرکزی سرکار کی طرف سے فراخدلانہ اِمداد، سڑکوں اور پُلوں کی تعمیر، شعبۂ زراعت، ہارٹی کلچر، تعلیم، آبپاشی، صحت، بجلی میں انقلابی اقدامات اور دیگر کارہائے نمایاں کا ذِکر کیا اور یہ حقیقت نمایاں کرنے کی کوشش کی کہ پچھلے ساٹھ سال کے مقابلہ میں اُن کے اڑھائی سالہ دَور میں نسبتاً زیادہ اور ہمہ گیر ترقی ہوئی ہے۔ اپنے موقف کی تائید اور وضاحت، اُنہوں نے ٹھوس شماریات اور ثبوتوں سے کی۔ ریاست میں ہوئی اِقتصادی ترقی اور خوشحالی سے جُڑے ہوئے تاریخی نوعیت کے ترقیاتی کاموں کے جائزہ پر مبنی یہ ایک اہم تقریر تھی۔ اِس کے بعد اُنہوں نے اِس اِجلاس میں یہ کہہ کر سب کو چونکا دیا کہ وہ جمہوری اصولوں کی پاسداری کرتے ہوئے اِس بات کے کبھی قائل نہیں رہے کہ وہ بھی ''آیا رام، گیا رام'' کی پالیسی پر عمل درآمد کرتے ہوئے اسمبلی ممبران کے سروں کی سودا بازی کر کے اپنے حمایتیوں کی تعداد میں اِضافہ کریں۔ اُنہوں نے تقریر کے اِختتام پر اعلان کیا کہ وہ چیف منسٹری کے عہدے سے مستعفی ہو رہے

ہیں اور اُسی روز گورنر صاحب کے پاس جا کر اپنا اور کیبنٹ ممبران کے استعفے پیش کرنے والے ہیں۔ اِس کے بعد وہ سوز صاحب کے ساتھ سیدھے گورنر صاحب سے ملاقی ہوئے اور اُنہیں مذکورہ استعفے پیش کیئے۔ گورنر نے اُنہیں نئے اِنتظامات ہونے تک بطورِ چیف منسٹر کام کرنے کی ہدایت دی جو اُنہوں نے قبول نہیں کی۔

اِسی اثنا میں حالات معمول پر آنے کے بعد ۸/ جولائی ۲۰۰۸ء کو صوبہ جموں میں جموں، کٹھوعہ اور سانبہ کے علاوہ بھدرواہ میں پہلے دِن دی گئی ڈھیل کے بعد کرفیو ہٹا لیا گیا جو تقریباً ایک ہفتہ سے جاری تھا۔ جموں، سانبہ اور بھدرواہ میں فرقہ وارانہ کشیدگی کی وجہ سے لوگ کافی پریشان رہے۔

ضلع ڈوڈہ، کشتواڑ اور رام بن کے دانشور حلقوں میں غلام نبی آزاد صاحب کے استعفے سے مایوسی چھا گئی۔

دُوسری طرف سے بابا امرناتھ سنگھرش کمیٹی نے ایک ہفتہ کے لئے ہڑتالوں اور مظاہروں کا پروگرام معطل کرنے کی ہدایت جاری کی جس سے ٹرانسپورٹ وغیرہ کا نظام کچھ حد تک بحال ہو گیا۔ یہ بات بھی قابلِ ذِکر ہے کہ بھارتیہ جنتا پارٹی کی طرف سے بابا امرناتھ شرائن بورڈ کو الاٹ کی گئی زمین کی منسوخی پر مُلک گیر بند کی اپیل کی گئی جس کی وجہ سے مُلک کے بہت سے مقامات پر ۳/ جولائی ۲۰۰۸ء کو بند رکھا گیا اور پُرتشدّد مظاہرے کیئے گئے۔

الحاج مولوی غلام احمد کا اِنتقال:

۹/ اور ۱۰/ جون کی درمیانی رات کو ضلع ڈوڈہ کے ایک عالمِ دین، نامور بزرگ اور شاعر الحاج مولوی غلام احمد المعروف ''عمہ لالہ'' رحلت فرما گئے۔ اُن کی عمر ۹۳ برس تھی۔ مرحوم کی وفات پر ڈوڈہ، بھدرواہ اور کشتواڑ کے عوام نے بڑے گہرے رنج و غم کا اِظہار کیا۔ مرحوم کے جنازہ میں ہزاروں لوگوں نے شرکت کی۔

گورنر راج کا نفاذ اور اسمبلی تحلیل:

۱۰ رجون ۲۰۰۸ء کو راج بھون کے ایک نمائندے کے مطابق گورنر ریاست این۔ این۔ووہرا نے صدرِ جمہوریۂ ہند کے ساتھ مشورہ کرنے کے بعد ایک اعلامیہ کے تحت ریاست جموں وکشمیر میں گورنر راج نافذ کر کے قانون ساز اسمبلی کو تحلیل کر دیا۔ اِن حالات کے پیشِ نظر آزاد صاحب کا سنہری دورِ حکومت ایک ڈرامائی انداز اور غیر متوقع طور پر اختتام پذیر ہو گیا۔ اُن کی سرکار کو گرانے میں پی۔ڈی۔پی۔ کا اہم رول رہا جو سیاسی مبصرین کے کہنے کے مطابق آنے والے الیکشن میں سیاسی فائدہ حاصل کرنے کے لئے اِس تنظیم سے وابستہ لوگوں نے ادا کیا۔

بھدرواہ میں دوبارہ کشیدگی اور تناؤ:

۱۰ رجولائی ۲۰۰۸ء کو گڑھ سنگلی کے مقام پر کچھ لوگوں نے ایک ٹرک کو روک کر اُس میں سوار مشتاق احمد ولد صدر دین، ساکن سوراںبھالہ کو باہر نکالا اور اُسے شدید طور پر زخمی کیا۔ اِس کے ساتھ ٹرک ڈرائیور پرویز احمد ولد قمر الدین، ساکن موضع بستی کو بھی مارا پیٹا گیا۔ اُس ٹرک میں تین جانور مبینہ طور پر چوری سے بھالہ کی طرف لئے جا رہے تھے۔ یہ بھی اِلزام لگایا گیا کہ یہ چوری کے جانور تھے جس کی بعد میں تصدیق نہیں ہو سکی۔ مضروب مشتاق احمد کو فوری طور پر قصبہ کے ہسپتال میں علاج کے لئے داخل کیا گیا اور بعد میں اُسے جموں بھیج دیا گیا۔ ٹرک ڈرائیور مقامی باشندہ ہونے کے ناتے زیادہ زدو کوب ہونے سے بچ گیا۔ ملزمان کے خلاف ایف۔آئی۔آر۔ درج کر دی گئی جو زیادہ تر موضع مونڈہ سرتنگل کے رہنے والے تھے۔ مضروب مشتاق احمد نے کہا کہ جانور اُس کے اپنے تھے، جن کو وہ گھر لے جا رہا تھا۔ حالات کو مزید کشیدہ ہونے سے بچانے کے لئے پولیس نے انجمن اِسلامیہ بھدرواہ کا تعاون حاصل کیا جس کی وجہ

سے کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا۔

جموں بند کی دوبارہ اپیل:

شری امرناتھ یاترا سنگھرش سمیتی نے ۲۴/جولائی سے جموں صوبہ میں دوبارہ بند رکھنے کی اپیل کی جس کو بعد میں ۳۱/جولائی تک بڑھا دیا گیا اور اِس کے بعد اُس میں ۴۸ گھنٹوں کی توسیع کی گئی۔ اِس بند کے دوران پولیس کے ساتھ جھڑپوں میں بہت سے لوگ زخمی ہوئے اور درجنوں گاڑیوں کو نقصان پہنچایا گیا۔

۲۳/جولائی کو ایک کلدیپ ورما نامی ایک نوجوان نے پریڈ گراؤنڈ جموں میں جاری بھوک ہڑتال کے دوران مبینہ طور پر خودکشی کر لی جس سے شہر اور قصبوں میں تناؤ بڑھ گیا۔ بعد میں اُس کی لاش کو رات کے اندھیرے میں سپردِ آتش کرنے سے پہلے اُس کی مبینہ طور بے حرمتی کئے جانے پر بھی لوگوں کے جذبات بھڑک اُٹھے۔ حالات کو بگڑتے ہوئے دیکھ کر حکومت نے جموں میں کرفیو لگا دیا لیکن کرفیو کی خلاف ورزی کرتے ہوئے جموں اور دیگر قصبوں میں مظاہرے اور جلوس جاری رہے۔ اِس دوران بھدرواہ میں حالات اگرچہ معمول پر رہے، البتہ گاڑیوں کی آمدورفت بند ہونے کی وجہ سے لوگوں کو تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ جموں ضلع سے ۲۸/جولائی کو کرفیو اُٹھا لیا گیا۔ جموں، بشناہ، سانبہ، اکھنور، ریاسی، اُدھم پور، کٹھوعہ، ہیرانگر، بسوہلی، بنی، بلاور، چنہنی، رام نگر وغیرہ علاقوں میں بند کا بڑا گہرا اثر پڑا۔ اِس دوران کچھ شرپسند عناصر نے جموں اور اِس کے گردونواح میں گوجر لوگوں کے ٹھکانوں کو تباہ کر دیا، اُن کا دُودھ راستوں میں گرا دیا اور عام مسلمانوں کو ڈرایا دھمکایا گیا۔ مسلم ڈرائیوروں کی گاڑیاں توڑ دی گئیں اور انہیں بڑی بے رحمی سے زدوکوب کیا گیا۔ بی.جے.پی. کے مسلم مورچہ کے صدر اور کچھ دیگر مسلم تنظیموں نے اِس بات پر گہری تشویش کا اِظہار کیا اور اِس طرح کے واقعات کی روک تھام کی اپیل کی۔

ضلع رام بن، ڈوڈہ اور کشتواڑ میں
غلام نبی آزاد کا دورہ:

غلام نبی آزاد نے وزیرِ اعلیٰ کی کرسی چھوڑنے کے بعد ۲۵/جولائی ۲۰۰۸ء اور ۲۹/جولائی ۲۰۰۸ء کے دوران سابقہ ضلع ڈوڈہ کی مختلف تحصیلوں کا دورہ کیا اور اِس دوران اُنہوں نے بڑے بڑے اجتماعات سے خطاب بھی کیا۔ اُن کے ساتھ اُن کی مستعفی شدہ کابینہ کے کچھ ممبران بھی شامل تھے جن میں پیرزادہ محمد سعید، جگل کشور، غلام محمد سروڑی، اعجاز احمد خان اور دیگر کانگریسی لیڈر قابلِ ذکر ہیں۔ غلام نبی آزاد نے اِس دورے کے دوران اپنے اڑھائی سال کے دورِ اِقتدار میں کئے گئے تعمیراتی کاموں، اسکولوں، کالجوں، ضلعوں، تحصیلوں وغیرہ کی منظوری جیسے انقلابی اقدامات کا ذکر کیا اور عوام کو مطلع کیا کہ کس طرح ایک سازش کے تحت مفتی محمد سعید کی طرف سے اُن کے مفادِ عامہ کے کاموں کو سبوتاژ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اپنے آئندہ پروگرام کی بھی اُنہوں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ وہ کانگریس کے لئے دو تہائی اکثریت حاصل کرنے کے لئے ادھورے ایجنڈا کی تکمیل کریں گے۔

مرمت میں سابق عسکریت پسند ہلاک:

۲۴/جولائی ۲۰۰۸ء کو علاقہ مرمت (بھدرواہ) کے باڑی گاؤں کے باشندے اور ایک سابق عسکریت پسند غلام حسین وانی اور اُس کے کنبے کے تین افراد کو حزب المجاہدین کے جنگجوؤں، جن کی رہنمائی نور محمد نامی جنگجو کر رہا تھا، نے اپنی گولیوں کا نشانہ بنا کر بے دردی سے ہلاک کر ڈالا۔ مقتول کی اہلیہ عزیمہ بیگم اور دختر اشواہ بانو موقعہ پر ہی ہلاک ہو گئیں، جب کہ اُس کا بھتیجا توصیف ہسپتال میں دم توڑ گیا۔ حسن محمد یاسر نامی شخص شدید طور پر زخمی تھا، جو کسی ہسپتال میں زیرِ علاج رہا۔

جموں بند میں چھ دِن کی توسیع:

شری امرناتھ یاترا اسنگھرش سمیتی نے ۸/اگست ۲۰۰۸ءکو جموں بند میں چھ دِنوں کی مزید توسیع کی اور ساتھ ہی مرکز سے آنے والی تیس (۳۰) رُکنی کمیٹی کے ساتھ بات چیت کرنے کا فیصلہ کیا۔ میٹنگ کے دوران فاروق عبداللہ' سیف الدین سوز اور محبوبہ مفتی نے اِس میٹنگ میں شرکت کرنے سے اِس لئے اعتراض کیا کیونکہ جموں کی سمیتی کشمیری لیڈروں کو اِس میں شامل کرنے پر معترض تھی۔ لہٰذا مرکزی وفد کی بات چیت ادھوری رہی۔ البتہ اِس وفد نے وادی میں کچھ لوگوں کے ساتھ بات چیت کی اور واپس دہلی روانہ ہوگیا۔ وہاں پر کچھ روز کے مذاکرات کے بعد یہ مسئلہ ریاستی گورنر کی صلاح کار کمیٹی پر چھوڑ دیا گیا۔ صوبہ جموں کے کچھ اضلاع کے صدر مقامات پر بند جاری رہا۔ بھدرواہ میں بھی ایک فرقے کی طرف سے کچھ روز بند رکھا گیا۔

وادی میں ''مظفر آباد چلو'' پروگرام اور

شیخ عبدالعزیز کی ہلاکت:

۹/اگست ۲۰۰۸ءکو حریت لیڈر سیّد علی شاہ گیلانی نے مشترکہ طور پر ''مظفر آباد چلو'' پروگرام ۱۱/اگست سے شروع کئے جانے کا عندیہ دیا۔ پانچ روز سے چلے آرہے مسلسل بند سے وادی کشمیر میں عام زِندگی بالکل مفلوج ہوکر رہ گئی تھی۔ مظاہروں کے دوران متعدد لوگ بھی زخمی ہوئے۔

جموں کے کچھ عناصر کی طرف سے کئی ہفتوں سے جاری مبینہ ''اِقتصادی ناکہ بندی'' کے خلاف حریت کانفرنس کے دونوں دھڑوں کی طرف سے ۱۱/اگست کو ''مظفر آباد چلو'' کے پروگرام کے تحت ۱۰/اگست کو ہی شمالی اور جنوبی کشمیر میں کئی مال بردار گاڑیاں مال سے بھر کر لائن آف کنٹرول پار کرنے کے لئے تیار رکھی گئی تھیں اور

وادی کے مختلف علاقوں کے لاکھوں لوگ بھی مظفر آباد (مقبوضہ کشمیر پاکستان) کی جانب پیش قدمی کرنے کے لئے کمر بستہ ہو گئے۔ جموں کے کچھ علاقوں اور نیشنل ہائی وے پر آنے جانے والے ٹرک ڈرائیوروں پر کئے گئے قاتلانہ حملوں، گاڑیوں اور اُن میں لدے ہوئے سامان کو پہنچائے گئے بھاری نقصان کے ردِعمل میں وادی کے ٹرک ڈرائیوروں نے بھی مذکورہ پروگرام کی حمایت کا اعلان کر ڈالا۔

۱۱/اگست کو وادی کشمیر کے مختلف اطراف سے لاکھوں لوگوں کے قافلے اور میوے سے لدے ہوئے ٹرک مظفر آباد (مقبوضہ کشمیر) کی طرف روانہ ہونے کے لئے تیار تھے۔ تاہم حکومت نے اِس پروگرام کو ناکام کرنے کے لئے پوری کوشش کی اور بارہمولہ شاہراہ تک کو سیل کیا گیا اور وادی کے دس کے دس ضلعوں میں کرفیو نافذ کردیا۔ تاہم وادی کے ہر مقام پر لاکھوں لوگوں نے کرفیو توڑ کر مظاہرے کئے۔ وادی کشمیر میں فوج اور پولیس کی فائرنگ کے دوران سات اشخاص جاں بحق ہوئے اور کئی لوگ زخمی ہوئے۔ اُسی دِن حریت کانفرنس کے ایک بزرگ لیڈر شیخ عبدالعزیز بھی فوج کی گولی کا نشانہ بنے، جس سے حالات مزید بے قابو ہو گئے۔

احتجاجی جلوسوں پر گولیوں کی بوچھاڑ

اٹھارہ مظاہرین ہلاک:

۱۲/اگست کو حریت کانفرنس کے ایگزیکیٹو ممبر اور پیوپلز لیگ کے چیئرمین مرحوم شیخ عبدالعزیز کو زبردست کرفیو کے باوجود لاکھوں لوگوں نے پُرنم آنکھوں سے مزارِ شہداء عیدگاہ سرینگر میں نمازِ جنازہ کے بعد سپردِ خاک کیا، جو ۱۱/اگست کو لاکھوں لوگوں کی قیادت کرتے ہوئے اُوڑی کے مقام پر پولیس فائرنگ سے جاں بحق ہو گئے تھے۔ عیدگاہ میں لوگوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر موجود تھا۔ ضلع ڈوڈہ، کشتواڑ، رام بن، راجوری اور پونچھ کے علاوہ گول (اُدھم پور) وغیرہ میں مرحوم کی ہلاکت کی خبر سنتے

ہی لوگوں نے اپنی دُکانیں بند کر دیں اور سب کاروباری سلسلے ٹھپ ہو کر رہ گئے۔ اِس دن بھی وادی میں فوج اور پولیس نے مظاہرین پر گولیاں برسائیں جس سے' اخباری اِطلاعات کے مطابق' اٹھارہ لوگ ہلاک اور سینکڑوں زخمی ہوئے۔ دُوسرے دِن اِن ہلاکتوں کے خلاف وادی اور ضلع ڈوڈہ' رام بن' کشتواڑ ضلعوں میں بھی احتجاجی جلوس نکالے گئے۔ کشتواڑ میں عبدالغفور نامی ایک لڑکا گولی کا شکار بنا اور فرقہ وارانہ دنگوں میں کئی دُکانیں اور گھر نذرِ آتش کئے گئے۔ اکثریتی فرقے نے اِن تمام جگہوں پر ہڑتال کی۔ بھدرواہ میں سب سے بڑا مظاہرہ محلّہ مسجد اور محلّہ اڈہ میں ہوا۔ اِن مقامات پر مرحوم عبدالعزیز کی غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھی گئی۔ حریت کانفرنس نے وادی میں تین دِن تک سوگ منانے کی اپیل کرتے ہوئے تاکید کی کہ اِس دوران کسی غیر مسلم' کسی سرکاری یا غیر سرکاری جائیداد کو نقصان نہ پہنچایا جائے۔ ۱۱ر اور ۱۲ر اگست کو مظاہرین پر گولی چلائے جانے کے نتیجے میں ہلاک ہونے والوں کی تعداد ۲۷ تک پہنچ گئی۔ جموں میں امرناتھ یاترا سنگھرش سمیتی کی طرف سے بند میں وقفہ وقفہ کے بعد توسیع کی ہدایات جاری ہوتی رہیں۔ وادی میں تقریباً ہر روز مظاہرین پر فائرنگ سے کئی لوگ زخمی ہوئے۔ ۱۵ر اگست کو وادی میں حریت کانفرنس کی کال پر مکمل ہڑتال رہی۔

جموں مُسلم کوآرڈی نیشن کمیٹی کا قیام:

جموں میں چلے آرہے حالات کا مقابلہ کرنے' پُر امن بھائی چارہ قائم کرنے اور مسلمانانِ جموں کو ترقی کے مواقع دِلوانے کی سعی کرنے کے لئے ۱۵ر اگست ۲۰۰۸ء کو ''جموں مُسلم کوآرڈی نیشن کمیٹی'' کا قیام عمل میں لایا گیا جس کے کنوینر ڈاکٹر ظہورالدین مقرر ہوئے۔ کمیٹی کے اِجلاس میں کمیٹی کے آئین کی بھی منظوری دی گئی جس کو ایک سلیکٹ کمیٹی نے مرتّب کیا تھا۔ ڈاکٹر ظہورالدین نے کمیٹی کی ترجیحات پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ کمیٹی ہذا ریاست جموں و کشمیر اور اِس کے باہر کے تمام لوگوں

(فرقوں) کے پُر امن بھائی چارے کو مضبوط کرنے، مسلمانانِ جموں کو اُن کے حقوق اور فرائض کے بارے میں بیدار کرنے، اُنہیں اُن کے آئینی حقوق کا بڑی بے خوفی اور جرأت سے فائدہ اُٹھانے، مسلم برادری کے باہمی رِشتوں کو مضبوط کرنے، دیگر فرقوں کے ساتھ پُرانے جیسے تعلقات بحال کرنے اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور یکجہتی کو یقینی بنانے جیسے مسائل کے لئے جدوجہد کرے گی۔

''پانپور چلو'' اور ''جیل بھرو'' آندولن:

وادیٔ کشمیر میں حریت کانفرنس کی ''پانپور چلو'' اندولن کے اعلان کی حمایت کرتے ہوئے لاکھوں لوگوں نے کرفیو کے باوجود ''پانپور'' میں شیخ عبدالعزیز (مرحوم) کی رسمِ چہارم میں شرکت کی۔ لوگوں کو ہدایت دی گئی تھی کہ وہ پُر امن طور پر مظاہرے کریں اور کسی سرکاری یا نجی اِملاک کو نقصان نہ پہنچائیں۔ ۱۸/ اگست کو لاکھوں لوگ ٹی. آر. سی. سرینگر میں جمع ہوئے اور یو. این. او. کے دفتر میں جا کر حالیہ ہلاکتوں اور جموں کی طرف سے عائد شدہ ''اِقتصادی ناکہ بندی'' کے خلاف مظاہرے کئے اور میمورنڈم پیش کئے۔

دُوسری طرف اِسی روز جموں میں سنگھرش سمیتی کے ''جیل بھرو'' اندولن کے تحت لاکھوں مظاہرین نے گرفتاریاں پیش کیں۔ اگلے دِن ہزاروں خواتین نے بھی گرفتاریاں دیں۔ جہاں جموں میں پچاس (۵۰) دِنوں سے چلتا آرہا بند جاری رہا، وہیں سرینگر میں آٹھویں روز بھی ہلاکتوں کے خلاف مظاہرے ہوتے رہے۔ اِس دوران قومی شاہراہ پر بیس (۲۰) کشمیری گاڑیوں پر پتھراؤ کر کے نقصان پہنچایا گیا، جس میں پندرہ (۱۵) ڈرائیور بھی زخمی ہوئے۔ سمیتی کی طرف سے ۲۰/ اگست تک لاکھوں لوگوں نے گرفتاریاں دیں اور بند کو ۲۵/ اگست تک جاری رکھے جانے کی اپیل کی گئی۔ کشمیر سے آنے جانے والے ٹرکوں پر بلوائیوں اور مظاہرین کے حملے جاری رہے۔

سہیل احمد نامی ایک ڈرائیور بلوائیوں کے حملے کی وجہ سے شدید زخمی ہوا، جسے جموں کے بترہ ہسپتال داخل کیا گیا۔ اِسی دوران سنگھرش سمیتی نے ''سِول نافرمانی'' کا اعلان کر دیا۔ کانگریس اور سمیتی کے کارکنوں کے درمیان زبردست ٹکراؤ کے نتیجے میں ۷۵ افراد زخمی ہوئے۔ اِن میں پولیس کے پچیس اور سی. آر. پی. ایف. کے چار جوان شامل تھے۔ اِسی دوران جموں میں پُرتشدّد واقعات میں بہت سے دفاتر، بینک عمارات اور گاڑیوں کو جلا ڈالا گیا اور کچھ کانگریسی اور نیشنل کانفرنسی ورکروں کے مکانوں میں توڑ پھوڑ کی گئی۔ بھدرواہ میں ''جیل بھرو'' اندولن کے تحت ایک مظاہرے کے بعد گرفتاریاں عمل میں لائی گئیں۔ جلوس کی رہنمائی یہاں کے مشہور بھاجپا لیڈر کوتوال دیا کرشن کر رہے تھے۔ شام کے وقت اِن سبھی لوگوں کو رِہا کر دیا گیا۔

سوپور میں ایک طالبِ علم کی ہلاکت:

دُوسری طرف سوپور میں ''سونہ وار چلو'' پروگرام میں شامل ایک آٹھویں جماعت کا طالب علم گولی لگنے سے ہلاک ہوگیا جس پر وادی میں ہڑتال رہی اور زبردست مظاہرے کئے گئے۔ بھدرواہ میں حالات معمول پر رہے۔ ٹرانسپورٹروں کی ہڑتال اور اِقتصادی ناکہ بندی کی وجہ سے میوہ فروشوں اور بیوپاریوں کو ایک سو کروڑ روپے کا خسارہ برداشت کرنا پڑا۔

جموں میں تشدّد کی لہر تیز:

جموں میں کچھ عناصر کی طرف سے سانبہ، اکھنور وغیرہ میں گوجر فرقے کے ساتھ کی گئی زیادتیوں کے نتیجے میں مسلم طبقہ میں خوف و ہراس کی لہر دوڑ گئی جس کے نتیجے میں جموں سے کافی مسلمان لوگ پونچھ، راجوری اور ڈوڈہ کے علاوہ سرینگر چلے گئے۔ مذکورہ علاقوں کے گوجروں کے ایک سو پانچ (۱۰۵) کنبے ہجرت کر کے

بھٹنڈی کی طرف چلے آئے جہاں لوگوں نے اُنہیں پناہ دی۔ اِن میں ۵۰ ےلوگ شامل تھے۔ کشمیری لوگ جہاں حکومت اور فوج کی طرف سے وادیٔ کشمیر میں برتے گئے اِمتیازی سلوک کے خلاف پُر امن مظاہرے کر رہے تھے اور اُن پر گولیاں برسائی جا رہی تھیں، وہیں فوج وغیرہ جموں کے بلوائیوں کی تشدد آمیز کارروائیوں میں تماشائی بن کر چُپ سادھے ہوئے تھی۔ یہاں تک کہ (روزنامہ کشمیر عظمیٰ'' مورخہ ۲۳ راگست ۲۰۰۸ء کے مطابق) ''شیوسینا اور بی. جے. پی. کے بلوائیوں نے ہیرانگر سٹی کے وارڈ نمبر ۱۳ میں اوقاف کی ۳۹ کنال اراضی میں واقعہ ایک مسجد کو شہید کر ڈالا اور بُل ڈوزر چلا کر وہاں شِو لنگم نصب کر دیا۔''

مُسلم اِنٹلیک چیول فورم جموں کا قیام:

صوبہ جموں کے علاقہ جات سوہانجناں، اکھنور، سانبہ، ہیرانگر اور کٹھوعہ میں مُسلم اقلیتوں بالخصوص گوجر اور بکروال طبقے کی چھوٹی چھوٹی بستیوں پر مظاہرین کی طرف سے ہونے والے حملوں کی افواہوں، اُن کے کچے پکے مکانوں کو جلانے کی وارداتوں اور گوجروں کو زبردستی احتجاجی جلوسوں میں شامل کرنے کی خبروں، بھارتیہ جنتا پارٹی کے چند بڑے لیڈروں کے مُسلم مخالف بیانوں اور شہر جموں کی نواحی بستیوں میں رہنے والے مُسلمانوں کو ڈرانے دھمکانے کی مذموم حرکتوں سے جموں کے مُسلمانوں میں خوف و ہراس کے ساتھ ساتھ غم و غصے کی لہر بھی دوڑ گئی۔ ایسے وقت میں جموں کے چند سیکولر مزاج مُسلم دانش وروں نے مُسلم اِنٹلیک چیول فورم کا قیام عمل میں لایا، جس کی صدارت اُردو کے ممتاز ادیب امین بنجارا کو سونپی گئی۔ امین بنجارا نے گوجر نگر جموں میں چند مُسلم دانش وروں اور ادباء و شعراء کی ایک ہنگامی میٹنگ بُلائی جس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ اِنسانیت دُشمن عناصر کو کوئی بھی ایسا موقعہ نہ دیا جائے جس کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے وہ جموں کے ہندو مُسلم بھائی چارے کو نقصان پہنچا سکیں اور جموں کی بے یارو

مددگار اقلیت کو کسی قسم کا نقصان پہنچے۔ امین بنجارا نے اپنی سیاسی سوجھ بوجھ کا مظاہرہ کرتے ہوئے پریس کے نام جاری اپنے ایک بیان میں شری امرناتھ یاترا سنگھرش سمیتی کے ساتھ یک جہتی کا اِظہار کیا اور حکومت سے اپیل کی کہ وہ لوگوں کے مذہبی جذبات کی قدر کرتے ہوئے امرناتھ یاترا شرائن بورڈ کو زمین اِستعمال کرنے کی فوری اجازت دے۔ چند صحافیوں کے ساتھ اکھنور، سانبہ اور ہیرانگر کا دورہ کرنے کے بعد امین بنجارا نے جموں مُسلمانوں سے بھی اپیل کی کہ وہ افواہوں پر کان نہ دھریں اور صبر وتحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے جموں کے ہندو بھائیوں کے کاز کی کھلی حمایت کریں۔ اُنھوں نے واضح الفاظ میں کہا کہ کسی بھی فرقے کے مذہبی معاملات میں مداخلت بیجا کا مطلب مُلک اور ریاست کی سالمیت کو خطرے میں ڈالنا ہے۔ امین بنجارا نے کئی بار کہا کہ اِس وقت کشمیری عوام اور کشمیر کی لیڈر شپ کو ''کشمیریت'' کی اعلیٰ اخلاقی قدروں کا والہانہ مظاہرہ کرنا چاہیے کیونکہ دونوں خطّوں میں چل رہی مسلسل ہڑتالوں کو ختم کرنے اور جموں اور کشمیر کے مابین بڑھتی ہوئی خلیج کو پاٹنے کے لئے جو کچھ اُن کے ہاتھ میں ہے وہ اہلِ جموں کے ہاتھ میں نہیں ہے۔

امین بنجارا نے الیکٹرونک چینل ''آج تک'' کے جموں بیورو چیف مسٹر اشونی کمار کے دولت کدے پر شری امرناتھ سنگھرش سمیتی کے چیئرمین ایڈوکیٹ لیلا کرن شرما، ایڈوکیٹ ڈی. ایس. چوہان، ایڈوکیٹ بی. ایس. بسلاتھیا اور چند دیگر اراکین کے ساتھ دو تین مُلاقاتیں کیں اور اُن کو یقین دِلایا کہ صوبہ جموں کے مُسلمان سنگھرش سمیتی کے ساتھ ہیں لیکن سنگھرش سمیتی کے ممبران اور ہندو لیڈران بھی اِس امر کو یقینی بنائیں کہ جموں کے مفصلات میں بکھری ہوئی چھوٹی چھوٹی مُسلم آبادیوں کو دھمکیوں اور اشتعال انگیز نعروں سے بدظن نہیں کیا جائے گا اور اقلیتی فرقے کی جان ومال اور عزت کی حفاظت کی جائے گی۔ ایڈوکیٹ لیلا کرن شرما نے امین بنجارا اور مُسلم اِنٹلیک چیول فورم کے دیگر اراکین کو بتایا کہ جن سیاسی لیڈروں نے اشتعال انگیز بیانات دیئے تھے،

اُن کے سنگھرش سمیتی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے اور سنگھرش سمیتی کا پہلا مقصد ہندو مُسلم اِتحاد کو بنائے رکھنا ہے کیونکہ یہ دو دھرموں کی لڑائی نہیں ہے بلکہ دو خطّوں کی سیاسی سوچ کی لڑائی ہے اور جموں کے حقوق حاصل کرنے کی اِس جدو جہد میں ہندو مُسلم ساتھ ساتھ ہیں۔ مسٹر اشونی کمار اُنہی دِنوں پولیس فائرنگ میں زخمی ہوئے تھے۔ وہ ڈگیانہ علاقے میں پولیس کی جانب سے مقامی چینل ''جے کے میڈیا'' کے دفتر کو بند کروانے کی کارروائی کی رپورٹنگ کر رہے تھے کہ اُن کی دونوں ٹانگوں پر ٹیئر گیس شیل لگے اور وہ زخمی ہوگئے۔ میڈیا برادری کے مطابق پولیس نے اشونی کمار کو جان بوجھ کر نشانہ بنایا تھا کیونکہ وہ مُسلم فرقے پر ہو رہی زیادتیوں پر جموں ایڈمنسٹریشن کی مبینہ خاموشی اور جموں پولیس کی بے حسّی کو بار بار اپنے چینل سے قومی سطح پر ٹیلی کاسٹ کروا رہے تھے۔

اِس دوران مُسلم فیڈریشن کے صدر مسٹر عبدالمجید، نامور وکیل شیخ شکیل احمد اور روزنامہ ''تسکین'' کے اڈیٹر مسٹر سہیل کاظمی نے بھی شری امرناتھ سنگھرش سمیتی کے ساتھ یک جہتی کا اِظہار کیا اور کچھ تحفظات کے ساتھ مُسلمانانِ جموں کی طرف سے پوری حمایت کا یقین دلایا۔

انجمن اِسلامیہ بھدرواہ کا خصوصی اِجلاس:

بھدرواہ کے مسلمانان، جموں میں ہونے والے ہنگاموں اور مسلمانوں میں پیدا شدہ خوف و ہراس کا بغائر جائزہ لے رہے تھے۔ اُنہوں نے انجمن اِسلامیہ کا ایک ہنگامی اِجلاس بُلا کر کچھ قراردادیں پاس کیں جن میں حالات کی سنگینی اور جموں اور دیگر مُسلم اقلیتی علاقوں میں بلوائیوں کے حملوں کی مذمت کی گئی، ہندو مسلم بھائی چارہ قائم رکھنے پر زور دیا گیا اور ڈوڈہ کشتواڑ، رام بن، پونچھ اور راجوری اضلاع کے علاوہ ضلع اُدھم پور کے گول گلاب گڑھ کے علاقے، جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے، پر مشتمل ایک الگ صوبہ بنائے جانے اور وادیٔ کشمیر کے ساتھ اِن علاقوں کی جغرافیائی، لِسانی، مذہبی، ثقافتی اور سیاسی مماثلت اور مُسلم اکثریت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اُن کو ایک صوبے

کی شکل میں منسلک کئے جانے کی مانگ کی۔

پونچھ میں تصادم:

اِسی دوران حکومت کی کی طرف سے قائم کردہ تین رُکنی کمیٹی اور سنگھرش سمیتی کے درمیان بات چیت کے دور جاری رہے۔ دُوسری طرف لکھن پور سے اُدھم پور تک بلوائیوں کی طرف سے کشمیر سے آنے جانے والے ٹرکوں پر حملے جاری رہے۔ پونچھ میں فرقہ وارانہ تصادم میں ۴۵ دُکانیں نذرِ آتش کی گئیں اور ۲۰ لوگ زخمی بھی ہوئے۔ وادی میں بھی مظاہرے جاری رہے جن میں مظاہرین کو کچلنے کے لئے زبردست طاقت کا اِستعمال کیا گیا۔ اکھنور تحصیل کے کچھ گوجر کنبے نقلِ مکانی کر کے دریائے چناب کے کنارے راجپورہ میں داخل ہوئے۔ ضلع ڈوڈہ کی رابطہ کمیٹی نے بھی ''لال چوک چلو'' کی کال کی حمایت کا اعلان کیا۔

وادیٔ کشمیر میں کرفیو نافذ اور آٹھ اشخاص کی ہلاکت:

حریت کانفرنس کی رابطہ کمیٹی کی طرف سے دی گئی کال یعنی ۲۴ راگست کو ''لال چوک چلو'' کو ناکام بنانے کے لئے وادی بھر میں کرفیو نافذ کر دیا گیا۔ مذکورہ کمیٹی نے پہلے ''مظفر آباد چلو'' پھر ''پانپور چلو'' پھر ''سونہ وار چلو'' جیسے پروگراموں کو عدیم المثال طور پر کامیاب بنا کر اب ''لال چوک چلو'' کی کال دی تھی جس کو کچلنے کے لئے زبردست طاقت اور کرفیو کو بروئے کار لایا گیا۔ کرفیو کی خلاف ورزی کے دوران اُس دِن آٹھ اشخاص گولیوں کا نشانہ بنے اور فورسز کے ساتھ جھڑپوں میں متعدد لوگ زخمی ہوئے۔ میڈیا سے جڑے اشخاص، ڈاکٹروں وغیرہ تک کو زدو کوب کیا گیا۔ وادی کے دس کے دس ضلعوں کو عملی طور پر فوج کے حوالے کر دیا گیا۔ اِس پر ڈوڈہ، کشتواڑ اور

رام بن کے اضلاع کے مسلم اکثریتی علاقوں میں ہڑتال رہی۔ اُدھر جموں میں سمیتی کی طرف سے دی گئی کال پر صوبہ جموں میں مکمل طور پر ''چکہ جام'' رہا اور پولیس وغیرہ کے ساتھ جھڑپوں میں اِس دِن یعنی ۲۵ راگست کو تقریباً ایک سو لوگ زخمی ہوئے۔

ٹھاکر بلدیو سنگھ کا اِنتقال:

اِسی روز بی۔جے۔پی۔ کے سابق صدر ٹھاکر بلدیو سنگھ کا ۹۱ رسال کی عمر کا سفر طے کرنے کے بعد اِنتقال ہو گیا۔ جموں میں اُن کی وفات پر گہرے دُکھ اور افسوس کا اِظہار کیا گیا۔ دُوسرے دِن وادی میں مکمل طور پر سخت قسم کا کرفیو لاگو رہا اور مظاہرین پر فائرنگ کی وجہ سے ۱۲ لوگ زخمی ہوئے۔ وادی ہی میں آسیہ اندرابی (دخترانِ ملّت کی صدر) کو گرفتار کیا گیا۔ جموں میں پُر تشدّد واقعات کے دوران بہت سی دُکانوں اور سرکاری املاک کو جلا دیا گیا۔ ۲۷ راگست کو مظاہرین پر وادی کے مختلف حِصّوں میں کرفیو کا قہر پڑا اور مظاہرین پر گولیوں کی برسات سے تین لوگ لقمۂ اجل بن گئے اور متعدد زخمی ہوئے۔ جموں کے چنور علاقے میں جنگجوؤں نے ایک مکان میں گھس کر چار اشخاص کو گولیوں کا نشانہ بنایا۔ اِس معرکہ میں کُل سات لوگ مارے گئے۔ کچھ علاقوں میں احتجاجی جلوس نکالے گئے۔

سنگھرش سمیتی اور بلاوریہ کمیٹی کے درمیان سمجھوتہ:

۳۱ راگست اور یکم ستمبر کی درمیانی رات کو پَو پھوٹنے سے پہلے پہلے سنگھرش سمیتی اور سرکاری کمیٹی کے درمیان ایک سمجھوتہ طے پایا جس کے تحت ''بال تل''، کشمیر کی متنازعہ زمین کے بارے میں فیصلہ لیا گیا کہ آئندہ شرائن بورڈ' دورانِ یاترا اِس زمین کو اِستعمال میں لا سکے گا لیکن اُس کے جملہ حقوق بحقِ سرکار محفوظ ہوں گے۔ مذکورہ بورڈ اِس قطعہء اراضی میں رہائشی سہولیات کے لئے عارضی ہٹس اور تجارتی ضروریات پورا

کرنے کے لئے شیڈس وغیرہ تعمیر کر سکے گا۔ یہ بھی طے پایا کہ حکومت دورانِ بند بیوپاریوں، ٹرانسپورٹروں اور ریہڑی والوں کو ہوئے نقصان کا جائزہ لے گی اور اُنہیں مناسب معاوضہ دے گی۔ جاں بحق شدگان کے لواحقین کو بھی مناسب معاوضہ دیا جائے گا۔ اِس فیصلہ پر جموں میں زبردست جشن منایا گیا اور اگلے روز پریڈ گراونڈ میں کُھلا جشن منانے کا فیصلہ کیا گیا لیکن کرفیو کی وجہ سے کوئی تقریب ممکن نہ ہو پائی۔ اِس طرح سے دو ماہ سے چلی آرہی ہڑتال ختم ہوگئی۔ اِس دوران وادی میں زبردست کرفیو کے باوجود مظاہرے ہوتے رہے۔ جمعہ کے دِن ۱۲ر ستمبر کو رابطہ کمیٹی کی کال پر پوری وادیٔ کشمیر میں مظاہرے کئے گئے۔ پولیس کی طرف سے مظاہرین پر خوب لاٹھیاں برسائی گئیں اور آنسو گیس کے شیل پھینکے گئے۔ منجملہ طور پر ایک سو پچاس (۱۵۰) اشخاص مضروب ہوئے۔ بھدرواہ، ڈوڈہ اور کشتواڑ میں بھی بعد نمازِ جمعہ مظاہرے کئے گئے۔ شوپیاں میں اِسی روز فوجی جوانوں کی گولی باری سے سجاد احمد نامی نوجوان فوت ہوگیا۔ اِس پر وہاں کئی دِن تک احتجاجی مظاہرے جاری رہے۔

۱۹ر ستمبر ۲۰۰۸ء کو وادیٔ کشمیر میں حسبِ پروگرام (جمعہ کے دِن) احتجاجی جلوس نکالے گئے اور مکمل ہڑتال رہی۔ پولیس اور سی. آر. پی. ایف کی کارروائی کے دوران ۶۰ر افراد زخمی ہوئے۔ جے. کے. ایل. ایف. کے صدر یٰسین ملک نے ۲ر اکتوبر کو ''لال چوک چلو'' کے نئے پروگرام کا اعلان کیا۔ اِس روز وادی کے علاوہ وادیٔ چناب کے کشتواڑ، ڈوڈہ اور بھدرواہ کے مقامات پر بعد نمازِ جمعہ مظاہرے ہوئے۔ بھدرواہ میں خیرات حسین فراش اور محمد شفیع رفیقی نے جامع مسجد کے صحن میں لوگوں سے خطاب کیا اور موضع چکہ میں فوجی زیادتیوں کے خلاف احتجاج کیا۔

جموں میں حالات پھر کشیدہ:

جموں میں ۲۰ر ستمبر کو اُس وقت حالات ایک بار پھر کشیدہ ہوگئے جب کہ

اِنتظامیہ نے سنگھرش سمیتی کو جموں میں دو ماہ کے دوران ہلاک ہوئے لوگوں کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لئے ابھینو تھیٹر میں ایک پروگرام منعقد کرنے کی اِجازت نہ دی۔ پُرتشدد واقعات میں پچیس (۲۵) لوگ زخمی ہوئے' جن میں نو (۹) پولیس اہلکار بھی شامل تھے۔ اِس پر سمیتی نے اڑتالیس (۴۸) گھنٹے بند کی کال دی۔ اِسی روز وادی میں مظاہرین اور سی. آر. پی. ایف. کے درمیان ہوئی جھڑپوں میں بائیس (۲۲) پولیس اہلکار اور بتیس (۳۲) شہری زخمی ہوئے۔

جموں بند فلاپ:

سنگھرش سمیتی کی طرف سے ۲۱ر اور ۲۲ر ستمبر کو دی گئی بند کی کال کا کوئی نمایاں اثر دِکھائی نہیں دیا۔ بیوپاریوں اور ٹرانسپورٹروں نے بند کے دوران دُکانیں اور سٹور کھلے رکھے۔ جموں کے کچھ علاقوں' ہیرانگر اور کٹھوعہ وغیرہ میں کچھ لوگوں نے جلوس نکالے اور کہیں کہیں نیشنل ہائی وے بلاک کرنے کی کوشش کی۔ اِسی دوران گنگوال کے ایک شخص جسونت سنگھ نے اپنے جسم پر تیل چھڑک کر آگ لگا دی جو بعد میں چنڈی گڑھ ہسپتال میں چل بسا۔ اِس دوران وادی میں پُرتشدد مظاہرے جاری رہے۔

بھدرواہ۔ ڈوڈہ روڈ پر المناک بس حادثہ:

۲۹ ر ستمبر ۲۰۰۸ء کو جموں۔ بھدرواہ روڈ کے موضع پرانوں کے مقام پر ایک بس حادثے میں سات افراد جاں بحق اور ستائیس مسافر زخمی ہو گئے۔ یہ بس صبح ساڑھے چھ بجے کے قریب مالٹی (پرانوں) کے مقام پر ندی میں جا گری۔ تین شدید زخمیوں کو بذریعہ ہیلی کاپٹر مزید علاج و معالجہ کے لئے جموں لے جایا گیا۔ فوت شدگان میں ویر سنگھ ولد سوامی راج ساکن امیرانگر (بھدرواہ)' دلیر سنگھ ساکن اُدھم پور' عاصم اور عاطف ولد سردار محمد نائیک (چنار محلہ' بھدرواہ)' کلبیر سنگھ ساکن ڈہرہ (بھدرواہ) اور

ایک خورد سالہ لڑکی شامل تھے۔ اِس سڑک حادثے پر بھدرواہ تحصیل میں رنج و دُکھ کی ایک لہر دوڑ گئی۔

وادی میں ''لال چوک چلو'' کی کال:

۶؍اکتوبر کے لئے کوآرڈی نیشن کمیٹی کی طرف سے دی گئی ''لال چوک چلو'' کی کال کو ناکام بنانے کے لئے حکومت نے وادی بھر میں دفعہ ۱۴۴ نافذ کر کے حریت لیڈران کو مختلف مقامات سے گرفتار کیا اور کچھ کو گھروں میں نظر بند کیا گیا۔ ۵؍اکتوبر سے ہی ساری وادیٔ کشمیر میں کرفیو بھی نافذ کیا گیا۔ ضلع ڈوڈہ کے حریت پسند لیڈروں محمد شفیع رنگریز اور محمد اقبال اگو وغیرہ کو پہلے ہی گرفتار کر کے جیلوں میں بند کر دیا گیا تھا۔ اِس سلسلہ میں وادیٔ کشمیر کی کلیدی شاہراہوں پر' خصوصاً لال چوک میں آہنی دیواروں کو کھڑا کر دیا گیا تھا اور اکثر مقامات پر آہنی کنٹیلی تاروں کے بندھ لگا دئے گئے تھے۔ حکومت نے میڈیا پر بھی قدغن لگا دیا تھا۔

وادیٔ کشمیر کے دس کے دس ضلعوں میں ۵؍اکتوبر کو لگایا گیا سخت ترین کرفیو ۷؍اکتوبر کو بھی جاری رہا۔ پھر بھی پائیں شہر' بارہمولہ اور گاندربل میں مظاہرے کئے گئے۔ اِن حالات میں وادی کے لاکھوں عوام کو اپنے گھروں میں مقیّد کر کے رکھا گیا۔ آرمڈ فورسز اور پولیس اہلکاروں کی بھاری تعداد جگہ جگہ گشت کرتی رہی۔ قصبوں اور دیہات کو ملانے والی تمام رابطہ سڑکوں کو سیل کیا گیا۔ جموں سری نگر شاہراہ پر بھی آمد و رفت بند رہی۔ حریت لیڈروں نے فوج کی طرف سے طاقت کے اِستعمال کو ''عوام کی فتح'' قرار دیا اور آئندہ اعلان تک معمول کا کاروبار شروع کرنے کا اعلان بھی کیا۔

وادیٔ چناب کے مُسلم اکثریتی علاقوں میں بھی ضلع اور تحصیل سطح کے مقامات پر سبھی کاروبار بند رہے۔ جب کہ بھدرواہ میں جزوی طور پر کاروبار بند رہا' تاہم کہیں ناخوشگوار واقع کی اِطلاع نہیں ملی۔

اِکسٹھ سال کے بعد حدِ متارکہ کے دونوں طرف

باضابطہ تجارت شروع:

۲۱ر اکتوبر ۲۰۰۸ء کو منقسم ریاست جموں وکشمیر کے تاجروں نے اِکسٹھ (۶۱) برس کے طویل عرصہ کے بعد بالآخر خونین لکیر کو روندکر' آر پار تجارت کا آغاز کیا اور ریاست کے دونوں منقسم حصّوں کے لئے ایک نئی تاریخ رقم ہوئی۔ اِس سلسلہ میں دونوں طرف سے چاول' سیب' خشک میوے' سبزی اور کئی دیگر اشیاء جہلم ویلی روڈ کے ذریعے کمان پُل پار کر کے درآمد برآمد کی گئیں۔ حدِ متارکہ کے دونوں طرف جوش وخروش اور خوشی کا عالم دِکھائی دیا۔ چکھوٹی (آزاد کشمیر) سے سات مال بردار گاڑیاں کمان پُل پار کر کے کشمیر پہنچیں۔ چکاں دا باغ پوسٹ سے منگل کے روز ۲۱ر اکتوبر کو ساٹھ (۶۰) برس کے بعد تحائف سے بھری ہوئی تین گاڑیاں راولا کوٹ کی طرف روانہ ہوئیں اور پونچھ' راجوری کے لوگوں کی دیرینہ مانگ پوری ہوئی۔ وادیٔ چناب کے مختلف مقامات پر اِس تاریخی واقعہ کی سراہنا کی گئی اور ہندو پاک کے درمیان مضبوط رِشتوں اور باہمی اشتراک کی تمنا کی گئی۔ قبل ازیں پاکستانی مقبوضہ کشمیر سے ایک اُنیس (۱۹) رُکنی وفد نے تجارتی سطح پر کاروبار کے متعلق وادیٔ کشمیر اور جموں کا دورہ کیا تھا۔ اِن ملاقاتوں میں' جو وفد نے یہاں کی تجارتی برادری سے کی تھیں' تجارتی اشیاء کے تبادلے کے بارے میں فیصلے کئے گئے تھے۔

تحصیل گندو بھلیس میں نمبردار ہلاک:

ایک پولیس رپورٹ کے مطابق ۲۳ر اکتوبر ۲۰۰۸ء کو علاقہ چلی بھلیس کے موضع ہڈل کے مقام پر ہتھیاروں سے لیس شدّت پسندوں نے محمد یوسف نمبردار کو گولیوں کا نشانہ بنایا اور ایک دُوسرے شخص ہاشم دین پنچایت ممبر کو بھی زخمی کر ڈالا۔ اِس

جھڑپ میں ارشد حسین ملک، ساکن تلوگڑہ بھلیس میں ہلاک ہوا، جو اُن شدت پسندوں کا ساتھی تھا۔

ٹھاٹھری۔ڈوڈہ روڈ پر میٹاڈور حادثہ:

۳۰/اکتوبر ۲۰۰۸ء کو کشتواڑ، ڈوڈہ شاہراہ پر دوپہر کے وقت گڈسو کے مقام پر پیش آئے ایک دِلدوز سڑک حادثہ میں ۵/افراد ہلاک اور ۲۴ اشخاص زخمی ہوئے۔ ہلاک شدگان میں سنتوش کمار ساکن شیواہ (ڈوڈہ)، فاروق احمد حجام ساکن کیشوان (کشتواڑ)، نگینہ کوثر ساکن ڈول، راکیش کمار ساکن بھیچہ (گندو) شامل تھے جب کہ ایک شخص کی شناخت نہیں ہوسکی۔ شدید طور پر زخمی نو (۹) اشخاص کو بذریعہ ہیلی کاپٹر جموں لے جایا گیا۔

آئین ساز اسمبلی کے چناؤ کرانے کا اعلان:

الیکشن کمیشن دہلی کے ایک اعلان کے مطابق جموں وکشمیر ریاستی اسمبلی کے لئے چناؤ سات فیزز میں کرائے جائیں گے، جو ۱۷/نومبر اور ۲۴/دسمبر ۲۰۰۸ء کے درمیان منعقد ہوں گے۔ ضلع ڈوڈہ، کشتواڑ اور رام بن کے مختلف اسمبلی حلقوں میں ۱۷/دسمبر کو ووٹ ڈالے جائیں گے۔

ٹھاٹھری۔ڈوڈہ روڈ پر ایک اور المناک حادثہ:

۱۲/نومبر ۲۰۰۸ء کو ٹھاٹھری سے ڈوڈہ آرہی ایک میٹاڈور کراڑہ کے مقام پر سڑک سے لڑھک کر دریائے چناب میں جاگری جس میں ۲۶ مسافر سوار تھے۔ اِس حادثہ میں دس مسافر ہلاک اور پندرہ زخمی ہوئے جن میں آٹھ مسافروں کی حالت تشویش ناک بتائی گئی۔ اُن سبھی مسافروں کو بذریعہ ہیلی کاپٹر جموں لے جایا گیا۔

ہلاک شدگان میں مسمات ریحانہ بانو ساکن کراڑہ' اُن کی بہن شرینہ بانو' راشدہ ساکن پریم نگر' نظیر احمد ساکن شادی وَن' سریش سنگھ ساکن جگوتہ' کوشل کمار ساکن ٹھاٹھری' کلدیپ ساکن بارشلہ' چرن داس ساکن کریری' آنند شرما ساکن بس اسٹینڈ اُدھم پور' ببلی زوجہ تیرتھ رام گواڑی بھلیس شامل تھے۔ دو اشخاص لاپتہ بتائے جاتے ہیں۔ دو ماہ میں اِن علاقوں میں یہ پانچواں سڑک حادثہ ہے۔

شادی شدہ خاتون زِندہ نذرِ آتش:

۱۶رنومبر ۲۰۰۸ء کو ملی اِطلاعات کے مطابق ڈنڈی بھدرواہ میں ایک جواں سال شادی شدہ خاتون شاہینہ اختر زوجہ منظور احمد متو' جو تین بچوں کی ماں تھی' کی سوختہ شدہ لاش مکان کے پچھواڑے سے برآمد ہوئی۔ لاش کا چہرہ جل کر ناقابلِ شناخت بن گیا تھا۔ پولیس نے قتل کا معاملہ درج کر کے کارروائی شروع کردی اور کچھ ملزمان کی گرفتاری بھی عمل میں لائی۔

اِس سے قبل بھی موضع کوٹلی بھدرواہ کی ایک خاتون کو زِندہ جلایا گیا تھا۔ وادیٔ بھدرواہ میں یہ اِس نوعیت کا تیسرا واقعہ ہے۔ حالیہ واقعہ پر بھدرواہ کالج اور دیگر تعلیمی اِداروں کی طالبات نے ۱۷رنومبر کو ایک بڑا احتجاجی جلوس نکالا اور ملزمان کے خلاف سخت کارروائی کرنے کی مانگ کی۔

پروفیسر ہری اوم بی.جے.پی. سے مستعفی:

بھارتیہ جنتا پارٹی کے سینئر وائس پریذیڈنٹ اور معروف کارکن اور ترجمان پروفیسر ہری اوم نے ۱۶رنومبر ۲۰۰۸ء کو اپنی پارٹی سے اِستعفیٰ دے کر کانگریس میں شمولیت کا اعلان کیا۔ ایک پریس کانفرنس میں اُنہوں نے اپنے استعفے کی کئی وجوہات بھی بیان کیں۔

لشکرِ طیبہ کا کمانڈر ہلاک:

۲۸ر دسمبر ۲۰۰۸ء کو تحصیل ٹھاٹھری کے امرت پورہ مقام پر لشکرِ طیبہ کا ایک کمانڈر مسمی شہیب عرف ابو کوڈ سیف اللہ' ساکن پاکستان ایک جھڑپ میں مارا گیا جو بھلیس اور ٹھاٹھری کے علاقوں میں عرصہ تین سال سے مصروف تھا۔ موصوف ۶ر دسمبر کی ایک جھڑپ میں زخمی ہو کر بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا تھا جب کہ اُس کا ایک ساتھی ندیم حسین ولد منظور احمد' ساکن جوڑہ (بھدرواہ) جاں بحق ہوا تھا۔ جائے وقوع پر کچھ ہتھیار بھی برآمد ہوئے۔

۲۰۰۸ء کے اسمبلی چناؤ:

۲۸ر دسمبر کو ریاستی اسمبلی کے چناؤ نتیجوں کا اعلان کیا گیا جس میں نیشنل کانفرنس نے '۲۸' پی.ڈی.پی. نے '۲۱' کانگریس نے '۱۷' بی.جے.پی. نے '۱۱' پینتھرز پارٹی نے تین' کمیونسٹ پارٹی (انڈیا) نے ایک' پی.ڈی.ایف. نے ایک اور آزاد اُمیدواروں نے چار سیٹیں حاصل کیں۔ غیر منقسم ضلع ڈوڈہ کے پانچ حلقہ ہائے اِنتخاب میں کانگریس اور ایک حلقہ میں نیشنل کانفرنس نے جیت حاصل کی۔ بھدرواہ سے جناب غلام نبی آزاد نے ایک بار پھر ریکارڈ توڑا اور کامیابی حاصل کی۔

ریاست جموں وکشمیر کا اِقتدار شیخ خاندان کی تیسری نسل کو منتقل
عمر عبداللہ بطورِ وزیرِ اعلیٰ:

۵ر جنوری ۲۰۰۹ء کو ریاست جموں وکشمیر کی سیاسی تاریخ میں زمامِ اِقتدار شیخ خاندان کی تیسری نسل کو اُس وقت منتقل ہوئی جب خاندان کے رُکن اور شیخ محمد عبداللہ کے پوتے عمر عبداللہ نے دس رُکنی "نیشنل کانفرنس۔ کانگرس مخلوط سرکار" میں ریاست

کے گیارھویں وزیرِ اعلیٰ کے طور پر حلف لیا۔ راز داری اور عہدے کا حلف عمر صاحب اور اُن کے دیگر وزراء کو گورنر این. این. ووہرا نے جموں یونیورسٹی کے زور آور سنگھ آڈیٹوریم میں منعقدہ ایک تقریب میں دِلایا' جس میں مرکزی لیڈران کے علاوہ مقامی لیڈروں اور شہریوں کی ایک بھاری تعداد نے بھی شرکت کی۔ وزراء میں پانچ کانگریس پارٹی سے اور عمر عبداللہ کے سمیت پانچ نیشنل کانفرنس سے تعلق رکھتے ہیں۔ عمر عبداللہ ریاست کے سب سے چھوٹی عمر (اڑتیس سال) کے سیاستدان ہیں جنہوں نے اِتنی کم عمری میں وزیرِ اعلیٰ کی کُرسی کو زینت بخشی۔

عمر عبداللہ ۱۰ ر مارچ ۱۹۷۰ء کو اِنگلینڈ میں پیدا ہوئے' جو ایم. بی. اے. کے مینجمنٹ گریجویٹ ہیں۔ اُنہوں نے اسکارٹ لینڈ اور ممبئی کے اعلیٰ اداروں سے تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۹۴ء میں اُنہوں نے محترمہ پائل سے شادی کی۔ ۱۹۹۸ء میں وہ لوک سبھا کے رُکن بنے اور ۱۹۹۹ء میں دُوسری بار بھی اِس عہدے کے لئے منتخب ہوئے۔ وہ مرکز میں این. ڈی. اے کے دورِ اِقتدار میں وزیرِ مملکت برائے امورِ خارجہ بھی رہے۔ وہ جواں سال' بڑے ذہین' جوشیلے اور صاف گو اِنسان ہیں۔ اپنی پہلی پریس کانفرنس کے دوران اُنہوں نے وضاحت کی کہ وہ غیر جانبدارانہ طریقہ سے ریاست کے ہر خطّے اور طبقہ کی ترقی اور بہبودی کے لئے کام کریں گے اور بے روزگاری وغیرہ مسائل کو حل کرنے کی پوری کوشش کریں گے۔ سیاسی اور سماجی حلقوں میں اُن کے دانشمندانہ طرزِ اظہار کی بڑی سراہنا کی گئی۔

وزرأ کو محکمے تفویض:

وزیرِ اعلیٰ جناب عمر عبداللہ نے ۱۰ ر جنوری ۲۰۰۹ء کو اپنے نو کیبنٹ وزراء کو جو محکمے تفویض کئے اُن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

ا مسٹر تارا چند: (ڈپٹی چیف منسٹر)

ہاؤسنگ، شہری ترقی، میونسپلٹیز، الیکشن، سٹیشنری وغیرہ

۲.مسٹر عبدالرحیم راتھر: فائنانس، قانون اور پارلیمانی امورات

۳.پیرزادہ محمد سعید: اسکول ایجوکیشن، پبلک انٹرپرائزز

۴.مسٹر علی محمد ساگر: محکمہ دیہات سدھار اور پنچائتیں

۵.میاں الطاف احمد: جنگلات، ماحولیات اور اکالوجی

۶.مسٹر تاج محی الدین: پبلک ہیلتھ انجینئرنگ اور فلڈ کنٹرول

۷.مسٹر رگزن جورا: سیاحت اور کلچر

۸.مسٹر سرجیت سنگھ سلاتھیہ: صنعت، کامرس، لیبر و روزگار

۹۔مسٹر شام لال شرما: صحت، باغبانی اور پھول بانی

دُوسرے تفویضی مرحلے تک باقی محکمے وزیرِ اعلیٰ کے پاس ہی رہیں گے۔

ٹھاکور دیویندر سنگھ رانا سیاسی مشیر مقرر:

چند روز پہلے چیف منسٹر عمر عبداللہ نے ایک مشہور بزنس مین اور صحافی ٹھاکور دیویندر سنگھ رانا کو اپنا سیاسی مشیر تعینات کر کے اُنہیں ایک سٹیٹ منسٹر کے عہدے کی مراعات سے نوازا۔تاہم رانا صاحب اِس عہدے پر رہتے ہوئے کسی قسم کی تنخواہ نہیں لیں گے۔یاد رہے کہ صاحب موصوف ایک معروف چیف انجینئر ٹھاکور راجندر سنگھ رانا (مرحوم) کے فرزندِ ارجمند ہیں، جن کا وطنِ مالوف علاقہ مرمت (ڈوڈہ) تھا، جو کسی وقت بھدرواہ مملکت کا ایک اہم حصّہ رہا ہے۔رانا موصوف کی تقرری پر غیر منقسم ضلع ڈوڈہ کے مختلف حصّوں میں خوشی کا اِظہار کیا گیا۔

فاروق عبداللہ نیشنل کانفرنس کے صدر منتخب:

جنوری ۲۰۰۹ء کے اپنے ایک حالیہ اِجلاس میں نیشنل کانفرنس کی مجلسِ عاملہ

نے ایک بار پھر ڈاکٹر فاروق عبداللہ کو نیشنل کانفرنس کا صدر منتخب کیا۔ اُن سے پہلے اِس تنظیم کے صدر عمر عبداللہ تھے جو اب ریاست جموں و کشمیر کے چیف منسٹر ہیں۔

المناک سڑک حادثہ:

۱۷ر جنوری ۲۰۰۹ء کو ٹھاٹھری۔ گندو (بھلیس) سڑک پر کاہراہ کے قریب ایک میٹاڈور حادثے میں بارہ (۱۲) افراد اُس وقت لقمۂ اجل بن گئے جب کہ یہ گاڑی ٹھاٹھری سے گندو جارہی تھی۔ اِس حادثے میں پندرہ (۱۵) اشخاص شدید طور پر زخمی ہوئے۔ مرنے والوں میں تین بچے بھی شامل تھے۔ فوت شدہ افراد میں اشوک کمار ساکن جوڑہ ٹھاٹھری، پرویز احمد ساکن کوٹا ٹھاٹھری، کشمیر سنگھ ساکن ناگنی ٹھاٹھری، محمد رفیق ساکن کینڈا ٹھاٹھری، شاہ علی بٹ ساکن گوگاڑہ ٹھاٹھری، غلام نبی ملک ساکن ملانوں ٹھاٹھری، طاہرہ بانو ساکن کوٹلی بھدرواہ، شاہینہ بیگم ساکن کوٹلی بھدرواہ، سارا بیگم (ریٹائرڈ ٹیچر) ساکن چمبہ روڈ، چنوت بھدرواہ، زرینہ (عمر ایک سال) ساکن رہروٹ کاہراہ گندو، ایک دو ماہ کا بچہ بدر دین ساکن ٹانٹہ ٹھاٹھری اور ایک غیر شناخت شدہ بچہ جس کی عمر دو سال تھی، شامل تھے۔ چار شدید زخمی افراد میں سے، جن کو جموں میڈیکل کالج بذریعہ ہیلی کاپٹر شفٹ کیا گیا تھا، ارشاد احمد بٹ ساکن کاہی ہنکل بھی اللہ کو پیارا ہو گیا۔ اِس المناک حادثے پر ضلع بھر میں غم و غصے اور دُکھ کا اِظہار کیا گیا۔

چیف منسٹر عمر عبداللہ کی ہدایت پر ڈپٹی چیف منسٹر تارا چند، غلام محمد سروڑی ایم۔ایل۔اے، میاں الطاف وزیرِ جنگلات اور کچھ اور صوبائی سطح کے آفیسران امدادی مشن پر جائے واردات پر پہنچے اور موقعہ پر ہی ریلیف وغیرہ کا اعلان بھی کیا۔ اِس حادثے کے مہلوکین میں بھدرواہ کے کھکھل محلّہ کے ملک گھرانے کی تین شادی شدہ بہنیں بھی شامل تھیں، جو کسی لڑکے کی منگنی کے سلسلہ میں بھلیس جارہی تھیں، اُن کے نام طاہرہ بیگم ساکن کوٹلی، شاہینہ بیگم ساکن کوٹلی اور سارا بیگم ساکن چمبہ روڈ ہیں۔

آزاد اور سوز راجیہ سبھا کے ممبر منتخب:

۶؍فروری ۲۰۰۹ء کو سابق وزیرِ اعلیٰ غلام نبی آزاد اور ریاستی کانگریس کے صدر پروفیسر سیف الدین سوز کو راجیہ سبھا کی دو خالی نشستوں کے لئے بلا مقابلہ منتخب قرار دیا گیا جب کہ دیگر دو سیٹوں کے لئے چار اُمیدوار میدان میں رہ گئے ہیں جن میں ڈاکٹر فاروق عبداللہ بھی شامل ہیں۔ آزاد صاحب کی حالیہ حلقہ اسمبلی بھدرواہ سے ریکارڈ توڑ کامیابی کے بعد اُن کے راجیہ سبھا میں جانے سے خطۂ چناب کے اسمبلی حلقوں کے باشندگان میں مایوسی چھا گئی ہے۔ حالانکہ آزاد صاحب نے پہلے ہی اِس بات کی وضاحت کی تھی کہ وہ مرکز میں رہ کر ریاست جموں و کشمیر کی ترقی اور خوشحالی کے لئے زیادہ کام کر سکتے ہیں۔ ۱۳؍فروری ۲۰۰۹ء کی پولنگ کے دوران ڈاکٹر فاروق عبداللہ سابق چیف منسٹر اور جناب محمد شفیع (اوڑی) سابق وزیرِ تعلیم دُوسری دو راجیہ سبھا کی نشستوں کے لئے منتخب ہوئے۔ اِس طرح سے کانگریس اور نیشنل کانفرنس کے اُمیدواروں کو دو دو سیٹیں حاصل ہوئیں۔

آزاد صاحب اور سوز صاحب نے ممبرانِ راجیہ سبھا کے طور پر ۱۶؍فروری کو حلف اُٹھایا۔ غلام نبی آزاد کو کانگریس کی ورکنگ کمیٹی میں ایک ممبر مقرر کیا گیا ہے۔ اُنہیں چار ریاستوں کی تنظیمی ذِمہ داریاں سپرد کی گئی ہیں، جن میں مہاراشٹر، تامل ناڈو، اُڑیسہ اور پانڈی چیری شامل ہیں۔ اُنہوں نے اپنے حلقۂ اسمبلی بھدرواہ کی نشست سے اپنا اِستعفیٰ دے دیا تھا، جسے سپیکر صاحب نے منظور کر لیا۔

چھٹے پے کمیشن کی سفارشات منظور:

کئی دِنوں کی ہڑتال کے بعد مُلازمین کی تنظیموں کے ایک مشترکہ گروپ اور ریاست کے وزیرِ خزانہ کے تحت قائم کی گئی کمیٹی کے درمیان ہوئے ایک متفقہ فیصلے کی

کی حیثیت سے محکمہ تعلیم میں بھرتی ہوئے۔ پھر ۱۹۳۳ء میں وہ ہندی کے پروفیسر تعینات ہوئے۔ وہ ایک معروف ڈرامہ نویس، قلمکار اور مضمون نگار تھے۔ اُن کی خدمات کی بدولت ہی ڈوگری زبان کو آئین کے آٹھویں شیڈول میں شامل کیا گیا۔ اُنہوں نے ڈوگری سنستھا کی بُنیاد ۱۹۴۴ء میں ڈالی۔ اُن کی خدمات کو سراہتے ہوئے جموں و کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگوئجز ایوارڈ کے علاوہ اُن کو بہت سے اعزازات سے نوازا گیا اور ۱۹۹۰ء میں اُنہیں ''پدم شری'' کے اعزاز سے بھی نوازا گیا۔

پروفیسر شاستری کی موت کی خبر سُنتے ہی جموں کے ادبی حلقوں میں ایک صفِ ماتم بچھ گئی اور کئی ادبی تنظیموں نے ماتمی قراردادیں پاس کیں اور اُن کی وفات پر گہرے دُکھ اور رنج کا اِظہار کیا۔ مرحوم نے بھدرواہ کی تاریخ کے حوالے سے ڈگری کالج بھدرواہ کے میگزین ''شاہین'' کے لئے ایک نادر مضمون تحریر کیا تھا جس میں زیادہ تر چمبہ اور بھدرواہ کے باہمی تعلقات پر بہت سے معلوماتی حوالے موجود ہیں۔

ٹھاٹھری ڈویلپمنٹ فرنٹ کے مطالبات:

۶ر مارچ ۲۰۰۹ء کو منعقدہ ایک پریس کانفرنس میں ٹھاٹھری ڈیویلپمنٹ فرنٹ کے صدر مسٹر کلدیپ کمار راؤ نے ڈوڈہ ضلع کے لیڈروں اور اسمبلی ممبروں سے اپیل کی کہ وہ تحصیل ٹھاٹھری کی مجموعی ترقی کی خاطر حکومتِ وقت کو مناسب اقدامات اُٹھانے اور اِس علاقے کے پچھڑے پن اور پسماندگی کو دُور کرنے کے لئے راغب کریں۔ اِن مطالبات میں یہاں کے کسی مناسب اور مرکزی مقام پر ڈِگری کالج کھولنے، سڑکیں تعمیر کرنے، طبی سہولیات، اور بجلی وغیرہ فراہم کرنے، بسوتہ اور چراہلہ کے مقامات پر این.ای.ایس بلاک کھولنے اور قانون سازیہ میں اِس علاقہ کو نمائندگی دینے کے مسائل شامل کئے گئے تھے۔ اُنہوں نے مزید کہا کہ پچھلی سرکاروں نے اِس خوبصورت خِطّے کو ہر لحاظ سے نظر انداز کر کے اِس کے ساتھ ہمیشہ امتیازی سلوک روا رکھا ہے۔ اِسی وجہ

سے علاقہ ٹھاٹھری کے حصّوں کو الگ کر کے بھدرواہ ڈوڈہ اور اِندروال حلقہ ہائے اِنتخاب میں مدغم کیا گیا اور اِس کی نمائندگی کلیتاً ختم کردی گئی۔ پریس کانفرنس میں فرنٹ کے سرکردہ اراکین بھی شامل تھے۔

***

حصّہ سوم: بھدرواہ کی ثقافتی تاریخ
(راجواڑہ بھدرواہ کی تہذیب وثقافت)

بابِ اوّل: رہن سہن

راجواڑہ شاہی بھدرواہ کے لوگ:

بھدرواہ جہاں اپنی خوبصورتی اور قدرتی حُسن کے اعتبار سے یکتائے روزگار ہے اور صناعِ ازل کے حُسنِ صنعت گری کا نہایت ہی حسین وجمیل مرقع ہے، وہیں اِس پیکرِ جمیل کے باشندے کاہل جگاسر (بھلیس) سے مرمت علاقہ کی سرحدی اُونچائیوں تک اپنی ظاہری صُورت وشکل اور باطنی سیرت، خلوص ومحبت اور سادہ لوحی کے لحاظ سے بھی حسین تر ہیں۔ بھدرواہی لوگ نہایت ہی مہذب، شائستہ، خوش مزاج، خوش اخلاق، ذہین وفطین، دُور اندیش، مہمان نواز، اِنسان دوست، شریف الطبع، وعدہ کے پکّے اور جذبہ رُواداری اور اِنسانیت سے معمور ہیں۔ وہ خداترس اور مذہبی قسم کے لوگ ہیں۔ اُن کی سادگی اور ایثار شعاری ریاست بھر میں مشہور ہے۔

زمانۂ قدیم میں بھی وہ بڑی آزمائشوں کے وقت اپنی مملکت کی حفاظت کرنے اور حملہ آوروں کو شکستِ فاش دینے میں بڑی بہادری، حُب الوطنی اور دلیری کا مظاہرہ کرتے رہے ہیں، جس کی ایک مثال پدری کے مقام پر چمبہ کی فوجوں کے ساتھ اُن کا نبرد آزما ہوکر فتح وکامرانی کے ساتھ ہمکنار ہونا ہے۔ اُس معرکہ میں علاقہ بھلیس کے قوی ہیکل جوانمردوں نے بھی اپنی بھرپور طاقت کو بروئے کار لایا تھا اور دُشمن کو شکست فاش دِلانے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔

جہاں وادیٔ بھدرواہ کے لوگ قدرے کم طاقت کے حامل تھے وہاں زمانۂ

قدیم سے ہی علاقہ بھلیس، مرمت، دراب اور کیلاڑ کے باشندے صحت مند، جفاکش اور سخت محنتی قسم کے دیکھے گئے ہیں اور اُن کے بہادرانہ کارنامے زبان زدِ عام تھے۔ چارلس ایلی سن بیٹس کے مطابق —— ''اِس پہاڑی علاقہ کے لوگ عام طور پر اعلیٰ نسل سے تعلق رکھتے ہیں، جو کردار کے لحاظ سے اور اپنی سادہ لوحی اور خوش مزاجی کے طفیل بہت ہی اُونچے معیار کے لوگ ہیں ——''[1]

بھدرواہی لوگوں کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ —— ''محنت اور مشقت میں آبرومندی کے سنہری اصول کے کاربند رہتے ہیں اور ہر قسم کا کام کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ اِس کا ثبوت یہ ہے کہ یہاں کا ہر شخص خواہ وہ کتنا ہی پڑھا لکھا ہو، کتنے ہی بڑے عہدے پر فائز ہو یا رہا ہو، وہ ہمیشہ ہل، بیل اور کدال لے کر اپنے کھیت کھلیان میں کام کرتے ہوا نظر آئے گا۔''[2] اِس لحاظ سے وہ خوداعتمادی اور خودداری کے جذبہ سے سرشار ہیں۔ اِس ضمن میں یہاں کی خواتین بھی مردوں کے شانہ بشانہ کام کرتی ہیں اور کام کرنے میں خوش رہتی ہیں۔

اُن کی دُوسری صفت، جو قابلِ داد اور قابلِ ستائش بھی ہے، یہ ہے کہ وہ ناخواندگی کے سخت خلاف ہیں اور بچوں کو اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم دِلانے میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھتے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں کی خواتین تک کی خواندگی کی شرح غیر منقسم ضلع ڈوڈہ اور ریاستی سطح میں خواندگی کے تناسب سے زیادہ ہے۔ آزادی سے قبل مسلمانوں اور ہریجنوں کے تعلیم کا شرح تناسب بہت ہی کم تھا بلکہ نہ ہونے کے برابر تھا، جواب دِن بدن بڑھ رہا ہے۔

بھدرواہی لوگوں کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ اِبتداء سے ہی فرقہ پرستی کے خلاف نبرد آزما رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ راجہ ناگ پال دوم کے دور سے ہی یہاں

---

1. بحوالہ ''اے گزیٹیر آف کشمیر''
2. بدقسمتی سے آج کل کے نوجوانوں میں یہ اوصاف کم ہی دکھائی دیتے ہیں

کی مقامی ہندو آبادی نے مملکت کے مختلف حصّوں میں مسلمانوں کی کثیر تعداد کو آباد کئے جانے پر کوئی اعتراض نہیں کیا اور جاگیرداروں اور چک داروں نے کاشت کرنے کے لئے اپنی زمینیں پیش کیں اور دیگر پیشوں میں کام کرنے کی حوصلہ افزائی کی، جن پر یہاں اِنسانی وسائل کی کمی تھی۔ مسلمانوں کی طرح یہاں پر بہت گدی لوگ بھی باہر سے آکر آباد ہوئے اور صوبہ جموں کے کچھ علاقوں سے متعدد ڈوگرہ خاندان بسلسلۂ کاروبار یہاں آباد ہوئے[1] اور گوجر لوگوں نے بھی اِس مملکت کے کچھ حصّوں میں اپنا بسیرا ڈالا۔ کچھ گوجر بکروال خانہ بدوش طرز پر گرمیوں میں اپنا مال مویشی چرانے کے لئے موسم سرما میں عرصہ دُراز سے آتے رہے ہیں۔

کچھ عرصہ پہلے پیدا شدہ شک وشکوک کا ماحول، جو ریاست میں ملی ٹینسی کی دین تھا، ۲۰۰۵ء کے الیکشن کے بعد ختم ہوگیا ہے اور لوگوں میں وہی قدیم زمانے کا بھائی چارہ، ملکی جذبہ اور باہمی اعتماد بحال ہوگیا ہے۔ اب شادی بیاہ کے موقعوں، قومی میلوں اور تہواروں اور دیگر سماجی اور قومی سرگرمیوں میں پہلی جیسی یکجہتی کا مظاہرہ دیکھنے میں آتا ہے۔ یہ جناب غلام نبی آزاد کے حلقۂ انتخاب بھدرواہ سے کاغذات نامزدگی بھرنے اور اُن کی تاریخی کامیابی کا ہی ثمر ہے کہ لوگ پرانے گلے شکوے بھول کر بھدرواہ کی تعمیر وترقی میں جُٹ گئے ہیں۔ آزاد صاحب کی ریکارڈ توڑ اکثریت سے کامیابی یہاں کی رواداری اور آپس بھائی چارے اور یکجہتی کا بعین ثبوت ہے۔

بھدرواہی باشندوں کی چوتھی صفت یہ ہے کہ وہ بھدرواہ (بشمول بھلیس، مرمت اور ٹھاٹھری) کی ترقی اور لوگوں کی فلاح بہبود کے لئے بلالحاظ مذہب وملت یا کسی سیاسی نظریے کے ایک جُٹ ہوکر کوشاں رہتے ہیں جس کا مظاہرہ اُن کی کالج کے

---

[1] بدقسمتی سے یہاں کے بھائی چارے کو ۱۹۴۷ء کے فرقہ وارانہ فسادات میں بہت ٹھیس پہنچی جو بیرونی شرپسند عناصر کی ہی دین تھی۔ یہاں کے برگزیدہ لوگوں نے حالات پر قابو پالیا ورنہ خدا جانے کیا کچھ کیا جاتا۔

حصول کے لئے مشترکہ تحریک سے کیا جا سکتا ہے۔ موجودہ دور میں یہ یہاں کے لوگوں کی مشترکہ کوششوں کا ہی نتیجہ ہے کہ یہاں پر یونیورسٹی کا سب کیمپس منظور ہوا اور متعدد ترقیاتی سکیمیں منظور ہوئیں۔ ڈویلپمنٹ اتھارٹی کا قیام، بھدرواہ، بھلیس، کیلاڑ کے علاقوں کو سیاحتی نقشہ پر لایا جانا، لکھن پور سے بھدرواہ، کشتواڑ اور وادی تک سیاحتی سرکٹ کی منظوری، راستوں اور سڑکوں کی تعمیر اور کشادگی، کلچرل اکیڈمی کے ذیلی آفس کی منظوری اور کئی پارکوں اور سیاحتی مرکزوں کا قیام جیسے تاریخی فیصلے اور اِقدامات اِس بات کا زِندہ ثبوت پیش کرتے ہیں۔

بھدرواہی لوگوں میں سیاسی سوجھ بدرجہ اتم موجود ہے۔ اُنہوں نے ہر دور میں اپنے سیاسی شعور کا مظاہرہ بڑی آب و تاب کے ساتھ کیا ہے۔ ریاستی یا ملکی سیاست میں اُن کا کافی حصّہ رہا ہے۔ یہاں کے کئی ذی شعور اصحاب نے میدانِ سیاست میں اپنے جوہر دکھائے۔ اُن میں کوتوال شیولال، ملک غلام رسول (ٹھیکیدار)، ملک غلام رسول (عرائض نویس)، چوہدری احمد جوگنائی، منشی دِلاور بخش، خواجہ عبدالغنی گونی، کوتوال چونی لال، شیخ غلام محمد بھدرواہی، خواجہ غلام رسول آزاد، کوتوال کرپا رام، غلام نبی آزاد، شیخ عبدالرحمٰن، کوتوال دیا کرشن، منشی محمد انور، چوہدری نور محمد، ہری لال ہتیشی وغیرہ شامل ہیں۔ اُن کے علاوہ مختلف پارٹیوں سے منسلک لیڈر حضرات کی کثیر تعداد کا ذِکر کرنا یہاں ناممکن سا لگتا ہے۔

بھدرواہی لوگ عام طور پر ناچ نغمے کے شوقین ہیں اور سال بھر مذہبی اور موسمی تہواروں، میلوں، ٹھیلوں کی تقاریب میں شرکت کرتے ہیں۔ بچوں میں کرکٹ کھیلنے اور دُوسری جسمانی سرگرمیوں میں شریک ہونے کا بڑا جذبہ پایا جاتا ہے۔ کھیل کود کے علاوہ لوگ دنگلوں یعنی کُشتی اور دیگر تفریحی مشاغل اور سیر سپاٹے کے دِلدادہ ہیں۔ وہ حفظانِ صحت کے اُصولوں پر کاربند رہتے ہیں۔ اُنہیں قدرت نے خوب صورتی اور خوب سیرتی کی نعمتوں سے نوازا ہے اور مختلف قسم کی ذہنی صلاحیتوں سے بھی۔ وہ اچھی

خوراک کھانا پسند کرتے ہیں۔

لوگوں کے پیشے اور گھریلو دستکاریاں:

بھدرواہ کی ۸۰ فیصد آبادی کا پیشہ زراعت ہے لیکن بدقسمتی سے بیشتر زمیندار لوگ اپنے پرانے ہی طور طریقوں سے زراعتی کاموں کو انجام دیتے ہیں۔ محکمہ زراعت کے کارندے اگر دیانتداری اور لگن سے کام کریں تو یہاں کی پیداوار میں اِنقلاب آسکتا ہے۔ موضع سرتنگل میں بہت بڑے قطعہ زمین پر بیجوں کا ایک تحقیقاتی فارم قریباً آدھ صدی سے زیادہ عرصے سے قائم کیا گیا تھا' جو کسی کے کہنے کے مطابق ''ناکامی کی منازل بڑی سرعت سے طے کر رہا ہے اور ملازمین آج تک مفت کی تنخواہ حاصل کرتے آئے ہیں۔'' قدیم تحصیل بھدرواہ کا کُل رقبہ ۸۰۸۶۲/۱ ایکڑ تھا جس میں سے ۵۰۸۷۲/۱ ایکڑ قابلِ کاشت اور ۲۹۹۹۵/۱ ایکڑ ناقابلِ کاشت تھا۔ لوگوں کو نئے بیجوں اور نئے طریقوں کی ابھی تک پوری جانکاری نہیں' البتہ کھاد وغیرہ اِستعمال کرنے کے لئے حکومت کی طرف سے تو خاطر خواہ اِنتظام کیا جاتا ہے' جو زمینداروں تک پوری پہنچتی ہی نہیں۔ محکمہ زراعت میں ہر بلاک میں درجنوں زراعتی آفیسر تعینات ہیں اور اب رہبر زراعت سکیم کے تحت بھی متعدد تربیت یافتہ نوجوان لگائے گئے ہیں جن سے متوقع اور مجوزہ کام لینے کی ضرورت ہے۔ اِسی طرح ڈنڈی کے مقام پر کئی برس پہلے شیر کشمیر ایگریکلچر یونیورسٹی کی ایک شاخ کھولی گئی ہے جس میں پی۔ ایچ۔ ڈی اور ایم۔ ایس۔ سی زراعت ڈِگریوں کے حامل آفیسر تعینات کئے گئے لیکن اِس بڑے تجرباتی فارم پر بھی خاطر خواہ کام نہیں ہوا ہے اور گاڑیوں کے دھوئیں اور رقومات کے خرچ کے سوا اور کچھ دِکھائی نہیں دیا۔ آزاد صاحب کی ذاتی دِلچسپی لینے سے کچھ عرصہ سے یہاں کچھ چہل پہل دِکھائی دینے لگی ہے۔ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا......؟ دُوسرے پیشوں میں باغبانی' سیریکلچر اور پشو پالن وغیرہ ہیں۔ اِن محکموں

کے دفاتر بھی یہاں کام کرتے ہیں لیکن لوگوں تک اُن کے توسیعی پروگرام نہیں پہنچتے۔ سرکاری پولٹری فارم پر مرغے وغیرہ ندارد ہیں۔لوگوں نے گھروں میں کچھ فارم چلائے ہیں جن سے مرغیوں کی مانگ کسی حد تک پوری کی جاتی ہے۔عام طور پر مرغے جموں سے ہی منگوائے جاتے ہیں۔سیریکلچر محکمہ کی طرف سے ریشمی کیڑے کی افزائش کے لئے لوگوں میں متعلقہ اشیاء بانٹی جاتی ہیں اور کہیں کہیں نرسریاں بھی تیار کی گئی ہیں۔خصوصاً علاقہ بھلیس میں محکمہ پشو پالن کی طرف سے دیہاتی لوگوں میں اچھی نسل کے بھیڑ و تقسیم کئے جاتے ہیں اور علاج معالجہ کے لئے ادویات بھی دی جاتی ہیں، تاہم یہاں سخت محنت اور توسیعی پروگراموں کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

وادی کے مختلف مضافات سے لوگ بھدرواہ کے بازاروں میں دُودھ سبزیاں، اناج، دالیں، پھل وغیرہ لاکر بیچتے ہیں۔موسم بہار میں قدیم تحصیل بھدرواہ کے سارے علاقوں میں گچھیاں اِکٹھا کرنے کا کام زوروں پر رہتا ہے جن کی مانگ آئے دِن بڑھ رہی ہے۔اِسی طرح گھروں میں شہد کی مکھیاں بھی پالی جاتی ہیں۔محکمہ کی طرف سے کافی کچھ کرنے اور لوگوں کو تربیت دینے کی ضرورت ہمیشہ سے محسوس کی جارہی ہے۔ اِن علاقوں کے لوگ جنگلی لکڑی کا چیران کرنے کے لئے اندرونِ ریاست اور ریاست سے باہر بھی جاتے ہیں اور محنت اور مشقت سے روزی روٹی کماتے ہیں۔سردیوں میں دیسی کھڈیوں پر اُونی کمبل، چادریں اور پٹو بُنتے ہیں۔ سردیوں میں عورتیں سوئیٹر، دستانے اور جراب وغیرہ وغیرہ بُنتی ہیں۔علاقہ بھلیس اور مرمت کی اُونی مصنوعات کی اچھی مانگ ابھی بھی ہے۔یہاں کی شال بافی کی صنعت مشہور تھی، جو کم معیاری ہونے اور حکومت کی طرف سے بڑے ٹیکس لگنے کی وجہ سے بند ہوگئی تھی۔

دستکاریوں میں شاخساری سے بھی کچھ لوگ جُڑے ہوئے ہیں، جو ٹوکریاں کانگڑیاں اور آرائشی چیزیں بناتے ہیں۔موچی اور چمار چمڑے کے بوٹ، چپل وغیرہ

بنا کر بیچتے ہیں جبکہ کچھ میگھ اور بروال لوگ بھی شاخوں سے ٹوکرے اور کیلٹڑیاں تیار کرتے ہیں۔ اُن کو چھابڑی ساز کہا جاتا ہے۔ اِسی طرح سے مٹی کے برتن تیار کرنے اور لوہے اور لکڑی سے جڑے ہوئے کام کرنے کے چھوٹے موٹے دھندے عام ہیں۔ بہت سے لوگ عام قسم کی مزدوری کر کے گزر بسر کرتے ہیں۔ کچھ ہنر مند لوگ ترکھان، مستری، آہنگری اور زرگری کا پیشہ اپنائے ہوئے ہیں۔ کئی لوگوں کا پیشہ دُوکانداری یا ٹھیکیداری ہے۔ ہاں اِن علاقوں میں سرکاری ملازمین کی بھی ایک اچھی خاصی تعداد موجود ہے۔ ۱۹۴۷ء سے پہلے سے ہی یہاں کے تعلیم یافتہ اشخاص ریاست جموں وکشمیر کے بڑے بڑے سرکاری عہدوں پر فائز رہے ہیں، جن میں چیف جسٹس، ڈائریکٹر ایجوکیشن، چیف انجینئرز، پرنسپل ڈگری کالجز، ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹس کشمیر اور جموں یونیورسٹیز، رجسٹرار جموں وکشمیر یونیورسٹی، چیئرمین اور ممبر پبلک سروس کمیشن، پروفیسرز، ڈسٹرکٹ اور سیشن جج، جج ہائی کورٹس، کمیشنرز، ڈپٹی کمیشنرز، ڈی آئی جی پولیس، ڈی ای اوز اور سی ای اوز، ایس پی، ڈائریکٹر ہیلتھ، ایگریکلچر اور ہارٹی کلچر کے ناظم اور نائب ناظم، جوائنٹ ڈائریکٹرز، بینک منیجرز، ڈپٹی ڈائریکٹر تعلیم، ڈپٹی ڈائریکٹر ہیلتھ، سی ایم اوز، ایگزیکٹیو سائنٹسٹس، رینج آفیسرز، بلاک اور تحصیل زونل ایجوکیشن آفیسر، ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس، فارسٹ کنزرویٹرز اور ڈی ایف اوز، پرنسپل ہائر سیکنڈری سکولز، پروفیسرز، ہیڈ ماسٹرز، اکاؤنٹ آفیسرز اور کئی دیگر ملازمین شامل ہیں۔ مرد افسروں کے ساتھ ساتھ خواتین بھی بڑے بڑے سرکاری عہدوں پر فائز رہتی آئی ہیں۔ اگر چہ کچھ خواتین آئی۔اے۔ایس اور کے۔اے۔ایس کے عہدوں پر بھی فائز رہی ہیں۔ تاہم وہ زیادہ تر محکمہ تعلیم، صحت عامہ اور دیگر شعبوں میں کام کرنے کو ترجیح دیتی ہیں۔ گھریلو دھندوں میں بھی اُن کا کافی سے زیادہ حصّہ رہا ہے۔ یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ آج تک یہاں سوائے چند ایک پیشہ ور بھکاریوں کے کوئی بھی مقامی بھکاری نظر نہیں آیا بلکہ لوگ باہر سے آئے ہوئے چندہ جمع کرنے والے سفیروں کو کچھ نہ کچھ دے کر خالی ہاتھ نہیں

لوٹاتے۔ کچھ علاقوں میں ''کھلاڑہ'' سسٹم ابھی بھی رائج ہے۔ لوگ کمہاروں، لوہاروں، چھابڑی سازوں وغیرہ سے ہاتھ کی بنی ہوئی چیزیں سال بھر حاصل کرتے ہیں اور اُن چیزوں کے عوض فصل کٹائی کے بعد مقررہ مقدار میں اُنہیں مکی، دھان، دالیں اور دیگر اناج دیتے ہیں۔ اِس طرح کے لین دین کو کھلاڑہ سسٹم کہا جاتا ہے۔ یہ دراصل قدیم زمانہ کے ''بارٹر'' طرزِ لین دین کی ہی ایک قسم ہے۔ علاقہ اٹھکھار، چنتہ، علاقہ مرمت، دراب، چراہلہ اور بھلیس کے کچھ علاقوں میں یہ سسٹم ابھی تک موجود ہے۔

مارچ اور اپریل کے مہینوں میں لوگ جنگلوں سے گچھیاں اور بنفشہ جمع کر کے مقرر شدہ ٹھیکیداروں کو فروخت کرتے ہیں۔ یہ سلسلہ اب ایک اچھے کاروبار کی شکل اِختیار کر رہا ہے۔ ابریشم کے کیڑے اور شہد کی مکھیاں پالنے کے دھندے بھی ہر علاقے میں کافی عرصہ سے مروّج ہیں۔ اِن مصنوعات سے بھی لوگوں کی آمدنی میں اِضافہ ہوتا ہے۔ گوجر طبقہ کے لوگ دُودھ، گھی بیچ کر اچھی کمائی کرتے ہیں جبکہ بکروال یا مقامی گدی اور چرواہے بھیڑ بکریاں فروخت کر کے گزر بسر کرتے ہیں۔

یہاں پر کئی نوجوانوں نے لکڑی کا فرنیچر بنانے کے یونٹ قائم کیے ہیں، جن کو متعلقہ محکمہ سبسِڈی دیتا ہے۔ اِسی طرح کئی صنعتی یونٹ، ٹین اور سٹیل کے ٹرنک، الماریاں، بالٹیاں، سوٹ کیس اور بخاریاں وغیرہ بنانے کے لئے قائم کیے گئے ہیں۔ حکومت ہر قسم کی صنعتیں وغیرہ شروع کرنے کے لئے کم شرح سود پر قرضے بھی فراہم کرتی ہے۔

مذاہب، فرقے اور ذاتیں:

غیر منقسم ضلع ڈوڈہ میں بالعموم اور قدیم مملکتِ بھدرواہ میں بالخصوص مختلف مذاہب اور فرقوں کے لوگ آ آ کر آباد ہوتے رہے ہیں۔ پہلے پہل تو ہندو مت سے جُڑے ہوئے مختلف فرقے یہاں آئے اور بعد میں وادیٔ کشمیر میں رُونما ہونے والی مذہبی تبدیلیوں کا اثر اِس ضلع کے قرب وجوار پر پڑتا رہا۔ یہاں تک کہ کشتواڑ، ڈوڈہ اور

بھدرواہ کے علاقوں میں مسلمانوں کی بڑی تعداد مختلف اوقات میں آباد ہوتی رہی۔ اِس وقت مذہبی لحاظ سے دو بڑے مذہبوں کے لوگ اِس قدیم مملکت میں آباد ہیں' یعنی ہندو اور مسلمان۔ اِن کے علاوہ کچھ سکھ بھی آباد ہیں۔ آٹو روتھ فیلڈ جو "دِ ہپن اینڈ رائفل" کے معروف مُصنّف ہیں' کے لکھنے کے مطابق —— "وسطی اور شمالی ہند میں جوں جوں اِنقلاب آتے گئے' وہاں کے جنگجو قبیلے امن و شانتی کی تلاش میں اِن پہاڑوں میں وارد ہوتے گئے۔ آٹھویں دسویں صدی عیسوی تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ گو کشمیر سے سیاستِ وقت کے شکار' جاگیر داریت کے مظلوم اور قحط سالی کے فاقہ کش مجبور اُنیسویں صدی تک کشتواڑ کی پناہ گاہ میں سُکھ کا سانس لینے کے لئے آتے رہے۔ جو لوگ باہر سے آئے وہ زیادہ تر راجپوت اور ٹھاکر تھے۔ اُن کے بعد ہریجنوں کی تعداد ہے اور سب سے کم براہمن فرقہ ہے —— کھش ہمالیہ کے دامن اور اس کی وادیوں میں آباد تھے۔ یہ لوگ زراعت پیشہ تھے۔ آج بھی بلاک سرتھل ڈوڈہ میں کڈگراں کے متصل ایک موہڑہ کا نام کھسال ہے اور جو لوگ وہاں آباد ہیں' وہ اپنے آپ کو راجپوت کہتے ہیں۔ وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ پہاڑی علاقوں میں رہنے والے کھش لوگ راجپوت اور ٹھکر سلسلوں سے منسوب ہو گئے ——" غالباً مذکورہ بالا فرقوں کی آمد سے پہلے وادئ کشمیر سے ناگ لوگ یہاں آئے۔ مقامی لوک گیتوں سے بھی پتہ چلتا ہے کہ "واسکی" اور "شیو جی" کشمیر سے ہی یہاں آئے[1] شیومت اور ناگا پوجا کے کچھ عناصر یہاں کی کچھ رسومات مذہبی عقائد وغیرہ میں موجود ہیں۔ یہاں کے قدیم باشندوں کو جو کہ راجپوت تھے' ٹھاکور یا ٹھاکر بھی کہا جاتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ گوڑ بنگال سے اس پہاڑی ضلع کی طرف گوڑ براہمنوں' بروالوں اور راجپوتوں کی ایک بڑی تعداد آ کر بس گئی۔ راجپوتوں کے کچھ اور فرقے بھی یہاں پر آ کر بستے رہے۔ اُن میں سے کچھ راجپوت قبیلے "ناگ کل" شاخ سے بھی تعلق رکھتے تھے۔ قدیم

---

[1] "ہسٹری آف ہمالین اسٹیٹس"' پریتم کرشن کول' ص:۱۲۸' ترجمہ: بشیر بھدرواہی

باشندوں کو رانا بھی کہا جاتا تھا' جو وادئ بھدرواہ کے علاوہ علاقہ دراب (موجودہ تحصیل ٹھاٹھری) اور علاقہ مرمت (موجودہ تحصیل ڈوڈہ) تک پھیلے ہوئے تھے۔ مسٹر نیک چند کوتوال کے مطابق یہاں پر راجپوتوں کے حسب ذیل طبقے نمایاں طور پر آباد ہیں:

(ا) ناگ کل راجپوت

(۱) دیدن بیدان (ودھیادھر ناگ۔ نسل)

(۲) سدھن اور ناگن براہمن (سدھ اور ناگ نسل)

(۳) گودان اور گھورن (گروڑ نسل)

(ب) اگنی کل راجپوت

(۱) پرمار

(۲) پریہار

(۳) گواہن

(۴) چلوکیا (چاڑک)

ازاں بعد آباد ہوئے راجپوتوں میں بلوریا' جموال اور سمبھیال راجپوت شامل ہیں' جن کا تعلق سورج ونشی اور چندر ونشی خاندانوں سے بتایا جاتا ہے۔ تاہم مذکورہ طبقوں کا تعلق بنیادی طور پر ''برہما'' سے ہے گو کہ ہندومت کو کام کے لحاظ سے چار حصوں (ورنوں) براہمن' کھشتری' ویش اور شودر میں تقسیم کیا گیا۔ ظاہر ہے کہ اِس تقسیم کا اثر مملکتِ بھدرواہ پر بھی پڑا اور یہاں پر بھی ہندو لوگ راجپوت ہونے کے باوجود چاڑک' منہاس' پرمار' راٹھور' گوہان وغیرہ کہلائے اور اُن ہی میں سے ایک طبقہ ''گدی'' کہلایا' جو بھیڑ بکریاں پال کر گزراوقات کرتا تھا۔ یہاں کے قدیم باشندوں میں بروال' لوہار' کوہلی' گدی' ڈوم' میگھ' بٹوال' چنال' چمار' بھگت' رام داسیہ' مہاشا وغیرہ شامل ہیں۔ اُن کے علاوہ براہمن' رانا' ٹھاکر' وزیر' شان' کاٹل' کوتوال' شرما' جوگی' کٹوچ' جب' چوہان' گلیان' ٹھکر لوہار' ٹھکر کمہار' ٹھکر گدی وغیرہ ذاتیں بھی ہندو اقوام

میں شامل ہیں۔ کشمیری پنڈتوں میں کول، رازدان، ٹھسو اور مٹو وغیرہ ذاتیں پائی جاتی ہیں۔ نچلے درجوں کی ذاتوں کو پیشوں کی نسبت سے اچھوت کہا جانے لگا۔ اِسی وجہ سے یہ ذاتیں تعلیمی اور اِقتصادی لحاظ سے بہت پسماندہ ہیں جبکہ کوتوال، راٹھور، راجپوت ٹھاکر، منہاس اور شرما جیسے اُونچے طبقوں سے تعلق رکھنے والے لوگ شاہی خاندان سے نسبت یا قربت کی وجہ سے ہر لحاظ سے آگے رہتے آئے ہیں۔ جاگیردارانہ نظامِ حکومت میں یہ لوگ ہر محاذ پر سبقت لیتے رہے۔ اُن کو بڑی بڑی جاگیریں اور زمینوں کے چک عطاء کئے گئے تھے۔ دُوسری طرف سے نچلے درجہ کے لوگ مزدوروں کی طرح رہتے ہوئے اُن زمینداروں کے تحت کاشتکاری کا کام کرتے رہے۔[1]

یہاں پر وادیٔ کشمیر سے کشمیری مسلمانوں اور پنڈتوں کی آمد کا سلسلہ بہت سی وجوہات کی بناء پر عمل میں آیا۔ حکومتوں کی طرف سے ڈھائے گئے ظلم وستم، قحط سالی، طوفان اور دیگر آفاتِ سماوی کے علاوہ اِشاعتِ اسلام کے لئے تبلیغی جماعتوں کی آمد بھی اِن چند وجوہات میں سے ایک وجہ بتائی جاتی ہے۔ پندرھویں صدی کے آخری نصف حصے میں راجہ ناگ پال دوم کے ساتھ بھی کچھ مسلم گھرانے یہاں کر آباد ہوئے۔[2] کچھ کشمیری پنڈت گھرانے وقتاً فوقتاً تعلیم اور تدریس کے لئے یہاں آئے جو راج گُرو کہلاتے تھے۔ بہت سے تجارت پیشہ لوگ بھی جموں کے علاقوں سے یہاں آ کر آباد ہوئے جن میں گپتا، مہتہ، کپور، ملہوترہ وغیرہ قابلِ ذکر ہیں، جو ڈوگرہ نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔

بھدرواہ میں مسلمانوں کی بھی کئی ذاتیں ہیں گو کہ اُن کا تعلق سنّی فرقہ سے ہے۔ یہاں کوئی بھی شیعہ آباد نہیں ہے۔ البتہ ساٹھ سال پہلے یہاں کے کچھ خاندانوں نے مرزائیت اِختیار کر کے اِس کے قادیانی اور لاہوری فرقوں سے اپنا تعلق جوڑا۔ مسلمانوں

---

[1] اِستفادہ ''کلچرل ہسٹری آف ڈوڈہ'' از نیک چند کوتوال

[2] تفصیل کے لئے باب ''مسلمانوں کی ضلع ڈوڈہ میں آمد'' ملاحظہ فرمایئے۔

کی حسب ذیل ذاتیں ہیں جو وہ وادیٔ کشمیر سے ہی اپنے ساتھ لائے ہیں:

سیّد، قاضی، خان، وانی، گنائی، شالی، خطیب، گونی، ریشی، گگڑو، راتھر، بچو، میر آخون، حجام، متو، نائی، کھلڑو، ہاپت، قصائی، ملک، داند، کوکا، باغوان، منشی، ٹاک، دیو، پڑے صابری، آہنگر، نجار، منگنو، شیخ، بنجارے، مراسی، مہتہ، بیگ، سروال، بٹ، زرگر، مغل، واتل، فراش، سرنائی، شاخساز، لون، بانڈے، لوچی، نانوائی، صوفی، قریشی، سہہ، دھوبی، شاہ، شاپو، شیشہ، ٹھول، شورگڑو، شال، ٹھاکور (اب ٹھوکر)، موچی، بیگ، بابا، بخاری، سہروردی، کیلو، ٹھگ، کچلو، تانترے، مولوی، لکٹر و وغیرہ۔

کچھ مسلمان یہاں بسلسلہ کاروبار بھی آئے جن میں بہت سے بیوپاری یا کاروباری لوگوں کے علاوہ متعدد کاشتکار اور ہنر مند گھرانے اور مبلّغِ دین شامل تھے۔

بھدرواہ کے قبیلے:

گوجر بکروال:

یہ راجواڑہ شاہی زمانۂ قدیم سے ہی گوجر، بکروال اور گدی جیسے خانہ بدوش قبیلوں کی پناہ گاہ بھی رہا ہے اور اُن میں سے کچھ کی مستقل رہائش گاہ بھی۔ اوّل تو یہ لوگ مکمل طور پر ہر سال گرمیوں کے دوران پنجاب اور ریاست کے گرم علاقوں سے یہاں آتے تھے اور پھر سردیاں شروع ہوتے ہی واپس اپنے سرمائی ٹھکانوں کی طرف چلے جاتے تھے۔ لیکن اب گدیوں کی آبادی کا بیشتر حصّہ بھدرواہ کے آس پاس واقع پہاڑیوں میں بس گیا ہے اور اُن کی آبادی کا تھوڑا حصّہ بھیڑ بکریاں لے کر سال میں دو بار نقل مکانی کرتا رہتا ہے۔

مسلم مذہبی فرقے میں دو اور اہم فرقے گوجر اور بکروال بھی شامل ہیں، جو اپنے قدیم رہن سہن، پوشاک، سماجی رسوم اور زبان کے علاوہ کام کاج کے الگ طور

طریقوں کی وجہ سے اپنی ایک منفرد شناخت رکھتے ہیں۔ یہ لوگ ضلع ڈوڈہ کے بہت سے پہاڑی مقامات پر پائے جاتے ہیں۔ اِن کی مجموعی آبادی ۲۳ فی صد بتائی گئی ہے وہ زیادہ تر تحصیل بھلیس، گندو، تحصیل ٹھاٹھری اور بونجواہ کے علاقہ جات میں رہائش پذیر ہیں۔ کچھ گوجر گھرانے حال ہی میں بھدرواہ کے نشیبی علاقوں میں بھی آباد ہوئے ہیں۔ موسم گرما میں بہت سے خانہ بدوش گوجر اور بکروال اپنا مال مویشی لے کر بھدرواہ کی جن چراگاہوں میں آتے ہیں، اُن میں جائی، پدری، بھال پدری، سرتھل، سیوج، جنطرون، گرڈنڈی، ریوشرو، کنٹھی، پھکلانی، باچھ دھار جیسی معروف چراگاہیں اور سرسبز وشاداب مرگیں شامل ہیں۔ ماہ اکتوبر میں وہ اپنے سرمائی ٹھکانوں کی طرف رُخ کرتے ہیں۔ آنے جانے کا یہ سلسلہ صدیوں سے جاری ہے۔ گوجر آریائی قوم سے تعلق رکھتے ہیں، جو عام طور پر مسلمان ہیں۔ بکروال لوگ بھدرواہ میں سے گزر کر علاقہ پاڈر، مڑوہ اور وادیٔ کشمیر کی مختلف چراگاہوں کی طرف چلے جاتے ہیں اور وہ بھی سردیاں شروع ہوتے ہی واپس چلے آتے ہیں۔ گوجر اور بکروال لوگوں کی کئی ذاتیں بتائی جاتی ہیں، جن میں ''اوان، ہیوال، بجران، بوکن، بھروال، برگٹ، بوملا، بانہاں، بھیٹیا، بجڑ، بڈانہ، بھلیسر، چوہان، چاڑ، ڈینڈہ، دیدھڑ، دکھڑ، ڈوئی، گورسی، ہکلہ، جُنگلی، جاگل، جندھڑ، کھٹانہ، کسانہ، کالُس، کاندل، کوہلی، کھاڑی، کالوخیل، کٹاریہ، کنگل، لادھی، لودھا، مہاسی، مہلو، پوسوال، پھالڑہ، پوڑ، تاس، تیدوا، ٹھیکرا، چیچی، کھلا، بٹانہ، گیگی وغیرہ ذاتیں شامل ہیں۔[1]

وادیٔ بھدرواہ کے مضافاتی جنگلوں کی چراگاہوں میں قیام کے دوران گوجر لوگ یہاں کے مقامی بازار میں گھی، دُودھ، مکھن، پنیر اور لسّی سے بنے ہوئے کڑان وافر مقدار میں مہیا کرتے ہیں۔ مقامی ضروریات کو پورا کرنے کے بعد یہاں کے بیوپاری گھی کو جموں برآمد کرتے ہیں۔ پہلے اوقات میں علاقہ بھلیس اور دیگر مقامات کے

---

[1] اِستفادہ ''گوجر ٹوڈے'' ۱۹۹۵ء-۱۹۹۸ء گوجر ہوسٹل ڈوڈہ انگریزی میگزین، ص: ۹

گوجر اور مقامی لوگ اپنا گھی کافی مقدار میں بھدرواہ کی منڈی میں لاتے رہتے تھے لیکن ٹھاٹھری کلہوتران روڈ کے کھلنے اور بدلے ہوئے حالات کی وجہ سے اب بھلیس کی اشیائے خوردنی وغیرہ یعنی گھی، راجماش، شہد، میوے وغیرہ سیدھے جموں کی منڈیوں میں بھیج دی جاتی ہیں۔ تاہم نزدیکی دھاروں پر رہنے والے گوجر اپنا گھی یہاں پر ہی بیچ دیتے ہیں جو مقامی ضرورت کا کچھ حصّہ پورا کرتا ہے۔ بکروال لوگ وادئ بھدرواہ میں سے گزرتے ہوئے (اور واپس آتے ہوئے) اپنے مال کا کچھ حصّہ یہاں کے قصابوں کو بیچ دیتے ہیں جس سے گوشت کی مقامی ضرورت کسی حد تک پوری کی جاتی ہے۔

گوجر لوگ موسم گرما میں دھاروں پر مٹی اور لکڑی سے تعمیر کئے گئے کوٹھوں میں رہائش کرتے ہیں۔ سردیوں کے دوران برفباری سے یہ کوٹھے ڈھک جاتے ہیں اور اُنہیں کافی نقصان بھی پہنچتا ہے۔ واپس آنے پر گوجر اُن کی دوبارہ مرمت کر کے قابلِ رہائش بنا لیتے ہیں۔ جائی، جنطر ون، پھکلانی، سیوج، گرڈنڈی وغیرہ سے گوجر خواتین ہی روزانہ دُودھ وغیرہ لے کر بازار آتی ہیں اور یہاں سے سودا سلف خرید کر واپس جاتی ہیں۔ مرد لوگ مال مویشی پالتے ہیں۔ اِن دھاروں پر گوجروں کا اوڑھنا بچھونا گھاس ہی ہوتی ہے اور اُن کی متاعِ عزیز میں بھینس، گائے اور گھوڑے شامل ہوتے ہیں۔ کتّے ہی اُس مال مویشی کی حفاظت میں مصروف رہتے ہیں۔ بکروالوں کے ریوڑوں کے ساتھ زبردست قسم کے خونخوار کُتّے بھی ہوتے ہیں اور بہت سے گھوڑوں کا جھنڈ بھی، جن کو بار برداری اور سواری کے اِستعمال میں لایا جاتا ہے۔

اِس مملکت کے علاقہ بھلیس میں بہت سے گوجر گھر آباد ہیں۔ بلاک بھلیس میں کٹاہ، منوہڈل، بھٹولی، کلٹھو، ملت، چلی، سوارہ، بگڑاہ، ڈولونالی، کتالا، امرئی، چامیل، بمو، باٹھری، کاہرہ، جھوڑی، دھرکنڈ، پیاکل، دھریوٹھ، بگڈیر، کنسو، بنجیڑاہ، سیٹرو، گوا، جگاسر، گوالو، گنگل، کھوڑ، چانٹی، جلو، کوٹ، بھنگرو، کنڈولو، گندو، شورن، تینسہ، ڈھڈ کاہی،

کنوڑی، شلئی، بھڑگی، کوٹہ کھڑنگل، درائی، کانسر، لڈو، کلرو، گل، کنعان، ٹھاٹھری، بنجواہ، کِتھر، کنسو، بڈھ دھار، سرونگا، بیاوالی، کیواڑ، پھنیڈوا، پوشالہ، بلگراں، سوار، دھار سو، چموتی، مندھر، ٹکری، چتلا سری، ہلارن، بھاگراں، بھدرواہ بلاک میں شریکھی، پرانوں، ناسکا اور عسر بلاک میں بگھر وغیرہ میں اُن کی اچھی خاصی بستیاں موجود ہیں۔

گوجر اور بکروال قومیں عام طور پر غریب، پسماندہ اور ناخواندہ ہیں۔ مقامی گوجر، جن کی کثیر آبادی علاقہ بھلیس میں واقع ہے، مال مویشی پالنے کے علاوہ کھیتی باڑی بھی کرتے ہیں اور بہت سے نوجوان ملازم پیشہ بھی ہیں۔ ڈاکٹر جاوید راہی نے اِس قوم کو اِقتصادی لحاظ سے پانچ درجوں میں تقسیم کیا ہے:

(۱) مزدور، (۲) زراعت پیشہ، (۳) سرکاری ملازم، (۴) تجارت پیشہ لوگ، (۵) دُودھ اور دُودھ کی دیگر مصنوعات سے تعلق رکھنے والے (ب) گوشت، اُون کا دھندا کرنے والے (ج) دیگر تجارتی مشاغل کے ساتھ جُڑے ہوئے (د) فنکار پیشہ۔ اِن میں سے ۶۰ فیصدی لوگوں کا ذریعہ معاش محنت مزدوری سے جُڑے ہوئے کام ہیں۔ یہ نان ٹیکنیکی اور غیر تربیت یافتہ لوگ ہیں۔ زراعت سے جڑے ہوئے نشتے از خروارے لوگ ہیں۔[1] مال مویشی کو یہ لوگ پرانے طور طریقوں سے ہی پالتے ہیں۔ اِن کا ہر پیشے میں اِستحصال کیا جاتا ہے۔ اِن کی نوے فیصد آبادی بہت پسماندہ ہے، تاہم حکومت اِن کی تعلیم وتربیت کی طرف خاص دھیان دے رہی ہے۔ مال مویشیوں کے لئے جگہ جگہ علاج معالجے کے مراکز کھولے گئے ہیں۔ توسیعی پروگراموں میں اِن کو صحت وصفائی، تعلیم اور دیگر باتوں کی تربیت دی جاتی ہے۔ پھر بھی اِن کی فلاح و بہبود کے لئے بہت کچھ کرنا باقی ہے۔

اِن کی شرح خواندگی بہت ہی کم ہے۔ اِس لئے اِن کو تعلیم کی طرف راغب کیا جارہا ہے۔ سکولوں میں اِن کے سب بچوں کے لئے وظائف، وردیوں اور مفت

---

[1] ڈاکٹر جاوید راہی کے ''کشمیر ٹائمز'' کی اشاعت ۲۷ میں چھپے ایک مضمون سے اِستفادہ۔

کتابوں کا بندوبست کیا جاتا ہے۔ پہلے پہل وہ بچوں کو سکولوں میں داخل کروانے سے احتراز کرتے تھے لیکن اب ان میں بچوں کو پڑھانے کا شوق پیدا ہو گیا ہے۔ بہت سے نوجوان یونیورسٹیوں اور کالجوں میں داخلہ لے رہے ہیں۔ ملازمتوں اور تربیت گاہوں میں اِس قوم کے لئے بھی سیٹیں مخصوص کی گئی ہیں۔ سماجی سطح پر بھی اِن میں کچھ تبدیلیاں رُونما ہوئی ہیں۔ تاہم ان کی خواتین ہمیشہ کام کے بوجھ کے تلے دبی رہتی ہیں۔ کوٹھوں اور کچے مکانوں میں رہائش کرنے اور ان کے دھوئیں اور گندگی کی وجہ سے خواتین طرح طرح کی بیماریوں کی شکار ہو جاتی ہیں۔ ابھی بھی لڑکیوں کی شادی ان کے بچپن میں ہی رچائی جاتی ہے۔ لڑکے اور لڑکی کی عمر میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ کچھ علاقوں میں لڑکے والوں کی طرف سے بھاری رقمیں وصول کر کے رِشتہ طے ہوتا ہے۔[1] لڑکیوں کی تعلیم کا تناسب نہ ہونے کے برابر ہے۔ حفظانِ صحت کے اصولوں سے گوجر نابلد ہیں۔ کثیر العیالی اُن کی صحت کو متاثر کرتی ہے۔ عورتیں اپنے خاوند کا حکم مانتی ہیں اور اُس کی عزت کا خیال رکھتی ہیں، تاہم خاوند اپنی بیویوں کی اِتنی پرواہ نہیں کرتے۔ خواتین تعویز گنڈوں اور دیگر ضعیف الاعتقادیوں میں یقین رکھتی ہیں اور اِس میں مرد بھی کچھ پیچھے نہیں۔ طلاق لینے دینے کا بہت کم رواج ہے۔ کبھی کبھی عمروں میں تفاوت بھی جوڑے کے مابین کشیدگی کا باعث بنتی ہے اور طلاق ہو جاتا ہے۔ یہی حال بکروال لوگوں کی زِندگی کا بھی ہے۔ گوجروں کے مقابلہ میں اِنہیں بہت دُور دراز علاقوں کی لمبی اور پریشان کن مسافت طے کرنا پڑتی ہے لیکن اِن کی اِقتصادی حالت اچھی ہے۔ تعلیمی لحاظ سے وہ سب سے پسماندہ قوم ہے۔

عورتیں گانے کی شوقین ہونے کے باوجود مردوں کے سامنے گنگنانے سے احتراز کرتی ہیں، البتہ دُودھ کی گاگریں لے کر دورانِ سفر یا گھاس کٹائی کے وقت اچھے

---

[1] گوجر و بکروال قبیلے کی شادی بیاہ کے بارے میں حصہ: ب کے ''رسم ورواج'' والے باب میں تفصیل دی گئی ہے۔

گوجری لوک گیت گانے سے اپنے من کی بھڑاس نکال لیتی ہیں۔ اِن خواتین کی زندگی راستوں کی خاک چھانتے ہوئے گزر جاتی ہے۔ اِن کی دُنیا میں آرام نام کی کوئی چیز نہیں۔ خانہ بدوش عورتوں کی نسبت مقامی گوجروں کی خواتین پر کم ذمہ داریاں ہیں اور اُنہیں اپنے گھروں کا آرام نصیب ہوتا ہے۔ مرد لوگوں کی زِندگی قدرے آرام سے گزرتی ہے۔ وہ دھاروں پر چوکڑیاں مار کر تمباکو نوشی یا خوش گپیوں میں مصروف رہتے ہیں۔ خواتین پر حکم چلانا اور دھونس جمانا ان کا شعار ہے۔ وہ کُشتی لڑنے اور گانا گانے کے بھی شوقین ہوتے ہیں۔

زیورات:

گوجر خواتین عموماً کانچ اور چاندی کے گجرے، لونگ، سہیڑ ی، بالیاں، ہار اور کنگن پہنتی ہیں۔ وہ انگوٹھیاں پہننے کی بھی شوقین ہوتی ہیں۔ گوجر خواتین کا بال سنوارنے کا ایک نرالا طریقہ ہوتا ہے۔ بجائے دو چوٹیاں کرنے کے وہ بالوں میں متعدد گرہ دار لٹیں بنا کر پیچھے کی طرف گوندھ دیتی ہیں۔ اِس میں کافی وقت لگتا ہے۔ چھوٹی چھوٹی چوٹیاں یا لٹیں بُننے والی کوئی دُوسری عورت ہوتی ہے۔ اُن کا رہن سہن بالکل سادہ ہوتا ہے۔ اُن کا رتبہ بھی اپنے سماج میں اِتنا اچھا نہیں۔

لباس:

شادی بیاہ میں گوجر عورتیں اور مرد نئے کپڑے پہنتے ہیں۔ عورتیں عموماً گوٹے یا کناری دار کُرتے پہنتی ہیں، جن کے رنگ بڑے جاذب نظر ہوتے ہیں۔ کُرتے کے ساتھ تنگ چوڑی دار پاجامہ بہت اچھا لگتا ہے۔ وہ رنگ دار چادر سے اپنا سر ہمیشہ ڈھانپے رکھتی ہیں۔ وہ آنکھوں میں سرمہ لگانے کی شوقین ہوتی ہے۔ مرد بھی گوٹے دار کرتے اور تہہ بند پہنتے ہیں۔ سر پر سفید پگڑی پہننے کے شوقین ہوتے ہیں۔ اُن کی

واسکٹ میں بھی رنگ دار پٹیاں لگی ہوتی ہیں جن پر عمدہ قسم کی سوزن کاری بھی کی جاتی ہے۔ مرد اپنے بچپن سے ہی لمبی داڑھی رکھنے کے عادی ہوتے ہیں۔ بزرگ لوگ اس میں خضاب کا اِستعمال بھی کرتے ہیں۔ ظاہراً اُن میں کسی قسم کا عیب نہیں ہوتا۔ وہ سماجی برائیوں سے کوسوں دُور رہتے ہیں۔ شادی اور بیاہ کے سلسلہ میں اُنہیں مکمل اِختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ وہ اِس بارے میں عورتوں یا بچوں سے کوئی صلح مشورہ نہیں کرتے۔ شادی نہایت ہی سادہ طریقے سے انجام دی جاتی ہے۔ دُولہا دُولہن کے لئے رواج کے مطابق ایک ایک جوڑے کپڑوں کے تیار کروائے جاتے ہیں۔

یہی حال بکروال خواتین کا بھی ہے، البتہ اُن کے مرد بھیڑ بکریوں کے ساتھ خود رہتے ہیں اور خواتین چلتے پھرتے ڈیروں کے ساتھ رہتی ہیں۔ مال مویشی کی حفاظت کے لئے کُتے عموماً ریوڑ کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ بکروال خواتین چراگاہوں یا گھاس سے بھری وادیوں میں پہنچ کر کپڑے کے خیموں میں بچوں کی پرورش اور روٹی وغیرہ پکانے کا کام کرتی ہیں۔ مکئی کی روٹی اور چائے بکروالوں کی عام خوراک ہے۔ مالی لحاظ سے بکروال اچھے ہوتے ہیں۔ کیونکہ اُن کے ریوڑوں میں ہزاروں کی تعداد میں بھیڑ بکریاں ہوتی ہیں۔ اِسے ''زِندہ دولت'' سے منسوب کیا گیا ہے۔ تاہم ان میں سماجی سطح پر بڑی تبدیلیوں کی ضرورت ہے۔ حکومت کی طرف سے بکروالوں کی فلاح بہبود کے لئے بھی بہت سی کار آمد تعلیمی، سماجی، اِقتصادی اور طبی سہولیات اور سکیمیں چالو کی گئی ہیں جن میں گشتی سکولوں پشو پالن کے سنٹروں اور صحت عامہ کے مراکز کے قیام کے علاوہ ان کے بچوں کے لئے تعلیمی وظائف مفت کتابیں اور کپڑے جیسی سہولیات کی فراہمی شامل ہیں۔ ان کی اِقتصادی حالت دُرست کرنے کے لئے مالی امداد بھی دی جاتی ہے۔ ہر ضلع میں گوجر بکروال ہوسٹل قائم کئے گئے ہیں، جہاں ہر سال متعدد بچے تعلیمی زیور آراستہ ہوتے ہیں۔ ڈوڈہ کے ہوسٹل میں ان بچوں کی مفت تعلیم کے علاوہ مفت رہائشی سہولیات اور کھانے پینے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اِس میں گوجر بکروال

طبقات سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو تعلیم کی اہمیت' ان کی قومی اور تہذیبی شناخت اور سماجی ذمہ داریوں وغیرہ کے بارے میں پوری جانکاری دی جاتی ہے۔ اِن کے بچے اِس ہوسٹل میں دینی تعلیم سے بھی مستفید ہورہے ہیں۔اس کے علاوہ حکومت کی طرف سے ان کی رہائشی سہولیات وغیرہ کے لئے بھی سکیمیں بنائی گئی ہیں۔ان طبقات کی بہبود کی خاطر کچھ غیر سرکاری تنظیمیں بھی کام کررہی ہیں۔کچھ ادبی ادارے اور ٹرسٹ گوجر بکروال لوگوں کے کلچر' ادب اور دیگر مسائل کی طرف مناسب اِقدامات کررہے ہیں۔

اِن طبقات میں اب کافی بیداری آرہی ہے۔وہ اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے جموں' کشمیر' علی گڑھ اور دیگر مقامات پر واقع یونیورسٹیوں میں بھیج دیتے ہیں۔علاقہ بھلیس وغیرہ کے مدرسین میں بہت سے اشخاص گریجویٹ' پوسٹ گریجویٹ اور بی ایڈ' ایم ایڈ کی ڈگریاں حاصل کرچکے ہیں۔باقی محکموں میں بھی بہت سے ملازم اِس طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔یہ قبیلے اب سیاسی طور پر بیدار ہورہے ہیں اور اپنے ووٹ کی قدر جانتے ہیں۔

گدی قبیلہ:

فریڈرک ڈریو کے لکھنے کے مطابق ''اِس خطّے کے جنوب مشرقی کنارے پر جہاں یہ چمبہ کے ساتھ ملتا ہے' ایک نسل آباد ہے۔جسے گدی کہتے ہیں اور جو کبھی چمبہ کے پہاڑوں سے آئے ہوئے لگتے ہیں۔وہ ہندو ہیں اور دُوسرے لوگوں کی طرح اُن کی بھی کئی ذاتیں ہیں لیکن وہ ذات پات کا زیادہ خیال نہیں کرتے۔اُن کے پاس بھیڑوں اور بکریوں کے بڑے بڑے ریوڑ ہیں۔وہ موسم کے مطابق اپنے مال مویشی کے ساتھ مختلف بالائی علاقوں میں ہجرت کرتے ہیں۔جب اُونچی چراگاہوں میں برف کا خطرہ بڑھ جاتا ہے تو وہ نیچے اُتر آتے ہیں۔وہ موسم سرما میں بیرونی پہاڑوں

اور میدانوں کے دہانوں تک چلے جاتے ہیں۔''[1]

گدی لوگ یہاں کے کچھ علاقوں میں رہائش پذیر ہیں جیسے چچھوڑہ، ڈھمندا، شریکھی اور بھلیس میں علاقہ جطرؤن وغیرہ۔ اِن علاقوں کے بہت سے ٹھکر اور راجپوت لوگ بھی بھیڑ بکریوں کے بڑے بڑے ریوڑوں کے ساتھ سردیوں میں گرم مقامات اور گرمیوں میں بھلیس کی دھاروں یا علاقہ پاڈر کی اُونچی چراگاہوں کی طرف جاتے رہتے ہیں۔ اُون اور گوشت کے کاروبار سے ان کی مالی حالت اچھی ہے۔

خوراک:

گدی کھانے پینے کے زیادہ شوقین نہیں ہیں اور سادہ خوراک پسند کرتے ہیں۔ یہ موسم کے مطابق خوراک کا اِستعمال کرتے ہیں۔ نقل مکانی کرنے کے دوران اِن کی خوراک دیسی گھی، دُودھ اور مکئی کے ستو پر مشتمل ہوتی ہے۔ جبکہ اپنے ٹھکانوں پر پہنچ کر عام طور پر چاول، گندم اور مکئی کی روٹی کے ساتھ دال، سبزیوں اور کبھی کبھار گوشت کا اِستعمال کرتے ہیں۔

شادی بیاہ کی تقاریب میں چاول، دال، سبزی کے علاوہ ایک آئٹم گوشت کی بھی شامل ہوتی ہے۔ ان کی بارات میں زیادہ لوگ شامل نہیں ہوتے۔ دولہا عام طور پر گھوڑے پر سوار کیا جاتا ہے اور دولہن کو پالکی میں ڈال کر کہاروں کے ذریعہ سسرال پہنچایا جاتا ہے۔ جن علاقوں میں موٹر روڈ تعمیر ہوئی ہیں وہاں دولہے اور دولہن اور باراتیوں کو بس وغیرہ سے لایا لے جایا جاتا ہے۔ لڑکی کو اچھے سے دو چار شلوار قمیص کے جوڑے، کچھ برتن، بستر وغیرہ جہیز کے طور پر ساتھ دیئے جاتے ہیں۔ دولہن کے لئے سونے چاندی کے زیورات بھی تیار کئے جاتے ہیں۔ میکے والے اور سسرال والے مناسب موقعوں پر اِسے پہناتے ہیں۔ بہت سے گدی اب لڑکی کو صوفے، پلنگ، سوٹ

---

[1] فریڈرک ڈریو

کیس، ٹی وی وغیرہ بھی جہیز میں دیتے ہیں۔ دولہے کو بھی اچھے سے کپڑوں سے نوازا جاتا ہے۔لڑکی کے رِشتہ دار خصوصاً خواتین اِس کو نقد طور پر بھی کچھ پیسے ادا کرتی ہیں۔ دولہن کو لوک گیتوں کی گونج میں الوداع کیا جاتا ہے۔ دولہے کا اِستقبال بھی شایانِ شان طریقے سے کیا جاتا ہے۔ دولہا و دولہن کے گھر پہنچنے پر ایک اچھی دعوت کا اہتمام کیا جاتا ہے جس میں سارے قریبی رِشتہ دار اور احباب شامل ہوتے ہیں۔

گدیوں کا لباس:

گدیوں کے لباس میں سفید یا بھورے رنگ کے پٹو کے لمبے لمبے چوغے، پٹو کے پاجامے، اُونی کنٹوپ، اُونی کمر بند اور اُونی جرابیں وغیرہ شامل ہیں۔ وہ سفید پگڑیوں کے بھی شوقین ہیں۔ مختلف پڑاؤں پر خیمہ زن ہو کر زِندگی گذارتے ہیں۔ فریڈرک ڈریو نے گدیوں کے چوغے کو ''ماڈرن گون'' سے متشابہ کیا ہے۔ گھروں میں خواتین عام طور پر شلوار قمیص یا پاجامہ کُرتا پہنتی ہیں۔ ان میں کمر بند کا بھی رواج ہے۔

بھدرواہ کے لوگوں کا لباس:

بھدرواہ کے راجواڑہ شاہی کے تمام علاقوں یعنی بھلیس، مرمت (کھسال) چرالہ، چنتہ، اٹھکھار، مٹھولہ اور کیلاڑ وغیرہ میں لوگ خصوصی طور پر اُونی پٹو کے سفید یا بھورے رنگ کے چوغے، کن ٹوپ، کمر بند اور کم دَروالے پٹو سے بنے ہوئے ''پاتو'' اور اُونی جراب پہنتے تھے۔ اِس لباس کی جھلکیں کسی حد تک فی زمانہ کٹڈ کے میلے اور کچھ دیگر تہواروں کے دوران نظر آتی ہیں۔ اچھے پٹو سے بنا ہوا کوٹ تو بڑے بڑے آفیسر بھی ایک دہائی پہلے تک پہننا فخر سمجھتے تھے۔ برف باری کے دِنوں میں لوگ دیسی جوتوں کے علاوہ گھاس سے بنی ہوئی پولہیں (کھلے قسم کے جوتے) پہنتے تھے۔ پولہوں سے پھسلنے کا خطرہ نہیں رہتا تھا۔ خواتین چدر کے نیچے ''زوجی'' پہنتی تھیں اور اس کے

اُوپر مسلمان عورتیں کساب بھی پہنتی تھیں اور سردیوں کے دِنوں میں پھیرن بھی۔
سردیوں میں پھیرن کے نیچے کانگڑی رکھ کر جسم کو گرم رکھا جاتا تھا۔ مرد بھی پھیرن پہنتے
تھے اور سر پر بڑے بڑے صافے بھی باندھتے تھے۔ لڑکیاں شلوار قمیص اور تنگ چوڑی
دار پاجامہ پہنتیں تھیں۔ لڑکے اُونی کوٹ، اُونی سوئیٹر اور تمبی پاجامہ پہنتے تھے۔ لڑکوں کو
سکول آتے وقت صافہ (پگڑی) پہننا لازمی ہوتا تھا۔ اُستاد کے سامنے ننگے سر جانا
بے ادبی کے مترادف تھا۔ کچھ لڑکے کنٹوپ اور ٹوپی پہن کر آتے تھے لیکن ۱۹۴۷ء کے
بعد پرانے رواج یک سر بدل گئے۔ مسلمانوں اور کشمیری پنڈتوں کے لباس میں بظاہر
کوئی فرق نہیں ہوتا تھا۔ لباس کی یہ اقسام وادی کشمیر سے ہی ساتھ لائی گئی تھیں، جو کچھ
عرصہ پہلے تک مروّج تھیں۔ قصبہ بھدرواہ کے لوگ بھی چوڑی دار پاجامہ (سرد ہو یا
گرم) پگڑی اور گرم کُرتے یا پھیرن اور پٹو کے کوٹ پہنتے تھے۔ دراصل چوڑی دار
پاجامہ اور پگڑی پہننے سے یہاں کے مقامی یا مہاجر لوگوں پر ڈوگرہ تہذیب کے نمایاں
اثر کا پتہ چل جاتا تھا اور باقی ملبوسات میں وادی کشمیر کا۔ اُن دِنوں پینٹ کوٹ صرف
تعلیم یافتہ لوگ ہی پہنتے تھے۔ اُونی یا سوتی واسکٹ پہننے کا رواج پہلے سے ہی تھا، جو آج
بھی قائم ہے۔ آزادی کے بعد پوشاک میں نئے فیشنوں کا عمل داخل بتدریج شروع
ہوا۔ خواتین نئے فیشنوں کے بنے ہوئے کپڑوں کی متمنی رہتی ہیں۔ کچھ لڑکیاں
شلوار قمیص اور چادریں پہنتی ہیں۔ مسلم گھرانوں کی کچھ لڑکیاں اور خواتین بُرقعہ بھی
اِستعمال کرتی ہیں اور کشمیری لڑکیوں کی طرح روزن کاری سے مزین پھیرن نما قمیص
بھی اِستعمال کرتی ہیں۔ تقریباً نئی پود اور ملازم لوگ پینٹ کوٹ، قمیص پاجاموں کے
علاوہ قیمتی جیکٹوں کا اِستعمال کرتے ہیں۔ ٹائی باندھنا بھی تہذیب کا ایک حصہ بن
ہے۔ تاہم پہاڑی علاقوں میں ابھی بھی گرم پٹو کے ہی کپڑے پہنے جاتے ہ
گدی اور گڈریے بھی اپنے عام لباس کے علاوہ جیکٹ
ہیں۔ کشمیری پھیرن کا اِستعمال کشمیری پنڈتوں میں ا

ساڑھیاں پہنتی ہیں۔ نوجوان مغربی لباس کے ہی دِلدادہ ہیں، ہندو اقوام میں ڈوگرہ طرز کے لباس کا بھی رواج ہے۔ تاہم لڑکیاں مغربی لباس کی طرف مائل ہوتی جارہی ہیں۔ لباس میں آئے دِن تبدیلی آتی رہتی ہے۔ ملکی سطح پر فیشن کا اثر بلا واسطہ طور پر ہمارے قصبوں اور دیہاتوں میں پڑ رہا ہے اور پرانے لباس غائب ہو رہے ہیں۔ بزازی اور کاسمیٹک کی دُوکانوں پر خواتین اور لڑکیوں کی بھیڑ نظر آتی ہے۔ درزیوں کی دُوکانیں اب فیشن کدے بن گئے ہیں۔ خواتین کے لئے بیوٹی پارلر بھی دِکھائی دینے لگے ہیں۔ نوجوان لڑکیاں کہیں کہیں کشمیری لڑکیوں کی طرح ہی نقرئی یا طلائی رنگ کی سوزن کاری یا کشیدہ کاری سے مزّین لمبی قمیص اور شال اِستعمال کرتی ہیں۔ یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ یہاں کے کلچر اور ثقافت میں لباس کے لحاظ سے عریانیت اور بے راہ روی جیسی مغربی بِدعات کے لئے کوئی گنجائش ابھی تک دِکھائی نہیں دی ہیں۔

زیورات کا چلن:

قدیم اوقات میں خواتین میں چندایک چاندی سے بنے ہوئے زیورات اِستعمال کرنے کا رواج تھا۔ مفصلات میں کانچ کی چوڑیاں، گجرے وغیرہ اور چاندی کی انگوٹھی، کانٹے، نتھ اور گھنگرو والی پازیب پہنے جاتے تھے لیکن ۱۹۴۷ء کے بعد زیورات کی اقسام میں بھی تبدیلی آتی گئی اور اب قصبوں کی خواتین سونے کی چوڑیاں، کڑے، ہار، جگنی، بالیاں، انگوٹھیاں، کانٹے، ٹکے، نتھ وغیرہ پہنتی ہیں۔ سونے کے مکمل سیٹ خریدنے کا چلن بھی اب عام ہوگیا ہے۔ لڑکی کو شادی پر کئی کئی سیٹ دیئے جاتے ہیں، جن میں سونے کے علاوہ ڈائمنڈ کے سیٹ بھی ہوتے ہیں۔ مرد بھی انگوٹھیاں پہنتے ہیں۔ سسرال والے بھی اب دُولہے کو سونے کے ہار اور انگوٹھیاں وغیرہ پہنانے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ لڑکی اپنے کنگھے، رومال، آئینہ، عطردانی اور دیگر آرائشی سامان مقابہ میں ڈال کر ساتھ لے جاتی ہیں۔ چاندی کا رواج اب دیہاتوں تک ہی محدود ہوگیا ہے۔

غریب طبقات کی خواتین انگوٹھی، بالیوں اور نتھ کا اِستعمال کرتی ہیں۔ متوسط اور متمول گھرانے کی خواتین سونے اور چاندی دونوں قسم کے زیور اِستعمال کرتی ہیں۔ امیر لوگ دہلی اور جموں کے بڑے بڑے صرافوں سے زیورات خریدتے ہیں جبکہ غریب طبقہ کے لوگ یہاں مقامی زرگروں سے ہی زیورات خریدتے ہیں، جن میں دُوسری دھاتوں کی ملاوٹ کو خارج از امکان نہیں کیا جا سکتا۔

16.9.17

***

باب دوم: رسم ورواج

راجواڑہ بھدرواہ کے رسم ورواج

راجواڑہ بھدرواہ کے مسلمان اور کشمیری پنڈت وادیٔ کشمیر سے وقتاً فوقتاً ہجرت کرتے وقت بہت سے رسم ورواج اپنے ساتھ لاتے رہے ہیں اور یہاں کے مختلف علاقوں میں بسنے والے ہندوؤں نے بھی ہندوستان کے مختلف علاقوں اور ہمالیائی ریاستوں سے بہت سی ایسی رسوم اپنے ساتھ لائی ہیں، جو اُن کے موجودہ تہذیب وتمدّن کا حصّہ بن گئی ہیں۔ اُن میں شادی بیاہ، پیدائش اور اموات سے متعلق رسومات اور رواج شامل ہیں۔

شادی کی تقریبات:

بھدرواہ میں شادی بیاہ کی رسومات اور رواج وادیٔ کشمیر ہی کی طرح مسلمانوں اور کشمیری پنڈتوں کے ہاں مروّج ہیں۔ یہاں کے مسلمان وادی کے مسلمانوں کی طرح ہی شادی کے مختلف مراحل پر وہاں جیسی ہی رسومات پر عمل پیرا ہوتے ہیں اور دُوسری طرف کشمیری پنڈت بھی وادی ہی کے کشمیری پنڈتوں کی طرح شادی کی مختلف تقریبات مناتے ہیں۔ شادی کی بہت سی رسمیں اور رواج ایک دُوسرے کی رسوم ورواج سے ملتے جلتے ہیں، جو کشمیر کی ثقافتی اور تہذیبی ہم آہنگی کی دلیل ہیں اور ''کشمیریت'' کا ایک جزو لاینفک ہیں۔

ہندو تہذیب پر ہمالیائی ریاستوں اور ڈوگرہ علاقوں کی چھاپ نمایاں ہے۔
کاروباری طبقہ میں زیادہ تر ڈوگرہ لوگ شامل ہیں۔ اِس لئے یہاں کے قصبہ میں شادی بیاہ اور اموات و پیدائش کے رسم و رواج بہت حد تک ڈوگرہ علاقوں کی رسومات سے مشابہ ہیں۔ البتہ دیہاتوں میں قدیم پہاڑی تہذیب و تمدّن کی جھلکیں نمایاں ہیں، جو صدیوں سے چلی آ رہی ہیں۔

اِس راجواڑے میں کچھ سال پہلے تک شادی و بیاہ کی رسوم بالکل سادہ طور پر انجام دی جاتی تھیں لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اور لوگوں کی مالی حالت سدھر جانے کے بعد اِن رسومات میں کافی تبدیلی رُونما ہوئی ہے۔ خلوص اور اپنائیت کی جگہ لالچ اور نمائش نے لی ہے، جبکہ سادگی اور کفایت کی جگہ چالاکی اور فضول خرچی کی بدعات عام ہوگئی ہیں۔ شادیوں میں بے جا اور غیر ضروری قسم کے مصارف پر کوئی روک نہیں لگتی۔ ایک وقت تھا جب مسلمانوں کے ہاں شادی سے پہلے کسی خاص بزرگ یا رِشتہ دار کے ذریعے لڑکے لڑکی کو رشتہ ازدواج میں لانے کے لئے بات طے کی جاتی تھی یا زیادہ سے زیادہ رِشتہ داری سے باہر کوئی شخص باہمی رضامندی سے رِشتہ طے کروا دیتا تھا جسے کشمیری میں ''منزم یور'' یعنی ''بیچ والا آدمی'' کہا جاتا تھا۔ اِس کے بعد شادی کے تمام مراحل بڑی سادگی سے طے ہوتے تھے۔ لڑکے والوں کی طرف سے ''نشانی'' کی رسم پر بھی دو چار عورتیں، لڑکی والوں کے ہاں جا کر ہونے والی بہو کو کوئی زیور پہنا کر آتی تھیں۔ لڑکے والے شادی کی مقرر کردہ تاریخ پر (جو لڑکی والوں کی طرف سے تحریری طور پر لڑکے والوں کو ''لگن چیز'' کی صورت میں چند دن پہلے ہی بھیجی جاتی تھی) چند باراتیوں کے ساتھ دُولہے کو گھوڑے پر سوار کر کے سسرال کی طرف بھیج دیتے تھے۔ شادی کی شروعات قرآنی خوانی کی مجلس کے اہتمام کے بعد ہی ہوتی تھیں۔ یہ رسم اب بھی باقی ہے۔ بارات کے ساتھ ''سرنائی نواز'' لوگ سرنائیوں پر بڑی خوبصورت اور دِلکش دُھنیں نکالتے ہوئے اور ''نگاڑوں'' پر مناسب ضربیں لگاتے

ہوئے روانہ ہو جاتے اور اِس سے پہلے یعنی گھر سے نکلتے وقت خواتین ''ونہ وُن''
گاتے ہوئے بارات کو رُخصت کرتی تھیں۔ سسرال پہنچنے پر بارات کا خصوصی اِستقبال
بھی ''ونہ وُن'' کے سریلے اشعار سے کیا جاتا تھا۔ اِس کے بعد نکاح خوانی کی رسم
مقامی طور پر مروج ''مہر'' کی رقم طے کرنے کے بعد اِختتام پذیر ہوتی تھی۔ بعد ازاں
بارات کی ایک دو قسم کے گوشت اور دُودھ میں تیار کی گئی سبزی پر مبنی دعوت سے تواضع کی
جاتی تھی اور ''ونہ وُن'' گیتوں کی گونج میں دُولہا دُولہن کو رُخصت کیا جاتا تھا۔ بارات
عموماً رات کے کھانے پر مدعو کی جاتی تھی۔ اِس میں سے کچھ باراتی دُلہن کے ہاں ہی
رات بسر کرتے تھے اور دُوسرے دِن دُولہے دُولہن کو گھر تک بخیر پہنچا کر واپس اپنے
گھروں کو چلے جاتے تھے۔ دُولہن کو عموماً پالکی میں بٹھا کر سسرال پہنچایا جاتا جبکہ دُولہے
کو گھوڑی پر سوار کیا جاتا تھا۔ اُس دِن دوپہر یا رات کو ''ولیمہ'' کی تقریب بڑی سادگی
سے منائی جاتی تھی۔ جس میں ایک سادہ سی دعوت پر رِشتہ دار اور ہمسایہ لوگ شامل
ہوتے تھے۔ دُولہے والے دُولہن کے لئے چند ایک زیورات اور دو چار سوٹ تیار
کرتے تھے۔ جبکہ دُولہن کے میکے والے چند ایک برتن' کچھ زیورات اور سادہ سا بستر
اُس کے ساتھ دے دیتے تھے۔ دیہاتوں میں کاتنے کے لئے چرخہ' ایک دو اُونی کمبل
اور ایک سادہ سی گھاس سے بنی ہوئی چارپائی بھی دے دیتے تھے۔ شادی کی رسومات
میں تیل مہندی' مہندی رات' بال سنوارنے کی تقریب سے پہلے مسالہ تیار کرنا' چاول
صاف کرنا' لکڑی یعنی بالَن تیار کرنا وغیرہ چھوٹی موٹی رسومات انجام پذیر ہوتی تھیں۔
پھر دُولہن کو نہلا دُھلا کر شادی کا جوڑا پہنایا جاتا تھا۔ پھر اِسپند وغیرہ جلا کر اُس کو نظرِ بد
سے محفوظ کرنے کی رسم پوری کی جاتی تھی۔ یہ رسمیں اب بھی اِسی طرح سے پوری کی
جاتی ہیں۔ البتہ اُن کی انجام دہی کے دوران اب بڑی فضول خرچی کی جاتی ہے۔ طرفین
آج کے دور میں نشانی اور کڑمائی یا منگنی جیسی رسموں کے دوران بھی باراتیوں کے ہی
جیسے بڑے بڑے دستے ایک دُوسرے کے ہاں لاتے لے جاتے ہیں۔ شادی پر تو

باراتیوں کی تعداد کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ یہ جلوس ایک سو سے دوسو افراد تک مشتمل ہوتا ہے۔ خواہ لڑکی والے کے ہاں اُنہیں کھانا کھلانے یا رکھنے کے لئے جگہ ہو یا نہ ہو، یا اُن کو اِتنا خرچہ برداشت کرنے کی توفیق ہو یا نہ ہو۔ اُن میں خودنمائی کا عنصر غالب رہتا ہے۔ لڑکی والوں پر پہلے سے ہی اعصابی دباؤ چھایا رہتا ہے اور والدین کو قدم قدم پر بڑا محتاط رہنا پڑتا ہے کہ کہیں اُن کی بچی پر سسرال میں کوئی آنچ نہ آئے۔ نشانی اور کڑمائی اور شادی کے دن اُن کو بہت سے قسموں کے لذیذ کھانے تیار کرنے پڑتے ہیں۔ گوشت کی ذیل میں روغن جوش، یخنی، کباب، رستے، طبخ ماز، بریانی اور گوشتابہ کا عام رواج ہوگیا ہے۔ میٹھے رنگ دار چاول دعوت کی آخری آئٹم ہوتی ہے۔ البتہ دیہاتوں میں ابھی بھی پرانی سادگی باقی ہے لیکن گوشت کی تین چار قسمیں دعوت میں ضرور شامل کی جاتی ہیں۔ گوشت کے علاوہ راجماش، دہی، مرغ مسلّم یا فرائی کیا ہوا گوشت اور مچھلی وغیرہ بھی اب اِس دعوت کا حصّہ بن گئی ہیں۔ اِس کے علاوہ پنیر کا اِستعمال بھی عام ہے۔

کشمیری پنڈتوں کی شادیوں میں عام طور پر اب نان وجیٹیرین کھانے پروسے جاتے ہیں۔ گوشت کا اِستعمال بہت کم ہوتا ہے۔ البتہ پلاؤ کی کچھ قسمیں اور دَم آلو کے علاوہ میٹھے چاول اور بہت سی سبزیوں کا رواج آج بھی عام ہے۔ اِس قسم کی ''ویشنو'' دعوت پر بھی بڑی خرچ داری ہوتی ہے۔

شادی کے مختلف مراحل پر گانے بجانے کی محفلوں کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ عورتیں اور مرد علیحدہ علیحدہ ناچتے گاتے ہیں۔ ''مہندی رات'' کی تقریب پر مسلمان گھرانوں میں خاص قسم کی باقرخانی اور چائے کا بندوبست کیا جاتا ہے۔ ہندو لوگ شادی بیاہ کے دوران مٹھائیاں، پکوڑے، سموسے اور قسم قسم کے پکوان تیار کرواتے ہیں۔ لڑکی والوں کو دعوت کے لئے بہت سے قسموں کے کھانے تیار کرنا پڑتے ہیں، جیسے پلاؤ، مختلف قسم کی سبزیاں، سبزی کے بنے کوفتے، دم آلو، پنیر، دالیں، چاول

اور پوڑیاں وغیرہ۔ آخر پر بارات کو کافی یا آئس کریم بھی پیش کی جاتی ہے۔ عام طور پر حلوائی کئی کئی دِن تک مٹھائیاں اور دیگر قسم کی تلی ہوئی چیزیں تیار کرتے ہیں جو آنے جانے والوں اور باراتیوں میں تقسیم کی جاتی ہیں۔ اب تو دعوتی کارڈوں کے ساتھ بھی مٹھائی کے ڈبے تقسیم کئے جاتے ہیں۔ قصبوں میں باراتی عام طور پر کاروں یا دیگر ذرائع سے آتے جاتے ہیں۔ یہ رواج اب ہر فرقے میں عام ہو گیا ہے۔ گھوڑے پر دُولہا سوار کرنے کا رواج دیہاتی علاقوں میں ابھی باقی ہے۔ ''سہرا بندی'' کی رسم بارات کے روانہ ہونے سے پہلے انجام دی جاتی ہے۔ اگلے وقتوں میں قصبوں میں ''سہرا'' پڑھنے کی رسم بڑی دُھوم سے منائی جاتی تھی۔ اب وہ ایک روایتی داستان بن گئی ہے۔ باراتیوں کی تعداد میں آئے دِن اضافہ ہوتا جا رہا ہے' جو غریب اور درمیانی طبقہ کے لوگوں کے لئے زبردست تشویش کا باعث ہے۔ ہندو دُولہے کی بارات کے ساتھ بینڈ باجے کا خاص اہتمام ہوتا ہے' جو بارات کی واپسی تک ساتھ رہتے ہیں۔ جہیز کی بدعت بھی لڑکی والوں کے لئے غم و پریشانی کا سبب بنتی جا رہی ہے۔ اُنہیں لڑکی کے لئے قسم قسم کے سونے اور چاندی کے علاوہ ڈائمنڈ کے زیورات' قیمتی بسترے' پلنگ' ٹی وی' فرج' فرنیچر اور بہت قیمتی اور اعلیٰ قسم کے پارچات خریدنے پڑتے ہیں۔ اِس کے علاوہ برتن' ٹرنک' الماریاں' صوفے' کرسیاں' میز اور دیگر آرائشی سامان لڑکی کو ساتھ دینا پڑتا ہے۔ زیورات میں رانی ہار' گلے کا ہار' ٹکہ' نتھ' انگوٹھیاں' کڑے' کانٹے' چوڑیاں' لونگ' چھلّے اور پازیب شامل ہوتے ہیں' جو حسب مقدور دیئے جاتے ہیں۔ سسرال والے دُولہن کو زیادہ تر ہار' انگوٹھیاں اور چوڑیاں وغیرہ دیتے ہیں۔ بہت سے والدین عزت بچانے کے لئے مقروض ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ مسلمان لوگوں میں جہیز کا مطالبہ نہیں کیا جاتا پھر بھی اُنہیں خدشہ رہتا ہے کہ لڑکی کو سسرال کی طرف سے کسی قسم کے طعنہ کی گنجائش باقی نہ رہے اور وہ اپنے میکے سے بڑی خوشی اور اِطمینان سے رُخصت ہو جائے۔ باقی فرقوں میں بھی جہیز کی بدعت آئے دِن بڑھ رہی ہے۔ یہاں تک کہ

مذکورہ چیزوں کے علاوہ بچی کو ایک عدد کار بھی ساتھ دینا پڑتی ہے اور کئی قسم کی مانگیں بھی بعد میں پوری کرنی پڑتی ہیں۔ دیہاتیوں میں رہنے والے مُتمول گھرانے بھی اِس بدعت کے شکار ہو رہے ہیں لیکن عام طور پر شادی کی رسومات بڑی سادگی اور پُر وقار طور پر منائی جاتی ہے۔

غیر منقسم ضلع ڈوڈہ سے جموں یا سرینگر جا کر بسے ہوئے لوگوں کو (باراتی) جنج گھروں کے حصول کے لئے بڑی تگ ودو کرنا پڑتی ہے اور اِن کی بکنگ پر ہی پچاس پچاس ہزار کی رقوم خرچ کرنا پڑتی ہیں اور دعوتی مینو پر لاکھوں روپے خرچ آتے ہیں۔ دعوت کا بندوبست وازوں کے ذریعے کیا جاتا ہے جسے ''وازوان'' کہتے ہیں۔ تاہم بھدرواہ کے مختلف علاقوں میں وازہ لوگ مقامی طور پر کھانا اور دعوت تیار کرتے ہیں۔ وہ اِس کے لئے کوئی اُجرت طلب نہیں کرتے۔ اُن میں زیادہ تر ہمسایہ یا رِشتہ دار لوگ ہی ہوتے ہیں۔ دعوت کا اہتمام عام طور پر اپنے گھر میں ہی یا کسی ہمسایہ کے گھر میں ہوتا ہے۔ جنج گھروں کا ابھی یہاں رواج نہیں ہے۔ لوگ مختلف فرقوں کی شادی بیاہ میں شریک ہوتے ہیں۔ یعنی ہندو شادی میں مسلمان اور مسلم شادی میں ہندو لوگ شریک ہوتے ہیں۔ چھوت چھات والی بات اب ایک داستان بن گئی ہے۔ صفائی اور دُوسرے فرقے کے جذبات اور ضروریات کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ دیہاتوں میں بھی شادی بیاہ کے مواقع پر لوگوں کی یکجہتی اور آپسی بھائی چارے کی جھلکیں نمایاں طور پر نظر آتی ہیں، جو صدیوں سے چلی آ رہی ہیں۔ بارات کے اِستقبال کے لئے سبھی فرقوں کے لوگ شریک ہوتے ہیں اور مہمانوں کی خاطر تواضع میں بھی سب لوگ ہاتھ بٹاتے ہیں۔

''مسند نشینی'' کی شادی بیاہ میں بڑی اہمیّت ہے۔ دُولہا کے سسرال روانہ ہونے سے پہلے اُس کی ''مسند نشینی'' کی جاتی ہے۔ نہانے دھونے اور کپڑے پہنانے کے بعد اُسے ایک ہال یا کمرے میں اُونچے مسند پر بٹھایا جاتا ہے۔ اعزاء و اقرباء،

دوست واحباب اور خواتین میں سے کچھ اُسے نوٹوں اور خشک میوے سے بنی مالائیں پہناتی ہیں اور کچھ اُس کے سامنے رکھے ہوئے اناج سے بھرے ہوئے تھال میں پیسے ڈالتے ہیں۔ اِس امدادی رقم کو عام طور پر ''تمبول'' کہا جاتا ہے۔ دُولہے کا کوئی دوست یا بھائی ایک کاپی پر تمبول کا حساب لکھتا ہے۔ سسرال پہنچ کر بھی دُولہے کو دُولہن کے رِشتہ دار وغیرہ انگوٹھیاں یا ہار پہناتے ہیں' لیکن زیادہ تر رِشتہ دار حسبِ استعداد نقدی رقوم ہی دیتے ہیں۔ دولہن کے سسرال پہنچ جانے پر خواتین اِنفرادی طور پر اُسے حسبِ مقدور پیسے دیتی ہیں۔ دُولہن کی ساس اُسے نئے زیورات پہناتی ہے' جو اُن زیورات سے الگ ہوتے ہیں جو دُولہا نکاح کے وقت نئے پارچات اور میوے وغیرہ کے ساتھ اُسے دیتا ہے۔ نئے گھر میں دی جانے والی رقم وغیرہ کو کشمیری میں ''گلی میوٹھ'' کہا جاتا ہے۔ آج کل دُولہے کے والدین ولیمہ کی دعوت پر بھی بہت سی اقسام کے لذیذ کھانوں اور گوشت کی کئی قسموں کا اِہتمام کرتے ہیں جس پر کافی خرچ کرنا پڑتا ہے۔ تاہم اِس قسم کی نمائشی دعوت قصبوں تک ہی محدود ہے۔ دیہات میں ابھی پرانی جیسی سادگی بڑی حد تک برقرار ہے۔

گوجر لوگ عام طور پر لڑکی کا رِشتہ بڑی چھوٹی عمر میں طے کر لیتے ہیں اور پھر لڑکی کے بالغ ہونے پر اُس کی رُخصتی عمل میں آتی ہے۔ اُن کے ہاں کچھ عرصہ سے پہلے کچھ بُری رسومات بھی تھیں' جو اب ختم ہو چکی ہیں۔ البتہ کچھ گوجر قبیلے ابھی تک اپنی ہی ذات والوں میں لڑکی کا رِشتہ نہیں کرتے لیکن عام طور پر باقی قبیلے اپنی رِشتہ داری میں ایسا کر لیتے ہیں۔ بڑی سادگی سے نشانی کی رسم پوری کی جاتی ہے اور لڑکی کو کچھ زیور پہنا کر ڈھول دھماکے کے ساتھ رِشتے کا اعلان کیا جاتا ہے۔ اِس کے بعد ایک تاریخ وار پروگرام کے تحت شادی سے متعلق روائتی مراحل طے ہو جاتے ہیں' جیسے بالن جمع کرنا' کپڑوں کی کٹائی' دولہے یا دولہن کو تیل ملنے کی رات' مہندی رات' دولہے کو تیار کرنا' رسمِ سلام یعنی دولہے کو رقم پیش کرنا' جنج یا بارات کی روانگی' بارات کا اِستقبال'

دُولہن کو تیار کرنا، نکاح خوانی، ڈولی، سسرال میں اِستقبال وغیرہ۔

پیدائش:

بچے کی پیدائش پر اور اُس کی پیدائش سے پہلے کئی رسم ورواج یہاں کی مختلف قوموں اور فرقوں میں جنم پا چکے ہیں، جو بالعموم مذہبی عقائد سے جڑے ہوئے ہیں یا پھر مختلف سماجی اِکائیوں یا علاقوں کی پیداوار ہیں۔ پھر بھی بہت سی رسومات ہندوؤں، مسلمانوں اور کشمیری پنڈتوں میں مشترک ہیں۔ کشمیری پنڈتوں کے ہاں حاملہ عورت کے دردِ زہ کے دوران گھاس کا بستر تیار کیا جاتا ہے، جسے ''ہُڑ'' کہا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی مٹی کی ایک ہانڈی رکھی جاتی ہے جسے ''ہُڑ لبج'' کہا جاتا ہے۔ بچہ جننے والی کو ''لوس'' کہا جاتا ہے۔ کچھ عرصہ پہلے تک بھدرواہ جاگیر میں مسلمان گھرانوں میں بھی اِس جیسی ہی رسومات کا اہتمام ہوتا تھا۔ زچہ کے لئے رِشتہ دار عورتیں خشک میوے جیسے بادام، سونگی، گری اور کھجور کے علاوہ دیسی گھی تحفتاً لایا کرتی تھیں۔ اِن چیزوں کو پیس یا کوٹ کر دیسی گھی میں ڈالا جاتا تھا اور اِسے پکا کر زچہ کو تیسرے دِن کھلایا جاتا تھا جِسے ''کاڑھا'' کہتے ہیں۔ کشمیری پنڈتوں میں اِسے ''پنجیری'' کہا کرتے ہیں۔ کاڑھا زچہ کے علاوہ ہمسایوں میں بھی تقسیم کیا جاتا رہا ہے اور یہ رسوم ابھی بھی موجود ہیں۔ ''ہُڑ لبج'' میں ''زچہ'' کا بچا ہوا کھانا وغیرہ ڈالا جاتا ہے۔

بچے کی پیدائش کے نویں دِن زچہ اور بچے کو نہلایا جاتا ہے اور اُسے نئی قمیص پہنائی جاتی ہے جسے ''زافرِن'' کہا جاتا ہے۔ یہ رسم مسلمانوں میں بھی عام ہے، البتہ مسلمانوں کے ہاں زچہ اور بچے کو ساتویں دِن ہی نہلایا جاتا ہے۔ بچہ پیدا ہونے کے دِن بھی اُسے اچھی طرح سے نہلا کر صاف اور نرم کُرتا پہنایا جاتا ہے اور اُس کے کان میں بلند آواز میں اذان دی جاتی ہے تا کہ وہ آئندہ صحیح مسلمان کے طور زندگی بسر کرے اور وہ اللہ تعالیٰ کی کبریائی سے آشنا ہو جائے۔ اُس دِن پرانا بستر پھینک کر زچہ اور بچے

کو نئے بستر ے پر رکھا جاتا ہے۔ اُس دن بھی ''کاڑھا'' بنا کر شریکِ محفل خواتین کے علاوہ ہمسایوں اور رِشتہ داروں کے ہاں بھیجا جاتا ہے۔ کشمیری پنڈت چالیسویں روز بچے کا نام بھی رکھتے ہیں، جسے ''شران سوندر'' کہا جاتا ہے۔ اُس دِن زچہ اور بچے کو پھر نہلایا جاتا ہے۔ خاتون اُس دِن کے بعد اپنا روزمرہ کام شروع کر دیتی ہے۔

ڈوگروں کے ہاں بچے کی پیدائش سے جڑی رسومات کچھ مختلف ہیں، جس کی شروعات عورت کے حاملہ ہونے کے آٹھویں ماہ سے ہی ہو جاتی ہیں۔ مسلمانوں کے ہاں ''عقیقہ'' کی سُنت بھی انجام پذیر ہوتی ہے، جو بچے کی پیدائش کے ایک ہفتہ یا اُس کے بعد بڑی خوشی کے ساتھ انجام دی جاتی ہے۔ لڑکے کی پیدائش پر دو بھیڑیں اور لڑکی کی پیدائش پر ایک بھیڑ کو ذِبح کیا جاتا ہے، جس کا گوشت ہمسایوں اور رِشتہ داروں میں پکا کر یا کچا ہی تقسیم کیا جاتا ہے۔ عقیقہ کے روز بچے کا نام بھی رکھا جاتا ہے اور اُس کے بال بھی اُتارے جاتے ہیں۔ بالوں کے وزن کے برابر چاندی خیرات کی جاتی ہے۔ ''مُنڈَن'' یعنی بال اُتروائی کی رسم ہندوؤں اور پنڈتوں میں بڑی دُھوم دھام سے منائی جاتی ہے۔ اِس رسم کو کشمیری میں ''زڑہ کاسنہٕ'' کہا جاتا ہے۔ اُس دِن اچھی دعوت کا اہتمام ہوتا ہے۔ ''نائی'' یا حجام بڑی احتیاط سے بچے کے بال اُتارتا ہے۔ اُسے مناسب اِنعام دے کر فارغ کیا جاتا ہے۔ بالوں کو عام طور پر اخروٹ کے درخت کے نزدیک ہی زمین میں ڈال دیا جاتا ہے۔ ڈوگرہ لوگ مُنڈن کی تقریب اولادِ نرینہ کے لئے مناتے ہیں جس میں اپنے احباب اور رِشتہ داروں وغیرہ کو دعوت دی جاتی ہے۔ یہ رسم پیدائش کے پانچویں سال کے اندر اندر پوری کی جاتی ہے۔

بچے کا ختنہ:

مسلمان لوگ بچے کی پیدائش کے کچھ دِن بعد ہی اُس کا ختنہ کروا ڈالتے ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے تک ختنے کی رات ایک اچھی سی محفل سجائی جاتی تھی۔ رات بھر

گانے بجانے کے بعد صبح کی اذان ہوتے ہی ایک نائی بچے کو ایک ٹوکرے پر رکھ کر اُس کا ختنہ کر ڈالتا تھا۔ اُس ٹوکرے کے نیچے ایک مرغ رکھا جاتا تھا جو وقتِ سحر بانگ دیتا تھا۔ بس اُسی وقت ختنے کی رسم ادا کی جاتی تھی۔ عورتیں ختنے سے متعلق لوک گیت گاتی تھیں اور خوشیاں مناتی تھیں۔ صاحبِ خانہ کو مبارک باد دے کر اپنے گھروں کو چلی جاتی تھیں۔ اب یہ رسم سمٹ کر صرف دیہات تک محدود ہوگئی ہے، جہاں نائی لوگ ہی بچوں کا ختنہ کرتے ہیں۔ شہروں اور قصبوں میں ختنہ اب ہسپتالوں میں ہی کیا جاتا ہے۔ یا تربیت یافتہ کمپاؤنڈر گھروں میں بڑی صفائی ستھرائی سے یہ کام انجام دیتے ہیں۔ بچہ چند دِن میں ٹھیک ہوجاتا ہے اور پہلی طرح اب خون کے فوارے نہیں چھوٹتے اور نہ ہی کسی قسم کی اِنفیکشن کا ہی خطرہ باقی رہ جاتا ہے۔ گوجر قبیلے بھی بچے کی پیدائش پر بڑی خوشی کا اِظہار کرتے ہیں اور نوزائد بچے کے لئے رِشتہ دار اور ہمسایہ لوگ بہت سے تحائف یا کپڑے لاتے ہیں۔ میراثی یا دُوسرے گانے بجانے والے فنکار گھوڑی گیت گاتے ہیں جو بچے کی توصیف سے متعلق ایک روایتی گوجری گیت ہوتا ہے۔ اِسی طرح ختنے کی تقریب بھی بڑی گرم جوشی سے منائی جاتی ہے۔ اِس دوران ایک اچھی دعوت کا اہتمام ہوتا ہے۔

رسمِ جنیئو:

یہ رسم ہندوؤں اور کشمیری پنڈتوں کے گھروں میں انجام دی جاتی ہے۔ بچے کی پیدائش کے ساتویں سال سے تیرھویں سال کے درمیان اُسے متبرک دھاگا پہنانے کی رسم ادا کی جاتی ہے، جسے ''جنیئو'' کہا جاتا ہے۔ اِس میں تین دھاگے ہوتے ہیں۔ پنڈتوں کے عقیدے کے مطابق متبرک دھاگا پہنانے کے دِن بچہ پکا برہمن بن جاتا ہے۔ ڈوگرہ لوگ عام طور پر ''جنیئو'' ڈالنے کی رسم پیدائش کے تیرھویں دِن پوری کرتے ہیں اور دعوت وغیرہ کا اہتمام کرکے ''مُنڈن'' کی رسم بڑے

17.9.17

جوش وخروش سے مناتے ہیں۔ البتہ وہ لڑکی کے پیدائشی بال نہیں اُترواتے۔

اموات سے جڑی رسومات:

ہندو لوگ کسی شخص کے فوت ہونے کا احساس ہوتے ہی ایک صاف ستھری جگہ پر اُس کے لئے گھاس کا ایک بستر ڈال دیتے ہیں۔ مرتے ہوئے شخص کی رُوح کی شانتی اور بغیر تکلیف کے موت ہونے کے لئے کچھ منتر پڑھے جاتے ہیں اور کچھ نقدی اور اناج وغیرہ کی صورت میں غریبوں کی مدد کی جاتی ہے۔ موت واقع ہونے کے بعد مُردے کو اُس بستر پر ڈالا جاتا ہے اور اِس کے ساتھ ہی ایک چراغ جلا دیا جاتا ہے۔ پھر مُردے کو نہلا کر ایک شیٹ میں لپیٹا جاتا ہے اور کچھ رسومات کی ادائیگی کے بعد اُسے کفن میں لپیٹ لیا جاتا ہے۔ اِس کے بعد مردے کو کسی تختے وغیرہ پر رکھ کر شمشان گھاٹ لے جایا جاتا ہے۔ وہاں اُس کا بیٹا اُس کی چِتا کو آگ لگا دیتا ہے اور اس طرح سے اس کی آخری رسوم پوری ہوتی ہیں۔ چند دِنوں کے بعد مردے کی استھیاں جمع کر کے ایک ہانڈی میں ڈال کر کسی دریا میں بہادی جاتی ہیں۔ کچھ لوگ یہ استھیاں ہری دوار لے جا کر گنگا میں ڈال دیتے ہیں۔ لڑکا یا لڑکے وغیرہ اپنے بال کٹوا کر سوگ مناتے ہیں اور دسویں روز نئے کپڑے پہنتے ہیں۔ گیارھویں دن شرادھ کی تقریب ہوتی ہے۔ بیوہ خاتون سال بھر ماتمی حالت میں رہتی ہے اور عموماً سفید کپڑوں میں ملبوس رہتی ہے۔ سال کے بعد ''برکھی'' کی تقریب ہوتی ہے۔

کسی جوگی کی میّت کو بیٹھی ہوئی حالت میں دفن کیا جاتا ہے اور اُس کے گھٹنوں وغیرہ پر نمک کے ڈھلے رکھ دئے جاتے ہیں۔ اِسی طرح چھوٹے بچوں کو بھی دفن کیا جاتا ہے۔

مسلمان لوگوں کے ہاں بھی ایسے مواقع کی رسومات تقریباً ایک جیسی ہوتی ہے۔ اِس بات کا احساس ہوتے ہی کہ کوئی شخص قریب المرگ ہے، رِشتہ دار لوگ' یا کوئی

امام یا مولوی اُس کے سرہانے کے قریب جا کر سورۂ ''یٰسین شریف'' کی تلاوت کرتے ہیں، جس کے سننے سے اُس کی موت آسان ہو جاتی ہے۔ موت واقع ہونے پر مردے کو فرش پر رکھے ہوئے بستر پر ایسے لٹایا جاتا ہے کہ اُس کا منہ قبلہ کی طرف رہے۔ بستر کے گرد خشک مٹی کے کچھ ڈھیلے رکھے جاتے ہیں۔ خواتین اپنا اظہارِ غم رو کر کرتی ہیں جبکہ مرد لواحقین خاموشی سے آنسو بہا لیتے ہیں۔ اِس کے بعد میّت کو نہلایا جاتا ہے اور کفن میں لپیٹ کر ایک تابوت میں ڈال کر جنازہ گاہ کی طرف لے جایا جاتا ہے، جہاں اُس کی نمازِ جنازہ پڑھی جاتی ہے۔ اِس کے بعد قبرستان لے جا کر اُسے دفن کیا جاتا ہے اور فاتحہ خوانی کے بعد لوگ واپس چلے آتے ہیں۔ لواحقین اور مہمان حضرات کے لئے کچھ رِشتہ دار پکایا ہوا کھانا لاتے ہیں یا پھر میّت کے گھر میں ہی کھانا پکا کر انہیں کھلایا جاتا ہے کشمیر کی طرح ہی میّت کے ایصالِ ثواب کے لئے چوتھے روز قرآن خوانی ہوتی ہے۔ اِن چار دِنوں کے دوران نمازِ فجر پر امام صاحب اور دیگر لواحقین ہمسایہ لوگ اور احباب جمع ہو کر قبرستان پہنچ کر میّت کی رُوح کی مغفرت کے لئے ذِکر و اذکار کرتے ہیں اور میّت کے گھر پہنچ کر بھی تھوڑی دیر بیٹھ کر اُس کے حق میں فاتحہ خوانی کرتے ہیں۔ شکروار کو لوگ قبرستان جا کر بعد نمازِ جمعہ فاتحہ خوانی کر کے واپس چلے آتے ہیں۔ چوتھے روز قرآن خوانی کے بعد بڑی دعوت کا اہتمام ہوتا ہے یا چائے، باقر خوانی، حلوہ وغیرہ سے لوگوں کی تواضع ہوتی ہے۔ چالیسویں روز بھی قرآن خوانی کے بعد قرآن خوانوں، اعزاؔ اور اقرباؔ وغیرہ کی اچھے کھانے سے خاطر کی جاتی ہے۔ اِسی طرح ایک سال پورا ہونے پر بھی قرآن خوانی کے بعد میّت کے ایصالِ ثواب کے لئے دعوت کا اہتمام ہوتا ہے۔ مسلمان لوگ میّت کی قبر پر ''سنگِ مزار'' نصب کرتے ہیں جو عام طور پر سخت پتھر یا سنگ مرمر کا بنا ہوا ہوتا ہے۔ اُس پر فوت شدہ شخص کا نام اور تاریخِ وفات وغیرہ کندہ کی ہوئی ہوتی ہے۔ قبرستان میں خاندانوں یا ذاتوں کے لحاظ سے جگہیں مخصوص ہوتی ہیں۔ لواحقین کے ساتھ تعزیت اور ماتم پُرسی کا سلسلہ کئی ماہ تک

17.9.17

جاری رہتا ہے۔

برتن:

بھدرواہ میں ۱۹۴۷ء تک مٹی سے بنے ہوئے برتنوں کا عام اِستعمال ہوتا تھا' جن میں پیالہ (کپ) یا ''کھوس'' رِکابی (پلیٹ) گلاس' ڈُل (گول برتن) ہانڈی' نوّٹ (گاگر) لوٹا' ژونگ (دیا) وغیرہ شامل تھے۔ یہ زیادہ تر مسلم گھروں میں مروّج تھے۔ دیہاتی ہندو لوگ بھی اُن کا استعمال کرتے تھے۔ لیکن مٹی کے برتنوں کا رواج اب ختم ہوگیا ہے۔ لوگ تانبے' پیتل' سٹیل' چینی اور سلور کے برتن استعمال کرتے ہیں۔ تانبے اور پیتل کی دیگیں' گاگر' دیگچے' بالٹیاں' کڑچھیاں اور پلیٹیں عام اِستعمال میں لائی جاتی ہیں۔ خصوصاً شادی کے دِنوں میں مسلمان گھروں میں سماوار' طشت اور پیتل کے لوٹوں کا اِستعمال روزمرہ طور پر کیا جاتا ہے۔ چینی' سٹیل اور سلور کے متعدد قسم کے برتن بھی اب ہر گھر میں رواج پاگئے ہیں۔

لوک عقائد اور توہم پرستی:

یوں تو دُنیا کے ہر کونے میں لوگ مختلف عقائد' اساطیری خیالات' ضعیف الاعتقادی اور توہم پرستی سے جُڑے ہوئے شگونوں پر یقین رکھتے ہیں' تاہم ضلع ڈوڈہ میں بھی ایسے عقائد اور توہم پرستانہ خیالات نے زمانۂ قدم سے ہی لوگوں کے دِلوں میں گھر کر رکھا ہے۔ دراصل یہ عقائد اِبتدائی مراحل میں قدرتی آفات' زمین پر نمودار ہونے والے کچھ حیران کن واقعات دیکھ کر اِنسانی دِل ودماغ میں خوف وہراس پیدا کر دیتے تھے جن کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت اُس میں موجود نہیں تھی۔ مثلاً گرج چمک کے ساتھ بادلوں کا برسنا' طوفان رُونما ہونا' سخت سردی یا شدّت کی گرمی کا سامنا کرنا' بڑے زہریلے سانپوں کو دیکھنا' آگ لگنا' بے ہوشی یا غشی کی کیفیت سے دو

چار ہونا' پہاڑوں کا گرنا' برف کے تودے گرتے وقت اُن سے بھیانک آوازوں کا پیدا ہونا' اجرامِ فلکی کی گردش اور اُن سے پیدا ہونے والی تبدیلیوں اور ایسے ہی دُوسرے حوادث وغیرہ کچھ ایسی باتیں تھیں' جن کے ظہور کا اِنسان کو کوئی علم نہ تھا۔ اس لئے وہ ان حیران کن اور ہنگامہ خیز چیزوں کو کسی جن' بھوت' دیوتا یا غیبی طاقت سے منسوب کرتا رہا۔ یہ عقائد سینہ بہ سینہ قوموں میں مقامی طور پر ایک جگہ سے دُوسری جگہ منتقل ہونے پر ساتھ چلتے رہے۔ ایک وقت آیا کہ وہ ان قدرتی مظاہر کی پوجا پرستش کرنے لگے اور ان طاقتوں کے نام اُن کی افادیت کی نسبت سے رکھتے گئے۔ ہندوستان میں سورج کو سوریہ دیوتا' آگ کے دیوتا کو اگنی دیوتا' ہوا کے دیوتا کو وایو دیوتا' بادل کے دیوتا کو اِندر دیوتا اور سانپ کو ناگ دیوتا وغیرہ کے ناموں سے پکارا جانے لگا۔ کیونکہ یہ دیوتا مختلف طاقتوں کے مالک تصور کئے جاتے تھے اس لئے اُن کی پرستش اور پوجا میں اِس بات کی ضمانت سمجھی گئی کہ وہ ہر آفت اور بیماری سے اُن کا بچاؤ کر سکتے ہیں۔ ہمارے مُلک ہندوستان میں سائنس کی اِس قدر ترقی کے باوجود لوگوں کے اعتقادات اور توہمات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے اور بہت سے لوگ ابھی تک اُن عقائد پر بھروسہ کئے ہوئے ہیں۔

قدیم مملکت بھدرواہ' میں کئی سرحدی اور سیاسی تبدیلیوں کے باوجود بھی ابھی تک بہت سے عقائد اور رسومات مروّج ہیں' جن میں کچھ کا ذِکر کرنا بغیر از دلچسپی نہ ہوگا۔ اُن میں سے کچھ عقائد اور توہمات لوگوں کے مذاہب الگ الگ ہونے کے باوجود مشترک ہیں:

ناگوں کے بارے میں عقائد:

(۱) ناگ یا ناگوں کو (سانپوں کو) خواب میں دیکھنا ایک اچھا شگون تصور کیا جاتا ہے۔

(۲) اگر کسی مندر میں ناگ ظاہر ہو تو اُسے بھی اچھا شگون مانا جاتا ہے۔

(۳) ہندو لوگوں کا عقیدہ ہے کہ ناگ کسی وقت بھی بھیس بدل کر کسی شخص کی مدد کے لئے ظاہر ہو سکتے ہیں۔

(۴) اگر کسی سے گناہ کا اِرتکاب ہو تو سانپ اُسے ڈس لیتا ہے۔

(۵) دفن کئے ہوئے خزانے پر ناگ شہ مار بن کر آری لگا لیتا ہے اور اُس پر پہرہ دیتا ہے۔ اُسے نکالنا اپنی موت کو دعوت دینے کے مترادِف ہے۔

شادی بیاہ سے متعلق عقائد:

(۱) شادی کے لئے اچھی ساعت، دن یا تاریخ کا نکالنا ضروری خیال کیا جاتا ہے۔

(۲) ایک اچھی ازدواجی زِندگی کے حامل مرد یا خاتون کے ہاتھوں دُولہا اور دُولہن کو سنوارا جاتا ہے اور کسی بیوہ، بانجھ یا مُطلقہ سے یہ کام کروانے سے احتراز کیا جاتا ہے۔

(۳) گھر کی لپائی، صفائی کروانے یا کپڑے سلوانے کے لئے کوئی اچھی ''تاریخ'' یا اچھے ''وار'' کو طے کیا جاتا ہے۔

(۴) شادی کے بعد ہی کسی کپڑے کا جلنا بُرا شگون تصور ہوتا ہے۔

(۵) اگر شادی کی رسم کے بعد دُولہے یا دُولہن کے کپڑے کو چوہے کاٹ لیں تو اُسے اولادِ نرینہ کے تولّد ہونے کا نیک شگون مانا جاتا ہے۔

(۶) دُولہن کے گھر پہنچنے پر بکرا یا بھیڑ ذبح کرنا اور اُس کا گوشت بانٹنا گھر کے سکون کی ضمانت تصور کیا جاتا ہے۔

(۷) یہ بدشگونی مانی جاتی ہے کہ دُولہن کے ہاتھ سے دُودھ وغیرہ کا بھرا ہوا گلاس یا برتن گر جائے۔

مہمان کی آمد سے متعلق عقائد:

(۱) چھت یا درخت یا دیوار پر کوے کا ''ٹائیں ٹائیں'' کرنا یا ''آؤ آؤ'' کرنا کسی مہمان کے آنے کی دلیل ہے۔

(۲) بُلبُل کا گھر یا صحن کے اندر داخل ہونا کسی مہمان کی آمد یا کسی خوش خبری کا پیش خیمہ خیال کیا ہوتا ہے۔

(۳) گھر میں دو آدمیوں کا آپس میں ٹکرا جانا بھی کسی مہمان کی آمد کی طرف اِشارہ مانا جاتا ہے۔

(۴) مکڑی یا مکڑے کا اپنی بنائی ہو جالی سے نیچے کی طرف چلے آنا مہمان کی آمد کی نشانی تصور کی جاتی ہے۔

بچے کی پیدائش سے جُڑے ہوئے عقائد:

(۱) کسی بچے کا اپنی گود میں کسی چیز کو لے کر بچے ہی کی طرح بہلانا' کسی نئے بچے کی آمد کا نیک شگون تصور ہوتا ہے۔

(۲) رات کے وقت کسی اُلو کا نزدیکی مکان یا درخت پر بولنا' کسی عورت کے دردِ زِہ کی طرف اِشارہ خیال کیا جاتا ہے۔ اُس گھر سے باہر نکلنے سے پہلے بچے کے رُخسار یا ماتھے پر کالا ٹیکہ لگانا چشم بد سے اُسے بچانے کے لئے ضروری سمجھا جاتا ہے۔

سفر پر جانے سے متعلق عقائد:

(۱) گھر سے باہر نکلتے ہوئے کسی مرد یا عورت کا سامنے سے پانی یا دُودھ سے بھرا ہوا برتن لے کر گزرنا' کامیابی کی نشانی تصور ہوتا ہے۔

(۲) خالی برتن لے کر کسی آدمی کے سامنے سے گذرنے' یا گھر سے باہر نکلتے ہوئے

ہوئے خالی برتن کا سامنا کرنے کو بدشگونی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

(۳) کسی بلی کا راستہ کاٹنا سفر میں بڑی رُکاوٹ یا مصیبت کا پیش خیمہ خیال کیا جاتا ہے۔ جب کہ کسی نیولے کا اِس طرح سے راستہ کاٹنا ایک نیک شگون تصور ہوتا ہے۔

(۴) کسی شخص کے گھر سے باہر سفر پر روانہ ہونے کے دِن اُس کی بیوی کپڑے دھونے، جھاڑو پھیرنے اور بالوں میں کنگھی تک کرنے سے احتراز کرتی ہے۔ اِسے مسافر کے لئے بہتر نہیں سمجھا جاتا۔

(۵) اگر کسی شخص کے جوتے کا ایک پیر دُوسرے پیر پر اِتفاقاً چڑھ جائے تو اُس کو سفر میں پیش آنے والی ممکنہ دُشواری سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

(۶) پیر میں کھجلی ہونا سفر پر نکلنے کی نشانی تصور ہوتی ہے۔

(۷) دُور کے سفر پر جانے کے لئے بھی وار، تاریخ وغیرہ کا موزوں ہونا ضروری خیال کیا جاتا ہے۔ منگلوار کو سفر کرنا یا اُس دِن کوئی کام شروع کرنا اچھا فعل نہیں سمجھا جاتا۔ اِسی طرح بروز جمعہ کسی لمبے سفر پر جانا، بھی کسی حادثے یا مشکل کو دعوت دینے کی مترادف تصور ہوتا ہے۔

عام عقائد اور توہماتی رسمیں:

(۱) زیارتوں پر منت مانتے ہوئے دھاگے باندھنا اور منت پورا ہونے پر دھاگے کھولنا اور نیاز یا نذرانے چڑھانے کا عقیدہ عام ہے۔

(۲) مرغی کا بانگ دینا یا مرغے کا رات کے وقت بانگ دینا ایک شگونِ بد تصور کیا جاتا ہے۔

(۳) چڑیوں یا کوؤں کے جھنڈ اگر آسمان پر ظاہر ہوں تو تیز بارش کا پیش خیمہ مانا جاتا ہے۔

(۴) اگر چیونٹیاں اپنے بِلوں سے یکدم باہر آجائیں تو یہ خیال کیا جاتا ہے کہ بارش آنے کا اِمکان ہے۔

(۵) شکروار کے دِن بارش کا شروع ہونا' اگلے ہفتہ تک بارش جاری رہنے کی نشان دہی خیال کیا جاتا ہے۔

(۶) کھیتوں میں پہلی چیت (بکرمی) کو ہل چلانے کا کام شروع کرنا باعث برکت خیال جاتا ہے۔

(۷) رات کے وقت کُتّوں کا بھیانک آوازیں نکالنا' یا رونا اُس آبادی میں کسی شخص کی موت ہونے کی نشانی سمجھی جاتی ہے۔

(۸) کسی اچھوت یا کنواری لڑکی کا صبح کے وقت سامنے سے گزرنا بہت ہی اچھا شگون خیال کیا جاتا ہے۔

(۹) رات کے وقت شیشہ دیکھنا مضر صحت فعل تصور کیا جاتا ہے۔یعنی ایسے ہی کئی عقائد اور توہمات راجواڑہ بھدرواہ میں صدیوں سے چلے آرہے ہیں۔

***

باب سوم: میلے، تہوار، لوک ناچ، تیرتھ اور یاترائیں

بھدرواہ کے معاشرتی ومذہبی رنگ:

بھدرواہ کا عظیم راجواڑہ دیگر ہمالیائی ریاستوں کی بہ نسبت قدیم زمانے سے ہی اپنے مقامی میلوں، تہواروں اور لوک ناچوں کی دِلکشی، رنگارنگی اور اُن کی منفرد حیثیت کی آج تک برقراری کے لئے مشہور زمانہ رہا ہے۔ یہ میلے، تہوار اور ناچ تفریحی خوبیوں کے حامل ہونے کے علاوہ موسموں کے تغیر وتبدل کے مطابق مقامی طور پر سماجی اور مذہبی رسومات کے ایک مربوط اور منصوبہ بند سلسلے سے جڑے ہوئے ہیں۔ ساز وسنگیت کی مقامی دُھنوں اور ڈھول دھماکے کی مسحور کُن آوازوں اور مخصوص قسم کے بجائے جانے والے آلاتِ موسیقی کی غنایت بھری خوش کن سُروں سے ہر موسم میں ایک نیا ماحول بندھ جاتا ہے، جو نہایت ہی فرحت بخش اور رُوح پرور ہوتا ہے۔ اِس پر طرہ یہ کہ نئی اور رنگ برنگی پوشاکوں میں ملبوس نئے بیاہتا جوڑے، مرد وخواتین اور بچے مقررہ تاریخوں پر اپنے اعزاء واقرباء سے ملنے اور اُن کو بدھائی (مبارک باد) دینے کے ساتھ ساتھ وہاں کی یاترا، جسے مقامی زبان میں ''جاٹلا'' کا نام دیا گیا ہے، میں شریک ہونے کے لئے ایک قریہ سے دُوسرے قریہ اور ایک علاقے سے دُوسرے علاقہ کی طرف کوچ کرتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اِس قدیم مملکت کے ہر گاؤں اور قصبے میں ایک نیا تہذیبی اِنقلاب رُونما ہوا ہے۔ یہاں کے لوک گیتوں اور لوک ناچوں میں آپسی بھائی چارے، پیار ومحبت، دیش بھگتی کے پیغام کا بھرپور مظاہرہ ہوتا ہے۔ بھدرواہ کو میلوں اور تہواروں کا

بہشت کہا گیا ہے۔ ''کڈ'' کے نام سے موسوم یہ تہوار اور میلے سال بھر منائے جاتے ہیں۔ ماہ اگست کے اواخر پر کچھ یاتراؤں کا موسم ایک سلسلہ وار اور مرحلہ وار طریقے سے شروع ہو کر کئی ماہ تک جاری رہتا ہے۔ اُن کو کسی ناگ دیوتا یا دیوی کی نسبت سے' اُن کی عقیدت مندی کے طور' یا کسی بزرگ کے دلیرانہ کارنامے کو یاد کرنے یا پھر کسی سماجی تقریب یا خوشی اور مسرت کے موقع پر بڑی گرم جوشی اور دُھوم دھام سے منعقد کیا جاتا ہے۔ اِن میں سے بہت سے تہوار رات کے دوران منائے جاتے ہیں۔ ان تہواروں اور میلوں کی بدولت لوگوں کی فطری ماحول کے ساتھ وابستگی موسمی بدلاؤ کے ساتھ ساتھ اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ بھدرواہ اپنے پہاڑی سلسلوں' دُور افتادگی اور پچھڑے پن اور باقی علاقوں سے رابطہ سڑکوں کی عدم موجودگی کی وجہ سے بیسویں صدی کی پانچویں دہائی تک مُلک کی باقی علاقوں سے تقریباً الگ تھلگ رہا۔ گو کہ ایک پہاڑی مملکت ہونے کی وجہ سے کچھ قریبی ریاستوں اور وادیٔ کشمیر کے ساتھ اِس کا تعلق کافی دیر تک رہا۔ یہی وجہ ہے کہ ''وادی کشمیر'' اور کچھ ہمسایہ ریاستوں سے ہجرت وغیرہ کے دوران ساتھ لائے ہوئے کچھ سماجی اور مذہبی عقائد اور کچھ رسومات کے علاوہ یہاں کے لوک عقائد' میلوں' تہواروں اور لوک ناچ وغیرہ پر کسی دُوسری تہذیب کے اثرات زیادہ حد تک نہ پڑ سکے اور ان ثقافتی دھاراؤں میں اس کی اِنفرادی حیثیت آج تک برقرار رہی۔

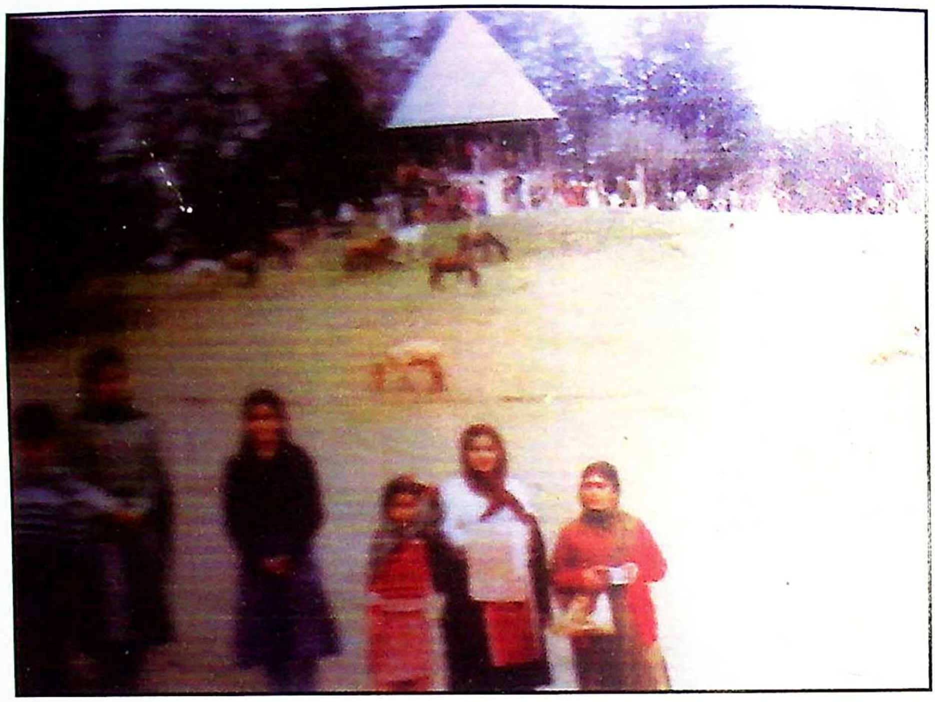
یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ یہاں کے سب میلے اور تہوار عام طور پر ناگ دیوتاؤں کی عقیدت کے گرد گھومتے ہیں۔ لوک ناچوں اور لوک گیتوں میں بھی یہ اِعتقاد جھلکتا ہوا دِکھائی دیتا ہے۔ ان میلوں وغیرہ کو اپنی سادگی' رنگارنگی' دلکشی اور یہاں کے مخصوص اور مقامی تخلیقی عمل نے ایک پہچان عطا کی ہے' جس کا موازنہ یا مقابلہ کسی دُوسری جگہ کے پہاڑی تہواروں' میلے یا لوک ناچ یا لوک گیتوں کے ساتھ نہیں کیا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے ساحرانہ اثر سے ہر دِل مسرور ہو جاتا ہے۔

میلے اور تہوار:

پروفیسر اُودھے چند ٹھاکور (مرحوم) نے اپنے ایک تاریخی مقالے میں بھدرواہ کے میلوں کے بارے میں لکھا ہے کہ ——— ''یہ مشہور میلے سبھار دھار اور واسک ڈیرہ، گاٹھہ مٹھولہ، ملوٹھی اور طروَن، جوڑہ اور رینکھا، بھیجہ اور منتھلہ چیکہ، بھیجہ (بھلیس) اور گوالو بھلیس، چگیو، اور پھگسو (ٹھاٹھری)، ناندنہ ٹھاٹھری اور کھڑنگل (بھلیس) میں منعقد کیے جاتے ہیں ———''

میلہ پٹ:

بھدرواہ کے میلوں میں سب سے اِمتیازی اور اعلیٰ مقام، اِس قدیم مملکت میں صدیوں سے منعقد کیے جانے والے میلے موسوم بہ ''میلہ پٹ'' یا مقامی زبانی میں ''پیٹر و میلو'' کو حاصل رہا ہے۔ اِسے ''پیٹر و کڈ'' بھی کہا جاتا ہے۔ بھدرواہ قصبہ کے کھکھل محلّہ میں واقع ایک وسیع میدان میں ایک وقت پال راجوں کے شاندار محلات ہوا کرتے تھے۔ یہ میلہ صدیوں سے یہاں ہر سال ناگ پنچمی کے دِن منعقد کیا جاتا ہے جو مسلسل تین دِن تک جاری رہتا ہے۔ کیلاش یاترا کے دس پندرہ دن کے بعد یہ میلہ بڑی دُھوم دھام سے منایا جاتا ہے، جو عام طور پر اگست یا ستمبر کے مہینوں کے دوران منعقد ہوتا ہے۔ واسک ناگ دیوتا کی نسبت سے اِس جگہ کو ''واسک ڈیرہ'' کہا جاتا ہے۔ اِن تینوں دِنوں میں یہاں پر لوگوں کا ایک ہجوم جمع ہوتا ہے اور اِس تہوار میں لوگ بلالحاظ مذہب و ملّت شریک ہوتے ہیں۔ ہندو مرد، عورتیں اور بچے اچھے لباسوں میں ملبوس ہو کر میلے میں شامل ہو کر لطف اندوز ہوتے ہیں۔ شروع شروع میں اِس میلے میں شرکت کرنے کے لئے بھدرواہ کے تین پرگنوں کے لوگ باری باری آتے تھے، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ یہ طریقہ ترک کر دیا گیا ہے۔ اب اِن پرگنوں یعنی پرگنہ



سبھار دھار بھدرواہ (بشکریہ این.سی.کوتوال)



میلہ پٹ بھدرواہ

بھدرواہ، پرگنہ بھلیس اور پرگنہ دراب کے لوگ ایک ساتھ میلے میں شریک ہوجاتے ہیں۔ یہ میلہ تقریباً ہر روز بعد دوپہر چار بجے شروع ہوتا ہے اور سورج غروب ہونے پر اِختتام پذیر ہوتا ہے۔

ایک صحت مند اور طاقتور شخص کے سر پر ریشمی کپڑے کا ''پٹ'' اور جھاسی (ایک تنگ گردن والا تانبے کا برتن) کے ساتھ مخروطی شکل کے وزن دار سرپوش کے اِردگرد سینکڑوں قسم کے رنگ برنگ کپڑوں کے ٹکڑوں سے مزّین کر کے رکھا جاتا ہے۔ یہ شخص لوگوں کے گھیرے میں ناچ کے کچھ پھیرے لگاتا ہے۔ اِس مخصوص آدمی کو ''پٹ'' کے ساتھ راج گُرو کے گھر سے موسیقاروں کے جلوس میں کھکھل کے میدان تک لایا جاتا ہے۔ ناچ کے کچھ پھیرے لگانے کے بعد اُسے دم لینے اور تھوڑا سا آرام کرنے کے لئے ایک مخصوص اِشارے کے ذریعہ روکا جاتا ہے اور کوئی دُوسرا آدمی یا بہت سے آدمی اُس پٹ کو اُوپر اُٹھالیتے ہیں۔ تھوڑے سے آرام کے بعد وہ آدمی پھر پٹ کو اُٹھاتا ہے اور چکر دینا شروع کرتا ہے۔ پٹ کے یہ رنگین چکر اور گھیرے میلے کے اِختتام تک جاری رہتے ہیں۔ اِس دوران ''ناگ دیوتا کی جے'' اور ''سچے دربار کی جے'' کے نعرے بلند کئے جاتے ہیں اور دیوتا کی تعریف میں کچھ مقامی گیت بھی گائے جاتے ہیں اور لوگ پھولوں کی پتیاں پٹ پر ڈالتے رہتے ہیں۔

''پٹ'' کے ناچ میں کام کرنے والے شخص کو ''چیلا'' کہا جاتا ہے، جو میلے کی شروعات سے کچھ دِن پہلے ہی بڑی سادگی اِختیار کرلیتا ہے اور کچھ دھیان گیان میں مصروف رہتا ہے۔ بھدرواہ یا چمبہ کے راجاؤں یا ڈوگرہ راج کے دوران اِس میلے کو مقامی اِنتظامیہ سرکاری طور مناتی تھی اور سبھی اخراجات بھی سرکار ہی ادا کرتی تھی۔ لیکن ۱۹۴۷ء کے بعد یہ میلہ مقامی لوگوں کے عطیات اور دان دکشنا سے جمع کی ہوئی رقم سے ہی منعقد ہوتا ہے۔ اِس میلے کے دوران بھدرواہ کے سرکاری اور تعلیمی اِداروں میں دو دِن تک تعطیل رہتی ہے۔

پٹ میلے کا تاریخی پس منظر:

قرونِ وُسطیٰ سے چلے آ رہے اِس میلے کی شروعات کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ شہنشاہِ اکبر (۱۵۵۶ء تا ۱۶۰۵ء) کے زمانے میں بھدرواہ پر راجہ ناگ پال دوم راج کرتا تھا۔ وہ راجہ بشمبر پال کا بیٹا تھا' جس نے اپنے والد ہی کی طرح بڑی حکمت عملی اور شاندار سوجھ بوجھ سے اِس راجوڑہ شاہی میں حکومت کی۔ کہا جاتا ہے کہ موصوف یہاں تقریباً سو سال تک راج تاج کرتا رہا۔ اُس نے بھڈو' بسوہلی' چمبہ اور کشتواڑ جیسی ہمسایہ ریاستوں کے ساتھ جنگ کر کے اپنی سلطنت کو بڑی وُسعت دی۔

سولہویں صدی کے دوران ہی اکبر اعظم نے مُلک کے بیشتر حصّوں کے مطیع اور باج گذار راجوں کو دہلی میں منعقد کیے گئے ایک بڑے اجلاس میں شامل ہونے کی دعوت دی' جو ایک معمول کی دعوت تھی۔ مروّجہ رسم کے برخلاف دربار میں پہنچ کر بھدرواہ کے راجہ ناگ پال دوم نے شہنشاہ اکبر کے سامنے باقی راجوں کی طرح سر جھکانے کے بجائے صرف آداب بجالایا اور واپس اپنی نشست پر بیٹھ گیا۔ یہ ناروا برتاؤ دیکھ کر اکبر بھپر سا گیا لیکن اپنے کچھ وزیروں کے مشورہ سے راجہ ناگ پال کے خلاف کوئی تادیبی کارروائی نہیں کی۔ تاہم اُسے دُوسرے دِن دربار میں دوبارہ حاضر ہونے کے لئے کہا گیا۔ ایک روایت کے مطابق راجہ نے پریشانی کی حالت میں رات گزاری۔ اِسی اثناء میں نیند کے زیرِ اثر وہ اونگھنے لگا اور اُس نے اپنے محسن دیوتا باسک ناگ کو خواب میں دیکھا' جس نے اُسے بے فکر ہو کر دربارِ شاہی میں حاضر ہونے کو کہا۔ دُوسری طرف دربار میں فیصلہ لیا گیا کہ ناگ پال دربار میں داخل ہوتے وقت ایک ملحقہ کھڑکی میں سے گزرے تاکہ اُسے خود بخود سر جھکانا پڑے۔ دُوسرے دِن راجہ نے کھڑکی میں سے سر نکالنے کے بجائے پہلے اپنی ٹانگیں اندر ڈال دیں اور پھر سیدھے طور پر اپنے جسم کا باقی حصہ گزارا۔ اِس پر شہنشاہ اکبر کا جلال اپنے عروج پر آ گیا۔

روایت کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اِس سے پہلے کہ اکبر راجہ کے خلاف کوئی تعزیری کارروائی کرنے کا حکم دیتا' راجہ کی پگڑی سے ایک پھن دار سانپ نمودار ہوا۔ دُوسرا حکم دینے سے پہلے پانچ پھنوں والا زہریلا سانپ درباری پگڑی سے ظاہر ہوا' جس نے اکبر اور اُس کے درباریوں کو حیرانگی میں ڈال دیا۔ بالآخر اکبر' راجہ ناگ پال کے اِس چمتکاری واقعے سے متاثر ہوا۔ جب راجہ ناگ پال سے پوچھا گیا کہ اُس نے بادشاہ کے آگے سر کیوں نہیں جھکایا تو اُس نے جواب میں کہا کیونکہ ''وہ ناگ راج واسک دیوتا کا عقیدت مند ہے' اِس لئے وہ صرف اُسی کے آگے سر جھکاتا ہے۔''

اکبر بادشاہ نے نہ صرف راجہ ناگ پال کے خراج کو معاف کر دیا بلکہ شاہی خزانہ سے اُسے بڑے انعام واکرام سے نوازا گیا' جس میں سونے اور چاندی کے زیورات' برتن' زربف اور کمخواب (ریشمی پارچات)' سنہرے چھاتے اور موسیقی کے آلات شامل تھے۔

بھدرواہ واپس آنے پر راجہ ناگ پال نے یہ سارے اِنعامات اپنے کُل دیوتا باسک ناگ کی نذر کر دیئے اور شاہی محل کے آنگن میں اِن چیزوں کی نمائش کی۔ یہ تمام نادر چیزیں اور پارچات آج تک محفوظ ہیں۔ ناگ پال کی اِس فتح کو ہر سال میلہ پٹ (ریشمی کپڑوں کے میلے) کے طور پر منایا جاتا ہے۔ اِس واقعہ کو نہ صرف ناگ پال کی بہادری اور اُس کی خودداری کے لئے بلکہ اُس کی ناگ باسک کے تئیں عقیدت کے طور پر پچھلے ساڑھے چار سو سال سے مسلسل طور پر بڑی شان وشوکت کے ساتھ منایا جاتا ہے۔[1] یہ اُس عزت افزائی اور احترام کی خوشی میں بھی منعقد ہوتا ہے جس کا اِظہار شہنشاہ اکبر نے راجہ ناگ پال کے تئیں کھلے دربار میں اُسے اِنعام واکرام دے کر کیا تھا۔ اب میلہ پٹ بھدرواہ کے کلچر کا ایک تاریخی حصّہ بن چکا ہے۔

1۔ استفادہ: مضمون پروفیسر اُودھے چند ٹھاکر (مرحوم) کالج میگزین ''شاہین'' ۱۹۷۱ء۔ مزید معلومات کے لئے حصہ تواریخ باب ناگ پال ملاحظہ ہو۔

میلہ سبھار دھار:

بھدرواہ کے ہر مندر کے ساتھ ناگ پوجا اور مقامی میلوں کے منعقد کرنے کا رواج زمانہء قدیم سے چلتا آرہا ہے۔ اُن میلوں میں ''سبھار دھار میلے'' کا تفصیلی ذِکر کرنا باعثِ دلچسپی ہوگا۔

سبھار دھار، بھدرواہ کی خوبصورت ترین اور سرسبز وشاداب چراگاہوں میں سے ایک ہے۔ چنتہ کے جنوب میں گھنے جنگلات اور ایک اُونچے مقام پر واقع اِس دھار میں شیش ناگ کا ایک قدیم مندر ہے، جہاں شیش ناگ کے تئیں عقیدت کے اِظہار کے لئے بڑے جوش وخروش کے ساتھ ہزاروں یاتری ڈوڈہ، چراہلہ، بھدرواہ اور دُوسرے علاقوں سے آکر بیساکھی سے ایک دِن پہلے یعنی ۲۹/ چیت بکرمی کو ہر سال جمع ہوتے ہیں اور میلے میں شرکت کرتے ہوئے موسمِ بہار کو بھی خوش آمدید کہتے ہیں۔ یہ مندر سردیوں کے مہینوں میں بند رہتا ہے لیکن تاریخ مذکورہ پر اِس کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، جب کہ واسکی ناگ مندر بھدرواہ اور گاٹھہ کے دروازے یکّم اور دو بیساکھ کے روز کھولے جاتے ہیں۔

سبھار دھار کے اِس میلے کے دوران دو تین دِن تک شیش ناگ کی پوجا ہوتی ہے اور بھجن گائے جاتے ہیں۔ دراصل یہ بھدرواہ میں ''کڈ'' یعنی تہواروں کا شروعاتی میلہ ہے۔ شیش ناگ کے حوالے سے مقامی لوک گیت بھی گائے جاتے یں۔ سبھار دھار کے متصل ہی ایک دُوسری چراہ گاہ ''ریوشرا'' کہلاتی ہے۔

علاقہ بھلیس کا ایک قدم میلہ - بھیجہ جاگرا:

بقول مسٹر پھلیل سنگھ چوہان ــــــ ''موضع بھیجہ علاقہ بھلیس کا ایک چھوٹا سا گاؤں حلقہ جطوط میں واقع ہے۔ اِس گاؤں میں آٹھویں شرادھ کی تتھی کو رات کے

وقت ایک مشہور میلہ لگتا ہے، جو پراچین کال (زمانۂ قدیم) سے "بھیجہ جاگرا" کے نام سے مشہور ہے۔ اِس میلے کو بھلون بیر دیوتا کا جاگرا کہتے ہیں ——"

یہ ضلع ڈوڈہ کا مشہور میلہ ہے جس میں ضلع کے مختلف حصّوں سے ہزاروں مرد وخواتین شامل ہوتے ہیں۔ روایت کی جاتی ہے کہ بھیجہ گاؤں کا ایک بزرگ جب موضع جنطروَن (کیلاڑ) کے "بیرو دیوتا" کے پاس حاضری دینے کے بعد گھر لوٹ رہا تھا تو اُس کا ترشول، جو اُس نے دیوتا کے مندر سے اپنے ساتھ لایا تھا، وہ بھیجہ پہنچنے سے پہلے ہی دو کلو میٹر دُوری پر غائب ہوگیا۔ اِتنے میں اُس کو نیند پڑ گئی اور خواب میں اپنے دیوتا کو دیکھا، جو کہہ رہا تھا کہ جاؤ اور اپنے گھر پہنچ کر آٹھویں شرادھ کی رات کو میلہ لگایا کرو۔ یہ میلہ آج تک بھیجہ میں لگایا جاتا ہے۔ چوہان کنبے کے لوگ اِس میلے کو اپنے مکان کی چھت پر منعقد کرتے ہیں۔ چھت پر نئی مٹی ڈالی جاتی ہے اور پھر اُس مٹی کے ڈھیر کے بیچ میں ایک سلاخ گاڑھ دی جاتی ہے اور اُس کے چاروں طرف مہرو کی لکڑی کا ڈھیر بنا کر اُس میں آگ لگائی جاتی ہے۔ ایک "چیلا" گرانی دیتا ہے اور آگ کے جاگرے کے گرد چکر لگاتا ہے۔ گرانی ختم ہوجانے کے بعد ڈھکوناچ شروع ہوتا ہے۔ لوگ خوب ناچتے ہیں اور لوک گیت گاتے ہیں۔ بالآخر چیلا آگ کے شعلوں کو چیرتا ہوا آگے نکل جاتا ہے۔ رات بھر کے ناچ نغمے کے بعد یہ میلہ اِختتام پذیر ہوتا ہے اور صبح کو لوگ اپنے گھروں کی طرف لوٹنا شروع کرتے ہیں۔

رہوشرا میلہ:

سبھار دھار کے قریب ہی رہوشرا دھار ہے جہاں پر شیتل ماتا کا مندر موجود ہے۔ یہاں پر بھی ہر سال آٹھویں نوراترے کو ایک بڑا میلہ لگتا ہے جس میں علاقہ چنتہ کے علاقہ چراہلہ کے لوگ جوش وخروش کے ساتھ شمولیت کرتے ہیں۔ اِس یاترا کا زیادہ تر کنٹرول علاقہ چراہلہ کے پجاری کے ہاتھوں میں ہوتا ہے۔ سبھار دھار کے

یاتری بھی شیتل ماتا کے مندر میں جا کر پوجا پاٹ کرتے ہیں۔[1]

مذکورہ میلوں کے علاوہ دو قدیم تہوار[2] زمانہ قدیم سے بھدرواہ اور ضلع ڈوڈہ کے کچھ حصّوں میں منائے جاتے ہیں۔ اُن تہواروں کو ''دھرم دیوس'' اور ''کنچوتھ'' کے نام دیئے گئے ہیں۔

کنچوتھ:

کنچوتھ خواتین کا تہوار ہے' جو وہ اپنے خاوند یا ہونے والے ساتھی کی خوشحالی' صحت اور کامیاب ازدواجی زِندگی کے لئے مناتی ہیں۔ یہ تقریب بکرمی سال کے ماگھ مہینے میں' جو عموماً جنوری کے آخر پر آتی ہے' منائی جاتی ہے۔ اِس روز خواتین برت رکھتی ہیں جو نصف دِن تک جاری رہتا ہے۔ اِس کے بعد خوش گپیوں کے دوران خوب قہقہے لگائے جاتے ہیں اور خواتین اجتماعی طور پر ناچتی ہیں اور گھورائی ناچ کی طرح ہی ایک دُوسرے کے پیر چھوتی ہیں اور ایک دُوسرے کی کامیاب زِندگی کی خواہش کرتی ہیں۔ مرد لوگ عموماً یہ رات اپنی بیوی بچوں میں ہی بسر کرتے ہیں' خواہ اُنہیں کتنی دُور ہی سے اپنے گھر لوٹنا پڑے۔

دھرم دیوس:

دھرم دیوس کے معنی ''زمین کی پوجا'' بتائے گئے ہیں۔ یہ بھی رنگارنگ قسم کا تہوار ہے' جو ہر سال ماہ چیت (بکرمی) کی یکم تاریخ کو منایا جاتا ہے جب کہ موسمِ بہار اپنے جوبن پر ہوتا ہے۔ دراصل اِس دن آنے والے سال کی ''ہل بانی'' شروع ہوتی ہے جب کہ موسمِ سرما اِختتام پذیر ہوتا ہے۔ کسان اور زمین دار اپنے ہلوں اور دھرتی

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو بھدرواہ کے قدیم منادر

[2] استفادہ: ''کلچرل ہیریٹیج'' از: این بی کوتوال' ص: ۳۶-۳۷

(زمین) کی پوجا کرتے ہیں اور اپنے بیلوں کے جوڑی کی بھی [1]

مکر سنکراتی کا تہوار:

دھرم دیوس سے پہلے اور لوہڑی کے دُوسرے دِن یعنی بکرمی سمت کے یکّم ماگھ کو اِس علاقہ میں بڑی اہمیت کا حامل ایک اور تہوار ''سنگراتی'' شروع ہوتا ہے۔ یہ تہوار شمالی بھارت کے مختلف مقامات پر بھی منایا جاتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ تہوار بھی اُن راجپوت خاندانوں کے لوگوں کے ساتھ بھدرواہ پہنچا جو پنجاب وغیرہ سے آکر یہاں آباد ہوئے تھے۔

اِن سب تہواروں کے دوران پہاڑی، چمبیالی، پنجابی اور بھدرواہی لوک گیت گائے جاتے ہیں لیکن موسموں اور تہواروں کی مناسبت سے ہی گائے جاتے ہیں۔

بھدرواہ کے مشہور لوک ناچ:

سال کے وسطی حصّے یعنی جولائی سے اکتوبر تک لوگوں کو معمول کے کاموں سے کچھ مہلت اور راحت کے پل میسر آتے ہیں اور اُنہیں اچھی فصل حاصل کرنے کی اُمید بھی بندھ جاتی ہے۔ اگست کے آخری ہفتہ میں ساری غیر منقسم تحصیل کی حدود میں یاتراؤں کا سلسلہ یا موسم شروع ہوتا ہے۔ اِسی موسم میں ''کیلاش'' یاترا اور ''میلہ پٹ'' اِختتام پذیر ہوجاتے ہیں۔ پھر یاتراؤں کا ایک دُوسرا دور شروع ہوجاتا ہے جو دُوسرے ''کڈ'' کے نام سے موسوم ہے۔ اِس موسم میں مکئی وغیرہ کی فصل کی کٹائی کی جاتی ہے لیکن دھان ابھی کہیں کہیں کھیتوں کی ہی زینت بنا ہوا ہوتا ہے۔ اِس موسم میں ''ڈھکو ناچ'' کا الگ الگ جگہوں پر باری باری مظاہر ہوتا ہے۔ بقول پروفیسر ویریندر کمار.... ''اِس ناچ کی فنکارانہ اہمیت اور قدر و قیمت یا کامیابی کا دارومدار لوگوں کی ایک

---

[1] مسلمان کسان کچھ خیرات غریبوں میں بانٹنے کے بعد ہل بانی کی شروعات کرتے ہیں۔

یہ سازندے میگھ اور ڈوم طبقوں سے وابستہ ہوتے تھے لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ باقی ذاتوں کے لوگ بھی اب روایتی ساز بجاتے ہیں۔

ڈھکو ناچ خاص طور پر مٹھولہ ،منتھلہ ،چنتہ ،بھیجہ وغیرہ کے دیہات میں ناچا جاتا ہے۔جغرافیائی طور پر اِس ناچ کے لئے وادی کے چار کونے مقرر کئے گئے ہیں جن کا دائرہ اثر ایک دُوسرے سے گزرتے ہوئے ساری وادی کا احاطہ کرتا ہے۔اس حد بندی سے لوگوں کو اِن تہواروں اور ناچوں میں شرکت کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ یہ ڈانس نہ صرف اندرونِ ریاست بلکہ ملکی سطح بھی پر ایک قومی ناچ کی سی حیثیت حاصل کر چکا ہے۔کڈ ناچ میں عام طور پر مقامی درزیوں کے سِلے ہوئے پٹو کے لمبے چوغے اور پاجامے،سنتری رنگ کی پگڑی اور ایک کالا اُونی کمر بند وغیرہ اِستعمال کئے جاتے ہیں۔ اِس ناچ کا مظاہرہ کئی بار ریاستی اور ملکی سطح پر بھی کیا جا چکا ہے۔ناگ دیوتا سے منسوب یہ ناچ اب یہاں کی ثقافتی شناخت کا ایک اہم حصّہ بن گیا ہے۔

ڈھولک ناچ:

بھدرواہ کے لوک ناچ کی دُوسری قسم ڈھولک ناچ ہے۔ یہ ایک قسم کا کورس ناچ ہے جو اِکٹھے طور پر کہیں بھی اور کسی بھی وقت کیا جاتا ہے۔دراصل یہ بھی ایک منفرد قسم کا لوک ناچ ہے جس کا مظاہرہ بہت سے مواقع جیسے شادی بیاہ،سماجی تقاریب،خوشی کے مواقع اور عوامی تقاریب کے دوران کیا جاتا ہے۔کچھ لوگوں کی ایک ٹولی ایک دائرے کی شکل میں بیٹھ جاتی ہے۔اُن میں سے ایک شخص ڈھولک پر تھاپ لگاتا ہے کوئی ہارمونیم،کوئی سارنگی اور کوئی بنسری بجاتا ہے۔ناچنے والا شخص گھنگھرو پہنے گانا اور ناچ شروع کرتا ہے۔اِس میں بولے جانے والے لوک گیت کے بول طائفہ کے باقی ساتھی بھی ایک خاص لَے اور انداز میں ہاتھ بجاتے ہوئے گاتے ہیں۔ناچ کے کچھ چکر لگانے کے بعد ناچنے والا آہستہ آہستہ اپنے پاؤں کے پنجے پر بیٹھ جاتا ہے اور

موسیقی بند کی جاتی ہے۔ اِس طرح کچھ دیر کے بعد اُس گیت کے دُوسرے بول ناچنے والا گاتا ہے اور ناچ پھر سے شروع ہوتا ہے ۔یکے بعد دیگرے گیت کے بول گائے جاتے ہیں۔ تھوڑے تھوڑے وقفوں کے بعد یہ رقص پھر موسیقی اور گانے کے ساتھ شروع ہو کر بند ہو جاتا ہے اور یہ سلسلہ گیت کے آخری شعر تک چلتا رہتا ہے۔ پھر لوگوں کی مانگ یا بار بار کے اصرار پر کوئی دُوسرا کورس شروع ہو جاتا ہے۔ آخر پر ناچنے والے کو اُس کے فن اور ہنر مندی کی تصدیق کے طور پر انعام و اکرام سے نوازا جاتا ہے۔

گھورائی ناچ:

لوک ناچ کی تیسری قسم گھورائی ناچ ہے جو صرف خواتین کے لئے مخصوص ہے۔ ڈھکو ناچ کے برعکس اِس ناچ میں موسیقی کا کوئی آلہ اِستعمال میں نہیں لایا جاتا' بلکہ گھورائی گیت کی مخصوص دُھن پر کیا جاتا ہے۔ اِس گیت کو ناچ میں شامل عورتیں گاتی ہیں۔ اِس ناچ میں صرف وہ خواتین حصّہ لے سکتی ہیں جن کے خاوند حیات اور زِندہ ہوں۔ دراصل یہ سہاگ ناچ ہے جو ''گوری دیوی'' کی نسبت سے ہی کیا جاتا ہے۔ عام طور پر شادی' بیاہ اور خوشی کے مواقع پر عورتیں اِس کا مظاہرہ کرتی ہیں۔ اِس کا اہتمام ''کنجوتھ'' جیسے اہم تہوار پر زیادہ مناسب خیال کیا جاتا ہے۔ یہ کرواچوتھ تہوار سے مشابہت رکھتا ہے۔ بقول پروفیسر ویریندر کمار '' ——— یہ ناچ بالعموم علاقہ بھلیس میں عمل پذیر ہوتا ہے۔ بطور ناچ یہ ''ڈھکو ناچ'' کے جیسا ہی ناچ ہوتا ہے لیکن کلیتاً خواتین کا ایک اجتماعی ڈانس ہے جس میں تال کے لئے کوئی اَوزار یا آلہ اِستعمال نہیں ہوتا۔ خواتین گانے ہی کے وزن یا موزونیت کے مطابق اِسے پیش کرتی ہیں جب کہ ڈھکو ناچ میں کوئی گیت نہیں گایا جاتا ——— ''

یہ ناچ سردیوں کے تہواروں کے درمیان علاقہ بھلیس میں پیش کیا جاتا ہے' جو وہاں کی مقامی خواتین تک ہی محدود ہے۔ سالگرہ منانے کی تقریب بھی اِس ناچ

سے جُڑی رہتی ہے۔ اِس موقع پر بھی خواتین برت رکھتی ہیں اور سورج طلوع ہونے پر نئی پوشاکوں میں ملبوس ہو کر اور اچھے زیورات زیب تن کئے ہوئے کسی ندی یا چشمے پر جا کر گوری دیوی کی پوجا کرتی ہیں، جسے لارڈ شیو کی رفیقۂ حیات تصور کیا جاتا ہے۔ اس رسم کے اِختتام کے بعد وہ ایک دُوسرے کا پاؤں چھوتی ہیں اور واپس گھروں کو چلی آتی ہیں۔ اِس طرح سے یہ سلسلہ کئی دِن تک جاری رہتا ہے۔ شادی شدہ عورتیں دُوسری خواتین کو دُعائیں دیتی ہیں جس کے جواب میں وہ بھی اُنہیں شادی شدہ زِندگی میں خوش رہنے اور لمبی عمر پانے کی دُعائیں دیتی ہیں۔ اِس کے بعد یہ خواتین کسی ایک جگہ پر جمع ہو کر ناچتی ہیں اور ساتھ ساتھ تالیاں بجاتی ہیں۔ دائروں میں ناچتے ہوئے ہاتھ جوڑ کر نیچے کی طرف جھکتی ہیں اور زمین کو چھوتی ہیں۔ اِس طرح سے دھرتی ماتا کو بھی پرنام کرتی ہیں۔ دِن کے اِختتام پر اچھے اچھے کھانے کھاتی ہیں اور اپنے اپنے خاوندوں کو پھولوں کے تحائف دے کر اپنے پیار کا اِظہار کرتی ہیں۔ بہ واپسی وہ بھی کوئی تحفہ دے کر اُن سے پیار کا اِظہار کرتے ہیں۔ ایک روایت کے مطابق اِس ناچ میں ''رانی کاندنی'' کی توصیف میں گیت گائے جاتے ہیں جس نے رعایا کی خاطر اپنی جان قربانی کی تھی۔

بھدرواہ کے قدیم تیرتھ استھان اور یاترائیں:

بھدرواہ میں ناگ پوجا بھارت کے دیگر حصّوں کی طرح قدیم زمانے سے ہی رواج پا گئی تھی جو بہ قولِ سکھ دیو سنگھ چاڑک ——— ''بھدرواہی لوگوں کا سب سے اعلیٰ اور اہم مسلک رہا ہے۔ اِس مسلک نے ناگوں سے متعلق کچھ پیچیدہ داستانوں اور قصوں کو بڑی حد تک جنم دیا ہے اور غالباً اِن پہاڑی قبیلوں میں اِس قبیلے کی برتری کے کچھ ایسے تذکروں کو بھی جو امتدادِ زمانہ سے فراموش ہو چکے تھے ——— ''[1]

---

[1] پروفیسر سکھ دیو سنگھ چاڑک

یہاں کی قدیم یاتراؤں میں کیلاش یاترا' اور سونہ بائیں'' کی یاترائیں اور تیرتھ استھان بہت اہم شمار کئے جاتے ہیں ''کیلاش پربت'' اور ''سونہ بائیں'' تیرتھ استھان بھی ہیں اور یاتراؤں کے مراکز بھی۔

کیلاش یاترا:

علاقہ بھدرواہ میں ''کیلاش یاترا'' قدیم ترین یاترا شمار کی جاتی ہے۔ اِس کی مذہبی اہمیت کے ساتھ ساتھ ایک ثقافتی اور سیاحتی اہمیت بھی ہے۔ اِس یاترا میں مقامی ہندو باشندے بڑے تزک و احتشام کے ساتھ حصّہ لیتے ہیں۔ یاتریوں کے ساتھ ضلع کے دیگر علاقوں کے لوگ بھی شامل ہو جاتے ہیں۔ کچھ لوگ سیاحتی مقاصد سے کیلاش پربت اور اِس کے ملحقہ سبزہ زاروں اور خوبصورت چراگاہوں کی سیر کرنے کے لئے یہاں چلے آتے ہیں۔

19.9.2011

کیلاش یاترا کا تاریخی پس منظر:

بھدرواہ کے ہندو لوگوں کا اِعتقاد ہے کہ یہ پربت شیوجی اور باسک ناگ یا واسکی ناگ کا مسکن رہا ہے اور یہ کہ کیلاش یاترا پرانوں کے زمانے سے رواج پا گئی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ یاترا ''واسکی ناگ'' کے گُرڈ کے ہاتھوں اپنے قبیلہ کے ساتھ کشمیر سے معجزانہ طور پر بچ نکلنے اور کیلاش کنڈ میں پناہ لینے کے بعد لارڈ شیو کی طرف سے واسکی ناگ کو اِس کُنڈ کو اپنا مسکن بنانے کی اجازت دئے جانے وغیرہ کے واقعات کے سلسلہ میں منعقد کی جاتی ہے۔ جبکہ گُرڈ' واسکی ناگ کی جان کے پیچھے پڑا ہوا تھا۔

ایک طرف واسکی ناگ یہ مان کر کہ وہ ایک ہی باپ یعنی مہارشی کیشپ کے بیٹے ہیں' گُرڈ سے جنگ نہیں کرنا چاہتا تھا' تو دُوسری طرف گُرڈ اِس رِشتے کی تبریک بھول کر اُن کا بہت ہی طاقتور اور نا قابلِ تسخیر دشمن بن چکا تھا۔ کیلاش میں شیوجی کی

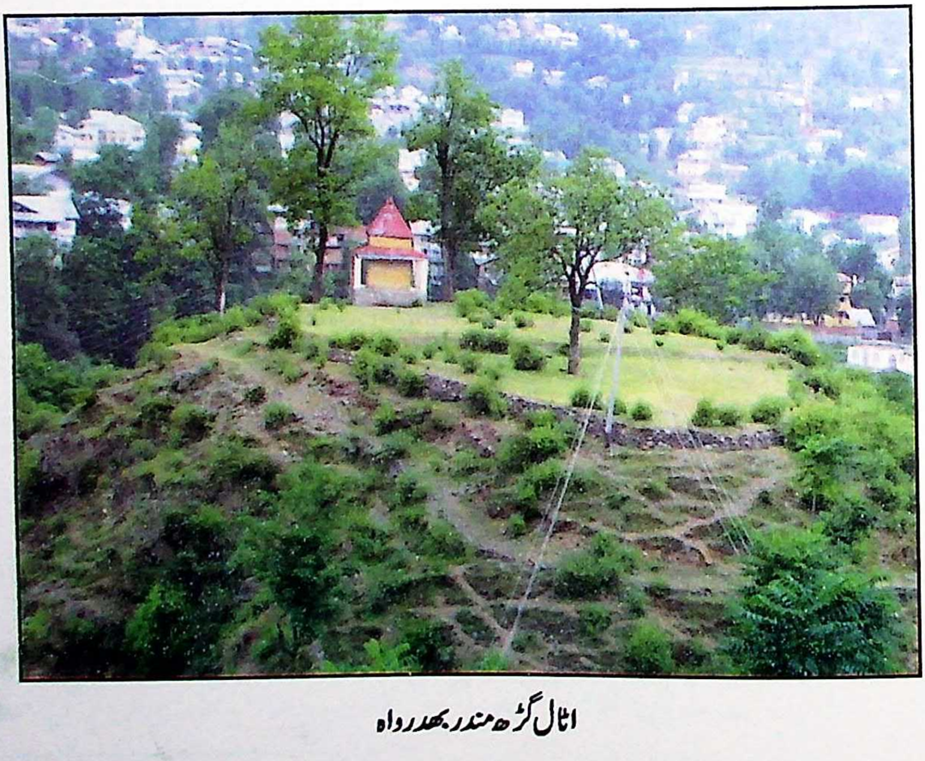
موجودگی کی وجہ سے واسکی ناگ براستہ گوٗ پیٹرا' کیلاش کی طرف بھاگ نکلا۔ وہاں سے وہ رام کنڈ کے مقام پر پہنچا اور گرڈ کو چکمہ دیتے ہوئے گھن تھک میں واقع ایک بڑے پتھر کی دراڑ میں سے گزر کر شنکھ پدر کی چٹان کے نشیبی حصّہ کو پھلاندتے ہوئے خوف کے عالم میں تھکا ماندہ ایک اگلے مقام پر پہنچا' جہاں اُس کو نیند پڑ گئی۔ اِتنے میں گرڈ بھی وہاں پہنچ گیا۔ جاگنے پر وہ ڈر سے کپکپانے لگا اور وہاں سے بھاگ نکلا اور سیدھے کیلاش کنڈ میں ڈبکی لگا کر چھپ گیا۔ گرڈ اِنتظار کر کے تھک گیا لیکن واسکی ناگ جھیل میں ہی چھپا رہا۔ لاکھ جتن کے باوجود بھی گرڈ جھیل کا پانی باہر نہ نکال سکا۔ بالآخر گرڈ نے واسکی ناگ کا پیچھا کرنا چھوڑ دیا اور واپس کشمیر چلا گیا۔ روایت کی جاتی ہے کہ لارڈ شیو نے اپنے بھگت واسکی ناگ کو اپنا مسکن کیلاش حوالے کر ڈالا۔ اِس واقعہ کی یادگار کے طور پر کیلاش یاترا کا اِہتمام کیا جاتا ہے۔ اِس واقعہ کے بعد سے ہی اِسے ایک پوتر تیرتھ استھان کے طور پر اہلِ ہنود نے مانتا دی ہے۔

یاترا کی روانگی:

کیلاش یاترا ہر سال اگست کے آخری ہفتہ یا ستمبر کے پہلے کچھ دِنوں میں شروع کی جاتی ہے' جو گاٹھ میں واقع واسکی ناگ مندر سے کیلاش کی طرف روانہ ہوتی ہے۔ اِس مندر سے یاترا تقریباً ۹/ بجے صبح ڈھول کی صداؤں' بنسریوں کی سُریلی آوازوں اور واسک ناگ کی عقیدت مندی پر مبنی نعروں اور شلوکوں کی گونج میں شروع ہوتی ہے۔ یاتری پہلے "چھڑی مبارک" کی گل باری کرتے ہوئے پوجا کرتے ہیں اور پھر جلوس کی شکل میں بطرف نگر کوچ کرتے ہیں۔ قرب وجوار کے لوگ پھل' پھول' چاول اور عطر جیسی چیزیں لے کر "چھڑی مبارک" اور یاتریوں کا اِستقبال کرتے ہیں۔ دُوسری طرف سے تحصیل بھڈو' تحصیل بلاور' بنی وغیرہ کے لوگ بھی یاتریوں کے جلوس میں شامل ہو کر کیلاش کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔ راستوں میں بہت سی سماجی



کیلاش یاترا بھدرواہ



اٹال گڑھ مندر بھدرواہ

اور مذہبی تنظیمیں اور مخیر لوگ یاتریوں کے لئے لنگر لگا کر اُن کو کھانا پینا پیش کرتے ہیں۔ یاتریوں کو قصبہ نگر پہنچ کر تھوڑی دیر کے لئے رُکنا پڑتا ہے جب تک کہ واسکی مندر بھدرواہ سے بھی یہاں کے یاتری دُوسری ''چھڑی'' لے کر اُن سے مل جاتے ہیں۔ پھر یاترا اسونگلی کے مقام پر پہنچ جاتی ہے۔ یہاں پر واقع ''کالی ناگ'' نام سے منسوب چشمہ کا پانی پی کر یاترا کیلاش کی طرف روانہ ہو جاتی ہے۔ موضع سونگلی سے روانگی کے بعد آگے بڑھتے ہوئے نالہ ہالون کے ساتھ ساتھ بڑی چڑھائی شروع ہو جاتی ہے۔ راستہ دُشوار گزار ہونے کے باوجود سرسبز و شاداب اور سدا بہار جنگلوں اور رنگ برنگے پھولوں سے اَٹے ہوئے قدرتی نظاروں میں سے گزرتا ہے۔ موضع ناٹھی سے تھوڑی سی دُوری پر واقع ہنیہا گاؤں میں پہنچ کر یاتری رات بسر کر کے دُوسری صبح جگو گڈھ کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔ یہ ایک خوبصورت ندی کا نام ہے۔ یہاں پر دوپہر کا کھانا کھا کر تھوڑی دیر قیام کرنے کے بعد یاتری آگے بڑھتے ہیں۔ یہ کوہ پیمائی مکمل کرتے ہوئے وہ ''گوپیڑا'' کی چٹان عبور کرتے ہیں۔ اِس جگہ کو ہندو عقیدے کے مطابق واسک ناگ کے ساتھ اِس لئے نسبت ہے کیونکہ اُنہوں نے بھاگتے ہوئے یہاں ایک ''گائے'' کا رُوپ دھار لیا تھا۔ مقامی بولی میں گائے کو ''گوٗ'' کہتے ہیں۔ پھر یاتری خوبصورت جنگلی پھولوں سے لدی ہوئی ڈالیوں میں سے گزرتے ہوئے ''رام تنڈ'' کے مقام پر پہنچ جاتے ہیں۔ یہاں تک کا سفر بھی سیدھی چڑھائی پر مبنی ہے۔ ''رام تنڈ'' کی چوٹی ایک ''وادیٔ نما'' سرسبز چراگاہ ہے جہاں گوجر لوگوں کے رہائشی کوٹھے واقع ہیں۔ یاتریوں میں سے کچھ یہاں پر ہی لنگر انداز ہوتے ہیں اور کچھ ''چھڑی مبارک'' کے ساتھ آگے نکل کر ''گن تھک'' کی دِلکش وادی میں پہنچ جاتے ہیں۔ یاتری یہاں کے قرب و جوار خصوصاً سیوج دھار کے فطری حسن اور سرسبز و شاداب مرغزاروں کو دیکھ کر ششدر رہ جاتے ہیں۔ روایت کی جاتی ہے کہ گُرڈ کے خوف سے واسکی ناگ نے اِس مقام پر ''شہد کی مکھی'' کا رُوپ دھار لیا تھا۔ یہاں پر بھی بھدرواہ

کے لوگوں کی طرف سے قائم کیئے گئے لنگر میں یاتری لوگ چائے پانی پی لیتے ہیں اور کچھ دیر قیام کر کے وہ جھاڑیوں اور گھاس سے بھری ہوئی وادی سے آگے نکل کر شنگرینی کے دو بڑے بڑے پتھروں میں سے گزر کر ''شنکھ پدر'' کے مقام پر پہنچ جاتے ہیں۔ اِس مقام سے وادیٔ بھدرواہ کے علاوہ پاڈر کے اُونچے پہاڑوں کا بھی نظارہ کیا جاسکتا ہے اور سیوج دھار اور سونہ بائیں وغیرہ کا بھی۔ کہاوت مشہور ہے کہ واسکی ناگ جب یہاں پہنچے تھے تو اُنہوں نے اپنی پیاس بجھانے کے لئے اپنا شنکھ یہاں پر پھینک دیا تھا اور پانی حاصل کرنے اور پینے کے بعد کیلاش کی طرف روانہ ہوئے تھے۔ اِس طرح سے کنڈ پر پہنچ کر اُنہوں نے بھوک مٹانے کے لئے وہاں کی گھاس کھالی تھی۔ اُس میٹھی گھاس کو آج بھی یاتری لوگ کھا کر مزہ لیتے ہیں۔ یاترا بڑی دُھوم دھام سے کیلاش کنڈ پر پہنچ جاتی ہے۔ اِس طرح سے چوبیس (۲۴) میل کا یہ پیدل راستہ طے ہو جاتا ہے۔

اِس کنڈ کے بارے میں واسکی پران میں بھی ذِکر آیا ہے۔ یاتری لوگ کیلاش کنڈ (جھیل) میں نہا دھو کر اپنے ''پاپوں سے مکتی'' پاتے ہیں۔ لوگ یہاں پر غریبوں میں کچھ دان بھی بانٹتے ہیں، جو اُنہیں موت کے بعد واپس مل جاتا ہے۔ اِس طرح سے یہ مذہبی عقائد اور روایات سے پُر یاترا انجام پذیر ہو جاتی ہے۔ کچھ لوگ ایک دو روز کے لئے اِس کنڈ پر خیمہ زن ہوتے ہیں اور کچھ دُوسری نشیبی جھیلوں یا سیوج دھار وغیرہ پر قیام کرتے ہیں۔ تاہم ''چھڑی مبارک'' صرف ایک رات کیلاش جھیل کے یخ بستہ پانی سے دھوئے جانے کے بعد دُوسرے دِن واپس واسکی ناگ مندر گاٹھ لائی جاتی ہے۔ جموں و کشمیر حکومت نے مسٹر غلام نبی آزاد کی سربراہی میں، اِن مذہبی اور سیاحتی اہمیت کے مقامات کو سیاحتی نقشہ پر لانے کی عملی کوشش کی ہے[1]۔ یہاں پر یاتریوں کو بہت ہی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا، جن کا اب سدِ باب ہو رہا ہے۔

---

[1] تفصیلات ایک الگ باب میں درج کی جارہی ہیں۔

سونہ بائیں کا مقدس استھان:

بھدرواہ کے قدیم تیرتھ استھانوں میں سونہ باؤلی یا سونہ بائیں بہت مشہور استھان ہے، جو درۂ پدری کے نزدیک اور کوہِ کیلاش کے جنوب مشرق کی طرف تقریباً ۱۲۴۱۸ رفٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ یہ پہاڑ، جس کے درمیانی حصّہ میں سونہ بائیں واقع ہے، آشاپتی کے نام سے موسوم ہے۔ آشاپتی کا یہ فلک بوس پہاڑ موضع گرڈُنڈی اور موضع تھنالہ کے درمیان بالائی سطح پر ایک پاسبان کی طرف کھڑا ہے، جو قصبہ بھدرواہ اور وادیٔ بھدرواہ کے مختلف علاقوں سے بڑے نمایاں طور پر دِکھائی دیتا ہے۔ یہ بھدرواہ قصبہ سے تقریباً دس میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ بھدرواہ۔ چمبہ روڈ اِس کے دامن سے گزر کر پدری کی طرف مڑتے ہوئے چمبہ چلی جاتی ہے۔ آشاپتی کی خوبصورتی اور دِلکش محل وقوع کا نظارہ کیلاش کنڈ سے بھی بخوبی کیا جا سکتا ہے۔ چھتر گلہ کا درّہ، جو بھدرواہ، بنی، بسوہلی روڈ کی علاقائی سرحد کا تعیّن بھی کرتا ہے، اِس کے جنوب میں ہے۔

آشاپتی پہاڑ کی گود میں ''سونہ بائیں'' ایک کٹورا نما باؤلی کی مانند ہے جو بھدرواہ کا ایک نزدیک ترین گلیشیر ہے۔ ہر سال برف کے تودے پہاڑ کے اُونچے سروں سے گر کر اِس کی کوکھ بھر دیتے ہیں، جو تقریباً ماہ مئی کے آخر تک آہستہ آہستہ پگھلتے رہتے ہیں۔ یہ پہاڑ قدرت کے حسنِ تخلیق کا ایک نمونہ ہے جو اٹھکھار کے علاقہ اور وادیٔ بھدرواہ کی خوبصورتی کو دوبالا کرتا ہے۔ اِس پہاڑی کی ننگی چوٹیاں موسم سرما میں برف سے ڈھک جاتی ہیں اور اِس کے زیریں حصّوں کے گھنے اور سرسبز جنگلات بھی برف پوش ہو جاتے ہیں۔

سونہ بائیں کی یاترا:

یہاں پر ہر سال بھدرواہ، اِس کے مضافات اور دُوسرے دُور دُور کے مقامات

سے آئے ہوئے یاتری واسک ناگ دیو کی درجنوں چھڑیاں لئے ہوئے اور واسک ناگ کی جئے جئے کار کرتے ہوئے جمع ہو جاتے ہیں اور وہاں ''اشٹ دیو کی بھگتی اور پوجا پاٹھ وغیرہ کر کے واپس آ جاتے ہیں۔ آشاپتی تیرتھ پر پتری اماوس کی رات کو اشنان کرنے اور کچھ دان دینے کی رسومات کو بہت اہم مانا جاتا ہے' جس سے اِن کو پُن (ثواب) کمانے کا موقع ملتا ہے۔

اِسی یاترا کے ساتھ بہت سے قسم کے قصے اور روایات منسوب کی گئی ہیں جن میں چند ایک کا ذِکر کرنا قارئین کی دِلچسپی کا باعث ہوگا۔ مسٹر دیس راج کاٹل نے اپنے ایک مضمون ''اُٹھکھار'' میں ایک قصہ کی تفصیل یوں بتائی ہے:

''——پانڈو نریش دھرم راج یدھشٹر نے جب اپنے راج کی راجدھانی اِندر پرست میں اشومیدھ یگیہ آیوجت کرنے کی یوجنا (منصوبہ) بنائی تو یگیہ کے لئے بہت سی صفات والے گھوڑے کی تلاش کے لئے چاروں اطراف میں مضبوط جنگجوؤں کی کمان میں ٹکڑیاں روانہ کیں۔ اُن میں سے ایک ٹکڑی بھدرواہ پہنچی جہاں پر اُنہوں نے آشاپتی دھار پر بڑے اوصاف والے شام کرن گھوڑے کو دیکھا۔ لیکن وہ یہاں کے راجہ ''ساون'' کی اجازت اور جانکاری کے بِنا ہی گھوڑا اپنے ساتھ لے کر اندر پرست پہنچے۔ جب راجہ ساون کو اِس بات کا پتہ چلا تو اُسے بہت غصّہ آیا۔ اُس نے شراپ دے دیا کہ جس کسی نے بھی میرا گھوڑا اِس طرح چوروں کی طرح لیا ہے وہ جلد ہی بھکاری بن کر یہاں آ جائے گا۔ کہتے ہیں کہ اُس شراپ کی وجہ سے پانڈوؤں کو اپنا راج پاٹھ گنوا کر بھٹکتے ہوئے راجہ ساون کے راج میں بھی آنا پڑا——''[1]

دُوسرا قصہ سکھ دیو سنگھ چاڑک نے یوں بیان کیا ہے ——''دُوسرا تیرتھ سطح سمندر سے ۱۲۴۰۸ رفٹ کی بلندی پر ایک پہاڑ کا سرا ہے' جو پدری درّہ کے بالائی حصہ کے جنوب مشرق کی طرف واقع ہے اور ''سونہ بائیں'' کے نام سے مشہور ہے۔ یہ

---

[1] رسالہ ''بزم'' بھدرواہ' مضمون ''اُٹھکھار'' از دیس راج کاٹل' ص: ۶۱-۶۲

نام سنسکرت لفظ ''سورناوپی'' سے نکلا ہے' جس کے معنی ایک ''سونے کا تالاب'' ہیں' جس کے پیچھے ایک دِلچسپ قصہ یہ بتایا گیا ہے کہ اس کے سرے پر کبھی ایک تالاب تھا جسے سونے کی انیٹوں سے تعمیر کیا گیا تھا۔ایک خاص برہمن اپنے ایک پنج کلیانی گھوڑے پر سوار ہو کر اِس تالاب کی طرف جایا کرتا تھا۔اس گھوڑے کے ہر سُم کے علاوہ ماتھے پر سفید قسم کے داغ تھے' جنہیں متبرک مانا جاتا تھا۔ایک دفعہ برہمن کی بیوی نے اُسے تھوڑی سی اینٹیں وہاں سے گھر لانے کے لئے راضی کیا لیکن جب اُس نے وہاں دوبارہ دورہ کیا تو اُس نے تالاب کو ہمیشہ کے لئے ڈھکا ہوا پایا۔'' (ترجمہ:بشیر بھدرواہی)

ڈاکٹر پریتم کرشن کول نے ''ہمالین پرنیسپلیٹیز'' کے صفحہ ۱۴۵' پر اُس گھوڑے کے واقعہ کا یوں ذِکر کیا ہے ـــــــ ''ڈونگانگر کی قدیم راجدھانی میں اس خاندان کی بنیاد ظاہراً طور پر جوبھ ناتھ اور اُس کے مورثِ اعلیٰ میگھ ناتھ نے ڈالی تھی۔ کیونکہ اِن ناموں کا تعلق اُن واقعات سے جوڑا گیا ہے جن کا وقوع پانڈوؤں کے دور میں ہوا خیال کیا گیا ہے۔لہٰذا ہمیں اِن کو خالصتاً تصوراتی یا فرضی ماننا چاہئے۔ کہا جاتا ہے کہ پانڈوؤں کو اشومیدھ قربانی کے لئے ایک ایسے گھوڑے کی ضرورت تھی جسے پنج کلیانی کہا جاتا تھا۔وہ گھوڑا انہیں کہیں بھی نہیں مل رہا تھا لیکن وہ آخر کار انہیں جوبھ ناتھ کے پاس ہونے کی اطلاع ملی۔پانڈو اُس کی طرف روانہ ہوئے اور دارالخلافہ ڈونگانگر میں جنگ ہوئی' جس میں جوبھ ناتھ ہار گیا اور وہ گھوڑا لے گئے۔ ساتھ ہی جوبھ ناتھ اور اُس کا مورثِ اعلیٰ ڈونگانگر کے محل میں مارے گئے ـــــــ'' (ترجمہ:بشیر بھدرواہی)

سونہ بائیں کے بارے میں ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ اِس چشمے کا پانی سال میں صرف ایک بار باؤلی سے باہر کی طرف ظاہر ہوتا ہے' وہ بھی پتری اماوس یعنی اسوج کی پندرھویں تاریک رات کو' جس میں اُس دن تک یہاں پہنچے ہوئے یاتری اشنان کرتے ہیں اور اپنے بزرگوں کے آتماؤں کی شانتی کے لئے دُعا کرتے ہیں کیونکہ اِس باؤلی کے پانی کو بہت پوتر مانا جاتا ہے۔وہ دُوسرے دِن اپنے اپنے گھروں کو لوٹ

آتے ہیں لیکن اُن میں سے کچھ لوگ بھیجہ کے مقام پر ٹھہر کر وہاں رات کے وقت منائے جانے والے سالانہ تہوار (میلے) میں شرکت کرتے ہیں۔ وہ رات بھر خوب ناچتے گاتے ہیں۔ اِس دوران بھیجہ کے لوگ اُن کی اچھی خاطر تواضع کرتے ہیں۔ مسٹر جی. این. گنہر اپنی معروف کتاب ''جموں شرائنز اینڈ پلگر یمز'' کے صفحہ ۸۰ پر اِس تیرتھ کا کچھ اِس طرح ذِکر کرتے ہیں ——— ''دُوسرے تیرتھوں کی طرح ہی آشاپتی کے بھی کچھ اپنے قصے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ قدیم وقتوں میں آشاپتی ایک عمدہ چشمہ تھا جس کا پانی موضع بملکھی کے لوگوں کو، جو کہ اِس پہاڑ کے دامن میں رہائش کرتے تھے، دستیاب تھا۔ جس کی بدولت وہ بہت خوشحال تھے۔ اِس چشمہ کی جانکاری صرف ایک عورت ہی کو تھی۔ ایک دِن وہ بیمار ہونے کی وجہ سے چشمہ پر نہ جاسکی اور اُس نے اپنی نوح کو وہاں پر بھیجا۔ اس (نوح) نے باؤلی کے سطحِ آب پر ایک سنہری گیند نما چیز تیرتے ہوئے دیکھی۔ اُس نے اُسے پکڑنے کی بہت کوشش کی مگر بے سود۔ اُس نے اپنا سکارف اُس گیند پر ڈالا اور اپنے میکے والوں کو اِس ماجرے کی اِطلاع دینے کے لئے دوڑتی ہوئی آئی لیکن واپس آنے پر اُسے چشمے کا کوئی سراغ نہ ملا، بلکہ اُس جگہ کو مٹی اور برف کے ایک بڑے تودے سے ڈھکا ہوا پایا ———''

''——— ایک دُوسری روایت کے مطابق کہا جاتا ہے کہ جب وہ واپس آئی تو پہاڑ کے ایک تودے کے گرنے سے وہ (لڑکی) اور چشمہ (سونہ باؤلی) دونوں اُس کی زد میں آگئے۔ ایک اور روایت کے مطابق اِس چشمہ کو سونے کی اینٹوں سے تعمیر کیا گیا تھا۔ اُس نے اِس میں سے ایک اینٹ نکالنے کی کوشش کی تو پہاڑ کا کچھ حصّہ اُس پر اور چشمہ پر پڑا، جس کے نیچے وہ دونوں دب گئے ———''
(ترجمہ: بشیر بھدرواہی)

ایک اور روایت کے مطابق آشاپتی اور اس سے ملحقہ اٹھکھار کے علاقوں میں قدیم زمانے میں ''آشاپتی'' نام کا ہی راجہ راج کرتا تھا، جس کی رانی وغیرہ اس چشمہ پر نہاتی تھی۔ اِن روایات کے دھندلکوں نے دراصل اصل قصّے تک پہنچنے میں

بڑی دیواریں حائل کر ڈالی ہیں۔

چھوٹا منی مہیش یاترا:

قدیم بھدرواہ کی مشہور یاتراؤں میں موٹھی بھوتہ سے رام رچن (بسوہلی) کی یاترا بھی شامل ہے، جو ابتداء میں مرمت کے لوگوں پر مشتمل ہوتی تھی اور جنم اشٹمی کے چودھویں روز ریشی پنچمی کے دِن موٹھی بھوتہ سے شروع ہوتی ہے۔ یہ یاترا ''چھوٹا منی مہیش یاترا'' کے نام سے موسوم ہے۔ اِس کے شروع ہونے کے پہلے دِن ایک بھنڈارے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ صدیوں پہلے پلپیل قبیلے کے کچھ لوگ ہماچل پردیش سے موٹھی بھوتہ (مرمت) آکر آباد ہو گئے۔ اس قبیلے کے لوگ ہی آج تک ہماچل پردیش کی منی مہیش یاترا کے دوران ہیڈ ''چیلے'' کے فرائض انجام دیتے ہیں۔ بھوتہ میں بھی اس ''پلپیل'' قبیلہ سے تعلق رکھنے والا چیلہ یاترا کی رہنمائی کرتا ہے۔ یہ بھی کہاوت ہے کہ پلپیل مہاجرین میں سے ایک بزرگ کو کالے پتھر سے تراشا ہوا ایک شیولنگم اپنا کھیت جوتتے ہوئے ملا، جسے اُس نے اپنے گھر میں رکھا۔ اُس نے کچھ عرصہ کے بعد مرمت کے کچھ لوگ ساتھ لے کر اُس لنگم کو پالکی میں ڈال کر سفر شروع کیا۔ اِس سے پہلے اُس نے بھنڈارہ کیا۔ موٹھی بھوتہ میں ایک شیواستھان پرانے وقتوں سے موجود ہے۔ یاترا کا پہلا پڑاؤ جروٹھ میں ہے، جہاں سدھ مہادیو کے کارتک سوامی مندر سے اِس میں دُوسرے یاتری شامل ہوتے ہیں۔ دُوسرا پڑاؤ تھانہ کے مقام پر آتا ہے جہاں کالی بیر (بھیرو) مندر آج تک موجود ہے۔ یاترا کا تیسرا پڑاؤ بھوتہ بالا میں ہے، جہاں پر بھی بیر بابا کا استھان ایک سنو کے درخت کے سایہ میں واقع ہے۔ اِس جگہ پر یاترا کی واپسی پر رات کو روایتی کُڈ ناچ منعقد ہوتا ہے۔ اِس کے بعد پہلی رات ''نیریلاہ'' کے مقام پر گزاری جاتی ہے، جہاں پر ایک نر بھیڑ کی بلی دی جاتی ہے۔ یہ ''بھیرو بابا'' کے اعزاز میں دی جاتی ہے۔ رات کو مکئی کے آٹے اور گُڑ سے بنا

ہوا حلوہ تیار کیا جاتا ہے جسے ''رام رتچن'' پہنچ کر چڑھایا جاتا ہے۔ رام رتچن سطح سمندر سے ۸۰۰۰ میٹر کی اُونچائی پر واقع ہے۔ موضع موٹھی سے نیر یلاہ تقریباً ۱۰ سے ۱۲ رکلو میٹر کی دُوری پر واقع ہے۔ یہ سفر پہلے ہی دِن طے ہوتا ہے۔ دُوسرے دِن کا سفر بڑی چڑھائی پر شروع ہوتا ہے۔ ادھم ڈھکو کے مقام پر یاتری روایتی بھجن (جنہیں مقامی زبان میں ''انجلی'' کہا جاتا ہے) گانا شروع کرتے ہیں۔ اِس کے بعد دُوسرا پڑاؤ ''چھے دی گھوٹ'' آتا ہے اور تیسرا پڑاؤ رام رتچن کے قریب ہی ''چنڈی ماتا'' پر۔ اِس پڑاؤ پر پہاڑ کی دُوسری طرف کے یاتری بھی اِس میں شامل ہو جاتے ہیں۔ دُوسرے دِن کا سفر چھ سے سات کلو میٹر ہے۔ واپسی کا سفر اُسی روز شروع ہوتا ہے' جو ۱۴ ر۔ سے ۱۵ رکلو میٹر کی مسافت پر بہوتہ بالا تک جا پہنچتا ہے۔ رام رتچن کے مقام پر ہیڈ چیلا مذہبی رسومات کی ادائیگی کرتا ہے' جب کہ باقی یاتری اپنے ساتھ لائی ہوئی روٹیاں اور حلوے جھیل کے ساتھ واقع لنگم پر چڑھاوے کے طور پر پیش کرتے ہیں اور کڈ ناچ منعقد ہوتا ہے۔ یہاں ترشول اور باقی چیزوں کو جھیل میں ڈبو کر واپسی پر ساتھ لاتے ہیں۔ اِس جھیل کا پانی صاف و شفاف اور بہت ٹھنڈا ہے۔ یاتری شنکھ' نرسنگھا اور ڈھول بجاتے ہوئے ''چھڑی'' کے ساتھ واپسی کا سفر شروع کرتے ہیں۔ اِس مقام پر کوئی مندر واقع نہیں ہے' البتہ اِتنی اُونچائی پر پانچ سو میٹر قطر کی ایک خوبصورت جھیل قابلِ دید ہے۔ موٹھی میں واقع شیو لنگم ''جلہری شیو لنگم'' ہے۔ اُس جیسا لنگم علاقہ کے دُوسرے حصّوں میں دستیاب نہیں ہے۔ البتہ اس قسم کا ایک لنگم رُوٹ (مرمت) میں بھی واقع ہے۔ یاتری جنگلی جڑی بوٹیوں' خوشنما اور سرسبز و شاداب چراگاہوں اور جنگلوں سے گزر کر لطف اندوز بھی ہوتے ہیں۔ ۲۰۰۸ء کی یاترا ۱۴ رستمبر سے شروع ہوئی۔[۱]

۱؎ اِستفادہ و تلخیص بشکریہ سنڈے میگزین کشمیر ٹائمز' ۳۱ راگست ۲۰۰۸ء' مضمون مسٹر بشن داس

باب چہارم: فنونِ لطیفہ یا فائن آرٹس

فنونِ لطیفہ کی اقسام:

بھدرواہ میں رائج فنونِ لطیفہ میں وہ سبھی شعبے شامل ہیں جن کا تعلق اِن فنون سے ہے۔ فنونِ لطیفہ یا فائن آرٹس کو عمومی طور پر چھ قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے، جن میں فنِ تعمیر، موسیقی، مصوری اور مجسمہ سازی، تھیٹر (ڈراما)، رقص (ناچ ونغمہ) شاعری اور ادب وغیرہ شامل ہیں۔

فنِ سنگتراشی اور مجسمہ سازی:

قدیم مملکت بھدرواہ کے ایک معروف سنگ تراش اور مجسمہ ساز مسٹر اِندر منہاس کے مطابق ''کچھ اشیاء کی سطح پر تھوڑے سے اُبھار یا خموں کی نمود یا اندر کی طرف موڑنا یا رنگ وروغن کی چھاپ دینا، اِنسان کا ایک اہم مشغلہ رہا ہے۔ اِس مشغلہ کو فنونِ لطیفہ یا فائن آرٹس کا نام دیا گیا ہے جس میں موسیقی، سنگتراشی، مصوری اور فنِ تعمیر بھی شامل ہیں۔ اِنسان تھوڑی سی مہارت کے بعد ان فنون سے لطف اندوز ہوسکتا ہے اور ان کی قدردانی بھی کرسکتا ہے۔ اِس فن نے نہ صرف اِنسان کے دماغ اور اس کے جذبات کو جمالیاتی خوشیوں سے محظوظ کیا ہے بلکہ اسے اپنا نام کمانے اور شہرت حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ دولت کے حصول کا ایک مفید ذریعہ بھی بنایا ہے۔

بھدرواہ کے فنون لطیفہ کو ''بھدر کلا'' کا نام دیتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ:

''بھدرواہ میں نامعلوم زمانے سے چلے آرہے اِس فن کے لئے ''بھدر کلا''
کی اِصطلاح اِستعمال کرنا بالکل مناسب اور موزون ہے۔ اِس کلا میں بھدرواہ کے فنونِ لطیفہ کی ہر شاخ کو اُن کے وسیع معنوں کے تحت شامل کیا جاسکتا ہے۔ ان فنون نے بھدرواہی لوگوں کے دماغ (سوچ) اور اِقتصادیات پر بڑا اثر ڈالا ہے۔''

اِس میں شک نہیں کہ بھدرواہی فنونِ لطیفہ میں مذہبی فلسفے کا کافی عمل دخل رہا ہے۔ یہ فن دُنیا کے فنونِ لطیفہ کے مقابلہ میں تقریباً سوا سو سال کے بعد اس دھرتی پر شروع ہوا جس کی اپنی اِنفرادیت ہے اور بقول منہاس صاحب ''بھدرواہ کے فنکار (ہنرمند) کسی بھی صورت میں دُنیا کے ہم عصر فنی نظریوں سے پیچھے نہیں۔ یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ ''بھدرواہ کلا'' بسوہلی، چمبہ، ڈوگرہ، کشمیری، گندھارا گپتا اور چولا فنونِ لطیفہ سے مختلف تھا، ہے اور رہے گا۔''[1]

بھدرواہ کے قدیم راجواڑے میں یہ ''کلا'' مختلف جگہوں پر ''مورتیوں'' کی مجسمہ سازی سے شروع ہوئی۔ اِن مورتیوں میں سنگلی باؤلی، رہوشرا ماتا، موضع منتھلہ کی شیومورتی، موضع نالٹھی میں نصب کردہ کالی ماتا کی مورتی اور بھدرواہ میں واسکی ناگ اور جگت وہاں کی مورتیوں کے علاوہ موضع گاٹھ میں موجود مورتی، اُس زمانے کی سنگتراشی اور مجسمہ سازی کے اعلیٰ نمونے ہیں۔ اِن مورتیوں یا مجسموں کو دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ یہ فن اُس زمانے میں اپنے عروج کو پہنچ چکا تھا۔ یہ مورتیاں موضع سرتنگل سے قریباً ڈیڑھ میل دُور مشدیو نالہ میں پائے جانے والے کالے پتھر سے تراشی گئی ہیں۔ بقولِ اِندر منہاس ''ان کو کشادہ کندھوں، لمبے بازوؤں، علامتی ابھیدان، ہاتھوں میں شنکھ اور چکر لئے ہوئے اور سروں کے گرد خوبصورت تاج اور ناگوں (سانپوں) کے سرپوش کی شکل میں تعجب انگریز طریقہ سے تراشا گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فنکار نہ

---

[1] ''جے اینڈ کے رپورٹر'' (انگریزی) اپریل ۲۰۰۷ء ایڈیٹر زبیر منہاس، مضمون ''فائن آرٹس آف بھدرواہ'' از: اِندر منہاس ترجمہ: بشیر بھدرواہی

صرف اعلیٰ پایہ کا سنگتراش تھا بلکہ وہ ''یوگا کے فن'' میں بھی مہارت رکھتا تھا۔ ان مورتیوں کو غور سے دیکھنے پر محسوس ہوتا ہے کہ سنگتراش نے لارڈ ویشنو سے متعلق اپنے رُوحانی اور دِلی جذبات اور محسوسات بڑی خوش اسلوبی اور کامیابی سے اِن مورتیوں کو تراش کر پیش کیے ہیں اور انہیں آرٹ کے نمونے بنانے میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی ہے۔ سنگتراشی اور مجسمہ سازی کے اِن اعلیٰ شاہکاروں کے علاوہ یہاں کی قدیم تہذیب وثقافت سے جُڑے ہوئے لوک ناچ، لوک موسیقی، دیگر تہوار اور میلے اور تفریحی مشاغل[1] اس بات کا زِندہ ثبوت ہیں کہ یہ راجواڑہ اپنی پسماندگی کے باوجود مذکورہ تہذیبی اور ثقافتی عناصر میں کسی علاقے سے پیچھے نہیں رہا ہے، بلکہ اِس نے اس لحاظ سے اپنا ایک انوکھا اور منفرد مقام حاصل کیا ہے۔

سنگتراشی کے نمونے ہمیں منادر کی مورتیوں کے علاوہ چشموں کی شکل میں بھی جگہ جگہ ملتے ہیں، جن کے دہانوں پر ناگوں کی اشکال کندہ کی گئی ہیں۔ یہ چشمے یہاں کی ناگ تہذیب کے نمائندہ یادگار ہیں۔ مقامی فنِ لطیفہ اور اِس سے جڑے ہوئے باقی فنون کو بڑھاوا دینے کی اشد ضرورت ہے، جس سے یہاں کی معاشی حالت میں بھی سدھار آسکتا ہے۔

کہا گیا ہے کہ بھدرواہ کا فن سنگتراشی اور مجسمہ سازی بہت قدیم ہے جس کے ڈانڈے ویدک زمانہ تک جا پہنچتے ہیں۔ اِس قدیم مملکت کے لکڑی سے بنے ہوئے مندروں میں نصب شدہ مورتیوں میں اِس فن کی جھلکیاں دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ عسر اور بلند پور (مرمت) کے مقامات پر بھی لکڑی میں کندہ کی گئی مورتیاں تھیں، جواب محکمہ آثار قدیمہ کی تحویل میں ہیں۔ اِس کے علاوہ مرمت علاقہ کے ہی موضع دہرہ ٹاپ کے مقام پر بھی کچھ مورتیاں دس ہزار فٹ کی بلندی پر پائی گئی ہیں۔ واسک ناگ مندر کی مورتیوں کو پال راجہ نے چمبہ سے لائے گئے مجسمہ ساز بستی رام کے ہاتھوں

---

[1] اِن کا تفصیلی ذکر پہلے ہی ''میلے اور تہوار'' کے حصّہ میں آچکا ہے۔

ہاتھوں تیار کروایا تھا۔ روایت کی جاتی ہے کہ مورتیاں بنانے کے بعد اُس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا اور اُسے سرتنگل میں ایک سو کنال زمین الاٹ کی گئی۔[1]

مسٹر اِندر منہاس سنگتراشی اور مجسمہ سازی سے اپنے کالج کے زمانے میں ہی وابستہ ہوگئے تھے' جنہوں نے پتھر اور پلاسٹر آف پیرس سے بنائے گئے عمدہ نمونے ہمارے سامنے پیش کیے۔ پلاسٹر آف پیرس سے ۱۹۴۷ء سے پہلے بھدرواہ کے خواجہ غلام احمد خطیب بھی مجسمہ سازی کرتے تھے۔ اُنہوں نے اس فن میں بڑی مہارت حاصل کی تھی۔ فسادات کے دِنوں میں وہ جموں سے پاکستانی مقبوضہ کشمیر چلے گئے۔ اُنہوں نے مہاتما گاندھی اور کچھ رہنماؤں کے مجسمے تیار کیے تھے' جو اَفراتفری کے ماحول کی نذر ہوگئے۔

فنِ مصوری اور پینٹنگ:

''وی.سی.ارچر اپنی مشہور کتاب ''انڈین پینٹنگ آف دی پنجاب ہلز'' میں اِس بات کا بڑے وثوق سے اِظہار کرتے ہیں کہ بھدرواہ اور کشتواڑ میں مصوری کے سکول قائم تھے۔ ہماری ریاست کے محکمہ ریسرچ اور نشریات نے کچھ تلف شدہ مصوری کے نمونے حاصل کیے ہیں۔ بھدرواہ کی مصوری بسوہلی قلم کے ساتھ بڑی حد تک مشابہہ دکھائی دیتی ہے۔ لیکن کچھ حاصل شدہ ٹکڑے بسوہلی مصوری کے مقابلہ میں کم درجہ کے پائے گئے ہیں۔ بھدرواہ کے مقابلہ میں وزیر محل کشتواڑ میں موجود مصوری کے نمونوں میں کم رنگارنگی ہے۔''[2]

موجودہ دور میں فنِ مصوّری میں پروفیسر شبیر احمد قاضی اپنی خداداصلاحیتوں کو بروئے کار لاکر اچھے نمونے ہمارے سامنے لائے ہیں۔ قاضی صاحب تو زمانۂ کالج

---

[1] ''کلچر ہیریٹج'' از: این.بی.کوتوال' ص:۲۷' ترجمہ: بشیر بھدرواہی

[2] ''فوکس آن جموں اینڈ کشمیر'' از: اسیر کشتواڑی' ص:۸۰۳-۸۰۴' ترجمہ: بشیر بھدرواہی

سے ہی اِس فن کی طرف مائل ہو گئے تھے' جبکہ کچھ عرصہ سے اِس فن کی آبیاری کر رہے ہیں۔ اُن سے پہلے خواجہ غلام احمد خطیب اِس فن میں کافی مہارت حاصل کر چکے تھے لیکن اُنہیں یہاں پر کام کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ اُن اوقات میں فنِ مصوری کا یہاں کوئی قدردان بھی نہیں تھا۔ چند ایک مقامی نوجوان بھی اِس فن میں مہارت حاصل کرنے کے ابتدائی مراحل طے کر رہے ہیں۔

فنِ تعمیر:

بھدرواہ کے قدیم فنِ تعمیر پر ہمسایہ ریاستوں کی طرزِ تعمیر کا نمایاں اثر رہا ہے' جس کا ثبوت اِس قدیم جاگیر کے متعدد پرانے مندر ہیں جو عام طور پر لکڑی سے بنائے گئے ہیں۔ اِن کا طرزِ تعمیر چمبہ کے قدیم فنِ تعمیر سے زیادہ ملتا ہے۔ ان میں سے کچھ مندر گیارھویں یا بارھویں صدی عیسوی میں تعمیر کئے گئے ہیں۔ یہاں کے کالی مندر کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ سب سے قدیم مندر ہے' جو اُن چار مندروں میں سے ایک ہے جو ناگ مسلک کے تحت تعمیر کئے گئے تھے۔ یہاں کے کچھ مندر اچھی قسم کی کندہ کاری اور مجسمہ سازی کے اعلیٰ نمونے پیش کرتے ہیں۔ سینکڑوں مندروں کے دروازوں وغیرہ پر عمدہ کندہ کاری رفتہ رفتہ خستہ ہو چکی ہے۔ ویسے بھی اب مندروں کی اہرام نما چھتیں لکڑی کے بجائے ٹین کی چادروں سے بنائی جاتی ہیں۔ ناگا مندر چھوٹی اور بڑی سادہ ساخت کے ہوا کرتے تھے' جن کی پتھروں سے بنی ہوئی بنیادیں چکور قسم کی ہُوا کرتی تھیں۔ ان میں لکڑی کی تہہ بھی پتھروں کی تہہ کے بعد ڈالی جاتی تھی۔ تراشے ہوئے پتھروں کا اِستعمال بھی ہوا کرتا تھا۔ یہ طرزِ تعمیر دراصل پنجاب سے یہاں وارد ہوا تھا' جو وہاں دیوی پوجا اور ناگ پوجا کے لئے بنے ہوئے مندروں میں استعمال ہوتا تھا۔ مندر عموماً اُونچی جگہ پر تعمیر کئے جاتے تھے۔ اُونچی کرسی یا بنیاد تعمیر کرنے کی صورت میں اُس کو سامنے والے حصّہ سے ایک سیڑھی سے جوڑا جاتا تھا' جو اچھے پتھر

تراش کر بنائی جاتی تھی۔ لوگوں کو آنے جانے میں سہولیت پیدا کرنے کے علاوہ اس سیڑھی سے مندر کی مجموعی دلکشی میں اضافہ بھی ہو جاتا تھا۔ مندر کے ساتھ ایک کھلا برآمدہ بھی تعمیر کیا جاتا تھا، جس کو مندر کی چھت احاطہ کیئے ہوتی تھی۔ مندر کا عام طور پر ایک ہی دروازہ ہوا کرتا تھا۔ مندر کی چھت مخروطی قسم کی ہوتی تھی۔ مندر کا درمیانی حصّہ بھی پتھروں کی معمار کاری کا نمونہ ہوتا تھا۔ مندروں کی تعمیر میں دیودار کی لکڑی کا زیادہ اِستعمال ہوتا تھا جو یہاں کثرت سے پائی جاتی ہے۔ لکڑی کے کئی مندر آج بھی کئی مقامات پر موجود ہیں۔ اب قدیم مندروں کی خستہ لکڑی کو ہٹا کر اُن کو نئی طرز پر تعمیر کیا جارہا ہے اور اُن میں سیمنٹ، ریت، سریہ وغیرہ کے علاوہ ٹین کی چادروں کا اِستعمال کیا جاتا ہے۔ تاہم مندروں کے چھت کی طرف کا حصّہ پرانی طرز پر ہی بتدریج اُوپر کی طرف تنگ ہوتے ہوئے کلس تک چلا جاتا ہے۔ کلس ایک دُوسرے پر رکھی ہوئی چھوٹی چھوٹی ہانڈیوں سے تیار کیا جاتا ہے، جن کی جسامت اُوپر کی طرف کم ہوتی جاتی ہے۔ یہ سنہرے رنگ کے ہوتے ہیں۔ ہر مندر کے سامنے والے حصہ میں ایک منڈپ بھی تعمیر کیا جاتا ہے۔ بھدرواہ کا واسکی مندر یہاں کے فن تعمیر کا ایک شاندار نمونہ ہے۔ البتہ کچھ عرصہ پہلے تعمیر کیا گیا لکشمی نارائن مندر نئی طرز کا مندر ہے۔ گپت گنگا کا مندر پرانے طرز تعمیر کا عکاس ہے۔

جہاں تک وادئ بھدرواہ اور اِس کے قدیم حصّوں میں مساجد کی تعمیر کا تعلق ہے، یہ مغل طرز تعمیر کی ہی عکاسی کرتی ہیں۔ جن کی بنیادیں پتھر سے تراشی ہوئی سِلوں کی ہوتی ہیں یا پھر عام پتھر کی۔ پُرانی مساجد میں چونے کے پتھر یا مٹی سے بنے ہوئے گارے کا اِستعمال ہوا ہے۔ جس کی جگہ اب سیمنٹ نے لی ہے۔ عام طور پر مساجد نمازیوں کی تعداد کا اندازہ لگانے کے بعد تعمیر کی جاتی تھیں۔ ان مساجد کی منزلوں میں زیادہ تر لکڑی کا ہی اِستعمال ہوا کرتا تھا۔ تعمیر عمارت کا نقشہ مقامی ترکھان تیار کرتے تھے اور وہی اُن کی تعمیر میں بڑا حصّہ ادا کرتے تھے۔ پہلے پہلے تمام مساجد لکڑی کی ڈھلوانی چھتوں اور درمیان میں بڑے بڑے لکڑی کے کھمبوں کو نصب کر کے

تعمیر کی جاتی تھیں اور بہت سے دیہات میں مساجد کی چھت ہموار ہوا کرتی تھی لیکن بیچ میں گنبد یا مینار بھی تیار کیا جاتا تھا۔ قصبوں میں مساجد کو اُونچی سطح پر لاکر تعمیر کیا جاتا تھا۔ جس کے سامنے والے حصّہ یا حصّوں میں برآمدے ہوا کرتے تھے اور اُن کے دائیں بائیں ایک ایک مینار اور درمیان میں اُونچا گنبد ہوا کرتا تھا۔ گنبد کی کھڑکیوں اور مسجد کے ایک طرف جلی حروف میں قرآن کریم کی آیات لکھی جاتی تھیں۔ پرانی تعمیر کا نمونہ جامع مسجد بھدرواہ پیش کرتی ہے جس کی سالہا سال سے تجدید کاری بھی ہوتی رہی ہے۔ تقریباً ہر مسجد کے چھت پر ڈھلوانی طرز پر ٹین ڈالی جاتی ہے تاکہ برف یا بارش اُس پر ٹھہرنے نہ پائے۔ مساجد کے ساتھ غسلخانوں اور پاخانوں وغیرہ کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے جس میں پانی کی فراہمی لازمی طور پر کی جاتی ہے۔ مساجد کے منبر و محراب' گنبد و مینار اور مجموعی طرزِ تعمیر مغل اور وسط ایشیائی طرز کی دین ہے۔

یہاں کی خانقاہوں پر بھی وادیٔ کشمیر کے فنِ تعمیر کا نمایاں اثر پڑا ہے جو عام طور پر لکڑی کی ہی بنی ہوئی ہیں۔ یہ وادی کے ریشی طرزِ چوب کاری کے مشابہ ہیں۔ ان تعمیرات میں جالی دار پنجر کاری بھی ہوتی تھی۔ کچھ خانقاہوں کی تجدید کاری بھی ہو رہی ہے۔ مساجد' خانقاہوں اور مندروں وغیرہ میں اب زیادہ تر سیمنٹ' سریے اور لکڑی کا اِستعمال ہوتا ہے۔ صفائی ستھرائی کے لوازمات پورا کرنے کے لئے نئے نئے سامان اور ضروری اشیاء کا اِستعمال کیا جاتا ہے۔

22.9.07

نئ ٹیکنالوجی کا اثر یہاں کے پُلوں' مکانات اور دیگر تعمیرات پر بھی پڑ رہا ہے۔ ایک زمانہ میں یہاں کے مکانات پرانی طرز کے ہوتے تھے' جو نہایت ہی سادگی سے بنائے جاتے تھے۔ ان میں زیادہ تر پتھر اور گارے کے ساتھ ساتھ لکڑی کا بڑا اِستعمال ہوتا تھا۔ لکڑی سے تعمیر کی ہوئی ہموار چھتوں پر نرم مٹی کی تہیں بچھا کر ہموار کی جاتی تھیں۔ کچن والے کمرے کی چِمنی' جو لکڑی اور گارے سے مخروطی شکل میں تیار کی جاتی تھی' چولہے کے عین اُوپر چھت کے ساتھ اِس طرح ملائی جاتی تھی کہ اس میں

دُھواں گزر سکے۔ چھت کے اِس حصّہ کے ایک بڑے سوراخ پر دو تین اطراف سے چھوٹے پتھر ڈال کر اُن کے اُوپر ایک بڑا پتھر پیوست کیا جاتا تھا۔ اِس طرح سے دُھواں پوری طرح سے باہر نکل جاتا تھا۔ مکان میں ایک دو دروازے، چھوٹے موٹے روشن دان اور چند ایک کھڑکیاں بھی لگائی جاتی تھیں۔ اِس طرح سے لوگ گزر اوقات کرتے تھے۔ ایک ہی کمرہ میں رسوئی بھی ہوتی تھی، سونے کا بھی وہی کمرہ ہوتا، اُسی میں بالن، اناج، پانی کے گڑونج وغیرہ بھی ہُوا کرتے تھے۔

۱۹۴۷ء سے پہلے یہاں کے چند ایک گھرانوں کے مکانوں پر ٹین کی چھت تھی، باقی سب مکانوں پر (تقریباً ۹۵ فیصد) ہموار مٹی کے چھت تھے۔ دراصل ایک طرف تو علاقہ دُشوار گزار تھا۔ چند راستوں پر ہی گھوڑے خچر چلتے تھے۔ عام لوگ پا پیادہ سفر طے کرتے تھے تو ٹین کیسے یہاں لائی جاتی۔ دُوسری طرف سے عام لوگ بہ استثناء چند جاگیرداروں کے مفلوک الحال تھے۔ البتہ عوامی حکومت کے بعد حالات میں تبدیلی آئی۔ کافی لوگوں کو ملازمتیں ملیں اور نئ طرز تعمیر نے یہاں بھی درشن دیئے۔ آج تقریباً نوے فی صدی لوگوں کے مکانوں کی تجدید کاری ہو چکی ہے اور جگہ جگہ ٹین کی چھتیں اور کشادہ اور صاف ستھرے مکان بننے شروع ہو گئے ہیں۔

پُلوں کی طرزِ تعمیر میں بھی کافی بہتری آئی ہے۔ پہلے دیہات میں ترنگڑیوں کا رواج تھا۔ ایک دو شہتیر دریا یا نالے کے دونوں کناروں کو جوڑتے ہوئے ڈالے جاتے تھے جن پر چل کر اِنسان دریا یا نالے عبور کرتے تھے۔ پھر کینچیوں والے پُلوں کا رواج ہوا، جو مقامی ترکھان تعمیر کرتے تھے اور عموماً لکڑی کے ہی بنے ہوتے تھے۔ اب نئی طرز کے پُل تیار کئے جا رہے ہیں جن پر کروڑوں روپے کی لاگت آتی ہے۔ پچھلے دو سال سے وادیٔ بھدرواہ میں تقریباً پانچ پُلوں کا (دریائے نیرو پر) تعمیر کا کام شروع ہو چکا ہے۔ اِس کے علاوہ علاقہ بھلیس اور مرمت وغیرہ میں بھی پُل تعمیر کئے جا رہے ہیں۔ ان سب میں نئ ٹیکنالوجی کا اِستعمال ہوا ہے۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ بھدرواہ

کے قلعہ کی تعمیر وغیرہ کا ذکر ایک علٰحدہ باب میں کیا جا رہا ہے۔

فنِ موسیقی:

اِنسانی سماج یا اِس کا کوئی فرقہ یا طبقہ اپنی خوشی، مسرت یا غم واندوہ کی کیفیات کا اِظہار مختلف طریقوں سے کرتا آیا ہے۔ اوّل اوّل اُس نے بنسری، چنگ اور یک تارہ جیسے ساز ایجاد کر کے اپنے محسوسات اور جذبات کو کھلی فضاؤں میں بروئے کار لا کر اپنی دِل بہلائی کی۔ شاعری کی مختلف اصناف کے اِرتقاء کی بدولت اُسے کچھ ایسے ساز اور موسیقی کے آلہ جات بنانے پڑے جن کا اِستعمال وہ گانوں کے بولوں کے ساتھ کرتا رہا ہے۔ اِس طرح سے ساز اور آواز کے باہمی ملاپ سے فنِ شاعری کے ساتھ ساتھ فنِ موسیقی کو بھی فروغ حاصل ہوتا گیا اور کئی قسم کے ساز اور آلہ جات ایجاد ہوتے رہے جن کے سازوں نے شعری ادب کے اِظہار میں نئے نئے رنگ بھر کر اسے زیادہ موزوں اور دلکش بنایا۔ خاص قسم کی بندشوں میں موسیقی کے نئے رُوپ سامنے آتے رہے جن سے گانے کے آہنگ میں نئی تاثیر، سوز اور لے پیدا ہوئی۔ فوک لور میں لوک سنگیت اور لوک شاعری نے جنم لیا جب کہ عام یا کلاسیکل قسم کی شاعری سے کلاسیکل موسیقی کو فروغ ملا۔ تاہم موسیقی جتنے قسم کے تالوں، سروں یا بندشوں میں ہو اُتنی ہی من بھانے والی ہوتی ہے۔ لوک موسیقی کی دُھنیں کچھ زیادہ مسحور کُن اور پُرکشش ہوتی ہیں۔ اِس کا لُطف زیادہ تر مقامی تہواروں، میلوں، فصلی اجتماعات یا شادی بیاہ کے مواقع پر اُٹھایا جا سکتا ہے۔

قدیم قسم کے سازوں کو لوک ساز کہا جاتا ہے جن میں عام طور پر چنگ، رباب، بنسری، ڈھول، سرنائی، نگارا (نقارہ) یک تارہ وغیرہ شامل ہوتے تھے۔ کڈیا ڈھکو ناچ شروع کرنے سے پہلے ایک خاص قسم کے دھون (مقامی ڈرم) پر ملہار تال بجایا جاتا ہے، جس سے لوگوں کو کسی خاص مقام یا جگہ پر جمع ہونے کا عندیہ دیا جاتا ہے۔

یہاں کے قدیم ناچوں خصوصاً ڈھکو ناچ کے دوران موسیقی کے مختلف ساز (آلہ جات) اِستعمال ہوتے ہیں جن میں ڈھول، بنسریاں، گھنٹیاں، نرسنگھا (مُڑا ہوا سینگ) اور کرناہ (سیدھا سینگ) وغیرہ شامل ہیں۔ ڈھولک ناچ، جو عموماً شادی بیاہ یا قومی تقریبات کے دوران پیش کیا جاتا ہے، میں چھوٹی سی ڈھولک، سارنگی، بنسری اور ہارمونیم جیسے موسیقی کے ساز اِستعمال کیئے جاتے ہیں۔ کہیں کہیں تان پورا کی مدھر دُھنیں بھی سُنائی دیتی ہیں۔ ایک روایت کے مطابق ہارمونیم یہاں پر گپتا خاندان (کالہ خاندان) نے متعارف کروایا تھا۔ اُن کے ساتھ ہی ملک غلام مصطفیٰ مرحوم (تنویر بھدرواہی کے والد) نے بھی ایک عدد گراموفون کے ساتھ ہارمونیم بھی خرید کر لایا تھا۔ ممکن ہے کہ راجہ ناگ پال دوم کے زمانے میں بھی میراثی کنبے کے ساتھ کچھ سازو سنگیت کے آلہ جات دہلی سے یہاں لائے گئے ہوں۔

نقارہ (مقامی زبان میں نگاڑہ) عام طور پر شادی بیاہ کے مواقع پر ڈھول اور سُرنائی کے ساتھ متناسب ڈھنگ سے بجایا جاتا ہے۔ کچھ عرصہ پہلے مسلم شادیوں کے دوران کئی کئی دِنوں تک سرنائی کی مسحور کن دُھنیں سنائی دیا کرتی تھیں جو بعد میں دُولہے کی روانگی کے مواقع تک محدود ہو کر رہ گئیں۔ اور اب کبھی کبھار ہی سالوں کے وقفوں کے بعد سنائی دیتی ہیں۔ اِس فن کو پھر سے تازگی بخشنے اور زِندہ رکھنے کی ضرورت ہے۔ شادی وغیرہ کے مواقع پر ڈھولک، بینجو، گلاس، گھڑا یا گاگر اور چمٹے کا اِستعمال بھی ہوتا ہے، جو مقامی طور پر موسیقی کے اہم جُز مانے جاتے ہیں۔ سازو سنگیت کی محافل میں کہیں کہیں رباب اور سارنگی وغیرہ کے ساز بھی بجائے جاتے ہیں۔ پُرانے اوقات میں کسی بزرگ کی موت پر ڈفلہ بجایا جاتا تھا۔ یہ رسم اب بند ہو گئی ہے۔ تاہم بسا اوقات چوبی چھڑیوں اور ہاتھوں کو ایک خاص قسم کی رِدّم کے ساتھ بجا کر بھی موسیقی کے جیسے تال سُر پیدا کئے جاتے ہیں۔ ایسا کچھ عموماً لوک ناچوں کے دوران کیا جاتا ہے۔ ڈھولک ناچ کے دوران ناچنے والا شخص اپنے ٹخنوں میں گھنگھرو باندھ کر گاتے ہوئے

ناچتا ہے۔ آج کل کے دور میں الیکٹرانک سازوں نے پرانے سازوں کی جگہ لینا شروع کی ہے اور ایسا لگتا ہے کہ اس بیرونی طوفان میں ہماری صدیوں کی محنت اور لگن سے پیدا کئے گئے سازِ سنگیت بہہ جائیں گے اور ہم لوگ دُھنوں کی سحر آفرین اور مسحور کن دُھنوں سے محروم ہو جائیں گے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم نہ صرف فنِ موسیقی سے جُڑے ہوئے سازوں کو بلکہ موسیقی کے اُن سارے فارمز کی حفاظت، ترویج اور تشہیر کرتے رہیں تاکہ یہ بے نظیر قومی فن وراثت ہر سطح پر زندہ اور جاوید رہ سکے۔ بھدرواہ خاص میں سرنائی (شاخسار) خاندان نے یہاں پر شہنائی (سرنائی) بجانے کی پہل کی۔ اُس خاندان میں فتح جو سرنائی اور اُن کے برادران صوفیانہ موسیقی میں ایک ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ اُن کی شہنائی سے نکلی ہوئی مسحور کن دُھنیں، نگاڑوں کی چاپ یا الاپ پر عام طور پر عیدین کے مواقع اور شادی بیاہ کی تقاریب پر بجائی جاتی تھیں۔ عیدوں پر کشمیری ''رؤف'' کی دُھنیں شہنائی پر سحری کے وقت بھدرواہ کے ماحول اور فضا میں ایک رنگینی اور دِلکشی پیدا کرتی تھیں۔ غلام محمد شاخساز (مرحوم) اُس کاروانِ موسیقی کا آخری سپہ سالار تھا۔ غلام محمد کے برادران اُس کے ساتھ نگاڑوں پر الاپ دے کر ''شہنائی'' کے سُروں کو زیادہ پُرکشش بنا دیتے تھے۔

بھدرواہ کے مشہور سنگیت کار اور گلوکار:

اگر ہم فنِ موسیقی اور گلوکاری سے جُڑے ہوئے سارے مقامی فنکاروں کے ناموں اور اُن کی فنی صلاحیتوں کا ذِکر کرنا چاہیں، تو اِس کے لئے کئی ضخیم کتب کے اوراق سیاہ ہوں گے۔ اپنی تنگ دامانی کو ملحوظ رکھتے ہوئے صرف چند ایک بزرگوں اور کچھ چیدہ چیدہ موسیقاروں، گلوکاروں اور اداکاروں کے اسمائے گرامی تک ہی بات کو محدود کر کے اِس باب کو اِختتام پذیر کریں گے۔

پُرانے موسیقاروں میں باہر سے آئے ہوئے کچھ فنکاروں کے نام ابھی

تک یہاں کے فنی قدردانوں کے دِلوں میں تازہ ہیں، جن میں ایک فقیر منش بزرگ ''کنڈم بابا'' سرفہرست ہیں۔ باباصاحب نے یہاں اپنا یک تارہ بجا بجا کر جوانوں اور بزرگوں میں ساز وسنگیت کی چنگاریاں ڈال دیں۔ جن میں سے کچھ تھوڑے عرصہ کے بعد ہی اچھے موسیقار نکل آئے۔ دُوسرے بزرگ، جن کا موسیقی کے حوالے سے عموماً ذکر ہوتا ہے ''باباگدڑی'' کہلاتے تھے، جو یہاں غالباً کرناٹک سے آئے تھے۔ ایک اور بابا ''پریم گری'' تھے جو مانے ہوئے سنگیت کار تھے۔ ''سندھیابابا'' نے اپنی سنگیت کاری کی کرشمہ سازی علاقہ چنتہ کی خوشنما وادی میں کی۔ یہ سبھی موسیقار یہاں موسیقی کے بانی کاروں میں شمار ہوتے ہیں، تاہم پال راجوں کے زمانے میں موسیقی کی کلا کچھ پیچھے نہیں تھی۔ بدقسمتی سے اُس زمانے کے کلاکاروں یا موسیقاروں کے نام ہمیں معلوم نہیں لیکن لوک وِرثہ اِس بات کا شاہد ہے کہ بھدرواہ میں موسیقی کی کلا بہت پرانی ہے۔ ہاں تو مذکورہ موسیقار یہاں کی فضاؤں میں ہی سما گئے، جن کی سمادھیاں کچھ مندروں میں ابھی تک موجود ہیں۔

۱۹۴۷ء کے آس پاس شہرت یافتہ موسیقاروں اور فنکاروں میں لالہ گوبند رام گپتا، رحیم جوشپڑی والے، تیج رام چاڑک، برم مُومٹو، فقیر چند گھڑیال، کوتوال اقبال کرشن، کنول نین نگہت، ٹھاکر اُودھے چند، ماسٹر چونی لال، لالہ مول راج، رسا جاودانی، لالہ مہر چند گپتا (کالا) طالب بھلیسوی، لال چند امر، غلام محمد شاخساز، غلام محیُ الدین وفا، عبدالرحمٰن شاپو، پش پال گپتا، ماسٹر ہری راج، ماسٹر ہنس راج شرما، منور دین لوہار البیلوگدی، غلام محمد شیخ، غلام محمد میر، غلام محمد قریشی، عبدالرحمٰن سرنائی، کوتوال وِدیالال، اسداللہ جولائی اور کئی دُوسرے سنگیت کار شامل کئے جا سکتے ہیں، جن میں سے کچھ اچھے گلوکار بھی مانے جاتے رہے۔ دُوسرے گروپ میں طالب حسین رِندؔ، طالب حسین بےتاب، عبدالغنی نجار، رنبیر سنگھ، غلام محمد ڈار، بشیر احمد گنائی، راجندر کوتوال، عبدالمجید ڈار، شوکمار دت، عبدالرحیم سرازی، کلدیپ رازدان اور ماسٹر شادی لال (کیلاڑ) وغیرہ

جسے موسیقاروں اور گلوکاروں کے نام لئے جاسکتے ہیں۔ تازہ دم موسیقاروں اور گلوکاروں میں روی ٹھاکر، فرید احمد شیخ، محمد اسحاق سہہ، زلیخا شیخ، امر دیپ، محمد سلیم بھلیسوی، بشیر مستانہ، شیخ اسلم، شیخ اعجاز، روی شرما، شاہد ملک، اِندو بالا اور اُس کی بہن برج بالا، منموہن، گوری شنکر، ماجد، شیخ سجاد، طارق پرویز اور مول راج وغیرہ کے چرچے عام ہو گئے ہیں، جن کی حوصلہ افزائی اور معاونت کی جانی چاہیے۔ روی ٹھاکر، سلیم بھلیسوی، فرید احمد شیخ، بشیر مستانہ، اندو بالا، زلیخا اور برج بالا وغیرہ ریاستی سطح پر بھی اپنی شیرین آوازوں اور مدھر سنگیت سے لوگوں کو لطف اندوز کرتے رہتے ہیں۔

موسیقار شعرأ اور اداکار:

موسیقاروں اور فن کاروں کے اِس کارواں میں کئی سر برآوردہ شعراء نے اپنی رشحاتِ قلم سے اِس علاقے کا نام روشن کیا ہے، جن میں رسا جاودانی کا اسمِ گرامی سرفہرست ہے۔ کنول نین نگہت، ماسٹر چونی لال، وفا بھدرواہی، لال چند امر، ساغر صحرائی، طالب حسین رِند اور کچھ اور شعراء نے بھی مختلف زبانوں کے شعر و ادب کی آبیاری کی ہے۔ کچھ حضرات نے تو بہ یک وقت شاعری، موسیقی اور اداکاری کے جوہر دِکھائے جن میں لال چند امر، وفا بھدرواہی، ساغر صحرائی اور امر دیپ قابلِ ذکر ہیں۔ اداکاری میں منور جو آہنگر اور عبدالرحمٰن شاپو بھی مشہور ہوئے، جو ۱۹۴۷ء کے آس پاس بازار سیری میں سٹیج ہونے والے ڈراموں میں لال چند امر، وفا بھدرواہی وغیرہ کے ساتھ ساتھ بطور اداکار کام کیا کرتے تھے۔ اُردو ڈراموں میں ''مصطفیٰ کمال'' بہت پسند کیا جاتا تھا۔

یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ مقامی طور پر سٹیج کیے جانے والے ڈراموں اور رام لیلا (جس کو تادم ہر سال ہر جگہ پر اسٹیج کیا جاتا ہے) میں ہزاروں لوگ بلا لحاظ مذہب وملت شامل ہوا کرتے تھے۔ اُن میں مستورات کا رول عموماً مرد ہی ادا کرتے

تھے۔ اُن دِنوں یہاں پر تفریح قلب کا کوئی دُوسرا سامان میسر نہ تھا۔ ساغر صحرائی نے کئی ٹیلی کاسٹ ہونے والے ڈراموں میں بھی اچھی اداکاری کی ہے۔ وہ کالج کے زمانے سے ہی اِس فن میں دِلچسپی رکھتے تھے۔ راقم الحروف کا ایک ڈرامہ ''اُستاد اور سماج'' ہائی سکول جلکیاس میں اُس وقت کے ڈپٹی ناظم تعلیم جناب غلام رسول آزاد صاحب کے موجودگی میں سٹیج کیا گیا تھا۔ آج کل سکولوں کے بچے چھوٹے یا ایک ایکٹ ڈرامے سٹیج کر کے سامعین کو محظوظ کرتے ہیں۔

24.9.17

***

باب پنجم: شعروادب

لِسانی منظرنامہ:

غیر منقسم ضلع ڈوڈہ، جو قدیم زمانے میں دو بڑی ریاستوں، کشتواڑ اور بھدرواہ پر مشتمل تھا، ۲۰۰۶ء سے تین ضلعوں، ڈوڈہ، کشتواڑ اور رام بن میں تقسیم کیا گیا ہے۔ یہ سارا خِطّہ ''چناب ویلی'' کے نام سے بھی مشہور ہے۔ وادیٔ کشمیر کے مختلف مذاہب کے علاوہ وہاں کے تہذیب وتمدن اور ثقافت کی چھاپ یہاں کی زِندگی کے ہر دھارے میں نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔ صدیوں سے وادیٔ کشمیر کے سیاسی محرکات، مذہبی تحریکوں سنسکرت، کشمیری، فارسی اور عربی علوم سے جڑی ہوئی سرگرمیوں، آفاتِ سماوی سے پیدا ہونے والے مصائب وآلام کے اثرات، وادیٔ کشمیر کے ساتھ جغرافیائی مماثلت اور نزدیکی کی وجہ سے یہاں کے مختلف ثقافتی اور سیاسی گوشوں پر بھی مرتّب ہوتے رہے۔ مذہبی لحاظ سے وادیٔ کشمیر کے ساتھ رِشتوں کا تعلق ناگ مت سے جڑتا ہے گو کہ درمیان میں وادی کے لوگ شیومت کے زیرِ اثر بھی رہے۔ وادی کی مذہبی تحریکوں خصوصاً مذہبِ اسلام کی اشاعت کے سلسلہ میں دینی اکابر، مشائخ اور مبلغین کی سرگرمیوں نے یہاں کے حاکموں اور اُن کی رعایا کو اسلام کے نئے طرزِ تفکر، جو وحدانیت، اِنسان دوستی اور عالمی بھائی چارے، مساوات اور اِنسان کی دینی، اُخروی اور دنیوی فلاح پر مرتکز تھیں، سے ہمکنار کر کے مشرف بہ اسلام کروایا۔ ایک طرف سے حضرت امیر کبیر سیّد علی ہمدانیؒ اور اُن کے رفقاء کے کشمیر میں آنے کے کچھ عرصہ بعد کشتواڑ بھی

تشریف لائے اور یہاں پر بھی مذہبی، علمی اور تہذیبی روایات کی نشو ونما ہوئی اور دُوسری طرف شیخ نورالدین ریشیؒ جیسے صاحبِ کمال بزرگ کی صوفیانہ تعلیمات سے نہ صرف دینی سرگرمیوں میں تیزی آئی بلکہ کشمیری ادب میں ایک نئی طرح نے جنم لیا۔ لل دید نے وہ نغمہ سرائی کی کہ وادی کی فضائیں معطر ہو گئیں۔

حضرت شاہ فریدالدین بغدادیؒ، پونچھ، راجوری، گول، گلاب گڑھ اور ڈینگ بٹل کے دشوار گزار راستوں سے ہزاروں میل کے سفر کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے اپنے کچھ رفقاء کے ساتھ کشتواڑ کے رُوح فرسا ماحول میں پہنچے اور یہاں کے باشندوں کو دین و ایمان کی دولت سے سرفراز کیا، جس سے یہاں کے بھائی چارے اور یکجہتی کو بھی بڑھاوا ملا۔ اُنہوں نے یہاں فارسی اور عربی زبانوں کی نزاکتوں کو بھی لوگوں میں روشناس کروایا اور ایران و فارسی کی ثقافت اور تہذیب سے بھی۔ علاقہ کشتواڑ میں سنسکرت، فارسی اور کشمیری کا چلن پہلے سے ہی تھا اور لوگ مذہب اِسلام سے متعارف بھی تھے، جو وادی کی ہی تحریکوں کا اثر تھا۔ اِس کے بعد فارسی اور عربی اور اُردو زبانوں نے یکے بعد دیگرے بڑی تیز رفتاری سے یہاں کے اُفقِ ادب کو روشن کیا۔ اِن علوم کا بالواسطہ یا بلاواسطہ اثر وادیء چناب کی ساری بستیوں پر بھی ظاہر ہوتا رہا۔

کشتواڑ کو دینی لحاظ سے ایک مرکزی مقام کی حیثیت حاصل ہوئی جہاں سے اِس مذہب کی اشاعت میں مبلغین حضرات نے ایک کلیدی کردار ادا کر کے اِسے وادیٔ چناب کے دُوسرے حصّوں تک پھیلایا۔ دُوسری طرف سے وادی سے ہجرت کرنے والے ہزاروں مسلمانوں اور کشمیری پنڈتوں نے ثقافت، علم وفنون اور تہذیب کے انمول خزانے اپنے ساتھ لائے جس سے اس کوہستانی علاقے میں ایک نئی گنگا جمنی تہذیب نے جنم لیا اور یہاں کی زرخیز زمین سے علم وادب کے نئے چشمے پھوٹنا شروع ہوئے۔ جہاں تک بھدرواہ کا تعلق ہے یہاں کی مسلم اور کشمیری پنڈت آبادی نے اپنی

زبان، رہن سہن وغیرہ پر دُوسری زبان یا ثقافتی عوامل کو اثر انداز نہیں ہونے دیا، تاہم پنجاب، جموں، بسوہلی، بلاور اور چمبہ علاقوں کے ساتھ قدیم رشتوں کی وجہ سے یہ قومیں غیر شعوری طور پر اثر قبول کرتی رہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اِس وادی نے وادیٔ کشمیر سے پہلے ہی اُردو زبان اور اُس کے ادب کو سر آنکھوں پر اُٹھایا۔ پنجابی اور ڈوگری زبانوں سے بھی شناسائی کی اور مقامی زبان بھدرواہی کے بھی شیدائی بنے۔ فارسی، عربی اور کشمیری مسلمانوں کے رگ رگ میں پہلے ہی سموئی تھی اور پنڈتوں نے راج گرو کا درجہ حاصل کر کے سنسکرت زبان میں اپنے جوہر پہلے ہی دِکھائے تھے۔ مقامی آبادی بھدرواہی، ڈوگری اور پنجابی کی طرف مائل رہی لیکن اُردو زبان، ہر فرقے کے مزاج میں رچ بس گئی تھی۔

بدقسمتی سے ہمارے پاس سیاسی تاریخ کی ہی طرح، جو روایات کے دھندلکوں میں گُم ہو کر رہ گئی ہے، یہاں کی ادبی تاریخ کا کوئی قابلِ اعتبار تحریری ثبوت میسر نہیں۔ تاہم لسانی، ثقافتی اور تہذیبی اعتبار سے یہ مملکت وادیٔ چناب کے باقی حصّوں سے کسی قدر پیچھے نہیں ہے بلکہ اُن پر اِسے فوقیت حاصل رہی ہے۔ اپنی زبان، اپنی تہذیب، منفرد اور ثقافت کی رنگارنگی اِسے باقی علاقوں سے ممتاز کرتی آئی ہے۔ یہاں کے لوگ یہاں کی ہر زبان بول سکتے ہیں یا سمجھ سکتے ہیں۔ ہر زبان میں یہاں اچھا خاصا شعری اور نثری ادب تخلیق ہوا ہے، جو بلالحاظ مذہب و ملّت یا لسانی تعصب کے معرض وجود میں آیا ہے۔ یہی تو ہماری مشترکہ میراث ہے جس پر ہم جتنا ناز کریں، کم ہے۔

ضلع ڈوڈہ (جو اب تین اضلاع ڈوڈہ، کشتواڑ اور رام بن میں منقسم ہے) ریاست جموں و کشمیر کا واحد کثیر اللسانی ضلع ہے جہاں کشمیری اور گوجری زبانوں کے علاوہ پوگلی، کشتواڑی، سراجی، بھدرواہی، بھلیسی، پاڈری، کھسالی اور ڈوگری جیسی بولیاں بولی جاتی ہیں، جبکہ علاقہ کی رابطہ زبان اُردو ہے، جو ریاست کی سرکاری زبان بھی ہے۔ اِس ضلع میں سنسکرت اور فارسی زبانوں کے علاوہ ہندی زبان کا بھی کافی چلن رہا ہے اور

عربی کی تعلیم وتدریس کا سلسلہ ماضی قریب تک سکولوں اور کالجوں کے نصاب میں شامل کیا جاتا رہا ہے۔ یہ مقامی زبانیں اور بولیاں لوک ادب کے عطر بیز گلدستوں سے مزّین ہیں، جن میں ہماری سماجی اور تہذیبی زندگی کے دھارے ماضی اور حال کے ساتھ ایک حد تک جُڑے ہوئے نظر آتے ہیں اور ہماری ثقافتی اور تمدنی زِندگی کے ارتقاء کو سمجھنے میں کافی مدد دیتے ہیں۔

بھدرواہی زبان:

قدیم مملکت بھدرواہ میں بولی جانے والی زبان بھدرواہی (بڈلاہی) کہلاتی تھی، جسے ایک ماہر لسانیات جارج گریرسن نے تین گروہوں میں منقسم کیا ہے۔ یعنی بھدرواہی، بھلیسوی اور پاڈری۔ تاہم اِن تینوں بولیوں میں اپنا اپنا مزاج، منفرد لب ولہجہ اور مخصوص آہنگ ہے۔ بھلیسی زبان (بھلیسوی) بھدرواہی سے کسی قدر قریب نظر آتی ہے۔ پاڈری اِن دونوں زبانوں سے کچھ مختلف ہے۔ ڈاکٹر سدھشیو رورما، بھدرواہی کو ہندوستان کی ایک اہم زبان تسلیم کرتے ہیں۔ اُن کے بقول اِس میں ایسے الفاظ بھی ہیں جو صرف ویدوں میں موجود ہیں۔ اِس زبان کا لوک رنگ بھی بہت ہی شاندار ہے۔ یہ زبان بھدرواہ کے تہذیبی وِرثے کی شناخت ہے۔ بقولِ رسا جاودانی ''جیسا میرا بھدرواہ حسین اور دِلکش ہے، ویسی ہی سندر بھدرواہی بولی ہے۔ بہت ہی میٹھی رسیلی اور پیاری بولی —— میں بھدرواہی بولنے میں فخر محسوس کرتا ہوں۔'' اگرچہ کچھ زبانوں نے، جن میں اُردو، پنجابی اور ڈوگری شامل ہیں، اِس زبان پر اپنے احساس برتری کے ڈورے ڈالنے کی کوشش کی تھی، تاہم اِس نے زیادہ اثر قبول کرنے سے احتراز کیا اور اپنے اچھوتے پن پر آنچ نہ آنے دی۔

بھدرواہی زبان فوک لور کی اعلیٰ روایات کی مظہر ہے، جس میں لوک گیت، لوک سنگیت، لوک کہانیاں، کہاوتیں، ضرب المثل، لوک عقائد اور دیگر تمدنی عوامل اور

اکائیاں شامل ہیں۔لوک ورثے کے اِن سبھی عناصر نے مل کر یہاں کی ثقافتی اور تمدنی شناخت مرتّب کی ہے۔

بھدرواہی بھاشا کے میٹھے اور رسیلے گیتوں کا کہیں جواب نہیں۔ کسی شادی بیاہ کے موقع پر یا مقامی تہواروں میں جب گیتوں کی دُھنیں یہاں کے ایک مخصوص انداز میں چھیڑی جاتی ہیں تو سامعین اپنے رنج والم یکسر بھول جاتے ہیں اور اُن پر ایک ایسی مستی چھا جاتی ہے جسے وہ زرِ کثیر خرچ کر کے بھی حاصل نہیں کر سکتے۔[1]

بھدرواہی بولی ڈوڈہ تحصیل کے مشرقی حصّے کو بھی اپنی کوکھ میں لئے ہوئے ہے، حالانکہ یہ حصّہ سراج کا ہی ایک حصّہ ہے، اِس لئے مشرقی سراج کے محالہ، جودھ پور یا بارشلہ کے دیہات میں ابھی بھدرواہی بولی کا ہی سکہ چلتا ہے۔ اگر ان دیہات میں کوئی شخص سراجی بولنا بھی چاہے تو وہ بھدرواہی الفاظ کا اِستعمال شعوری یا غیر شعوری طور پر کر ہی ڈالتا ہے۔ بھدرواہی علاقہ مرمت میں بھی بولی جاتی ہے۔ جہاں اِس پر مقامی بولی یعنی کھاشالی کا اثر بھی نمایاں ہے اور ڈوگری کا بھی۔ بھدرواہی لوک گیتوں کی مخصوص پہاڑی نغمگی اور جذباتیت سے بھرے اِن کے مختلف روپ اِس زبان کی وُسعت دامنی اور اس کے لسانی اور ثقافتی امتیاز کو واضح کرتے ہیں۔ بقول ٹھاکر اُودھے چند ''تمام پہاڑی بولیوں میں سے بھدرواہی سنسکرت کے ساتھ بہت ملتی جلتی ہے۔''[2] پانگئی بولی کا اثر بھی اِس بولی میں نمایاں ہے۔ بھلیسوی زبان تھوڑے سے پھیر بدل سے بھدرواہی سے بڑی حد تک مشابہت رکھتی ہے۔ یہاں کے لوگ دونوں زبانیں بول سکتے ہیں۔ پروفیسر سدھیشورورما نے سنسکرت کو بھدرواہی بولی کی ماں کہا ہے۔ اگر چہ اس بولی کا اپنا رسم الخط نہیں ہے، تاہم اِسے کسی بھی زبان میں لکھا جا سکتا ہے،

---

1. اِس ضمن میں راقم کے مضامین ''ضلع ڈوڈہ کی ادبی شناخت'' اور رسالہ ''انجمن'' کشتواڑ کے شارہ نمبر ۲ اور ۳ ملاحظہ فرمائیں۔
2. ''شاہین'' کالج میگزین، ڈگری کالج بھدرواہ، ۱۹۷۱ء ص: ۲۶

خصوصاً دیوناگری یا فارسی، اُردو کے رسم الخط میں۔ البتہ کہیں کہیں رسم الخط میں تھوڑی سی تبدیلی کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ ہم عمر اور اپنے سے بزرگ مرد و خواتین کے ساتھ پُروقار اور آداب بھرا طرزِ تخاطب بھدرواہی زبان کا ایک جزو لاینفک ہے۔ ہر بات کے اِختتام پر "جی" کے میٹھے بول اِستعمال کرنے کی پابندی اِس زبان کی دلکشی اور رسیلے پن میں اضافہ کرتے ہوئے اِسے دُوسری زبانوں میں ممیّز کرتے ہیں۔ کلماتِ تعظیم و احترام میں تُس، تینا، تُشو، تینکرڑ جیسے الفاظ بھدرواہی کلچر کی غمازی کرتے ہیں۔

بھدرواہی میں تخلیقی ادب:

بھدرواہی زبان کے تخلیقی ادب کی شروعات بقول ڈاکٹر پریتم کرشن، ۱۹۳۰ء کے آس پاس ہوئی تھی جبکہ جموں میں ڈوگری ادب کی سرگرمیوں کی اِبتداء ہوئی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ بھدرواہی زبان کا پہلا شاعر گھمبیر چند تھا، جو رسا صاحب کے کہنے کے مطابق "____ چندربنشی خاندان کے مورثِ اعلیٰ تھے۔ وہ بھدرواہ کے راجہ سمپت پال (۱۷۳۵ء تا ۱۷۸۰ء) کے عہد میں گزرے ہیں ____"

ٹھاکور اُودھے چند لکھتے ہیں کہ میاں گھمبیر چند، راجہ ناگ پال کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا اور جے چند کا بیٹا تھا، جس کو اپنے بھائی راجہ ابھے پال نے ایک بڑی جاگیر عطا کی تھی، جس کا صدر مقام موضع کوٹلی میں تھا۔ ڈاکٹر پریتم کرشن کول کے کہنے کے مطابق "پنڈت گوری شنکر بھدرواہ نواسی کو یہ فخر حاصل رہا کہ اُنہوں نے بھدرواہی زبان میں بھگوت گیتا کا منظوم ترجمہ کیا۔" یہ ترجمہ غالباً ۱۹۳۹ء کے قریب ہوا، جسے ڈاکٹر سدھیشور ورما کے پیش لفظ کے ساتھ شائع کیا گیا تھا۔ اِسی وجہ سے پنڈت گوری شنکر کو بھدرواہی زبان کا پہلا صاحبِ تصنیف شاعر مانا جاتا ہے، جو موضع گواڑی کے رہنے والے تھے۔

اِن دو شعراء کے بعد جن مقتدر شعراء نے بھدرواہی زبان کا سرمایہ ادب

سیراب کرنے کا فخر حاصل کیا ہے' اُن میں ماسٹر چونی لال جی' پنڈت پرکاش رام' ودیا لال درد' لیکھ راج' لال چند شرما' جسونت سنگھ چاڑک' چندو لال چوراہی' کوتوال ہیم راج (سرولباغ)' ماسٹر مادھو لال پادھا' لال چند بیتاب' موہن لال پادھا' مول راج منہاس' ماسٹر مرلی دھر دت' اوم کار سنگھ پردیسی' ہنس راج ہنس' سرجیت سنگھ' پنڈت ایشور چند وغیرہ شامل ہیں۔ جان محمد تشنہ' بال کرشن چوہان' امر چند ہتیشی' چھلیل چند' ہری لال ہتیشی' چندر کانت (امر دیپ) کے اسمائے گرامی قابلِ ذکر ہیں جنہوں نے بھدرواہی زبان کے شعری ادب کو عروج پر پہنچایا۔ اِن کے علاوہ بھی کئی نوجوان شعراء بھدرواہی میں شعر کہتے ہیں' جنہیں رہنمائی اور رہبری کی اشد ضرورت ہے۔ متذکرہ بالا شعراء میں سے کچھ ریڈیو کشمیر جموں سے نشر ہونے والے بھدرواہی پروگرام میں بھی شرکت کرتے ہیں اور اب بھدرواہ کے ایف. ایم. سٹیشن سے بھی بہت سے شعراء اپنے بھدرواہی کلام سے شائقین کو محظوظ کرتے ہیں۔ کچھ حضرات کلچرا کیڈمی کی طرف سے اور مقامی طور پر منعقد ہونے والے مشاعروں میں بھی حصّہ لیتے ہیں' جن میں امر چند ہتیشی' مول راج منہاس' جسونت سنگھ چاڑک' جان محمد تشنہ اور بال کرش چوہان خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

بھدرواہی میں تحقیقی ادب:

بھدرواہی زبان میں تحقیق پر بھی کافی کام ہوا ہے۔ ڈاکٹر سدھیشور ورما (جو بین الاقوامی سطح کے شہرت یافتہ ماہرِ لسانیات ہیں) نے بھی بھدرواہی زبان اور کلچر پر قابلِ تحسین کام کیا ہے۔ اُنہوں نے شمال مغربی ہمالیائی علاقوں میں ستائیس (۲۷) زبانوں کو دریافت کرکے اُن پر تحقیقی کام کیا ہے۔ ڈاکٹر پریتم کرشن کول نے پروفیسر ورما کی بھدرواہی اور بھلیسی بولیوں سے متعلق تحقیقی خدمات کا ذِکر کرتے ہوئے اُن کی بارہ (۱۲) کتب کے حوالے دیئے ہیں' جن میں باقی زبانوں کے علاوہ اِس بولی

کے مختلف پہلوؤں بہ شمول گرامر پر روشنی ڈالی ہے۔[1]

بھدرواہی لوک گیتوں کو محفوظ کرنے کی غرض سے ڈاکٹر کول کا نام سرفہرست ہے، جنہوں نے اِن گیتوں کے دو مجموعے شائع کئے ہیں۔ اُنہوں نے بھدرواہی بولی پر مزید کام بھی کیا ہے اور کئی مقالے تحریر کئے ہیں، جن میں لوک ادب کے علاوہ کلچر اور تاریخ وغیرہ پر بھی بحث کی گئی ہے۔ اُن کے علاوہ مسٹر بال کرشن چوہان نے بھی بھدرواہی لوک ادب کی ترویج اور تشہیر کے لئے کافی کام کیا ہے۔ پہلے تو ۱۹۶۸ء میں اُن کی تحریک پر یہاں مقامی طور پر ''بھدرواہی سنستھا'' جیسی ادبی تنظیم کا قیام عمل میں لایا گیا اور پھر کلچر اکیڈمی کے مالی تعاون سے ''بھدرواہی لوک گیتوں کا مطالعہ'' اور ڈوگری ڈراما ''نواں گراں'' کا ہندی ترجمہ ''نیا گاؤں'' کے نام سے شائع کروائے۔ اِس کے بعد ۱۹۷۳ء میں بال کرشن جی نے بھدرواہی ثقافت پر ''ہنسیاں'' نامی تذکرہ شائع کروایا۔ اُنہوں نے کلچر اکیڈیمی کے ذریعہ مرتّب ہونے والی ڈوگری ڈکشنری میں بھدرواہی بولی کے الفاظ جمع کر کے شامل کروائے۔ اُن کی قیادت اور سرپرستی میں مذکورہ سنستھا اچھا کام کر رہی ہے اور شعری ادب میں آئے دِن اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

ماسٹر مادھولال پادھا نے ''بھڈلاہی شیکھا'' کے نام سے ایک بھدرواہی پرائمر تیار کر کے بھدرواہی زبان کی چند مخصوص آوازوں کے لئے الفاظ کا اِنتخاب اِس طرح سے کیا، جس سے اُن کی ادائیگی آسان ہوگئی۔ اِس سے گرائمر کی کمی بھی پوری ہوگئی۔ یہ قاعدہ ۱۹۷۱ء میں چھاپ کے مراحل سے گزر کر ہمارے سامنے آیا۔ عوامی حلقوں میں اِس کی کافی پذیرائی ہوئی۔ بعد میں اُن آرا کو ۱۹۷۹ء میں ''بھدرواہ اور بھدرواہی'' کے نام سے شائع کیا گیا۔

۱۹۸۸ء میں ماسٹر ہنس راج شرما، ساکنہ موضع گاٹھ نے تلسی داس کی لکھی ہوئی ''رامائن'' کا بھدرواہی زبان میں منظوم ترجمہ شائع کروا کر ایک قابلِ تحسین کارنامہ انجام دیا، جسے راقم الحروف کی سفارش پر کلچر اکیڈمی کی طرف سے مالی امداد

---

[1] ہمالین پرنسی پیلیٹیز، ص: ۲۶۶-۲۶۷

بھی دی گئی۔

بھدرواہی زبان میں ابھی تحقیق کی کافی گنجائش موجود ہے لیکن اِس زبان کے قلم کاروں کا دائرہ بہت محدود ہے۔ اگر کچھ ادیب اِس کے نثری ادب کی طرف بھی توجہ دیں تو زبان کی وسعت اور مقبولیت میں نمایاں تبدیلی آسکے گی۔ تشنہ بھدرواہی کے یہ اشعار کتنے درد بھرے اور دِلکش ہیں ۔

لہو شکھا تے خال تیرو میں
اَپو اَپو جئے زنزال گھیرو میں
میں کتھا اپنی تُسن شُناڑیں تھی
پر ذب ہِلانے جو دِل نہ ٹھہرو میں

اُردو زبان وادب:

بقول مظہر امام ''ڈوڈہ جموں وکشمیر کا ایک دُور افتادہ اور پسماندہ علاقہ سہی لیکن یہاں کے رہنے والے ذوقِ شعر وادب سے مالا مال ہیں۔ اِس سرزمین نے رسا جاودانی جیسے شاعر کو جنم دیا اور آج بھی اُردو اور کشمیری کے باصلاحیت' خوش گو شاعر موجود ہیں جن کی پذیرائی نہ ہونے کے باعث اُن کے کمالات کی روشنی دُور تک نہیں پہنچ سکی ہے۔ اِس مردم خیز خطّے سے مشہور بزرگ حضرت شاہ فریدالدین بغدادیؒ نے رُوحانیت' رواداری' اخوت اور مساوات کا پیغام دیا تھا۔ ''فریدیہ بزمِ ادب'' ڈوڈہ میں اُن ہی کے نام پر قائم کی گئی ہے۔ اِس بزم نے اِس علاقے کے ادیبوں' شاعروں اور ادب دوستوں میں خود شناسی اور خود اعتمادی پیدا کرنے اور عام لوگوں کے علمی وادبی ذوق کی تربیت کے لئے اقدام اُٹھائے ہیں۔ اِس بزم کی سرگرمیوں کے دِلکش نمونے کل ہند مشاعروں کی صورت میں ہمارے سامنے آئے' جو ڈوڈہ میں منعقد ہوئے۔ اِن مشاعروں میں ڈوڈہ' بھدرواہ' کشتواڑ' بانہال کے علاوہ جموں وکشمیر اور ملک کے

مختلف علاقوں سے آئے ہوئے اُردو' کشمیری اور پنجابی شعراء نے اپنے کلام کا جادو جگایا۔ سامعین غیر معمولی ذوق وشوق سے اِختتامِ مشاعرہ تک شعراء کو دادِ تحسین سے نوازتے رہے ــــــــــ''

وادیٔ چناب سے موسوم یہ علاقہ جغرافیائی' تاریخی' سیاسی اور معاشی عوامل کی پیدا کردہ مشکلات کے باوجود علم وادب کا گہوارہ رہا ہے۔ اِس وادی کے راجواڑہ شاہی بھدرواہ کے لوگوں کا ارتباط قدیم زمانے سے ہی جموں' امرتسر' پنجاب اور دہلی کی مملکتوں وغیرہ سے رہا ہے۔ مہاراجہ گلاب سنگھ کے عہد حکومت میں ریاست کی دفتری زبان کے ساتھ ساتھ درباری زبان بھی فارسی تھی۔ چونکہ جموں کے ڈوگرہ علاقوں کی زبان ڈوگری تھی' جو پنجاب سے متصل ہونے کی وجہ سے پنجابی سے قریب تھی اور بقول پروفیسر عبدالقادر سروری ''اُردو کی ہم رِشتہ زبان تھی۔'' ڈوگرہ علاقے نے ''ہندوستان سے ثقافتی اور سیاسی تعلقات کے نتیجے کے طور پر جلد ہی اُردو کے اثرات قبول کرنے شروع کر دیئے تھے اور فارسی دان طبقے کو وادی اور جموں کے علاقوں میں اُردو سے واسطہ پڑنا شروع ہو گیا تھا۔[1] اس طرح سے غیر سرکاری سطح پر بھی اُردو کو فروغ ملتا رہا۔

مغل سلطنت کے زوال کے بعد ملک اور ریاست میں فارسی کا چلن قدرے کم ہوتا گیا اور عوامی اور ادبی سطح پر محسوس ہونے والے اِس خلاء کو اُردو زبان نے پورا کیا کیونکہ یہ زبان تیز رفتاری سے ہندوستان کے اکناف وجوانب میں پھیل رہی تھی۔ تاہم مہاراجہ گلاب سنگھ اور مہاراجہ رنبیر سنگھ کے عہد حکومت میں فارسی ہی کو دفتری زبان کا درجہ حاصل رہا۔ کچھ عرصہ بعد جب مہاراجہ رنبیر سنگھ نے ریاست میں مختلف علوم کو یہاں کی زبانوں سے متعارف کروانے کے لئے دارالترجمہ قائم کیا تو اُس میں اُردو زبان کا اہم رول رہا۔ کئی قانونی' ادبی اور دیگر قسم کی کتب کا ترجمہ اُردو زبان میں میں بھی کیا گیا۔ یہاں پر اخبارات شائع کرنے کی سرکار کی طرف سے ممانعت ہونے

---

[1] ''کشمیر میں اُردو''، مطبوعہ کلچرل اکیڈمی' ص:۹۱

کی وجہ سے کچھ کشمیر صحافیوں نے لاہور اور امرتسر وغیرہ مقامات سے اُردو اخبار شائع کر کے اُن میں اِس ریاست اور اِس کے عوام کے مختلف سیاسی اور سماجی مسائل کی عکاسی کی۔ دُوسرے اخبارات کے ساتھ ساتھ اِن اخبارات کی ریڈر شِپ کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔ اُردو زبان کی مقبولیت میں آئے دِن اضافہ ہوتا گیا' جسے دیکھ کر اُردو کو نصابِ تعلیم میں بھی جگہ مل گئی۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ کے ۱۸۸۵ء میں اِنتقال سے پہلے اور مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے عہد حکومت میں اُردو مختلف خِطّوں کے درمیان ایک رابطے کی زبان کے طور اپنے جوہر دِکھا رہی تھی۔ اِس لئے موخر الذکر نے اِس کی افادیت اور عوام میں مقبولیت کو تسلیم کرتے ہوئے اِسے سرکاری زبان کا درجہ دے کر صوبہ جموں کی تمام عدالتوں کا کام کاج اُردو زبان میں کئے جانے کے احکامات صادر کئے۔ اِس طرح ۱۸۸۹ء میں اِسے سرکاری زبان کے طور پر تسلیم کرتے ہوئے اِس زبان کو تعلیمی اداروں' سرکاری محکموں اور عدالتوں کی زبان مان لیا گیا۔ بعد میں مہاراجہ ہری سنگھ نے بھی اِس کے فروغ کے لئے اچھے اقدامات اُٹھائے۔ یہاں تک کہ دھرم سبھاؤں کی کارروائی بھی اُردو زبان میں کی جانے لگی۔ اِس طرح سے اُردو زبان ریاست بھر کے سیاسی' تعلیمی' ادبی اور سماجی افق پر چھا گئی۔ بعد ازاں عوامی حکومت میں اِسے ریاستی اسمبلی کے ذریعہ آئینی تحفظ فراہم کیا گیا۔

ظاہر ہے کہ ریاست کے باقی علاقوں کی طرح اِس راجواڑہ شاہی جو''راجگان جموں کی ذاتی جاگیر بھی تھا'' میں اُردو زبان کا باضابطہ طور پر چلن اور سرکاری سرپرستی کے تحت ہر سکول میں اُردو بطور مضمون پڑھائے جانے کے مناسب اِنتظامات کئے گئے۔ اِس زبان کو نہ صرف یہاں کے ہر فرقہ کے لوگوں نے بسروچشم بِلا کسی علاقائی یا مذہبی یا لسانی تعصب کے قبول کیا' بلکہ یہاں کی مختلف زبانوں اور بولیوں نے اِس کو بڑی فراخدالی سے گلے لگا کر اِس کا اثر قبول کیا اور اِس کی فنی گہرائیوں اور ادبی وسعتوں سے خوشہ چینی کر کے اپنے ذخائر الفاظ اور اسلوبِ شعر و ادب کی جھولیاں بھر لیں۔

ہمیں اگرچہ اُردو زبان کے یہاں ورود کے سن وسال کے بارے میں کوئی تحریری ثبوت نہیں مل پایا ہے، تاہم قیاس کیا جا سکتا ہے کہ راجہ ناگ پال دوم کے زمانے میں اِس خطّہ میں فارسی اور اُردو زبانیں متعارف ہو چکی تھیں۔

وادی کشمیر سے مہاجرین عربی، اُردو اور کشمیری زبانوں کے ساتھ ساتھ فارسی زبان کو بھی اپنے ساتھ لائے تھے اور پنجاب، دہلی، امرتسر جیسے بیرون ریاست علاقوں کے ساتھ تجارتی اور سیاسی تعلقات بڑھ جانے سے اُردو زبان اور ادب کو یہاں آ کر قبول عام حاصل ہونے میں زیادہ مشکل پیش نہیں آئی۔ دراصل تہذیبوں کے ملاپ سے اُردو زبان کو ایک مشترکہ ثقافتی وِرثے کے طور پر قبول کیا گیا۔ اِس تال میل کی بدولت ہمارے ان پسماندہ علاقوں میں بھی ترقی یافتہ مذاقِ سخن اور متفرق علوم کا سلسلہ وار اور گہرا اثر پڑتا رہا۔ بہر حال اُردو اس علاقہ میں رابطہ کی زبان ہونے کے علاوہ حقیقی معنوں میں ایک سرکاری زباں کے فرائض انجام دے رہی ہے۔

ریاست کے اِس خوبصورت راجواڑہ شاہی میں، جس کا ہر حصّہ سدا بہار اور سرسبز و شاداب جنگلات کے قدرتی حسن کے مسحور کن نظاروں اور برف پوش پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے، کئی ایسے شعراء نے جنم لیا ہوگا جن کا کلامِ دل پذیر اُن کے نام کے ساتھ ہی امتدادِ زمانہ کی گھٹاؤں میں کھو گیا ہو۔ اِس نا قابلِ تلافی ادبی نقصان کو اس علاقہ کی پسماندگی اور دُور افتادگی پر محمول کیا جائے یا کسی عصری غفلت یا لاپرواہی پر، کچھ نہیں کہا جا سکتا! یہ ہماری بد قسمتی ہی تو ہے کہ ہم اُن گمنام سخنوروں کی اِبتدائی کاوشوں کی چاشنی اور اُن کی ادبی افادیت سے محروم ہو گئے۔

***

اُردو کا شعری ادب اور معروف شعراؑ:

خواجہ غلام محمد خطیب:

یہاں کے اُردو زبان کے ابتدائی شعراء میں جن خوش نصیب شخصیات کا نام تحقیق کے پنوں میں بڑے فخر سے لیا گیا ہے' اُن میں خواجہ غلام محمد خطیب المعروف ممہ جُو کا نام سب سے پہلے آتا ہے' وہ ایک ٹیلر ماسٹر تھے جو بڑے ہمدرد مگر بہت جذباتی قسم کے شخص تھے۔ اُنہیں بھدرواہ کا پہلا ہجو گو شاعر کہا جا سکتا ہے۔ ایک اچھے گلوکار ہونے کے علاوہ وہ بہت سے اوصاف کے مالک تھے۔ اپنے دل کی بات برملا کہہ دینا اُن کا شعار تھا۔ تلاشِ روزگار کے سلسلہ میں زمانے نے انہیں موضع چلی علاقہ بھلیس نقل مکانی کرنے پر مجبور کیا۔ اُن کے فرزند خواجہ غلام خطیب نے فسادات کے دوران مقبوضہ کشمیر (آزاد کشمیر) کی طرف ہجرت کی۔[1] مرحوم ممہ جُو کا کلام بھی زمانہ کی دست بُرد سے نہ بچ سکا۔

خواجہ عبد الغفار خطیب احقر بھدرواہی:

قدیم سلطنت بھدرواہ کے دُوسرے معروف شعراء میں خواجہ عبد الغفار خطیب المعروف احقر بھدرواہی کا اسم گرامی آتا ہے۔ وہ یہاں کے پہلے کشمیری شاعر تھے۔ اُن کی کشمیری، گوجری اور پنجابی زبانوں میں شعری تخلیقات ۱۹۴۷ء سے پہلے شائع ہو چکی تھیں۔ بدقسمتی سے اُن کا اُردو کلام دستیاب نہیں ہے۔ البتہ اُن کی کشمیری اور

---

1. کچھ عرصہ پہلے وہ موضع چکار (مقبوضہ کشمیر/ پاکستان) میں وفات پا گئے۔ وہ راقم الحروف کے چچازاد بھائی تھے۔ وہ خطاطی، مصوری اور مجسمہ سازی میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔

پنجابی زبانوں میں تخلیقات ہمارے پاس موجود ہیں۔اُن کی کشمیری نعوت، جن کی کتابت خواجہ غلام احمد خطیب نے کی تھی، بھی ہماری لاپرواہی اور غفلت کے نذر ہو گئیں۔

خواجہ عبدالرحمان دیوانہ بھدرواہی:

اُردو شعراء میں تیسرے نمبر پر خواجہ عبدالرحمٰن دیوانہ بھدرواہی کا نام آتا ہے جن کی آفاقی نظم ''سلامی پرچم اسلام'' کی فنی خوبصورتی اور لازوال تاریخی عظمت رہتی دُنیا تک مسلمانانِ ریاست کو اپنی دینی عظمتِ رفتہ اور تاریخ اسلام کے سنہری واقعات کا اعادہ اور یاددہانی کراتی رہے گی۔اِس نظم کی تاثیر اور جذبے نے نہ صرف ضلع ڈوڈہ کے مسلمانوں کے دل موہ لئے بلکہ وادیٔ کشمیر اور مقبوضہ کشمیر (آزاد کشمیر) تک اس کی صدائیں مومنین کے دِلوں میں حرارت پیدا کرتی رہی ہیں۔اِس کے علاوہ بھی اُنہوں نے اُردو میں بہت سی مذہبی، سیاسی اور انقلابی قسم کی نظمیں قلمبند کی ہیں، جن میں وقت کے حاکموں کی سیاسی بازی گری اور ذاتی مفاد پر مبنی بدلتے ہوئے مواقف پر چوٹیں کی گئی ہیں۔اُن کے فرزند مسٹر نذیر احمد کے پاس دیوانہ صاحب کا سارا غیر مطبوعہ کلام موجود ہے، جسے منظر عام پر لانے کی اشد ضرورت ہے۔اِبتداء میں وہ کٹر قسم کے مُسلم کانفرنسی تھے۔اس تنظیم کے نیشنل کانفرنس میں ادغام کے بعد وہ شیخ صاحب کی سیاست کے گرویدہ ہو گئے اور پھر محاذ رائے شماری کے سرگرم رکن بھی رہے۔لیکن رائے شماری کا موقف بدلنے پر وہ شیخ صاحب سے ناراض ہو گئے اور سیاست سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔جنوری ۱۹۷۹ء میں اُن کی وفات ہوئی جس سے ضلع بھر کے ادبی حلقوں میں صفِ ماتم سی بچھ گئی۔ضلع بھر میں عیدین کی تقریبات میں بعد ادائے نماز ''پرچمِ اسلام'' کو اُسی نظم سے سلامی دی جاتی ہے۔

عالم اِسلام کی ہر اوج کا جھنڈا ہے تُو
رحمت اللعالمین کی فوج کا جھنڈا ہے تُو

تو پھریرا ہے جہاں میں عزت و اِقبال کا
رحمت و اُلفت صداقت امن و اِستقلال کا

شرف حاصل ہے تجھے توحید کا جھنڈا ہے تُو
ملّتِ اِسلام کی تمہید کا جھنڈا ہے تُو

سربلند یارب ہمیشہ پرچم ِاسلام ہو
اور دیوانے کا تیرے نیک ہی انجام ہو

موصوف بھدرواہ میں پیدا ہوئے تھے اور نہایت ہی دیندار، ملنسار، سماجی کارکن، اِنسان دوست، خدا پرست اور ایماندار شخص تھے۔

رسؔا جاودانی:

رسؔا جاودانی (۱۹۰۱ءتا۱۹۷۹ء) صوبہ جموں میں اُردو زبان وادب کے سب سے عظیم پیشرو تھے۔ بیسویں صدی عیسوی کے آغاز میں ہی وہ ایک میر کارواں کے طور پر ریاست کے ادبی افق پر اُبھرے اور بہت کم عرصہ میں بیرون ریاست بھی اُن کے کلام کی پذیرائی ہوئی۔ اپنی شاعری کی اِبتداء بھی اُنہوں نے اُردو کلام سے کی، جس سے اُن کا بچپن سے ہی فطری لگاؤ تھا۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اُن کی کشمیری شاعری کی مقبولیت نے اُنہیں شہرت کی بلندیاں عطا کیں۔ ۱۹۴۷ء سے پہلے اُن کا اُردو کلام اللہ رکھا ساغؔر کے لکھے ہوئے مقدمے کے ساتھ ''لالہ ٔصحرا'' کے نام سے منظرِ عام پر آیا۔ اُن کا کلام کچھ ترامیم اور اضافوں کے ساتھ ۱۹۶۲ء میں ''نظم ثریا'' کے نام سے شائع کیا گیا۔ ''تحفۂ کشمیر'' کے نام سے اُن کا کشمیری کلام پروفیسر پشپ کے پیش لفظ کے ساتھ ۱۹۵۸ء میں چند اوراق کا احاطہ کئے ہوئے چھپا۔ بعد میں کچھ اضافوں کے ساتھ اُسے ''نیرنگِ غزل'' کا نام دے کر ۱۹۶۱ء میں چھپوایا گیا۔ ۲۰۰۷ء میں اُن کے

اُردو اور کشمیری کلام کے نئے مجموعے کا بھدرواہ میں ''یومِ رسؔا'' کی تقریب کے دوران ''فکرِ رسؔا'' کے نام سے اجراء کیا گیا۔ اِس نئی کتاب میں غیر متوقع طور پر بہت سی اغلاط کے بادل چھائے ہیں۔ غالباً اب نئے قالب میں ڈھال کر اُس کی دوبارہ اشاعت ہوگی۔ اُن کا کلام رُومانیت اور روایتی نوعیت کا ہے لیکن اُس کی سلاست' بلاغت اور سادگی کے کیا کہنے؟ تکلف اور آوُرد سے پاک یہ کلام اِنسانی مسائل اور جذبات کی آئینہ داری سیدھی سادہ بحور اور نہایت ہی موزوں الفاظ میں کرتا ہے۔ اُن کی شاعری فکر انگیز غنایت سے لبریز ہے۔ نظموں میں اور کہیں کہیں غزلوں اور قطعات میں اُن کی منظر نگاری' واقعہ نگاری اور رُومانیت کی جس قدر داد دی جائے کم ہے۔ رسؔا صاحب کو علم عروض اور صرف ونحو پر اِتنا عبور تھا کہ وہ کسی بھی شاعر کے کلام کے محاسن یا معائب کو ایک بار پڑھنے یا سننے سے ہی بیان کر سکتے تھے۔ اُن کا کلام اِنسانی ہمدردی' عالمی بھائی چارے اور مناظر فطرت سے لبریز ہے۔ کلام میں آمد ہی آمد ہے' جس سے اُن کے کلام کے محاسن کی عکاسی ہوتی ہے۔ وہ ایک کہنہ مشق بلکہ کامل اُستادِ فن تھے۔ اُن کی شاعرانہ عظمت اور شعر وسخن کی تاجداری کو ریاست کے بڑے بڑے قلمکاروں نے تسلیم کیا ہے۔ بقول موتی لال ساقیؔ (مرحوم) ''—— اُن کی محبوب زبان ہندوستانی ہے لیکن کشمیری زبان پر جو ملکہ اُن کو حاصل تھا' وادی سے باہر ایسا ملکہ کسی اور کو حاصل نہ ہوسکا۔ وہ صحیح معنوں میں اہلِ زبان تھے۔ رسول میرؔ' مہجورؔ اور عارضؔ کے بعد رسؔا کو ہی قبولِ عام کا درجہ نصیب ہوا۔ رسؔا صاحب کی شاعری کا مزاج ہماری لوک شاعری کا مزاج ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے نغموں کو کشمیری عوام نے ہاتھوں ہاتھ لیا اور اپنے دِل میں بسایا ——'' [1] اُن کی لکھی ہوئیں اُردو اور کشمیری نعتیں وادی کے کسی دُوسرے نعت گو کی لکھی ہوئی نعتوں سے فنی لحاظ سے کم نہیں ہیں۔ بلکہ اُن کی آخری نعت ''اَسہٕ ڈیوٗ ٹھ جلواہ خوابس منز'' اُنہیں ایسے تمام شعراء پر فوقیت عطا کرتی ہے۔ رسؔا بلاشبہ شہنشاہِ

[1] ماہنامہ ''شیرازہ'' اُردو کلچرل اکیڈیمی

تغزل کہلانے کے مستحق ہیں، جن کے کلام میں پائے جانے والا سوز و گداز، سلاست، روانی اور نغمگی اُنہیں ایک منفرد مقام دلاتا ہے۔ اُردو زبان کے ساتھ ساتھ کشمیری زبان کے شعری ادب کے فروغ و ترویج کے لئے اُن کی خدمات کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ ۱۹۷۹ء میں اُن کی رُوح اُن کے جسدِ خاکی سے پرواز کر گئی جس سے دُنیائے علم و ادب ایک معروف شاعر کی اُستادانہ سرپرستی سے محروم ہو گئی۔

رانا گوپال سنگھ طالبؔ:

قدیم مملکت بھدرواہ کے علاقہ مرمت کو جہاں تواریخی لحاظ سے بڑی اہمیت حاصل رہی ہے، وہیں فطری حُسن سے مالا مال اِس پسماندہ علاقہ میں رانا گوپال سنگھ طالبؔ جیسے شاعر نے اپنے قلم کے جادو سے اُردو اور ڈوگری زبان کے شعری ادب کی ترویج کے لئے اپنا خلوص بھرا کردار ادا کیا۔ وہ ۱۸۹۰ء میں رانا دھرم سنگھ کے ہاں پیدا ہوئے جن کا تعلق راجگانِ ڈوڈو بسنت گڑھ (اُودھم پور) سے تھا۔ مرمت گلیاں کا علاقہ اُن دِنوں ایک جاگیر کا درجہ رکھتا تھا اور طالبؔ اُس جاگیر میں بحیثیت ذیلدار اپنے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ وہ مذکورہ زبانوں کے اچھے شعراء میں شمار ہوتے تھے۔ اُنہوں نے دیوانِ غالبؔ اور گیتا کے ڈوگری زبان میں ترجمے کئے، جن کے مسودے اُن کے ورثاء کے پاس ابھی تک موجود ہیں۔ وہ بعارضہ سکوتِ قلب ۱۹۶۸ء میں اِس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔ اُن کے اُردو کلام کو زیورِ طباعت سے شائع کروانے کی ضرورت ہے تاکہ وہ کتابی صورت میں محفوظ ہو سکے۔ رانا راجندر سنگھ، ریٹائرڈ چیف انجینئر (مرحوم) اُن کے بڑے فرزند تھے۔ رانا دیو اِندر سنگھ، ایم۔ ایل۔ سی بھی اُن کے ہی پوتے ہیں، جو جموں میں رہائش پذیر ہیں لیکن اپنے علاقے کے مسائل کو حل کرانے کی پوری کوشش کر رہے ہیں۔

دیگر شعرأ:

رسا جاودانی کی حیات کے دوران ہی بھدرواہ کے راجواڑہ شاہی میں اُردو اور کشمیری زبان کے کئی شعرأ اور ادیب یہاں کے آسمانِ ادب پر نمودار ہوئے جنہوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر بغیر کسی معتبر رہنمائی کے گلستانِ ادب کی اپنے خونِ جگر سے آبیاری کر کے اِسے لالہ و یاسمن کی جیسی عطر بیز رنگینیوں اور رعنائیوں سے سنوار اور نکھار کر اِس کے شعری اور ادبی دامن کو وُسعت اور دلکشی بخشی۔ اُن میں سے کچھ خوش نصیبوں نے مقامی حدود پھلاند کر ریاستی اور ملکی سطح پر شہرت اور مقبولیت کے بامِ عروج تک پہنچنے میں کامیابی حاصل کی اور کچھ ابھی مشقِ سخن اور ریاض کے مراحل کی متوقع آزمائشوں کے خارزاروں میں اپنی آبلہ پائی کے زخموں میں ہمت و استقلال کا سفوف ڈال کر اُن کے بھر آنے کی اُمید کا دامن تھامے ہوئے ہیں۔ یہاں کے معروف اُردو شعراء میں پنڈت کنول نین نگہتؔ، قاضی محمد اسد اللہ اسعدؔ، ماسٹر عبدالغنی شیخ (فقیرؔ بھدرواہی)، وفاؔ بھدرواہی، دیال لال وردؔ، باکمؔ بھدرواہی، ڈاکٹر محمد اسد اللہ وانی، غلام علی کیلو عاصیؔ، غلام نبی گونی گورگانیؔ، بشیرؔ بھدرواہی، ساغرؔ صحرائی، رندؔ بھدرواہی، تنویرؔ بھدرواہی، محمد شفیع دلکشؔ، ہری لال ہتیشیؔ، عبدالجبار زائرؔ، جسونت سنگھ چاڑک، عبدالقیوم آسؔ، شاذ شرقیؔ، رازؔ بھدرواہی، بےبسؔ بھدرواہی، نازؔ نظامی، نقاشؔ بھدرواہی، جان محمد تشنہؔ، ساجدؔ سرمدی، امر دیپ، غلام رسول چوگانی، ملک عبدالطیف، مول راج منہاسؔ، سہیلؔ صدیقی، تسکینؔ بڈاونوی وغیرہ شعراء کے علاوہ علاقہ بھلیس کے ملک غلام حسین دردؔ پیامی، گلاب چند مضطرؔ، بشیر احمد سروالؔ، عبدالرشید کٹڑ، ریاض خان اور محمد شفیع متو وغیرہ کے اسمائے گرامی قابلِ ذکر ہیں[1]۔

متذکرہ بالا شعرأ اور ادیبوں میں کئی نثر نگار، افسانہ نگار اور صحافی وغیرہ بھی

---

[1] اِن شعرأ کے کلام پر اِنفرادی طور تبصرہ کرنا طوالت کے خوف سے محال ہے۔

شامل ہیں۔ اُن شعراء میں سے چند ایک کی شعری تخلیقات (اُردو زبان میں) کتابی صورت میں شائع ہو چکی ہیں۔ قاضی محمد اسد اللہ اسعد بھدرواہی کا کلام اُن کے فرزند شاذ شرقی نے ''نظم بریں'' کے نام سے شائع کیا۔ وفا بھدرواہی کلام ''بوئے وفا'' کے نام سے شائع ہوا۔ ہری لال ہتیشی کی کچھ منظوم کتب شائع ہوئی ہیں جن میں ''شکوہ اور جواب شکوہ''، ''امر پیغام اندرا گاندھی''، ''نغمہ فردوس''، ''چھوٹا کشمیر بھدرواہ''، ''ساگر منتھن'' (ہندی) شامل ہیں۔ گونی گورگانی کے شعری رشحات قلم ''ارمغان کشمیر'' اور ''زمزم سے جہلم تک'' منظر عام پر آ چکے ہیں اور اُن کے غیر مطبوعہ کلام کو بھی حال ہی میں اُن کے فرزند خواجہ محمد اسلم گونی نے چھپوا کر منظرِ عام پر لایا ہے۔ تنویر بھدرواہی کا کلام ''پرتوِ تنویر'' کے نام سے اور بالم بھدرواہی کا کلام ''راز و نیاز'' (مؤلف اسیر کشتواڑی) کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ ساغر صحرائی کا کلام ''شعلۂ صحرا'' بہت عرصہ پہلے شائع ہوا تھا۔ شاذ شرقی کا اُردو کلام ''صدائے دل'' کے نام سے ہمارے سامنے آیا۔ کئی شعراء کا کلام ابھی طباعت کے مراحل طے کر رہا ہے اور توقع ہے کہ وہ بھی بہت جلد ہمارے پاس آ جائے گا۔ صاحبِ کتاب شعراء کی مذکورہ تخلیقات سے یہاں کے اچھے شعراء کا کلام محفوظ ہو گیا ہے اور جو یہاں کے شعری ادب میں ایک قابلِ قدر اضافہ بھی ہے اور نا قابل فراموش خدمت بھی!

اِس کے علاوہ تسکین بڈانوی کا پہلا مجموعۂ کلام ''فکر و افکار'' کے نام سے شائع ہوا تھا جو غالباً آٹھ صفحات پر مشتمل ہے۔ اُن کا دوسرا مجموعہ شعر ''قصر محبت'' بھی منظر عام پر آ کر دادِ تحسین حاصل کر چکا ہے۔

بہت سے شعرا کی تخلیقی کاوشیں مقامی، ضلعی اور ریاستی سطح کے موقر جرائد، مجلّوں اور رسائل کے علاوہ اخبارات کے اوراق کی زینت بنتی رہتی ہیں۔ کچھ تخلیقات پر اچھے قلمکاروں نے تبصرے لکھ کر شائع کروائے، جنہیں ادبی حلقوں نے بہت پسند کیا۔ ضلع ڈوڈہ کے باقی حصّوں کے جن شعرا، ادبا اور قلمکاروں نے اپنی شعری، نثری،

تحقیقی اور تنقیدی ادب سے جڑی ہوئی تخلیقات سے اُردو شعروادب کا دامن وسیع کیا اور نام کمایا۔ اُن میں کشتواڑ کے عشرت کاشمیری، نشاط کشتواڑی، کامگار کشتواڑی، فدا کشتواڑی، جانباز کشتواڑی، ارمان کشتواڑی، جگدیش عشاق، خوشی رام سین، عبدالغنی کوثر، جی ایم فاضلی، بشیر ابن نشاط، حسرت کشتواڑی، پرویز ابن طیب، غلام نبی غافل، ڈاکٹر شبیر متو اور کئی دیگر اصحاب قلم شامل ہیں۔ ڈوڈہ کے سخنوروں میں شاد فریدی، مشتاق فریدی، شوکت فریدی، فرید فریدی، عاصم فریدی، اشرف فریدی، تمنا منشی وغیرہ اور رام بن بانہال سے طاؤس بانہالی، مرغوب بانہالی، منشور بانہالی، ظاہر بانہالی، شمس بانہالی اور درجنوں دیگر جوان سال قلمکار شامل ہیں۔ عبدالرشید کٹوچ کے علاوہ امین بانہالی اور مشتاق پوگلی بھی اُردو میں اچھی شعر گوئی کرتے ہیں۔

اُردو کا نثری ادب:

اگرچہ مملکتِ بھدرواہ کا شعری کاروانِ ادب آئے دِن بڑھتا ہی چلا جارہا ہے اور متعدد شعرا اِس میدان میں اپنے شعری فن کے کمالات دِکھاتے رہتے ہیں، تاہم نثر نگاری میں کچھ ہی ادیبوں اور قلمکاروں نے اپنی رشحاتِ قلم کی بدولت شہرت حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کی ہے۔ اُردو نثر کے اُن جان نثاروں اور پیش کاروں میں جن اصحاب کی پُرخلوص اور قابلِ قدر خدمات کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا، اُن میں خواجہ غلام رسول آزاد، ماسٹر عبدالغفار کچلو، پروفیسر محمد اسد اللہ وانی، پروفیسر شہاب عنایت ملک، پروفیسر عبدالعزیز بٹ، پروفیسر سلطان محمد خان، ماسٹر عبدالکریم، غلام رسول چوگانی، ڈاکٹر محمد اقبال زرگر، منشی رام چندر پریہار، عبدالرحمن صابری، محمد شفیع متو، ماسٹر دیس راج کاٹل، رند بھدرواہی، وید بھوشن گپتا، مسٹر عبدالحفیظ (کے۔اے۔ایس)، رنبیر سنگھ منہاس، ماسٹر عبدالرشید شیخ، ساغر صحرائی، تنویر بھدرواہی، غلام حسین آباد، ناز نظامی، محمد شریف متو، الحاج غلام قادر، محترمہ شکیلہ بانو ملک، عبدالقیوم آس، شاد شرقی، جسونت منہاس،

امر دیپ‘ ارشاد احمد رنگریز‘ محمد حسین نقاش‘ عبدالحفیظ فانی‘ اور کئی مدرسین بہ شمول شیخ محمد فضل کے اسمائے گرامی قابلِ ذکر ہیں۔ اِن میں سے کئی اصحاب قلم کو اچھے مقررین میں بھی شمار کیا جاتا ہے جو اُن کی اُردو زبان کے نثری ادب کے ایک اہم گوشے کے تئیں ایک اضافی خدمت کے مترادف ہے۔ گو کہ ان سب اصحاب کی نثری تخلیقات کا تفصیلی ذکر کرنا ایک مشکل امر ہے‘ تاہم طوالت کے خوف کے باوجود کچھ ادباء کی گرانقدر اعانت کا ذِکر کرنا ہمارا اخلاقی فرض بنتا ہے۔

خواجہ غلام رسول آزاد:

خواجہ غلام رسول آزاد ایک ماہر تعلیم‘ ایک بے لوث قائد‘ ایک انقلابی سماجی کارکن ہونے کے علاوہ بہترین قلمکار بھی تھے۔ اُردو زبان وادب کے ساتھ اُن کو والہانہ لگاؤ تھا۔ علّامہ اقبالؔ کے سینکڑوں اشعار اُن کی عملی زِندگی کا حصہ بن چکے تھے۔ ملازمت سے سبکدوشی کے بعد بڑی تنگ دستی کے دور میں ”دہر“ جیسا معروف ہفتہ روزہ کا اجراء کر کے اُنہوں نے اپنی حُب الوطنی‘ اِنسان دوستی اور اُردو زبان سے بے پناہ محبت کا عملی ثبوت پیش کیا۔ تاہم خرابیء صحت‘ مالی مشکلات اور دیگر وجوہات نے اس کی اشاعت زیادہ عرصہ تک ممکن نہ ہونے دی۔ تاہم مذکورہ اخبار کے اداریوں اور کئی علمی ادبی اور ثقافتی مضامین سے آزاد صاحب کی اُردو زبان کے تئیں خدمات کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اُن کی سوانح حیات ”جدوجہد“ کی فرحت بخش اور فکر انگیز تحریریں بھی اُن کی اُردو دانی اور ادب شناسی کی آئینہ دار ہیں۔

پروفیسر محمد اسد اللہ وانی:

ڈاکٹر محمد اسد اللہ وانی اپنے زمانۂ طالب علمی سے ہی مضامین لکھنے کے شائق رہے ہیں۔ ڈگری کالج بھدرواہ کے اُن دِنوں کے سازگار ادبی ماحول نے اُن کی

تحریری صلاحیتوں کواور بھی جلا بخشی اور وہ اپنے کالج میگزین کے لئے کچھ ایسے تاریخی ادبی اور ثقافتی مضامین لکھتے رہے، جن کی افادیت آج تک باقی ہے۔ اُسی ماحول کی بدولت اُن کی شعری ادب سے وابستہ دِل چسپاں اور بڑھنے لگیں۔ حصولِ تعلیم کے بعد اپنے علاقہ کے ہائی اسکول گواہ (مرمت) میں تدریسی سفر کے دوران بھی وہ مشق سخن کرتے رہے۔ اُن کے ادبی مزاج کی کلیاں تب کچھ زیادہ ہی کھل اُٹھیں جب وہ کلچرل اکیڈمی میں ریسرچ اسسٹنٹ کے طور پر وہاں کے مختلف تحقیقی اور اشاعتی شعبوں سے منسلک ہوگئے۔ اُس دور میں اُنہیں علاّمہ اقبال، لل دید، شیخ العالم، فوق اور کئی دُوسری معروف ادبی اور دینی ہستیوں کی زِندگی اور اُن کے کارہائے نمایاں کے بارے میں متعدد سیمینار اور کانفرنسیں منعقد کروانے کے مواقع حاصل ہوئے جو اُن کے آئندہ تحقیقی جوہر پاروں کی تخلیق واشاعت کا موجب بنے۔

طالب علمی، معلّمی اور کلچرل اکیڈمی میں ملازمت کے دوران اُن کے لکھے ہوئے مضامین، مقالہ جات اور کتب کی فہرست اِتنی لمبی ہے کہ اِن اوراق میں اُن کا تفصیلی طور پر ذکر کرنا ناممکن ہے۔ تاہم جن مضامین یا کتب نے ادبی دُنیا میں اُن کی شناخت بنائی ہے، اُن میں پی. ایچ. ڈی کے لئے اُن کا مقالہ ''اقبال اور جموں وکشمیر کا اُردو اور کشمیری ادب''، اُن کی معروف تحقیقی کاوش ''شیخ العالمؒ۔ ایک مطالعہ'' کے علاوہ اُن کے مقالے' جموں وکشمیر میں افسانہ نگاری' حضرت شیخ العالمؒ اور کشتواڑ' گوجری زبان اور بھدرواہی (زبان) پر اس کا اثر' بدھ مت اور ریشیات' لل دید کی اِنسان دوستی' کلچرا کیڈمی کی پچاس سالہ اُردو شاعری' ضلع ڈوڈہ کے اُردو شعراٗ کی دین' ضلع ڈوڈہ کا ثقافتی اور تہذیبی جائزہ' بھدرواہ کے تواریخی مقامات' جموں کی خانقاہیں اور گرجے' بھدرواہی زبان کا ارتقا' رسؔا کا شعری سفر' گوجری زبان اور محققین' شیخ العالمؒ کی شاعری میں کشتواڑی لب ولہجہ' اور اقبالیاتِ آزاد' قابلِ ذکر ہیں۔ وہ ایک محقق اور نثر نگار کی حیثیت سے ریاست کے صفِ اوّل کے قلمکاروں میں شمار کیے جاسکتے

ہیں۔ ضلع ڈوڈہ کے تقریباً نثر نگاروں سے کثیر الاشاعت ہونے کی وجہ سے بہت آگے چلے گئے ہیں۔ اُن کی تحریریں مواد، ترتیب اور موزونیت کے علاوہ اِختصارِ بیاں کے لحاظ سے معیاری، قابلِ قدر اور قابلِ تحسین ہیں۔ اُردو اور کشمیری زبان کے تئیں صاحبِ موصوف کی خدمات کے پیشِ نظر اُن کو مختلف انجمنوں اور کلچرل اکیڈمی کی طرف سے توصیف نامے، انعامات، اور مومینٹوز عطا کئے گئے ہیں۔ ''اقبال بزمِ ادب بھدرواہ'' سے وہ اِبتداء سے ہی منسلک رہے ہیں کیونکہ وہ اُن دو چار کالج کے ملازمین اور طالب علموں میں شامل تھے، جنہوں نے اُس انجمن کی بنیاد ڈالی تھی۔

ماسٹر عبدالغفار کچلو:

ماسٹر عبدالغفار کچلو (مرحوم) کی اُردو زبان سے وابستگی کا اندازہ ان کے متعدد کتابچوں کی طرزِ تحریر سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے جو اُنہوں نے دینی موضوعات کے تحت تحریر کئے تھے۔ وہ بڑے دین دار، ذہین و فہیم، اِنسان دوست اور ایک بزرگ عالمِ دین تھے۔ بحیثیتِ مدرّس بھی وہ تدریسی میدان پر چھائے رہے۔ جماعتِ اِسلامی سے مرتے دم تک وابستگی رہی۔ مساجد میں وہ فجر کی نمازوں اور جمعہ کے اجتماعات کے مواقع پر اپنی تقریروں کے بلیغ، فصیح اور دلآویز انداز سے سامعین کا دل موہ لیتے تھے۔ اُن کا شمار اکابرین بھدرواہ میں بھی ہوتا تھا۔ وہ اپنے دولت خانہ پر لوگوں کی باہمی رنجشیں اور چھوٹے موٹے جھگڑے اپنے مصالحتی تدبر کو بروئے کار لا کر نپٹا لینے میں ماہر تھے۔ اُن کی اُردو تصنیفات میں ''دعوت و تبلیغ اور سیّدنا شاہ فرید الدینؒ''، ''حقیقت معراج النبیؐ''، ''حیات النبیؐ و حیات الصالحین کی جھلکیں''، ''سیرتِ نبویؐ کا مطالعہ''، ''اِسلام غیروں کی نظر میں''، ''پیرانِ پیر''، ''حقائق چشم دید'' وغیرہ کے علاوہ ''شراب نوشی'' اور ''حلقۂ جماعتِ اسلامی کی کارکردگی کی رپورٹ'' شامل ہیں اور پڑھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ وہ بھدرواہ میں ۲۷ ستمبر ۱۹۱۱ء کو پیدا ہوئے اور سری نگر میں دِل کے عارضہ سے

۱۱ر جولائی ۱۹۹۲ء کو اُن کی رُوح قفس عنصری سے پرواز کر کے خالقِ حقیقی سے جا ملی۔ بھدرواہ اور وادی کے سونہ واری علاقہ میں اُن کے سانحہ اِرتحال سے صفِ ماتم بچھ گئی۔ بھدرواہ سے ہزاروں سوگواروں اور لواحقین نے اُن کے جنازے میں شرکت کی۔

پروفیسر شہاب عنایت ملک:

ڈاکٹر شہاب عنایت اللہ ملک جموں یونیورسٹی کے شعبۂ اُردو میں بحیثیت پروفیسر کام کر رہے ہیں[1]۔ وہ پہلے یہاں ۱۹۹۵ء میں بحیثیت لیکچرار تعینات ہوئے اور اپنی احسن کارکردگی کی بدولت موجودہ عہدے تک پہنچے۔ اپنے اُردو شناس والد مسٹر عنایت اللہ ملک اور اپنے نانا رسا جاودانی جیسے مایہ ناز اور بلند پایہ شاعر کی صحبت اور ڈاکٹر منظر اعظمی (مرحوم) اور ڈاکٹر ظہور الدین جیسے معروف اساتذہ کی رہنمائی نے شہاب کی خداداد فکری اور تخلیقی صلاحیتوں کو نہ صرف جلابخشی بلکہ وہ اُن کی جبلی محرکات کی تصعید کرنے میں بھی ممد اور معاون بنے رہے۔ کاروانِ ادب کے اُن سپہ سالاروں کی سرپرستی اور رہنمائی میں اُن کا فن تحریر اور جذبہ تحقیق و تنقید نکھرتا رہا۔ اُنہوں نے جموں کی مختلف ادبی انجمنوں کی رُکنیت بھی حاصل کی اور اپنی محنت، لگن اور ذہانت کے طفیل اُنہیں ریاستی اور ملکی سطح پر بہت سی ادبی کانفرنسوں، سیمیناروں اور مجالس میں شریک ہونے اور اپنے معلوماتی تحقیقی مقالے اور مضامین پڑھنے کے متعدد مواقع حاصل ہوئے۔ مارچ ۱۹۹۵ء میں اُنہوں نے رسا جاودانی میموریل لٹریری سوسائٹی کا قیام عمل میں لا کر ایک تاریخی کارنامہ انجام دیا جس کے وہ صدر منتخب ہوئے۔ اِس سوسائٹی کی طرف سے اُنہوں نے کئی سیمیناروں کا اہتمام کیا اور ملکی سطح کی کانفرنسیں بھی منعقد کیں، جن کی ادبی حلقوں کی طرف سے بہت پذیرائی ہوتی رہی۔ وہ اُردو زبان و ادب کی پُرخلوص خدمت کرتے آئے ہیں۔ رسا جاودانی میموریل لٹریری سوسائٹی کی شاخیں

---

[1] ماشاءاللہ وہ اب ترقی پا کر اِس شعبہ کے صدر تعینات ہوئے ہیں۔

نہ صرف ریاست کے کچھ مقامات پر قائم کی گئی ہیں بلکہ ملکی سطح کے علاوہ پاکستان میں بھی اِس کی ایک شاخ حال ہی میں قائم کی گئی ہے۔ اِس طرح سے ریاستی اور ملکی سطح کے اُردو دانشوروں کے باہمی روابط اور اِشتراک اور تال میل سے اُردو زبان اور ادب کی نئی جہتوں اور رُجحانات کی تفہیم میں کافی مدد حاصل ہو رہی ہے، جس کے مفید اثرات نئے ادیبوں اور یونیورسٹی میں زیرِ تعلیم طلباء پر نمایاں طور پر پڑ رہے ہیں۔

شہاب صاحب کے تنقیدی اور تحقیقی مضامین اور مقالے ریاستی اور ملکی سطح کے متعدد جرائد اور رسائل میں شائع ہوتے رہے ہیں اور دادِ تحسین حاصل کرتے آئے ہیں۔ اُن کی دیگر نثری کاوشیں کئی کتابوں کی صورت میں منظرِ عام پر آ چکی ہیں جن کی بظاہر سادہ مگر معیاری اور فنی بصیرت سے لبریز طرزِ نگارش اُن کے فکر اور فن کی گہرائی اور لسانی پختگی کے علاوہ اُردو زبان اور ادب کے ساتھ اُن کی گہری وابستگی، والہانہ محبت اور فریفتگی کی آئینہ دار ہے۔ ڈاکٹر شہاب اب ریاست کے اچھے نثر نگاروں، تنقید نگاروں، محققین اور مقررین میں شمار ہوتے ہیں۔ اُن کی قابلِ تحسین تصنیفات میں ''نئے جائزے''، ''نئے اِمکانات''، ''مرغوب شناسی''، ''قرۃ العین حیدر۔ بہ حیثیت افسانہ نگار''، ''گردشِ رنگِ چمن کا تنقیدی مطالعہ''، ''اُردو کا سیکولر کردار'' اور ''ریاست جموں و کشمیر میں اُردو زبان۔ ماضی، حال اور مستقبل'' شامل ہیں۔

ڈاکٹر شہاب کی ادبی خدمات کے پیشِ نظر بہت سی ادبی تنظیموں نے اُنہیں ایوارڈ اور توصیفی سندیں عطا کی ہیں، جن میں انجمن محبانِ اُردو کی طرف سے دیا گیا ''محبانِ اُردو ایوارڈ'' اور انجمن ترقی اُردو ہند کی طرف سے بخشا گیا ''اُردو ایوارڈ'' شامل ہیں۔ اِن کے علاوہ اُنہیں نئی دہلی کی انٹرنیشنل سوسائٹی کی طرف سے ''شکھشا رتن پُرسکار'' بھی مل چکا ہے۔ آج کل وہ صدر شعبہء اُردو، جموں یونیورسٹی کے علاوہ پروفیشنل اسٹڈیز کے ڈائریکٹر بھی ہیں۔

خواجہ غلام نبی گونی:

خواجہ غلام نبی گونی گورگانی ایک اعلیٰ پایہ کے قانون دان، تاریخ دان، مفکر، شاعر، ادیب اور سیاست دان تھے۔ اُن کا کوئی نثری شہ پارہ دستیاب نہیں ہے تاہم شوریدہ کاشمیری کے ساتھ اُن کے خط و کتابت اِس بات کی غماز ہے کہ وہ اچھے نثر نگار تھے۔ شاید اُنہوں نے کچھ مضامین بھی لکھے ہوں جن کو منظر عام پر لایا جانا چاہیے۔

ڈاکٹر محمد اقبال زرگر:

ڈاکٹر محمد اقبال زرگر اُردو کے ایک شیدائی، نثر نگار اور محقق ہونے کے ناطے اپنے قیمتی افکار و خیالات کو بہت ہی دلچسپ اندازِ تحریر میں ہمارے سامنے پیش کرتے آئے ہیں، جس کی جاذبیت اور معلوماتی افادیت سے اِنکار نہیں کیا جاسکتا۔ اُن کی طرزِ نگارش نہایت ہی شستہ، فکر انگیز اور اعلیٰ معیار کی حامل ہے۔ اُردو زبان پر اُن کی دسترس کا اندازہ اُن کی تحریروں سے بخوبی ہوتا ہے جو مضامین کی صورت میں اخبارات، رسائل اور جرائد میں چھپتی رہی ہیں۔ اُن کے ایم.فل اور پی.ایچ.ڈی کورسز کے لئے لکھے ہوئے مقالے اُردو ادب کی تحقیقی تاریخ میں اپنا مقام رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب سمندر کو کوزے میں بند کرنے کی مہارت رکھتے ہیں، جو نثری ادب کا تقاضہ بھی ہے۔ اُنہوں نے جناب غلام رسول آزاد کی خودنوشتہ سوانح حیات ''جدوجہد'' تالیف کر کے اُردو ادب کے ایک بڑے پرستار کی زِندگی کے نشیب و فراز کے علاوہ اُن کی اِنسان دوستی، سیاسی سوچ، تعلیمی خدمات اور ادب شناسی، جذبہ حب الوطنی اور بے لوث سماجی خدمات کو منظر عام پر لایا ہے۔ اُردو زبان کے تئیں اُن کی یہ خدمت کیا کم ہے؟ اگر وہ دلجمعی سے کام لے کر نثر نگاری کی طرف متوجہ ہوں تو اُن کے رشحاتِ قلم دامنِ اُردو کو مالا مال کر کے اقبال صاحب کو بھی دُنیائے اُردو میں ایک پہچان دِلا سکیں گے۔

غلام رسول چوگانی:

مسٹر غلام رسول چوگانی، جو مملکت بھدرواہ کے ایک پسماندہ اور دُور اُفتادہ حصّے سے تعلق رکھتے ہیں، کو شاعری کے علاوہ نثر نگاری میں ایک خاص ملکہ حاصل ہے۔ مناسب وسائل اور سہولیات کی عدم دستیابی کے باوجود اُنہوں نے علاقہ بھلیس کے سکولوں میں نصابی اور غیر نصابی سرگرمیوں اور مشاغل کی ترویج کی طرف بہت توجہ دی اور اپنی محنت لگن اور ہنرمندی سے ''کالگنی'' اور ''بھلیس'' جیسے میگزین شائع کروائے جن میں بہت سے قلمکاروں، دانشوروں، ماہرین تعلیم، شعراء اور اباد ء کے ہاتھوں لکھے ہوئے تاریخی اہمیت کے مضامین شامل کیۓ گئے۔ لکھنے والوں میں جناب غلام رسول آزاد سابقہ ناظم تعلیمات جموں وکشمیر، جناب عبدالعزیز بٹ سابقہ رجسٹرار جموں وکشمیر یونیورسٹی، جناب سلطان محمد خان (مرحوم) منشی رام چندر پریہار، رسؔا جاودانی، محمد شریف متو، طلباء و طالبات، ملازمین اور دیگر مقامی قلم کار قابلِ ذکر ہیں۔

پروفیسر عمر الدین کی ۱۹۴۷ء میں جموں کے فسادات میں شہادت وغیرہ کے بارے میں بھی رسؔا جاودانی صاحب کا ایک خط شائع ہوا ہے جس سے رسؔا صاحب کی خطوط نویسی پر روشنی پڑتی ہے۔ چوگانی صاحب کی ذاتی طور پر تحریر کی گئی نثری تخلیقات یہاں کی مقامی کتب، اخبارات، رسائل اور جرائد میں شائع ہوتی رہی ہیں۔ اُن کی تحریریں اُردو زبان کے ساتھ اُن کے لگاؤ کی مظہر ہیں جن کا اپنا منفرد انداز ہے۔ حالیہ سالوں میں اُن کے لکھے ہوئے مضامین میں ''بھدرواہ میں یونیورسٹی کیمپس کیوں؟'' ''بھدرواہ اور بھلیس'' اور ''بھلیس کی قابل دید جگہیں'' بڑے معلوماتی اور معیاری ہیں۔ اِن سے چوگانی صاحب کے بھدرواہ سے بے پناہ لگاؤ اور پیار کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ وہ دو کتابوں کے مصنف بھی ہیں جن میں ایک آنحضور رسالت مآبؐ کی سیرت پاک کا احاطہ کرتی ہے اور دُوسری محترم غلام رسول آزاد کی حیات اور اُن کی

ادبی، سماجی اور سیاسی خدمات کی عکاسی کرتی ہے۔ طرزِ تحریر شستگی اور سلاست اور مزاح کے نگینوں سے مزین ہے۔

تنویر بھدرواہی:

تنویر بھدرواہی اُردو زبان کے ایک معروف شاعر، ادیب اور نثر نگار ہیں، جہاں وہ میدانِ شاعری میں اپنے شستہ اور سادہ کلام کے فنی اور ادبی محاسن کی بدولت ریاست میں ایک مقام پیدا کر چکے ہیں، وہیں اُن کے نثر پارے مواد اور ترتیب اور بے باکانہ اندازِ تحریر کے حوالے سے ادبی حلقوں میں دادِ تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ ''شیرازہ''، ''تسلسل'' اور ''بزم'' وغیرہ جیسے رسائل اور جرائد میں اُن کے مضامین چھپ کر سامنے آ چکے ہیں۔ اُن کا نثری سرمایہ بہت کم ہے، تاہم اُنہوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ کسی کم اہمیت کا حامل نہیں ہے۔

رِند بھدرواہی:

رِند بھدرواہی، بقول ڈاکٹر منشاء الرحمٰن منشاؔ ''جناب طالب حسین رِندؔ میخانہ شعر و سخن کے ایسے رندِ کامل ہیں جن کی رندانہ اور شاعرانہ طبیعت سے میں بہت متاثر ہوا ہوں۔ صاحب موصوف جہاں رموزِ فکر و فن پر گہری نظر رکھنے والے پُر مذاق شاعر ہیں، وہیں پختہ مذاق نثر نگار بھی ہیں۔'' منشاؔ صاحب کے ان کلمات میں کسی قسم کا مبالغہ نظر نہیں آتا۔ اُن کی افسانہ نگاری پر الگ سے بحث کی جائے گی، تاہم اُن کی دیگر نثری خدمات کو فراموش نہیں کیا جا سکتا جو ضلع ڈوڈہ کی مختلف انجمنوں کی طرف سے شائع ہونے والی کتب میں اُن کے تحریر کردہ مضامین کی صورت میں منظر عام پر آئے۔ ضلع ڈوڈہ کے کچھ شعراء اور قلمکاروں وغیرہ کے تعارفی خاکے ''انوار فریدیہ''، ''پس افق'' اور مرغوب بانہالی کی مشہور کتاب ''کشیر بالہ اپار'' اور ڈاکٹر ظہور الدین کی معروف

کتاب ''جموں میں اُردو ادب'' اور رسالہ ''شیرازہ'' کے اُردو اور کشمیری مجلّوں میں پہلے ہی شائع ہو چکے ہیں۔ کشمیر یونیورسٹی کے شعبہء کشمیری نے بھی ۱۹۷۹ء میں ضلع ڈوڈہ کے چند ایک شعراء کا تعارف ''احوال نامہ'' میں درج کروایا تھا۔ تاہم بھدرواہ کے اُردو اور کشمیری شعراء کا مختصر مگر جامع تعارف رِندؔ بھدرواہی نے اقبال بزم ادب کی زیرِ سرپرستی اپنی موقر تصنیف ''کہکشاں'' میں بہت ہی دِلکش، موثر اور غیر جانبدارانہ انداز سے کروایا۔ یہ یہاں کے ادیبوں، شعراء اور قلمکاروں اور فنکاروں کی شخصیات اور اُن کی خدمات پر پہلا جامع تبصرہ ہے جو مزید تحقیق کی بنیادی ضروریات کو پورا کرنے میں بہت مفید اور ممد بن سکتا ہے۔

رِندؔ صاحب کی قلمی تراش خراش کے بعد شائع ہونے والی دُوسری کتاب ''شہر آشوب'' ہے جس میں مقامی شعراء کی اُردو اور کشمیری زبانوں میں تخلیقات شامل کی گئی ہیں۔ اُن شعراء کے تعارفی کلمات میں رِندؔ کی فکر اور طرزِ تحریر نکھر کر سامنے آئی ہے۔ ''وفا بھدرواہی'' اور ''غلام نبی ڈولوال'' کی حیات اور شاعری وغیرہ سے متعلق اُن کے مضامین ''پس افق'' اور ''ضلع ڈوڈہ کی ادبی شناخت'' میں بالترتیب شائع ہوئے ہیں۔ ''شیرازہ'' میں بھی اُن کے مضامین اہتمام سے چھاپے جاتے ہیں۔ وہ یہاں کے اچھے قلمکاروں میں شمار ہوتے ہیں۔

الحاج غلام قادر بٹ:

الحاج غلام قادر بھلیسوی جامع غنیتہ العلوم اخیار پورہ (جکیاس) بھلیس کے بانی ہیں، جو اُنہوں نے بحیثیت مدرّس اپنی قبل از میعاد سبکدوشی کے بعد غریب، مفلس اور پسماندہ علاقوں کے بچوں کو دینی اور دُنیاوی علوم سے بہرہ مند کرنے کے لئے قائم کیا، جس کی آبیاری وہ بڑی محنت شاقہ، لگن اور دینی جذبے سے کر رہے ہیں۔ یہ اُن کی اور اُن کے رفقاء کے جذبہ ایثار کا ہی ثمر ہے کہ اِس ادارہ سے ہر سال کئی طلباء

اور طالبات فارغ التحصیل ہو کر ریاست کے مختلف مقامات پر دینی فرائض بطریق احسن انجام دے رہے ہیں۔

حاجی صاحب کو لکھنے پڑھنے کا شوق بچپن سے ہی تھا۔ اُردو زبان وادب سے اُن کی دلچسپی اور دینی سرگرمیوں سے دِلی لگاؤ نے اُن کی نوکِ قلم سے بہت سے کتابچے منظر عام پر لائے۔ اِن میں اُن کی خودنوشتہ سوانح بعنوان ''یادِ رفتہ اور خیال فردا'' ہے جس میں مسائل حاضرہ، اُستاد کے سماج میں رُتبے اور اِس کی ضرورت جیسے موضوعات پر بھی بڑی سلاست سے اور ایک عالمانہ اور ادیبانہ انداز میں بحث کی ہے۔ اِس کے علاوہ بھی اُنہوں نے دینی معاملات اور عصری تعلیمی اور اِنسانی مسائل پر درجن سے زیادہ کتابچے شائع کروائے ہیں۔ اُن کی اُردو نثر بہت سادہ، پُر از معلومات، معیاری اور اثر آفریں ہے۔ ہر سال اُن کا کوئی نہ کوئی شہ پارہ اُردو زبان وادب کے دامن کو وسیع کرتا ہے۔ وہ ایک شریف النفس اور خدا پرست اِنسان ہیں، جنہوں نے تبلیغ دین اور تدریس علم کے لئے اپنی زندگی وقف کر رکھی ہے۔ وہ عالمی بھائی چارے اور انسان دوستی پر یقین رکھتے ہیں اور ایک صالح اور صاف وپاک معاشرہ کی تعمیر چاہتے ہیں۔

ماسٹر عبدالکریم:

ماسٹر عبدالکریم اِس علاقہ کے معروف مضامین نویسوں اور نثر نگاروں میں شمار ہوتے ہیں۔ اُن کے بہت سے مضامین محکمہ تعلیم کے متعدد رسائل میں شائع ہوتے تھے۔ ماہنامہ ''اُستاد'' سرینگر میں اُن کے چھپے ہوئے مضامین بہت ہی معلوماتی اور معیاری ہوا کرتے تھے۔ نثر نگار ہونے کے علاوہ وہ ایک بہترین مقرر بھی تھے۔ بھدرواہ ٹیچرس ٹریننگ سکول میں تعیناتی کے دوران اُنہوں نے بہت سے زیرِ تربیت مدرسین کو نثر نگاری کی طرف راغب کیا۔

ماسٹر عبدالکریم صاحب کے فرزند مسٹر عبدالحفیظ کو بھی زمانہء کالج میں مضامین لکھنے کا شوق تھا' جو بعد میں اُن کی منصبی ذمہ داریوں کی وجہ سے آگے نہ بڑھ سکا۔ بھدرواہ کالج میگزین میں اُن کے اچھے مضامین شائع ہوا کرتے تھے۔ پروفیسر شکیلہ ملک کے خواتین سے متعلق کچھ اُردو مضامین ''شاہین'' میں چھپتے رہے' جو معیاری اور معلوماتی ہونے کی وجہ سے پسند کئے گئے۔ اُنہوں نے بھی بعد میں اس شوقِ خداداد کو اپنے ذہن کے دروں خانوں سے باہر نہ آنے دیا۔

بھوشن گپتا:

مسٹر بھوشن گپتا کے اُردو زبان میں لکھے ہوئے بھدرواہ کی تاریخ کے حوالہ سے چند ایک مضامین کالج میگزین میں شائع ہوئے تھے۔ انگریزی میں بھی اُن کے مضامین بڑی اہمیت کے حامل تھے۔ وہ اگر لکھنے کا سلسلہ جاری رکھتے تو آج اچھے قلمکاروں میں شمار ہوتے!

بشیرؔ بھدرواہی:

بشیرؔ بھدرواہی یعنی راقم الحروف کو اپنے زمانہ طالب علمی سے ہی اُردو زبان اورادب سے گہری وابستگی رہی ہے اور حتی المقدور اِس زبان کے شعری اور نثری میدان میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور نقشِ پائے پیش رواں سے رہنمائی پاتے ہوئے کچھ لکھنے کی جسارت کرتا آیا ہوں۔ اُردو زبان وادب کے تئیں خدمات کے حوالے سے ریاست کے بہت سے قلمکاروں اور محققین نے میری تخلیقات کے بارے میں اپنی مخلصانہ اور غیر جانبدارانہ آراء قلمبند کر کے ریاست کے مختلف ادبی رسائل' جرائد اخبارات اور کتب میں شائع کروائی ہیں جن میں ''صوبہ جموں میں اُردو زبان کی ترقی وترویج'' (از: ڈاکٹر ظہور الدین)، ''کلچرل ہسٹری آف ڈوڈہ'' (از: موہن لال آش)'

''کاشرادبک تواریخ'' اور ''احوال نامہ'' (شعبۂ کشمیری یونیورسٹی آف کشمیر)، ''ضلع ڈوڈہ کی ادبی شناخت'' (از اسیر کشتواڑی)، ''ضلع ڈوڈہ کی ادبی وثقافتی تاریخ'' (بزمِ فریدہ ڈوڈہ)، ''کہکشاں'' (از: طالب حسین رند)، ''تصویر ضلع ڈوڈہ'' (از: اسیر کشتواڑی)، ''انوارِ فریدیہ'' (فریدیہ بزم ادب ڈوڈہ) ''شیرازہ'' ڈوڈہ وغیرہ اور متعدد اخبارات ورسائل وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ راقم نے متعدد کتب کی تقاریظ اور پیش لفظ' تنقیدی مضامین اور تحقیقی جائزے بھی تحریر کئے ہیں۔ مضامین وغیرہ ''ضلع ڈوڈہ کی ادبی اور ثقافتی شناخت''، ''تصویر ضلع ڈوڈہ'' (از: اسیر کشتواڑی)، ''شیرازہ'' اُردو اور جموں یونیورسٹی کے ''تسلسل''، ''وفا بھدرواہی: حیات اور شاعری''، ''بزم ادب بھدرواہ''، ''انجمن کشتواڑ''، ''پس افق''، ''چلنت فورم کشتواڑ اور دیگر کتب وغیرہ میں شائع ہوئے ہیں۔ اسیر کشتواڑی کو معروف کتاب ''فوکس آن جموں اینڈ کشمیر'' پر راقم کا لکھا ہوا انگریزی مقالہ مذکورہ کتاب کے علاوہ اُردو ''شیرازہ'' میں اُردو متن میں شائع ہوا ہے۔ اِن مضامین کے علاوہ راقم نے کئی اُردو شعری مجموعوں کی تقریظیں اور دیباچے لکھے ہیں جن میں اسعد بھدرواہی' ضمیر فریدی' شاذ شرقی' رسا جاودانی (تازہ ایڈیشن) نورالزماں صدیقی نورو غیرہ کے شعری مجموعے قابلِ ذکر ہیں۔ راقم نے ''اُستاد اور سماج'' ڈراما بھی تحریر کیا تھا جو ۱۹۶۲ء کے دوران ہائی سکول جکیاس میں سٹیج کیا گیا تھا۔ ریڈیو کشمیر جموں سے بھی دیئے گئے عنوانات پر راقم کے مضامین نشر ہوتے رہے۔ اِن تفصیلات کے علاوہ اپنی تحریروں پر خود ہی کوئی تبصرہ کرنا مناسب خیال نہیں کرتا!

یہاں کے ادبی حلقے محترم محمد اسحاق زرگر (ڈوڈہ) کے قائم کردہ یاسر پبلشنگ ہاؤس ڈوڈہ کی اُردو زبان وادب کے حوالے سے کی گئی خدمات کے معترف ہیں جس کے توسط سے اُردو شعر وادب اور دینیات پر بہت سی کتابیں شائع ہوئیں۔ اُن میں خصوصی طور پر ''ضلع ڈوڈہ کی ادبی اور ثقافتی شناخت'' قابل ذکر ہے جس میں بھدرواہ کے شعراؔ اور ادباؔ کا بھی ذکر خیر ہوا ہے۔ علاوہ ازیں فریدیہ بزم ادب ڈوڈہ کی طرف

سے شائع کی گئی ''انوارِ فریدیہ'' تاریخ ادب کے حوالے سے اساسی اہمیت کی حامل ہے۔ اِسی طرح اسیر کشتواڑی کی معروف کتب ''تصویرِ ضلع ڈوڈہ'' اور ''ضلع ڈوڈہ کی ادبی شناخت'' ضلع ڈوڈہ کی مختلف زبانوں میں شعروادب کی تخلیق پر مستند اور جامع تاریخ کے مصداق ہیں، جن میں بھدرواہ کے سارے شعراء اور ادباء کی ادبی خدمات پر سیر حاصل جائزے قلمبند کر کے شامل کئے گئے ہیں۔ ''پس افق''، ''شہر آشوب''، ''فغانِ نیم شب'' اور ''کہکشاں'' جیسی مقامی سطح پر شائع ہونے والی کتب میں بہت سے قلمکاروں کی حیات اور شاعری وغیرہ کے کارناموں کی عکاسی کی گئی ہے۔ اُن مصنفین کی گرانقدر خدمات قابل تحسین ہیں جو آئندہ نسلوں کے لئے تحقیقی میدان میں مشعل راہ ثابت ہوں گی۔

ماسٹر دیس راج کاٹل:

ماسٹر دیس راج کاٹل کے اُردو مضامین کالج کے میگزینوں اور بزم ادب بھدرواہ کے مجلّہ ''بزم'' میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ گو کہ اُن کے مضامین تاریخی نوعیت کے ہیں لیکن اُن کی ادبی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ کاٹل صاحب انگریزی زبان میں مضامین لکھ کر اس علاقہ کی شناخت سے جڑے ہوئے کچھ پہلوؤں کی عکاسی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہندی زبان وادب پر بھی اُن کی دسترس ہونے کے ناتے وہ اِن دونوں زبانوں کی خدمت کر سکتے ہیں۔

الحاج غلام رسول اویسی:

الحاج غلام رسول اویسی (مرحوم) کے دادا اسد جو ملک، بھدرواہ سے نقل مکانی کر کے علاقہ بھلیس کے موضع دھریوڑی میں بس گئے تھے۔ حاجی صاحب محکمہ تعلیم میں بحیثیت مدرس کام کرتے تھے۔ اِسی دوران انہوں نے ایک مردِ مومن مولانا محمد

امین اویسی کے ہاتھ پر اویسی مسلک کے تحت بیعت لی اور اپنے گاؤں میں ''مدرسۂ اویسیہ امینیہ' کی بنیاد ڈالی۔ اُن کی تصنیف ''شمع ہدایت'' میں اُنھوں نے اپنے مسلک، دینی اور علمی مسائل پر اپنے خیالات قلمبند کیے ہیں۔ اِس کے علاوہ اُن کی تصنیفات میں ''عرفان بعنوان تخلیق کائنات''، ''شیخ اور مرید''، ''راہ طریقت المعروف بیعت'' ''فضائل درود وسلام'' شامل ہیں، جو اُن کی اُردو دانی اور اُردو شناسی کی مظہر ہیں۔ اُن کا اندازِ تحریر سادہ مگر اثر آفرین اور دلچسپ ہے۔ کچھ سال پہلے وہ اِس دُنیائے فانی سے کوچ کر گئے۔ اُن کی اُردو زبان کے تئیں خدمات کو ہمیشہ یاد کیا جاتا رہے گا۔

محمد اقبال سرتاج بھدرواہی:

محمد اقبال سرتاج بھدرواہی (مرحوم)، خواجہ غلام قادر پوسٹ مین کے فرزند تھے۔ اُنہیں قدرت نے فنِ تحریر کے وصف سے نوازا تھا۔ وہ اچھے خوش نویس، نثر نگار اور محقق تھے۔ اُردو زبان وادب سے فریفتگی کی حد تک اُنہیں پیار تھا۔ وہ ایک اچھے حکیم، بہترین خطّاط اور کاتب تھے۔ بھدرواہ کی ادبی تاریخ اور یہاں کی خانقاہوں وغیرہ پر وہ بہت کچھ لکھنا چاہتے تھے مگر بدقسمتی سے موت کے فرشتے نے آنے میں ذرا جلدی کی اور اُنہیں ہم سے چھین لیا۔ تاہم اُنہوں نے چند ایک کتابچوں کی کتابت کر رکھی تھی جنہیں وہ شائع کروانا چاہتے تھے۔ لیکن ایک طرف تو اُن کی مالی پریشانیاں اُن کے آڑے آئیں اور اُن کی گرتی صحت نے بھی اُن کا وہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہونے دیا۔ اُن کے مذکورہ پانچوں مسودے موجود ہیں۔ اُن کا کتابچہ ''پاجا سراغِ زندگی'' اور غیر مطبوعہ کتاب ''مبلغ اعظم: بغداد سے کشتواڑ تک'' اُن کے وارثین کے پاس موجود ہے۔ اُن قلمی مسودوں سے سرتاج (مرحوم) کے تحقیق اور اولیاء کرام اور شاہانِ بغدادؒ سے اُن کی دِلی عقیدت اور احترام کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ کچھ مقامی شعراء کی شاعری اور حیات پر اُن کے تبصروں میں رسا جاودانی، خواجہ غلام نبی گونی گورگانی، وفا بھدرواہی،

تنویر بھدرواہی، دیوانہ بھدرواہی اور راقم الحروف وغیرہ شامل ہیں۔ ادیب کامل کا امتحان پاس کرنے کے لئے اُنہوں نے بہت سی کتب کا مطالعہ کیا تھا جس سے اُن کی تحریروں پر اچھا اثر پڑا۔ اُن کی تحریریں بہت حد تک معیاری لگتی ہیں، تاہم اُن کی نوک پلک سنوارنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اُردو زبان وادب کے دلدادہ سرتاج بھدرواہی ایک اچھے شاعر، ایک محقق اور ایک اِنسان دوست ہونے کے ناتے ہمیشہ یاد کئے جاتے رہیں گے اور اُن کی خدمات کو ضلع ڈوڈہ کے شعراء اور ادباء فراموش نہیں کر سکتے۔ وہ اقبال بزم ادب بھدرواہ کے ساتھ آخر دم تک وابستہ رہے۔

پروفیسر شاذ شرقی:

شاذ شرقی کو قدرت نے بہت سی صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ مصور، شاعر، ادیب، افسانہ نگار، مجسمہ ساز ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ایک اچھے نثر نگار بھی ہیں۔ اُن کے مضامین اور خاکے ''شیرازہ'' اُردو، ''تسلسل'' اور مقامی جرائد میں شائع ہوئے ہیں۔ تحریروں کی سادگی، شستگی اور تاثر سے اُن کے نثری ادب سے لگاؤ کا پتہ چلتا ہے۔

آس بھدرواہی:

آس بھدرواہی اُردو کے اچھے شعرا میں شمار ہوتے ہیں۔ اُنہوں نے اپنی شعری تخلیقات ''عکسِ آئینہ'' کے نام سے ایک دو برس پہلے چھپوا کر منظر عام پر لائیں اور ساتھ ہی کچھ احادیث جمع کر کے شائع کروائیں، جو اُردو کے تئیں بھی اُن کی خدمات کی مؤید ہیں۔ وہ اُردو زبان وادب کے بہت گرویدہ اور رسیا ہیں۔

دیگر نثر نگار:

بھدرواہ کے باقی نثر نگاروں میں، جن کی تحریری کاوشیں یہاں کے مقامی

مجلّوں خصوصاً ''بزم'' وغیرہ میں شائع ہوئی ہیں، ساغرصحرائی، امر دیپ، ارشاد زرگر، نقاش بھدرواہی، ناز نظامی شامل ہیں۔ اُن کے علاوہ ہری لال ہتیشی، عبدالحفیظ فانی، غلام رسول مُلاّ، گھنشام منہاس، رابعہ مغل اور کئی ادباء نثر کی طرف توجہ دیتے آئے ہیں۔ موخرالذکر قلمکار تقریر کے فن کی رموز سے بھی واقف ہیں۔ اُن کے علاوہ علاقہ بھلیس کے مقتدر نثر نگاروں میں محمد شفیع متو سرفہرست ہیں، جن کے مطبوعہ اور کچھ غیر مطبوعہ کتابچے متو صاحب کی اُردو دانی اور ادب نوازی کے مظہر ہیں۔ اُن کتابچوں میں ''ختم المرسلینؐ''، ''حق و باطل کی رسہ کشی''، ''بھلیس''، ''رموز ہائے فکر'' اور ''کچھ تو اِدھر بھی'' شامل ہیں۔ اُن کے مضامین مقامی میگزینوں کی زینت بھی بنتے رہے ہیں۔ وہ ایک اچھے شاعر بھی ہیں۔ اُن کے علاوہ اُن کے برادر اکبر محمد شریف متو، بشیر سروال، ماسٹر عبدالرشید شیخ (مرحوم)، ماسٹر محمد سکندر (چیناس)، غلام نبی بٹ (منوئی)، عبدالرشید مغلوب (چلی)، غلام قادر بٹ (چنگا) اور منور دین میر اور محمد حسین آباد (ٹھاٹھری) نے مضمون نگاری کی طرف توجہ مرکوز کرتے ہوئے اُردو زبان وادب کے لئے اپنی بے پناہ محبت کا عملی ثبوت پیش کیا ہے۔

اِمتیاز احمد میر ایڈوکیٹ (ساکنہ بدھلی بھلیس) کو اپنے زمانۂ طالب علمی سے ہی اُردو زبان اور ادب کے ساتھ والہانہ لگاؤ رہا ہے۔ ایک پُر جوش مباحثہ کار اور مقرر ہونے کے حوالے سے وہ بسا اوقات ادبی، سیاسی اور علمی مجالس میں اپنی جادو بیانی، ذہانت اور بیش جہت معلومات کا مظاہرہ کرتے آئے ہیں۔ مقتدر شعراء کے اشعار کی چاشنی تقریر کے دوران اُن کے اندازِ بیاں کو اور بھی متاثر کن اور دلچسپ بنا دیتی ہے۔ وہ نثر نگاری کی طرف میں مائل رہے ہیں۔ اُن کے معلوماتی مضامین جرائد میں شائع ہو کر منظر عام پر آئے ہیں۔ حال ہی میں ڈاکٹر جگن ناتھ آزاد سے لیا ہوا اِنٹرویو بعنوان ''بالمشافہ'' شیرازہ اُردو (ڈوڈہ) میں شائع ہوا ہے۔ بقول فرید احمد فریدی ''یہ اِس لئے ہمارے ادب کے مذکور شمارے میں شامل کیا گیا ہے کیونکہ اِمتیاز احمد شاید ضلع ڈوڈہ کی

واحد ادب نواز شخصیت ہیں جس نے آزاد صاحب سے اِس قدر تفصیلی گفتگو کی ہے۔ ہمیں اِس اُبھرتے ہوئے ''ادب نواز'' سے بہت سی اُمیدیں وابستہ ہیں۔ وہ بہت سی ملکی اور غیر ملکی ادبی، سماجی اور اِنسانی حقوق سے متعلق تنظیموں کے ممبر بھی ہیں۔

فنِ خطاطی وخوش نویسی:

فنِ خطاطی کی تدریسی سہولیات کی عدم موجودگی کے باوجود مملکتِ بھدرواہ میں کچھ معروف خطاط اور خوش نویس پیدا ہوئے جن میں (مرحوم) غلام محمد ڈینجوؔ، غلام احمد خطیب (مرحوم)، صادق حسین بابا اور سرتاج بھدرواہی صفِ اوّل کے خطاطوں میں شمار ہوتے آئے ہیں۔ اُن کے علاوہ قاضی جاوید، غلام حسین نقاش، قاضی شبیر احمد وغیرہ اچھے خوش نویسوں میں گنے جاتے ہیں۔ علاقہ بھلیس کے خوش نویسوں میں غلام مصطفیٰ کمال، حافظ اسحاق (تلوگڑھ)، حافظ میر (برتھی)، اسحاق خان، پورن چند (کوٹا)، عمران ملک، شمیم متو اور فیروز خان (جوڑہ) کے اسماء قابل ذکر ہیں۔ بھلیس کے پُرانے خوش نویسوں میں منشی رام چند پریہار، رُوپ چند چوہان، غلام مصطفیٰ میر (بِسران)، غلام مصطفیٰ چوگانی اور امیر چند (سنوارہ) شامل کئے جاسکتے ہیں۔ کسی موزوں رہبری اور رہنمائی کے بغیر اِس فن کا مستقبل خاص روشن نظر نہیں آتا ہے۔

اُردو صحافت اور اخبار نویسی:

غیر منقسم ضلع ڈوڈہ صحافت اور اخبار نویسی وغیرہ کے میدان میں بھی، ہزار دُشواریوں کے باوجود کبھی پیچھے نہیں رہا۔ یہاں کے مشہور صحافیوں اور نامہ نگاروں نے ریاست کے فن صحافت کے اِبتدائی اور اِرتقائی دور میں اپنا بھرپور حصہ ادا کیا ہے۔ اُن میں نشاطؔ کشتواڑی، عشرت کشتواڑی، منشی نصراللہ فریدی، ایشر سنگھ بلوریہ، مست فریدی،

غلام رسول آزاد، رنبیر منہاس، آصف جان، شاد فریدی، عبدالرحمٰن رُونیال، محمد شریف سرتاج، محمد بشیر زرگر، عبدالغنی شاہ، محمد اقبال دیو، مشتاق فریدی، نصیر احمد کھوڑا، فیاض پانپوری، حق نواز نہرو، مسعود احمد وانی، ندیم خان، ماجد ملک، عنایت اللہ لون، جسونت سنگھ چاڑک، ابن ناشاد، محترمہ نصرت بشیر اور رحمت اللہ رُونیال وغیرہ شامل ہیں۔ نیز اسیر کشتواڑی، فرید احمد فریدی، او. پی ٹھاکر، اِمتیاز میر اور راقم کے مضامین اور مراسلے انگریزی اخبارات میں چھپتے رہتے ہیں۔

جموں میں رانا دیواندر سنگھ (ایم. ایل. سی) اپنا ٹی. وی چینل ''ٹیک-ون'' چلا رہے ہیں اور قصبہ بھدرواہ میں ''بابا چینل'' مقامی نیوز، موسیقی اور تبصرے وغیرہ پر مشتمل پروگرام نشر کرتا ہے۔

قدیم مملکت بھدرواہ کی حدود میں آج تک جو رسائل، جرائد اور اخبارات شائع ہوئے، اُن میں سب سے قدیم اخبار ''چناب'' زیرِ ادارت ٹھاکر ایشر سنگھ بلاوریہ ۱۹۶۳ء سے کئی سال تک چھپتا رہا۔ بلاوریہ صاحب کی وفات کے بعد اِس کی ادارت کی ذمہ داری مسٹر او. پی ٹھاکو رانجام دیتے رہے لیکن یہ ہفتہ وار اخبار چند سال پہلے نامعلوم وجوہات کی بناء پر بند کیا گیا۔ خواجہ غلام رسول آزاد کا ہفت روزہ ''دہر'' بڑی شدومد سے اُن کی وفات کے چند سال پہلے تک شائع ہوتا رہا۔ اِسی طرح سے رنبیر منہاس کا ہفت روزہ ''ایورسٹ ٹائمز'' چند سال افقِ بھدرواہ پر نمودار ہوکر موئنٹ ایورسٹ کی چوٹی کو سرنہ کرسکا اور کسی برفانی تودے کی نذر ہو گیا۔ محمد شریف سرتاج بھلیسوی کا روزنامہ ''راہ منزل'' ۱۹۸۰ء سے تالاب کھٹیکاں جموں سے باقاعدگی کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔ اِسے ابھی تک آکسیجن ڈوز کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی ہے۔ جسونت سنگھ چاڑک کی ادارت میں شائع ہونے والا انگریزی ہفت روزہ ''ہائٹس آف لائف'' بھی کئی سال سے بھدرواہ سے ہی شائع ہوتا ہے۔ یہ مقامی طور پر چھپنے والا پہلا اخبار ہے، ورنہ دُوسرے سب اخباروں کے مالکان جموں کے چھاپ خانوں کی

نازبرداریاں برداشت کرتے ہوئے خبروں کے باسے گھونٹ خریداروں کو پلانے میں مجبور ہیں۔ دراصل کچھ اخبارات کی جوانمرگی کا سبب بھی جموں کے چھاپہ خانے ہی بنے۔ ابھی کچھ عرصہ پہلے محترمہ نصرت بشیر کی ادارت میں اُردو ہفت روزہ ''بھدرواہ ٹائمز'' ہماری نظروں سے گزرا۔ یہ اخبار بھدرواہ کی قدم بوسی تو نہیں کرتا' البتہ جموں کے اخباری گماشتے باقی اخباروں کے ساتھ گھروں میں اِس کی بھی کمپلی مینٹری کاپیاں پھینک دیتے ہیں۔ وقت ہی بتائے گا کہ اِس ''ٹائمز'' کی گھڑی کی سوئی کب رُکے گی! خدا کرے کہ اِس کا ''ٹِک ٹِک'' ہم کافی دیر تک سنتے رہیں۔ حشر معلوم! کیونکہ ہمارے اخبار عینِ شباب میں اچانک کسی ناگہانی مصیبت کا شکار ہو کر دم توڑ جاتے ہیں۔ تاہم ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اِن اخبارات نے اُردو زبان اوادب کی خدمت کے علاوہ یہاں کی سیاسی' سماجی اور تمدنی سوچ میں مفید اور بار آور تبدیلیاں لانے میں بڑی مدد کی ہے۔ مسٹر رنبیر سنگھ منہاس جموں سے اپنا انگریزی جریدہ ''جے اینڈ کے رپورٹر'' کافی عرصہ سے شائع کر رہے ہیں جس میں وہ ضلع ڈوڈہ اور بھدرواہ کی ثقافت اور ترقیاتی پروگراموں کا بھی ذکر کرتے رہتے ہیں۔ اُن کی وطن پرستی پر یہ شعر کتنا پورا اُترتا ہے۔

گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار
لیکن تیرے خیال سے غافل نہیں رہا

یہاں کے قابل قدر نامہ نگاروں اور مراسلہ نویسوں میں مسٹر ندیم خان' ماجد ملک' او. پی ٹھاکور' ابن ناشاذ عارف خطیب' امتیاز میر' عنایت اللہ لون' راقم الحروف اور کئی دیگر نوجوان نامہ نگار شامل ہیں' جو مختلف اخبارات کو بھدرواہ کے روزمرہ واقعات وغیرہ پر اپنی تازہ رپورٹیں اور مراسلے بھیجتے رہتے ہیں۔ حال ہی میں روزنامہ ''اُڑان'' نے بھی اُڑان بھرنی شروع کی ہے۔ اِس کے مدیران میں بھدرواہ کے معروف صحافی تنویر احمد خطیب بھی شامل ہیں۔ ساتھ ہی شری اوم پرکاش ٹھاکر بھی ''چناب ویلی'' نام سے ایک اخبار شائع کر رہے ہیں۔ وہ اِس فن میں کافی تجربہ کار ہیں۔

کالج اور سکول میگزین:

بھدرواہ کے کالج اور سکول میگزینوں میں ڈِگری کالج بھدرواہ کا میگزین ''شاہین'' صفِ اوّل کے جرائد میں شمار ہوتا ہے۔ ۱۹۷۱ء کے ''شاہین'' کے سپیشل نمبر کا رسم اجرا محترمہ اِندرا گاندھی سابق پرائم منسٹر کے ہاتھوں ہوا۔ یہ میگزین بھدرواہ کی تاریخ، جغرافیہ، ثقافت، ادب اور فوک لور پر تاریخی اہمیت کا پہلا مدلّل اور مستند تذکرہ ہے جس سے کئی تذکرہ نگاروں اور مورخین نے اِستفادہ کر کے اپنی کتب کی شکم پری کی ہے۔ اِس نمبر کی ادارت سے جڑے ہوئے معروف دانشوروں اور مضمون نگاروں کی انمول اور قابلِ تحسین تاریخی قلمی کاوشوں کو ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔ ''شاہین'' ۱۹۶۳ء سے وقفوں وقفوں کے بعد شائع ہوتا رہا ہے۔ کچھ سال سے اِس میگزین کی ''حالتِ زار اور چیخ وپکار'' دیکھ کر اِسے پھر سے اپنے روایتی معیار کے پنگوڑے میں ڈال کر کسی صاحب قلم دانشور کے ہاتھوں لوریاں دلانے کی اشد ضرورت محسوس کی جا رہی ہے۔ ''شاہین'' سے پہلے ہائی سکول ڈوڈہ سے ''سراج'' نام کا میگزین ۱۹۵۸ء میں اور کشتواڑ سے ہائر سیکنڈری سکول کا ''چوگان'' نامی سکول میگزین بیسویں صدی کی پہلی دہائی سے شائع ہونا شروع ہوئے تھے۔ یہ دونوں میگزین کچھ شمارے شائع ہونے کے بعد ہی بند ہو گئے۔ اِسلامیہ فریدیہ مڈل سکول ڈوڈہ کی طرف سے ''روشنی کا سفر'' نامی میگزین ۱۹۸۴ء سے شائع ہوتا رہا، جواب باقاعدگی کے ساتھ نہیں چھپتا۔

بیس پچیس سال قبل بھلیس جیسے پسماندہ اور دُور اُفتادہ علاقے کے چند ایک ہائی سکولوں نے مسٹر غلام رسول چوگانی کی سرپرستی، رہنمائی اور ادارت میں ''کالگنی'' اور ''بھلیس'' نامی میگزین منظرِ عام پر لائے جن میں بہت سے مقتدر ماہرین تعلیم، قلمکاروں، دانشوروں ادیبوں اور شعراء کے ہاتھوں قلمبند کیے ہوئے تاریخی، تعلیمی، ادبی، سیاسی، سماجی اور تحقیقی نوعیت کے مضامین، مقالے اور شعری تخلیقات وغیرہ شائع ہوئے۔

اُن لکھنے والوں میں جناب غلام رسول آزادؔ جناب عبدالعزیز بٹ، جناب سلطان محمد خان، جناب رسؔا جاودانی، راقم الحروف بشؔیر بھدرواہی، منشی رام چندر، ماسٹر محمد شریف متو، غلام رسول شاہ کے علاوہ کئی طلبا و طالبات شامل تھے۔ یہ مضامین معلوماتی، معیاری اور تاریخی نوعیت کے ہیں۔ ۱۹۷۰ء میں مسٹر محمد شفیع متو نے ''بھلیس'' نام سے ایک کتابچہ شائع کروایا جس میں علاقہ بھلیس کے حدودِ اربعہ، معاشیات، پیداوار، خوبصورت مقامات، جنگلات اور لوگوں کے بارے میں معلومات فراہم کی گئیں۔ اقبال بزم ادب بھدرواہ ''بزم'' کے نام سے موسوم آج تک تقریباً آٹھ مجلّے شائع کر چکی ہے، جن میں غیر منقسم ضلع ڈوڈہ کے علاوہ مقامی سطح کے بہت سے مقتدر اور معروف ادباء، شعراء، دانشوروں اور قلم کاروں کی رشحات قلم شائع ہوتی رہتی ہیں۔ خطّہ ڈوڈہ کی ادبی انجمنوں کی طرف سے شائع ہونے والے جرائد میں ''بزم'' ہی ایک ایسا جریدہ ہے، جو ادبیات، تواریخ، ثقافت وغیرہ پر معلوماتی اور معیاری مضامین بڑی باقاعدگی سے شائع کرتا آیا ہے۔ اِس کی شہرت اور بقاء کا سہرا بزم کے موجودہ صدر طالب حسین رندؔ کے سر ہے، جنہوں نے بڑی محنت، لگن اور پُرخلوص جذبے سے اِس کے معیار کے ساتھ کبھی سمجھوتہ نہ ہونے دیا، گو کہ بھدرواہ کا سارا کاروانِ ادب اُن کے شانہ بشانہ اُن کا ممد اور معاون بنا رہا۔ ''بزم'' کی ادبی، ثقافتی اور تاریخی اہمیت اور افادیت کو کبھی صرف نظر نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی اِس میں شامل قلمکاروں اور مختلف اوقات کے صدور کی ذہنی اور قلمی کاوشوں کو فراموش کیا جا سکتا ہے، جس سے آئندہ آنے والی نسلوں میں پیدا ہونے والے ادیبوں کے لئے نئی راہیں متعین اور اُستوار ہوئی ہیں۔

اُردو افسانہ نگاری:

افسانہ نگاری جیسے نازک فن کے اِظہار میں بھدرواہ کے کچھ قلمکاروں نے ایسے فنی جوہر دکھائے جنہوں نے اُنہیں ریاست کے اچھے افسانہ نویسوں کی صف میں

لا کھڑا کر دیا ہے۔ اُن میں ڈاکٹر عبدالمجید' طالب حسین رِندؔ' پروفیسر عبدالرحیم مغل' عبدالمجید رازؔ' جسونت منہاس اور شاذؔ شرقی کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

ڈاکٹر عبدالمجید نے ایک سو سے زائد افسانے اور افسانچے تحریر کئے ہیں۔ اُن میں سے بعض افسانے ریاست اور بیرون ریاست کے رسائل اور جرائد میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ اُن کے کچھ معیاری افسانوں کو بہت سراہا گیا جن میں ''جلتا گلاب''، ''تلاش''، ''آپ بیتی اور ''منی آرڈر'' قابل ذکر ہیں۔ اُن کے افسانے زندگی کے تلخ واقعات اور آنکھوں دیکھے سانحات کے درد وکرب کی بڑے مؤثر انداز میں تصویر کشی کرتے ہیں۔ طنز وظرافت کی چاشنی بھی اُن کی تحریروں کا خاصا رہا ہے۔ اُن پر سعادت حسن منٹو کا بے باک رنگ نمایاں طور پر دِکھائی دیتا ہے۔ اُن کے اِختصارِ بیان کا اندازہ اٹھائیس الفاظ پر مشتمل اُن کے افسانہ ''آپ بیتی'' سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

طالب حسین رِند ایک شاعر' ادیب اور محقق ہونے کے علاوہ ایک اچھے افسانہ نویس اور اِنشا پرداز ہیں۔ اُن کی اِبتدائی افسانوی کاوشوں میں ''ہم ولی ہو گئے'' اور ''کنویں سے جھیل تک'' دو ایسے افسانے ہیں جو بالترتیب ''افکارِ ملی'' اور ''ہند سماچار'' میں شائع ہوئے۔ اُنہوں نے اپنے افسانوں کو ''سرابوں کا سفر'' کے نام سے چھپوا کر منظر عام پر لایا۔ اُس مجموعے میں اُن کی پندرہ تخلیقات شامل ہیں جن کی مقامی اور ریاستی سطح پر ادبی حلقوں میں کافی پذیرائی ہوئی۔ اُن کے افسانے محض پروازِ تخیل کی کرشمہ سازی نہیں بلکہ اُن میں معاشرے میں اقدار کے زوال' اوصاف کی ناقدری' روزمرہ سانحات سے پیدا ہونے والی گھٹن' بے ایمانی' مادہ پرستی اور ہوسِ اِقتدار کے علاوہ مذہبی رہنماؤں کے دوہرے معیار اور دیگر سماجی اور اِقتصادی مسائل کی بڑے اُستادانہ انداز سے عکاسی کی گئی ہے۔ اُن کے طنز وظرافت کا اچھوتا رنگ اُنہیں مقامی قلمکاروں میں ممتاز مقام عطا کرتا ہے' جو میدانِ ادب میں اُن کے گہرے مطالعہ کی نشاندہی بھی کرتا ہے۔

عبدالمجید رازؔ (مرحوم) شاعری کے علاوہ افسانوی دُنیا سے بھی گہرا تعلق رکھتے تھے۔ محکمہ اِطلاعات میں کام کرتے ہوئے اُنہیں افسانے لکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ اُن کی تخلیقات مقامی اور ملکی جرائد اور رسائل میں شائع ہوتی رہیں۔ اپنے ہی محکمے کے جریدے ''تعمیر'' کے صفحات میں اُن کے بہت سے افسانوں کو جگہ ملی۔ اِس کے علاوہ کچھ اخباروں میں بھی وہ چھپتے رہے۔ اِس طرح سے وہ افسانہ نگاروں کی صف میں شامل ہو گئے۔ اُن کے افسانے بھی سادگی تحریر اور اِختصار بیان کے لئے ایک اِمتیازی حیثیت کے حامل ہیں، جن میں اُنہوں نے اپنے اِرد گرد رُونما ہونے والے تلاطم خیز سانحات، سماجی مسائل اور اِنسانی ہمدردی سے جُڑے ہوئے جذبات کی بڑی خوبی سے عکاسی کی ہے۔ ''سپنوں کے شیش محل'' میں وہ سماجی برائیوں اور فرسودہ روایات کے خلاف زبردست پیرائے میں نبرد آزما ہوتے دِکھائی دیتے ہیں۔ ''حسرتوں کی راکھ'' میں سلیمہ پر پہلی نظر پڑنے پر حامد کے دِل و دماغ پر پیدا ہونے والے مسرت آمیز اور طوفان خیز جذبات کی وہ اچھوتی تشبیہات سے منظر کشی کرتے ہیں، جن کا تحریری آہنگ منفرد ہوتے دکھائی دیتا ہے۔ ''آدم خور'' افسانہ تو جیسے اُن کی اپنی موت کی ایک پیشین گوئی تھی۔ وہ لکھتے ہیں ''——— تمہیں کیا معلوم کہ میں نے دولت وجاہ وحشمت کی خاطر کتنے وحشی آدم خوروں کو شرمندہ کیا۔ کتنے معصوموں کو ذہنی کرب میں مبتلا کر کے اُنہیں بے موت مرنے کے لئے مجبور کیا———''

ڈوڈہ ہسپتال کے قریب ہوئے ایک بم دھماکے کا شکار ہو کر وہ ہم سے بچھڑ کر اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے اور ادبی دُنیا ایک اُبھرتے ہوئے شاعر، افسانہ نگار اور نیک اوصاف ادیب سے محروم ہو گئی۔

پروفیسر محمد اسد اللہ وانی نے بھی افسانہ نویسی کی شروعات ''ادھورا تاج محل''، ''انتظار کا قیدی''، ''انتظار''، ''تعاقب''، ''توی نے کہا'' وغیرہ سے کی تھی، جو کچھ رسائل اور جرائد میں شائع بھی ہوئے تھے۔ یہ افسانے بھی عصری دور کے سماجی مسائل

اور عشق و محبت کے روایتی اضطراب و تلاطم سے جڑے ہوئے ہیں۔ اِن میں قلمکار کے زورِ بیان اور تحریر پر اُن کی مضبوط گرفت کا بخوبی پتہ لگ جاتا ہے اور سماج کے تئیں اُن کے خلوص بھرے جذبات کا بھی۔ افسانے لکھنے میں اُن کی عدم دلچسپی نہ جانے کن عوامل کا نتیجہ ہے، حالانکہ اُن کا مقالہ ''جموں و کشمیر میں اُردو افسانہ نگاری'' اِس ضمن میں اُن کی دلچسپی اور لگن کا ایک زندہ ثبوت ہے اور اُن کے مذکورہ مختصر اُردو افسانے دادِ تحسین حاصل کر چکے ہیں۔

پروفیسر شاذ شرقی، جو ایک اچھے شاعر، معروف مصور اور مضمون نگار ہونے کے علاوہ ایک اُبھرتے ہوئے افسانہ نگار بھی ہیں۔ اِبتدائی طور پر اُنہوں نے ''غریب اور مکھیاں'' اور ''میری تنہائی'' جیسے افسانے قلمبند کیے۔ بعد ازاں ''کتے''، ''سنہری بال'' اور ''ہماری بیگم'' وغیرہ قلم پارے ہمارے سامنے لائے۔ اُنہوں نے بھی انسانی کرب اور ہمارے گردونواح میں ہونے والے نامتوقع واقعات کے اثرات کی پردہ کشائی کر کے ایک سماجی خدمت انجام دی ہے۔ شاذ کی زبان بڑی سادہ اور پُرکشش ہے۔ پروفیسر شاذ شرقی نے کچھ عرصہ پہلے بھی چند ایک افسانے لکھے جو زیورِ طباعت سے ابھی تک مزین نہیں ہوئے ہیں۔ توقع ہے کہ مستقبل قریب میں اُن کی تخلیقات ہمارے سامنے آ کر ادبی حلقوں سے پذیرائی حاصل کریں گی۔

پروفیسر عبدالرحیم مغل نے بھی چند ایک افسانے لکھنے کے بعد نہ جانے اِس ضمن میں طویل خاموشی کیوں اِختیار کی، حالانکہ اُن کا طرزِ فکر گو عشقیہ ہے مگر اندازِ بیان متاثر کن ہے۔ وہ اُردو شعر و ادب کے بھی پرستار رہے ہیں اور بڑے بڑے شعراء کا کلام اُن کے لبوں کی زینت بنا رہتا ہے۔ اُن کے چند ایک افسانے شائع بھی ہوئے ہیں جن پر طنز و ظرافت کی چاشنی چھائے ہوئی ہے۔

جسونت منہاس بھدرواہ کے ایک معزز اور محنت کش خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ اُن کا شمار اُردو کے اہم اور مستقل افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ اب تک اُن کے

تین افسانوی مجموعے ''توجہ''، ''مسکراتے ناسور'' اور ''یادیں'' شائع ہو چکے ہیں اور اُن کا چوتھا مجموعہ ترتیب وطباعت کے مراحل میں ہے۔ اُن کے افسانے اُن کے گرد و پیش کے ماحول سے جنم لیتے ہیں جہاں اُن کے کردار کرم یوگیوں کی طرح حالات وواقعات کی کرم بھومی پر کبھی ہنستے کھیلتے اور کبھی روتے پیٹتے نظر آتے ہیں۔ جسونت منہاس کا انداز ناصحانہ ہے اور وہ اپنی کہانیوں سے اِس بیمار معاشرے کے دائمی علاج کے متمنی نظر آتے ہیں۔

افسانہ نگاری کچھ اور قلمکاروں کا ضرور مشغلہ رہا ہوگا لیکن اُن کے مطبوعہ یا غیر مطبوعہ متن کی عدم دستیابی کی وجہ سے ہمیں مذکورہ بالا قلمکاروں کی خدمات تک ہی اِس معاملے کو محدود کرنا پڑے گا۔

کشمیری زبان وادب۔ایک غلط فہمی کا ازالہ:

وادیٔ کشمیر کے کچھ قلمکاروں کہ یہ غلط فہمی' کہ کشمیری زبان اور اِس زبان کی تخلیقی سرگرمیاں ویری ناگ سے بارہمولہ کے ہی اُفقی حصار میں محدود ہیں' اب مرغوب بانہالی کی ''کشیر بالہ اپار'' اسیر کشتواڑی کی ''تصویر ضلع ڈوڈہ'' اور ''فوکس آن جموں اینڈ کشمیر''، منشور بانہالی کی ''جوہس منز کأشر زبان وادبک تواریخ'' کے علاوہ متعدد قلمکاروں کی ثقافتی ب اوران کے لکھے ہوئے'صوبہ جموں کے کشمیری شعراء' کی تخلیقات پر سیر حاصل جائزوں کی اشاعت کے بعد دُور ہو جانی چاہئے' جن سے یہاں کے قلمکاروں کی کشمیری زبان اورادب کے تئیں خدمات پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ کشمیری زبان وادیٔ چناب کے علاوہ صوبہ جموں کے مختلف اضلاع اور ریاست سے باہر ہماچل پردیش کے کئی دیہات میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ خطۂ ڈوڈہ کے کچھ علاقوں کو خالص کشمیری علاقے کہا جاسکتا ہے' جہاں لوگوں کا اوڑھنا بچھونا کشمیری زبان ہی ہے۔ صوبہ جموں کے دیگر علاقوں میں ضلع راجوری' ضلع پونچھ اور ضلع اُودھم پور کے

بہت سے علاقوں کے علاوہ ضلع کٹھوعہ، ضلع جموں میں بھی بہت سے کشمیری مسلمان اور اور پنڈت آباد ہیں۔[1]

کشمیری غیر منقسم ضلع ڈوڈہ کے تقریباً ساٹھ فی صدی لوگوں کی مادری زبان ہے، جسے یہاں کے نوے فی صدی لوگ سمجھ سکتے ہیں۔ صوبہ جموں کے باقی اضلاع کے مقابلہ میں ضلع ڈوڈہ یا وادیٔ چناب کے اصحاب قلم کی کشمیری زبان وادب کے فروغ اور ترویج کے حوالے سے تاریخی خدمات کی برتری فی زمانہ ریاست کے مختلف ادبی حلقوں میں محسوس کی جانے لگی ہے۔ ''کشتواڑی زبان'' کشمیری زبان کے اصل رُوپ میں علاقہ کشتواڑ کے ہندو گھرانوں میں اب بھی مروّج ہے، جسے وہاں کی ساری آبادی بول اور سمجھ سکتی ہے۔ کشتواڑ کے باشندے مروّجہ مفرس کشمیری زبان کو بھی اچھی طرح بول سکتے ہیں۔

خطۂ ڈوڈہ میں سراجی، پاڈری، بھلیسی (پہاڑی)، بھدرواہی، پوگلی، کھسالی وغیرہ بولیاں بولی جاتی ہیں لیکن یہاں کی کشمیری زبان کشمیر کے اننت ناگ علاقے کی زبان سے ملتی جلتی ہے، گوکہ اس پر کہیں کہیں ڈوگری اور پہاڑی لب ولہجے کا اثر نمایاں ہے۔ وادی سے کوئی بھی نو وارد شخص اِس فرق کو بخوبی اور فوراً تاڑ سکتا ہے۔ کشمیری زبان میں بھدرواہی اور بھلیسی زبان کے متعدد الفاظ شامل ہو کر اِس کے ذخیرۂ الفاظ میں اہم اضافے کا باعث بنے ہوئے ہیں۔

***

---

[1] تفصیل کے لئے مذکورہ کتب کا ملاحظہ کیا جائے اور ''شیرازہ'' کشمیری کے گولڈن جبلی نمبر میں چھپے راقم کے مضمون 'صوبہ جوّس منز کأشر زبان تہ ادب' کا مطالعہ کیا جائے۔

کشمیری زبان میں شعری، نثری اور تحقیقی ادب:

وادیٔ کشمیر سے لوگوں کی نقلِ وطنی اور صدیوں کے باہمی روابط کی وجہ سے خِطّۂ ڈوڈہ کے مختلف علاقوں میں بھی کشمیری زبان کے شعری ادب کی تحقیق ایک ناگزیر سی بات تھی۔ کشتواڑ، ڈوڈہ، بانہال تو کشمیری عِلم وادب کے گہوارے بن گئے تھے لیکن بھدرواہ کا علاقہ بھی اِس ضمن میں کسی طرح سے پیچھے نہ رہا۔ یہاں پر بھی مرحلہ وار نقل مکانی کے زمانے سے ہی کشمیری تہذیب وتمدن، علم وادب اور سیاست، زندگی کے ہر شعبے پر اثر انداز ہوتی رہی، حالانکہ یہاں کی کشمیری زبان پر مقامی زبان بھدرواہی، جموں کی ڈوگری اور پنجاب کی پنجابی زبانوں کا اثر پڑتا رہا، تاہم اِس کی لسانی ساخت پر زیادہ اثر نہ پڑا اور نہ ہی اِس نے اپنے گنجینۂ الفاظ میں سے ایسے الفاظ یا اِصطلاحات ترک کیے جن کو وادی کے کچھ حصّوں میں متروک قرار دیا گیا ہے۔

کشمیری زبان کا چلن اِس قدیم مملکت کے علاقہ بھلیس میں کاہل جگا سر کی بلندیوں سے لے کر مرمت گلیاں کی دہرہ ٹاپ نامی سرحدی چوٹی کے درمیان پھیلے ہوئے حسین وجمیل پہاڑوں، وادیوں اور سبزہ زاروں میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اِس زبان کی زِندگی دراصل حُسنِ فطرت کے اِن ہی شاداب مرغزاروں کے دم سے ہے۔

یہاں کے کشمیری زبان وادب میں شعری شعور کی کونپلیں تو ہجرت کے زمانے سے ہی پھوٹنا شروع ہوئی تھیں جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑی ہو کر بارآور ہوتی گئیں اور آج ہم فخر کے ساتھ ایسے متعدد شعرا، ادبا اور عالم وفاضل اصحاب قلم کا نام لینے میں کامیاب ہوئے ہیں، جنھوں نے اِس زبان کے شعری اور نثری ادب میں اپنی نادر تخلیقی کاوشوں کی بدولت اندرون اور بیرون ریاست میں شہرت حاصل کی۔ کچھ شعرا اور قلمکاروں نے اپنی فکر اور فن کے بل بوتے پر برصغیر ہندو پاک کے ادبی حلقوں سے بھی پذیرائی حاصل کی۔

وادیٔ چناب کے قلمکاروں اور فنکاروں میں جن شخصیات نے اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر ہمارے کشمیری ادب کے سرمایہ کو مالا مال کر کے اساسی نوعیت کی خدمات انجام دیں اور اِس علاقہ کو ادبی اور ثقافتی نقشہ پر لا کھڑا کیا' اُن میں کشتواڑ کے محی الدین محی' بہاؤالدین بہائی' کامگار کشتواڑی' نشاط کشتواڑی' اُلفت کشتواڑی' جانباز کشتواڑی' بدری ناتھ پلماڑی' قادر بیرواڑی' منموہن کیسر' فدا اور اسیر کشتواڑی وغیرہ کا نام سرفہرست ہے۔ ڈوڈہ کے معروف قلمکاروں میں شاد فریدی' مشتاق فریدی' رحیم گراٹال' ضمیر فریدی' غلام احمد اندرابی' غلام رسول کھوڑہ (لڑی شاہ)' عاصم فریدی' فرید احمد فرید' رفیق اندرابی' عبدالحفیظ' ٹھاکر چڑھت سنگھ وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ بانہال کے نمایاں قلم کاروں میں غلام احمد بانہالی' عبدالرحیم اعما بانہالی' مرغوب بانہالی' منشور بانہالی' ظاہر بانہالی' شمس الدین شمس' دِلفگار' مسرور' غلام حسن حسن' مضروب بانہالی' شوکت شیدا' رحمت بانہالی' امین بانہالی' جواد' جانہ بیگم مرجان' سراج وغیرہ شامل ہیں۔

بھدرواہ کی ڈیڑھ سو سالہ کشمیری ادب کی تاریخ کے گُلوں میں جن شخصیات نے رنگ بھرے اُن میں خواجہ غلام احمد ڈینجو' خواجہ عبدالغفار احقر بھدرواہی' عبدالقدوس رسا جادوانی سرفہرست ہیں۔ اُن کے علاوہ بھی بیسوؤں نام ایسے ہیں جن کی خدمات قابلِ ستائش ہیں۔

***

خواجہ غلام احمد ڈینجو:

خواجہ غلام احمد ڈینجو (مرحوم) عربی اور فارسی دان، معروف عالمِ دین، بہترین خطاط ہونے کے علاوہ کشمیری زبان وادب کے جوہر شناس قلمکار اور شاعر تھے، جنہوں نے بھدرواہ کی پہلی اور قدیم درسگاہ میں کئی طلباء اور طالبات کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کیا۔ وہ ایسے طریقۂ تدریس کے شعری پیرایئوں میں ڈھلے ہوئے صوم وصلوٰۃ کے رموز سے بچوں کو آشنا کرتے رہے جس کی اِبتداء کشمیر میں حضرت نورالدین ولیؒ نے فرمائی تھی۔[1]

اُنہوں نے کشمیری نعت کو بھی یہاں متعارف کرایا۔ وہ خود بڑے پارسا، پابندِ صوم وصلوٰۃ اور ایک معروف دیندار بزرگ تھے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ سری نگر کے حبہ کدل محلّہ سے بھدرواہ منتقل ہوئے تھے اور یہاں آکر پڈر خاندان سے تعلق رکھنے والی ایک نیک سیرت خاتون سے نکاح کرلیا تھا۔ بھدرواہ کا فانی خاندان اُن ہی کی نسل سے منسلک ہے۔ وہ کافی عمر پاکر اِس دارِفانی سے رُخصت ہوئے۔

رسؔا جاودانی:

رسؔا جاودانی صاحب (مرحوم) کی شعری خدمات پر ریاست کے متعدد مفکرین، محققین اور ادباء نے اپنے مضامین، مقالوں اور تبصروں میں روشنی ڈالی ہے۔ وہ نہ صرف ضلع ڈوڈہ یا ریاست جموں وکشمیر بلکہ برصغیر ہند و پاک کے جانے پہچانے اور معروف شعراء میں شمار ہوتے ہیں۔ اُنہوں نے بھدرواہ جیسے پسماندہ علاقہ میں رہ کر بھی کشمیری غزل کو نئی طرح بخشی، اس کو فنی نزاکتوں سے آشنا کیا اور مختلف اصناف

---

[1] راقم الحروف نے کئی سال پہلے اُن کی ایک شاگرد خاتون سے اُن کے بارے میں اِنٹرویو قلم بند کیا تھا۔ راقم کے پاس اُن کے ہاتھ کے لکھے ہوئے کچھ مسودات بھی موجود ہیں۔

میں طبع آزمائی کر کے اِس کے دامن کو وسیع کیا۔ اُن کا پہلا کشمیری کلام کا مجموعہ، جو چند صفحات پر مشتمل تھا ''تحفۂ کشمیر'' کے نام سے ۱۹۵۴ء میں شائع ہوا۔ اِس کے بعد کچھ ترامیم اور اضافوں کے ساتھ اُن کا کلام شائع ہوتا رہا جسکی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

احقر بھدرواہی:

عبدالغفار خطیب احقر بھدرواہی، بھدرواہ کے کشمیری کاروانِ ادب کے پہلے سپہ سالاروں میں شمار کئے جاتے ہیں، جن کا کشمیری کلام ایک کتابچے کی صورت میں ۱۹۴۷ء سے پہلے ہی منظرِ عام پر آچکا تھا۔ وہ گوجری، اُردو اور پنجابی زبانوں میں بھی شعر کہتے تھے۔ احقر (مرحوم) بڑے پارسا، پابندِ صوم وصلوٰۃ اور خداترس بزرگ تھے۔ اُن کی شاعری پر تصوف کا رنگ نمایاں ہے۔ پیشے کے لحاظ سے دَرزی تھے لیکن کتب فروشی کو بھی اپنی گزر بسر کا ذریعہ بنالیا تھا۔ اُن کی کشمیری نعوت امتدادِ زمانہ کی نذر ہوگئی ہیں، جنہیں اُنہوں نے خواجہ غلام احمد خطیب (مرحوم) کے ہاتھوں خوشخط انداز میں تحریر کروایا تھا۔ اُن نعتوں کو وہ عید میلادالنبیؐ کے پہلے دس روز کے دوران بچوں کا ایک جلوس ساتھ لے کر گلی گلی، بازار بازار میں اجتماعی طور پر پیش کرتے تھے۔ اُن کی نعت عشق نبیؐ کے جذبات سے لبریز ہوا کرتی تھی۔ کشمیری کلام سادگی، سلاست سے آراستہ اور فنی لحاظ سے بھی قابل قدر ہے جس میں نعت، منقبت اور غزلیں شامل ہیں۔ وہ گوجر قبیلے کے ملبوسات تیار کرنے میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ ۱۹۵۲ء میں وہ اِس دارِ فانی سے تقریباً ۵۷ سال کی عمر پاکر کوچ کر گئے۔

سبحان جُو کیلو:

سبحان جو کیلو بھدرواہ کے تھنالہ جیسے پسماندہ ترین گاؤں میں ۱۹۰۲ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۸۱ء میں وفات پائی۔ وہ کشمیری زبان میں شعر لکھتے تھے اور خود ہی گایا بھی

کرتے تھے۔ اُن کا کلام کسی کتابی صورت یا تحریری صورت میں موجود نہیں، تاہم اُس گاؤں کے لوگوں کے دِلوں میں ابھی تک محفوظ ہے۔ وہ ایک ناخواندہ شخص تھے لیکن کشمیری زبان اور شاعری سے اُنہیں کافی لگاؤ تھا۔

سلطان جُو بانڈے:

سلطان جو بانڈے بھدرواہ میں ۱۹۱۵ء کو پیدا ہوئے تھے۔ وہ بالکل ناخواندہ تھے لیکن شعر گوئی اُن کی فطرت میں سمائی تھی۔ اُن کا ایک کشمیری گیت راقم نے ''ضلع ڈوڈہ کے لوک گیتوں'' میں شامل کر کے محفوظ کیا تھا۔ اُن کے وارثین کا فرض ہے کہ وہ اُن کے کلام کو کتابی صورت دیکر منظر عام پر لائیں۔ اُن کی وفات ۱۹۷۹ء میں ہوئی۔

وفاؔ بھدرواہی:

خواجہ غلام محی الدین خطیب، وفاؔ بھدرواہی ۱۹۲۵ء کو بھدرواہ میں پیدا ہوئے۔ اِبتدائی تعلیم کی تکمیل کے بعد وہ بحیثیت فارسٹ گارڈ محکمہ جنگلات میں بھرتی ہوئے اور اِسی محکمہ سے بطور فارسٹر کام کرتے ہوئے ۱۹۸۵ء میں سبکدوش ہوئے۔ اُنہیں بچپن سے ہی علم و ادب، موسیقی اور اداکاری کا شوق تھا۔ اِبتدا میں وہ رسا (مرحوم) کی محافلِ موسیقی میں شرکت کرتے رہے اور فنِ موسیقی کی رموز سے آشنائی حاصل کرتے رہے۔ اُن محافل میں وہ اپنی سوز بھری آواز سے سامعین کو محظوظ کرتے رہے۔ بعد میں اُن کی طبیعت شاعری کی طرف مائل ہوگئی اور اُردو اور کشمیری زبانوں میں مشقِ سخن کرتے رہے۔ کشمیری زبان میں ''ناد'' کے نام سے اُن کا پہلا مجموعۂ کلام ۱۹۷۷ء میں شائع ہوا۔ دُوسرا مجموعہ ''عشقہٕ ژونگ'' ۱۹۸۵ء میں منظر عام پر آیا۔ اِس کے بعد اُن کا نعتیہ کلام ''عشقِ رسولؐ'' کے نام سے شائع ہوا۔ اِس سے پہلے اُن کا اُردو کلام ''بوئے وفا'' کے نام سے شائع ہو چکا تھا۔

اُن کی کشمیری شاعری میں روایتی آہنگ ہے جو عشق و محبت، انسانی ہمدردی کے جذبات اور مناظر قدرت کے اظہاری رنگ سے مزین ہے۔ اُنہوں نے کہیں کہیں صوفیانہ انداز بھی اپنانے کی کوشش کی ہے۔ اُن کی اقبال بزم ادب بھدرواہ کے تیئں خدمات کو کبھی بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ وفاؔ بھدرواہی مقامی، ضلع اور ریاستی سطح کے مشاعروں میں حصہ لیتے رہے۔ بالآخر وہ ۷ر نومبر ۱۹۸۸ء کو کچھ عرصہ علیل رہنے کے بعد اِس دارِ فنا سے کوچ کر گئے۔

کنول نین نگہتؔ بھدرواہی:

کنول نین نگہتؔ بھدرواہی ۱۹۱۸ء میں تولّد ہوئے اور ۱۹۹۲ء میں اِس جہانِ آب و گِل کو الوداع کہا۔ نگہتؔ بھدرواہ کے ممتاز شعراءُ، موسیقاروں اور گلوکاروں میں ایک اہم مقام رکھتے تھے۔ وہ اُردو، کشمیری کے علاوہ بھدرواہی زبان میں بھی شعر لکھتے تھے اور گاتے بھی تھے۔ موسیقی پر اُنہیں خاص دسترس حاصل تھی۔ اُن کا کشمیری کلام بھی بھائی چارے، اِنسان دوستی اور حُب الوطنی کی عکاسی کرتا ہے۔ اقبال بزم ادب بھدرواہ کے وہ اِبتداء سے ہی ایک سرگرم اور سرکردہ کارکُن تھے۔

رِندؔ بھدرواہی:

طالب حسین شیخ رندؔ بھدرواہی ضلع ڈوڈہ کے کشمیری شعراء میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ وہ بہ یک وقت ایک شاعر، ایک تنقید نگار، ایک محقق، ایک موسیقار اور ایک گلوکار کے طور پر وادئ بھدرواہ میں اُبھر کر سامنے آئے۔ اپنے ذوقِ مطالعہ کی بدولت اُنہوں نے نہ صرف اپنی تعلیمی محرومیوں کا مداوا نجی طور پر اِمتحانات پاس کر کے کیا بلکہ اُس دور کے گہرے مطالعہ کے اثرات اُن کی آئندہ ادبی زندگی پر بھی نمایاں طور پر ظاہر ہوتے رہے، جن کا اُردو خدمات کے حوالے سے پہلے ہی ذکر کیا جاچکا

ہے۔ جہاں تک کشمیری زبان میں اُن کے ادبی کارناموں کا تعلق ہے، اُن میں اُن کا مجموعہ کلام ''داغ داغ دل'' قابلِ ذکر ہے جس میں اُن کی ایسی منظومات شامل ہیں جو تنہائی کے کرب، اِنسانی اقدار کی پامالی اور عصری حالات کی دلخراش تصویر پیش کرتی ہیں۔ اُن کی غزلیات میں ایک تنوع اور نیا پن بھی ہے اور یاس وقنوطیت کی پرچھائیاں بھی۔ وہ نعت بھی لکھتے ہیں جن میں وہ اِس فن کی معتبر روایات کی پاسداری کرتے ہوئے آنحضورؐ کے تئیں اپنی بے پناہ عقیدت اور محبت کا اِظہار بھی کرتے ہیں۔ اُن کے کلام میں پائی جانے والی شستگی کے علاوہ نغمگی، مٹھاس اور سادگی جیسی خوبیاں اسے دلآویز بنادیتی ہیں۔ طالب حسین شیخ فسادات کے زمانہ میں ۱۶/اپریل ۱۹۴۷ء کو موضع درنگہ بھدرواہ میں پیدا ہوئے۔ میٹرک تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد بہت ہی کم عمر میں محکمہ تعلیم میں ایک کلرک کی حیثیت سے ملازمت شروع کی اور مختلف عہدوں پر ترقی کرتے ہوئے سیکشن آفیسر کے عہدے سے کچھ عرصہ پہلے سبکدوش ہوئے۔ اُنہوں نے دورانِ سروس اپنے فرائض منصبی بڑی دیانتداری، فرض شناسی اور لگن سے سرانجام دئے۔ اقبال بزم ادب بھدرواہ کے ساتھ اُن کی وابستگی اور اس کی ترقی اور بقاء کے لئے اُن کی بے لوث خدمات بھدرواہ کی ادبی تاریخ کا ایک سنہرا اور قابل قدر باب مرتّب کرتی ہیں۔

پروفیسر محمد اسد اللہ وانی:

اُردو ادب میں وانی صاحب کی خدمات پر پہلے ہی تبصرہ کیا جاچکا ہے، تاہم کشمیری زبان اور ادب کے تئیں اُن کی خدمات کا اندازہ اُن کے متعدد تخلیقی مضامین وغیرہ سے کیا جاسکتا ہے، جو اُنہوں نے کلچرل اکیڈمی میں بطور اسسٹنٹ ایڈیٹر ''شیرازہ'' لکھے یا دُوسرے قلمکاروں سے تحریر کروا کر اُس رسالے میں چھپوائے۔ اُن کی تحریروں میں بڑی دلآویزی، نیاپن اور شگفتگی پائی جاتی ہے۔ مواد کے لحاظ سے بھی اُن کی موزونیت

کی داد دیئے بغیر کوئی قاری رہ نہیں سکتا۔ اُن کے اظہاری روّیے پر معنی اور اِختصار کے حامل ہیں۔ وہ اپنی مادری زبان میں بھی بہت اچھے شعر کہتے ہیں جن کے محاسن اُن کے کشمیری کلام کے منظر عام پر آنے کے بعد ہی گنائے جاسکیں گے۔ موصوف حال ہی میں جموں یونیورسٹی کے شعبۂ اُردو میں پروفیسر مقرر ہوئے ہیں۔

ناشاؔد بھدرواہی:

سرزمین بھدرواہ میں غلام حسین المعروف ناشاؔد بھدرواہی اپنے بچپن میں ہی ایک شاعر کے طور پر اُبھر آئے۔ وہ نامساعد حالاتِ خانگی کی وجہ سے میٹرک سے زیادہ تعلیم حاصل نہیں کر سکے، تاہم اپنے ذوقِ مطالعہ اور شوقِ جنوں کی بدولت اُنہوں نے قدیم اور جدید شعراء کا کلام بغور پڑھا اور شاعری کے کچھ رموز و نکات میں اچھی خاصی دسترس حاصل کر لی۔ ناشاؔد بھدرواہی عموماً چھوٹی بحروں میں شعر لکھتے ہیں، جن پر مقامی لہجے کا رنگ نمایاں ہے۔ اُن کے تخلیقی عمل میں نئے تجربوں کی آنچ بھی ہے اور عصری مسائل کی جھلکیں بھی۔ اُردو میں بھی اچھے شعر کہے ہیں اور نثر کی طرف بھی متوجہ رہتے ہیں۔

ساغر صحرائی:

عبدالقیوم گنائی ساغر صحرائی اُردو، کشمیری، گوجری، ڈوگری اور بھدرواہی زبانوں کے شعروادب کی ترویج کے لئے ہر وقت کوشاں رہتے ہیں۔ وہ ہر زبان کے پرستار اور خیر خواہ ہیں۔ ایک اچھے شاعر ہونے کے علاوہ وہ ایک اچھے گلوکار اور موسیقار بھی ہیں۔ اُن کا میلانِ طبع اگرچہ زیادہ تر اُردو زبان وادب کے ساتھ ہے تاہم کشمیری زبان میں اُن کا تخلیق کردہ کلام بڑا پُر اثر اور معیاری ہے۔ غزل میں روایت کا پاسدار ہونے کے ساتھ ساتھ نئے عصری تقاضوں کے بھی علم بردار ہیں۔ اُن کے کلام میں مفلس اور

غریب لوگوں کا غم، لوگوں کی بے وفائی اور اِس سے پیدا ہونے والا کرب اور موجودہ دور میں ہونے والی بے انصافیوں کا گہرا احساس موجود ہے۔ وہ بڑے جذباتی قسم کے آدمی ہیں جو کبھی کبھی جذبات کی رو میں بہہ کر اپنوں کو بھی بیگانہ بنا دیتے ہیں، حالانکہ وہ کسی سے بیر یا دُشمنی نہیں رکھتے اور ایک ہمدردی بھرے اِنسانی دِل کے مالک ہیں۔ کشمیری ادب کے علاوہ مقامی ساز سنگیت کے ساتھ اُن کی بے پناہ وابستگی کی کوئی جتنی داد دے کم ہے۔ اقبال بزم ادب بھدرواہ کے پیش کاروں میں اُن کا نام بھی ہمیشہ لیا جاتا رہے گا۔ اِس بزم کی سرگرمیوں کو آگے لے جانے اور بزم کی بقاء کے لئے اُن کا کلیدی رول رہا ہے۔ بحیثیت زونل تعلیمی آفیسر کچھ عرصہ پہلے ہی ریٹائر ہو کر ادبی سرگرمیوں میں مصروف ہیں۔

تسکینؔ بڈانوی:

جلال الدین تسکینؔ بڈانوی نہایت ہی شریف النفس، خدا دوست اور با اخلاق اِنسان ہونے کے علاوہ اُردو اور کشمیری زبانوں کے مانے ہوئے شاعر ہیں۔ اُن کی موجودہ شناخت قائم کرنے میں اُن کے کشمیری کلام کا زیادہ عمل دخل رہا ہے۔ اُن کا کلام زمانے کے اُتار چڑھاؤ، زِندگی کے نشیب و فراز، حسنِ فطرت اور رُومانیت کے دِلگداز اظہاری رویوں پر مرتکز نظر آتا ہے۔ اُن کے کشمیری شاعری کے کچھ مجموعے شائع ہو چکے ہیں جن میں پہلا مجموعہ ''میٹھی آلو'' ہے۔ اُردو کلام کے مجموعہ ''قصر محبت'' میں دُوسرے حصّے کے طور پر کشمیری کلام ''لولہ آلو'' کے نام سے شائع ہوا ہے جس میں غزلیات، نعت، منقبت وغیرہ شامل کئے گئے ہیں۔ تسکینؔ ۱۹۴۷ء میں موضع بڈانوں تحصیل ٹھاٹھری میں پیدا ہوئے اور بطور مدرّس کچھ عرصہ پہلے ہی سرکاری ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔

بے بسؔ بھدرواہی:

عبدالغنی بے بسؔ بھدرواہی، بھدرواہ کے موضع چکّہ میں پیدا ہوئے۔ وہ محکمہ پشو پالن میں کافی عرصہ ملازمت کرنے کے بعد ۱۹۹۲ء میں ریٹائر ہوئے۔ نہایت ہی شریف، کم گو، انسان شناس اور ہمدرد انسان ہیں۔ اُردو اور کشمیری دونوں زبانوں میں اچھے شعر کہتے ہیں۔ روایتی انداز میں اُن کی لکھی ہوئی غزلیات، اُن کے جذبۂ عشق، اِنسان دوستی اور بھائی چارے کی پوری عکاسی کرتی ہیں۔ کلام میں مقامی شاعری کا اثر نمایاں ہے۔ اقبال بزم ادب بھدرواہ کے اوّلین سپہ سالاروں میں اُن کا نام بھی بڑے احترام سے لیا جاتا ہے۔

طالبؔ بھلیسوی:

عبداللہ خان طالبؔ بھلیسوی، علاقہ بھلیس کے صفِ اوّل کے کشمیری شعراء میں شمار ہوتے ہیں۔ وہ موضع کلہوتران میں ۴ ساون ۱۹۷۴ بکرمی کو پیدا ہوئے۔ بچپن سے ہی شعروشاعری سے وابستگی رہی اور شعر لکھ کر اپنی مادری زبان کی بھی خدمت کرتے رہے۔ طنزوظرافت سے معمور اُن کا کشمیری کلام نہ صرف علاقہ بھلیس کے ہر مردوزن کے دِلوں میں اُتر گیا ہے بلکہ ضلع ڈوڈہ کے اطراف و جوانب میں بھی شرفِ قبولیت حاصل کر چکا ہے۔ اُن کی بے باکانہ ہجوگوئی کی ضرب کاری نے بھلیس میں کام کرنے والے اِستحصال پسند اور رشوت خور ملازمین کی نیندیں حرام کر ڈالی تھیں۔ اُن کے شعری نشتروں کی چبھن سے ہر بھٹکا ہوا شخص خائف رہتا تھا۔

طالبؔ بھلیسوی کے 'مرثیے' کی تاثیر سے سنگدل سے سنگدل اِنسان تک پگھل جاتا ہے۔ اُن کے کلام میں کچھ ناہمواریوں کی بھی بات چلتی رہتی ہے تاہم اِس کی سماجی افادیت اور اہمیت سے کبھی صرفِ نظر نہیں کیا جا سکتا۔ وہ نہ صرف عام قسم کے شاعر تھے

بلکہ ایک نیک سیرت اور خداترس اِنسان' ایک سماج سدھارک شاعراور نبض شناس قلمکار تھے۔ زِندگی کے آخری دِن کے چندلمحات راقم کے ساتھ ڈوڈہ کے میرے سرکاری کوارٹر میں گزارنے کے بعدوہ اسیؔر صاحب کے ہاں رات بسر کرنے کے لئے مُصِر ہو گئے' جہاں رات کے دوران ہی ۶ رفروری ۱۹۹۰ء کوحرکت قلب بند ہوجانے کی وجہ سے وہ اِس دارِفانی سے رُخصت ہوئے۔ دُوسری صبح زبردست بارش کے باوجود اُن کا جسدِ خاکی اُن کے آبائی وطن کی طرف لے جاکر سپردِ خاک کیا گیا۔ راقم الحروف کواُن کا ظریفانہ اندازِ گفتگواور''چپراسیوں کی تعیناتی'' پر لکھی ہوئی ہجو کے اشعار ہمیشہ یاد رہیں گے!

زائرؔ بھدرواہی:

مسٹرعبدالجبارزائرؔ بھدرواہی پہلے''آثمؔ'' تخلص کرتے تھے بعد میں اُنہوں نے شاید اپنے''ناکردہ گناہ'' سے توبہ کرکے''زائرؔ'' کے نام سے اپنی قادرالکلامی کا سکہ اپنے قرب وجوار میں منوایا۔ بی۔اے کی ڈگری حاصل کرنے کے بعدفارسی میں ایم.اے کیااور ترقی پاکریعنی ہائرسکینڈری (۱۰+۲) سکول میں فارسی کے لیکچررتعینات ہوئے۔ بہت سے سکولوں اور کچھ عرصہ ڈِگری کالج بھدرواہ میں درس وتدریس کا کام بطریق احسن انجام دے کرچندسال پہلے نوکری سے فراغت پائی اور''دیسی طریقۂ علاج'' جیسی سماجی خدمت میں مصروف ہوگئے۔ وہ ضلع ڈوڈہ کے اُردوشعراء کی صفِ اوّل میں شمار کیے جاتے ہیں۔ بڑی سنگلاخ زمینوں میں فارسی آمیز اُردوشاعری اُن کی فکررسااورزبان دانی کی عکاس ہے۔ صَرف ونحو پر بھی کماحقہٗ دسترس ہے۔ کچھ عرصہ سے اپنی مادری زبان میں شعرگوئی کی سوغات لے کرکشمیری شعراء کی بزم میں بڑے جوش وجذبے سے شامل ہوگئے ہیں۔ اللہ کرے زورِقلم اورزیادہ! اِقبالؔ بزمِ ادب بھدرواہ کے تئیں اُن کی بے لوث خدمات کوفراموش نہیں کیا جاسکتا۔

منظور بھدرواہی:

منظور حسین خطیب المتخلص منظورؔ بھدرواہی کافی عرصہ سے اُردو اور کشمیری زبانوں میں شعر کہتے آئے ہیں، جو زیادہ تر غزلیات، نعت و مناقب پر مشتمل ہیں۔ رواں انداز اور بڑی سادہ زبان میں شعر گوئی کرتے ہیں۔ کبھی کبھی شاہانِ بغدادؒ کے آستانوں پر کشتواڑ جا کر حاضری کے بعد نعت اور منقبت بڑی سریلی آواز اور ترنم سے پیش کرتے ہیں اور اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہیں۔ نعت میں اُن کا انداز دُعائیہ ہے اور غزل رُومانیت سے لبریز۔ کشمیری غزلیں اور نعت بھی ابھی زیور طباعت سے آراستہ ہونے کی منتظر ہیں۔ موصوف راقم الحروف کے برادر اصغر ہیں اور کچھ سال پہلے محکمہ جنگلات سے بحیثیت ڈی. ایف. او. سبکدوش ہوئے ہیں۔

عبدالطیف ملکؔ:

عبدالطیف ملکؔ صاحب کافی عرصہ پہلے نقل مکانی کر کے جموں میں رہائش پذیر ہو گئے ہیں۔ وہ موضع اُدرانہ بھدرواہ کے باشندے ہیں۔ قریباً سولہ سال پہلے محکمہ پولیس سے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کے عہدے سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ اُن کا شعر گوئی کا ذوق کچھ سال پہلے سامنے آیا جبکہ وہ جموں کی ایک ادبی انجمن میں اپنی پہلی غزل سامعین کے گوش گزار کر رہے تھے۔ پولیس میں بھرتی کے وقت وہ صرف میٹرک تک تعلیم حاصل کر چکے تھے۔ بعد میں اُنہوں نے نجی طور پر ادیب کامل پاس کر کے ایل. ایل. بی کی ڈِگری بھی حاصل کی۔ اُنہوں نے اِبتداء میں اُردو زبان میں شعر کہے اور اب کچھ عرصہ سے کشمیری زبان کی طرف بھی مائل ہو گئے ہیں۔ مختلف مشاعروں میں اُن کے کلام کو بہت سراہا جاتا ہے۔ سوز و گداز اور درد و غم کے لطیف سے جھونکے اُن کے کلام میں اچھا تاثر پیدا کرتے ہیں۔

تنویرؔ بھدرواہی:

محمد الیاس تنویرؔ اُردو زبان کے ایک کہنہ مشق شاعر، ادیب اور قلمکار ہونے کے علاوہ کشمیری زبان وادب کے بھی بڑے دِلدادہ رہے ہیں۔ پنجابی اُن کی مادری زبان ہے تاہم اُردو، فارسی، بھدرواہی اور کشمیری زبانوں پر بھی اُنہیں ملکہ حاصل ہے۔ کچھ سال پہلے اُن کی ایک کشمیری غزل نظروں سے گزری تھی جو دُنیا کی بے ثباتی اور اِنسانی دُکھوں اور رنج والم کی عکاس تھی۔ تنویرؔ بھدرواہی اگر چاہیں تو کشمیری میں بھی اُردو ہی کی طرح میدان مار سکتے ہیں۔

شمسؔ بھلیسوی:

شمس الدین شمسؔ بھلیسوی کا زمانۂ طالب علمی سے ہی شعروادب کی طرف رُجحان تھا۔ محکمہ جنگلات میں دورانِ ملازمت اُن کا رُجحان کشمیری زبان کی طرف بھی ہو گیا اور وہ اچھے شعر تخلیق کرنے لگے۔ روایتی انداز میں کہے گئے اُن کے اشعار تمنائے دیدِ یار کے حوالے سے سوز وگداز سے پُر دِکھائی دیتے ہیں۔ رُومان بھری غزلوں کے علاوہ آنحضورؐ کی عقیدت اور توصیف میں کچھ نعتیں بھی کشمیری زبان میں لکھی ہیں۔

محمد شفیع دِلکشؔ:

محمد شفیع دِلکشؔ بھدرواہ کے ممتاز اُردو شعرا میں شمار کئے جاتے ہیں۔ وہ ابتداء سے ہی اِقبال بزم ادب بھدرواہ کے سرگرم رکن رہے ہیں، جس کی بقاء اور ترقی کے لئے باقی ممبران اور ہمدردان کے ساتھ شانہ بشانہ کوشاں رہے۔ وہ بڑے سنجیدہ، صاف گو اور مخلص قسم کے آدمی ہیں۔ ادبی سرگرمیوں کے علاوہ وہ دینی اور سماجی معاملات میں بھی بڑھ چڑھ کر حصّہ لیتے ہیں۔ اُن کا اُردو کلام شُستہ، پُر اثر اور اِنسانی ہمدردی

اور ہندو مسلم بھائی چارے کے جذبات کا مظہر ہے۔ وہ کشمیری زبان میں بھی شعر کہتے ہیں لیکن اُن کا زیادہ سرمایہ اُردو شاعری پر مشتمل ہے۔ وہ قصبہ بھدرواہ میں ۱۹۳۵ء میں پیدا ہوئے اور ریاستی اسمبلی میں بطریق احسن سروس کرنے کے بعد ۱۹۹۳ء میں سبکدوش ہوئے۔ اب عرائض نویسی کا شغل ہاتھ میں لیا ہے۔

غافلؔ بھلیسوی:

غافلؔ بھلیسوی (مرحوم) کا پورا نام غلام قاری راتھر تھا، جنھوں نے زِندگی کی کُل پینتالیس ہی بہاریں دیکھیں۔ کشمیری شاعری سے اُن کو بچپن سے ہی وابستگی تھی۔ مقامی رنگ میں ڈوبے ہوئے اُن کے کچھ کشمیری اشعار بھلیس کے لوگوں کی یاداشت کے پلوں میں ابھی بھی گھومتے ہیں۔ اُن کے کلام کو یکجا کرنے اور کتابی صورت میں محفوظ کرنے کی ضرورت ہے۔

رازؔ بھدرواہی:

رازؔ بھدرواہی کی اُردو شاعری اور افسانہ نویسی کے بارے میں پہلے ہی ذِکر کیا جاچکا ہے، تاہم اُن کی کشمیری زبان میں لکھی ہوئی غزلیات اور دیگر منظوم کلام کو کوصَرفِ نظر نہیں کیا جاسکتا، جو روائتی انداز میں رُومانی رنگ لئے ہوئے ہے۔ غزلیات اور نظموں کے علاوہ اُنہوں نے چند ایک نعتیں بھی قلم بند کی ہیں۔ اگر قسمت نے اُنہیں کچھ اور سال جینے دیا ہوتا تو اُن کی تخلیقی صلاحیتیں کشمیری شاعری کے سرمایہ میں اور وُسعت پیدا کرتیں۔

شاؔذ شرقی:

پروفیسر شاؔذ شرقی کا بھی اُردو شاعری وغیرہ کے عنوانات کے تحت پہلے ہی ذِکر کیا جا چکا ہے، جو بیک وقت ایک شاعر، مجسمہ ساز، کارپینٹر، چوب تراش، مصور اور اچھا درزی ہونے کے علاوہ ایک تاریخ اور جغرافیہ دان اور افسانہ نگار ہیں۔ وہ کچھ عرصہ پہلے سے کشمیری شاعری کی طرف بھی مائل ہو گئے ہیں۔ اُن کے تخلیقی سفر میں کشمیری غزلیات اور قطعات کے علاوہ اُن کے اپنے فرزند کی ناگہانی وفات پر لکھا ہوا مرثیہ بھی شامل ہو گیا ہے۔ شاؔذ شرقی کے اشعار میں سنجیدگی، سلاست اور فکر انگیز جدّت کی عکاسی نمایاں ہے۔ یقینِ کامل ہے کہ ایک دِن اُن کا نام کشمیری شعراء کی لمبی قطار میں بھی اچھا مقام حاصل کرے گا۔ شاؔذ صاحب کا کشمیری کلام طباعت کے آخری مراحل میں ہے۔

بےتاؔب بھدرواہی:

طالب حسین بےتاؔب بھدرواہی ایک مفلس ترین گھرانے سے تعلق رکھنے والا یتیم اور ناخواندہ شعلہ نوا اور خوش ادا گلوکار ہے، جس کی موسیقی اور آواز کے سُریلے تال سامعین کو مسحور کر کے خُود فراموشی کے حدود تک لے جاتے ہیں اور بے بہا خیالات اور مشاہدات کی انوکھی دُنیا کی سیر کراتے ہیں۔ بےتاؔب کو درس گاہِ فطرت نے متعدد فنی اوصاف کی دولت سے مالا مال کیا ہے۔ عام موسیقی، صوفیانہ موسیقی، کلاسیکل موسیقی کے زیر و بم کی گہری جانکاری اُس نے بڑی لگن، ریاض اور محنت سے حاصل کی ہے۔ وہ بھدرواہ کی عام محفلوں سے اُٹھ کر جانباز کشتواڑی جیسے شاعر اور معروف موسیقار اور گلوکار کی صحبت میں کافی دیر تک اِن فنون کی رموز سے آشنائی حاصل کرتا رہا اور پھر ایک اچھے فنکار کی حیثیت سے شہرت حاصل کی۔ وہ کشمیری زبان میں اپنے جذبہ دروں کو

شعری جامہ پہنانے میں کسی حد تک کامیابی حاصل کر چکا ہے۔ اُس کی بحروں میں کوئی سقم یا کمی دیکھنے میں نہیں آئی۔ اُس کے حافظے اور ادائیگی شعر کی تاثیر کی جس قدر بھی تعریف کی جائے، کم ہے۔

بشیرؔ بھدرواہی:

بشیرؔ بھدرواہی یعنی راقم الحروف نے بقول رِندؔ بھدرواہی ''کشمیری زبان وادب کے تئیں اپنی ذات کو وقف کیا ہے۔ مختلف علاقوں میں ملازمت کے دوران جہاں بھی رہے، ایک ہی دُھن میں رہے کہ کس طرح لوگوں کو اپنا ہم خیال بنائیں اور کس طرح نئے لکھنے والوں کو کشمیری زبان وادب کی طرف راغب کریں۔ وہ اپنے اِس مقصد میں کافی حد تک کامیاب بھی رہے ہیں۔ کشمیری نثر کی طرف بھی بشیرؔ کی توجہ بطورِ خاص رہی۔ اُن کے مضامین اکثر ''شیرازہ'' میں چھپتے رہے ہیں۔ اپنے دوستوں کو اکثر و بیشتر کشمیری زبان میں خط لکھا کرتے۔ کشمیری لوک ادب کو کتابی شکل میں ترتیب دینے کا کام بشیرؔ کا ایک اہم ادبی کارنامہ ہے۔ بشیرؔ کے کلام کا حصّہ نظم اُن کی عصری آگہی اور فنی بصیرت کا شاہد ہے۔''

بقول منشورؔ بانہالی ''بشیرؔ بھدرواہی صاحب صوبہ جموں میں بیسویں صدی کی ساتویں دہائی میں کشمیری زبان وادب کے اُن اوّلین پیش کاروں میں شامل ہیں، جو کشمیری نظم اور نثر کو یکساں طور پر عقیدت اور محبت کے پھول نچھاور کرتے رہے اور اور کشمیری زبان وادب کی ترقی اور ترویج اور اِس کی بقاء کے خواہشمند رہتے آئے۔ وہ بھدرواہ کی وادیٔ فردوس سے تعلق رکھنے والے کشمیری زبان کے ایک نامور اور قد آور شاعر، ادیب اور تنقید نگار ہیں، جو رساؔ صاحب کے بعد اس علاقہ کے نمائندہ ہیں۔ قادر الکلام اور پیشرو شاعر اور ادیب —— جن کا اپنا شعری رویہ، لب ولہجہ اور الفاظ سازی کا فن ہے۔ حُسن آگہی کی سطح پر وہ گہرا اور عصری شعور رکھتے ہیں اور اپنے ایک خاص انداز میں

عصری کرب کی عکاسی کرتے ہیں۔ وہ ایک وسیع التجربہ اور کثیر الجہت جمالیاتی شاعر ہیں۔ اُن کا لہجہ نرم اور شیریں ہے۔ رُومانی دلآویزی اُن کے کلام کا ایک خاص وصف ہے۔ بشیرؔ بھدرواہی کی نثر بھی فصیح، عمدہ، تہہ دار اور عمدہ ہے جس کو پڑھ کر شعر کی سی تاثیر پیدا ہوتی ہے۔ وہ خوب سے خوب تر لفظی تصاویر بنانے کے فن میں بھی مہارت رکھتے ہیں۔"

بشیرؔ بھدرواہی کے کلام پر محمد یوسف ٹینگ، ڈاکٹر ظہور الدین، رسول پونپر، شاد فریدی، مشتاق فریدی، فرید احمد فرید، موہن لال آشؔ، آر. کے. بھارتی، اسیر کشتواڑی، بشیر اختر، شفیع شوقؔ، عبدالاحد فرہادؔ، ڈاکٹر محمد اقبال زرگر، مرغوب بانہالی، منشور بانہالی، رند بھدرواہی، شہباز راجوروی اور کئی دُوسرے محققین نے مقالے اور تبصرے لکھے ہیں۔ اُن کا کلام اور تخلیقی مضامین ریاست کے مقتدر رسائل اور جرائد میں چھپتے رہے ہیں اور شعراء و ادباء کی کئی کتابوں اور شعری مجموعوں پر اُن کی تقاریظ اور مقالوں کو سراہا گیا ہے، جن کی تفصیل بیان کرنے کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ وہ ریڈیو کشمیر اور دُوردرشن کے ساتھ سالہا سال سے منسلک رہے ہیں اور ساہتیہ اکیڈیمی دہلی کے رُکن بھی رہے ہیں۔ اُن کی حیات اور شاعری اور دیگر قلمی کارناموں پر کئی ٹی وی اور ریڈیو فیچرس ریکارڈ ہو کر نشر کئے گئے ہیں۔ اُن کی تصنیفات میں "ڈوڈہ ضلع کے کشمیری لوک گیت" کشمیری مجموعۂ کلام "گوشن ہندی پوش" اور "تحفہ عازمینِ حجاز" قابلِ ذکر ہیں۔ اُن کی کچھ اور کتب بھی زیرِ طبع ہیں۔ اُن کی کچھ نظموں کے ہندی ترجمے بھی ساہتیہ اکیڈیمی نے شائع کئے ہیں۔

موہن لال آشؔ کے لفظوں میں ـــــ "رساؔ جاودانی کے بعد بشیرؔ بھدرواہی کو "غزل کا شہزادہ" کہا جاسکتا ہے، جن کو نظر انداز کر کے ضلع ڈوڈہ کی سنگیت بھری، دلآویز، فرحت بخش اور پُر اثر شاعری یتیم ہو کر رہ جائے گی۔"

۵ ستمبر ۲۰۰۷ء کو پریڈ گراؤنڈ جموں میں منعقد کی گئی یومِ اساتذہ کی عالیشان

تقریب کے دوران محکمہ تعلیم میں بشیرؔ بھدرواہی کی دیانت داری، قابلیت اور مجموعی اعلیٰ اور احسن کارکردگی کا اعتراف کرتے ہوئے ریاست جموں وکشمیر کے وزیر اعلیٰ جناب غلام نبی آزاد نے اُن کو خلعت پیش کی اور دیگر اعزازات سے نوازا۔ اُس موقع پر ریاست کے وزیرِ تعلیم پیرزادہ محمد سعید اور دیگر اعلیٰ حکام بھی موجود تھے۔ اُس تقریب میں تین دیگر ریٹائرڈ ایجوکیشن آفیسر حضرات کو بھی اعزازات پیش کئے گئے۔ محکمہ تعلیم کی تاریخ میں پہلی بار ریٹائرڈ تعلیمی افسران کو ایسے اعزازات عطا کئے گئے۔ بشیرؔ بھدرواہی ۱۹۹۳ء میں بحیثیت ڈسٹرکٹ آفیسر (ڈوڈہ) سبکدوش ہوئے۔

جموں وکشمیر اکیڈیمی آف آرٹس، کلچر اور لنگویجز کی طرف سے بھی ۲۷ر دسمبر ۲۰۰۷ء کو راجوری میں منعقدہ کی گئی دو روزہ ''کشمیری کانفرنس'' کے دوران کشمیری زبان وادب کے فروغ وترویج کے سلسلہ میں بشیرؔ بھدرواہی کی پچاس سالہ قابلِ قدر خدمات کے اعتراف میں اُنھیں اعزازات سے نوازا گیا۔ کشمیری زبان کے معروف شاعر، محقق اور تنقید نگار پدم شری جناب رحمٰن راہیؔ اور کلچرل اکیڈیمی کے جواں سال اور دیدہ ور سیکریٹری جناب ظفر اقبال منہاس نے بشیرؔ بھدرواہی کی خلعت پوشی کی اور دیگر یادگاری اعزازات پیش کئے۔ اُس موقع پر کشمیری زبان کے تین دیگر معروف قلمکاروں کو بھی خلعت اور اعزازات عطا کئے گئے۔

....

بھدرواہ کے دُوسرے کشمیری شعراء میں غلام محمد خاکسارؔ، محمد حسین نقاشؔ، بشیر احمد سروالؔ، محمد شعبان شاداںؔ وغیرہ شامل ہیں، جو کافی عرصہ سے شعری ادب کی خدمت کر رہے ہیں۔ جواں سال شعراء میں سہیلؔ صدیقی، ساجد سرمدیؔ، شائقؔ بڈانوی، بشیر مبارکؔ، الیف فدائیؔ، میر حسین میرؔ، جاوید قاضیؔ، عادل فردوسؔ، ابو زرینؔ، نازؔ سونگلی اور دیگر کئی اصحاب شامل ہیں۔

ساجد سرمدیؔ کے اشعار قابلِ توجہ ہیں اور اُن کی کشمیری نثر بھی دِلکش ہے۔

سہیلؔ صدیقی بھی اچھی غزل کہتے ہیں اور اُردو کلام کی طرح ہی اُن کا کشمیری کلام بھی معیاری ہے۔ باقی شعرا مشق و ریاض کے جزائر کی مسافت میں سرگرداں ہیں۔

ادبی اور ثقافتی تنظیمیں:

کسی مقام کی ادبی، ثقافتی اور تہذیبی سرگرمیوں کے معیار کا تعین محض وہاں کے شاعروں، ادیبوں یا قلمکاروں کی کثرتِ تعداد سے ہی نہیں بلکہ وہاں کی ادبی اور ثقافتی انجمنوں کے ذریعے شعر و ادب کی تخلیق یا وہاں کے تمدنی وِرثے کی نگہداشت اور ترویج کے حوالے سے اُن انجمنوں سے وابستہ افراد کی طرف سے مجموعی طور پر نئے قلمکاروں کی سرپرستی اور رہبری کرنے کے ساتھ ساتھ وہاں کے ماحول کو شعر و سخن کے لئے سازگار بنانے اور ادبی کارواں کو آگے کی طرف بڑھانے میں اُن کے مثبت کردار سے لگایا جا سکتا ہے۔ بقول ڈاکٹر رفیق مسعودی صاحب ''ایک فرد اور ادارے میں یہ فرق ہے کہ فرد جب بوڑھا ہو جاتا ہے تو غالبؔ کی زبان میں اُس کے قویٰ مضمحل ہو جاتے ہیں، جب کہ اِدارہ سن رسیدہ ہو کر ایک تناور درخت بن جاتا ہے جس کا سایہ گھنا ہو جاتا ہے۔''[1]

غیر منقسم ضلع سطح کی ادبی تنظیمیں:

خطۂ ڈوڈہ میں سالہا سال سے کئی ادبی انجمنیں قائم کی جاتی رہی ہیں جن میں ''انجمن ادب کشتواڑ'' قدیم ترین انجمن ہے جو (مرحوم) عشرتؔ کشتواڑیؔ نے ۱۹۳۵ء میں تشکیل دی تھی۔ ''فریدیہ بزم ادب'' ڈوڈہ کی بنیاد بھی (مرحوم) عشرتؔ نے بیسویں صدی کی چھٹی دہائی میں اپنی ملازمت کے دوران ڈالی تھی۔ کافی عرصہ اس پر

---

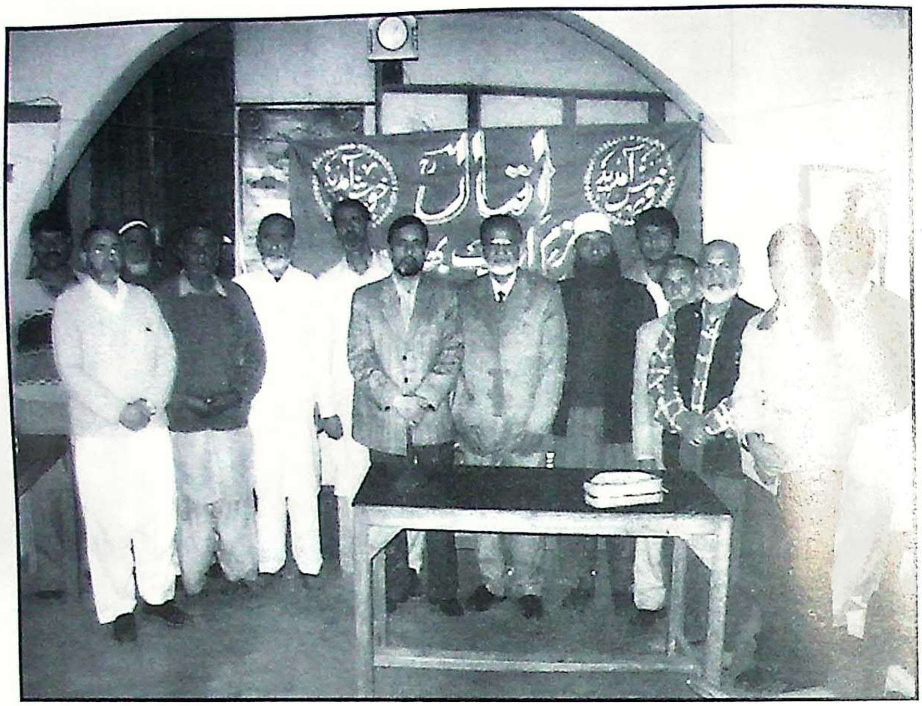
[1] ادارےہ اکیڈمی، اپریل تا ستمبر ۲۰۰۷ء

جمود سا طاری رہنے کے بعد ۱۹۸۶ء میں اس کا احیاءِ نو کیا گیا۔ اس بزم کی طرف سے ضلع، ریاستی اور ملکی سطح کے کئی مشاعرے کروائے گئے اور کتابیں لکھی گئی۔ مسٹر محمد اسحاق زرگر اُس کی رُوح رواں ہیں۔

''کاشر بزم ادب'' بانہال کئی سال سے مسٹر عبدالغنی منشور بانہالی کی سرپرستی میں سرگرم عمل ہے۔ اس تنظیم کو ایک اِمتیاز حاصل ہے کہ یہ ''گلاب'' نام کا ایک خوبصورت مجلّہ کشمیری زبان میں شائع کر رہی ہے جس کی ادارت منشور صاحب ہی کرتے آئے ہیں۔ اس نے ''گلاب'' کے کچھ خصوصی نمبر بھی شائع کیے جن میں ''نعت نمبر'' اور ''اعما بانہالی نمبر'' خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ضلع سے شائع ہونے والا یہ پہلا اور واحد شمارہ ہے۔ ''پیر پنچال ادبی فورم'' بھی ''آبشار'' نام کا ایک میگزین شائع کرتی آئی ہے۔ اِس انجمن کی سربراہی غلام نبی ظاہر بانہالی کر رہے ہیں۔ یہ تقریباً ہر زبان کے شعراء کا ایک فورم ہے۔

''چلنت فورم'' کشتواڑ غلام نبی ڈُولوال (مرحوم) کی سرپرستی میں کئی سال پہلے معرضِ وجود میں آیا تھا۔ اِس فورم نے ''شبِ چوگان'' اور ''شامِ چوگان'' کے نام سے منسوب کئی ریاستی سطح کے ادبی وثقافتی پروگراموں کا انعقاد کروایا۔ جانباز صاحب کی وفات کے بعد اِس فورم کی طرف سے صرف ایک قابلِ ذکر پروگرام پیش کیا گیا جس میں ''پس افق'' نام کی کتاب کی رُونمائی بھی ہوئی۔

''گلستان ادب'' کشتواڑ ۱۹۸۴ء سے قائم کی گئی ہے جس کی سربراہی ابنِ طیّب کر رہے ہیں۔ یہ تنظیم بھی مختلف زبانوں اور ان کے شعری ادب کے فروغ کے لئے کوشاں ہے۔ اِسی طرح سے ''بزم ادب'' بھلیس مسٹر بی۔اے۔ سروال کی سرپرستی میں قائم کی گئی تھی اور ساتھ ہی ''بزم گوجری ادب'' بھلیس اور ''کلچرل کمیٹی'' اٹھولی جیسی بزمیں قائم ہیں۔ ''انجمن ترقی گوجری ادب'' بھلیس نے آج تک کئی مشاعروں، ادبی مجالس اور ادبی کانفرنسوں کا اہتمام کیا ہے۔ اِسی طرح ''انجمن ترقی گوجری ادب''



اقبال بزمِ ادب کی ایک یادگار تقریب



غلام نبی آزاد، عمر عبداللہ اور پروفیسر سیف الدین سوز، خوشگوار موڈ میں

ڈوڈہ اور رام بن، گوجری زبان وادب کی خدمت کر رہی ہیں۔

اِقبال بزم ادب بھدرواہ:

اِقبال بزم ادب بھدرواہ کا قیام کچھ مقامی جوان سال شعراء اور ادباء کے ہاتھوں ۱۹۶۸ء میں عمل میں لایا گیا۔ تب سے آج تک یہ مسلسل طور پر مختلف باشعور سرپرستوں اور باوقار شعراء کی صدارت اور رہنمائی میں قابلِ رشک انداز میں اپنی ہفتہ وار نشستوں کا باقاعدگی کے ساتھ اہتمام کر کے علم وادب اور تمدن وثقافت کی عظیم ذمہ واریوں سے عہدہ براہوتی آئی ہے۔ تقریباً چالیس سال پہلے لگایا ہوا یہ پودا اب ایک تناور شجر کی طرح بڑھ کر یہاں کے ادب وثقافت پر سایہ فگن ہے۔ اِس بزم کو منزلِ مقصود تک پہنچانے اور اِس کی بقاء کو یقینی بنانے کے سلسلہ میں جن بنیادی اراکین نے دِن رات محنت کی، اُن میں کارگزار صدر محمد شفیع باآلم (مرحوم) اور اُن کے دیگر ساتھی رِند بھدرواہی، ساغرؔ صحرائی، وفا بھدرواہی، تنویرؔ بھدرواہی، پروفیسر محمد اسد اللہ دوانی کے علاوہ راقم الحروف گونی غلام نبی گورگانی، رساؔ جاودانی، زائرؔ بھدرواہی اور کئی دیگر اراکین شامل ہیں۔ رِندؔ بھدرواہی تو اِس بزم کی رُوحِ رواں ہیں جو بھدرواہ سے باہر رہ کر بھی اِس بزم کے لئے کئی طرح کی خدمات انجام دیتے رہے۔ اِس بزم کی اُردو اور کشمیری ادب کو بڑی دین اِس کا مجلّہ ''بزم'' ہے جس میں نئے پرانے شعرأ اور ادبأ اور قلمکاروں کے رشحاتِ قلم باقاعدگی کے ساتھ شائع کیے جاتے ہیں۔ اِس ''مجلّہ'' کی ترتیب، تالیف اور تزئین کا اہم فریضہ بھی رِندؔ صاحب ہی بڑی خوش اسلوبی سے نبھاتے آئے ہیں۔

اِس بزم کے دُوسرے کارناموں میں کچھ بڑی اہمیت کی حامل کتابوں کی تالیف اور اشاعت ہے جن میں مقامی شعرأ کی حیات اور شاعری وغیرہ پر لکھی ہوئی کتاب ''کہکشاں'' قابلِ ذکر ہے۔ ''شہر آشوب''، ''وفا بھدرواہی۔ حیات اور شاعری''، ''فغانِ نیم شب'' اور ''سرابوں کا سفر'' اِسی نوع کی دیگر اہم کتب ہیں۔ یہ تمام کتب طالب

حسین رند کی محنت، لگن اور شعروادب سے دلچسپی کے علاوہ اُن کی تصنیفی صلاحیتوں کا ایک اعلیٰ ثبوت پیش کرتی ہیں۔اس بزم کے صدارتی فرائض ابتداء میں راقم الحروف، وفا بھدرواہی، رساجاودانی، غلام نبی گونی اور تنویر بھدرواہی کے علاوہ رند بھدرواہی اور ساغر صحرائی نے انجام دیئے جبکہ رسا صاحب اور گونی صاحب اِس کے وقتاً فوقتاً سرپرست بھی رہے۔اس کے اراکین میں مذکورہ اشخاص کے علاوہ محمد شفیع دلکش، عبدالغنی بے بس، نقاش بھدرواہی، جان محمد تشنہ، آس بھدرواہی، نگہت بھدرواہی، شاذ شرقی اور زائر بھدرواہی قابلِ ذکر ہیں لیکن اراکین کا دائرہ اب وسیع ہوتا جارہا ہے اور اِس بزم میں کچھ جواں سال شعراء بھی شامل ہو چکے ہیں جن میں ساجد سرمدی، ناز نظامی، سہیل صدیقی، جاوید قاضی، امردیپ اور کئی دیگر شاعر اور ادیب سرفہرست ہیں۔یہ بزم اِبتداء سے ہی مشاعروں وغیرہ کا انعقاد کرتی رہی ہے اور اِس کے کئی شعبے مختلف سرگرمیوں میں مصروفِ عمل ہیں۔آج کل رند بھدرواہی کی صدارت میں بزم کی ہفتہ وار نشستوں کا اہتمام کیا جاتا ہے۔کلچرل اکیڈمی کی طرف سے اِسے ہر سال تھوڑی بہت مالی امداد بھی ملتی رہتی ہے۔ابھی حال ہی میں سہیل صدیقی اور ساجد سرمدی اِس بزم کے بالترتیب صدر اور جنرل سیکریٹری منتخب ہوئے ہیں۔

بھدرواہی سنستھا:

گزشتہ صفحات میں ذِکر ہو چکا ہے کہ بھدرواہی سنستھا، بھدرواہی زبان وادب کی ترویج اور فروغ کے لئے مسٹر بال کرشن چوہان (ریٹائرڈ پرنسپل) کی تحریک پر ۱۹۶۸ء کے دوران قائم کی گئی تھی۔موصوف کے علاوہ لال چند امر، جان محمد تشنہ، موہن لال پادھا، امر چند ہتیشی، چونی لال کوتوال، ہنس راج ہنس، لال چند بے تاب، سرجیت سنگھ نر بھک، مادھو لال پادھا، جسونت سنگھ چاڑک، اومکار سنگھ، مول راج منہاس، اور ماہر لسانیات اور مورخ ڈاکٹر پریتم کرشن کول جیسے سربرآوردہ ادیب، شاعر اور قلمکار اِس

سنستھامیں شامل رہے۔ اِس بزم کے کچھ اراکین ضلع اور صوبائی سطح کے مشاعروں میں بھی حصّہ لیتے ہیں اور ریڈیو اور ٹی وی کے پروگراموں میں بھی۔ جموں ریڈیو سٹیشن سے بھدرواہی پروگرام شروع کروانے میں اِس سنستھا کا اہم رول رہا ہے۔ مسٹر بال کرشن چوہان اور ڈاکٹر پریتم کرشن کول نے بھدرواہی زبان اور ادب پر بہت سی کتابیں شائع کروائی ہیں۔ ان اصحاب کی تحقیقی کاوشوں کی بدولت بھدرواہی زبان اور ادب کی ترقی اور ترویج میں کافی مدد ملی ہے۔ ان اصحاب نے بھدرواہی زبان کے لوک ادب پر بہت سے مقالے اور کتابیں لکھی ہیں۔ اِس سنستھا کے علاوہ ''ہل مین کلچرل سنٹر'' کے نام کی دُوسری انجمن بھی بھدرواہی شعروادب کی خدمت میں مصروف ہے۔

بھدرواہ کا لوک ادب:

ریاست کے دُوسرے حصّوں کی طرح خطۂ ڈوڈہ بھی لوک ادب کے دِلآویز سرمائے سے مالامال ہے، جس میں مختلف مقامی بولیوں اور زبانوں کے لوک گیتوں کے علاوہ لوک کہانیاں، لوک سنگیت، مقامی محاورات، پہیلیاں وغیرہ شامل ہیں۔ ہیئت اور مواد کے اعتبار سے بھی اِس پہاڑی خِطّہ کے لوک ادب کا سرمایہ گرانقدر ہے اور ایک منفرد مقام رکھتا ہے۔ فلک بوس پہاڑی سلسلوں میں گھرے ہوئے اِس کثیر لسانی خِطّے میں بھدرواہی، کشتواڑی، گوجری، سراجی، پوگلی، پاڈری، کھسالی اور دیگر زبانوں اور بولیوں کے لوک ادب کے عطر بیز گلدستوں کا مشاہدہ یہاں کی مختلف تمدنی اور ثقافتی اکائیوں میں کیا جاسکتا ہے۔''[1]

یہاں کے لوک ادب میں شاعری کا بڑا ذخیرہ بکھرا پڑا ہے۔ کشمیری لوک گیت، جن میں کشتواڑی، سراجی، پوگلی اور کھسالی گیت بھی شامل ہیں، شادی بیاہ کے مختلف مراحل کی عکاسی کرتے ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے۔ (۱) شادی کی تیاری (۲)

---

1. ضلع ڈوڈہ کی ادبی اور ثقافتی تاریخ۔ فریدیہ بزم ادب ڈوڈہ۔ مضمون بشیر بھدرواہی

نشانی (۳) مہندی تر کرنا (۴) دُولہن کے بال بکھیرنا (۵) بالوں میں تیل ملنا (۶) مہندی رات (۷) دُولہن کو نہلانا (۸) شادی کی پوشاک زیب تن کرنا (۹) دُولہن کا مسند نشین ہونا (۱۰) سازسنگار کرنا (۱۱) دُولہن کے والدین کے بارے میں گیت (۱۲) لڑکی کی رُخصتی سے پہلے میزبان کے لئے گیت (۱۴) دُولہن کی رُخصتی (۱۵) دُولہن کا سسرال پہنچنا (۱۶) سسرال میں میزبان اور دولہن کے لئے گیت' اور (۱۷) دولہن کو قہوہ دیتے ہوئے گیت۔

اِسی طرح سے دُولہا کے والدین کی طرف سے شادی کے مختلف مراحل کے گیت مخصوص انداز اور لَے میں گائے جاتے ہیں مثلاً مکان کی صفائی' لکڑی یعنی بالن جمع کرنے' چاول صاف کرنے' مسالہ وغیرہ کوٹنے' تیل مہندی' نکاح مہندی' دولہا کے بال کاٹنے کی رسم' دولہا کی مسند نشینی' اُس کی سسرال روانگی' سسرال پہنچ کر استقبال' دولہا دولہن کی روانگی' گھر پہنچنے پر اور دیگر مراحل پر گائے جانے والے گیت' وغیرہ۔ کمال تو یہ ہے کہ نئے زمانے کے تقاضوں کے ساتھ جوڑنے کے لئے عورتیں موقع کی مناسبت سے اِن گیتوں میں نئے نئے اشعار جوڑتی رہتی ہیں اور آئے دن اس ورثے میں حیران کن اضافہ ہوتا رہتا ہے جو سینہ بہ سینہ اگلی نسلوں کو منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ان کے علاوہ ختنہ' نلائی اور پنیری لگاتے وقت گائے جانے والے گیت طنز و مزاح اور ''لڑی شاہ'' بھی لوک ادب میں شامل ہیں۔ کشمیری لوک ادب کی تحقیق اور تالیف میں بنیادی طور پر راقم الحروف نے حتی المقدور کام کر کے ایک کتاب ۱۹۷۲ء میں کلچر اکیڈیمی کی وساطت سے شائع کروائی تھی[1] اس کے بعد راقم نے اس ادب کے حوالے سے کئی مضامین بھی لکھے جو یہاں کی مقامی کتب اور رسائل میں شائع ہوئے ہیں۔اس کے بعد ڈاکٹر اسداللہ وانی نے بھی ضلع ڈوڈہ کے لوک عقاید پر مضمون لکھا جو ''شیرازہ''

---

[1] ''ڈوڈہ ضلع کے کشمیری لوک گیت'' (کشمیری) مطبوعہ کلچرل اکیڈیمی' مؤلف بشیر بھدرواہی' اِس کتاب میں کشمیری' کشتواڑی اور سراجی زبانوں کے گیت شامل ہیں۔

اُردو کے لوک ادب (۱۹۷۵ء) میں شائع ہوا۔ جہاں تک لوک کہانیوں، پہیلیوں وغیرہ کا تعلق ہے، راقم دورانِ ملازمت عدیم الفرصت رہا اور مواد جمع کرنے کے باوجود اپنی توجہ اس کی طرف مرتکز نہ کرسکا۔ اس میں کافی تحقیق کی گنجائش ہنوز باقی ہے۔ شادی بیاہ، پیدائش اور موت کے علاوہ ناچ نغموں، ساز سنگیت اور دیگر سماجی رسومات، میلے ٹھیلوں کے دوران فوک سرگرمیوں کے بارے میں پہلے ہی تفصیل سے ذکر کیا جاچکا ہے جو یہاں کے فوک لور کی جان ہیں۔

گوجری زبان وادب:

بھدرواہ میں گوجری زبان میں بھی لوک ادب کا قابل قدر سرمایہ موجود ہے، جسے منظر عام پر لانے کے لئے گوجری ادب سے تعلق رکھنے والی تنظیمیں کوششیں جاری رکھے ہوئے ہیں۔ غیر منقسم ضلع ڈوڈہ میں جن شاعروں نے گوجری زبان میں شاعری کرکے اِس زبان کی بے لوث خدمت کی، اُن میں بقول اسیرؔ کشتواڑی، قادر خان ژاندروی (تحصیل کشتواڑ)، مولوی غلام رسول، قطب الدین عارف، مہر دین خاکی جیسے نام پرانے ہیں۔ قادر خان نے ''احوال سمینہ'' کے نام سے اپنا شعری مجموعہ نکالا تھا۔ اُن حضرات کے کلام کا تفصیلی جائزہ اسیرؔ صاحب کی معروف کتاب ''تصویر ضلع ڈوڈہ'' میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

مہر دین خاکیؔ علاقہ بھلیس سے تعلق رکھنے والے مکسیاس چلی گاؤں کے ایک کہنہ مشق شاعر گزرے ہیں۔ اُن کا مجموعہ کلام ''نگارِ مہر'' کے نام سے چھپا تھا جس میں رُوحانی موضوعات اور مذہبی نوعیت کی بائیس تخلیقات شامل ہیں۔ جان محمد کلیم ساکن بھلیس کا شعری مجموعہ ''صحرا پھل'' کے نام سے ۲۰۰۷ء میں شائع ہوا ہے۔

مولوی غلام رسول سوم ڑرام بن کے علاقہ سے تعلق رکھتے ہیں، جنہیں اپنی مادری زبان میں لکھنے کا شوق ورثے میں ہی ملا تھا۔ اُن کا کلام بھی ''آس پاس'' کے

نام سے منظر عام پر آ چکا ہے۔ یہ ضلع ڈوڈہ کی پہلی گوجری کتاب ہے جسے ریاستی کلچرل اکیڈیمی کی طرف سے اِنعام کے لئے موزوں قرار دیا گیا۔

قطب الدین عارف موضع نوتن دھندراٹھ کے باشندے تھے۔ اُن کا گوجری کلام ''کلامِ عارف'' کے نام سے چھپ چکا ہے' جس میں گوجری زبان کی شاعری کے تقریباً ساری اصناف میں شعر کہے گئے ہیں۔ بقول منظور گلشن ''عارف کا کلام سُن کر لگتا ہے کہ یہ کسی مردِ خدا کا عارفانہ کلام ہے۔'' کہا جاتا ہے کہ ''کلام عارف'' میں شامل تخلیقات کا بیشتر حصہ اُردو' پنجابی زبان کے مقتدر شعرائے کے کلام کا ترجمہ ہے۔

نوجوان گوجری شاعروں کے اسیر صاحب نے بہت سے نام درج کئے ہیں' جن میں خاقان سجاد' محمد رفیق ظہور' محمد شفیع ساجد' محمد موسیٰ آزاد' محمد ابراہیم دیدڑ' جان محمد حکیم' دین محمد آفاقی' خدا بخش زار' محمد بشیر خاکی' محمد رفیق فراقی' صوفی ہاشم دین' علی محمد گلزار' سیف علی تبسم' حاتم صابری' بشیر احمد بانیہ' چوہدری غلام محمد چمبلواسی (بانہال) وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ ان شعرائ میں چوہدری ابراہیم' بشیر احمد بنیا اور عبدالواحد چوہدری نثر کے میدان میں بھی اپنے جوہر دِکھا رہے ہیں۔ اُن کے رشحات قلم گوجری رسائل میں چھپ کر منظر عام پر آتے رہتے ہیں۔ گوجری زبان کی موسیقی اور گلوکاری میں علاقہ بھلیس کے بشیر مستانہ کا نام شہرت کی بلندیوں کو چھو رہا ہے۔

ھندی زبان و ادب:

ھندی زبان و ادب کے متعلق ڈاکٹر پریتم کرشن کول لکھتے ہیں کہ ''ڈاکٹر سدھیشور ورما' پرنسپل پرنس آف ویلز کالج جموں (موجودہ سائنس کالج جموں) نے ۱۹۲۸ء سے ۱۹۴۲ء تک جموں کے پہاڑی خطّے کی مختلف بولیوں خاص طور پر بھدرواہ کے گرد و پیش اور دیگر تغیر پذیر بولیوں کا گہرا اور تفصیلی مطالعہ کیا۔ اُن زبانوں کی تحقیق کے دوران اُنہوں نے لسانیاتی ارتقاء کے کئی دلچسپ پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

اُنہوں نے بھی گریرسن کی قائم کی ہوئی پہلی درجہ بندی، جس کے تحت بھدرواہی، بھالی، گادنی، رودھاری، کھسالی، اور پاڈری وغیرہ بھدرواہی گروہ کی بولیاں ''مغربی پہاڑی گروہ'' سے منسوب ہیں، کو ہی دُرست قرار دیا ہے۔ لہٰذا بھدرواہی گروہ کی بولیوں کی صورت میں ''ہندی'' بھدرواہ جاگیر اور ریاست جموں وکشمیر کے ملحقہ علاقوں کے باشندوں کی مادری زبان تھی۔ تاہم ہندی زبان تاریخی وجوہات کی وجہ سے ۱۹۳۰ء تک تدریسی یا سرکاری زبان نہ بن سکی۔ ۱۹۳۷ء سے ریاستی اداروں میں ہندی کی تعلیم کا آغاز ہوا۔[1]

مسٹر پریتم کرشن کول غیر منقسم ضلع ڈوڈہ کے معروف ہندی ادیب اور قلمکار ہیں، جنہوں نے یہاں کی کئی مقامی بولیوں پر ہندی زبان میں تبصرے اور کتابیں شائع کروائیں۔ اُن کے علاوہ درجنوں قلمکار ہندی میں مضامین لکھتے آئے ہیں جن میں پنڈت دیناناتھ کشتواڑی (آنجہانی)، ماسٹر مرلی دھر دت (آنجہانی) اور مسز وجے کوتوال (بھدرواہ)، رمن گنجو (رام بن)، آر.کے. شرما (بٹوت) سوامی راج مستانہ، منموہن قیصر (کشتواڑ)، ماسٹر مادھولال پادھا، ماسٹر لیکھ راج کاٹل (بھدرواہ) اور علاقہ بھلیس کے کچھ قلمکار شامل ہیں۔

بھدرواہ کے ہر حصے میں ہندی کے پرستار موجود ہیں۔ ہندی زبان وادب کی تدریس پرائمری، مڈل، ہائی، ہائر سیکنڈری سکولوں کے علاوہ کالجوں میں بھی اُردو اور انگریزی زبانوں کے ساتھ ساتھ کی جاتی ہے۔ دراصل شیخ محمد عبداللہ نے سہ لسانی فارمولا کے تحت اُردو اور ہندی دونوں زبانوں کو لازمی مضمون کے طور پر پڑھائے جانے کے احکامات صادر کیے تھے۔ تب سے ہندی باضابطہ طور پر سکولوں میں پڑھائی جارہی ہے۔ حالانکہ دو سو سال پہلے سے اِس کا چلن صوبہ جموں میں رہا ہے۔

---

[1] ''ہمالین پرنسی پیلیٹز''، صفحہ: ۲۸۹، ترجمہ: بشیر بھدرواہی

ڈوگری زبان وادب:

جموں، اُدھم پور اور کٹھوعہ ضلعوں سے آئے ہوئے تجارت پیشہ لوگ اپنے ساتھ ڈوگری زبان کو بھی ساتھ لائے۔ جاگیر کے زمانہ میں بہت سے ڈوگرہ لوگ یہاں کے مختلف علاقوں میں بس گئے، جن کی مادری زبان ڈوگری ہے۔ ۱۹۴۷ء تک تجارتی معاملات سے تعلق رکھنے والے کھاتے بہیوں کی شکل میں ڈوگری زبان میں ہی تیار کئے جاتے رہے، جس کا رواج اب ختم ہو چکا ہے۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ کے دور میں دفتری زبان ڈوگری تھی، جس کا چلن بھی ڈوگرہ راج ختم ہونے کے ساتھ ساتھ ختم ہو گیا۔ گو بھدرواہ کے علاقوں میں ڈوگری ادب نام کا کوئی شہ پارہ یہاں کے اُفق پر کبھی بھی دیکھا نہ گیا، تاہم ڈوگرہ لوگوں کے علاوہ کچھ تجارت پیشہ مسلمان اور مقامی ہندو قوموں سے وابستہ لوگ ڈوگری بول اور سمجھ سکتے ہیں۔ میرے بڑے چچا قادر جُو خطیب اور اُن کے ہم عصر تجارت پیشہ لوگ اپنے کاروباری بہی کھاتے ڈوگری زبان میں ہی تیار کرواتے تھے۔

ضلع ڈوڈہ میں رانا گوپال سنگھ (مرمت) ڈوگری زبان کے واحد ادیب تھے۔ یہ تعجب کی بات ہے کہ بھدرواہ ۱۸۴۶ء سے ۱۹۴۷ء تک ڈوگرہ حکومت کے زیر اثر ایک جاگیر رہی اور کافی حد تک اس علاقہ کی سرکاری زبان بھی ڈوگری ہی رہی تاہم کسی شخص کا دِل ڈوگری ادب کی طرف مائل نہیں ہوا۔ دراصل یہی وجہ ہے کہ یہ زبان بقول شاد فریدی "ـــــــ بہی کھاتوں تک ہی محدود رہی۔"

ڈوگری زبان کو ڈوگرہ حکومت سے پہلے بھدرواہ میں چمبہ اور بسوہلی کے حکمرانوں نے سرکاری طور پر تسلیم کر کے فروغ دیا تھا۔ بقول ڈاکٹر پریتم کرشن کول، "اُنہیں جو تانبے کی سب سے پرانی پلیٹ دریافت ہوئی وہ ۱۱۴۸ء کی ہے۔ اُس پلیٹ میں ڈوگری زبان کے عناصر موجود ہیں۔"

پنجابی زبان وادب:

وادئ بھدرواہ کو یہ فخر حاصل رہا ہے کہ اِس کا ایک نامور شاعر عبدالغفار خطیب احقرؔ بھدرواہی اِس سارے کوہستانی علاقہ کا پہلا پنجابی شاعر تھا، جن کا پنجابی زبان میں شعری مجموعہ ۱۹۴۷ء سے پہلے ہی شائع ہوکر منظرِعام پر آچکا تھا، حالانکہ یہاں پنجابی زبان کا اُتنا چلن نہیں تھا۔ راقم کے پاس اُن کا پنجابی مجموعہ کلام ''مجموعہ اشعار پنجابی''، جو آفتاب عالم پریس، ہسپتال روڈ لاہور سے چھپوایا گیا ہے، موجود ہے۔ پنجابی کے لئے وہ غفار یا غفار درزی تخلص کرتے تھے۔ اُن کا سارا کلام صوفیانہ رنگ میں ڈُوبا ہوا ہے۔ لمبی شیروانی، عمامہ اور چوڑی دار پائجامہ زیب تن کرتے ہوئے اُن کی بزرگانہ شخصیت نکھری سی آتی تھی۔ اِتنی زبانوں میں (کشمیری، اُردو، پنجابی، گوجری) بھدرواہ جیسے پسماندہ علاقہ میں بغیر کسی رہنمائی یا رہبری کے شعر کہنا، مرحوم کے ایسی زبانوں اور ان کے ادب کے ساتھ وابستگی کی غماز ہے۔ اِس پر طرہ یہ کہ کشمیری اور پنجابی کے علاوہ گوجری زبانوں کے پہلے شاعر ہونے کا اعزاز اُن کے لسانی اور ادبی قد کو زیادہ ہی اُونچا کرتا ہے۔ پس افسوس ہے کہ فرقہ وارانہ فسادات میں اُن کے شعری مسودات لاہور اور امرتسر کے چھاپہ خانوں میں تلف ہوگئے اور کچھ خطیب خاندان کے افراد کی لاپرواہی کی نذر ہوگئے۔ احقر بھدرواہی (مرحوم) ۱۸۷۸ء میں خواجہ احسن جُو خطیب کے ہاں بھدرواہ میں پیدا ہوئے اور ۱۹۵۲ء میں اُن کی رُوح قفس حیات سے پرواز کرگئی۔ اُن کا یہ شعر آج بھی زبان زدعام ہے ؎

بھدرواہ دے وِچ غفار درزی
گیت گاوندا او درد فراق والے
رنگ رنگ دے تے بوٹے پاوندانی
کپڑے سیوندا اِی بہت چاک والے

اُن کی پنجابی غزل خاص طور پر ایک طویل نظم ''حمد باری تعالیٰ'' شاعر کے جذبۂ دروں، دینی لگاؤ، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور قرآن حدیث کے گہرے مطالعے کی عکاسی کرتی ہے۔ پنجابی زبان مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دور (۱۸۲۱ء - ۱۸۲۲ء) میں قلعہ بھدرواہ پر اُن کی فوجوں کے قبضہ کے بعد یہاں کی مقامی پہاڑی بولیوں پر اثر انداز ہوئی۔ بھدرواہی لوگوں نے پنجابی زبان کے لوک گیتوں کو اپنایا اور ''ماہیا'' گیت کا یہاں پر عام رواج ہو گیا، جو عموماً سردیوں کے ایّام میں گایا جاتا ہے جبکہ لوگ کسی گھریلو دستکاری میں مصروف ہوتے ہیں۔

ملنے دی تھاں دس جا
جیڑا سانوں روگ لا لیا
اُس روگ دا نا دس جا

فارسی زبان و ادب:

وادیٔ کشمیر میں عہدِ سلاطین کے دوران اور مغلیہ دور میں فارسی علم و ادب اپنے عروج تک پہنچ گیا تھا۔ ڈوگرہ مہاراجوں اور راجوں نے بھی اِس کو فروغ دینے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔ کشمیر سے بھدرواہ کی طرف فارسی اور عربی زبانوں کے کئی عالم آتے رہے۔ ڈوگرہ دور تک یہ ایک مضمون کے طور پر سکولوں میں پڑھائی جاتی رہی۔ اب سکولوں میں دسویں جماعت کے کورس میں بطور اختیاری مضمون شامل ہے، جس وجہ سے اِس کی اہمیت اور افادیت میں کمی واقع ہوئی ہے، تاہم کالج کی سطح پر یہ ایک مضمون کے طور پر پڑھائی جاتی رہی ہے۔ یہاں کے فارسی دانوں میں خواجہ غلام محمد ڈینجو (مرحوم) کو فارسی کے پہلے دانشمند کے طور پر جانا جاتا ہے جن کو فارسی زبان اور ادب پر کافی ملکہ حاصل تھا۔ وہ عام طور پر اپنے خطوط فارسی میں ہی لکھا کرتے تھے۔[1]

---

[1] اُن کے کچھ مسودات راقم کے پاس موجود ہیں۔

دُوسرے معروف فارسی دان جناب رسا جاودانی (مرحوم) تھے۔فارسی زبان کا اثر اُن کی اُردو اور کشمیری شاعری میں نمایاں ہے۔کچھ شعر تو پورے کے پورے فارسی میں کہے ہیں۔وہ مڈل اور سیکنڈری کلاسوں کو اُردو کے علاوہ فارسی بھی پڑھاتے تھے۔یہاں کے دیگر فارسی دانوں میں جناب عبدالعزیز بٹ سابقہ رجسٹرار جموں وکشمیر یونیورسٹی، جو یہاں کے سب سے پہلے ایم۔اے۔عربی بھی ہیں، شیخ محمد ایوب ریٹائرڈ پرنسپل وسیکرٹری بورڈ آف سکول ایجوکیشن اور اُن کی ہمشیرہ محترمہ شمشاد بانو، ماسٹر عبدالغفار کچلو شمار ہوتے ہیں۔اُن کے علاوہ جناب عبدالجبار زائر اور کچھ دُوسرے اصحاب نے فارسی میں ایم۔اے۔تک تعلیم حاصل کر کے اِس مضمون کو سکولوں اور کالجوں میں پڑھا کر اِس کی رُوح کو اِس کے جسدِ خاکی سے پرواز کرنے سے روکے رکھا۔ بدقسمتی سے عوامی حکومتوں کی عدم توجہی اور لوگوں کی لاپرواہی سے ہم اِس میٹھی، رسیلی زبان اور اِس کے شعروادب کے بے مثال سرمایہ کے اِستفادہ سے آئے دِن محروم ہو رہے ہیں، اور شاید ایک وقت ایسا بھی آئے کہ ہماری نسلوں کو یہ بھی نہ معلوم ہو پائے کہ فارسی کس شئے کا نام ہے۔

سنسکرت زبان وادب:

ریاست جموں وکشمیر کے نامور مورخ جناب اسیر کشتواڑی کے مطابق ''——— سنسکرت مُلک کے دیگر حصّوں کی طرح صدیوں تک ضلع ڈوڈہ کے راجگان کی سرکاری زبان ہونے کے علاوہ علمی وادبی زبان بھی رہی ہے۔جب کشمیر میں بدھ مت کا دور ختم ہوا تو کشتواڑ اور بھدرواہ کی ریاستوں میں بھی ہندو دھرم نقطۂ عروج پر پہنچ گیا۔شیو فلسفہ کے علماء اور فضلاء ضلع ڈوڈہ میں بھی داخل ہوئے اور اُنہوں نے علم ودانش کے چراغ روشن کرتے ہوئے سنسکرت کی حتی المقدور خدمات انجام دیں۔ وقت کے راجاؤں نے اُن جید عالموں کی حتی الامکان قدردانی کر کے شعروادب کے

لئے کافی سازگار ماحول فراہم کیا ——— ''[1] بقول نیک چند کوتوال ''مہابھارت کے قصوں سے اُس زمانے میں بھدرواہ کے تہذیب وتمدن اور لوگوں کی زندگی وغیرہ پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ بھدرواہ کی خوبصورتی کا ذِکر کرتے ہوئے ''ناگ نندن ناٹک'' کے مشہور مصنف ہرش نے اپنی اِس تاریخی تصنیف میں بھدرواہ میں ایک سنسکرت یونیورسٹی کا بھی اِنکشاف کیا ہے، جس میں ایک ہزار طلباء کے لئے تدریسی اور رہائشی سہولیات دستیاب تھیں۔ یونیورسٹی کے چانسلر کو کل پتی کہا جاتا تھا جس کا نام کوشل تھا۔ مہابھارت کے ہی ایک دُوسرے قصے سے پتہ چلتا ہے کہ اِس وادی پر آشاڑھی راج کرتا تھا۔ بدقسمتی سے ہمارے پاس مقامی طور پر سنسکرت زبان کے بارے میں کوئی تحریری ثبوت میسر نہیں تاہم مذکورہ روایات سے ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ مہابھارت کے زمانے کے کئی سال بعد بھی یہاں پر اِس اہم زبان کا چلن رہا ہوگا۔''[2] پال راجوں کے دور میں ہندوستان کے کئی علاقوں سے اور خاص طور پر کشمیر سے ہندی اور سنسکرت زبانوں کے کئی عالم فاضل اور وِدھوان یہاں آئے اور اِس زبان سے یہاں کے راجوں کو روشناس کروایا۔ بھدرواہی زبان میں کشمیری ہی کی طرح سنسکرت کے کئی الفاظ موجود ہیں۔ اس زبان کو ہندی زبان کے مغربی پہاڑی گروپ میں شامل کیا گیا ہے۔ آج کل بھی کچھ سکولوں اور کالجوں میں سنسکرت کی تدریس کے لئے انتظامات کئے گئے ہیں۔ اغلب ہے کہ کسی زمانے میں سنسکرت زبان میں یہاں شعروادب کی کافی تخلیق ہوئی ہوگی، جو امتداد زمانہ کی نذر ہو گیا تاہم راج ترنگنی کے مترجم ایم۔اے۔ سٹین نے اِس کی جلد اوّل میں لکھا ہے کہ کشمیر کے نامور سنسکرت کے عالم راجنک رتنا کنٹھ کے ہاتھ کے لکھی ہوئی بھان کی ''ہرش چرتر'' کا مسودہ اُسے بھدرواہ سے دستیاب ہوا تھا جو اِس بات کی گواہی دیتا ہے کہ رتنا کنٹھ نے بلاشک وشبہ یہاں کی سیاحت کی ہوگی۔ بعض مؤرخین کے خیال میں نیل مت پران بھی بھدرواہ میں لکھا گیا تھا۔

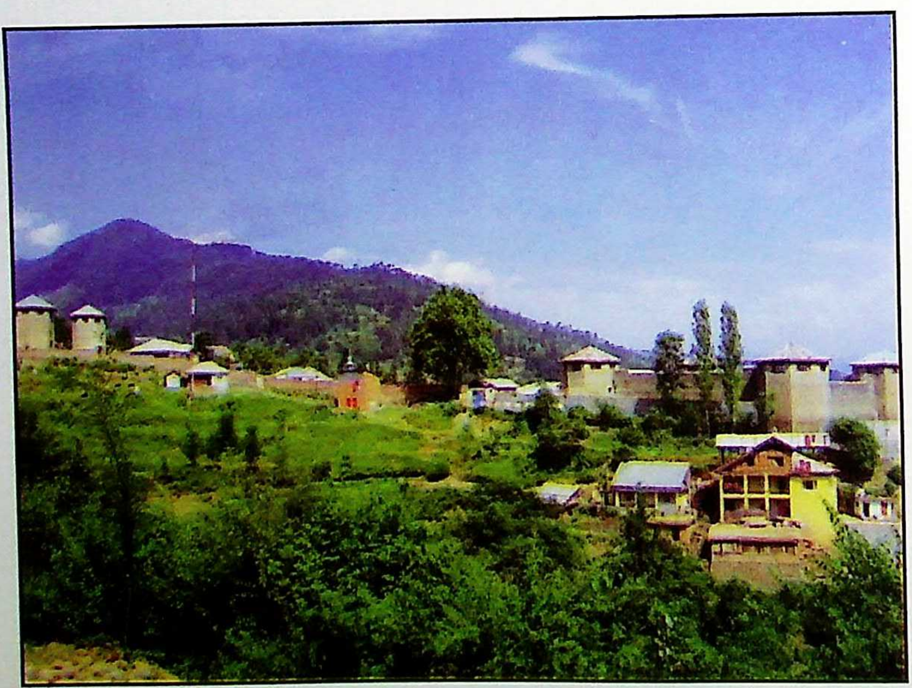
---

[1] ''تصویرِ ضلع ڈوڈہ'' از اسیر کشتواڑی، صفحہ: ۴۱-۴۲

[2] ''کلچرل ہیری ٹیج'' از نیک چند کوتوال (استفادہ)



واسکی ناگ اور جموت واہن کی مورتیاں



قلعہ بھدرواہ

باب ششم: قلعہ بھدرواہ

قلعہ بھدرواہ-ایک تاریخی ورثہ:

ایک معروف یورپی سیاح جی. ٹی. وائن اپنے سفرنامہ بھدرواہ ۱۸۳۹ء میں رقمطراز ہیں کہ "بازار کا رُخ جنوب کی جانب ہے اور قلعہ شمال کی طرف سے قصبہ کی پاسبانی کرتا ہے۔ یہ ایک بڑا اور مربع شکل کا قلعہ ہے جو زیادہ تر سلیٹی پتھر سے بنا ہے۔ یہ پتھر گردونواح میں ملتے ہیں۔ یہ دُوسرے پہاڑی قلعوں کے مقابلے میں عجیب وغریب مقام پر واقع ہے اور اِس کی پُشت پر جنگلات سے بھرپور پہاڑیاں اِس کی حفاظت کرتی ہیں۔" گھنے جنگلات کے پس منظر میں اُونچی سطح پر اور کوہ کیلاش کی گود میں واقع ہونے سے یہ وادئ بھدرواہ کے حُسن و جمال کو دوبالا کرتا ہے۔ "قلعہ کا نام رتن گڑھ ہے جس میں بیسویں صدی کی چالیسویں دہائی تک محافظی فوج کا ایک دستہ رہائش پذیر تھا۔"[1] یہ صدر بازار بھدرواہ کے مغرب کی طرف تقریباً ایک میل کے فاصلے پر رُنتہ گاؤں کے نچلے حصّے میں تعمیر ہوا ہے۔ بازار سے قلعہ کی طرف جاتے ہوئے چڑھائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

قلعہ بھدرواہ کا تاریخی پس منظر:

کہا جاتا ہے کہ اِس قلعہ کی تعمیر راجہ سمپت پال والئی بھدرواہ (۱۷۶۰ء تا ۱۷۷۰ء) کے دورِ حکومت میں عمل میں لائی گئی۔ راجہ مذکور نے اِس قلعہ کو اپنے والد

---

[1] "ٹریولز اِن کشمیر" از: جی. ٹی. وائن ۱۸۴۴ء لندن

میدنی پال کے نام کی نسبت سے قلعہ میدنی پور رکھا۔ اِس قلعہ کا ذِکر کسی بھی قدیم تاریخ میں نہیں آیا ہے' البتہ بقول مسٹر بھوشن کول سکنہ بھدرواہ'' ——— مسٹر جگن ناتھ کوتوال کے پاس اِس قلعہ کے بارے میں ایک پٹہ موجود ہے ——— ''اُن کے کہنے کے مطابق یہ قلعہ راجہ چمبہ نے ۱۷۳۱ء بکرمی (بہ مطابق ۱۶۷۵ء) میں تعمیر کروایا تھا۔ جس میں چمبہ کے ایک مستری میلا رام اور ایک مقامی مستری (جو مسلمان تھا) نے بڑی دِل لگی سے کام کیا تھا۔ دُوسری طرف جی. ٹی. وائن' جس نے ۱۸۴۲ء میں اِس ریاست کا دورہ کیا تھا' نے اپنے سفر نامہ میں لکھا ہے کہ قصبہ (بھدرواہ) کو مغرب کی طرف سے تین سو فٹ کی بلندی سے ایک قلعہ سالاری کرتا ہے۔ یہ ایک بڑے پیمانے کی عمارت ہے' جس کے ہر کونے میں بُرجیاں تعمیر کی گئی ہیں جن میں زیادہ تر مقامی مٹی کے بڑے بڑے بلاک اِستعمال کیئے گئے ہیں۔ جو سورج کی گرمی اور ہوا میں کُھلا رہنے سے بڑی سخت ہو جاتی ہے۔ یہ مٹی مقامی طور پر دستیاب ہے۔

نشانہ بازی کے لئے دیواروں میں سوراخ رکھے گئے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہاں چار توپیں گاڑھی جاتی ہیں۔ اِس قلعہ میں پچاس فوجی محافظ رہتے ہیں۔ اِس کے محل وقوع کو نزدیک سے ہی شاندار بلندیاں پاسبانی کرتی ہیں۔

جی. ٹی. وائن مزید لکھتے ہیں ''لنگر اندازی کا عمومی عمل قلعہ کے شمالی میدانی حصہ میں ہوتا ہے۔ سفر کرنے والے لوگوں کو راجوں کے قدیم محل میں رہائش کی سہولیات مل سکتی ہیں' جو کہ ایک خستہ حال عمارت ہے۔ جس میں اب صرف ایوان قابلِ رہائش ہے۔ اِس قلعہ کے قریب نچلی طرف ایک مسجد اور زیارت سعد صاحب واقع ہیں۔''[1]

''یہ قلعہ رتن گڑھ کے نام سے موسوم ہے جو بیسویں صدی کی چوتھی دہائی میں فوجی محافظوں کی تحویل میں تھا۔''[2]

---

[1] بحوالہ ''فوکس آن جموں اینڈ کشمیر'' (انگریزی) از: اسیر کشتواڑی

[2] سکھ دیو سنگھ چاڑک' جے. پی. ایچ. بی. (جلد: ۴)

اِس قلعہ کی بناوٹ مُغلیہ طرزِ تعمیر پر مبنی ہے گو کہ تب مغلیہ سلطنت زوال پذیر ہو رہی تھی اور راجہ رنجیت دیو والئی جموں عملی طور پر خود مختار ہو گیا تھا اور وہ سب پہاڑی ریاستوں پر اپنا تسلط جمانے کے لئے ہاتھ پیر مار رہا تھا۔ حالانکہ مملکتِ بھدرواہ اُس دور میں ریاست چمبہ کے زیر اثر آ چکی تھی۔ راجہ رنجیت دیو کے جانشین نے اپنی نا اہلی کی وجہ سے مملکتِ بھدرواہ اور کشتواڑ کی فرمانروائی چمبہ کے حوالے کر ڈالی۔ ایسے حالات میں چمبہ کی فوجوں نے ۱۷۸۳ء میں بھدرواہ کے قلعہ پر اپنا قبضہ جما لیا۔ اُس دور میں بھوپ چند چمبہ کے آلۂ کار کے طور پر کام کرتا رہا۔ قلعہ پر قبضہ ہو جانے کے دوران یہاں کے مقامی راجہ فتح پال یا اُس کے بیٹے دیا پال نے کسی قسم کی مزاحمت نہیں کی۔ چمبہ میوزیم میں ابھی بھی بھوپ چند کے خطوط موجود ہیں جن کے مطالعہ سے اُن واقعات پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ ایک خط میں جو ٹاکری زبان میں لکھا گیا ہے، بھوپ چند نے راجہ راج سنگھ والئی چمبہ کو لکھا ہے کہ ــــــ ''اُس نے بھدرواہ پر قبضہ کر لیا ہے اور راجہ دیا پال سے دوستی گانٹھنے کی کوشش کر رہا ہے لیکن دیا پال اور اُس کا بیٹا فتح پال اُس کی نصیحت پر عمل نہیں کر رہا ہے ــــــ'' ایک دُوسرے خط میں، جو ٹاکری زبان میں ہی ۱۷۸۳ء میں بھوپ چند نے چمبہ کے وزیر نتھو کے نام لکھا ہے، یہ ذکر ہے کہ ''بھدرواہ کو تحویل میں لے لیا گیا ہے اور قلعہ پر بھی قبضہ ہو گیا ہے۔'' یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ''پال راجاؤں میں راجہ ناگ پال سے لے کر راجہ فتح پال تک سبھی راجے اِس قلعہ کی مرمت کرتے رہے اور ۱۷۷۳ء میں راجہ فتح پال والئی چمبہ نے قلعہ کی مرمت کر کے اِس کے در و دیوار وغیرہ کو نئے انداز سے اُستوار کیا اور بعد میں ۲۰/ اکتوبر ۱۹۲۷ء کو مہاراجہ گلاب سنگھ نے ریاست بھدرواہ کو اپنی جاگیر میں شامل کیا۔ ۱۷۸۴ء کے ایک خط میں جو فتح پال راجہ بھدرواہ کی طرف سے راجہ راج سنگھ والئی چمبہ کے نام ہے، میں اوّل الذکر نے چمبہ کی فرمانروائی قبول کرنے کا ذکر کیا ہے۔''[1]

1۔ ''شاہین'' میگزین ڈگری کالج بھدرواہ ۱۹۷۱ء مضمون: پروفیسر رام ناتھ شاستری

کہا جاتا ہے کہ بھوپ چند نے راجہ راج سنگھ والئی چمبہ کے احکامات کے تحت نومبر ۱۷۸۲ء میں بھدرواہ کے قلعہ پر قبضہ جما لیا تھا لیکن راجہ دیا پال نے اس وقوع سے پہلے ہی قلعہ سے ساری بندوقیں اور اسلحہ وغیرہ ہٹا کر اپنی تحویل میں لے لیا تھا۔ اس بارے میں نتھو وزیر نے ایک خط کے ذریعے راجہ راج سنگھ کو شکایت کی تھی۔ ۱۷۸۳ء میں کئے گئے ایک معاہدہ[1] کے تحت بھدرواہ کا راجواڑہ مکمل طور پر چمبہ کے دائرہ اثر میں آچکا تھا۔" راجہ عنایت اللہ سنگھ والئی کشتواڑ (۱۷۸۲ء تا ۱۷۸۴ء) نے پاڈر کو تاراج کرنے اور وہاں لوٹ مار کرنے کے بعد بھدرواہ پر چڑھائی کی اور یہاں سے نقدی اور جنسی صورت میں کافی مال و دولت سمیٹ کر کشتواڑ واپس چلا گیا۔ اغلب ہے کہ اُس نے قلعہ کو بھی نقصان پہنچایا ہو۔

اُس کے بعد راجہ تیغ محمد سنگھ والئی کشتواڑ (۱۷۹۱ء تا ۱۸۲۰ء) نے اپنے دوست راجہ دیا پال والئی بھدرواہ کی شکست کا بدلہ لینے کے لئے' جو اُسے چمبہ کے ہاتھوں ہوئی تھی' بھدرواہ پر فوج کشی کی جبکہ دیا پال اُس کے پاس کشتواڑ میں پناہ گزیں تھا۔ یہ حملہ ۱۸۰۵ء میں کیا گیا جس کی سربراہی مرزا شاہ' وزیر رتنو اور روز یر لکھپت نے کی اور بھدرواہ فتح ہو گیا۔

بقولِ عشرت کشتواڑی "——لوگ جنگلوں کی طرف بھاگ گئے اور قلعہ بھدرواہ کو نذرِ آتش کیا گیا۔ آتش زدگی سے قلعہ کو کافی نقصان پہنچا جس کی مرمت بعد میں وزیر رتنو نے کی' جس نے اُس دوران میں موضع سرتنگل پر قبضہ کر لیا تھا اور قلعہ کو دوبارہ قابلِ استعمال بنا دیا——"

بھوپ چند کے بیٹے پہاڑ چند (۱۸۱۰ء تا ۱۸۱۲ء) نے اپنے والد کی گرفتاری اور ملک بدری کے نتیجے میں چمبہ سرکار کو خراج کی ادائیگی بند کر دی' جس پر چمبہ کے وزیر نتھو کی سرپرستی میں بھدرواہ پر حملہ آور ہونے کے لئے فوج بھیجی گئی' جس کو شکتو کوتوال

---

[1] ڈاکٹر پریتم کرشن نے اِس معاہدے کا سن ۱۷۹۲ء بتایا ہے۔

کی سربراہی میں بھدرواہی فوج نے درّہ پدری کے نزدیک شکست فاش دی اور وہ بجائے چمبہ جانے کے سیدھے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے پاس بھدرواہ پر دوبارہ حملہ کرنے کے لئے فوجی مدد کی درخواست لے کر چلا گیا۔ کچھ شرائط کے تحت مہاراجہ نے بھدرواہ کی طرف نتھو وزیر کے ساتھ فوج روانہ کی۔ اُس نے نتھو کے ذریعہ پہاڑ چند کے نام ایک سند بھی بھیجی اور اُس میں درج شرائط پر عمل کرنے کے لئے دباؤ ڈالنے کو کہا۔ مزاحمت کو فضول جان کر پہاڑ چند نے قلعہ بھدرواہ کو جزوی طور پر گرا ڈالا اور خود امرتسر کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ یہ غالباً ۱۸۲۱ء کا واقعہ ہے۔ دُوسری طرف یورپی سیاح مسٹر ایلی سن بیٹس اپنے ''گزیٹیر آف کشمیر'' میں رقمطراز ہیں کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ والئی پنجاب کے احکامات کے تحت دیسہ سنگھ نے بھدرواہ پر چڑھائی کی اور بھدرواہ کا قلعہ وزیر نتھو سے حاصل کیا' جو کافی عرصہ سے سکھ فوجوں کی تحویل میں تھا۔ پس کچھ عرصہ کے لئے بھدرواہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی حکومت کے تحت آ گیا جب تک کہ نہ چمبہ کا حکمران ''رہیلُو کا قلعہ'' سکھ حکمران کی تحویل میں دینے پر مجبور ہو گیا۔ چمبہ والوں نے یہ شرط مان لی کہ رہیلُو کا قلعہ پنجاب کے حوالے کیا جائے گا جس کے بدلے بھدرواہ کی حکمرانی چمبہ کے ہاتھ میں ہی رہی۔ ایک سند کے ذریعے بھدرواہ بھی والئی چمبہ کی تحویل میں آ گیا۔

قلعہ اٹال گڑھ

وزیر رتنو اور سکھ فوج کی لنگر اندازی:

وزیر رتنو اور سکھ فوج گپت گنگا بھدرواہ کے قریب پہاڑی کے ایک کنارے پر لنگر انداز ہوئے جس کو نالہ نیرو کا دائرہ نما پہاڑ قدرتی طور پر ایک محافظ کا کام دیتا تھا۔ اُس جگہ کا نام اُنھوں نے اٹال گڑھ رکھا یعنی نا قابلِ تسخیر قلعہ۔ اغلب ہے کہ اُنہوں نے یہاں پر ایک چھوٹے موٹے قلعہ کی تعمیر بھی کی ہو جیسا کہ اِس کے نام سے ظاہر

ہے۔ ''ڈگرڈھ'' کے معنی قلعہ ہوتا ہے۔ آج قلعہ کا یہاں پر کوئی نام ونشان نہیں۔

قلعہ تیلی گرڑھ:

موضع چنوت اور ہالیاں کے درمیان اُونچائی پر ایک بڑا خوبصورت ٹیلہ موجود ہے جسے تیلی گرڑھ کہتے ہیں۔ ممکن ہے کہ اِس جگہ پر بھی کوئی قلعہ تھا جس میں بھدرواہ کا محافظ فوجی دستہ رہتا تھا۔ اِس مقام کو اب ایک سیاحتی مرکز کے طور پر ترقی دینے کا منصوبہ بنایا جارہا ہے۔

زورآور سنگھ کی سرپرستی میں ۱۸۳۶ء میں ڈوگرہ فوج نے بھدرواہ کی طرف پیش قدمی کی لیکن قلعہ بھدرواہ میں چمبہ حکمرانوں کی مقیم فوج نے بڑی مضبوطی اور بہادری کا مظاہرہ کیا اور وہاں پر ہی ڈٹی رہی، جب تک کہ چمبہ سے ایک نیا فوجی دستہ بھی یہاں پہنچ گیا۔ یہ دیکھ کر ڈوگرہ فوج واپس چلی گئی اور بھدرواہ اور قلعہ رتن گرڑھ ہر طرف سے محفوظ رہے۔

قلعہ بھدرواہ- ڈوگرہ حکومت کے تحت:

(۱۸۴۶ء تا ۱۹۴۷ء)

۱۸۴۶ء کے عہدنامۂ امرتسر کے بعد مملکت بھدرواہ، ریاست جموں وکشمیر کا ایک حصّہ بن گئی اور اُس کی خودمختاری بھی اُس کے ساتھ ہی ختم ہوگئی۔ ۲۰؍اکتوبر ۱۹۲۷ء کو ڈوگرہ حکمرانوں نے ریاست بھدرواہ کی انفرادی حیثیت ختم کرکے اُسے صوبہ جموں کے ساتھ ملا دیا۔ ۱۹۴۶ء سے ۱۹۴۷ء تک ڈوگرہ راج میں قلعہ بھدرواہ ایک جیل کی حیثیت سے اِستعمال ہوتا رہا۔ عوامی دورِ حکومت میں اِس کا درجہ بڑھا کر ڈسٹرکٹ جیل کردیا گیا۔

۱۹۴۲ء میں نیشنل کانفرنس کی طرف سے شروع کی گئی ''کشمیر چھوڑ دو'' کی

تحریک کو کچلنے کے لئے مہاراجہ ہری سنگھ اور رام چند کاک نے اُن سب لیڈروں کو جو تحریک میں شامل تھے، مختلف جیلوں میں نظر بند کر ڈالا۔ شیخ محمد عبداللہ اور اُن کے معتمد ساتھیوں یعنی مرزا محمد فضل بیگ، کشپ بندھو اور سردار بدھ سنگھ وغیرہ کو بھدرواہ جیل میں مقید کیا گیا۔ شیخ صاحب کو بغاوت کے اِلزام میں تین برس قید اور پانچ سو روپے جرمانہ کی سزا دی گئی۔ وہ بعد میں یہاں سے رہا ہو کر ریاست جموں وکشمیر کے چیف ایڈمنسٹریٹر اور اُس کے بعد وزیر اعظم بنائے گے۔ شیخ صاحب کے نام مہاراجہ بہادر کا اِس جیل میں اسیری کے دوران لکھا ہو خط ایک تاریخی حیثیت کا حامل ہے۔

۳۰ راگست ۲۰۰۱ء کو قلعہ بھدرواہ (یعنی ڈسٹرکٹ جیل) پر عسکریت پسندوں نے ایک راکٹ داغ کر اِسے جزوی طور پر نقصان پہنچایا۔ راکٹ پھٹنے کی آواز دُور دُور تک سنائی دی اور اُس حملے میں پولیس کا ایک سپاہی بھی زخمی ہوا۔

اِس قلعہ کے اندر مہا کالی کا ایک چھوٹا سا مندر ہے جس میں ایک سیاہ رنگ کی مورتی نصب ہے۔ ہندو لوگ یہاں پر پوجا پاٹھ کے لئے آتے رہتے ہیں۔ قلعہ کے مغربی حصّہ میں ایک بڑا تالاب ہوا کرتا تھا، جس کو اب بند کر دیا گیا ہے۔ یہ جگہ قابلِ دید ہے اور بسوہلی- بھدرواہ روڈ کے بالائی حصّے محلّہ قلعہ کے قریب ہی واقع ہے۔

قلعہ بھدرواہ

آثارِ قدیمہ اور سیاحتی مرکز میں بدلنے کا منصوبہ:

مسٹر غلام نبی آزاد، سابقہ چیف منسٹر ریاست جموں کشمیر نے اِس قلعہ کی تاریخی، سیاسی اور سیاحتی اہمیّت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اِس کو محکمہ آثار قدیمہ کے تحت لانے کا فیصلہ کیا تھا اور ساتھ ہی اِس جگہ کو ایک سیاحتی مقام کے طور پر ترقی دینے کا منصوبہ بھی بنایا تھا۔ اِس سلسلہ میں ڈسٹرکٹ جیل کے لئے کسی دُوسری موزوں جگہ کا اِنتخاب بھی عمل میں لایا جا رہا ہے۔ اِن اقدامات سے اِس کی اہمیّت میں مزید اضافہ ہو جائے

گا۔ بھدرواہ۔ بسوہلی روڈ پر محلّہ قلعہ کے بالائی حصّے سے ایک کشادہ سڑک کی تعمیر عمل میں لائی جارہی ہے جو اِس سیاحتی مقام کو شاہراہ سے جوڑے گی۔ یہ سڑک تعمیر ہونے سے یہاں کے لوگوں اور باہر سے آنے والے سیاحوں کو قلعہ کے علاوہ وادیٔ بھدرواہ کے قدرتی مناظر دیکھنے کے مواقع فراہم ہوں گے۔ سیاحتی صنعت کو بڑھاوادینے کے لئے یہ خوبصورت ثقافتی مرکز ایک اہم رول ادا کرے گا۔

تین سو سال پُرانا ورثہ

ضلع ڈوڈہ کا ادبی، تہذیبی اور ثقافتی مرکز کہلائے گا:

روزنامہ ''کشمیر عظمیٰ'' میں مورخہ ۱۱را کتوبر ۲۰۰۷ء کو چھپے ایک مراسلہ (جس کو ذاکر ملک نے تحریر کیا ہے) میں اِس بات کا اِنکشاف کیا گیا ہے کہ ''تین سو سال قدیم بھدرواہ کا قلعہ ساٹھ سالہ قبضے کے بعد آزاد ہوگیا ہے۔ ۱۹۴۷ء کے بعد اِس قلعہ کو سرکاری جیل بنادیا گیا تھا لیکن اب یہاں کال کوٹھریوں میں ہتھکڑیوں کی چھنچھناہٹ سنائی نہیں دے گی، بلکہ اِس قلعے کو اب وادیٔ چناب میں تہذیبی اور ثقافتی مرکز کے طور پر تعمیر کرنے کا منصوبہ تیار کیا جارہا ہے۔ یہاں ایک آرٹ میوزیم کے علاوہ شاندار لائبریری اور اوپن ائیر تھیٹر قائم کیا جائے گا اور اِسے آئندہ سال عام لوگوں کے لئے کھول دیا جائے گا ——— وزیر اعلیٰ غلام نبی آزاد نے ذاتی دِلچسپی لے کر محکمہ جیل خانہ جات کے ڈائریکٹر جنرل آر. کے ٹکو کو ہدایات جاری کی ہیں کہ وہ جیل کو منتقل کرنے کے لئے اِقدامات اُٹھائے ——— جیل کو عیدالفطر (۱۴را کتوبر ۲۰۰۷ء) سے قبل منتقل کرنے کے احکامات دیئے گئے۔ حکّام کا ماننا ہے کہ ۱۳را کتوبر کو قلعہ خالی ہو جائے گا اور ۳۰را کتوبر کو اِسے باضابطہ طور پر بھدرواہ ڈویلپمنٹ اتھارٹی کے حوالے کر دیا جائے گا۔

قلعہ خالی ہونے کے بعد بھدرواہ ڈویلپمنٹ اتھارٹی اِس میں ضروری

مرمت اور تجدید کا کام شروع کرے گی۔ اِس کا منصوبہ ہے کہ قلعہ کو وادیٔ چناب میں ادبی، تہذیبی اور ثقافتی مرکز بنایا جائے گا اور اِسے عام لوگوں کے لئے کھول دیا جائے گا۔ بھدرواہ ڈویلپمنٹ اتھارٹی نے اِس کے لئے ۳ کروڑ روپے کی رقم مختص کی ہے۔ یاد رہے کہ اِس قلعہ کو ایک ثقافتی وِراثت کے طور پر محفوظ کرنے کے سلسلہ میں انڈین نیشنل ٹرسٹ فار آرٹ اینڈ کلچرل ہیری ٹیج کے دہلی کے ماہرین کے ساتھ رابطہ قائم کیا گیا ہے۔ اِس قلعہ میں لائٹ اینڈ ساؤنڈ سسٹم کا بھی اِنتظام کیا جائے گا۔ آزاد صاحب وزیرِ اعلیٰ کی طرف سے یہاں کے لوگوں کے لئے یہ ثقافتی مرکز عید الفطر کے موقع پر ایک شاندار تحفے کے مترادف ہوگا، جس کا مقامی آبادی کو ساٹھ سال سے اِنتظار تھا۔ یہ قلعہ پہاڑی کلچر کا ایک اہم ثقافتی مرکز ہو گا۔ اِس میں وادیٔ چناب کے علاوہ ہماچل پردیش کی ثقافتی جھلکیاں بھی ہوں گی۔

بھدرواہ جیل سے قیدیوں کی منتقلی:

تازہ ترین اِطلاعات کے مطابق جموں و کشمیر کے محکمہ جیل خانہ جات نے حکومت کی ہدایت کے مطابق ۱۰/ اکتوبر ۲۰۰۷ء کو جیل میں مقیّد اٹھاسی قیدیوں کو یہاں سے اُودھم پور اور کوٹ بلوال جیل جموں میں منتقل کر کے اِسے حفاظتی وجوہات کی بنیاد پر خالی کر دیا ہے۔ اُن میں سے بتیس (۳۲) جنگجو قیدیوں کو کوٹ بلوال جیل منتقل کیا گیا ہے جن کا تعلق حرکت الجہادِ اسلامی، جیشِ محمد اور حزب المجاہدین تنظیموں سے ہے۔ باقی سیویلین قیدی ہیں جن کو شائد اُودھم پور جیل منتقل کیا گیا ہے۔ اِس سلسلہ میں بھدرواہ ڈویلپمنٹ اتھارٹی کے سربراہ مسٹر طلعت پرویز اِس تاریخی قلعہ کی حفاظت کے اِنتظامات کروا رہے ہیں اور عنقریب ہی منظور شدہ منصوبے کے مطابق قلعہ کی مرمت وغیرہ کا کام ہاتھ میں لئے جانے کی توقع ہے۔

بھدرواہ کے دیگر قدیم قلعے:

نامور مورخ کاہن سنگھ بلاوریہ نے اپنی مشہور تصنیف ''تاریخ راجگانِ کشمیر'' میں ضلع ڈوڈہ کے قدیم قلعوں کا تفصیل سے ذِکر کیا ہے۔ اُن میں سے مملکتِ بھدرواہ کے مختلف مقامات پر بتائے گئے قلعوں کا ذِکر اُنہوں نے یوں کیا ہے۔

۱۔ قلعہ مرمت گلیاں: یہ راجگانِ گلیاں کی جاگیر کا صدر مقام تھا' جو چمبہ سے یہاں آئے تھے۔

۲۔ قلعہ بھدرواہ: قلعہ بھدرواہ کی غربی پہاڑی پر آج کل جیل ہے

۳۔ قلعہ بھیلا: راجگانِ بھدرواہ کی سرحد پر خاندان راناہائے کا (قلعہ) تھا جو کہ مِسمار ہو گیا ہے۔

۴۔ قلعہ جنگواڑ: بھدرواہ اور کشتواڑ کی سرحد پر تھا' اب صرف نشان باقی ہے۔

۵۔ قلعہ جنگواڑ: سرحدِ کشتواڑ' بھدرواہ' چمبہ پر واقعہ تھا۔ آج کل صرف نشان رہ گیا ہے۔

مشہور تاریخ دان اور ادیب اسیرؔ کشتواڑی نے اپنے مضمون ''ضلع ڈوڈہ' قدیم سفرناموں کی روشنی میں'' میں شری شیونرموہی کی کتاب ''ڈوگر کے دُرگ'' یعنی ''ڈوگر کے قلعے'' کے حوالے سے مملکتِ بھدرواہ کے علاقہ جات بھیلا اور جنگلواڑ کے قلعوں کے بارے میں یہ تفصیلات فراہم کی ہیں:

''۱۔ قلعہ جنگلواڑ: جنگلواڑ جموں سے ۲۰۱ کلومیٹر ٹپل ڈوڈہ سے ۲۹ کلومیٹر اور بھدرواہ سے ۶۰ کلومیٹر کی دُوری پر واقع ہے۔ یہ ٹھاٹھری سے تین کلومیٹر کی دُوری پر ایک پہاڑی پر واقع ہے۔ قلعے کے اِرد گرد جو گاؤں سا ہے' وہ بھی جنگلواڑ کے نام سے مشہور ہے۔ کہتے ہیں کہ یہاں بابا بدھی داس کا آشرم تھا۔ یہ قلعہ اُس کے نزدیک بنا تھا۔ اِس قلعے کے نشان وہاں کے چشموں پر لگے ہوئے پتھروں کی صورت میں موجود

ہیں۔ عام لوگوں کا کہنا ہے کہ اِس قلعے کی تعمیر بھدرواہ کے راجے کے عہد میں دفاعی نقطۂ نظر سے سترھویں صدی عیسوی میں ہوئی تھی۔ یہ قلعہ کچا تھا۔ تاریخ میں بھی جنگلواڑ قلعے کا ذِکر آیا ہے۔

۲. قلعہ بھیلا: بھدرواہ راجواڑے کے اندر بھیلا کا علاقہ بھدرواہ کے وزیروں کی جاگیر تھا۔ مہاراجہ گلاب سنگھ کے عہد حکومت میں لکھی رام وزیر اِس جگہ کا جاگیردار تھا۔ بھیلا کے جاگیرداروں نے اپنی پہچان کے لئے جو قلعہ بنوایا تھا اُسے وزیروں کا قلعہ کہتے ہیں۔ یہ قلعہ کچھ پکا مگر اِس کا بہت سارا حصّہ کچا تھا۔ اِس قلعے تک پہنچنے کے لئے ڈوڈہ سے بارہ کلومیٹر دُوری پر سوئی گواڑی سے ایک الگ رابطہ سڑک جاتی تھی جس کی لمبائی لگ بھگ تین کلومیٹر ہے۔ تھلیلہ اور چراہلہ پار کرنے کے بعد بھیلا گاؤں آتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس ٹیلے پر قلعہ بھیلا بنا ہوا تھا' جواب ٹوٹا پھوٹا ہے۔ اِس قلعہ کا ذِکر ''تاریخ ڈوگرہ دیس'' میں بھی ہوا ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ یہ ایک چھوٹا مگر مضبوط قلعہ تھا اور اِس کا اِستعمال اناج جمع کرنے کے لئے بھی کیا جاتا تھا۔''[1]

اب اِن قلعوں کا کہیں نام ونشان باقی نہیں رہا ہے' تاہم بھدرواہ کی تاریخ مرتّب کرنے میں اِن کی اہمیّت کو کسی صورت میں بھی صَرفِ نظر نہیں کیا جاسکتا۔

***

---

[1] ''شیرازہ'' (اُردو) جموں' کشمیر لداخ قدیم سفرناموں اور تذکروں کی روشنی میں'' مطبوعہ جموں جموں اینڈ کشمیر اکیڈیمی آف آرٹ' کلچر اینڈ لنگویجز' صفحہ: ۳۲۷-۳۲۸

بابِ ہفتم: مملکتِ بھدرواہ کی مساجد اور منادر

بھدرواہ کی مساجد:

پہلے بھی ذِکر کیا جاچکا ہے کہ مسلمانوں کی وادیٔ کشمیر اور مُلک کے باقی حصّوں سے ایک سلسلہ وار ہجرت جو زیادہ تر سیاسی، معاشی، مذہبی اور جغرافیائی وجوہات کی بنا پر عمل میں آتی رہی، کے نتیجہ میں مسلمان لوگ غیر منقسم ضلع ڈوڈہ کے مختلف حصّوں میں آباد ہوتے رہے۔ اُن کی آمد کے ساتھ ساتھ یہاں مساجد تعمیر کرنے کا سلسلہ بھی شروع ہوا۔ بھدرواہ کی قدیم اور غیر منقسم جاگیر یا راجواڑے میں تقریباً ہر بڑے موضع میں جہاں مسلمانوں کی اکثریت تھی، مسجدیں تعمیر کی گئیں اور ساتھ ساتھ درس گاہوں کا رواج بھی شروع ہو گیا، جو آج تک جاری ہے۔ دراصل پہلے پہل کشمیر سے صوفیائے کرام کے علاوہ بہت سے پیر خاندان بھی یہاں ہجرت کر کے چلے آئے اور اُنھوں نے بھی مساجد تعمیر کرنے کی ترغیب و تحریک دی۔ کچھ مُبلّغین بھی سال میں ایک دو بار وادیٔ کشمیر سے آ کر مختلف مقامات پر درس و تدریس اور تبلیغِ دین کا کام کرتے رہے۔ مہاجر لوگ خود بھی فطری طور پر اِس کام میں جُٹ جاتے رہے۔ کچھ تبلیغی جماعتوں نے، جن میں جماعتِ اسلامی اور تبلیغی جماعت (اللہ والے) شامل تھیں، پیش پیش رہ کر یہاں دعوت و تبلیغ کا کام جاری رکھا اور کئی مساجد اور درس گاہیں تعمیر کروائیں۔ سب مساجد کا تفصیلی طور پر ذِکر کرنا کتاب کی مجوزہ ضخامت کے پیشِ نظر ناممکن ہے، اِس لئے چند ایک جامع مساجد کا ذِکر کرنے پر ہی اِکتفا کیا جارہا ہے۔

جامع مسجد بھدرواہ:

غیر منقسم تحصیل بھدرواہ کی مساجد میں سب سے پرانی، وسیع، کشادہ اور دیدہ زیب مسجد "جامع مسجد بھدرواہ" ہے جو قصبہ نگر کے عین بیچ میں سے گزرنے والے نالہ ہلیا کے مغربی کنارے پر تعمیر ہوئی ہے۔ گاٹھ بھدرواہ لنک روڈ کا آخری حصہ مسجد شریف کے سامنے سے گزرتے ہوئے پرانے اڈہ (پاسری) تک پہنچ جاتا ہے۔

کوہِ کیلاش سے آنے والے نالہ ہلیا جسے نالہ پونیچہ بھی کہا جاتا ہے، کے قصبہ بھدرواہ کے بیچ میں سے گزرتے ہوئے طاس کے بائیں کنارے پر اور قصبہ کے مغرب کی طرف فنِ تعمیر کا ایک عالیشان اور بے نظیر نمونہ "جامع مسجد بھدرواہ" کی صورت میں اپنے حسن و جمال کی ضُوفشانی کرتے ہوئے پوری آن بان کے ساتھ کھڑا ہے، جس کی دلکشی اور دیدہ زیبی باہر سے آنے والے ہر شخص کو عالمِ تحیّر میں ڈال دیتی ہے اور ہر کسی کو نہ صرف اِس عظیم شاہکار کی داد دینا پڑتی ہے بلکہ یہاں کے لوگوں کے جذبۂ ایثار کے علاوہ اُن کے جمالیاتی ذوق کو سلام کرنا پڑتی ہے۔ اِس قیمتی اثاثہ کی عظمت پر نہ صرف بھدرواہ کے مسلمان، بلکہ ہر شخص بلا تمیز مذہب و ملت فخر محسوس کرتا ہے۔ یہ شاندار مذہبی عمارت یہاں کے مقامی باشندوں کے ذات باری تعالیٰ پر یقینِ کامل کی مظہر ہے۔ بھدرواہ کی سب سے قدیم جامع مسجد ۱۹۲۸ء کے طوفانِ عظیم سے پہلے موجودہ جامع مسجد شریف کے زیریں حصّے میں آباد تھی، جس کے ساتھ ایک یتیم خانہ، مسافر خانہ، حمام اور انجمن اِسلامیہ کا دفتر اور انجمن ہی کی طرف سے چلائی جانے والی ایک درس گاہ موجود تھی۔ یہ ساری عمارات اور قدیم قصبہ بھدرواہ کا ایک بڑا حصّہ ۱۹۲۸ء کے مذکورہ خوفناک طوفان کی زد میں آ گئے جن سے عمارات کے غرق ہونے کے علاوہ لوگوں کو کافی مالی اور جانی نقصان سے دوچار ہونا پڑا۔ جامع مسجد شریف اور اِس کے ساتھ والی عمارتیں لوگوں نے اپنی مفلوک الحالی کے باوجود بڑے شوق اور

جذبۂ ایثار سے کافی عرصہ تک دن رات اپنی محنت شاقہ سے تعمیر کی تھیں اور وادی بھر کے مسلمانوں (بھلیس، کیلاڑ، ٹھاٹھری، مرمت وغیرہ) نے اِن کی تعمیر میں حصّہ لیا تھا۔ وہ طوفان دِن کے وقت نمودار ہوا تھا۔ کہتے ہیں کہ پانی کا بہاؤ اِس قدر زیادہ تھا کہ اِس میں بہنے والے بڑے بڑے پتھروں کی آپسی رگڑ سے ایک بھیانک قسم کی آواز پیدا ہوتی تھی، جس نے سارے قصبہ میں ایک دِل دہلا دینے والے بھونچال کے سے حالات پیدا کر دئے تھے۔ تعجب کی بات یہ تھی کہ تاحدِ نظر جامع مسجد، یتیم خانہ، مدرسہ اور قصبے کے کئی گھر صحیح سالم حالت میں بہتے رہے اور دُور تک جا کر یکے بعد دیگرے غرقِ آب ہو رہے تھے۔ طوفان کی لہروں میں گھر بار، سامان، مویشی اور اِنسانی لاشیں بہہ رہی تھیں۔ یہ آفتِ سماوی بڑی ناگہاں، طربناک اور ناقابلِ بیاں تھی، جس سے ساری وادی میں ایک قیامت سی برپا ہوگئی۔ چاروں طرف لوگ زار و قطار رو رہے تھے اور لواحقین اپنے کھوئے ہوئے اقارب اور رشتہ داروں کے غم و اندوہ میں اپنی چھاتیاں پیٹ رہے تھے۔ لوگوں کو اپنی جائدادیں تلف ہونے پر کم لیکن جامع مسجد اور اِس کی ملحقہ عمارات کے ''شہید'' ہونے کا غم زیادہ ستائے جا رہا تھا۔ رسا جاودانی (مرحوم) نے اپنی ایک شاہکار نظم ''طوفان'' میں بڑے موئثر اور درد خیز ڈھنگ سے اُس طوفان سے برپا ہونے والی تباہی کے بارے میں اشعار کہے ہیں۔ نظم کی طوالت کے پیشِ نظر اُس کے چند ایک بند ذیل میں درج کئے جا رہے ہیں، جن کا تعلق جامع مسجد شریف کی شہادت سے ہے:

یہ کیا غضب خدایا — طوفاں کہاں سے آیا
آفت کی اِنتہا بھی — سجدے کی ایک جا بھی
وہ خانۂ خدا بھی
مسجد ہماری پرانی — اسلاف کی نشانی
وہ لے چلا ہے پانی

کیوں اِسکا غم نہ کھائیں آنسو نہ کیوں بہائیں
سَراب کہاں جھکائیں؟

اِس سانحۂ عظیم کے وقوع کے تقریباً ڈیڑھ سال کے بعد غالباً ۱۹۳۰ء کے اوائل میں ہی موجودہ جامع مسجد شریف کی تعمیر کی بنیاد ڈال کر اِس کی تکمیل کے لئے جی توڑ کوششیں شروع ہوگئیں، جو تا حال جاری ہیں۔ اُجڑے ہوئے مسلمان باشندوں نے ایک بار پھر کمرِ ہمت باندھ کر یہ کارِ نیک شروع کیا تھا جو آج فنِ تعمیر کے ایک بہترین نمونے کے طور پر ہمارے سامنے ہے۔ ہمارے بزرگوں نے نئی مسجد کی تعمیر کے سلسلہ میں ایسی منصوبہ بندی کی کہ ہمیں آج اُن کی دُور اندیشی اور جذبۂ ایثار کی داد دینا پڑتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ مستری غلام رسول نجار (مرحوم) کے والد جمعہ جو نجار نے، جو اُس وقت اپنے عالمِ شباب میں تھے، اِس کا خاکہ تیار کیا تھا اور اِس کے سامنے والے اندرونی محراب اور دونوں میناروں میں ہوئی نقش نگاری وغیرہ جموں کے مستری اللہ دتہ نے کی تھی۔ مستری غلام رسول (مرحوم) بھی مسجد شریف کی تعمیر کے دوران پیش پیش رہے اور تکنیکی مشورے دیتے رہے۔

یہ یادگاری عمارت بھی دو منزلہ ہے جس کے ساتھ حمام، غسل خانے، صحن اور ایک درس گاہ بھی تعمیر کی گئی تھی، جسے بعد میں ایک نئی تعمیر شدہ عمارت میں منتقل کیا گیا۔ مسجد شریف کے ساتھ بنی ہوئی عمارتوں اور صحن میں وقتاً فوقتاً تبدیلیاں عمل میں لائی جاتی رہی ہیں۔ اب صحن کے اگلے حصّے میں بہت سی دُوکانوں کا کمپلیکس تعمیر کیا گیا ہے اور غُسل خانوں کو نئی طرز پر تعمیر کر کے کشادہ کیا گیا ہے۔ صحن والے چنار کو کاٹ کر مسجد شریف کی طرف جانے کے لئے بڑی خوبصورت سیڑھیاں تعمیر کی گئی ہیں اور دُوکانوں کی چھت کو ہموار رکھ کر نماز کے لئے دو رویہ اضافی پلیٹ فارم تعمیر کئے گئے ہیں، جس سے اب نمازِ جمعہ کے دوران آنے والی مشکلات کا بڑی حد تک ازالہ ہو گیا ہے۔ مسجد کا زیریں یعنی پہلا گیٹ خوبصورت طرز پر تعمیر کیا گیا ہے۔ لائبریری کی عمارت کو ہٹا کر

مذکورہ پلیٹ فارم میں شامل کیا گیا ہے۔ لیکن اِس پلیٹ فارم کے ساتھ مغرب کی طرف والا کمرہ چوکیدار وغیرہ کے لئے رہنے دیا گیا ہے۔ جہاں تک مسجد شریف کا تعلق ہے اِس کی دونوں منزلوں کے سامنے والے حصّوں پر بڑے خوبصورت برآمدے تعمیر کئے گئے ہیں، جو خوبصورت قسم کی نقاشی اور گُل کاری سے مزین ہیں۔ جنوب کی طرف واقع حمام کے اُوپر والے حصّہ پر ایک کشادہ برآمدہ تعمیر کیا گیا ہے، جس میں انجمن اِسلامیہ کے ہفتہ وار اجلاس منعقد کئے جاتے ہیں۔ مسجد شریف کی دونوں منزلوں پر نماز پڑھنے کے لئے دو بڑے بڑے ہال ہیں جن میں ہزاروں نمازی سما سکتے ہیں۔ اِس کے اگلے حصّے کے دونوں کناروں پر دو چھوٹے چھوٹے مگر اُونچے مینار اور درمیان میں ایک بڑا گنبد تعمیر ہوا ہے۔ اِس بڑے گنبد کے چاروں طرف جلّی حروف میں قرآنی آیات تحریر کی گئی ہیں جو اِس کی شان کو دوبالا کرتی ہیں۔ اِسی طرح چھوٹے مینار بھی گُل کاری کے اچھے نمونے پیش کرتے ہیں۔ اِس عمارت میں بروے کار لائی گئی کاریگری کے فن کا مقابلہ برصغیر کی کسی بھی عمارت کے ساتھ کیا جا سکتا ہے۔ مُغل دور میں بنی ہوئی مساجد کی عکاسی بہ اعتبارِ خاکہ سازی، اِس جامع مسجد سے عیاں ہوتی ہے۔ اِس میں یہاں کا مقامی پتھر اور چونا اِستعمال ہوا ہے اور چھتوں پر دیودار کے بڑے اور وزن دار شہتیر اِستعمال ہوئے ہیں۔ ہر چھت میں بڑے خوبصورت قسم کے لکڑی کے کھمبے پیوست کئے گئے ہیں، جو قابلِ دید ہیں۔ محرابوں کی دیدہ زیبی کاریگروں کی دیدہ ریزی کی غماز ہے۔ میناروں کی یکسانیت، بنیادوں کی متوازن بناوٹ اور کھمبوں کی آرائش سب کچھ ہی مسحور کُن ہے۔

اِس مسجد کو تعمیر کرنے کے لئے بھدرواہ کے غیور مسلمانوں نے مقامی انجمن اِسلامیہ کی سرپرستی میں بڑی دیدہ ریزی، ہمت، جُرأت، حوصلے اور جذبہءایثار سے کام کیا ہے۔ خواتین نے مردوں کے شانہ بہ شانہ ذوق وشوق سے حتی المقدور کام کیا۔ مٹی اور پتھر ڈھوئے۔ اپنے قیمتی زیورات بیت المال میں جمع کرائے اور سب اہالیانِ

اِسلام نے مِل جُل کر اِس عالیشان عمارت کی تعمیر کو ایک زبردست چیلنج کے طور پر قبول کر کے دِن رات کی محنتِ شاقہ سے اپنا سب کچھ نچھاور کر کے پایۂ تکمیل تک پہنچایا' جو اسلاف کے ہاتھوں بنی اور طوفان کی زد میں آئی ہوئی مسجد سے کئی گُنا کشادہ' کاریگری میں یکتا اور دیکھنے میں ایک عجوبۂ روزگار سے کم نہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کچھ غیر مُسلم خواتین نے بھی مسجد کی تعمیر کے دوران مٹی اور پتھر ڈھو کر یہاں کے بھائی چارے کو کافی تقویت پہنچائی۔ اِس عظیم عمارت پر موجودہ گراں بازاری کے دور میں لاگت کا اندازہ کروڑوں روپے تک لگایا گیا ہے۔

مہاراجہ ہری سنگھ کی حکومت نے اِس قصبے کے اُجڑے ہوئے خاندانوں اور بہہ جانے والی مسجد کے لئے مالی امداد کے طور پر کچھ رقومات دینے کا اعلان کیا تھا لیکن وہ احکامات محض کاغذوں تک ہی محدود رہے۔ حکومت کے اُس وقت کے مقامی کارندوں نے نہ جانے کس مصلحت کے پیشِ نظر آفت زدگان اور تعمیر مسجد کے لئے منظور شدہ چالیس ہزار روپے کی امدادی رقم کو سرکاری خزانے میں واپس جمع کروا دیا۔ اِس کے بعد ۱۹۵۸ء میں بخشی غلام محمد (مرحوم) نے جامع مسجد شریف کے لئے پچاس ہزار روپے امداد کی پیشکش کی جسے یہاں کی انجمن نے قبول نہیں کیا اور اس کے برعکس یہ کارِ عظیم لوگوں نے باہمی اِشتراک سے ہی پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا عزم دہرایا۔

موجودہ حکومت' جس کی سربراہی جناب غلام نبی آزاد کر رہے ہیں' نے جامع مسجد کی خوبصورتی اور دِلکشی میں رُکاوٹ بننے والی چاروں اطراف کی دوکانیں اور مکانات ہٹا کر اِس کی خوبصورتی کو اُجاگر کرنے کا منصوبہ تیار کیا ہے تاکہ یہ جامع مسجد اپنے تاریخی اعتبار کے علاوہ سیاحتی حیثیت سے بھی متعارف ہو سکے۔ اِس سلسلہ میں آس پاس کی نجی زمینوں' عمارتوں اور دوکانوں کی نشاندہی کر کے اُن پر آئی ہوئی لاگت یا اراضی کی قیمت کا تخمینہ لگا کر مناسب معاوضے کے اِنتظامات کیے جا رہے ہیں۔ انجمن اِسلامیہ نے بھی کچھ تحفظات کے تحت اِس بارے میں رضامندی کا اِظہار

کیا ہے۔ مجوزہ منصوبے کی تکمیل کے بعد یہ جامع مسجد اپنے موزوں ترین محلِ وقوع اور زیریں حصّے سے گزرنے والی ایک کشادہ سڑک اور لبِ آب جُو پر واقع ہونے کے باعث سیاحوں کی کشش کا موجب بنے گی۔

پریوت ڈوڈہ سے تعلق رکھنے والے ایک نوجوان مسٹر محمد شفیع پردیسی نے اپنے ایک مضمون ''جامع مسجد بھدرواہ'' میں اِس مسجد شریف کی عکاسی اِن الفاظ میں کی ہے —— ''بھدرواہ کے مسلمانوں کا قیمتی اثاثہ یہ مسجد ہی تو ہے جس کے میناروں سے جب نعرۂ توحید بلند ہوتا ہے تو اِس چھوٹے کشمیر ''بھدرواہ'' کی ساری وادی گونج اُٹھتی ہے اور یہ چاروں طرف سے فلک بوس کوہسار، جو اِس وادی کو اپنے آغوش میں لئے ہوئے ہیں، اذان سُن کر مؤذن کے ساتھ ساتھ وہی کلمہ دہرانے لگتے ہیں جو مؤذن کہتا ہے۔ کتنی عظیم ہے یہ عمارت جس کی عظمت پر نہ صرف مسلمانوں بلکہ بھدرواہ کے بِلا تمیز مذہب و ملّت لوگوں کو فخر حاصل ہے۔ جہاں کوئی نو وارِد بھدرواہ میں آکر قدرتی مناظر سے بھرپور اِس وادی کو دیکھ کر قدرت کی کرشمہ سازیوں کی تعریف کرتا ہے، وہیں پر اِس عظیم عمارت کو دیکھ کر اُن لوگوں کی ہمت کی داد دئے بغیر نہیں رہتا جن کے خون پسینے کی جھلک آج اِس خانۂ خدا کے فلک بوس میناروں میں نظر آتی ہے ——''

مولوی عبدالغفار سہروردی، جو سری نگر کی جامع مسجد محلّہ کے میر واعظ خاندان سے تعلق رکھتے تھے، بھدرواہ کے موجودہ سہروردی خاندان کے جدِ اعلیٰ تھے۔ بھدرواہ ہجرت کرنے پر وہ مسجد شریف کے امام مقرر ہوئے۔ اُن کے مشورے پر ہی قصبہ کی اِس مسجد کو جامع مسجد میں تبدیل کیا گیا اور اُنہوں نے اِس میں سب سے پہلا جمعہ پڑھایا۔ بعد میں اُن کے فرزند مولانا عبدالواحد سہروردی کو یہ فریضہ سپرد کیا گیا اور اُن کی وفات پر اُن کے بڑے فرزند مولانا عبدالعزیز سہروردی (مرحوم) نے کافی دیر تک اِس جامع مسجد میں امامت کی۔ اُن کی وفات کے بعد مولانا غلام حسین امام مقرر ہوئے۔

بھدرواہ کی دیگر مساجد:

اِس باب کے آغاز میں ذِکر ہو چکا ہے کہ اِس قدیم راجوڑہ شاہی کے ہر گاؤں میں مقامی طور پر مساجد تعمیر ہوئی ہیں جن میں بہت سی جگہوں پر عالیشان مساجد میں نمازِ جمعہ بھی قائم کی گئی ہے اور ضرورت کے مطابق اُن مساجد کو وسیع' کشادہ اور خوبصورت بنایا جارہا ہے۔ قصبہ بھدرواہ میں ہی مسجد صرافاں اور گرین کالونی مسجد میں نمازِ جمعہ کا اہتمام کیا گیا ہے۔ اوالذکر جامع مسجد بڑی خوبصورت اور کشادہ ہے جب کہ مسجد گرین کالونی دو منزلہ ہونے کے باوجود نامکتفی ہے۔ اب اِس مسجد کو بھی وُسعت دی جارہی ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اب اِس کی تیسری چھت بھی مکمل ہونے کے قریب ہے۔ قصبہ میں محلّہ قلعہ کی مسجد قلعہ بھدرواہ کے نچلے حصّہ میں ایک خوبصورت جگہ پر واقع ہے' جس کا درمیانی گنبد اور مینارے حال ہی میں تعمیر ہوئے ہیں۔ اِسی طرح سے محلّہ پاسری کی مسجد دو منزلوں پر مشتمل ہے جس کے ساتھ امام صاحب کی رہائش کے لئے ایک کمرہ ہے اور حمام بھی تعمیر کیا گیا ہے۔ موضع چنوت' ڈنڈی اور اُدرانہ کے علاوہ پونیجہ' سونگلی' دریچہ' سارنہ اور سرتنگل میں واقع مساجد بھی دیدہ زیب ہیں۔ گاٹھ میں بھی ایک بڑی اور خوبصورت مسجد تعمیر ہوئی ہے۔ اِس میں نماز جمعہ کا بھی اہتمام کیا گیا ہے۔ وادئ بھدرواہ کے علاوہ اِس قدیم راجواڑے کے ہر گاؤں میں مساجد تعمیر ہوئی ہیں جن کی تفصیل بہت لمبی ہے۔ اِس لئے مختلف علاقوں کی چیدہ چیدہ مساجد کا ہی ذِکر یہاں کیا جاسکتا ہے۔ علاقہ کیلاڑ کی مساجد میں بھالہ اور ملوٹھی کی مساجد قابلِ دید ہیں۔ مرمت کے ہر گاؤں میں مساجد تعمیر ہوئی ہیں جن میں موٹھی' منگوتہ' گوہا' رچھو' بھونتہ' باڑی' وغیرہ کی مساجد مقامی ضروریات کو پورا کرتی ہیں۔ اِن میں نمازیوں کی اچھی رونق رہتی ہے۔ اِسی طرح سے عسر اور جھٹی اور کوڑاپانی کے مقامات پر بڑی خوبصورت مساجد تعمیر ہوئی ہیں۔ کھلینی میں بھی ایک چھوٹی سی مسجد

بنائی گئی ہے۔علاقہ چنتہ' مانوہ' کُرساڑی اور علاقہ چراہلہ میں سنار ٹھاوا اور دُوسرے مقامات پر بھی مساجد تعمیر ہوئی ہیں۔بھیلہ' تھلیلہ' جنگلواڑ' ٹھاٹھری' چیڑہ' شواہ' فگسو وغیرہ کی مساجد بھی نئی طرزِ تعمیر پر تیار کی گئی ہیں۔اِسی طرح علاقہ بھلیس اور بونجواہ کے ہر گاؤں میں بہت خوبصورت ڈھنگ سے مساجد کی تعمیر عمل میں لائی گئی ہے۔اِن میں ملانوں' ہلارن' جوڑہ' کوٹہ' باتھری' ٹانٹہ' چالر' چنیاس' جکیاس' بھٹیاس' چلی' سنوراہ' ملت انہاڑہ' گندو' گواڑی' بھرتی' سِتّوں' اچھیر' دریوڑی' گرٹیکھڑا' سوتی' چنگا' ڈوڈوار' کھڑانگل کلہوتران اور دیگر کئی مقامات پر مساجد کی تعمیر لوگوں نے اپنی خون پسینے کی کمائی سے کی ہے۔اِن میں سے کئی مقامات پر اب نمازِ جمعہ بھی قائم کی گی ہے' جن میں گندو' جکیاس' اچھیر اور گرٹیکڑا کی جامع مساجد شامل ہیں۔

جامع مسجد گندو بھلیسہ:

دریائے کالگنی صدر مقام گندو کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔قصبہ گندو کا بیشتر حصّہ دریا کے مغرب میں آباد ہے' جس میں بہت سے مکانات' سرکاری دفاتر' سکول اور کچھ دوکانیں واقع ہیں۔دریا کے مشرق میں پُل کے پار ایک خوبصورت تین منزلہ جامع مسجد تعمیر ہوئی ہے۔اِس کے ساتھ میں ایک سرکاری ڈاک بنگلہ بھی موجود ہے۔ یہ دونوں عمارتیں ٹھاٹھری۔ کلہوتران روڈ سے نکالی گئی ایک بائی پاس سڑک سے ملی ہوئی ہیں۔گندو-ستّوں- بھدرواہ روڈ تعمیر ہونے کے بعد یہ دونوں حصّے گاڑیوں کی آمدورفت سے آپس میں مل جائیں گے۔گندو کے مشرقی حصّہ میں ٹھاٹھری۔ کلہوتران روڈ پر بہت سی دوکانیں اور چند مکان تعمیر ہوئے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ ۱۹۷۰ء تک اِس مقام پر کوئی مسجد تعمیر نہیں ہوئی تھی۔بقولِ حاجی غلام رسول چوگانی ''چودھری کریم بخش نے اپنی ملکیتی اراضی سے کئی کنال کا رقبہ جامع مسجد گندو اور یہاں کی عیدگاہ اور درس گاہ کے لئے وقف کیا تھا' جس میں موجودہ

جامع مسجد شریف تعمیر کی گئی ہے۔'' چودھری صاحب کو بہت سے مقامی بزرگوں اور ذی قدر باشندوں نے اِس مسجد کی تعمیر کے لئے اپنی خدمات پیش کی تھیں، جن میں چودھری سلام دین، احداللہ ڈار، حاجی محمد کھانجی، حاجی نور محمد، مسٹر عبدالقیوم اور غلام مصطفےٰ وغیرہ شامل تھے۔ اِس مسجد شریف کی تعمیر ۱۹۷۰ء میں مکمل ہوئی اور اُسی سال سے اِس میں نمازِ جمعہ کا بھی اہتمام کیا گیا۔ اُن اصحاب کی خدمات کی تصدیق اسیر کشتواڑی نے اپنی کتاب ''تصویر ضلع ڈوڈہ'' میں بھی بحوالہ حاجی شاہ دین ڈار کی ہے۔ اِس جامع مسجد میں گندو کے علاوہ دُوسرے ملحقہ موہڑوں سے بھی لوگ نمازِ جمعہ کی ادائیگی کے لئے آتے ہیں۔ اِس مسجد میں سینکڑوں لوگ نماز ادا کر سکتے ہیں۔

جامع مسجد چنگا:

بقولِ حاجی غلام رسول چوگانی ''علاقہ بھلیس میں سب سے پہلی مسجد موضع کلہوتران میں بیسویں صدی کی دُوسری دہائی میں تعمیر کی گئی تھی۔ اِس کے بعد موضع ڈوڈوار کی محلّہ مسجد بنی۔ اُسی صدی کی تیسری دہائی میں چنگا کے مقام پر ایک محلّہ مسجد تعمیر ہوئی۔ بعد میں خواجہ غلام رسول آزاد (مرحوم) کے مشورہ سے اِس کی تعمیرِ نو اور کشادگی کے اقدامات اُٹھائے گئے۔ یہاں تک کہ چوتھی دہائی میں اِس میں نمازِ جمعہ کا بھی اہتمام کیا گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد آزاد صاحب نے یہاں پر انجمن اِسلامیہ بھلیس کی بنیاد ڈال کر لوگوں کو جامع مسجد چنگا کی دُوسری منزل تعمیر کرنے کے لئے آمادہ کر لیا اور خود چندہ جمع کرنے کے لئے گاؤں گاؤں جاتے رہے۔ بہت سے لوگوں کو ساتھ لے کر ماہ اسوج ۱۹۵۹ء کو گنگل'' سے دریائی مہان کے ذریعے لکڑی ''چنگا'' تک پہنچائی اور اِس کارِ خیر کو انجام دے کر ہی دم لیا۔ اِس مشن میں جن اصحاب نے اُن کے ساتھ تعاون کیا اُن میں خواجہ حضر جو بٹ، غلام قادر بٹ، چودھری ہاشم دین، گلزار میر، حاجی احد بٹ، غلام محمد بٹ، رحمت اللہ بٹ اور دیگر سینکڑوں مسلمانانِ علاقہ شامل

تھے۔''اُن میں سے بہت سے اصحاب اِس دُنیائے فانی سے کوچ کر چکے ہیں لیکن اُن کی محنت کا ثمرہ آج بھی اِس خوبصورت جامع مسجد کی صورت میں زِندہ اور تابندہ ہے۔

چوگانی صاحب کے مطابق ''چنگا میں ۱۹۵۳ء میں جناب غلام رسول آزاد (مرحوم) نے درسِ قرآن مولوی شمس الدین صاحب وانی سے شروع کروایا اور بذاتِ خود مولوی صاحب کی تنخواہ کے لئے چندہ جمع کرنے کے لئے نکلے۔ پہلے دِن صرف بارہ روپے جمع ہوئے۔ بعد میں یہ کام حاجی احد بٹ کے سپُرد کیا گیا۔ یہاں پر قائم کی جانے والی پہلی نمازِ عید میں علاقہ جلوط، بسنوتہ اور پنگل کے علاقوں سے لوگوں نے آکر بڑی گرم جوشی اور خوشی سے شرکت کی۔ اب یہ مسجد پختہ اور کشادہ کردی گئی ہے اور اِس کے ساتھ ۱۹۷۰ء سے ''اسرارِ العلوم'' کے نام سے ایک بڑی درس گاہ قائم کی گئی ہے۔

کچھ عرصہ پہلے اِس دومنزلہ جامع مسجد شریف کو شہید کر کے ایک نئے خرید کردہ قطعہ زمین پر نئے سرے سے تین منزلوں کی صورت میں دوبارہ تعمیر کیا گیا۔ اِس کی چھت پر سلیب ڈالا گیا ہے اور ایک مینار کا نصف حصّہ بھی تیار ہو چکا ہے۔ اِس کے دونوں مینار ساٹھ ساٹھ فٹ اُونچے ہوں گے۔ آج تک تعمیر پر قریباً ۸۰ لاکھ روپے تک خرچ آچکا ہے۔ مسجد شریف کی اِنتظامیہ نے ایک بیوہ (زوجہ رشید بیٹ) سے اضافی زمین مبلغ چھیالیس (۴۶) ہزار روپے میں خرید کی ہے۔ نئی تعمیر کمیٹی کی سربراہی مسٹر غلام حسین بھال کررہے ہیں اور مولانا شوکت صاحب سیکریٹری اور شفیع صاحب بٹ خزانچی کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ اِس تعمیر میں آزاد کنبے کے افراد خصوصاً غلام مصطفےٰ آزاد اور غلام محمد صاحب حکیم نے کافی حد تک معاونت کی ہے۔ نئی مسجد شریف کی بنیاد ۲۰۰۳ء کے دوران ڈالی گئی تھی۔ اِس مسجد میں پانچ چھ ہزار نمازی نماز ادا کر سکتے ہیں۔ صحن میں بھی متعدد لوگ یہ فریضہ ادا کر سکتے ہیں۔ چنگا کی جامع مسجد علاقہ بھلیس کی موجودہ مساجد میں سب سے بڑی ہے، جو ڈیڑھ کنال زمین پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔[1]

---

[1] راوی: مولانا شوکت نائیک، ساکن دلینی، سفیر اسرار العلوم چنگا

جامع مسجد بھٹیاس:

موضع باڑی جکیاس میں جامع مسجد شریف کی تعمیر کا کام ۱۹۷۴ء میں شروع کیا گیا تھا۔ اِس سے قبل اِس مسجد شریف کے پلنتھ تک کا کام احمد ملک تلوگڑہ (مرحوم) اور عبدالعزیز میر (مرحوم) ساکن موضع بدھلی اور دیگر مقامی کارکنان کے ہاتھوں تکمیل پذیر ہوا تھا۔ ۱۹۷۴ء میں تعمیری کام کی نگرانی الحاج غلام قادر بٹ کے سپرد کی گئی جبکہ اِس کو جامع مسجد قرار دیا گیا۔ اِس سے قبل نمازِ جمعہ بھٹیاس والی مسجد شریف میں ادا کی جاتی رہی۔ الحاج غلام قادر بٹ' غنیتہ العلوم اخیار پور جکیاس کے ساتھ ساتھ اِس عظیم جامع مسجد کی تعمیر کو بھی پایہ تکمیل تک پہنچانے کی سرتوڑ کوشش کررہے ہیں۔ یہ مجوزہ چار چھت مسجد علاقہ بھلیس کی مساجد میں سب سے بڑی جامع مسجد ہوگی' جس میں ہزاروں لوگ نماز ادا کرسکیں گے۔ اِس مسجد شریف کی لمبائی ۸۵ فُٹ ہے اور چوڑائی ۵۷ فُٹ ہے۔ پہلے چھت کی اُونچائی ۱۴ فُٹ ہے۔ مسجد کے اندر دو ستون تعمیر ہوئے ہیں جن کی اُونچائی ۱۳ فُٹ ہے۔ کُل ملا کر گولائی ۵ فُٹ ۹ اِنچ ہے۔ اِس میں سولہ عدد کھڑکیاں' جن کا سائز ۸x۷ اور ۷x ۲.۵ فُٹ ہے' نصب کی گئی ہیں۔ تین بڑے دروازے ہیں اور ۹' ۴.۴x ۹' ۱۰ کی ایک محراب ہے۔ مسجد شریف کے اندر ۲ فُٹ ۱۶ انچ لمبا منبر بھی تعمیر کیا گیا ہے۔ دُوسرے اور تیسرے چھت کی پیمائش یکساں ہے۔ چوتھا چھت درمیان سے ۶۳x۴۵ ہے۔ دو مینار ۹' x۲۱ گولائی اور ۹' x۱۱ پیمائش کے ہیں۔

جامع مسجد چلی:

علاقہ چلی بالا میں بھی ایک پرانی مسجد واقع ہے جو ۱۹۴۷ء سے پہلے تعمیر ہوئی تھی۔ یہاں پر بھی نماز جمعہ کا قیام کئی سال پہلے عمل میں لایا گیا ہے۔ آبادی بڑھ جانے کی وجہ سے پرانی مسجد نامکتفی ہو چکی تھی لیکن اب اِس کو نئے سرے سے تعمیر کیا گیا

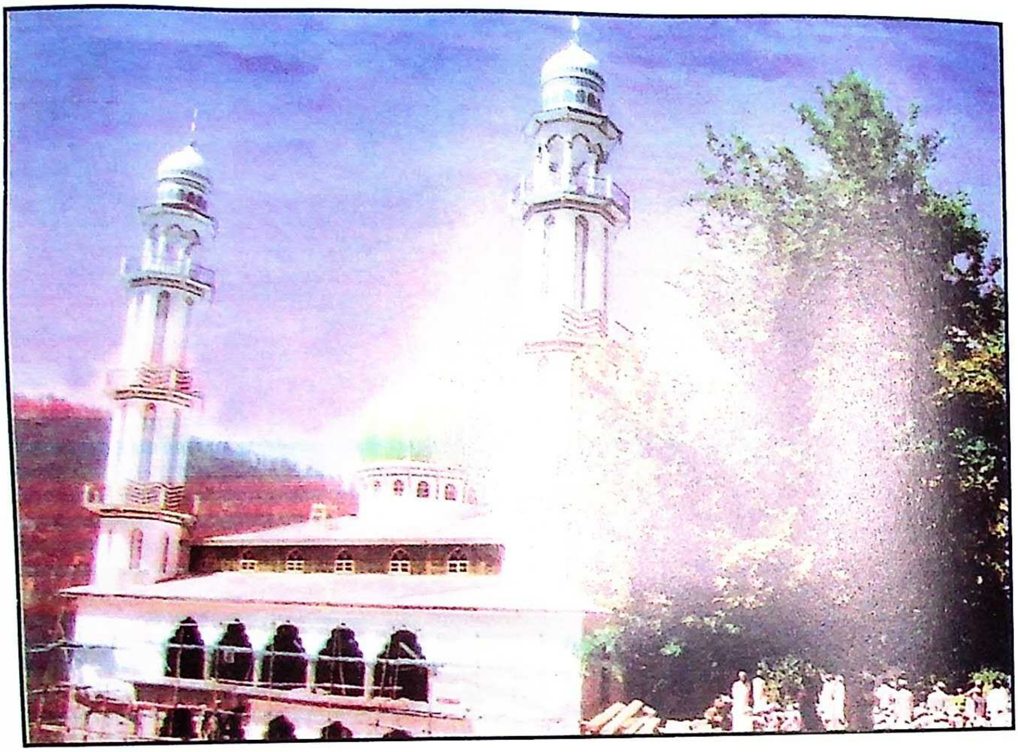
ہے۔ اِس میں لوگوں کی بھاری تعداد بہ یک وقت نماز ادا کر سکتی ہے۔ چلی کے ملحقہ دیہات ملت اور سنواراوغیرہ میں بھی مساجد تعمیر ہوئی ہیں۔

جامع مسجد بنون (بونجواہ):

یہ اِس علاقہ کی سب سے پرانی مسجد ہے جو موضع بنون میں تعمیر کی گئی ہے۔ یہ ۱۹۴۷ء سے پہلے ایک محلّہ مسجد کے طور پر بنائی گئی تھی لیکن بعد میں ۱۹۸۳ء کے دوران اِس کی کشادگی کا کام مکمل کیا گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد اِس کو پھر شہید کر کے نئے طرزِ تعمیر پر وسیع اور کشادہ کر کے سہ منزلہ کر دیا گیا۔ ڈھائی تین کنال رقبہ میں تعمیر شدہ جامع مسجد بنون دُور دُور سے دعوتِ نظارہ دیتی ہے اور جامع مسجد بھدرواہ کے نقشہ کے مطابق اِس کی تعمیر جاری ہے۔ اِس کے مینار اور درمیانی گنبد تیار ہو چکے ہیں۔ تقریباً ایک ہزار سے زائد نمازیوں کے لئے یہ مکتفی ہے۔ علاقہ بونجواہ میں سب سے پہلا جمعہ اِسی مسجد شریف میں قائم کیا گیا تھا۔ مسجد شریف بنون سے ملحقہ ایک قدرتی چشمے پر نمازیوں کے لئے غُسل خانے بھی تعمیر کئے گئے ہیں۔

بونجواہ کی دیگر مساجد:

علاقہ بونجواہ کی دُوسری مساجد میں مسجد شریف نالی (اب جامع مسجد)، موہڑہ مسجد جوالا پور، مسجد شریف نوری، مسجد شریف پتنازی بھی تعمیر کی جا چکی ہیں اور کئی درس گاہیں بھی قائم کی گئی ہیں، جن میں درس گاہ نالی، درس گاہ چکرون اور درس گاہ پتنازی اپنی اپنی عمارتوں میں دینی تعلیم سے بچوں کو آراستہ کر رہی ہیں۔ ان میں متعدد غریب اور یتیم بچے فیضیاب ہو رہے ہیں۔ کچھ مدرسوں میں نصابی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ علاقہ بونجواہ کے بہت سے موضع جات میں محلّہ مساجد تعمیر ہوئی ہیں جن کا تفصیلی ذِکر کرنا اِن اوراق میں ممکن نہیں ہے۔ البتہ جامع مسجد پتنازی تقریباً بیس سال پہلے محلّہ



جامع مسجد جکیاس



مسجد گڑھنگل مرمت

مسجد کے طور پر تعمیر ہوئی تھی، جواب دومنزلہ ہے اور اِس کے ساتھ غُسل خانوں کا بھی اہتمام کیا گیا ہے۔ نمازیوں کی ایک بڑی تعداد یہاں پر نماز ادا کرتی ہے۔ ۲۹رفروری ۲۰۰۷ء اور یکم مارچ ۲۰۰۸ء کی درمیانی رات کو موضع نالی علاقہ بونجواہ میں اچانک آگ نمودار ہوئی جس کی زد میں پانچ رہائشی مکانوں اور دس دوکانوں کے علاوہ ایک مسجد شریف اور ایک مدرسہ کی عمارت مکمل طور پر خاکستر ہوگئے۔ وزیراعلیٰ غلام نبی آزاد نے فوری طور پر وہاں کا دورہ کرکے صورتِ حال کا جائزہ لیا اور اِس مسجد کی تعمیر نو کے لئے پانچ لاکھ روپے کی امداد کی پیش کش کی اور لوگوں کو معاوضہ دینے کا یقین دِلایا۔

جامع مسجد ٹھاٹھری:

شاہراہ بٹوت۔ کشتواڑ کے ٹھاٹھری کے مقام پر سب سے پہلی مسجد شریف برلبِ سڑک تعمیر ہوئی جس کی لمبائی ۲۰ فُٹ اور چوڑائی ۱۷ فٹ ہے۔ اِس کے نیچے چند دوکانیں بھی ہیں۔ پھر دُوسری مسجد شریف سڑک کے بالائی حصّہ میں ۲۰×۴۰ رقبہ میں تعمیر ہوئی۔ آبادی بڑھ جانے کی وجہ سے اِس مسجد شریف کو وُسعت دی گئی۔ اِس کے ساتھ ایک مدرسہ بھی تعمیر ہوا۔ یہ کام ۱۹۹۹ء میں شروع ہوا۔ نئی مسجد شریف میں ۶۰×۷۰ کا گراؤنڈ فلور، یعنی پہلی منزل تیار ہوگئی ہے۔ اب دُوسرے چھت کی تعمیر کا کام بھی شروع کردیا گیا ہے، جس پر سلیب لیول تک کام ہوچکا ہے۔ دُوسرے ہی چھت سے مینار بھی اُٹھائے جارہے ہیں۔ بیموں پر لینٹر بھی ڈالا گیا ہے۔ اِس جامع مسجد شریف کے ساتھ ایک کشادہ صحن بھی تیار کیا گیا ہے، جس کی لمبائی ۷۰ فُٹ اور چوڑائی ۳۰ فُٹ ہے۔ جمعہ کے روز بہت سے نمازی گراؤنڈ میں بھی نماز ادا کرتے ہیں۔ اِس مسجد شریف میں دو سے تین ہزار تک لوگ نماز ادا کرسکتے ہیں۔ جامع مسجد ٹھاٹھری پر آج تک لاکھوں روپے خرچ ہوچکے ہیں۔ اِس کے قریب ہی ایک محلّہ مسجد بھی ہے۔[1]

---

[1] راوی: خواجہ غلام نبی کچلو ساکن ٹھاٹھری

گوگاڑا، کاہرہ اور ہلارن کی جامع مساجد:

علاقہ ملانوں گوگاڑا کی جامع مسجد موضع گوگاڑا میں تعمیر ہوئی ہے، جو دو منزلہ ہے۔ اِس کی چھت ٹین کی ہے اور بیچ میں ایک گنبد بہت خوشنما لگتا ہے۔ اِس جامع مسجد میں علاقہ بھر کے مسلمان نمازِ جمعہ ادا کرتے ہیں۔ یہ وقتی ضروریات کو پورا کرتی ہے۔ اِس علاقہ کی موہڑہ مساجد میں ملانوں، ترہنکل، ٹانٹہ، کنچہ، جوڑا اور ہلارن کی مساجد شامل ہیں۔ ہلارن میں بھی نمازِ جمعہ کا اہتمام کیا گیا ہے۔ دُوسری طرف کاہرہ میں بھی جامع مسجد تعمیر ہوئی ہے جو موضع ٹھاٹھری۔ کلھوتران روڈ پر واقع ہے۔

علاقہ مرمت کی جامع مساجد:[1]

جامع مسجد بہوتہ:

علاقہ مرمت (کھسال) کی سب سے بڑی جامع مسجد موضع بہوتہ میں واقع ہے۔ کہا جاتا ہے کہ رقبہ کے لحاظ سے یہ ضلع ڈوڈہ میں تیسرے نمبر پر آتی ہے، اب جو تیسری بار تعمیر کے مراحل سے گزر رہی ہے۔ یہ جامع مسجد دو منزلہ ہے اور ۷۰×۷۰ فُٹ کے رقبہ پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔

جامع مسجد باڑی:

جامع مسجد باڑی اب تعمیر کے پانچویں مرحلہ سے گزر رہی ہے، جو عنقریب ہی تکمیل کے مراحل پورا کرے گی۔ یہ دو منزلہ مسجد ۴۵×۴۷ فُٹ کے رقبہ پر تعمیر کی گئی ہے اور اِس کے ساتھ غسلخانے بھی بنائے گئے ہیں۔ اِس میں کم از کم ایک ہزار لوگ نماز ادا کر سکتے ہیں۔

---

[1] علاقہ مرمت کی مساجد کی تفصیل مسٹر نذیر احمد وانی (سرپنچ) ساکن موضع باڑی نے فراہم کیں۔ موصوف ایک سرگرم سماجی کارکن ہیں۔

جامع مسجد منگوتہ:

اِس مسجد شریف کی تعمیر قریباً بیس سال پہلے مکمل ہو چکی تھی۔ ۴۰×۴۰ فُٹ کے رقبہ پر یہ دومنزلہ مسجد پہلے تعمیر کی گئی مساجد میں سرفہرست ہے۔

جامع مسجد گوہا:

اس مسجد شریف کا سنگِ بنیاد حکیم رحمت اللہ صاحب نے ۱۹۷۸ء میں ڈالا تھا۔ یہ مسجد ۳۰×۲۱ فُٹ کے رقبہ میں تعمیر ہوئی ہے اور دومنزلہ ہے۔ اِن مساجد کے علاوہ جامع مساجد موٹھی، بارکوٹ لبٹر، روٹ اور رچھو وقتاً فوقتاً تعمیر کی گئی ہیں، جو مقامی نمازیوں کی عباداتی ضروریات پورا کرتی ہیں۔

علاقہ کیلاڑ کی جامع مساجد:[1]

جامع مسجد ڈوگلی:

علاقہ کیلاڑ کی یہ مسجد قدیم مساجد میں شمار ہوتی ہے، جس کی بنیاد قریباً چالیس سال پہلے رکھی گئی تھی۔ یہ دومنزلہ مسجد شریف ۳۰×۳۰ فُٹ کے رقبہ پر تعمیر ہوئی ہے۔ اِس کی چھت پر ٹین کی چادریں اِستعمال ہوئی ہیں اور دُوسری منزل میں سیمنٹ کا بھی اِستعمال کیا گیا ہے۔ اِس کے علاوہ بجلی وغیرہ کی فٹنگ بھی مکمل کی گئی ہے۔ وضو وغیرہ کے لئے پانی کی فراہمی کا بھی اہتمام کیا گیا ہے۔

جامع مسجد ملوٹھی:

یہ دومنزلہ جامع مسجد ۴۰×۴۰ فُٹ کے رقبہ پر تعمیر کی گئی ہے۔ اِس کی دُوسری منزل ابھی تشنہ تکمیل ہے۔ یہ مسجد تقریباً بیس سال پرانی ہے، جو مقامی ضروریات کو کسی حد تک پورا کر رہی ہے۔ ابھی تک اِس کے ساتھ کوئی غسلخانہ تعمیر نہیں ہوا ہے۔

---

[1] علاقہ کیلاڑ کی مساجد کے بارے میں معلومات الحاج ماسٹر غلام علی ملک، ساکن موضع ڈنڈا کیلاڑ نے فراہم کیں۔ راقم اُن کا مشکور و ممنون ہے۔

جامع مسجد ڈوگہ:

یہ جامع مسجد ۱۹۶۰ء سے پہلے تعمیر ہوئی ہے جو ۳۵x۳۰ فٹ کے رقبہ پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اِس مسجد شریف میں ابھی بجلی کا اہتمام نہیں کیا گیا ہے' تاہم یہ دومنزلہ مسجد یہاں کی مقامی ضروریات کو پورا کرتی ہے۔

مسجد شریف بھالا:

مسجد شریف بھالا کو حال ہی میں کشادہ کر کے پختہ کر دیا گیا ہے۔ اِس کی پہلی منزل پر سلیب ڈالا گیا ہے اور دُوسری منزل کی تکمیل کا منصوبہ بھی تیار کیا گیا ہے۔ یہ برلبِ سڑک واقع ہے' جس کے ساتھ ہی ایک قدیم چشمہ بھی ہے جو نمازیوں کی فوری ضرورت کو پورا کرتا ہے۔ اِس جگہ پر غسل خانوں کی تعمیر کی اشد ضرورت محسوس کی جارہی ہے۔

دیگر موضع جات میں بھی دیہی سطح کی کئی چھوٹی چھوٹی مساجد تعمیر ہوئی ہیں یا تعمیر کی جارہی ہیں۔

بھدرواہ میں ناگ کلچر:

سرزمینِ بھدرواہ قدیم زمانے سے ہی بودھ مت' شیومت اور ناگ فلسفے کے زیرِ اثر رہی ہے۔ یہاں کے اہل ہنود عام طور پر ''ناگ پوجا'' ہی کو ترجیح دیتے ہیں اور یہ مسلک اُن کی تہذیب وتمدن کا ایک جزو لاینفک بن گیا ہے۔ مندروں میں پوجا پاٹھ کے دوران' میلوں اور تہواروں کی تقریبات میں' یاتراؤں' سماجی اور مذہبی قسم کی رسومات کی ادائیگی کے وقت' شادی بیاہ جیسے مواقع پر یہاں تک کے اُن کی زِندگی کے ہر شعبے میں ناگ دیوتاؤں سے جڑے ہوئے اعتقادات نمایاں طور پر چھائے رہتے

ہیں۔ان دیوتاؤں میں ''شیش ناگ'' (جسے انت ناگ بھی کہا جاتا ہے)، ''واسکی ناگ'' اور ''تکشت ناگ'' زیادہ مقبول ہیں۔ ناگ دیوتاؤں کو مقامی طور پر قدیم عقیدے کے مطابق کشپ رِشی اور اُس کی بیوی کدرو کے جنسی ملاپ کے نتیجہ میں پیدا شدہ ''برتر رُوحیں'' تصور کیا جاتا ہے۔ اِسی وجہ سے ناگ دیوتاؤں کے مندر جگہ جگہ تعمیر کئے گئے ہیں۔ ''شیش ناگ'' کی پوجا اِس قدیم راجواڑے کے ہر حصّہ میں کی جاتی ہے لیکن حلقہ خاص اور اُدرانہ میں خصوصی طور پر اِس دیوتا کی پرستش ہوتی ہے۔ان حلقوں میں ''واسکی ناگ'' کو بھی بہت اہمیّت حاصل ہے۔ ''تکشت ناگ'' کا مندر بھدرواہ اور چنتہ کے درمیان واقع تھوبا کے مقام سے گزرنے والی پرانی پیدل سڑک کے سرے پر صدیوں پہلے تعمیر کیا گیا تھا' جس کی اب مرمت کی جا چکی ہے۔ اِس مندر میں ہر سال ایک بار خصوصی پوجا کا اہتمام ہوتا ہے۔ علاقہ چنتہ میں ہی ''سبھار دھار'' کے اُونچے سرے پر ''شیش ناگ'' کا ایک قدیم مندر واقع ہے جو چنتہ سے چار پانچ میل کی اُونچائی پر تعمیر ہوا ہے۔ یہ بھدرواہ قصبہ سے بھی دِکھائی دیتا ہے۔ مقامی بولی میں اِسے ''دھیریُرو ناگ'' بھی کہا جاتا ہے۔ اِسی طرح سے ''مہال ناگ'' کی پوجا بھلیس کے علاقہ میں واقع ایک قدیم مندر میں کی جاتی ہے۔

اِس امر سے اِنکار نہیں کیا جا سکتا کہ غیر منقسم جاگیر بھدرواہ میں قدیم زمانے سے آج تک ''ناگ پوجا'' کو وہ مقام حاصل رہا ہے جو کبھی ناگوں کے سب سے قدیم مسکن یعنی وادیٔ کشمیر میں کچھ عرصہ پہلے تک تھا اور جہاں سے ''ناگ دیوتا'' نقل مکانی کر کے بھدرواہ کی خوبصورت وادی میں وارد ہوئے تھے۔ یاد رہے کہ وادی میں شیو فلسفے کے چھا جانے سے ''ناگوں کی پوجا'' تقریباً ختم ہوتے دکھائی دیتی ہے۔ دُوسری طرف خطۂ ڈوڈہ کے اکثر حصّوں خصوصاً بھدرواہ میں ہندو باشندوں کے ان کے تئیں عقائد میں آج تک کوئی کمی واقع نہیں ہوئی ہے۔ اِس لئے وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ اب ناگ کلچر کی قدیم جھلکیں صرف اِن ہی علاقوں میں قائم رہی ہیں۔

''ناگ دیوتاؤں'' کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہر گاؤں میں ہر سال ''کڈ کے میلے'' لگتے ہیں۔ اِن میں سب سے قدیم اور ہر دلعزیز واسکی ناگ کا کڈ ہے۔ اِس کے بعد سبھار ناگ، مہال ناگ، بدھا ناگ، سرخ ناگ، اِچھادھاری ناگ، تکشت ناگ، نیل ناگ، پرجا دھار ناگ، ملوٹھے ناگ، کالی ناگ، لیتھ ناگ اور ملن ناگ وغیرہ دیوتا خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔''[1]

اِس قدیم راجواڑے کے لوگ کئی مواقع پر ناگ دیوتاؤں کو پرشاد پیش کرتے ہیں، جیسے بچہ پیدا ہونے پر، گائے وغیرہ سے پہلا دودھ لینے پر۔ چشموں کو ناگوں کا پُرانا مسکن جان کروہ کئی جھیلوں اور ناگوں پر یاترا کی صورت میں جاتے ہیں، جیسے کیلاش کنڈ، آشاپتی وغیرہ۔ بھدرواہ اور بھلیس کے علاوہ مرمت میں بھی کئی ناگ مندر موجود ہیں۔ کلھوتران مندر میں سُرخ ناگ کی پوجا ہوتی ہے۔ بھدرواہ کا واسکی ناگ مندر اپنی طرزِ تعمیر کے اعتبار سے سنگ تراشی اور مجسمہ سازی کا بہترین نمونہ ہے۔

ناگوں سے منسوب بھدرواہ کے چشمے:

وادئ بھدرواہ، بھلیس، مرمت، کیلاڑ، دراب، چراہلہ اور ٹھاٹھری کے علاقے ٹھنڈے اور شفاف پانی کے متعدد قدرتی چشموں سے بھرے ہوئے ہیں، جن کو روائتی طور پر ناگوں سے منسوب کیا گیا ہے اور جن کے پانی کو مقامی پتھروں سے تراشے گئے چشمے کے بیچ میں سے گزار کر کچھ اُونچائی سے نیچے گرایا گیا ہے۔ اِن چشموں کے اگلے حصّوں پر سانپوں کی شکلیں تراشی گئی ہیں۔ یہ چشمے یہاں کی قدیم سنگ تراشی کے اچھے نمونے ہیں۔ کسی کسی جگہ لکڑی سے بنائے گئے چشموں کا اگلا سرا بھی سانپوں کی شکل جیسا ہوتا ہے۔ ہر چشمے کے نام کے ساتھ لفظ ناگ کا لاحقہ ضروری طور پر شامل کیا گیا ہے، جیسے ناگ راج (ناگراد)، گگڑ ناگ راج (ناگراد)، پرنالہ ناگ راج (ناگراد)،

1۔ اِختصار بحوالہ ''ہسٹری اینڈ کلچر آف ڈوڈہ'' از: موہن لال آش

چابڑ اناگ، بن ناگڑ ین وغیرہ۔ یہاں سب چشموں کی تفصیل دینا ناممکن امر ہے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ وادیٔ کشمیر اور صوبہ جموں کے کشمیری بولنے والے علاقوں میں چشموں کو "ناگ" ہی کہا جاتا ہے اور "راج" کی جگہ "راڈ" کے الفاظ اِستعمال کئے جاتے ہیں۔

بھدرواہ میں ناگوں کی آمد:

"نیل مت پران کی ایک روایت کے مطابق، جس کا پہلے بھی ذکر آچکا ہے، جھیل "ستی سر" میں بسنے والے ناگوں کی اپنے ہی چچیرے بھائی گُرڈ کے ساتھ ایک مذہبی قسم کے جھگڑے سے پیدا شدہ دُشمنی کے نتیجے میں ناگ وادیٔ کشمیر کو چھوڑنے پر مجبور ہو کر بھدرواہ (بھدروکاس یا بھدرکاش) کی طرف بھاگ کر یہاں کے کچھ مقامات پر آباد ہوئے۔ بدلے کی آگ میں جلتے ہوئے گُرڈ اُن کی بیخ کنی کرنا چاہتا تھا۔ مذکورہ پران کے مطابق ناگ قبیلے کے کچھ افراد سب سے پہلے موضع گاٹھ (بھدرواہ) میں وارد ہوئے، جو اُن دِنوں ایک گھنا جنگل تھا اور جس میں لوگوں کا مال مویشی چرتا رہتا تھا۔ روایت کے مطابق ناگ اِنسان کی شکل بھی دھار لیتے تھے۔ ایک رات یہاں کی ایک خاتون کو اِس جنگل کے ایک درخت سے خواب میں ایک سانپ نکلتے ہوئے دِکھائی دیا، جس نے ایک شہزادے کی شکل اِختیار کر لی اور خاتون سے مخاطب ہو کر کہا کہ وہ کشپ ریشی کا بیٹا "واسکی ناگ" ہے جو اپنے چچازاد بھائی گرڈ کے خوف سے کچھ ناگوں کے ساتھ یہاں چلا آیا ہے۔ اُس نے خاتون سے مزید کہا کہ وہ لوگوں کے ذریعے جنگل کا ہموار حصّہ صاف کروا کر یہاں پر ایک مندر کی تعمیر کروائے۔ اِس پر لوگوں نے یہاں ایک مندر کی تعمیر کی، جو واسکی ناگ مندر کے نام سے ہی مشہور ہے۔ کہتے ہیں کہ اِس واقع کے بعد ہی واسکی ناگ بھدرواہ کا راجہ بنا۔ اُس نے "ناگوں کا تعاقب کرتے ہوئے گُرڈ سے کسی کے ذریعے ملاقات کا وقت لے کر اُس کو

یعنی گرڈ کو باور کرایا کہ اُس کے وتیرے سے ناگوں کی نسل کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اِس لئے وہ روزانہ ایک ہی ناگ کو کھایا کرے۔

کہا جاتا ہے کہ ''سیوج'' کے شہزادے ''جموت واہن'' نے ایک خاتون کے اِکلوتے بیٹے کی جگہ ایک دِن گُرڈ کو اپنا آپ پیش کر دیا۔ جب اُس لڑکے نے گرڈ کو اِس حقیقت سے روشناس کرایا کہ مذکورہ شہزادہ اُس کی جگہ اپنی جان کی قربانی دے رہا ہے تو گرڈ اس جذبۂ ایثار سے بہت متاثر ہوا اور اُس نے آئندہ کے لئے ناگوں کو مارنا بند کر دیا۔ اِس طرح سے ناگوں اور گرڈ کے درمیان صلح صفائی ہو گئی۔ واسکی ناگ نے ''جموت واہن'' کی قربانی کے مدِ نظر لوگوں سے کہا کہ وہ اُس کی پوجا سے پہلے مذکورہ ''واہن'' کی پوجا کیا کریں۔ اِسی وجہ سے واسکی ناگ کی مورتی کے ساتھ دائیں طرف ''جموت واہن'' کی مورتیاں ہر مندر میں نصب کی گئیں ہیں جس کی پوجا واسکی ناگ کی پوجا سے پہلے کی جاتی ہے۔ اِس کے بعد واسکی ناگ نے کیلاش کنڈ کو اپنا مستقل مسکن بنایا۔ اِن واقعات کے بعد ناگوں کے ساتھ کیا حشر ہوا' کسی کو معلوم نہیں ہے۔ تاہم بھدرواہ کی عنانِ حکومت ''ناگوں'' کے بعد ''پال'' خاندان کے راجوں کے ہاتھ آ گئی۔ آج کل ناگوں کا تصور اِنسانی شکل کے بجائے صرف سانپوں کی صورت میں ہی کیا جاتا ہے۔''[1]

عام روائت یہ ہے کہ واسکی ناگ گرڈ کے خوف سے' جبکہ وہ اس کا تعاقب کر رہا تھا' بھدرواہ آیا اور وہاں سے وہ کیلاش کنڈ میں کود کر چھپ گیا۔ گرڈ نے جھیل کا پانی ایک کونہ کاٹ کر باہر نکال لیا۔ واسک ناگ نے ''بھدرکالی دیوی'' سے رجوع کیا جس نے اُوپر والی جھیل کے پانی سے اِسے بھر دیا جس میں واسکی ناگ چھپا رہا۔ گرڈ مایوس ہو کر واپس چلا گیا۔ حقیقت کیا ہے مالک ہی جانے۔

---

[1] اِستفادہ: مضمون ''بھدرواہ میں ناگوں کی آمد'' (انگریزی) مشمولہ ''جے اینڈ کے رپورٹ'' ماہ اکتوبر ۲۰۰۶ء ترجمہ و تلخیص بشیر بھدرواہی

بھدرواہ کے قدیم تاریخی منادر

کالی دیوی کا مندر:

ناگ قبیلے کے لوگ جب وادی سے فرار ہو کر بھدرواہ کے شمال مشرق حصّہ میں واقع موجودہ موضع کپرہ میں ٹھہرے تو اُن دِنوں میں وادئ بھدرواہ کی حکمران ''دیوی بھدر کالی'' تھی۔ وہ یہاں کی مذہبی پیشوا بھی تھی۔ یہ مسلمہ طور پر مان لیا گیا ہے کہ بھدرواہ نام پڑنے کی وجہ ''بھدر کالی دیوی'' ہی تھی۔ زمانۂ قدیم میں بھدرواہ کا یہ خوبصورت علاقہ بھدر کالی کی ہی نسبت سے بھدر دیپ، بھدر دیش، بھدر آشرم اور بقولِ کلہن ''بھدراوکاس'' کہلاتا تھا۔ ناگوں کی یہاں آمد سے پہلے راجہ ناگ پال کے پوتے بھدر پال نے یہاں پر ''بھدر کالی'' کا مندر تعمیر کروایا تھا، جسے یہاں کا سب سے پرانا مندر تصور کیا جاتا ہے۔ یہ واسکی ناگ مندر کے پچھواڑے میں واقع ہے۔ بھدرواہ کا دُوسرا مندر موضع گاٹھ میں ہے۔ ناگ پال اوّل کے پڑپوتے بھدر پال نے بھدر کالی کا مندر تعمیر کروایا اور اپنے پردادا کی طرح ہی یہاں پر بہترین حکومت کی۔

ناگ پوجا عام ہونے کی وجہ سے یہاں پر زیادہ تر ناگ دیوتاؤں کے ناموں سے منسوب منادر تعمیر کئے گئے ہیں۔ دیوی بھدر کالی نے ایک بہن ہونے کے ناطے سے ناگوں کو بھدرواہ کے مختلف حصّوں میں بسایا۔ اپنے چھوٹے بھائی واسک ناگ کو بھدرواہ، اُٹھکھار اور چوبیہ کا علاقہ دے کر اُسے اُن علاقوں کا راجہ منتخب کیا۔ اِسی طرح اُنہیں کیلاش کی جھیل بھی ملی۔ بڑے بھائی شیش ناگ کو نالہ نیرو کے دائیں حصّے سے رہوشرا کی سرحد تک کا حصّہ سپرد ہوا، جس میں بدوتہ، دراب اور چنتہ کے علاقے شامل کئے گئے۔ بھلیس کا علاقہ مہال ناگ کو ملا جبکہ بھردر ناگ کو کتار کا علاقہ اور ناگنی کو منتھلہ اور ملینی کے گاؤں ملے۔ اِن علاقوں پر وہ حکومت کرنے لگے لیکن مرکزی حیثیت

واسکی ناگ کو ہی حاصل رہی ۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے اپنے دائرہ حکومت میں اِن دیوتا راجوں کے مندر بھی تعمیر ہوئے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہاں کے ہندو باشندوں کی اِن کے تئیں عقیدت بڑھتی گئی ۔ اِسی طرح سے وادئ بھدرواہ اور اِس کے قدیم علاقوں میں کچھ مشہور مندر تعمیر کئے جاتے رہے، جن میں واسکی مندر بھدرواہ، سبھار ناگ مندر یا شیش ناگ مندر سبھار دھار (چنتہ)، واسک ناگ مندر گاٹھ، واسک ناگ مندر نالٹھی، ناگ مندر تھوبا، شانتن ناگ مندر ڈہراسر تنگل، شیتل ماتا مندر رہوشرا (چنتہ)، ناگنی ماتا مندر متصل منتھلہ وغیرہ شامل ہیں ۔ اِس کے علاوہ حال ہی میں ''چنڈی ماتا'' کا مندر بھی موضع چنوت میں تعمیر کے آخری مراحل میں ہے اور اِس قدیم راجواڑے کے ہر حصّے میں مندروں کی تعمیر ہوئی ہے ۔قدیم مندروں میں گپت گنگا اور پاسری محلّہ بھدرواہ میں شیو جی کے مندر واقع ہیں ۔

''واسکی منادر'' میں تین مشہور مندر وادئ بھدرواہ کے محلّہ واسک ڈیرہ موضع گاٹھ اور موضع نالٹھی میں واقع ہیں ۔ان مندروں کی مورتیاں ایک جیسے کالے پتھر کی بنی ہیں ۔کہا جاتا ہے کہ ان مورتیوں کو بنانے کے لئے پتھر مچھندر نالہ سے حاصل کیا گیا ہے ۔اِن سب کا طرزِ تعمیر ایک جیسا ہے، البتہ واسک ڈیرہ کی مورتی زیادہ دلچسپی کی حامل ہے جو بغیر کسی سہارے کے اسّی (۸۰) درجے کا زاویہ بنائے ہوئے کھڑی کی گئی ہے ۔تینوں مندروں میں لکڑی کا اِستعمال کیا گیا ہے اور اِن کی تعمیر کے دوران بڑے بھاری شہتیروں کو کام میں لایا گیا ہے ۔

واسکی ناگ مندر:

(واسک ڈیرہ، گاٹھ اور نالٹھی)

قصبہ بھدرواہ میں اِس مندر کا محل وقوع بڑی اچھی جگہ پر ہے جس میں واسکی ناگ اور اُس کے ساتھی جموت واہن کی مورتیاں نصب کی ہوئی ہیں ۔ایک روایت

کے مطابق واہن نے گُرڈ کو اپنے جسم کا گوشت اس لئے پیش کیا تھا کہ وہ واسک کی جان بخشی کرے۔ یہ دونوں مورتیاں تقریباً چھ فُٹ اُونچی ہیں جو کندہ کئے ہوئے دوفُٹ اُونچے پائے یا پلیٹ فارم پر نصب کی گئی ہیں۔ اِن کا عکس زِندہ اِنسان کی طرح پُرکشش دکھائی دیتا ہے۔ بادی النظر میں یہ دونوں ایک دُوسرے کے مشابہ ہیں لیکن غور سے دیکھنے پر اُن کی اُونچائی کا فرق نمایاں ہوجاتا ہے۔ بھدرواہ کے اہلِ ہنود واسک ناگ کو ویشنو کے رُوپ میں پوجتے ہیں۔ ہر ایک مورتی کے سر پر سانپ کا ایک چکر بنا ہوا ہے۔ مورتیوں کے ایک ہاتھ میں چکر اور دُوسرے میں صدفہ یا سنکھ ہے۔ ان چار ہاتھوں والی مورتیوں کے دُوسرے دو ہاتھ دُوسری چھوٹی مورتیوں پر سہارا کئے ہوئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کالے سنگ مرمر سے تراشی گئی ہیں۔ اِن مورتیوں کے سنگ تراشوں کے بارے میں معلوم نہیں ہوسکا' البتہ صدیوں پرانی بنی ہوئی مورتیاں تروتازہ معلوم ہوتی ہیں۔ واسک ناگ مندر کی مورتیاں تیسری بار کی کوشش سے تیار کر کے نصب کی گئی ہیں جبکہ پہلی اور دُوسری کوشش کے دوران بنی ہوئی مورتیوں کو بالترتیب گاٹھ اور ناٹھی کے مندروں میں نصب کیا گیا تھا۔[1] گاٹھ کے لوگ بڑے وثوق کے ساتھ کہتے ہیں کہ اصلی ''واسک ناگ مندر'' اُن کا ہی مندر ہے۔ اِس لئے کیونکہ کیلاش یاترا کی شروعات بھی یہاں سے ہی ہوتی ہیں۔ گاٹھ کا مندر بھی ایک سرسبز میدان میں تعمیر کیا گیا ہے۔ جس کی وقتاً فوقتاً مرمت کی جاتی ہے۔ اِن تینوں مندروں کی چھتیں دیودار کی لکڑی سے بنائی گئی ہیں۔ ہر سال بیساکھی اور ناگ پنچمی کے مواقع پر اِن مندروں میں میلے منعقد کئے جاتے ہے۔ ماگھ کی سنکرات کو اِن سب مورتیوں کو ڈھانپا جاتا ہے اور تین ماہ تک محض اِن کے پاؤں کے سرے ہی نظر آتے ہیں' جن کو اِس دوران میں پوجا جاتا ہے۔ بیساکھی کے دِن اِن کی غلافیں اُتار دی جاتی ہیں۔ لوگوں کا

1۔ ڈاکٹر پریتم کرشن کول کے مطابق ''واسکی ناگ'' کا مندر واسک ڈیرہ بھدرواہ میں راجہ دھرت پال سترھویں صدی عیسوی میں تعمیر کروایا تھا۔

عقیدہ ہے کہ واسک ناگ پاتال چلے جاتے ہیں۔تہواروں کے علاوہ بھی اِن مندروں میں پوجا ہوتی رہتی ہے۔[1]

واسک ناگ کو کل دیوتا یا سرپرست دیوتا مانا جاتا ہے۔پروفیسر پریتم کرشن کول نے جی.ٹی.وائن کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ''چڑھت سنگھ والئی چمبہ نے بھدرواہی لوگوں کا اعتماد حاصل کرنے کے لئے بھدرواہ (خاص) اور گاٹھ میں واقع واسکی ناگ مندروں کی مرمت ۱۸۳۴ء میں کروائی تھی اور نئی مورتیاں بھی چمبہ سے لاکر یہاں اپنی نگرانی میں نصب کروائی تھیں۔''[2]

سبھار ناگ مندر:

بھدرواہ کی ایک دِلفریب اور قدرتی مناظر سے بھرپور وادی چِنتہ سے تقریباً چار پانچ کلومیٹر کی دُوری پر سطح سمندر سے ۲۰۰ ۰ اُفٹ کی اُونچائی پر ایک سرسبز وشاداب دھار ہرے جنگلوں کے آغوش میں واقع ہے' جو سبھار دھار کے نام سے مشہور ہے۔ چِنتہ سے ہی ایک پیدل راستہ گھنے جنگل سے گزرتے ہوئے اِس دھار کی طرف جاتا ہے جہاں اِس دھار کے اُونچے سرے پر ایک قدیم مندر ہے جو ''سبھار ناگ'' کے نام سے مشہور ہے۔سبھار یا سپھار کے معنی سانپ ہوتے ہیں۔اِسے سانپوں کی نسبت سے ''سانپوں کا مرگ'' بھی کہا جاتا ہے۔اِس دِلکش مقام سے وادیٔ بھدرواہ' کوہ کیلاش' آشاپتی اور سیوج دھار جیسے حُسن بھرے مقامات صاف طور پر دکھائی دیتے ہیں۔یہ دھار واقعی حُسنِ فطرت کے عجیب وغریب خزانے کی مانند ہے۔

اِس ناگ مندر کے ساتھ یہاں مقامی طور پر کئی روایات جڑی ہوئی ہیں' جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ''کسی چرواہے نے راستے میں ایک بوڑھے شخص کو دیکھا جو

---

[1] استفادہ: ''ناگا شرائنز'' از: جے.این.گنہار اور ''تصویر ضلع ڈوڈہ'' از: اسیر کشتواڑی

[2] بحوالہ: ''ہمالین پرنسی پیلٹیز'' صفحہ: ۱۹۶-۱۹۷

دراصل شیش ناگ تھا۔ اُس بزرگ نے چرواہے سے کہا کہ وہ سبھار دھار تک جانے میں اُس کی مدد کرے۔ چرواہا اپنی بھیڑ بکریاں کسی جگہ چھوڑ کر بزرگ کے ساتھ ہولیا۔ بزرگ نے اپنی شکل بدل کر سانپ کی صورت دھار لی اور چرواہے سے کہا کہ وہ یہاں پر ایک مندر تعمیر کروائے۔ بالآخر اُس وقت کے حکمران نے یہاں پر ایک مندر تعمیر کرایا' جس کے لئے ایک کالے پتھر کی مورتی تراش لی گئی۔''

یہ بھی مشہور ہے کہ جس کاریگر نے یہ مورتی تراشی تھی اُس کا ایک ہاتھ کاٹ دیا گیا تھا اور اُسے ہاتھ کے عوض موضع سرتنگل سے اُوپر ناٹھی گاؤں کے ساتھ ہی دوسو کنال زمین دے دی گئی تھی۔ اُس کاریگر (بت تراش) کا نام بستی رام بتایا جاتا ہے۔

کڈ میلوں کی شروعات:

بھدرواہ میں موسمِ سرما کے اِختتام اور موسمِ بہار کی آمد پر بیساکھی کے دِن ''کڈ'' میلوں کی شروعات سبھار دھار مندر سے ہوتی ہیں اور یہاں ہزاروں لوگ جمع ہو کر نئے موسم کی خوشیوں میں شامل ہوتے ہیں۔ اِس میلے میں بھدرواہ' چنتہ' چراہلہ' بھالڑہ وغیرہ علاقوں کے لوگ شریک ہوتے ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے تشدد پسندوں کے ہاتھوں اِس مندر کو نذرِ آتش کیا گیا تھا جس کی ہر طبقۂ خیال کے لوگوں نے مذمت کی تھی۔ یہ مندر نئی طرز پر تعمیر کیا گیا ہے۔ یہاں پر دُوسرا میلہ ''چنتہ کی یاترا'' کے دوران ماہ جولائی میں لگتا ہے۔ اُس روز بہت سے لوگ ہاتھوں میں مشعلیں لئے ہوئے یہاں پہنچ جاتے ہیں' جن کو ایک دُوسرے کے اُوپر رکھ کر کیمپ فائر کی سی شکل دی جاتی ہے۔ یکا یک یہ لکڑی لال انگاروں میں بدل جاتی ہے جس پر پجاری ننگے پیر چلتا ہوا نکل جاتا ہے۔

شانتن ناگ مندر:

موضع سرتنگل بھدرواہ کے ساتھ ہی ڈھیرا کے مقام پر موجودہ پاور ہاؤس

کے جنوب کی طرف ایک پہاڑی پر چھوٹا سا مندر ''شانتن ناگ مندر'' کے نام سے مشہور ہے۔ دیودار کے جنگل میں واقع ہونے کی وجہ سے یہ جگہ بہت ہی دِلکش نظارہ پیش کرتی ہے۔ گو کہ اِس مندر کے اندر کوئی بھی مورتی وغیرہ موجود نہیں ہے' تاہم مندر کے گرد ایک چھوٹا سا میدان ہے جس میں کچھ قدیم زمانے کے ''شیولنگ'' موجود ہیں۔ بقول مسٹر دیس راج کاٹل ——— ''ماضی قریب میں مندر کے احاطہ میں لارڈ سوریہ کا بُت دریافت ہوا ہے جو اِس مندر کی قدیم شان کے بارے میں بہت کچھ بتاتا ہے۔ شانتن ناگ' جو واسکی ناگ کے بہت سے بھائیوں میں سے ایک ہے' کو ایک طاقتور دیوتا خیال کیا جاتا ہے ———''

''——— یہاں کے مقامی لوگ وقتاً فوقتاً اِس مندر میں دیوتا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے جاتے رہتے ہیں۔ تاہم ہیرائی یاترا کے موقع پر' جب کہ یہ یاترا جولائی اگست کے مہینوں میں آتی ہے' ہر سال یہاں ایک بڑی تقریب کا اہتمام ہوتا ہے' جس میں پجاری مذہبی نعروں کی گونج میں جلتے ہوئے انگاروں کے ڈھیر کو ختم کر کے گرہنی دیتا ہے۔ کہتے ہیں کہ وہ اِس دوران کچھ پیش گوئیاں بھی کرتا ہے جن میں سے عموماً کچھ سچ نکلتی ہیں ———''[1]

ناگنی مندر:

جائی۔ بھدرواہ سڑک کے قریب ہی منتھلہ کے مقام پر شہر سے تقریباً چار کلومیٹر کے فاصلہ پر ''ناگنی ماتا'' کا مندر تعمیر ہوا ہے۔ یہاں مقامی طور پر ناگنی دیوی کی پوجا کی جاتی ہے۔ کچھ عرصہ سے اِس مندر میں بیساکھی کے دِن ایک بڑا میلہ لگتا ہے جس میں علاقہ اٹھکھار' بھدرواہ' چنتہ' چراہلہ وغیرہ سے لوگ آکر شریک ہوتے ہیں۔ اِس میلے کا اہتمام ناگنی سیوا سنگھ نامی ایک مقامی سوسائٹی کرتی ہے۔ سیوا سنگھ یاتریوں کے کھانے

---

[1] دیس راج کاٹل' مضمون ''دیس نو دِن ٹیمپلز'' جے اینڈ کے رپورٹر' جنوری ۲۰۰۷ء

پینے اور رہائش کا اِنتظام بھی کرتا ہے۔ اِس میلے کی ایک خصوصیت ''کڈ ناچ'' ہے، جس سے یاتری خوب لُطف اندوز ہوتے ہیں۔ بہت سی خواتین اور بچے بھی اِس میلے میں شرکت کرتے ہیں۔

ناگ مندر تھُوبا (چِنتہ):

بھدرواہ سے چِنتہ جاتے ہوئے تھُوبا کے مقام پر ایک قدیم مندر واقع ہے، جو شیو یا ناگ مندر تھوبا کے نام سے مشہور ہے۔ دراصل یہ مندر وادئ بھدرواہ اور وادئ چِنتہ کی دِلکش سرحد پر تعمیر کیا گیا ہے۔ مندر مکمل طور دیودار کی لکڑی کا بنا ہوا تھا جس کی مرمت کی جاتی رہی۔ یہ مندر بھدرواہ سے بھی دِکھائی دیتا ہے۔ موضع کریہی چِنتہ سے مالشرئی یاترا ہر سال خزاں کے موسم میں شروع ہوتی ہے۔ سبھی یاتری تھوبا مندر میں پہنچ کر ناگ پوجا کرتے ہیں۔ یہ اِس علاقے کی دُوسری بڑی یاترا ہے، جس میں بہت سے عقیدت مند شریک ہوتے ہیں۔

شیتل ماتا مندر (رہوشرا):

علاقہ چِنتہ کی حسین وجمیل وادی کے چاروں طرف بہت اُونچے مقامات پر کئی منادر واقع ہیں، جن کا ذِکر پہلے آچکا ہے۔ ایسا ہی ایک ''شیتل ماتا'' نامی مندر اِس علاقہ کے مشرقی حصّے کے ایک بلند و بالا مقام موسوم بہ ''رہوشرا'' واقع ہے، جو بہت ہی قدیم مندروں میں سے ایک ہے۔ اِس مندر کے ساتھ ایک دھرم شالہ بھی تھی۔ بدقسمتی سے یہ مندر اور دھرم شالہ بھی ملی ٹینسی کے دور میں کسی جنگجو گروپ کی تنگ نظری کا شکار ہو کر خاکستر ہو گئے۔ یہاں پر بھی سبھار دھار کی طرز پر ایک نئے مندر اور دھرم شالہ کی تعمیر عمل میں آرہی ہے، جس کے لئے یہاں کے عقیدت مندوں نے ایک مہم شروع کر دی ہے۔ اِس سلسلہ میں کافی رقومات جمع کی جارہی ہیں۔ اِس مندر میں شیتل ماتا کی

ایک بہت پرانی مورتی نصب کی گئی ہے۔ یہاں پر ہر موسم میں مقامی اور ریاست کے باہر سے یاتری آتے رہتے ہیں۔ سخت سردی کے موسم میں کچھ دیر کے لئے یاترا کا سلسلہ رُک جاتا ہے۔ سب سے بڑا میلہ اِس دھار پر آٹھویں نوراترے کو لگتا ہے جو اکتوبر یا نومبر کے مہینوں میں شروع ہوتے ہیں۔ اِس یاترا کا زیادہ تر کنٹرول چراہلہ کے پجاری کے ہاتھوں میں ہوتا ہے' جو وہاں کے موضع سنار ٹھاوا سے تعلق رکھتا ہے۔ سال بھر لوگ یہاں میمنوں کی قربانی کرتے ہیں' جن کا گوشت یاتریوں میں پرشاد کے طور پر بانٹا جاتا ہے۔

رہوشرا دھار کے ساتھ ہی جنطرون دھار کا سرسبز و شاداب میدان واقع ہے۔ یہ ساری جگہیں قدرتی مناظر سے مالا مال ہیں۔ موسم گرما میں یہاں قسم قسم کے پھول کھل آتے ہیں۔ اِس کے قرب و جوار میں پُھکلانی دھار بھی اپنے قدرتی حُسن کے لئے مشہور ہے' جہاں گرمیوں میں گوجر لوگ میدانی علاقوں سے آکر اپنا مویشی چراتے ہیں۔ جنطرون میں ایک قدرتی چشمہ بھی سال بھر لوگوں کی آمد و رفت کا باعث بنا ہے۔ یہاں کچھ اور چشمے بھی واقع ہیں جن میں یاتری اشنان کرتے ہیں۔

گپت گنگا مندر:

موضع دریچہ اور ہری پورہ اٹال گڑھ کے درمیان دریائے نیرو کے مشرقی حصّہ میں ایک خوبصورت مقام پر ''گپت گنگا'' کے نام سے موسوم ایک قدیم مندر تعمیر ہوا ہے۔ ایک مقامی روایت کے مطابق یہ مندر پانڈوؤں کی بھدرواہ میں جلا وطنی کے زمانہ سے تعلق رکھتا ہے۔ دراصل اِس مقام پر ایک میٹھے' صاف شفاف اور ٹھنڈے پانی کا چشمہ ہے' جو ایک گپھا سے نکلتا ہے۔ ''گپت گنگا'' کے معنی بھی چھپی ہوئی گنگا یا چھپا ہوا چشمہ ہے۔ اِس پانی کو ایک نالی کے ذریعہ سے نزدیک ہی نصب کئے گئے ایک ''شیو لنگ'' پر سے گرایا گیا ہے۔ ساتھ ہی ایک خوبصورت مورتی کو بھی ایک پتھر سے

تراشے گئے تختے پر کھڑا کیا گیا ہے۔ اِس مورتی کو بھی منچھند رنالے سے نکالے گئے کالے پتھر سے تراشا گیا ہے اور شیولنگ کو بھی۔ یہ فن سنگتراشی کے اچھے نمونے ہیں۔ یہ مندر پتھروں سے تراشی گئی سِلوں سے تعمیر کیا گیا ہے یہاں تک کہ اِس کے دروازے کا فریم بھی پتھروں ہی سے تراش کر بنایا گیا ہے۔ کہتے ہیں کہ پانڈووں نے بھدرواہ کو کشمیر سے گپت گنگا ہی کے زمین دوز راستے سے ملایا تھا۔ یہ راستہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مَسدُود ہوتا گیا اور اب صرف گُپھا کا کچھ حصّہ باقی ہے۔ یہاں ایک پتھر پر کسی کے پاؤں کے نشان بھی لگے ہوئے ہیں۔ روایت کی جاتی ہے کہ یہ نشان بھیم سین کے پاؤں کے ہیں، جو یہاں پر کافی دیر اپنے بھائیوں کے ساتھ جلاوطنی کے دِن گزار کر اِسی گپت راستے کے ذریعے کشمیر چلا گیا تھا۔ موجودہ مندر کو مختلف رنگوں کے روغن سے مزین کیا گیا ہے۔ مندر اگرچہ چھوٹا سا ہے لیکن ایک پہاڑ کے دامن میں بہت دلکش معلوم ہوتا ہے۔ اِس کا سنہری کلش دُور سے ہی دکھائی دیتا ہے۔ اِس مندر کو دُور دُور سے لوگ دیکھنے کے لئے آتے ہیں۔ چونکہ غار سے نکلنے والے چشمے کے منبع کا ظاہری طور پر کوئی پتہ نہیں چلتا، اِس لئے بقول گھنار ''گپت گنگا جیسا کہ اِس نام سے ہی ظاہر ہے ایسا چشمہ ہے جس کا منبع ''پراسرار'' اور ایک خفیہ راز کی مانند ہے۔'' اِس چشمہ کا پانی ساتھ ہی بہنے والے نالے نیرو میں جا گرتا ہے۔ مندر کے اندر جانے سے پہلے شمشان گھاٹ سے گزرنا پڑتا ہے۔ یہ بازار سیری کے قریب اور واسکی ناگ مندر سے آدھا کلو میٹر کی دُوری پر واقع ہے۔ یہاں سے کوہ کیلاش اور آشاپتی کی برف پوش چوٹیوں کا نظارہ بخوبی کیا جا سکتا ہے۔ کچھ سال پہلے اِس مندر کی مرمت بابو گنگا داس مہنت نے کروائی تھی۔ اِس تاریخی مندر کو ایک سیاحی مرکز کے طور پر فروغ دیا جا سکتا ہے۔

ڈاکٹر پریتم کرشن کول نے ایک ایسے براہمی کتبے کا ذِکر کیا ہے جو تیسری یا چوتھی صدی عیسوی سے تعلق رکھتا ہے۔ گپت گنگا میں پائے گئے اِس کتبے کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ شمالی ہند میں پائے گئے ایسے کتبوں میں تیسرا کتبہ ہے۔ اِسی مندر

میں پتھر سے بنی ہوئی ایک مورتی موجود تھی، جس میں گیارھویں صدی میں کی گئی کندہ کاری تھی اور جو شاردالپی (رسم الخط) میں تھی۔ یہ مورتی چوری ہوگئی ہے لیکن اِس کی تصویر موجود ہے۔[1]

لکشمی نارائن مندر:

سیری بازار بھدرواہ کے نشیبی حصّے میں شمال مشرق کی طرف اپروچ روڈ کے دائیں کنارے پر ایک بہت بڑا مندر واقع ہے جو "لکشمی نارائن مندر" کے نام سے مشہور ہے۔ ڈوگرہ راج کے دور میں وزیر صوبا رام نے بھدرواہ کے ناظم کے طور پر ۱۹۳۰ء تک اپنے فرائض انجام دئے۔ وزیر موصوف نے قصبہ بھدرواہ میں یہ خوبصورت مندر تعمیر کروایا اور اِس کے ساتھ ایک دھرم شالہ بھی بنوائی۔ یہ تعمیرات ۱۹۱۰ء میں مکمل ہوئیں۔ اِس کام میں اُن کے برادر نے بھی اُن کا ہاتھ بٹایا۔ کہا جاتا ہے کہ وزیر صوبا رام نے ایک لاٹری کا ٹکٹ خریدا تھا اور مِنّت مان لی تھی کہ اگر لاٹری اُس کے حق میں نکلی تو وہ قصبہ میں ایک مندر تعمیر کروائے گا۔ اُس زمانے میں جب ایک لاکھ روپے کی لاٹری اُسے ملی تو اُس نے اپنا مقصد پورا کرتے ہوئے یہ مندر تعمیر کروایا۔ اِس کے علاوہ اُسی پیسے سے اُس نے اپنے مسکن موضع سرولباغ میں بھی ایسے ہی ایک مندر کی تعمیر کروائی، جو قدرے چھوٹا تھا۔ اِس کے علاوہ جائی کے سیاحتی مقام پر بھی ایک دھرم شالہ بنوائی۔ آج کل یہ عمارتیں متعلقہ منتظمین کی لاپرواہی کی وجہ سے خستہ حالت میں ہیں، حالانکہ یہ مندر خاص طور پر اہلِ ہنود کی مذہبی اور سیاسی آماجگاہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ سیاسی جلسوں اور تہواروں کے دوران یہاں پر لوگوں کی کافی بھیڑ جمع ہوجاتی ہے۔ اِس تاریخی مندر اور سرائے کی مرمت اور رکھ رکھاؤ کی طرف کافی دھیان دینے کی ضرورت ہے۔

---

[1] ڈاکٹر پی۔کے کول "ہمالین پرنسی پیلٹیز"، صفحہ: ۲۹۳

شیومندر پاسری:

محلّہ پاسری کے ایک اُونچے اور خوشنما مقام پر شیو جی کا ایک قدیم مندر ہے جو پہلے لکڑی کا بنا ہوا تھا' لیکن مندر کی اِنتظامیہ نے اب اِس میں ٹین کی چادروں کا اِستعمال کر کے اِسے نئی طرز پر تعمیر کیا ہے۔ اِس مندر میں ایک مخصوص دِن کو بہت سے لوگ پوجا پاٹھ کرنے کے لئے آتے ہیں۔ سال ۱۹۴۷ء کے فرقہ وارانہ فسادات کے دوران بھدرواہ کے مسلمانوں نے اِس کی حفاظت کے لئے نوجوانوں کا ایک دستہ قائم کیا تھا' جس نے اپنی جان پر کھیل کر اِسے ہر قسم کے نقصان سے بچائے رکھا۔

چنڈی ماتا مندر چنوت:

چنڈی دیوی کی پوجا ضلع ڈوڈہ کے کچھ موضع جات میں عام ہے۔ اِس کڑی کا سب سے قدیم مندر موضع مچیل علاقہ پاڈر میں ہے جو سطح سمندر سے قریباً ساڑھے آٹھ ہزار فٹ (۲۹۵۲ میٹر) بلندی پر واقع ہے۔ اِس علاقہ کو وادیٔ نیلم بھی کہا جاتا ہے۔ چنڈی ماتا کی یاترا دس بیس سال سے موضع چنوت بھدرواہ کے چنڈی ماتا مندر سے شروع کی گئی ہے' جو ہر سال ماہ ساون بہ مطابق ماہ اگست ایک جلوس کی شکل میں واسک ناگ مندر' موضع گاٹھ سے چھڑی مبارک کے ساتھ بطرف مچیل روانہ ہوتی ہے۔ یہ یاترا پہلے کشتواڑ پہنچ جاتی ہے اور وہاں سے اپنے دُوسرے پڑاوٗ اٹھولی اور تیسرے پڑاوٗ چسوتی پہنچ جاتی ہے۔ یہاں سے یہ پانچویں روز مچیل پاڈر پہنچ کر رُک جاتی ہے۔ یاتریوں کو بہت سی بسوں اور گاڑیوں میں سوار کر کے اٹھولی پہنچایا جاتا ہے' لیکن مچیل تک کا ۳۲ کلومیٹر کا سفر اُنہیں پیدل ہی طے کرنا پڑتا ہے۔ راستے میں یاتری شلوک پڑھتے ہیں اور کچھ توصیفی نعرے بھی دیتے ہیں۔ ہر پڑاوٗ پر لوگ یاتریوں کا گرمجوشی سے اِستقبال کرتے ہیں۔ اصلی یاترا کی رُوحِ رواں ٹھاکر کلدیپ سنگھ ریٹائرڈ سب انسپکٹر پولیس ہیں' جو علاقہ پاڈر کے مچیل وغیرہ میں کافی دیر ملازمت کرتے

رہے۔ وہ موضع چنوت کے ہی باشندے ہیں، جنہیں اِس یاترا کے دوران بہت سے مقامی اور غیر مقامی لوگوں کا تعاون حاصل رہتا ہے۔ پاڈر کی سڑک تعمیر ہونے سے اِس یاترا میں شامل ہونے والے لوگوں کی تعداد سال بہ سال بڑھتی جا رہی ہے۔[1]

اِس یاترا میں زیادہ تر ہندو خواتین شامل ہوتی ہیں، جو اِس دیوی سے بڑی عقیدت رکھتی ہیں۔ موضع چنوت میں ''چنڈی ماتا'' کا مندر کافی سالوں سے زیرِ تعمیر ہے، جو ایک خوشنما اور اُونچے مقام پر تعمیر کیا جا رہا ہے۔ اِس کا فنِ تعمیر یہاں کے لئے بالکل نیا ہے۔ اِس مندر پر کروڑوں روپے خرچ کرنے کا منصوبہ ہے۔ بھدرواہ۔ مچیل یاترا میں اب ریاست کے باہر سے بھی یاتری شمولیت کرتے ہیں۔ سال ۲۰۰۷ء میں ماہ اگست کے اختتام پر بہت سے یاتری دہلی، پنجاب اور اُتر پردیش سے بھی اِس یاترا میں شامل ہوئے۔ ڈِسٹرکٹ اِنتظامیہ کی طرف سے اِس یاترا کے لئے بسوں وغیرہ کا مناسب اِنتظام کیا جاتا ہے اور اِس دوران حفاظتی اِنتظامات بھی کڑے ہوتے ہیں۔ منتظمین کی طرف سے بہت سے مقامات پر یاتریوں کے لئے ڈھابے اور ٹی سٹال لگائے جاتے ہیں۔

کالی دیوی مندر (اندرونِ قلعہ):

بھدرواہ کے مشہور قلعے کے اندر بھی، جو اب ایک ڈسٹرکٹ جیل میں تبدیل ہو چکا ہے، ایک مندر موجود ہے جو ''کالی دیوی'' کے نام سے موسوم ہے۔ یہ مندر ڈوگرہ عہد حکومت میں فوجیوں اور قیدیوں کی مذہبی ضروریات کے پیشِ نظر تعمیر کیا گیا تھا۔ اب یہ قلعہ ایک قومی وِرثے کے طور پر محکمہ آثار قدیمہ کے تحت لایا جا رہا ہے۔

کوہ کیلاش۔ شیو جی اور کالی دیوی کا مسکن:

کوہ کیلاش، جو سطح سمندر سے ۱۴۲۰۰ فٹ کی بلندی پر واقع ہے، میں بہت سی

جھلیں واقع ہیں جن میں ''کیلاش کنڈ'' اور ''کالی کنڈ'' جھلیں خاص طور پر مشہور ہیں۔ یہ جھلیں ''شیو جی'' اور ''بھدر کالی دیوی'' کا مسکن کہلاتی ہیں۔ اہلِ ہنود کیلاش یاترا کے دوران اِن جھلیوں میں ڈُبکی لگا کر اپنے گناہوں کا ''پر اسچت'' کرتے ہیں۔ کالی کنڈ بھدر کالی دیوی کا مسکن ہے اور کیلاش کنڈ شیو جی کا۔ اب اِن جھیلوں کی مذہبی اور سیاحتی اہمیّت روز بروز بڑھ رہی ہے۔

پرنالہ مندر:

لکشمی نارائن مندر کے مشرق کی طرف اور نالۂ نیرو کے کنارے پتھروں پر نقاشی کر کے کچھ چشمے اُونچی جگہ پر نصب کئے گئے ہیں، جن کا پانی بہت میٹھا اور شفاف ہے۔ یہاں پر لوگ نہانے دھونے کے لئے بھی آتے ہیں۔ اِن چشموں کے ساتھ ہی ایک چھوٹا سا قدیم مندر بھی واقع ہے، جسے اِن چشموں کی ہی نسبت سے پرنالہ کا مندر اور اِس جگہ کو پرنالہ کہتے ہیں۔ اِس مندر میں زیادہ سادھو سنت لوگ ہی آتے رہتے ہیں جو رات بھر دھونی رمائے بیٹھے رہتے ہیں۔ اِس مقام پر ایک پُل تعمیر ہوا ہے جو پرنالہ پُل کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں کچھ باشندوں کو ''پرنالی'' کہا جاتا ہے۔ پرنالہ پُل محلّہ صرافاں کو اٹال گڑھ وغیرہ سے جوڑتا ہے۔ بازار سیری سے چنتہ کی طرف نئی سڑک بننے سے پہلے پیدل راستہ پر یہی ایک رابطہ پُل تھا، جو بھدرواہ کو مشرقی علاقوں اور جائی جیسی خوبصورت جگہ سے جوڑتا تھا۔

اٹال گڑھ مندر:

پرنالہ پُل کو عبور کر کے ایک خوبصورت ٹیکری پر آباد جگہ کو اٹال گڑھ کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ریاست چمبہ کے راجہ چڑھت سنگھ کے دورِ حکومت میں یہاں پر ایک مندر غالباً ۱۸۲۱ء کے آس پاس تعمیر ہوا تھا، جو اب بھی موجود ہے۔ اِس جگہ پر سکھ فوج

کے کچھ دستے بھی مقیم رہے تھے' جنھوں نے اِس کا نام اٹال گڑھ رکھا۔ یہاں سے کوہ کیلاش' قلعہ بھدرواہ اور آشاپتی کے مناظر کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ مذکورہ مندر میں اب پہلی جیسی رونق نہیں رہی۔

کپرہ کا ناگ مندر:

موضع کپرہ میں ایک قدیم ناگ مندر تھا جو دیودار کی لکڑی سے بنا تھا۔ اِس کی وقتاً فوقتاً مرمت ہوتی رہی۔ اب اِس کی نئی طرز پر تعمیر کی گئی ہے اور اِس میں ٹین کی چادریں اِستعمال ہوئی ہیں۔ دراصل ناگ لوگوں کی بھدرواہ میں آمد کے دوران کچھ ناگ بھالڑہ کپرہ وغیرہ علاقہ میں ٹھہرے تھے۔ یہ مندر اُسی دور کی ایک یادگار ہوسکتا ہے۔ علاقہ بھدرواہ کے ہر گاؤں میں پچھلے بیس برسوں میں مندر تعمیر کیے گئے ہیں' جو مقامی لوگوں کی مذہبی ضروریاتِ کو پورا کرتے ہیں۔ پرانے منادر کی ہر جگہ تجدیدِ نو کی گئی ہے۔ مذکورہ بالا مندروں کے علاوہ لنگا گاٹھ میں واقع ''آپ شمبھو مندر'' اور موضع نیوٹا میں ''نیوٹا بنی مندر'' قدیم زمانے کی یادگاریں ہیں۔

علاقہ مرمت گلیان اور کیلاڑ کے منادر:

علاقہ مرمت گلیان' جو کھسال کے علاقہ کے نام سے بھی مشہور رہا ہے' میں دیدنی کے مقام پر ایک قدیم مندر واقع ہے' جس کی دو تین سال پہلے تعمیر نو کی گئی ہے۔ اِسے ''دُرگا مندر'' کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ یہ مندر علاقہ مرمت گلیان کے اہلِ ہنود کی کُل دیوی ہے۔ ایک کالے پتھر کی مورتی تراش کر اِس مندر میں نصب کی گئی ہے' جو فنِ سنگ تراشی کا ایک اچھا نمونہ ہے۔ اِس مندر میں ہر سال رکھشا بندھن کے دِن ایک میلہ لگتا ہے۔ موضع کھلینی (ڈوڈہ) سے اُس دِن یاترا شروع ہوتی ہے جس میں راستے میں پڑنے والے سبھی دیہات کے لوگ شریک ہوکو دیدنی پہنچ جاتے ہیں۔

دیدنی کے ہی جیسے ''درگا دیوی'' کے منادر تحصیل ڈوڈہ کے کچھ اور مقامات پر بھی پائے گئے ہیں جیسے موضع کھیلنی اور موضع کلھوتہ میں' جہاں مقامی لوگ پوجا کرتے ہیں۔ علاقہ مرمت کے ڈیرہ ڈل نامی تالاب کے ساتھ پتھروں سے بنی ہوئی کچھ مورتیاں پائی گئی ہیں اور گُرٹنگل میں کھدائی کے دوران کچھ قدیم مجسمے بھی ملے تھے' جن کی طرف نئی نسل نے کوئی خاص توجہ نہیں دی۔

علاقہ مرمت میں سوراخ ناگ کی بھی پوجا کی جاتی ہے۔ کچھ چشموں پر پوجا پاٹھ کا سلسلہ بھی سوراخ ناگ سے جوڑا گیا ہے۔ اِس کے علاوہ کچھ چوٹیوں کو پہاڑی دیوتا مان کر پوجا جاتا ہے۔ ''وہویرا پربت'' کی چوٹی اِسی کی نمایاں مثال ہے۔ کچھ حصّوں میں ''زوگن'' دیویوں کا بھی بسیرا ہے جنہیں لوگ جادو یا بھوت پریت کا سایہ دُور کروانے کے لئے پوجتے ہیں۔ طراوَن کے رانوں کا عقیدتی دیوتا ''بھیرو یا کیلو دیوتا ہے۔ دراصل چمبہ سے آئے ہوئے کچھ مہاجر اِس دیوتا کو بھی اپنے ساتھ لائے تھے۔ طراوَن سے ہی بھیرو دیوتا علاقہ بھلیس کے موضع بھیچہ میں وارد ہوا۔ طراوَن میں اِس کی مورتی پوجا جادو ٹونے دُور کرنے کے لئے ہوتی ہے۔ علاقہ مرمت کے موٹھی بھوتہ کے مقام پر ایک قدیم شیوا استھان موجود ہے جہاں سے ''چھوٹا منی مہیش'' یاترا شروع ہوتی ہے' جو رام رچن بسوہلی تک جا کر تین دِن میں اِختتام پذیر ہوتی ہے۔ علاقہ کیلاڑ کے قدیم منادر میں ''ملوٹھی کا مندر'' سرفہرست ہے' جس کا طرزِ تعمیر وادی بھدرواہ کے دُوسرے مندروں کے جیسا ہی ہے۔ اِس کے علاوہ بھی موضع بھالا وغیرہ میں مندر تعمیر ہوئے ہیں۔

علاقہ بھلیس کے مندر:

علاقہ سنوں اور دلینی میں ''ناگ بنی مندر'' اور ''سنوں مندر'' قدیم مندروں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ زمانہ قدیم میں اِس علاقہ میں بھی ناگ دیوتاؤں کی پوجا ہوتی

تھی اور اِنہی کے ساتھ بھلیس کے ہندو باشندوں کے میلے تہوار منسوب ہوتے تھے۔

اب ہندو آبادی والے ہر گاؤں میں چھوٹے بڑے مندر تعمیر کیے گئے ہیں، جن میں بھیجہ، اگنول، کھڑنگل، چنگا، گوالو، بٹارہ، گندو، درائی، سمائی، جگاسر، ڈھونسہ اور چلی وغیرہ کے منادر شامل ہیں۔ کالگنی بسران میں ایک بڑا مندر تعمیر کیا گیا ہے، جس میں سیمنٹ اور سریہ اِستعمال کیا گیا ہے۔ علاقہ بھلیس کے اہلِ ہنود محل ناگ کی ہی پوجا کرتے ہیں، کیونکہ علاقہ جات کی تقسیم کرتے وقت ''بھدر کالی دیوی'' نے یہ علاقہ ناگوں کے باہمی تصفیہ سے مہال ناگ کو ہی دیا تھا۔ اِس تقسیم میں وادیٔ بھدرواہ کا علاقہ واسکی ناگ کو ملا تھا۔ اُسی دور میں اُن ناگ راجاؤں کے ناموں سے اِن علاقوں کے منادر منسوب کیے گئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بھلیس میں بھی ''مہال ناگ'' کے نام سے منسوب قدیم مندر موجود ہے۔ طراؤن کی طرح موضع بھیجہ بھلیس میں بھی بھیرو کا مندر واقع ہے یہاں پر ہر سال ایک میلہ لگتا ہے۔ علاقہ بونجواہ میں عام طور پر بیار ناگ کی پوجا کی جاتی ہے۔

علاقہ ٹھاٹھری کے منادر:

قصبہ ٹھاٹھری کے مشرقی حصّے میں شاہراہ پر بنے ٹھاٹھری پُل کے دائیں کنارے پر ایک مندر موجود ہے، جہاں اہل ہنود پوجا پاٹھ کرتے ہیں۔ اِسی طرح اس تحصیل کے مختلف دیہات میں بھی چھوٹے بڑے مندر تعمیر کیے گئے ہیں جن میں پریم نگر کے مقام پر ایک مندر تعمیر ہوا ہے۔ اسی طرح چراہلہ، پانتھان، کانڈوت، بھیلہ، جگوتہ، رکالی اور بھیجہ میں بھی کچھ عرصہ پہلے مندر تعمیر ہوئے ہیں اور کہیں کہیں زیرِ تعمیر ہیں۔

واسکی پران:

پہلا ترجمہ: میدنی پال (۱۷۰۷ء تا ۱۷۳۵ء) اپنے والد ابھے پال والیٔ

بھدرواہ کی طرح ہی ایک باشعور عالم و فاضل راجہ تھا، جس نے مقامی کہاوتوں کے مطابق اٹھارہ (۱۸) پران جمع کیئے تھے، جنہیں اُس کے دورِ حکومت میں لوگوں کو پڑھایا جاتا تھا۔ڈاکٹر پریتم کرشن کول کے کہنے کے مطابق ''—— یہ ممکن ہے کہ واسکی پران سنسکرت زبان میں اُس کے ہی دورِ اِقتدار میں ایک کشمیری پنڈت کملا کار کے ہاتھوں لکھوایا گیا ہو۔اُس پر سمت ۷ درج ہے جو عیسوی سمت کے مطابق ۱۳۱۷ء بنتا ہے ——'' وہ مزید لکھتے ہیں کہ'' —— بھدرواہ کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اِس کا اپنا پران یعنی واسکی پران ہے، جسے اب ہندی زبان میں تنقیدی لحاظ سے تجزیہ کر کے شائع بھی کر دیا گیا ہے۔ اِس پران کے پانچ سو دو (۵۰۲) شلوکوں میں سے تقریباً تین سو اسّی (۳۸۰) شلوکوں میں بھدرواہ کے جغرافیہ کا ذِکر ہے (خصوصاً مذہبی اور سماجی نوعیت کی جگہوں کا) اور اِسے کشمیر کے نیل مت پران کی طرز پر لکھا گیا ہے، غالباً راجہ میدنی پال کے زمانے میں ——''[1]

یاد رہے کہ ڈاکٹر پریتم کرشن کول نے یہ تنقیدی تجزیہ کئی سال پہلے شائع کروا کر ایک تاریخی کارنامہ انجام دیا ہے۔

دُوسرا ترجمہ: بھدرواہ کے واسکی پران کا دُوسرا ترجمہ ہندی زبان میں شری دھرماج شرما' گاٹھ بھدرواہی نواسی نے کیا ہے، جس کی تکمیل میں رگھوناتھ مندر جموں میں سنسکرت پاٹھ شالہ کے مکھیہ ادھیاپک (صدر اُستاد) شری مول راج شاستری نے کافی مدد کی اور بھدرواہ نواسی شری مادھو لال پادھا نے پران کے مواد کو ترتیب دینے میں شرما جی کا ہاتھ بٹایا۔ یہ پران دھرماج جی شرما نے ۱۹۸۳ء کو شائع کروایا۔ یہ ڈاکٹر کول کے تجزیئے کے بعد منظر عام پر آیا ہے، تاہم اِس میں بہت سے شلوکوں کا ترجمہ بڑی آسان ہندی میں کیا گیا ہے اور ''مول واسکی پران'' کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

۱۔ ''ہمالین پرنسی پیلیٹیز'' صفحہ:۱۸۱ اور ۲۹۳

بھدرواہ کی مشہور و معروف زیارت گاہیں:

مذہبِ اسلام کی اشاعت و تبلیغ کی غرض سے وادیٔ کشمیر کی طرح وادیٔ چناب کے مختلف علاقوں میں وادیٔ کشمیر اور بیرونی دُنیا کے بہت سے مقامات متعدد عالمِ دِین اور صوفیائے کرام آتے رہے ہیں جنہوں نے اِس پسماندہ علاقہ کے کونے کونے میں دُشوار گزار اور صبر آزما مسافت طے کر کے اِس عالمگیر اور فطری مذہب کے فیوض و برکات سے یہاں کے باشندوں کو جہالت کے اندھیروں سے نکال کر مشرف بہ اِسلام کیا اور اِس کے نور سے اُن کے دِلوں کو محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے روشن کیا' اُنہیں صراطِ مستقیم پر گامزن کر کے اِنسانیت اور بھائی چارے کا درس دیا۔ دُوسری طرف دیکھتے ہی دیکھتے بڑے راجے اور حکمران اپنی رعایا کے مقتدر اشخاص کے سمیت جوق در جوق دائرہ اِسلام میں داخل ہوتے گئے۔ رُشد و ہدایت کے ایک لامتناہی سلسلے نے آہستہ آہستہ چناب کی وادیوں میں ایک دینی' سماجی اور ثقافتی اِنقلاب بپا کیا۔

جہاں ''وادیٔ کشمیر میں بغداد' بدخشان اور وسط ایشیا کے دیگر مقامات سے کئی نامور اور بزرگ مشائخ وقت اور مخدومِ جہاں حضرات تشریف آور ہوئے وہیں سابقہ راجواڑہ شاہی بھدرواہ کو بھی کئی سادات' عالمِ دین' فقیر منش اور باکمال صوفیائے کرام نے اپنی قدم بوسی کی سعادت بخشی۔ اُن پیرانِ طریقت نے بھی اپنی خدا دوستی' حق پرستی' راست بازی' اخلاقِ حسنہ' اعلیٰ کردار اور زاہدانہ کمالات سے عام و خاص لوگوں کے دِل جیتے اور اُن کو کلمۂ شہادت پڑھایا۔ اپنے مذہبی فریضے کی تکمیل میں اُنہیں قسم قسم کی مشکلات اور مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک نئے مذہب سے لوگوں کو روشناس کرانے کے لئے اُنہیں مقامی بولیوں کو سیکھنا پڑا۔ کچھ لوگوں کی مخالفت اور تلخ کلامی سہنا پڑی لیکن وہ بے یار و مددگار ہوتے ہوئے بھی حوصلہ نہیں ہارے اور اپنے مشن کو جاری رکھتے گئے۔ ایک بات کا ہمیں اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ بھدرواہ کے عام لوگوں

نے ہمیشہ اپنی رواداری کا مظاہرہ کیا اور بہت جلد اُن برگزیدہ اہلِ علم و عمل شخصیات کی آؤ بھگت کی اور اُن کو عزت و احترام کی نظر سے دیکھا۔ بہت سے لوگوں نے اُن کے رُوحانی کمالات سے متاثر ہو کر اُن کے ہاتھ پر بیعت کی۔ یہ بھی سچ ہے کہ بھدرواہ کے کئی مسلمان گھرانے وادیٔ کشمیر سے یہاں ہجرت کر کے آئے ورنہ برِ صغیر کے کچھ مقامات سے بھی کچھ لوگ یہاں وارد ہوئے تھے۔

بھدرواہ کے قدیم راجواڑے میں دُنیائے معرفت کے جن معروف اور باکمال صوفیائے کرام، عالمانِ جیّد اور اللہ کے برگزیدہ بندوں نے اپنے قدم رنجہ فرما کر یہاں کے لوگوں کو درسِ توحید سے فیض یاب کیا، اُن میں حضرت گندر شاہ بادشاہ المعروف گندر صاحبؒ، سائیں صدیق شاہؒ، حضرت غیاث الدین شاہؒ، حضرت مونچھ مروڑ شاہؒ، حضرت پتھر توڑ شاہؒ، حضرت قدرت اللہؒ، حضرت سعید حسینؒ وغیرہ شامل ہیں۔ حضرت مونچھ مروڑؒ اور حضرت پتھر توڑؒ تو درویش بزرگ تھے لیکن سائیں صدیق شاہؒ قلندرانہ اوصاف کے حامل تھے۔ باقی تمام بزرگانِ دین، جو دینی تبلیغ و تدریس کے لئے پیر مریدی کے سلسلہ کے تحت آئے، اُن میں مولانا عبدالعزیز سہروردی، امام جامع مسجد بھدرواہ کے والدِ مکرم (مرحوم) عبدالصمد سہروردی، پیر عبدالرشید رفیقی، پیر نجم الدین رفیقی اور پیر غلام محی الدین رفیقی کے اجداد، مولانا غلام نبی (مرحوم) المعروف نب جی (معروف مبلّغ) اور خواجہ غلام محمد ڈینجو (مرحوم) شامل ہیں۔ اُن کے علاوہ میاں سیّد حسین صاحبؒ اور اُن کے فرزندان اور کئی معروف عالمِ دین یہاں پر تبلیغِ دین کے لئے آتے رہے۔ علاقہ بھلیسہ وغیرہ میں بھی کئی بزرگ حضرات نے اشاعتِ دین میں حصہ لیا جب کہ علاقہ مرمت کے لوگوں میں مذہبی بیداری پیدا کرنے میں سیّد غلام محمد شاہ قادری المعروف مُمہ صاحب کشمیری (جنہوں نے یہاں کئی مساجد کی تعمیر کے لئے بنیادیں بھی اُستوار کیں)، پیر مبارک شاہ، پیر نورالدین اور قاری صاحب جیسے عالمِ دین بزرگوں کا اہم کردار رہا ہے۔

''جموں شرائنز اینڈ پلگریمیجز'' کے مصنف جے. این. گنہر نے بھی اپنی اِس قابلِ ستائش کتاب میں اِن زیارتوں کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ بھدرواہ قصبے میں بہت سی زیارتیں ہیں۔ اِن میں سے گندر شاہؒ، صدیق شاہؒ اور سعید شاہؒ کی زیارتیں ممتاز ہیں۔ اِن زیارتوں میں سے کچھ کا ذِکر کچھ انگریزی سیاحوں کے سفر ناموں میں بھی آیا ہے۔

حضرت سیّد ابوسعید سکندر علی شاہؒ:

محلّہ مسجد بھدرواہ کے شمالی حصّے میں حضرت سیّد شاہ ابوسعید سکندر علی شاہؒ کی مشہور زیارت موجود ہے۔ حضرت شاہ سکندرؒ صاحب گندر صاٗب کے نام سے معروف ہیں۔ اسیرؔ کشتواڑی اپنی معروف کتاب ''تصویرِ ضلع ڈوڈہ'' کے صفحہ ۳۳۹ پر سیّد نجم الدین کی تاریخِ کشتواڑ کے حوالے سے یوں رقمطراز ہیں ——— ''حضرت شاہ سکندر، جو اولادانِ حضرت، شیخ شاہ محمد فاضل خانیاری سے تھے۔ کئی دفعہ بقصدِ زیارت کشتواڑ آئے۔ آخر ایک دفعہ تربیتِ طالبان کرتے ہوئے بھدرواہ میں وفات پاگئے۔ آپ کے مدفن پر ایک عمدہ زیارت گاہ بنی ہوئی ہے ———''

مسٹر جے. این. گنہر نے اپنے تاثرات یوں قلمبند کئے ہیں:

'' ——— گندر شاہ صاحب کی زیارت جامع مسجد کے علاقے میں واقع ہے۔ وہ ضلع انت ناگ، کشمیر کے موضع پولیا (علاقہ شاہ آباد ڈورو) کے رہنے والے تھے۔ اُس کے خاندان سے تعلق رکھنے والے لوگ اِنتہائی ذہین تھے، جن میں سے ایک صاحب نے تاریخِ کشتواڑ بھی لکھی تھی ———'' غالباً یہ سیّد نجم الدین کی طرف اِشارہ ہے۔ محمد اقبال، سرتاج بھدرواہی (مرحوم) نے اپنی تحقیقی کتاب ''مبلغ اعظم۔ بغداد سے کشتواڑ تک'' میں جہاں بہت سے بزرگانِ دین پر سیر حاصل تبصرے لکھے ہیں وہیں سیّد سکندر شاہؒ کے بارے میں بھی ذِکر کیا ہے۔ یہ زیارت سرتاج (مرحوم) کے گھر

کے بالکل قریب ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''حضرت ابو سیّد سکندر علی شاہ قادری صاحبؒ ۲۴ر صفر المظفر یوم دوشنبہ ۱۲۷۳ھ میں رحمتِ حق ہوئے۔ اُن کا مدفن محلّہ مسجد میں بنایا گیا۔ اب اِس کا نام سکندر آباد رکھا گیا ہے۔ کسی صاحبِ دل نے قطعۂ تاریخِ وفات لکھا ہے، جسے یہاں درج کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہوں ؎

تو گلِ باغِ حسینؓ و ہم حسنؓ — وارث شاہِ ولایت دس گاہ
گوہرِ تاباں دُرجِ غوثِ دیں — اخذِ بُرجِ کرامت مردِ راہ

....

حرف دراوراد وتلاوت مینمود — روز وشب را بے شک و بے اشتباہ
یوم اثنین بست و چہارم از صفر — کردہ رحلت سیّدِ رفعت پناہ!!

(دوشنبہ ۲۴ر صفر ۱۲۷۳ھ[1]

سرتاج صاحب کی تحقیق کے مطابق اُن کے دو فرزندانِ ارجمند ہوئے جن کے اسمائے گرامی سیّد مصطفےٰ شاہ صاحبؒ اور سیّد یوسف شاہ صاحبؒ ہیں۔

حضرت سیّد مصطفےٰ صاحبؒ بت پرستوں کو دائرہ اِسلام میں داخل کرتے کرتے زانسکار تک پہنچے۔ دعوتِ اسلام سے وہاں کے لوگ بہت متاثر ہوئے۔ بہت سارے لوگ مسلمان ہوگئے اور آپ نے زانسکار پدم تبت میں بہ عمر ۶۴ سال ۱۳۹۶ھ میں شہادت پائی۔ حضرت سیّد یوسفؒ صاحبؒ تبلیغ دین کے لئے نور پورہ کانگڑہ تشریف لے گئے اور وہیں پر رحلت فرمائی۔ اُس جگہ یعنی نور پور میں شاہ صاحبؒ مذکور کی زیارت موجود ہے۔ گندر صاحبؒ کی زیارت گاہ پر ہر سال ۲۲ صفر المظفر کو عرس شریف بڑی عقیدت واحترام کے ساتھ منایا جاتا ہے۔ نمازِ ظہر کے بعد زائرین کو

---

[1] عنائت کردہ جناب شاہ عبدالقادری کشمیری صاحب، شاہ آباد

حسب ذیل تبرکات کی زیارت کرائی جاتی ہے۔

(۱) رِدائے مبارک حضرت فاطمہ زہرہؓ

(۲) موئے مبارک حضرت ابو بکر صدیقؓ

(۳) موئے مبارک حضرت سیّدنا شیخ عبدالقادر محی الدین غوث الاعظم

یہ تبرکات زیارت میں موجود ہیں۔ عکس پائے رسولِ نازینؐ جس کا ذِکر سند میں موجود ہے۔ اِس زیارت میں نہیں ہے۔''[۱]

شاہ صاحبؒ نے نہ صرف قدیم تحصیل بھدرواہ میں اپنا ایک وسیع حلقہء ارادت قائم کیا بلکہ وہ موجودہ تحصیل ڈوڈہ بھی تشریف لے جایا کرتے اور وہاں اشاعتِ دینِ اِسلام کے لئے کام کرتے رہتے تھے۔ اُنہوں نے مقامی طور اور بیرونی علاقوں میں جا کر کئی لوگوں کو مشرف بہ اسلام کیا۔

شاہ صاحبؒ کے خاندان کی کئی پُشتیں پولیہ شاہ آباد ڈورو میں آباد تھیں۔ نئی پیڑی کے اصحاب اب بھی وہاں پر رہائش پذیر ہیں۔ مصنف ''تاریخِ کشتواڑ'' سیّد نجم الدین صاحب اِسی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت ابوسیّد سکندر شاہؒ کے والد صاحب کا نامِ گرامی سیّد مظفر حسین میر مرزا شاہؒ تھا۔ ابوسیّد سکندر شاہؒ کے تین حقیقی برادران میں سیّد غلام محی الدینؒ، سیّد تاج الدینؒ اور سیّد وزیر الدینؒ شامل تھے۔ یہ پورے کا پورا خاندان تبلیغ دین میں مصروف رہتا تھا۔ اِن کے خاندان کی کئی پیڑیوں نے دُور افتادہ خِطہٗ ڈوڈہ کے قرب و جوار میں خدمتِ دین انجام دی۔ اِن میں سیّد احمد شاہ المعروف گل پیر صاحبؒ (مرحوم) بھدرواہ اور کشتواڑ میں آ کر مساجد میں واعظ خوانی کرتے رہے۔ یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ حضرت سکندر شاہؒ نے مہاراجہ گلاب سنگھ کے دور میں ۱۸۵۲ء میں بھدرواہ قصبہ میں وفات پائی۔

---

[۱] ''مبلّغِ اعظم'' (قلمی) از: سرتاج بھدرواہی

حضرت سعید بادشاہ صاحبؒ:

حضرت سعید بادشاہ صاحب کو عُرف عام میں سعد صاحبؒ کہتے تھے، جو سیّد میر عطا اللہ صاحب نوگامی شاہ آباد کشمیری کے پوتے اور سیّد حسین شاہ صاحبؒ کے فرزند ارجمند تھے۔ وہ وادیٔ کشمیر سے بغرضِ تبلیغ اسلام وادیٔ بھدرواہ میں مہاراجہ گلاب سنگھ کے دورِ حکومت میں تشریف لائے اور یہاں دین کی کافی خدمت کی اور بھدرواہ میں ہی رحمتِ حق ہو گئے۔ اِن کا مدفن بھدرواہ قلعے کے نشیبی حصّے محلّہ قلعہ کی مسجد کے ساتھ ہی ہے۔ اِن کے بارے میں بھی سرتاج صاحب (مرحوم) نے بڑی اہم باتیں لکھی ہیں جبکہ اِن کا ذِکر کچھ انگریز سیاحوں کے سفر ناموں میں بھی آیا ہے۔ جناب سرتاج (مرحوم) لکھتے ہیں:

''——— جب حضرت سیّد شاہ بادشاہ صاحبؒ بھدرواہ کی وادی میں پہنچے تو اُنہوں نے دیکھا کہ اِنسان سے اِنسان جانوروں کا سا سلوک کرتا ہے۔ تو اُنہوں نے جگہ جگہ تعلیمِ اسلام کا درس دینا شروع کیا۔ مردِ حق کے خلاف باطل پرست لوگوں نے بہت سی ناکام کوششیں کیں، تاہم اُنہوں نے جگہ جگہ جا کر لوگوں کے تاریک دِلوں کو زیورِ اسلام سے آراستہ کیا۔ اُنہوں نے یہاں کی زِندگی میں ایک نیا اِنقلاب پیدا کیا تھا۔ آپ نے بھدرواہ میں ہی ''جامِ شہادت'' نوش کیا لیکن اپنے اور آسمان کے درمیان کسی بھی قسم کا پردہ برداشت نہ کیا۔ جب کبھی یہاں کے مسلمانوں نے اِس زیارت گاہ پر چھت ڈالی تو وہ چھت راتوں رات جل جاتی تھی۔ زیارت گاہ پر چھت نہ ہونے کی وجہ سے بارش اور برف کا سارا پانی اندر آ جاتا تھا جس کی وجہ سے تربت بھیگ جاتی تھی۔ ایک دِن بھدرواہ قصبہ کے مسلمانوں نے مشورہ کیا کہ زیارت گاہ کی تعمیر کا کام دوبارہ شروع کیا جائے۔ سبھی مسلمان بھدرواہ میں جمع ہوئے۔ ختم شریف پڑھایا گیا اور پھر اِس زیارت گاہ پر لکڑی کی چھت ڈالی گئی۔ یہ چھت کئی سال تک موجود

رہی۔ پھر سال ۱۹۸۹ء میں عاشقانِ اولیائَ اللہ نے دوبارہ اِس زیارت گاہ کو عمدہ طریقہ پر تعمیر کرنے کا فیصلہ لیا اور اِس پر عمل در آمد بھی ہوا۔ چنانچہ عقیدتمند لوگ اِس زیارت پر حاضری دیتے رہے ہیں۔ حضرت سعید شاہ بادشاہؒ کے تین فرزند' سیّد احمد صاحبؒ، سیّد غیاث الدین صاحبؒ اور سیّد یوسف احمد صاحبؒ تھے ——''

سیّد یوسف شاہ صاحب نابینا تھے جو اپنے برادر سیّد غیاث الدینؒ کے ساتھ چنگا بھلیس میں رہتے تھے۔ وہ وہاں پر ہی سپردِ خاک کیئے گئے ہیں۔ البتہ سیّد احمد شاہ کشمیر میں ہی رحلت پا گئے تھے' جن کا مدفن نوگام میں ہی ہے۔ سعید صاحبؒ کے والد بزرگوار حضرت سیّد حسین شاہؒ بھی پیر مریدی کے سلسلہ میں خِطۂ ڈوڈہ میں آئے اور بہت سی مسافتی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے یہاں کے قریہ قریہ میں تشریف لے گئے۔ دورانِ تبلیغِ دین وہ موجودہ تحصیل ٹھاٹھری کے جنگلواڑ علاقہ میں رحلت فرما گئے اور اِسی گاؤں میں سپردِ خاک کیئے گئے۔

حضرت سیّد غیاث الدین شاہؒ:

حضرت غیاث الدین شاہؒ علاقہ بھلیس میں دینِ اسلام کی تبلیغ کے سلسلہ میں تشریف آور ہوئے اور یہاں اَن تھک محنت کی اور بھلیس کے کونے کونے میں مذہب اسلام کی روشنی پھیلائی۔ یہ اِن کی تعلیم وتبلیغ کا ہی ثمرہ ہے کہ آج علاقہ بھلیس کے ہر ایک گاؤں اور موہڑوں میں جگہ جگہ مساجد تعمیر ہوئی ہیں۔ حضرت صاحبؒ نے مذہبِ اسلام کے عالمی بھائی چارے اور برابری کا سبق دے کر یہاں کے مقامی لوگوں کو شیر وشکر کر دیا۔ سرتاج (مرحوم) اپنی غیر مطبوعہ کتاب ''مبلّغ اعظم'' میں اِن کی دینی خدمات کا یوں ذِکر کرتے ہیں:

'' —— آج علاقہ بھلیسہ میں جو اِسلامی رنگ مہک رہا ہے وہ جناب سیّد شاہ صاحبؒ کی محنت کا ثمرہ ہے۔ اُنہوں نے وہ کام کیا جو آج کل کے علماء صدیوں تک

انجام نہیں دے سکتے۔ اپنے تبلیغی مشن کو جاری وساری رکھتے ہوئے وہ ریاست چمبہ میں داخل ہوئے اور وہاں بھی نمایاں کام کیا۔ آج چمبہ میں مسلمانوں کی ایک بھاری تعداد موجود ہے ـــــــ"

سیّد غیاث الدینؒ بھی پہلے بھدرواہ بغرضِ تبلیغ تشریف لائے۔ یہاں سے موضع چنگا کی طرف رجوع کیا اور وہاں پیری مریدی کا کام انجام دیتے رہے۔ اُن کے برادر یوسف شاہ صاحب بھی اُن کی زیارت کے پہلو میں سپردِ خاک کئے گئے تھے۔

حضرت سائیں صدیق شاہؒ:

حضرت سائیں صدیق شاہؒ کی زیارت بھدرواہ کے تکیہ چوک میں تعمیر ہوئی ہے۔ اِن کے بارے میں مصدقہ طور پر معلومات فراہم نہیں ہوسکی ہیں البتہ اسیرؔ کشتواڑی نے اپنی معروف کتاب "تصویرِ ضلع ڈوڈہ" کے صفحہ ۳۴۵ پر ڈوڈہ کی مردم شماری ۱۹۸۱ء کی ہینڈ بک کے حوالے سے یوں تحریر کیا ہے

"ـــــــ صدیق شاہؒ حضرت گندر شاہؒ صاحب کے ہم عصر تھے۔ یہ دونوں بزرگانِ دِین گذشتہ صدی کی تیسری اور چوتھی دہائی میں قیام فرما تھے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ کشتواڑ کے حضرت شاہ اسرار الدین صاحبؒ کے مرید تھے۔ غالباً تکیہ چوک کا نام سائیںؒ کے تکیے کی نسبت سے ہی پڑا ہے۔ جہاں بھدرواہ میں آنے جانے والے درویش لوگوں کا عموماً قیام رہتا تھا۔

حضرت صدیقؒ کی زیارت گاہ پر صبح وشام لوگوں کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ زیارت کی تعمیر جدید طرز پر عمل میں لائی گئی ہے۔ غالباً وہ بھی وادیٔ کشمیر سے ہی کسی تبلیغی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اِن کے تبلیغی مشن کو (مرحوم) عبدالغنی رنگریز نے آگے بڑھایا۔ عبدالغنی (مرحوم) ایک خدا دوست اور فقیر صفت اِنسان تھے۔ اِن کے بعد سائیں صاحبؒ کا سلسلہ طریقت حاجی غلام قادر صاحب بٹ، سکنہ بھٹیاس تحصیل

گندو نے قائم رکھا ہے۔ بٹ صاحب نے بھٹیاس کے ایک موہڑہ کا نام بھی اپنے اُستاد کے نام پر ''غنی پورہ'' رکھا ہے' جہاں اُنہوں نے ایک بہت بڑا تعلیمی ادارہ قائم کیا ہے۔ جس میں ترجیحی بنیادوں پر درسِ قرآن' حفظِ قرآن اور اشاعتِ دین کے شعبے قائم کیئے گئے ہیں۔ دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ مروّجہ دُنیاوی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ بچوں کے قیام وطعام کے لئے بھی مناسب بندوبست کیا گیا ہے۔ خِطّہٗ ڈوڈہ اور باقی اضلاع کے لوگ ادارہٗ ہٰذا کی مدد کرنے میں پیش پیش رہے ہیں۔ اِس سلسلہ تبلیغ وطریقت پر اور بھی کئی اصحاب شامل ہوگئے ہیں۔ حضرت صدیق شاہؒ کے بارے میں یہ روایت مشہور ہے کہ راجہ میدنی پال کو جب یہ اِطلاع اپنے کارندوں کے ذریعے ملی کہ موجودہ بازار سیری کے تکیہ چوک کے مقام پر ایک اجنبی شخص قیام پذیر ہوا ہے جس کی بول چال' وضع قطع اور پوشاک بالکل مختلف ہے تو اُس نے حکم دیا کہ اجنبی کو اِس وادی سے باہر کر دیا جائے۔ حکم کی تعمیل ہوئی اور آپؒ کو چمبہ کی سرحد پر چھوڑ دیا گیا۔ جب راجہ کے کارندے واپس آئے تو اُن کی حیرانگی کی اِنتہا نہ رہی جب اُنہوں نے اجنبی کو اُسی مقام پر پایا جہاں سے وہ اجنبی کو اُٹھا کر لے گئے تھے۔ راجہ نے پھر حکم دیا کہ اُسے ایک بار پھر سرحد پار کردیا جائے۔ کارندوں نے واپسی پر اُنہیں پھر اُسی مقام پر تکیہ لگائے دیکھا۔ اِس پر راجہ نے اپنے کارندوں کو ہدایت کی کہ اُنہیں وہیں پر رہنے دیئے جایا۔ شاہ صاحب کی وفات پر اُنہیں وہاں پر ہی سپردِ خاک کیا گیا۔ اِس واقعہ کی نسبت سے اِس جگہ کو تکیہ چوک کہا جانے لگا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ شاہ صاحبؒ موصوف ترکستان کے باشندہ تھے اور وہ بھی بھدرواہ میں راجہ میدنی پال کے عہد میں ہی تشریف آور ہوکر مصروفِ تبلیغِ دین ہوئے تھے۔ موصوف ایک صاحبِ کمال بزرگ تھے جن کے تکیہ پر درویش صفت اور صاحبِ ایمان لوگوں کی بھیڑ لگی رہتی تھی۔ وہ اپنے مریدوں کے ہمراہ ۱۷۰۷ء اور ۱۷۰۹ء کے وسط میں یہاں پروارد ہوئے۔

حضرت مونچھ مروڑؒ اور حضرت پتھر توڑؒ:

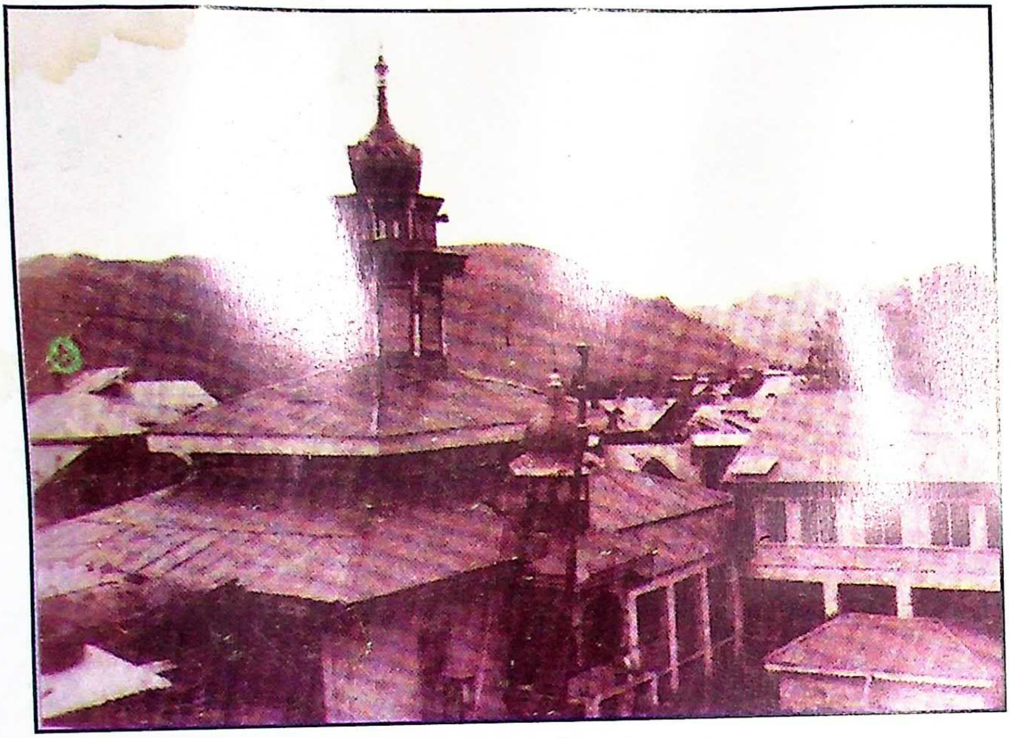
اِن دونوں بزرگانِ دین کی زیارتیں ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج کورٹ بھدرواہ کے بیرونی اور اندرونی احاطوں میں واقع ہیں۔ اِن کے حالات زِندگی سے متعلق کوئی بھی سند موجود نہیں ہے، البتہ یہاں ہندو مسلمان بلا لحاظ مذہب و ملت حاضری دیتے ہیں۔ چڑھاوے چڑھاتے ہیں اور منّتیں مانتے ہیں۔ حیرانی تو یہ ہے کہ اِتنی معروف زیارتیں ہونے کے باوجود کسی کو اِن بزرگوں کے اصلی نام معلوم نہیں اور نہ ہی اِن کے آبائی وطن کا کچھ علم ہے۔ اغلب ہے کہ یہ دونوں حضرات بھی وادی کے کسی مقام سے تشریف لائے ہوں۔ روایت کی جاتی ہے کہ اُن کی بلّیوں کی پیٹھ پر دو دو بیگ یا تھیلے لٹکا کر بطرف بازار بھیجا جاتا تھا۔ دوکاندار لوگ اُن میں سودا سلف ڈال کر واپس بھیج دینے میں سعادت محسوس کرتے تھے۔ آتے جاتے کوئی شخص اِن بلّیوں سے چھیڑ چھاڑ نہیں کرتا تھا۔ یہ درویش کامل ہر وقت یادِ خدا میں محو رہتے اور ہر وقت اِن پر عالم مستی و جذب چھایا رہتا تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اِنہوں نے یہاں آکر دینی خدمات سرانجام دی ہوں اور اپنے حسنِ کردار اور خدا پرستی سے بہت لوگوں کو دائرہ اسلام میں لایا ہو۔ اِن زیارتوں پر بھی کچھ لوگ سال میں ایک بار جمع ہو کر ایک بڑے پیمانے کا بھنڈارا کرتے ہیں اور غریب غرباً لوگوں میں یہ کھانا تقسیم کرتے ہیں۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ بھدرواہ کی سرزمین میں سب سے پہلے یہی دو بزرگانِ دین تشریف لائے۔ یہ بھی مشہور ہے کہ اِن کا آبائی وطن ترکستان تھا اور غالباً راجہ میدنی پال (۱۷۰۵ء تا ۱۷۳۵ء) کے عہدِ حکومت میں وہ بھدرواہ آکر تبلیغِ دین کا کام کرتے رہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اِن حضرات کا سلسلہء نسب حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے جاملتا ہے۔ کشف کے ذریعے اِن حضرات کے اسماً بالترتیب محمد علی اور علی محمد بتائے گئے ہیں، جس سے نسب کے مسئلہ کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ (واللہ اَعلم بالصّواب)

اِن دونوں بزرگوں کے صفاتی ناموں کے بارے میں کچھ انوکھی روایات سینہ بہ سینہ چلی آ رہی ہیں۔ راجہ میدنی پال نے موجودہ عدالت کی عمارات کے احاطہ میں سرکاری عمارتیں تعمیر کرنے کے لئے ایک نگران مقرر کیا۔ سائیں پتھر تروڑ ؒ نے اُس سے اُنہیں بھی کام پر لگانے کے لئے کہا۔ نگران نے یہ کہا کہ یہ بڑے پتھروں کا کام ہے جو اُن سے ممکن نہیں۔ اِس پر سائیں ؒ نے کام کی ذمہ داری لے لی۔ بڑے بڑے پتھروں کو اُنہوں نے چھوٹی کنکریوں کی مدد سے ایک ہی رات میں توڑ کر ختم کر ڈالا۔ اِسی وجہ سے اُن کا نام سائیں پتھر توڑ ؒ پڑ گیا۔

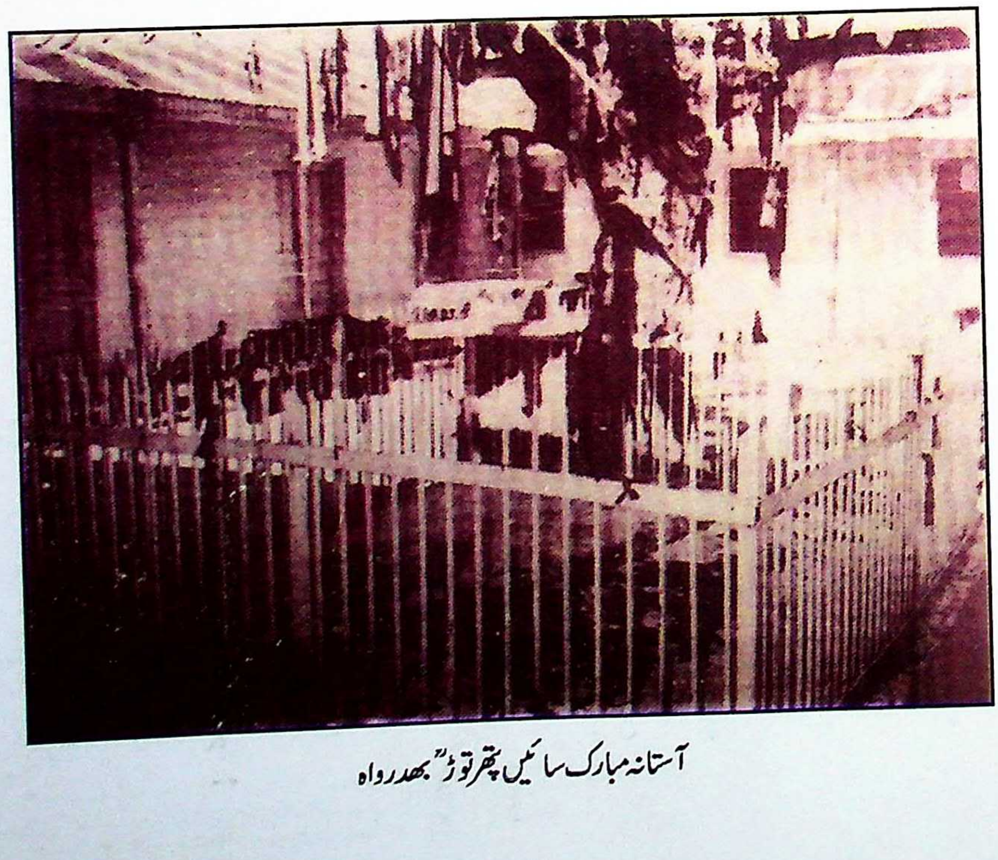
اُسی نگران کی مونچھیں ہمیشہ اُوپر کی طرف رہتی تھیں جنہیں دیکھ کر سائیں برافروختہ ہو جاتے تھے۔ وہ اِس فعل کو غرور کی علامت سمجھتے تھے۔ سائیں مونچھ مروڑ ؒ نے ایک بار اُس کی مونچھ پکڑ کر نیچے کر دیں۔ کہتے ہیں کہ اُس نگران کی مونچھیں پھر ہمیشہ نیچے کی ہی طرف جھکی رہیں۔ اِس نسبت سے لوگ اُنہیں سائیں مونچھ مروڑ ؒ کے نام سے پکارنے لگے۔

حضرت خاکی شاہ صاحب ؒ (تھنالہ):

بھدرواہ کے موضع تھنالہ میں چمبہ روڈ پر واقع ایک زیارت ہے جو حضرت خاکی ؒ کے نامِ گرامی سے منسوب ہے۔ اُن کے حالاتِ زندگی بھی معلوم نہیں ہیں۔ اتنا کہا جاتا ہے کہ وہ وادیٔ کشمیر سے ہی بھدرواہ اور چمبہ میں بغرض اشاعتِ دینِ اسلام تشریف آور ہوئے تھے اور بھدرواہ سے چمبہ کی طرف جاتے ہوئے موضع تھنالہ میں ہی خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ تھنالہ اور آس پاس کے لوگ اِس بزرگ سے بڑی عقیدت رکھتے ہیں۔ گاؤں میں تعمیر کی گئی یہ زیارت بڑی سادہ طرزِ تعمیر پر مبنی ہے۔ اسیر کشتواڑی کے لکھنے کے مطابق '' ——— کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ حضرتِ داؤد خاکی ؒ کی زیارت ہے جو خود حضرتِ سلطان العارفین ؒ کی زیارت گاہ (کشمیر) میں



آستانہ مبارک سائیں مونچھ مروڑ" بھدرواہ



آستانہ مبارک سائیں پتھر توڑ" بھدرواہ

آرام فرما ہیں۔'' (واللہ اَعلم بالصّواب)

حضرت سائیں شاہ صاحبؒ (کلہوتران):

تحصیل بھلیس کے صدر مقام گندو سے تقریباً پانچ کلومیٹر دُور نالہ کلہوتران کے کنارے ایک زیارت حضرت سائیں شاہ صاحبؒ کے نام سے موسوم ہے۔ یہاں پر بھی دِن رات عقیدت مندوں کا آنا جانا لگا رہتا ہے۔ ماسٹر محمد دین ساکن تھلورن بھلیس کے مطابق ''حضرت سائیں شاہ صاحبؒ کا شجرۂ نسب جناب حضرت علیؓ سے جا ملتا ہے۔ اِن کے آستانے سے آج تک کوئی خالی نہیں لوٹا ہے۔ عقیدت مند اپنی دینی اور دُنیاوی مرادیں یہاں سے پا کر جاتے ہیں۔'' ماسٹر صاحب مذکور بذاتِ خود درویش منش انسان ہیں۔ اُنہوں نے اِس زیارت کو کسی غیبی اشارے کی بنیاد پر تعمیر کروایا ہے۔ صاحبِ مزار کے حالات صیغہءراز میں ہی ہیں۔ اِن کے بارے میں بتایا جا سکتا ہے کہ وہ بھی فرائضِ دین انجام دیتے ہوئے وفات پا گئے۔''[1]

حضرت قدرت اللہ صاحبؒ (بنگلہ ناڑ)

''بنگلہ ناڑ'' کا آستانہ تحصیل بھدرواہ میں ایک قدیم زیارت ہے جو موضع چراہلہ کے بھلارہ علاقہ میں ایک پہاڑی جنگل میں واقع ہے۔ حضرت موصوفؒ کے بارے میں بھی مستند معلومات معلوم نہیں ہیں۔ اُن کے عقیدت مندوں میں مُسلم اور غیر مُسلم لوگ شامل ہیں۔ سرتاج بھدرواہی (مرحوم) نے اپنی تحقیقی کتاب ''مبلّغِ اعظم۔ بغداد سے کشتواڑ تک'' میں حضرت قدرت اللہ صاحبؒ کے بارے میں حسبِ ذیل معلومات درج کی ہیں:

'' گلاب سنگھ کے دورِ حکومت میں اِس جنگل میں ایک بیرونی کمپنی لکڑی

1۔ ''تصویرِ ضلع ڈوڈہ'' از: اسیر کشتواڑی، صفحہ: ۳۴۷

نکالنے کے لئے آئی تو کمپنی کے منیجر کو قدرت اللہ صاحبؒ خواب میں آئے اور بتایا کہ میری قبر محفوظ کی جائے۔ پہلی رات کے خواب پر توجہ نہ دیتے ہوئے منیجر مذکور نے کوئی کام نہ کیا۔ چنانچہ دُوسری رات پھر ایسا ہی خواب دیکھا تو قدرت اللہ صاحبؒ نے اپنے مدفن کے نشانات لگائے۔ دُوسرے دِن منیجر جنگل کا چکر لگا رہا تھا تو ایک جگہ چار نشانات دیکھے تو وہاں پر مقبرہ تعمیر کیا اور اِس کے ساتھ ہی ایک دو منزلہ مکان بھی بنایا گیا۔ یہاں مُسلم اور غیر مُسلم آتے ہیں اور گُل ہائے عقیدت نچھاور کرتے ہیں۔ گرمیوں میں لوگوں کی بڑی تعداد یہاں آتی ہے۔''

اسیر کشتواڑی کے اندازے کے مطابق ''حضرت قدرت اللہ صاحبؒ ایک گوشہ نشین بزرگ تھے۔ عین ممکن ہے کہ وہ بھدرواہ سے کشتواڑ یا کشتواڑ سے بھدرواہ جا رہے ہوں تو راستے میں ہی اِنتقال فرمایا (ہو)۔ پُرانے وقتوں میں لوگ اِن ہی راستوں سے آتے جاتے تھے۔ اِس زیارت کی نسبت سے ہی اِس نالہ کو ''بنگلہ ناڑ'' کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔''

حضرت سعید حسین شاہؒ:

(فلکسو جنگلواڑ، تحصیل ٹھاٹھری)

حضرت سعید حسین شاہؒ صاحب کی زیارت موضع فلکسُو، جنگلواڑ موجودہ تحصیل ٹھاٹھری میں واقع ہے۔ صاحب موصوف ایک بڑے دیندار بزرگ تھے، جو نوگام کشمیر سے بہ سلسلہ تبلیغِ دین ضلع ڈوڈہ کے مختلف مقامات پر تشریف لاتے رہے۔ اِن کے والدِ محترم کا اسمِ گرامی سیّد میر عطا اللہ نوگامیؒ تھا، جو مانے ہوئے پیر تھے۔ حضرت سعید حسینؒ نے دینِ حق کی خدمت کے لئے اپنی زندگی وقف کر رکھی تھی۔ کہتے ہیں کہ وہ راجہ چڑھت سنگھ کے دورِ حکومت میں بھدرواہ تشریف لائے تھے۔ اور ایک روایت کے مطابق وہ حضرت سیّد بادشاہؒ یعنی حضرت سعد صاحب، جن کی زیارت محلّہ قلعہ

بھدرواہ میں ہے، کے برادر تھے۔ خدمتِ دین کے سلسلہ میں اُنہوں نے بھی مختلف علاقوں کی سیاحت کی اور اُنہیں اِسلام کی روشنی سے منوّر کیا۔ فگسو کے مقام پر رحلت فرما جانے کے بعد اُنہیں وہیں پر سپردخاک کیا گیا۔ آج بھی کئی عقیدت مند وہاں حاضری دینے میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔

حضرت سیّد سراج الدینؒ:

آپ حضرت سعید احمد شاہؒ ساکن پولسر نوگام کشمیر کے فرزند ہیں، جن کا ذِکر پہلے آ چکا ہے۔ سعید شاہ بادشاہ (مدفون محلّہ قلعہ) کے پوتے ہیں جنہوں نے بھدرواہ اور اِس کے آس پاس اپنا وقت تبلیغِ اسلام میں گزارا۔ اِن کی زیارت چمبہ روڈ پر غلام حسین باغوان کے مکان کے ساتھ ہی ہے۔ آپ کے چار فرزند تھے۔ اِس خاندان کے لوگ کشتواڑ میں موجود ہیں۔

اِس حقیقت پر سب محققین متفق ہیں کہ خطۂ ڈوڈہ میں دینِ اِسلام متذکرہ بالا اولیائے کرام، صوفیائے کرام اور بزرگانِ دین، جو تسلیم و رضا کے سراپا پیکر، توحید پرست، شریعت اور طریقت کے رمز شناس اور زہد و تقویٰ میں یکتائے روزگار تھے، نے اپنی ریاضت، خدا ترسی، علم و حکمت کے کمالات، اپنے قابلِ رشک کردار، متانت، سنجیدگی اور انسانی ہمدردی کا بڑی بے لوثی سے مظاہرہ کر کے اور بڑی فہم و فراست سے بہ وسیلہ تبلیغ و تدریس ضلع ڈوڈہ کے کونہ کونہ بھی پھیلایا نہ کہ کسی تلوار کے زور یا کسی شاہی فرمان یا کسی ظلم و جبر سے۔ اِن اولیائے کرام میں ظاہری طور پر سب بے یار و مددگار اور خرقہ پوش درویش تھے لیکن اُن کی ذات نورِ الٰہی سے منوّر اور اُن کی منزل صرف احکاماتِ الٰہی کی تعمیل و تکمیل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کی اِس ضلع میں آمد سے ہر جگہ امن و بھائی چارہ قائم رہا اور یکجہتی کو تقویت ملتی رہی۔

اِس حقیقت سے بھی اِنکار نہیں کیا جا سکتا کہ اُن اولیائے کرام اور بزرگانِ

دین کو خطۂ ڈوڈہ کے حکمرانوں اور یہاں کے باشندوں نے بڑے خلوص دِل سے اور بغیر کسی رُکاوٹ کے تبلیغی مشن کو آگے بڑھانے دیا اور اُن کی تعلیمات سے متاثر بھی ہوتے رہے۔لہٰذا ہمارا فرض ہے کہ ہم اولیائے کرام کے بارے میں مزید تحقیق کر کے اُن کے حالاتِ زندگی اور کارہائے نمایاں کو منظرِ عام پر لا کر اُن کے دُنیائے اِنسانیت پر کیئے ہوئے احسانات کی کسی حد تک شکر گزاری کا حق ادا کر سکیں!

***

حصّہ چہارم : متفرق معلومات

(بھدرواہ- ترقی کے چنداور زینے)

بابِ اوّل: مملکتِ بھدرواہ میں تعلیمی پیش رفت

پس منظر:

زمانۂ قدیم میں مملکتِ بھدرواہ ایک آزاد اور خودمختیار ریاست کے طور پر قائم رہی، جس میں موجودہ غیر منقسم ڈوڈہ کے بہت سے علاقے شامل تھے۔ علاقہ بھلیس اِس کا جزِ لاینفک تھا۔ ٹھاٹھری، بھیلہ اور جنگلواڑ کی سطح مُرتفع کے علاوہ کانڈوت کا قدیم راجواڑہ شیوا، طروَن اور مرمت کے بہت ہی حسین علاقے بھی اِس میں شامل تھے۔ یہ ساری ریاست باقی ہمالیائی پہاڑی ریاستوں میں ایک ممتاز درجہ رکھتی تھی۔

یہ قدیم ریاست تعلیمی لحاظ سے ماضی بعید سے ہی خاص اہمیّت کی حامل رہی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اِس حسین وجمیل وادی میں قریباً پانچ ہزار سال پہلے پانڈووں کے دور میں ڈونگا نگر اور اَودھے نگر (موجودہ سرتنگل) کی پرانی راجدھانی میں ایک عظیم یونی ورسٹی قائم کی گئی تھی جس میں دس ہزار طالب علموں کے قیام وطعام کا بدوبست کیا گیا تھا۔ اِس یونی ورسٹی میں سنسکرت زبان کے بڑے بڑے عالم مختلف علوم میں شمالی ہندوستان کے طالب علموں کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کرتے تھے۔ اِس یونی ورسٹی کا ذِکر ہرش نے اپنے شاہکار ڈراما ''ناگانندم'' میں کیا ہے۔ یہ سارا علاقہ اُن دنوں سدھ ونش کی راجکماری ملیہ دیوی کی نسبت سے ملیہ پربت کہلاتا تھا۔ اُس عظیم یونی ورسٹی کا گُل پتی کوشک تھا۔

اگر چہ اِس بارے میں ہمیں ابھی تک کوئی تاریخی سند دستیاب نہیں ہوسکی

ہے، تاہم سینہ بہ سینہ چلی آرہی روایات سے اِس کے موجود ہونے کا بخوبی علم ہو جاتا ہے۔ کسی تاریخ میں اُس زمانے کا ذِکر بھی نہیں ہے جب یہ قائم کی گئی تھی اور نہ یہ معلوم ہو سکا ہے کہ دارالعلوم کب اور کن حالات میں بند ہوا اور اس کے مکانات اور ہوٹل وغیرہ کہاں گئے۔ اِس کے بعد پال راجوں کے عہدِ حکومت میں راجہ میدنی پال کی تعلیم و تربیت کے لئے وادئ کشمیر سے کچھ پنڈت ودھوان بھدرواہ لائے گئے، جو راج گرو کہلائے۔ ڈاکٹر پریتم کرشن کول نے اُس عہد کی دو تانبے کی پلیٹیں دریافت کی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ میدنی پال نے اپنے راج گُرو کملاکر کو راجہ کی تعلیم و تربیت کے صِلے میں علاقہ بھلیس میں بدھی (بسنوتہ) کا گاؤں عطا کیا تھا اور ساتھ ہی گُرو دکشنا کے طور پر بھدرواہ میں بھی ۳۰ آلہ زمین اُس کے نام کر دی تھی۔ اغلب ہے کہ میدنی پال کے دورِ حکومت میں بھدرواہ کا ''واسکی پران'' راج گُرو کے ہاتھوں قلمبند کروایا گیا ہو۔ ہمیں پال راجوں کے کسی راجہ کے عہد میں رسمی تعلیم کے حوالے سے کسی نظامِ تعلیم کا حوالہ یا سند دستیاب نہیں۔ حالانکہ اُن راجوں کی ذاتی تعلیم و تربیت کے لئے کسی حد تک سہولیات فراہم کی جاتی رہیں! تاہم یہاں مقامی طور پر مسلمانوں کی آمد کے بعد اِسلامی نوعیت کی غیر رسمی تعلیم اور درس و تدریس کا سلسلہ پال خاندان کے دور سے ہی شروع ہوا تھا۔

ڈوگرہ دورِ حکومت میں رسمی تعلیم:

(رنبیر سنگھ، پرتاپ سنگھ اور امر سنگھ کے عہد میں)

ریاست جموں و کشمیر میں رسمی نظامِ تعلیم کا اِبتدائی سلسلہ مہاراجہ رنبیر سنگھ اور مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے عہد ہائے حکومت (بالترتیب ۱۸۵۷ء تا ۱۸۸۵ء اور ۱۸۸۵ء تا ۱۹۲۵ء) میں شروع ہوا۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ کے دورِ حکومت میں بھدرواہ خاص میں پہلا پرائمری سکول کھولا گیا، جس میں ماسٹر برج لال کول اور کچھ ڈوگرہ ملازمین تعینات کئے

گئے اور مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے دورِ حکومت میں غالباً اُن کے ذاتی سیکریٹری پنڈت دیانند کول کی سفارش پر بھدرواہ میں پہلا گرلز سکول منظور ہوا جس کی پہلی اُستانی سکھ مالی کول تھی۔ سکھ مالی کول کے خاوند ماسٹر برج لال کول محلّہ صرافاں میں رہائش پذیر تھے، جو لڑکوں کے سکول میں پڑھاتے تھے۔ ۱۸۸۹ء سے قبل سکولوں کی تعداد صرف آٹھ تھی جو ۱۸۸۹ء اور ۱۸۹۱ء کے دوران بڑھ کر اکتیس (۳۱) ہوگئی۔ تاہم سری نگر اور جموں میں دو ہائی سکول پہلے ہی قائم کئے گئے تھے۔ سال ۱۸۹۲ء کے دوران تعلیمی فروغ اور ترویج کے لئے ۳۷۰۰۰ روپے کی سالانہ گرانٹ منظور کی گئی۔ ۱۸۸۹ء تا ۱۸۹۰ء میں طلباء کی تعداد ۸۳۶ تھی جو ۱۸۹۲ء اور ۱۸۹۳ء کے دوران ۴۶۱۴ تک پہنچ گئی۔ مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے دور میں سری نگر اور جموں کے لئے ایک ایک کالج کھولنے کی منظوری دی گئی۔ صوبہ جموں اور وادی میں ہائی سکولوں کی تعداد بالکل کم تھی۔ کچھ لوگوں کی مخالفت کے باوجود مہاراجہ پرتاپ سنگھ ریاست میں اچھی تعلیم فراہم کرنے کی پالیسی کے خواہاں رہے۔

بھدرواہ اُن دِنوں ایک جاگیر تھی۔ یہ بات یہاں قابلِ ذکر ہے کہ ۱۹۱۱ء کے دوان ریاست میں ۸۳ نئے پرائمری سکول کھولے گئے جن میں سے تین سکول چھتراہ، گوڑاکہ اور بھالڑہ، بھدرواہ جاگیر کو بھی ملے[1]۔ دراصل بھدرواہ کے لئے یہ التفات ایک بڑے تعلیمی تحفے سے کم نہیں تھا۔ اپنی جاگیر ہونے کے ناطے سے اُن راجوں نے بھدرواہ جاگیر کو بہت سے تعلیمی اداروں سے نوازا اور سری نگر اور جموں میں کچھ تعلیمی اداروں کی بنیاد ڈالنے کے بعد اُن کی پہلی نظر اِس دُور اُفتادہ مگر قدرتی حُسن سے بھری دِلفریب جاگیر پر پڑی اور اِس کے مختلف مقامات پر سکول کھول کر لوگوں کو علم کے نور سے فیضیاب ہونے کا موقع بہم پہنچایا۔ جس کے بعد میں بھی دُور رس نتائج برآمد ہوتے رہے اور بھدرواہی لوگ تعلیمی لحاظ سے ریاست کے دُوسرے مقامات کے

---

[1] اِستفادہ ''کلچرل ہیری ٹیج''، نیک چند کوتوال بحوالہ ''مُسلمز آف کشمیر'' از ڈاکٹر ہری اوم

مقابلہ میں آگے بڑھتے گئے' جس وجہ سے اِس خطۂ ارض کو ریاست کا کیرل کہا جانے لگا۔ مہاراجہ پرتاپ سنگھ نے اپنے برادرِ اصغر راجہ امر سنگھ کو ریاست کا وزیرِ اعظم مقرر کیا تاہم بھدرواہ راجہ امر سنگھ کی جاگیر ۱۸۷۸ء سے ۱۸۸۱ء تک رہی اور بعد میں بھدرواہ جاگیر پورے اِختیارات کے ساتھ (اِنتظامی اور مالی) اُس کی ذاتی مملکت رہی کیونکہ ۱۹۰۱ء میں اِس جاگیر کا درجہ بڑھا کر ذاتی مملکت کر دیا گیا' جو راجہ امر سنگھ کی موت ۱۹۱۱ء تک اُن کی ذاتی خودمختار ریاست کے طور پر قائم رہا۔ مہاراجہ پرتاپ سنگھ ریاست کے مہاراجہ بنے رہے۔

بقولِ غلام رسول آزاد (مرحوم) "——بھدرواہ جاگیر میں (۱۹۲۴ء سے پہلے) چھ پرائمری سکول کلھوتران' جکیاس' ہلارن' کانڈوت' بیرڑ وا ور ملوٹھی میں اور ایک مڈل سکول بھدرواہ میں قائم تھے' جسے ۱۹۲۴ء میں ہائی سکول بنایا گیا تھا اور اُس میں پرائمری جماعتیں بھی ۱۹۲۵ء تک قائم رہیں۔ (اپریل ۱۹۲۴ء میں) میرے سکول میں داخلہ لینے کے وقت بھی (یعنی کلھوتران سکول میں) صرف ایک اُستاد ماسٹر سیتا رام جی گپتا متعین تھے۔ ماسٹر سیتا رام کی جگہ ماسٹر انیرودھ سنگھ' جو سیرو کاہل جگاسر کے رہنے والے تھے یہاں آئے۔ علاقہ بھلیس کے وہ دُوسرے شخص تھے جنہوں نے بھدرواہ سے مڈل پاس کیا تھا۔ کچھ عرصہ بعد بھدرواہ کے ہی ایک اُستاد محمد سلطان صاحب خطیب[1] بھی اسکول میں آگئے۔ دو برس کے بعد ماسٹر محمد سلطان خطیب صاحب کے تبادلہ پر ماسٹر عبدالقادر صاحب وانی اسکول میں تعینات کئے گئے۔ اُس وقت اسکول میں لڑکوں کی تعداد تیس چالیس تھی۔ لڑکیوں کو پڑھانے کا رواج ابھی شروع نہیں ہوا تھا——" یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ علاقہ بھلیس' ڈوڈہ' کشتواڑ اور مرمت کے بچے مڈل اور بعد میں میٹرک کا اِمتحان دینے کے لئے اور اگلی جماعتوں میں داخلہ لینے کے لئے بھدرواہ آیا کرتے تھے۔ کیوں کہ موجودہ ضلع میں صرف ایک ہی ہائی

---

[1] مصنف کے والدِ مکرم (مرحوم)

سکول (یعنی سری امر ہائی سکول) بھدرواہ میں قائم تھا۔ یہ سلسلہ مذکورہ مقامات پر اضافی تعلیمی سہولیات کی فراہمی تک جاری رہا۔ بہر حال ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ بھدرواہ جاگیر کو مہاراجہ رنبیر سنگھ اور مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے ساتھ ساتھ راجہ امر سنگھ کے دورِ حکومت میں تعلیمی لحاظ سے مقابلتاً کافی حصّہ ملتا رہا۔ راجہ امر سنگھ نے اپنی مملکت بھدرواہ کا دورہ ۱۸۹۳ء کے دوران کیا۔ مہاراجہ پرتاپ سنگھ کا دورِ حکومت اُن کی وفات پر ۱۹۲۵ء میں ختم ہوا۔

تعلیم - مہاراجہ ہری سنگھ کے عہد میں:

مہاراجہ ہری سنگھ نے ۱۹۲۵ء سے ۱۹۴۷ء تک ریاست جموں و کشمیر پر حکومت کی۔ مہاراجہ صاحب نے بھی اپنی جاگیر کا تعلیمی لحاظ سے خاص خیال رکھا۔ مہاراجہ ہری سنگھ نے اپنی جاگیر کا دورہ اپنی گدی نشینی سے چار سال پہلے کیا تھا جبکہ مہاراجہ پرتاپ سنگھ ابھی حیات تھے اور ہری سنگھ کو ابھی راجکمار کا ہی خطاب ملا تھا۔ اُنہوں نے یہ دورہ ۱۹۲۱ء تا ۱۹۲۲ء کے ماہ جولائی میں کیا تھا۔ اس دورہ کے کچھ ہی سال کے بعد یعنی ۱۹۲۴ء میں مڈل سکول بھدرواہ کا درجہ بڑھا کر ہائی سکول کر دیا جبکہ ہری سنگھ ابھی مہاراجہ نہیں بنے تھے۔ لہٰذا قرینِ قیاس ہے کہ راجکمار کی سفارش پر مہاراجہ پرتاپ سنگھ نے اِس سکول کا درجہ بڑھا دیا ہو اور اِس کا نام اپنے والد سے منسوب کر کے سری امر سنگھ ہائی سکول رکھوایا ہو۔ مہاراجہ امر سنگھ کی وفات ۱۹۱۱ء میں ہوئی تھی۔ اِس لئے کچھ مورخین کا یہ لکھنا کہ راجہ امر سنگھ نے ہی اِس سکول کا درجہ بڑھایا تھا' دُرست معلوم نہیں ہوتا۔ بہر حال جاگیر بھدرواہ کا یہ ہائی سکول وادی چناب میں سب سے پہلا سکول تھا' جس کے فارغ التحصیل طلباء سری نگر اور جموں کے علاوہ پنجاب یونی ورسٹی وغیرہ میں مزید تعلیم حاصل کر کے ریاست اور بیرونِ ریاست اعلیٰ سرکاری اور غیر سرکاری عہدوں پر فائز رہے۔ ۱۹۴۰ء کے میٹرک کے امتحان میں پنجاب یونی ورسٹی لاہور

میں اوّل پوزیشن حاصل کرنے والا یہاں کا ایک غریب لیکن ذہین ترین طالب علم مسٹر عبدالحق سہروردی تھا اور ۱۹۴۹ء کے دوران کشمیر یونی ورسٹی میں لئے گئے پہلے میٹرک اِمتحان میں یہاں کا ہی قابل ترین طالب علم مسٹر شانتی پرکاش کاٹل تھا، جس نے پہلی پوزیشن حاصل کی۔ بھلیس سے آئے ہوئے اِس سکول میں داخل ہونے والے ہراول دستوں میں خواجہ غلام رسول آزاد، جناب عبدالعزیز بٹ اور پروفیسر عمرالدین ملک جیسی ہستیاں شامل تھیں۔ اِس ہائی سکول میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے جاگیر کے دُوسرے علاقوں میں سے یا بیرونی مقامات سے آئے ہوئے طلباء کو یہاں کے مقامی لوگ اپنے گھروں میں اپنے ہی بچوں کی طرح بڑے ہمدردانہ برتاؤ اور محبت سے رکھتے تھے۔ بھلیس کے لوگوں کو تو کسی قسم کی پرائیگی کا احساس نہیں تھا۔ علاقہ ٹھاٹھری، بھیلہ، سراج اور مرمت کے لوگ بھی اپنے بچوں کو بھدرواہ ہی بھیجنا پسند کرتے تھے۔ تاہم رسل ورسائل کے ذرائع کی کمی کی وجہ سے بچوں کو بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

مُسلم اور ہریجن طلباء کے لئے وظائف:

مہاراجہ ہری سنگھ کے دور میں مذکورہ پرائمری، مڈل اور ہائی سکول کھلنے کے باوجود ریاستی سکولوں میں بالعموم اور مملکت بھدرواہ میں بالخصوص شرح خواندگی بہت کم تھی۔ اِس بارے میں جناب غلام رسول آزاد (مرحوم) اپنی سوانح حیات میں یوں تحریر فرماتے ہیں ''—— ایسی صورتِ حال ۱۹۲۴ء تک جاری رہی۔ جب مہاراجہ ہری سنگھ جموں وکشمیر کے تخت پر بیٹھے تو اُنہوں نے ریاست میں تعلیم کے فروغ پر اوّلین توجہ دی۔ اُن کے دورِ حکومت میں ریاست کے لوگوں نے تعلیم کے میدان میں کافی ترقی کی۔ اِس کا کچھ اندازہ اِن اعداد وشمار سے لگایا جا سکتا ہے۔ ۱۹۰۱ء کی مردم شماری کے مطابق ریاست میں خواندگی کی شرح ۲ فی صدی تھی جو ۱۹۲۱ء میں بڑھ کر ۲ء۲ فی صدی ہوگئی۔ مگر مہاراجہ کی کوششوں سے یہ شرح ۱۹۴۱ء تک ۸ء۸ فی صدی ہوگئی ——'' وہ

مزید لکھتے ہیں کہ ''—— مہاراجہ ہری سنگھ نے جہاں ہری جنوں کے لئے سکالرشپ جاری کئے وہیں اسکولوں اور کالجوں میں پڑھنے والے مسلم طلباء اور طالبات کے لئے بھی دو قسم کے وظائف مخصوص کئے۔ ایک عام سکالرشپ اور دُوسرا میرٹ یعنی قابلیت کا۔ اِس کے علاوہ سپیشل انسپکٹر فار مسلم ایجوکیشن کی آسامیاں بھی قائم کیں، جن کا کام مسلمانوں کی تعلیم کی ترقی اور ترویج پر خصوصی نظر رکھنا تھا۔ اِس طرح مسلمانوں کے لئے تعلیم کے دروازے کھل گئے اور دُور دراز کے علاقوں کے طلبا کی بھی حوصلہ افزائی ہونے لگی اور ہم جیسے لوگوں نے بھی آگے بڑھنا شروع کیا ——''[1]

اساتذہ کے گریڈ اور سماجی رُتبہ:

ڈوگرہ دور میں دسویں تک تعلیم مفت تھی۔ پرائمری اور مڈل سکولوں کے علاوہ دُور دراز علاقوں میں مکتب اور پاٹھ شالائیں بھی کھولی گئی تھیں۔ کچھ سکول گُروکل کی طرز پر چلتے تھے، یعنی درختوں کے نیچے، البتہ سخت سردی اور سخت گرمی کے دِنوں میں لوگ اپنے گھروں میں اُن کو چلانے کی بخوشی اجازت دیتے تھے۔ عام طور پر سکول کے لئے ایک دو کمرے لوگ ہی ''ہلہ شیری'' سے تعمیر کرتے تھے۔ اُستادوں کی بہت عزت کی جاتی تھی۔ لوگ اُن کی مدد کرتے تھے۔ اُستادوں کی تنخواہیں بہت کم تھیں۔ میرے والد (مرحوم) کہتے تھے کہ پہلی تعیناتی (غالباً ۱۹۲۴ء-۱۹۲۵ء) پر اُنہیں ۱۰-۱/۴-۱۵ روپے کا گریڈ دیا گیا تھا۔ آزاد صاحب (مرحوم) نے اپنی خودنوشت سوانح میں ۱۹۴۲ء اور ۱۹۴۶ء کے درمیان اساتذہ کے گریڈوں کی تفصیل یوں دی ہے۔:

نان گزٹیڈ: (۱) ۲۰-۱-۲۵ (۲) ۲۰-۱-۳۵ (۳) ۲۰-۱/۲-۱-۳۵

(۴) ۲۵-۲-۵۵ (۵) ۳۰-۲-۶۰ (۶) ۴۰-۴-۸۰

(۷) ۵۰-۵-۷۵ (۸) ۷۵-۵-۱۲۵

---

[1] ''جدوجہد'' خودنوشتہ سوانح حیات، از: غلام رسول آزاد

اور گزٹیڈ گریڈ' جس میں ہیڈ ماسٹر' اسسٹنٹ انسپکٹر اور کالجوں کے لیکچررس آتے تھے' کا گریڈ ۱۰۰-۱۰-۲۰۰ تھا۔ وہ آگے لکھتے ہیں کہ ''میں خود ایم۔اے ریاضیات کرنے کے بعد ۲۵-۲-۵۵ کے گریڈ میں تھا اور پینتالیس روپے تنخواہ ملتی تھی۔ ۱۹۴۵ء کے آخر میں ترقی ملنے کے بعد جون ۱۹۴۶ء سے میں ۵۰-۵-۷۵ کے گریڈ میں کام کر رہا تھا۔''

''صوبہ جموں اُن دِنوں ضلع وار چار ڈویژنوں میں منقسم تھا۔ اُودھم پور اور ڈوڈہ ایک ہی ضلع تھا اور ہر ڈویژن کا تعلیمی حاکم اسسٹنٹ انسپکٹر کہلاتا تھا۔ اُستادوں کی تنخواہیں ضلع اُودھم پور کے صدر مقام سے نکلتی تھیں۔ موجودہ ضلع ڈوڈہ میں تین یا چار پے سنٹر تھے' جہاں آکر اُستاد تنخواہ حاصل کرتے تھے۔ بھدرواہ جاگیر کا پے سنٹر بھدرواہ خاص میں تھا' جو کافی عرصہ تک میرے والد صاحب (مرحوم) کے چارج میں بھی رہا۔ صوبائی سطح پر اِنسپکٹر آف سکولز تعلیمی اِنتظامیہ اور نظم و نسق کے ذمہ دار ہوا کرتے تھے۔ اُستادوں میں احساسِ ذمہ داری بہت ہوا کرتا تھا' جس وجہ سے وہ اپنے ضمیر سے سودا بازی کر کے کبھی سکول سے بھاگنے کی کوشش نہیں کرتے تھے۔ فرائض منصبی کی دیانتدارانہ انجام دہی ہر اُستاد کا شعار تھا۔ اُستاد بہت محنتی' قابل اور ہمدرد ہوا کرتے تھے۔ وہ سب فرقہ وارانہ تفریق سے بالاتر تھے۔ فرمانبرداری' اطاعت شعاری اور خوف خدا کے جذبات سے لبریز یہ اساتذہ معاشرے اور سماج میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ اِن کا وقار بلند تھا اور وہ سماج کے ایک اہم انگ کے طور پر باعزت زِندگی بسر کرتے تھے۔

عوامی دور میں تعلیم کا فروغ:

(۱۹۴۷ء تا ۲۰۰۹ء)

۱۹۴۷ء کے بعد ریاست میں بالعموم اور خِطّہ چناب میں بالخصوص تعلیمی اداروں کا جال پھیلایا گیا اور ایک کلومیٹر کے اندر اندر ہر جگہ تعلیمی اِدارے کھولے گئے۔ آج

بھدرواہ کی قدیم اور جدید حدود میں ہر موہڑہ میں ایک پرائمری سکول قائم ہے، جن میں اوسطاً اُستادوں کی دو سے تین تک آسامیاں ہیں۔ تعداد کے لحاظ سے مدارس میں اساتذہ فراہم کئے جاتے ہیں۔ بنیادی تعلیم کو عام کرنے کے لئے سروشکشا ابھیان کے تحت جگہ جگہ تعلیمی سہولیات فراہم کی جاتی ہیں۔ اسی طرح سے ان حدود میں بے شمار مڈل، ہائی سکول اور ہائرسیکنڈری سکول قائم کئے گئے ہیں۔

قصبہ بھدرواہ اور ملحقہ مواضعات میں بھی متعدد سکول کام کر رہے ہیں۔ ہائی سکول بھدرواہ کا درجہ ۱۹۶۴ء میں بڑھا کر ہائرسیکنڈری کر دیا گیا تھا۔ سال ۱۹۵۵ء میں یہاں ایک ڈِگری کالج اور ایک ٹیچرز ٹریننگ سکول کی منظوری بھی دی گئی اور ۱۹۹۰ء میں گرلز ہائی سکول کا درجہ بڑھایا گیا۔ گیارھویں جماعت کی لڑکیاں ڈِگری کالج میں ہی پڑھتی تھیں۔ اُن دِنوں کالج میں شری جیا لال کوتوال پرنسپل تھے۔ راقم الحروف ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر ڈوڈہ تھا اور مسٹر خورشید احمد گنائی ضلع ڈپٹی کمشنر تھے۔ ہم تینوں کی اِنفرادی اور اجتماعی کوششوں سے اُس وقت کی کمشنر سکریٹری مِس سُشما چوہدری نے ہماری تجاویز پر غور کیا اور بڑی مخلصانہ کوشش سے اِس سکول کا درجہ بڑھا کر ہائر سیکنڈری سکول کر دیا۔ راقم کو منظور شدہ صرف دس لیکچراروں کی آسامیوں پر اندرونی سطح پر دُوسرے سکولوں کے اچھے اساتذہ کو ایڈجسٹ کرنے کے احکامات صادر کئے گئے۔ راقم نے فوری طور پر دس پندرہ اُستاد اور چند ایک کلرک فراہم کر دئے اور سکول چالو ہو گیا۔ وادیٔ بھدرواہ میں معہ کیلاڑ علاقے کے بہت سے سکول ہیں اور قصبہ میں خواندگی کا تناسب قابل تقلید ہے۔ اِس وقت قصبہ میں دو ہائر سیکنڈری سکول، ایک پوسٹ گریجویٹ کالج، ایک آئی. ٹی. آئی اور تین ہائی سکول کام کر رہے ہیں، جن میں دو پرائیویٹ طور پر قائم کئے گئے ہیں۔

مفصلات اور مضافات میں ہائرسیکنڈری سکول چنتہ، بھالڑہ، ملوٹھی اور گرلز ہائی سکول گاٹھ، ہائی سکول سرتنگل، سیری، درڈو، چکرا بتی اور بھالا وغیرہ کے مقامات پر کام کر

رہے ہیں۔ بھدرواہ میں ڈگری کالج کھلنے سے یہاں کے بہت سے طالب علم ریاست اور بیرون ریاست میڈیکل کالجوں، انجینئرنگ، ایگری کلچر، لاء کالجوں اور بڑی بڑی یونیورسٹیوں میں داخلہ لینے کے قابل ہو گئے۔ اور کالج کے پچاس سالہ سنہری یومِ تاسیس پر، جو نومبر ۲۰۰۵ء میں منایا گیا، ہزاروں سابق طلباء نے شرکت کی۔ اِس کالج سے فارغ التحصیل طالب علموں میں جناب غلام نبی آزاد چیف منسٹر جموں و کشمیر جیسی ہستیاں، ریاستی ممبرانِ اسمبلی اور ممبران پارلیمنٹ جلسہ گاہ میں رونق افروز ہوئیں۔ جلسہ کی صدارت مفتی محمد سعید نے کی۔ اُن کے علاوہ قریباً آدھ درجن پرنسپل، ڈائریکٹر کالج، متعدد پرنسپل ہائر سیکنڈری سکولز، کمشنر، ڈپٹی کمشنر، انجینئر، فاریسٹ آفیسر، ڈاکٹر اور دُوسرے بڑے عہدے دار اپنے کالج کے سنہرے یوم تاسیس Golden Jublee میں شرکت کرنے کے لئے سینکڑوں سابقہ طلباء اور طالبات اور ہزاروں بھدرواہ نواسیوں کے ساتھ تشریف لائے۔ یہ ایک تاریخی جلسہ تھا، جس میں رنگا رنگ تمدنی، تفریحی اور تعلیمی پروگرام پیش کئے گئے۔ اِسی جلسے کے دوران بھدرواہ میں یونی ورسٹی یا ایک ذیلی کیمپس منظور کئے جانے کا اعلان بھی ہوا۔

شرح خواندگی:

غیر منقسم بھدرواہ کی ۱۹۸۱ء اور ۲۰۰۱ء میں کی گئی مردم شماری کے مطابق یہاں کی شرح خواندگی بہ لحاظ جنس ضلعی اور تحصیل سطح پر حسب ذیل تھی:

ضلع سطح پر شرح خواندگی

سال	کل شرح	مرد	خواتین
۱۹۸۱ء	۱۸ء۵۰	۲۸ء۵۶	۷ء۱
۲۰۰۱ء	۴۶ء۹۲	۶۳ء۵۶	۲۸ء۳۵

تحصیل سطح پر شرحِ خواندگی

سال	نام تحصیل[1]	تحصیل سطح پر کُل شرح خواندگی	مرد	خواتین
۱۹۸۱ء	بھدرواہ، بھلیس، ٹھاٹھری	۲۳٫۷۰	۴۵٫۵۶	۱۰٫۹۰
	(دیہاتی)	۲۱٫۰۴	۳۲٫۸۰	۸٫۷۰
	(شہری)	۵۵٫۲۶	۴۶٫۳۲	۴۵٫۷۵
۲۰۰۱ء	بھدرواہ	۶۹٫۴۲	۸۴٫۱۸	۵۳٫۰۶
	(دیہاتی)	۶۵٫۸۹	۸۱٫۹۷	۴۹٫۱۰
	(شہری)[2]	۸۴٫۹۳	۹۴٫۵۶	۹۳٫۹۱
	ٹھاٹھری	۵۰٫۹۸	۹۴٫۳۰	۳۱٫۹۶
	(دیہاتی)	۵۰٫۹۷	۸۹٫۳۰	۳۱٫۹۶
	(شہری)	...	...	...
	بھلیس گندو	۴۶٫۹۷	۶۶٫۷۰	۲۵٫۹۸
	(دیہاتی)	۴۶٫۹۷	۶۶٫۷۰	۲۵٫۹۸
	(شہری)	...	...	...

[1] قدیم راجوڑاہ بھدرواہ سے الگ کی گئی تحصیلوں اور حصّوں کے تعلیمی پسِ منظر کی تفصیلات متعلقہ ابواب میں دی گئی ہیں، جو علاقہ بھلیس، علاقہ ٹھاٹھری اور علاقہ مرمت کے ابواب میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

[2] ضلعی سطح پر شرح خواندگی کے مقابلہ میں تحصیل بھدرواہ سب سے آگے ہے، جس کا اندازہ اُوپر دیئے گئے گوشوارے سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

عمارات کی تعمیر و تجدید:

بھدرواہ میں مختلف تعلیمی اداروں کے لئے عمارات کی تعمیر اور ضروری سامان کی فراہمی پر ہر سال کروڑوں روپے خرچ کئے جاتے ہیں۔ اِس کے علاوہ ملی ٹینسی کے دوران سینکڑوں سکولی عمارتیں، جو آتش زدگی سے تباہ کی جا چکی تھیں، کی مرمت اور تجدید کاری کا کام بھی سرعت سے جاری ہے۔

نئے اضلاع کی حدود میں سکولوں کی تعداد:

(بہ مطابق دسمبر ۲۰۰۸ء)[۱]

نمبر شمار	زون	کالج	ہائر سیکنڈری سکول بوائز	ہائر سیکنڈری سکول گرلز	ہائی سکول بوائز	ہائی سکول گرلز	لوئر ہائی	مڈل	پرائمری	میزان
۱.	بھدرواہ	۱	۴	۱	۳	۱	۱	۲۲	۵۲	۸۵
۲.	بھالا (بھدرواہ)	...	۳	...	۵	۱	۱	۱۴	۴۲	۶۶
۳.	بھلیس (گندو)	۱	۵	۱	۹	...	...	۱۶	۶۷	۹۹
۴.	بھٹیاس (گندو)	...	۴	...	۱۲	۱	...	۲۱	۴۴	۸۲
۵.	ٹھاٹھری	...	۴	۱	۹	...	...	۱۸	۴۶	۷۸
۶.	عصر (ڈوڈہ)	...	۳	...	۷	...	۲	۲۱	۵۸	۹۱
۷.	ڈوڈہ	۱	۲	۱	۵	۲	۱	۱۹	۵۱	۸۲
۸.	گھٹ (ڈوڈہ)	...	۳	...	۵	...	۴	۲۰	۵۶	۸۸
۹.	گندنہ (ڈوڈہ)	...	۳	...	۴	...	۲	۲۳	۳۸	۷۰
۱۰.	بھاگواہ	...	۴	...	۴	...	۳	۲۸	۶۸	۱۰۷
	میزان	۳	۳۵	۴	۶۳	۵	۱۴	۲۰۲	۵۵۲	۸۴۸

[۱] ضلع ڈوڈہ کو تین ضلعوں میں ۲۰۰۷ء کے دوران تقسیم کیا گیا، جس سے نیا ضلع مندرجہ بالا تحصیلوں، تعلیمی زونوں پر مشتمل رہا۔ دوسرے دو ضلعوں رام بن اور کشتواڑ کے اعداد اِس میں شامل نہیں ہیں۔

(بھدرواہ۔ ترقی کے چند اور زینے)

باب دوم: بجلی کی پیداوار

پاور ہاؤس سرتنگل:

عوامی حکومت کی طرف سے تیسرے پانچ سالہ منصوبے میں موضع سرتنگل کے مقام پر تین صد پچاس (۳۵۰) کلوواٹ کے دو یونٹ تعمیر کرنے کا کام شامل کیا گیا' جس کی شروعات منصوبے کی منظوری کے ساتھ ساتھ ہی عمل میں آئی۔ سرتنگل کا خوبصورت گاؤں کیلاش کنڈ اور آشا پتی کے معروف پہاڑی سلسلوں کے دامن میں واقع ہے۔ سات سو (۷۰۰) کلوواٹ صلاحیت کے حامل اِس پن بجلی گھر کی ٹربائین (انجن) پتھر سے بنی ہوئی پن چکیوں سے چلتی تھیں۔ یہ بجلی گھر دسمبر ۱۹۶۴ء کو چالو کیا گیا اور اِس کی بجلی بھدرواہ اور ڈوڈہ کے قصبوں کے علاوہ راستے میں آنے والے تقریباً سب ہی دیہاتوں کو فراہم کی گئی۔ اِس بجلی گھر سے ۴۴۰ واٹس کی بجلی کو ترسیل کی غرض سے گیارہ کلوواٹ تک بڑھایا جاتا تھا۔ اِس بجلی گھر کے لئے موضع بستی کے مقام پر نالہ ہالون سے تقریباً تین کلومیٹر لمبی ایک آبی نہر کی تعمیر اِبتدائی طور پر ہاتھ میں لی گئی اور ساتھ ہی بجلی گھر سے متعلق عمارات وغیرہ کی تعمیر کا کام بھی شروع کیا گیا۔ اِس نہر کے اگلے سِرے سے پانی سات سو فٹ اُونچائی سے آتے ہوئے ٹربائین کے چرخوں کو گھماتا ہے۔ غیر منقسم ضلع ڈوڈہ میں اِس سب سے اوّلین بجلی گھر کی تعمیر سے پہلے قصبہ اور اِس کے کچھ مضافات کو بجلی ڈیزل سیٹ کے ذریعہ فراہم کی جاتی تھی۔

۲۴ر اکتوبر ۱۹۷۰ء کو ڈوڈہ اور کشتواڑ کے درمیان ایک ترسیلی لائن بچھائے

جانے کے بعد بھدرواہ کے بجلی گھر سے کشتواڑ میں بجلی کی اِضافی مانگ کو بھی پورا کیا جاتا رہا اور راستہ میں پڑنے والے دو اہم دیہات بھیلہ اور ٹھاٹھری کو بھی بجلی فراہم کی گئی۔ سابقہ ضلع ڈوڈہ کے تین قصبوں میں سرتنگل پاور ہاؤس کی بدولت ایک قابلِ دید تبدیلی ظہور پذیر ہوئی۔ جنگلوں سے بھری اِن وادیوں میں بجلی کے قمقموں نے رات کے وقت خصوصاً ایک نئے حُسن کا اِضافہ کیا۔ جگہ جگہ بجلی سے چلنے والی مشینیں نصب ہوئیں اور بے کار نوجوانوں کو کسی حد تک روزگار کے مواقع فراہم ہوئے۔ ۲۰۰۵ء میں اِس پاور ہاؤس میں بجلی کی صلاحیت آٹھ کلوواٹ کر دی گئی ہے جس سے قصبہ اور یہاں کے مضافات کی کم وبیش ضروریات پوری ہونے میں مدد ملی۔ پھر بھی مقامی ضروریات کا بیشتر حصّہ باہر سے ہی پورا کیا جاتا ہے۔

نئے منصوبے:

تحصیل بھدرواہ اور تحصیل بھلیسہ کے لئے حال ہی میں جناب محمد شریف نیاز، ریاستی وزیر برائے بجلی نے پن بجلی کے کچھ نئے منصوبے تیار کئے ہیں جو مرکزی سرکار کو منظوری اور امداد کے لئے بھیج دئے گئے ہیں۔ اِن میں (۱) رنگیلا دوندی، علاقہ بھلیس (۱۲ میگاواٹ)، (۲) بھالا، بھدرواہ (ڈیڑھ میگاواٹ) اور (۳) اٹال گڑھ، بھدرواہ (اڑھائی میگاواٹ) کے منصوبے شامل ہیں۔

***

(بھدرواہ- ترقی کے چند اور زینے)

باب سوم: ریاست جموں وکشمیر میں قانون ساز اداروں کا ارتقاء

۱۹۳۴ء تا ۲۰۰۹ء

قانون ساز اِداروں میں

بھدرواہ، بھلیس وغیرہ کی نمائندگی:

پرجا سبھا کا پہلا چناؤ (۱۹۳۴ء):

مہاراجہ ہری سنگھ کے دورِ اقتدار میں پہلی بار ریاست میں ۱۹۳۴ء میں ایک مجلسِ قانون ساز بنائی گئی جس کا بعد میں ''پرجا سبھا'' نام رکھا گیا' جو بقول معروف صحافی لالہ ملک راج صراف ''زیادہ تر نامزد ممبران بہ نسبت چُنے ہوئے ممبران پر مشتمل تھی۔ وہ بھی ایک محدود قسم کی اور فرقہ وارانہ رائے دہی کی بِنا پر۔'' صراف صاحب مزید کہتے ہیں کہ ''میں نے بھی اِنتخاب لڑا' اِسے ایسی فضا میں ہار گیا جس پر ذات پات کی ناشائستہ ترین صورت چھائی ہوئی تھی۔''[۱]

پرجا سبھا کا دُوسرا چناؤ (۱۹۳۸ء):

لالہ مُلک راج صراف لکھتے ہیں کہ ''دُوسری پرجا سبھا کا سالانہ چناؤ مئی

---

[۱] ''پچاس سال بطورِ صحافی'' از: ملک راج صراف' صفحہ: ۱۵۲-۱۵۳

۱۹۳۸ء میں قرار ہونا پایا لیکن کیونکہ فضا کو ایک بار پھر فرقہ وارانہ تناؤ اور ذات پات کا قابلِ مذمّت رنگ چڑھایا گیا' اِس لئے یہ چناؤ بجائے بیلٹ (ووٹنگ) کے بذریعہ لاٹ یعنی قرعہ اندازی کروائے گئے۔''[1]

۱۹۳۴ء کے پرجا سبھا کے چناؤ میں بھدرواہ سے بقول نیک چند کوتوال ایک مایہ ناز وکیل کوتوال شیولال منتخب ہوئے اور دُوسرے چناؤ میں مسٹر لکھمی چند کوتوال کامیاب ہوئے۔ ۱۹۳۸ء کے چناؤ میں ڈوڈہ سے خواجہ محمد خلیل کچلو منتخب ہوئے۔

پرجا سبھا کا تیسرا چناؤ (۱۹۴۶ء):

نیشنل کانفرنس نے اپنے متعدد کارکنوں کے جیلوں میں بند ہونے کی بِنا پر ۱۹۴۶ء کے اِنتخاب کا بائیکاٹ کیا۔ بھدرواہ حلقہءِ اِنتخاب سے اِس چناؤ میں ملِک غلام رسول کامیاب ہوئے لیکن سیاسی افراتفری کی وجہ سے وہ کوئی خاص کام نہ کر پائے۔

دستور ساز اسمبلی:

یوراج کرن سنگھ کے ایک حکم نامے کے تحت اکتوبر ۱۹۵۱ء میں دستور ساز اسمبلی کا اِنتخاب عمل میں آیا۔ اِس میں نیشنل کانفرنس کو ۷۵ میں سے ۷۵ سیٹیں حاصل ہوئیں۔ مُسلم کانفرنس نے اِس اِنتخاب میں حصّہ نہیں لیا۔ حلقۂ اِنتخاب بھدرواہ سے کوتوال چونی لال ایڈوکیٹ اور اِنتخابی حلقہ بھلیس سے خواجہ عبدالغنی گونی ایڈوکیٹ کامیاب قرار دئے گئے اور ڈوڈہ سے خواجہ غلام احمد دیو بلا مقابلہ کامیاب ہوئے۔ تینوں حضرات نیشنل کانفرنس سے تعلق رکھتے تھے۔ ۹ راگست ۱۹۵۳ء کو شیخ محمد عبداللہ کی گرفتاری پر وادی اور سابقہ ڈوڈہ کے حالات ابتر ہوئے۔ کئی لوگ گولیوں کا نشانہ بنے۔ تاہم اِس دستور ساز اسمبلی نے فروری ۱۹۵۴ء میں ریاست جموں وکشمیر کے ہندوستان

---

[1] ''پچاس سال بطورِ صحافی'' از: ملک راج صراف' صفحہ: ۱۵۲-۱۵۳

کے ساتھ اِلحاق کی تصدیق کر ڈالی۔ ۱۴ر مئی ۱۹۵۴ء کو آئینِ ہند کے دفعہ ۳۷۰ کے تحت صدرِ جمہوریہ نے کچھ تحفظات اور ترامیم کے ساتھ آئینِ ہند ریاست پر لاگو کر دیا جبکہ ریاست کا اپنا آئین بھی ۲۶ر جنوری ۱۹۵۷ء سے رُوبہ عمل آیا۔

قانون ساز اسمبلی اور

قانون ساز کونسلوں کے اِنتخابات:

قانون ساز اسمبلی کا چناؤ (مارچ ۱۹۵۷ء):

اِس چناؤ میں بخشی غلام محمد کی پارٹی کو ۷۵ اِنتخابی حلقوں میں سے ۶۵ حلقوں میں کامیاب قرار دیا گیا۔ جب کہ پرجا پریشد کو ۵ سیٹیں اور ایک سیٹ آزاد اُمیدوار کو ملی۔ وادی میں تقریباً سب مخالف اُمیدواروں کے کاغذاتِ نامزدگی مسترد کئے گئے۔

اِس چناؤ میں حلقہ ’بھلیس‘ بونجواہ سے خواجہ عبدالغنی گونی اور بھدرواہ حلقہ سے کوتوال چونی لال کامیاب قرار دئے گئے۔ حلقہ ڈوڈہ سے خواجہ غلام احمد دیو اور حلقہ اِنتخاب کشتواڑ سے سیّد میر بادشاہ کامیاب ہوئے۔

قانون ساز کونسل میں اُستاد برادری کی نمائندگی:

(۱۹۵۷ء)

خواجہ غلام رسول آزاد نے صوبہ جموں کی سیٹ پر اِنتخاب لڑا جو ریاست کے محکمہ تعلیم میں بہت سے اعلیٰ عہدوں پر فائز رہنے کے علاوہ آل جموں و کشمیر ٹیچرز فیڈریشن کے صدر بھی رہے اور کئی سیاسی تنظیموں کے ساتھ بھی منسلک رہے۔ اُنہوں نے اپنے مدِ مقابل اُمیدوار مسز ہربنس لال گپتا کو ۱۴۲ ووٹوں کے مقابلہ میں ۱۲۸۲ ووٹوں سے شکست دے کر یہ ثابت کیا کہ صوبہ جموں کے اساتذہ غالب ہندو اکثریت

کے باوجود سیکولر بنیادوں پر ایک مسلم اُمیدوار کو کامیاب کرواسکتے ہیں۔ اِسی طرح صوبہ کشمیر کی سیٹ پر مُسلم مدرّسین کی اکثریت نے پنڈت دینا ناتھ نادمؔ کو بھاری اکثریت سے کامیاب کروایا۔

دُوسری بار پنڈت پریم ناتھ ڈوگرہ نے آزادؔ صاحب کی ایمانداری اور دُوسرے اوصاف کو مدِ نظر رکھتے ہوئے پرجا پریشد کے اُمیدوار کے کاغذاتِ نامزدگی واپس لے کر اُنہیں بلا مقابلہ کامیاب ہونے کا موقع فراہم کیا۔

۱۹۶۲ء کے اسمبلی چناؤ:

اِس چناؤ میں بخشی غلام محمد کی نیشنل کانفرنس کے ۳۸ اُمیدوار بِلا مقابلہ کامیاب قرار دئے گئے اور ۱۹۵۷ء کے چناؤ کی طرح ہی یہ چناؤ بھی فراڈ اور بے جواز قرار پائے۔ شمیم احمد شمیمؔ نے اِس اسمبلی کو ''خالق میڈ اسمبلی'' کا نام دیا۔ تاہم بھدرواہ سے کوتوال چونی لال اور بھلیسہ بونجواہ حلقہ سے خواجہ عبدالغنی گونی کامیاب قرار پائے۔ جب کہ ڈوڈہ سے خواجہ لسّہ جُو وانی اور کشتواڑ سے سیّد میر بادشاہ کامیاب ہوئے۔ یہ سبھی نیشنل کانفرنس کے اُمیدوار تھے۔ اِس دوران محاذِ رائے شماری کے متعدد کارکُن گرفتار کئے گئے تھے۔

۱۹۶۷ء کے اسمبلی چناؤ:

یہ اِنتخاب خواجہ غلام محمد صادق کی سربراہی میں عمل میں آئے۔ اِن میں کانگریس نے ۵۹ سیٹیں، سابقہ نیشنل کانفرنس نے ۵ سیٹیں، جن سنگھ نے ۳ سیٹیں اور آزاد اُمیدواروں نے دو سیٹیں حاصل کیں۔ بھدرواہ حلقہ سے کشتواڑ کے جگت رام ایرین (شیڈیولڈ کاسٹ) سیٹ پر کامیاب ہوئے۔ ۱۹۶۷ء میں حلقہ بھلیس کے دو حصّے کئے گئے۔ بھلیس بونجواہ کی جگہ حلقۂ اِندروال بنا دیا گیا۔ اِس حلقہ کے جطوط اور نیلی گندو

علاقہ کو بھدرواہ حلقۂ انتخاب سے ملا دیا گیا۔ اِندروال حلقہ سے خواجہ عبدالغنی گونی ایک بار پھر کامیاب ہوئے۔ کشتواڑ حلقہ سے مسٹر غلام مصطفیٰ عشرت اور ڈوڈہ سے خواجہ لسّہ جُو وانی نے کامیابی حاصل کی۔

۱۹۷۲ء کے اسمبلی چناؤ:

دسمبر ۱۹۷۱ء میں خواجہ غلام محمد صادق کی وفات کے بعد ریاست کی زمامِ اِقتدار سیّد میر قاسم کے سپرد کی گئی۔ اُنہوں نے اسمبلی کے چناؤ مارچ ۱۹۷۲ء میں کروائے۔ حکمران کانگریس کو ۷۵ سیٹوں میں سے ۵۷ سیٹیں حاصل ہوئیں۔ بی۔ جے۔ پی۔ کو تین، جماعتِ اسلامی کو پانچ اور مولوی فاروق کی پارٹی کو دو سیٹیں ملیں۔ اِندروال حلقہ سے عبدالغنی گونی اور بھدرواہ سے بودھ راج سُمن نے چناؤ جیتا۔ سُمن صاحب ایک عدالتی فیصلے کی رُو سے کم عمر قرار دئے گئے جس کی وجہ سے اُن کا چناؤ کالعدم قرار دیا گیا۔ اِس حلقہ کے ضمنی چناؤ میں نارائن داس بھگت (لوک دل) کامیاب ہوئے۔ نارائن داس بھگت پہلے پرجا پریشد کے سرگرم کارکن رہے تھے۔ ۱۹۷۲ء کے چناؤ میں ڈوڈہ سے مسٹر ہنس راج ڈوگرہ اور کشتواڑ سے پیر نظام الدّین نے کامیابی حاصل کی۔ ۱۹۷۵ء میں جب شیخ صاحب نے ایک ایکارڈ کے تحت ''ریاستی چیف منسٹر'' کی کرسی حاصل کی اور قاسم سرکار دست بردار ہوئی تو اِس دوران ڈوڈہ سے جناب عطاالله سہروردی کو (۱۹۷۵ء) قانون ساز کونسل کا ممبر بنا کر نائب وزیرِ صحت بنایا گیا۔ دُوسری طرف جناب عبدالغنی مست فریدی کو بھی کونسل کا ممبر بنایا گیا۔

۱۹۷۷ء کے پارلیمانی اور اسمبلی کے چناؤ:

کانگریس پارٹی نے شیخ محمد عبداللہ سے اپنی حمایت واپس لے لی اور گورنر نے اسمبلی توڑ ڈالی۔ ۳۰ رجون ۱۹۷۷ء سے ۳ رجولائی ۱۹۷۷ء کے درمیان اسمبلی کے

چناؤ عمل میں آئے جس میں شیخ صاحب کی نیشنل کانفرنس کو ۷۵ میں سے ۴۷ سیٹیں حاصل ہوئیں۔ یہ ریاست میں شفاف ترین اِنتخاب تصور کیا جاتا ہے۔ اِس میں جنتا پارٹی کو ۱۱ سیٹیں ملیں۔ جن سنگھ کو تین سیٹیں، جماعتِ اسلامی کو ایک سیٹ اور ایک سیٹ آزاد اُمیدوار کو حاصل ہوئی۔ اِس چناؤ میں اِندروال حلقہ سے شیخ غلام محمد بھدرواہی کامیاب ہوئے جن کو وزیرِ مملکت مقرر کیا گیا۔ بھدرواہ سے نارائن داس بھگت کامیاب ہوئے۔ ڈوڈہ سے لسّہ جوٗ وانی کے فرزند غلام قادر وانی اور حلقہ کشتواڑ سے خواجہ بشیر احمد کچلو کامیاب قرار پائے۔

۱۹۸۰ء کے پارلیمانی چناؤ:

اِس چناؤ میں کانگریس پارٹی کی جیت ہوئی اور اُدھم پور حلقہ اِنتخاب سے ڈاکٹر کرن سنگھ کی جیت ہوئی۔ واشم حلقہ اِنتخاب سے جناب غلام نبی آزاد کامیاب ہوئے۔ وہ مرکزی وزارت میں بطورِ وزیر کام کرتے رہے، بعد میں اُنہیں کانگریس کے ایک جنرل سیکریٹری کا فریضہ سپرد کیا گیا۔

شیخ محمد عبداللہ کی وفات اور
فاروق عبداللہ بطورِ چیف منسٹر:

شیخ محمد عبداللہ ۸ ستمبر ۱۹۸۲ء کو وفات پا گئے اور اُن کی جگہ اُن کے فرزند ڈاکٹر فاروق عبداللہ ڈرامائی طور پر ریاست کے چیف منسٹر بنائے گئے۔

۱۹۸۳ء کے اسمبلی اِنتخابات:

ریاستی اسمبلی کے نئے چناؤ ۵ جون ۱۹۸۳ء کو عمل میں لائے گئے جن میں بھدرواہ حلقہ اِنتخاب سے مسٹر ہری لال ہتیشی، سابق ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر کامیاب

ہوئے۔ حلقۂ اِنتخاب اندروال سے شیخ غلام محمد بھدرواہی نے پھر ایک بار چناؤ جیتا۔ اُن پر اِلزام لگایا جاتا ہے کہ اُن کی ایماء پر ہی حکومت نے تحصیل بھدرواہ کے حصّے بکھیر کر تین تحصیلوں میں بانٹا۔ اِس چناؤ میں کشتواڑ کے حلقۂ اِنتخاب سے مسٹر غلام حسن ارمانؔ نے کامیابی حاصل کی۔

قانون ساز کونسل کے چناؤ:

قانون ساز کونسل میں بھدرواہیوں کی اچھی نمائندگی رہی۔ بھدرواہ جنتا پارٹی کے نامور لیڈر اور پارٹی کے پردیش صدر مسٹر دیا کرشن کوتوال کو کونسل میں سیٹ ملی۔ وہ جموں کے ساتھ نابرابری کے سلوک کے مسئلہ کو خوب اُبھارتے رہے اور سڑکوں وغیرہ کی تکمیل کے لئے بھی کوشاں رہے۔

اِسی طرح مسٹر عبدالقیوم ملِک بھی نیشنل کانفرنؔس کی حمایت سے ایک دِن اچانک کونسل کے ممبر بنائے گئے۔ اُن کے علاوہ مسٹر بابر بدر سابق عسکریت پسند کمانڈر کو بھی اُن کی ''جمہوریت پسندی'' کے عوض کونسل کا ممبر بنایا گیا۔ بھلیس کے مسٹر عبدالعزیز بٹ ''گویاؔ'' نے بھی بحثییتِ ممبر قانون ساز حلفِ وفاداری لیا لیکن موت نے اُنہیں زیادہ دِن کونسل میں ٹکنے نہ دیا۔ تاہم اُن کے ہی خاندان سے مسٹر محمد اقبال بٹ کو ممبر بنالیا گیا۔ اِن سب سے پہلے اِس علاقہ کے ایک نامور سیاسی کارکن مرحوم منشی انور بھی قانون ساز کونسل کے ممبر رہے۔

۱۹۸۷ء کے اِنتخابات:

راجیو۔ فاروق ایکارڈ کے تحت ۷ رنومبر ۱۹۸۶ء کو جموں وکشمیر سے صدر راج ہٹادیا گیا۔ کانگریس اور نیشنل کانفرنس کی گٹھ بندھن سرکار نے مارچ ۱۹۸۷ء کو نئے اِنتخاب کروائے۔ اِس چناؤ میں نیشنل کانفرنس کو ۳۹ نشستیں، کانگریس کو ۲۱ نشستیں،

بھارتیہ جنتا پارٹی کو دو نشستیں، مسلم یونائٹڈ فرنٹ کو چار نشستیں اور آزاد اُمیدواروں کو بھی چار نشستیں ملیں۔ بھدرواہ حلقۂ اِنتخاب (مخصوص) سے مسٹر ہری لال ہتیشی دُوسری بار کامیاب ہوئے اور اِندروال سے مسٹر محمد شریف نیاز کانگرس مینڈیٹ پر چناؤ جیتے۔ اِسی طرح سے حلقۂ اِنتخاب ڈوڈہ سے مولانا عطا اللہ سہروردی کامیاب قرار دئے گئے اور کشتواڑ سے خواجہ بشیر احمد کچلو چناؤ جیت گئے اور وزیر برائے جنگلات بنائے گئے۔

پارلیمانی چناؤ

۱۹۷۱ء، ۱۹۷۷ء اور ۱۹۸۰ء:

اُدھم پور حلقۂ اِنتخاب سے ۱۹۷۱ء اور ۱۹۷۷ء کے پارلیمانی چناؤ میں ڈاکٹر کرن سنگھ کامیاب ہوئے۔ اپنی نمائندگی کے دوران ڈاکٹر کرن سنگھ نے گواڑی کے مقام پر ہری سنگھ آئی ہسپتال کے لئے دو چار کمروں پر مشتمل ایک عمارت تعمیر کروائی جس میں آج کل بھیڑ بکریاں زیرِ علاج رہتی ہیں۔ کیونکہ مذکورہ ہسپتال پر ایک سائن بورڈ لگنے کے علاوہ ظاہری آنکھوں سے اور کچھ دِکھائی نہ دیا۔ ڈاکٹر صاحب بھی چناؤ جیتنے کے بعد کبھی یہاں تشریف نہیں لائے۔

۱۹۸۴ء کے پارلیمانی چناؤ:

اُدھم پور حلقۂ اِنتخاب سے کانگریس کے ایک معزز لیڈر مسٹر گردھاری لال ڈوگرہ چناؤ جیتے۔ اُنہوں نے بھی ''کامیابی'' کے بعد اپنی ''نایابی'' کا پورا ثبوت دیا۔

۱۹۸۹ء کے لوک سبھا چناؤ:

اِس چناؤ میں اُدھم پور حلقہ سے شری دھرم پال شرما نے جیت حاصل کی اور وہ بھی اِس جیت کے بعد اِدھر کی طرف رُخ کرنا بھول گئے۔

۱۹۹۶ء کے لوک سبھا چناؤ:

اِس چناؤ میں اُدھم پور حلقہ سے بی۔جے۔پی۔ کے سرکردہ لیڈر پروفیسر چمن لال گپتا کامیاب قرار پائے۔ اُنہوں نے اپنے پارلیمانی فنڈ سے بھدرواہ کے مقامی لیڈر دیا کرشن کوتوال کی فہمائش پر گرلز ہائر سکینڈری اسکول بھدرواہ کی لیبارٹری کے لئے کچھ رقم منظور کی اور کوتوال صاحب کے ساتھ بھدرواہ بھی تشریف لائے۔

ریاست میں صدر راج کی مدت میں توسیع اور اسمبلی کے چناؤ:

ریاست میں صدر راج کے نفاذ کی مدّت میں ۱۸ر جنوری ۱۹۹۷ء تک توسیع کی گئی تھی لیکن ستمبر ۱۹۹۶ء میں ہی ریاستی اسمبلی کے چناؤ پولیس اور افواج کی بے نظیر اور سخت نگرانی میں عمل میں لائے گئے، جن میں نیشنل کانفرنس نے ۵۷ سیٹوں پر قبضہ کیا۔ بی۔جے۔پی دُوسری بڑی پارٹی کے طور اُبھری جس نے صوبہ جموں میں آٹھ نشستیں حاصل کیں۔ اِس چناؤ میں بھدرواہ حلقۂ اِنتخاب سے بہوجن پارٹی کے ریاستی سربراہ شیخ عبدالرحمان بی۔جے۔پی۔ کے صدر کوتوال دیا کرشن کو ہرانے میں کامیاب ہوئے۔ کشتواڑ سے خواجہ بشیر احمد کچلو نے تیسری بار چناؤ جیتا اور حلقۂ اِنتخاب ڈوڈہ سے مولانا عطا اللہ سہروردی کامیاب قرار دئے گئے۔ بدقسمتی سے وہ کچھ ماہ بعد ہی وفات پاکر اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ اُن کی خالی نشست کو ۱۹۹۷ء میں اُن کے ہی فرزند انجینئر خالد نجیب سہروردی نے پُر کیا۔ ضمنی چناؤ میں کامیابی کے بعد اُنہیں وزیرِ مملکت برائے امورِ داخلہ کا ''کانٹوں بھرا تاج'' پہنایا گیا۔

غلام نبی آزاد ممبر راجیہ سبھا منتخب:

۳ر نومبر ۱۹۹۶ء کو مسٹر غلام نبی آزاد نیشنل کانفرنس کی حمایت سے راجیہ سبھا

کے ممبر منتخب ہوئے اور مرکز میں کئی ذمہ داریوں سے نبرد آزما ہوئے۔

۱۹۹۸ء کے پارلیمانی چناؤ:

اِس چناؤ میں اُدھم پور حلقہ اِنتخاب سے بی۔جے۔پی کے اُمیدوار پروفیسر چمن لال گپتا پھر ایک بار کامیاب ہوئے۔ اِس دوران اُن پر اُدھم پور میں پاکستان سے ریلیف میں ملے کچھ سربہ مہر کمبلوں کی لوگوں میں تقسیم کرائے جانے کے ''مبینہ طور الزام'' لگے جو گجرات کے زلزلہ زدگان کے لئے بھیجے گئے تھے۔تاہم اِس کی تصدیق نہ ہوسکی کہ یہ ''اِلزام'' کہاں تک دُرست ہے۔وہ بھدرواہ بھی آئے اور لوگوں کا شکریہ بھی ادا کیا۔اُنہوں نے اِس واقعہ کی ذاتی طور پر تردید کی۔

۲۰۰۲ء کے اسمبلی چناؤ:

اسمبلی کے یہ چناؤ ستمبر اور اکتوبر ۲۰۰۲ء کو فوج اور پولیس کے زبردست حفاظتی اِنتظامات کے تحت کروائے گئے۔وادی میں اگرچہ ووٹوں کا تناسب بہت ہی کم رہا تاہم صوبہ جموں میں مجموعی طور پر یہ تناسب اچھا رہا۔

اِس چناؤ میں کانگریس پارٹی نے ۲۰ سیٹیں، نیشنل کانفرنس نے ۲۸ سیٹیں اور پی۔ڈی۔پی نے ۱۶ سیٹیں حاصل کیں۔بی۔جے۔پی نے ایک سیٹ اور پینتھرز پارٹی نے چار سیٹوں پر کامیابی حاصل کی۔کانگرس، پی۔ڈی۔پی، پینتھرز پارٹی اور دیگر چھوٹی پارٹیوں کے گٹھ بندھن سے مفتی محمد سعید کی سربراہی میں سرکار بنی، جس نے پہلے تین سال ریاست میں کانگریس کے ساتھ ایک مشترکہ پروگرام کے تحت حکومت کی۔

اِس چناؤ میں بھدرواہ چناؤ حلقہ سے مسٹر محمد شریف نیاز چُنے گئے جو بعد میں وزیر برائے بجلی تعینات ہوئے۔اُنہیں ۱۶,۹۶۲ ووٹ حاصل ہوئے جب کہ نیشنل کانفرنس کے اُمیدوار خواجہ محمد اسلم گونی ایڈوکیٹ کو ۱۰,۱۳۵ ووٹ حاصل ہوئے۔محکمہ

بجلی کو سدھارنے اور بھدرواہ اسمبلی حلقہ میں پُرانے کھمبوں کی جگہ نئے کھمبے لگوانے کے لئے محمد شریف نیاز نے اَن تھک محنت کی۔ کچھ مائیکرو پن بجلی پروجیکٹوں کی منصوبہ بندی کی گئی اور بھدرواہ کے زنگ آلودہ بجلی گھر کی تجدید کر کے اُس میں نئے ٹربائن لگوائے گئے۔ اِندروال حلقہ سے خواجہ غلام محمد سروڑی اور کشتواڑ حلقہ سے خواجہ سجاد احمد کچلو منتخب ہوئے۔

حلقۂ اِنتخاب بھدرواہ کا ضمنی چناؤ (۲۰۰۴ء) اور

غلام نبی آزاد کی بے مثال کامیابی:

وزیر برائے بجلی مسٹر محمد شریف نیاز نے خواجہ غلام نبی آزاد کے لئے اپنی رُکنیتِ اسمبلی سے اِستعفیٰ دے کر اپنی نشست خالی کر دی جس پر ۲۴ راپریل ۲۰۰۴ء کو ضمنی چناؤ کروایا گیا۔ حلقۂ اِنتخاب بھدرواہ کے اِس چناؤ میں آزاد صاحب نے کُل ڈالے گئے ووٹوں میں سے ۹۳.۶ فیصدی ووٹ حاصل کر کے ایک ریکارڈ قائم کیا۔ کُل ڈالے گئے ۶۲,۰۷۲ ووٹوں میں سے اُنہوں نے ۵۸,۰۱۵ ووٹ لے کر اپنے مدِ مقابل مسٹر کوشل کمار (بی. جے. پی) کو ہرادیا، جنہیں صرف ۴۰۵۷ ووٹ ملے۔ نیشنل کانفرنس نے آزاد صاحب کی ہی حمایت کی اور کوئی اُمیدوار کھڑا نہیں کیا۔ اِس چناؤ میں ڈالے گئے ووٹوں کا تناسب ۷۶ فیصدی رہا جو کہ ایک ریکارڈ ہے۔ آزاد صاحب کو ہڈل بھلیس سے ۳۳۹ ووٹوں میں سے ۳۳۹ ووٹ ملے۔ اِس کے بعد سب سے زیادہ ووٹ کھلینی پولنگ مرکز میں پڑے یعنی کُل ۱۴۰۵ میں سے ۱۲۳۱ ووٹ اور سب سے کم پولنگ مرکز نٹوار (ٹھاٹھری) میں پڑے، یعنی ۱۵۳ میں سے ۱۱۷ ووٹ۔ تاہم اُدرانہ-اے پولنگ مرکز پر بی. جے. پی کو زیادہ ووٹ حاصل ہوئے۔

سیاسی مبصرین اور عوامی حلقوں نے آزاد صاحب کی اِس کامیابی کو یہاں کے مقامی بھائی چارے، سیکولر اِزم اور آزاد صاحب کی خوشحال ریاست کی پالیسی اور اُن کی

قابلِ رشک اور شفاف شخصیت اور ہر دِل عزیزی کی فتح قرار دیا۔ اِس تاریخ ساز کامیابی پر لوگوں کا شکریہ ادا کرنے کے لئے وہ کٹھوعہ ضلع بورڈ کی میٹنگ سے کچھ وقت نکال کر بھدرواہ آئے، جہاں ہزاروں لوگوں نے اُن کا اور اُن کی اہلیہ کا اِستقبال کیا۔ اُن کی کامیابی سے بھدرواہ میں چلی آرہی فرقہ وارانہ کشیدگی کو ضرب کاری لگ گئی اور سب باشندے بلا لحاظ مذہب وملّت ایک سٹیج پر آگئے۔ ۲۰۰۲ء کے اسمبلی چناؤ میں ڈوڈہ سے جناب عبدالمجید وانی ایک آزاد اُمیدوار کی حیثیت سے کامیاب ہوئے اور کشتواڑ حلقہ اِنتخاب سے مسٹر سجاد احمد کچلو نے جیت حاصل کی۔

آزاد سرکار کا استعفیٰ

گورنر راج نافذ، اسمبلی تحلیل:

غلام نبی آزاد صاحب کی سربراہی میں چلنے والی سرکار نے ۷/جولائی ۲۰۰۸ء کو نئے گورنر نریندر ناتھ ووہرا کو اپنے اِستعفے پیش کئے۔ یہ سرکار اُس وقت اقلیت میں آگئی جب ۲۸/جون ۲۰۰۸ء کو پی. ڈی. پی. کے ممبران نے امرناتھ شرائن بورڈ کی ۸۰۰ کنال زمین کے مسئلہ پر حکومت سے اپنی حمایت واپس لے لی، حالانکہ حکومت کے اِس فیصلے میں وہ خود بھی شامل تھے۔ اِس طرح سے ریاست میں گورنر راج نافذ ہوا اور اسمبلی تحلیل کردی گئی۔

جموں وکشمیر قانون ساز اسمبلی کے نئے اِنتخابات

(دسمبر ۲۰۰۸ء):

جموں وکشمیر اسمبلی کے اِنتخابات سات فیز میں کرائے گئے جو ۱۷/نومبر سے شروع ہوکر ۲۴/دسمبر کو ختم ہوئے۔ یہ چناؤ بھی فوج اور پولیس کے زبردست حفاظتی

اِنتظامات میں کروائے گئے۔ ۲۸ / دسمبر ۲۰۰۸ء کو ووٹوں کی گنتی ہوئی اور شام تک سبھی نتائج کا اعلان کر دیا گیا۔ اِس چناؤ میں نیشنل کانفرنس نے ۲۸' پی.ڈی.پی. نے ۲۱' کانگرس نے ۱۷' بی.جے.پی. نے ۱۱' پینتھرز پارٹی نے تین' کمیونسٹ پارٹی آف اِنڈیا نے ایک' پی.ڈی.ایف. نے ایک اور آزاد اُمیدواروں نے چار سیٹیں حاصل کیں۔ اِس چناؤ میں بی.جے.پی. کو جموں میں ہوئے شری امرناتھ سنگھرش سمیتی اندولن کا کافی فائدہ ملا جس سے صوبہ جموں کے کچھ علاقوں میں اور خصوصاً جموں' کٹھوعہ اور اُدھم پور میں فرقہ واریت کو مبینہ طور پر شہ ملی۔ دُوسری طرف وادیٔ کشمیر میں بھی اِس کا ردِ عمل ہوا اور کچھ پارٹیوں نے کشمیری کارڈ کھیل کر ووٹ حاصل کیے۔

اِس چناؤ میں بھدرواہ حلقۂ اِنتخاب سے جناب غلام نبی آزاد کو ریاست میں دُوسرے حلقوں کے مقابلے میں سب سے زیادہ ووٹ ملے۔ اُنہوں نے ۳۸,۲۳۸ ووٹ حاصل کر کے اپنے قریبی نیشنل کانفرنس کے اُمیدوار خواجہ محمد اسلم گونی' سابق ایڈوکیٹ جنرل کو ہرایا جنہیں صرف ۶,۶۸۷ ووٹ ملے۔ اِس چناؤ میں شری دیا کرشن کوتوال (بی.جے.پی.) کو ۸,۸۰۲ اور پی.ڈی.پی. کے اُمیدوار شیخ نجیب علی کو ۲,۸۰۷ ووٹ ملے۔

ڈوڈہ' کشتواڑ' اِندروال' رام بن اور بانہال کے کامیاب اُمیدوار:

حلقۂ اِنتخاب ڈوڈہ سے مسٹر عبدالمجید وانی نے ۲۳,۲۵۴ ووٹ لے کر کامیابی حاصل کی اور کشتواڑ حلقہ سے سجاد احمد کچلو ۱۹,۲۴۸ ووٹ لے کر کامیاب ہوئے۔ اِندروال سے مسٹر غلام محمد سروڑی نے ۲۲,۶۸۴ ووٹ لے کر کامیابی حاصل کی' جب کہ رام بن میں کانگریس کے ہی اُمیدوار اشوک کمار نے ۲۱,۷۷۹ ووٹ حاصل کر کے اپنی فتح درج کی۔ بانہال اسمبلی حلقہ سے کانگریس کے اُمیدوار وقار رسول وانی ۸,۲۸۷

ووٹ لے کر کامیاب ہوئے۔

ریاست جموں و کشمیر کے گیارھویں وزیر اعلیٰ

عمر عبداللہ:

۵ رجنوری ۲۰۰۹ء کو مسٹر عمر عبداللہ نے ریاست کے گیارھویں وزیرِ اعلیٰ کی حیثیت سے گورنر نریندر ناتھ ووہرا سے حلفِ وفاداری لیا اور اُن کے ساتھ ہی کانگریس کے پانچ اور نیشنل کانفرنس سے تعلق رکھنے والے چار وزراء نے بھی حلف لیا۔ کانگریس اور نیشنل کانفرنس کی یہ مخلوط سرکار ہنوز عوامی خدمات میں مصروف ہے۔

***

بھدرواہ میں سب سے بڑا فوجی اڈہ:

''الحیات'' سرینگر کے جون ۲۰۰۵ء کے شمارے میں بھدرواہ میں تعمیر ہونے والی فوجی چھاؤنی کے بارے میں یوں اِنکشاف کیا گیا ہے:

''۔۔۔۔۔۔ ہندوستانی وزیرِ دفاع نے پارلیمنٹ میں اپنے ایک بیان میں اِس بات کا اِنکشاف کیا ہے کہ ہندوستان کشمیر میں سب سے بڑا فوجی اڈہ بنانے جارہا ہے جو پورے ایشیاء کا سب سے بڑا فوجی اڈہ ہوگا۔ وزیرِ دفاع نے وضاحت کرتے ہوئے یہ کہا کہ یہ اڈہ جموں وکشمیر کے بھدرواہ (ضلع ڈوڈہ) میں بنایا جائے گا۔ جدید ترین ہتھیار اور ٹیکنالوجی کے ذریعے اِس کو مستحکم کیا جائے گا جو ہندوستان کو اسرائیل' برطانیہ اور امریکہ سے حاصل ہوئی ہے۔ وزیرِ موصوف کے بیان کے مطابق یہ اڈہ امریکہ کے تیار کردہ میزائل اور رُوسی کروز میزائل' اسرائیلی راڈار سسٹم اور برطانوی سیٹیلائٹ نظام پر مشتمل ہوگا۔ اِس میں ہندوستانی فوجی ورکرس کی تعداد تین ہزار سے پانچ ہزار افراد تک ہوگی جس میں بری' بحری اور فضائی تمام افواج کی نمائندگی ہوگی۔ اِس طرح دو ہزار جنگی جہاز' دس ہزار ٹینک اور ہزاروں کی تعداد میں بھاری اسلحہ یہاں کے لئے فراہم کیا جائے گا۔ معتبر ذرائع کے مطابق یہاں دو ہزار سے پانچ ہزار کی تعداد میں امریکی اور اسرائیلی فوجی رہیں گے جو ہندوستان کی افواج کو ٹیکنالوجی کے ذریعہ تیار شدہ اسلحہ کی ٹریننگ دیں گے ۔۔۔۔۔۔''[1]

---

[1] ''الحیات'' سرینگر کشمیر' جون ۲۰۰۵ء بحوالہ ''صدائے کوہسار'' ڈوڈہ' ۱۵/جون ۲۰۰۵ء

یہ فوجی چھاؤنی علاقہ چنتہ اور بھالڑہ کے علاوہ ہنگا کے خوبصورت اور قابلِ دید مقامات پر قائم کی جارہی ہے جہاں ہزاروں کنال زمین پہلے ہی حاصل کی جاچکی ہے اور فوجی نوعیت کی عمارتیں وغیرہ تعمیر کی جارہی ہیں۔ اِن علاقوں کو بڑی بڑی سڑکوں کے ذریعہ سے ملایا جارہا ہے۔ یہ شمالی ہندوستان کی ایک محفوظ ترین فوجی چھاؤنی ہوگی۔ لوگوں کو زمینوں کا خاصہ معاوضہ دیا جارہا ہے لیکن چھاؤنی بن جانے سے اِن خوبصورت علاقوں کی سیاحتی اعتبار سے اہمیت کم ہوجائے گی' جب کہ سیاحت کی صنعت کو فروغ دینے کے لئے بھدرواہ میں ۲۰۰۵ء سے ایک ڈویلپمنٹ اتھارٹی قائم کی گئی ہے۔ یہاں ہر قسم کے سیاحتی پروگرام شروع کئے جانے کے بہت زیادہ اِمکانات تھے' جن کی عمل آوری سے لوگوں کی اِقتصادیات پر کافی مثبت اثر پڑتا لیکن مختلف حکمرانوں نے اِس علاقہ کے ساتھ جان بوجھ کر اِمتیازی سلوک روا رکھا اور یہاں خاص ترقی نہیں ہو سکی۔ یہ علاقہ بہت ہی زرخیز ہے اور قدرتی حُسن سے مالا مال بھی ہے۔ سبھار دھار مندر کی موجودگی سے اِن خوب صورت مقامات کی زائرین سیاحت سے بھی فوائد حاصل کئے جاسکتے تھے۔

***

(بھدرواہ۔ ترقی کے چنداورزینے)

باب پنجم: بھدرواہ کی ممتاز شخصیات

بھدرواہ کی نامور ہستیاں:

بھدرواہ کے قدیم راجواڑہ شاہی کے اُفق پر کئی ایسی ممتاز شخصیات روشن ستاروں کی مانند جلوہ گر ہوتی آئی ہیں جنہوں نے زِندگی کے مختلف شعبوں سیاست' سماجی امورات' تعلیم' قانون دانی' قانون سازی' اِقتصادیات' انجینئرنگ' علمِ طِب' زراعت' باغبانی' تجارت' سفارت' علم و ادب' مصوری' سنگتراشی' سنگیت اور دیگر ترقیاتی امورات میں قابلِ فخر کارنامے سرانجام دے کر نہ صرف اپنے غیر منقسم ضلع ڈوڈہ یا اپنی ریاست جموں وکشمیر کا نام برِصغیر ہندوپاک میں روشن کیا بلکہ بھدرواہ جیسی پسماندہ جگہ کو اپنی ذہانت' فراست اور روشن خیالی جیسی صفات کو بروئے کار لاکر بیرونی ممالک سے بھی متعارف کرواکر اپنی حُب الوطنی کا حتی المقدور حق ادا کیا۔

اِن اصحاب کے اسمائے گرامی کی فہرست اِتنی طویل ہے کہ اِن سب کا مفصل طور پر ذکرِ خیر کرنے کے لئے اِس کتاب کے اوراق متحمل نہیں ہوسکتے۔ اِس ''تنگ دامانی'' کے پیشِ نظر یہاں پر ایسے چند مقتدر اور تاریخ ساز اصحاب کا ہی ذِکر اِختصار سے کیا جارہا ہے جن کے کارہائے نمایاں بالعموم اور بھدرواہ کی تعمیر وترقی کی خاطر جن کی مخلصانہ خدمات بالخصوص قابلِ رشک رہی ہیں۔ مصنّف کو افسوس ہے کہ وہ ضلع کی کئی قدآور شخصیات کا ذِکر تک کرنے سے عاری ہے اور اِس ضمن میں بھدرواہ کے کئی اصحاب کے صرف کوائف کی عکاسی کرنے پر ہی اِکتفا کیا گیا ہے۔ اِنشاﷲ تعالیٰ آئندہ سب ممتاز شخصیات کو ایک ضخیم کتاب کے ذریعہ متعارف کرایا جائے گا۔

غلام رسول ملِک (مرحوم):

مرحوم غلام رسول مِلک بھدرواہ کی قابلِ قدر شخصیات میں شمار کئے جاتے ہیں۔ اُن کے دادا مِلک عبدالخالق موضع گنڈسر کشمیر کے ایک راجپوت گھرانے سے تعلق رکھتے تھے جو بعد میں مشرف بہ اِسلام ہوئے تھے۔ اُن کے فرزند مِلک عاصم گنڈسر سے ترکِ سکونت کر کے بھدرواہ آئے اور یہاں محلّہ دھرم پورہ میں آباد ہوئے۔

موصوف پہلے یہاں پر پشمینہ صنعت سے وابستہ رہے اور بعد میں جنگلات کے ٹھیکے حاصل کرتے رہے۔ جب یہ کاروبار چمک اُٹھا تو وہ خود ٹھیکیدار بن گئے۔ آہستہ آہستہ ایک اپنی جنگلاتی فرم کی بنیاد ڈالی۔ ۱۹۴۶ء میں وہ بھدرواہ حلقہ سے ریاست کی پرجا سبھا کے ممبر چُنے گئے۔ وہ ایک غریب پرور اور اچھے سماجی کارکُن تھے۔ ہندو مُسلم اِتحاد کے حامی اور روادار قسم کے اِنسان تھے۔ اُن کے برادر غلام احمد مِلک ایک اچھے تاجر تھے جو یہاں کے سماجی اُمورات میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیتے تھے۔ اُن کے فرزند غلام مصطفےٰ مِلک ایک خوش مزاج، ملنسار، ظریف اور صاحبِ ثروت شخص تھے۔ مِلک غلام محمد، منشی غلام رسول مِلک کے فرزند تھے۔ اِس خاندان کے دو چشم و چراغ عبدالقیوم مِلک اور مِلک الیاس احمد تنویرؔ بھدرواہی نے اچھا نام کمایا۔ قیوم صاحب ڈی. ایس. پی کے عہدے سے سبکدوش ہو کر ایم. ایل. سی بنے جب کہ تنویرؔ ایک نامور اُردو شاعر ہیں۔ مِلک قیوم ۲۰۰۸ء کے وسط میں رحمتِ حق ہوئے۔

کوتوال شِو لال ایڈوکیٹ:

کوتوال شِو لال ایڈوکیٹ بھدرواہ کے نامور قانون دان شمار کئے جاتے تھے۔ ۱۹۳۴ء میں وہ بھی مہاراجہ ہری سنگھ کی قائم کردہ پرجا سبھا کے ممبر چُنے گئے۔ وہ نہایت ہی ذہین، خلیق اور ملنسار شخص تھے۔ اُنہوں نے علی گڑھ مُسلم یونی ورسٹی سے قانون

کی ڈِگری حاصل کی تھی اور غالباً وہیں سے ایم ایس بی بھی کیا تھا۔ اُن کے فرزندان بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہ کر سبکدوش ہوئے ہیں۔ مسٹر سبھاش کوتوال ڈِگری کالج بھدرواہ سے بحیثیت پرنسپل اور رمیش چندر کوتوال بحیثیت چیف انجینئر ریٹائر ہوئے۔

کوتوال لکھمی چند:

کوتوال لکھمی چند کا نام بھدرواہ میں بڑے احترام سے یاد کیا جاتا ہے۔ وہ ایک غریب پرور اور دانشمند اِنسان تھے۔ وہ بھی پرجا سبھا کے دُوسرے چناؤ میں بحیثیت ممبر کامیاب ہوئے اور اپنے وطنِ عزیز کی خدمت کرتے رہے۔

منشی غلام رسول ملِک:

منشی غلام رسول ملِک، منشی عبدالرحمان ملِک عرائض نویس کے برادرِ اصغر تھے، جو محلّہ صرافاں بھدرواہ میں رہتے تھے۔ وہ بچپن سے ہی سیاست کی طرف راغب تھے۔ چودھری غلام عباس کے ساتھ اُن کے قریبی تعلقات تھے۔ مُسلم کانفرنس کے اِبتدائی کارکنوں میں شمار ہوتے تھے۔ کئی بار جیل بھی گئے اور سیاسی اِختلافات کی بِنا پر وہ سرحد پار کر کے غالباً ۱۹۵۰ء میں سیالکوٹ چلے گئے۔ پاکستان میں پانچ چھ سال گزارنے کے بعد پھر واپس بھدرواہ آئے لیکن کچھ عرصہ کے بعد ہی اللہ کو پیارے ہوگئے۔ وہ بڑے تیز مزاج مگر بہت صاف گو، اِنسان شناس اور اِنقلابی قسم کے لیڈر تھے۔ اُن کے فرزند مسٹر خاقان احمد ملِک ڈی ایف او کی پوسٹ سے کچھ عرصہ پہلے ہی ریٹائر ہوئے۔

پروفیسر عمر الدین ملِک:

پروفیسر عمر الدین ملِک موضع تلوگڑہ علاقہ بھلیس میں پیدا ہوئے تھے۔ اُنہوں

نے اِبتدائی تعلیم مقامی اسکول کلھوتران سے حاصل کرنے کے بعد بھدرواہ سے میٹرک کا اِمتحان پاس کیا۔ پرنس آف ویلز کالج جموں سے بی. اے کی ڈِگری حاصل کرنے کے بعد علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی سے ایم. اے اور ایل. ایل. بی کی ڈِگریاں حاصل کیں۔ اُن کی زِندگی کے بارے میں رسؔا جاودانی صاحب کے ایک خط کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے جو غلام رسول چوگانی کے نام بھلیس کے میگزین ''کالگنی'' میں شائع ہوا تھا:

''—— وہ ایک جری قسم کے اِنسان ہمہ صفت موصوف تھے۔ بہت ہی نامساعد حالات میں اُنھوں نے علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی سے اِمتیاز کے ساتھ ایم. اے اور ایل. ایل. بی کی ڈگریاں حاصل کیں۔ کچھ عرصہ کشمیر میں وکالت کرتے رہے اور پھر جموں پرنس آف ویلز کالج میں لکچرر لگے ۲۰۰۴ ؁ بکرمی کے منحوس سال میں وہیں ظالم لوگوں کے ہاتھوں شہید ہوئے[1]۔ اُن کی ایک بیٹی طاہرہ سلطانہ شیر خوار تھی۔ یہ میری ہمشیرہ کے بطن سے ہے —— مجھ کو آپ کی یاد آتی ہے تو دِل کا عجیب عالم ہوتا ہے۔ وہ صدمہ ناقابلِ برداشت تھا۔ لیکن اِنسان امرِ رضا میں بے بس ہے —— کیا ہوسکتا ہے ——؟''

(دستخط) رسؔا جاودانی

رسؔا جاودانی:

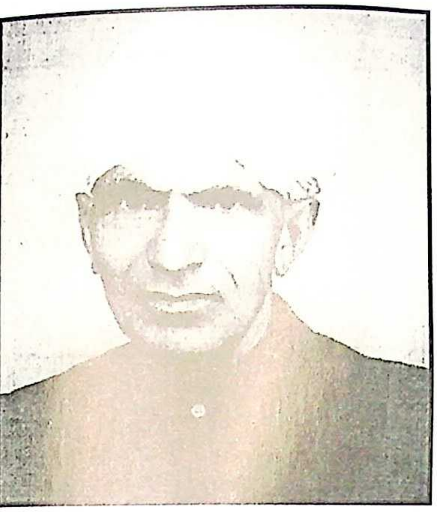
خواجہ عبدالقدوس دیو، بھدرواہ کے خواجہ منور جُو دیو کے ہاں ۲۵/ہاڑ ۱۹۸۵ ؁ بکرمی (بہ مطابق ۱۹۰۱ء) کو پیدا ہوئے۔ اُن کے دادا بہ سلسلۂ تجارت کاڑی پورہ،

---

[1] مرحوم پروفیسر عمرالدین ملک بھی ۵/نومبر ۱۹۴۷ء کی اُس کانوائی میں شامل تھے جس میں شامل ہزاروں مسلمانوں کو پاکستان لے جانے کے بہانے سے بلوائیوں نے راستے میں ہی ایک ایک کر کے شہید کرڈالا تھا۔



اختر بھدرواہی



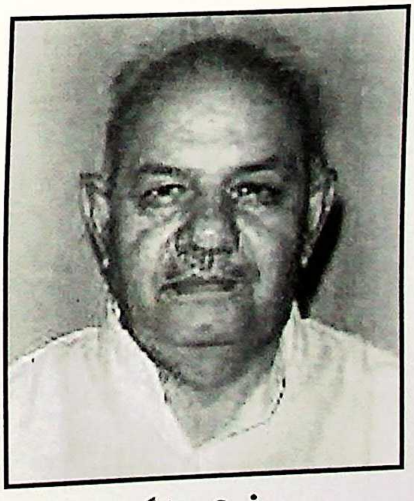
رسا جاودانی



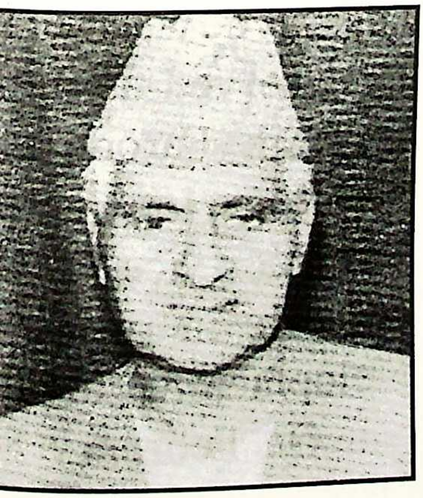
غلام رسول آزاد



عبدالغنی گونی



پروفیسر چمن لال گپتا



مولانا عطاءاللہ سہروردی (ڈوڈہ)

اِسلام آباد سے بھدرواہ اور کشتواڑ آتے رہے۔ بھدرواہ میں کاروبار شروع کرنے کے بعد یہیں پر آباد ہوئے۔ رسا صاحب کی پرورش بڑے ناز ونعم سے ہوئی کیونکہ اُن کے والد صاحب کی تجارت میں روز بروز ترقی ہوتی رہی۔ ایک مقامی مکتب میں کشمیری نژاد اُستاد احمد شاہ رفیقی نے اُنہیں بنیادی تعلیم سے آراستہ کیا۔ ساتھ ہی فارسی اور انگریزی کے لئے دو مدرّس مقرر کئے گئے۔ درجۂ چہارم میں پہنچتے ہی اُن کو پڑھائی لکھائی اور کھانے پینے سے اُکتاہٹ سی محسوس ہونے لگی۔ بالآخر ایک مردِ مومن کی نگاہِ کرم سے، جس کے وہ کم سن مرید بھی تھے، حالت میں سدھار آیا اور اُنہوں نے آٹھ درجے تک کی تعلیم مکمل کی۔ لاڈلے ہونے کی وجہ سے وہ سرینگر یا جموں جاکر مزید تعلیم حاصل کرنے سے قاصر رہے۔ منشی عالم اور منشی فاضل کے اِمتحانات کی تیاری کے باوجود وہ نامساعد حالات کی وجہ سے یہ دونوں اِمتحانات پاس نہ کرسکے۔ البتہ اُنہیں بہت سے شعراء اور ادبا کا کلام اور نثر پارے پڑھنے کا موقع ملا۔ اُنہوں نے اِسی دوران صرف ونحو اور اوزان و بحور کی باریکیوں سے بھی شناسائی حاصل کی، جو اُنہیں آئندہ شاعری میں کام آئی۔ رسا جاودانی کی پہلی شادی بچپن میں ہوئی تھی۔ پہلی شادی سے دو فرزندان بشیر احمد تاج اور خیرات احمد تولّد ہوئے۔ دُوسری شادی بھی کی، جس سے ایک فرزند اور تین بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ خیرات احمد ایم۔ایس۔سی کرکے پاکستان چلے گئے، جہاں سے وہ امریکہ گئے اور پی۔ایچ۔ڈی کی ڈِگری حاصل کرکے پروفیسر تعینات ہوئے۔ بعد میں ملتان یونی ورسٹی کے وائس چانسلر بھی رہے۔ بشیر احمد تاج اسسٹنٹ کمشنر ڈویلپمنٹ ریٹائر ہوئے اور چند سال پہلے رحلت فرما گئے۔ رسا صاحب کی والدہ ماجدہ کا اِنتقال کم سنی میں ہی ہوا تھا۔ دُوسری طرف رسا جاودانی کے والد صاحب کے کاروبار کو اُس وقت دھچکا لگا جب مال سے بھری ہوئی اُن کی چھ سات دُکانیں نذرِ آتش ہوگئیں اور پھر سال ۱۹۲۸ء کے سیلابِ عظیم میں بھی اُن کی ساری دُکانیں بہہ گئیں۔ جنگلات کے ٹھیکہ میں بھی کافی نقصان اُٹھانا پڑا۔ تاہم تھوڑی بہت

قابلِ کاشت زمین باقی رہی جس پر گزر اوقات ہوتا رہا۔ اِن حالات میں رسؔا جاودانی صاحب بطور مدرّس تعینات ہوئے۔ وہ بطور فارسی اُردو مدرّس ۱۹۵۵ء میں سبکدوش ہوئے۔ تنگ دستی کے عالم میں بھی وہ تقریباً ہر خانگی ذِمہ داری سے فارغ ہوتے رہے۔ دراصل اللہ تعالیٰ نے رسؔا صاحب کو حوادث کے بھنور میں ڈال کر عبدالقدوس سے رسؔا جاودانی بنایا۔

رسؔا جاودانی کو بچپن ہی سے گھڑ سواری، موسیقی اور شاعری سے لگاؤ تھا۔ وہ خوش الحان تھے۔ اپنی ایک سنگیت پارٹی ترتیب دے کر خود گاتے رہے۔ ہارمونیم بہت اچھا بجاتے تھے۔ شعر کہنے کی ترغیب بقول رسا اُن کو اپنے مرشد نواب الدین (پنجابی) سے ملی۔ بعد میں کشتواڑ جا کر اسرار الدّین ولیؒ کے دربار میں اُنہیں اپنی مادری زبان میں شعر کہنے کا اِشارہ ملا۔ وہ اُردو اور کشمیری دونوں زبانوں میں شعر کہنے لگے۔ اِس دوران اُن کا رابطہ برج موہن کیفی دتاتریہ، روش صدیقی، جگر مرادآبادی، حفیظ جالندھری، سیماب اکبرآبادی وغیرہ سے رہا اور وہ زیادہ تر اُردو زبان کی طرف ہی مائل رہے۔ اُن کا کلام مُلک اور ریاست کے رسائل اور جرائد میں چھپتا رہا جس میں مجاز اور حقیقت کا دِلکش اِمتزاج موجود ہے، جو فارسی تراکیب کے فنکارانہ اِستعمال سے مزیّن ہے۔

رسؔا جاودانی صاحب کے اُردو اور کشمیری کلام میں زبان کی شیرینی، الفاظ کی برجستگی، فصاحت اور سادگی کے ساتھ ساتھ جاذبیت کا احساس اُن کا کلام پڑھ کر ہی ہوسکتا ہے۔ جہاں وہ غزل کے بادشاہ ہیں وہیں اُن کی نظم حُسنِ فطرت کی رنگینیوں اور رعنائیوں کا مظہر ہونے کے ساتھ ساتھ اُن کے جذبِ دروں اور حسّی آگہی کے اعلیٰ نمونے پیش کرتی ہے جس سے اُن کی جذبات نگاری، پیکر تراشی، منظر نگاری کے فن کی مہارت کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے۔ اُردو میں بچپن کی یاد، لے لو یہ صحرائی پھول، دہقان، صبحِ زندگی، برف باری، طوفان اور ساون جیسی نظمیں اُن کی شاہکار نظمیں ہیں، جن میں وہ بقول اسداللہ وانی ''وہ ایک حسّاس مصوّر کی طرح تصویریں کھینچتے ہوئے''، معلوم ہوتے

ہیں۔ یہ سبھی نظمیں اُنہیں جدید شاعری کے قریب لاتی ہیں۔ ڈاکٹر محی الدین قادری زور کے الفاظ میں ''وہ اُردو کے ساتھ ساتھ کشمیری کے نہ صرف بُلند مرتبہ شاعر بلکہ ایک صاحبِ رائے دانشور بھی ہیں —— اُن کا کلام تکلف اور آورد سے پاک ہے۔'' اُن کا اُردو اور کشمیری نعتیہ کلام بھی مقبولیت کی حدوں کو چھو چکا ہے۔

بالآخر اِنسانی قدروں کی علمبردار اور اُردو اور کشمیری شاعری کی یہ قابلِ ناز شمع ۲۷ مئی ۱۹۷۹ء کو ہمیشہ کے لئے گُل ہوگئی۔ اُن کی یاد میں ریاستی کلچرل اکاڈمی نے ''شیرازہ'' کشمیری اور شیرازہ ''اُردو'' کے خصوصی شمارے شائع کئے۔ اُن کے شعری مجموعوں پر پہلے ہی تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

خضر جوُ بٹ (بھلیس):

مرحوم غلام رسول آزادؔ کے والدِ محترم اور مسٹر غلام نبی آزاد کے دادا جان خضر جوُ بٹ کے اجداد کو کرناگ کشمیر سے ہجرت کر کے بھلیس آئے تھے۔ اُنہوں نے پہلے موضع چنگا اور پھر موضع سوتی کے مقام پر رہائش اِختیار کی۔ خضر جوُ بٹ اِسی گاؤں میں تولّد ہوئے۔ وہ ایک بلند قامت' بلند ہمت' دیانتدار اور شگفتہ مزاج اِنسان تھے۔ اپنی سخاوت' سماجی خدمات اور بہادری کی نسبت سے وہ علاقہ بھر میں مشہور تھے۔ غریبوں میں اناج' میوے وغیرہ بانٹتے اور کسی راہگیر کو بغیر کھانا کھلائے گھر سے جانے نہ دیتے۔ اپنی دُور اندیشی کے طفیل وہ اپنے فرزندِ ارجمند (مرحوم) غلام رسول آزاد کو اعلیٰ تعلیم اور اخلاقی اقدار کے زیور سے آراستہ کر پائے اور دُوسرے فرزند اور غلام نبی آزاد کے والد رحمت اللہ بٹ (مرحوم) کو اِبتدائی تعلیم کے بعد ٹھیکیداری' سماجی اِنصاف اور سیاست کے گُر سکھانے میں کامیاب ہوئے۔ اُن کے خاندان کی مجموعی خدمات نہ صرف بھلیس' بھدرواہ اور جموں و کشمیر تک محدود رہیں بلکہ اُن کے پوتے نے اپنی سیاسی سوجھ بوجھ اور بے لوث کارکردگی کی بدولت ملک اور بیرونِ ملک شہرت کی بُلندیاں سر کیں۔

ڈاکٹر پریم ناتھ کوتوال:

ڈاکٹر پریم ناتھ کوتوال بھالڑہ کے معروف کوتوال خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ یہاں کے ڈاکٹروں کے کارواں کے اوّلین سپہ سالار کے مصداق تھے۔ نہایت قابل، اِنسان دوست اور غریب پرور شخص تھے۔ بھدرواہ ہسپتال میں وہ پہلے مقامی ڈاکٹروں میں شمار ہوتے ہیں۔ وہ آخری دم تک اپنے مکان واقع لنک روڈ نزد گرلز ہائر سکینڈری اسکول رہائش پذیر رہ کر خدمتِ خلق کرتے رہے۔

ڈاکٹر رام ناتھ پریہار:

ریاست جموں و کشمیر میڈیکل فیکلٹی میں معروف ڈاکٹر رام ناتھ پریہار کا نامِ گرامی غیر منقسم ضلع ڈوڈہ کے ڈاکٹروں میں سرِ فہرست رہا ہے۔ وہ نہایت ہی قابل، ملنسار، بُردبار، ہمدرد اور ہر دِلعزیز ڈاکٹر مانے جاتے تھے۔ اوّل اوّل اسسٹنٹ سرجن کی پوسٹ پر رہے اور اُس کے بعد جموں کے ایس. ایم. جی. ایس ہسپتال میں کافی عرصہ تک سپرنٹنڈنٹ کے طور پر کام کرتے رہے۔ ڈاکٹر پریہار ترقی پا کر محکمہ صحت کے ڈائریکٹر مقرر ہوئے اور اُسی پوسٹ سے سبکدوش بھی ہوئے۔ چند سال پہلے اُن کا اِنتقال ہوا۔ اُنہوں نے آخری دم تک بھدرواہ اور یہاں کے لوگوں سے رِشتہ نہیں توڑا۔ گرمیوں میں وہ جموں سے اپنے آبائی گاؤں گواڑی میں آتے رہتے تھے۔ اُن کی خدمات اور حُب الوطنی کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

ڈاکٹر جانکی ناتھ منہاس:

ڈاکٹر جانکی ناتھ منہاس ریاست جموں و کشمیر کے اُن چند صفِ اوّل کے قابل ترین ڈاکٹروں میں سے تھے جنہوں نے اُس زمانے میں اِنگلینڈ سے

ایف. آر. ایس کی ڈِگری حاصل کی تھی۔ وہ ریاست کی میڈیکل سروس میں مختلف مقامات پر بطریقِ احسن اپنی خدمات انجام دیتے رہے۔ کبھی کبھار وہ محلّہ کھکھل بھدرواہ میں واقعہ اپنے دولت کدہ پر آ کر بھدرواہ کے حُسن اور اُس کی دِلگداز فضاؤں کا لطف اُٹھانے اور لوگوں سے ملنے میں خوشی حاصل کرتے تھے۔

لالہ گوبندرام گپتا:

بھدرواہ کے اساتذہ کے اِبتدائی کارواں میں لالہ گوبندرام گپتا کا نام ہمیشہ بڑی تعظیم اور احترام سے لیا جاتا رہے گا۔ وہ یہاں کے اوّلین ٹرینڈ گریجویٹ یعنی بی. اے، بی. ایڈ اُستاد تھے۔ بڑے نفاست پسند، ذہین اور قابل اُستاد کے طور پر اُنہوں نے نام کمایا۔ وہ کچھ دیر ہیڈ ماسٹر کے عہدے پر کام کرنے کے بعد سروس سے سبکدوش ہوئے۔ وہ بھدرواہ کے معروف گپتا خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اُن کا ایک ذاتی بنگلہ اٹال گڑھ کی پچھلی طرف ایک نالہ کے کنارے واقعہ تھا، جو سیلاب کی نذر ہو گیا تھا۔ اِس گپتا خاندان میں بہت سی نامور ہستیاں گزری ہیں۔

خواجہ غلام رسول آزاد:

خواجہ غلام رسول آزاد موضع سوتی علاقہ بھلیس میں خواجہ خضر محمد بٹ کے ہاں یکم نومبر ۱۹۱۶ء بہ مطابق ۱۷ ارکارتک ۱۹۷۳ بکرمی پیدا ہوئے۔ اُن کے جدِ امجد وادیٔ کشمیر کے کوکرناگ علاقہ سے ہجرت کر کے بھلیس آ کر سوتی گاؤں میں آباد ہوئے۔ آزاد صاحب نے اِبتدائی تعلیم پرائمری اسکول کلہوتران، مڈل اور میٹرک تک کی تعلیم ایس. اے. ہائی اسکول نگر بھدرواہ سے مکمل کی۔ ۱۹۳۸ء میں اُنہوں نے پرنس آف ویلز کالج جموں سے بی. اے کے اِمتحانات پاس کر کے لاہور یونیورسٹی سے ایم. اے ریاضی کی ڈِگری حاصل کی۔ اُن دِنوں آزادی کی تحریک چونکہ عروج پر تھی اِس لئے وہ

وہیں پنجاب سٹوڈنٹس فیڈریشن سے وابستہ ہوگئے۔ اُنہیں محمد علی جناح‘ پنڈت جواہر لال نہرو اور مولانا ابوالکلام آزاد سے ملنے کے مواقع بھی حاصل ہوئے۔ ۱۹۴۱ء میں وہ ایس.اے. ہائی اسکول بھدرواہ میں بطورِ مدرّس تعینات ہوئے۔ پھر ۱۹۴۵ء میں رنبیر ہائی اسکول جموں میں ریاضی کے معلّم تعینات ہوئے۔ یہاں آکر وہ آل جموں اینڈ کشمیر ٹیچرز ایسوسی ایشن کے ایک بڑے راہنما کے طور پر اُبھر آئے۔ اساتذہ کی تنخواہوں میں اِضافے کے مطالبہ کے سلسلہ میں ہڑتال کی کال دینے پر اُنہیں اپنے کچھ دیگر ساتھیوں کے سمیت نوکری سے معطل کیا گیا۔ حکومت پر دُوسرے ملازمین اور طلبا کے رہنماؤں کی طرف سے دباؤ پڑنے پر آزاد صاحب کے باقی ساتھیوں کو تو بحال کیا گیا لیکن اُنہیں سروس سے ہی ڈسمس کردیا گیا۔ ۱۹۴۷ء میں اُنہیں شیخ محمد عبداللہ نے بحال کر کے سابقہ ضلع ڈوڈہ میں فسادات روکنے اور بھائی چارہ قائم کرنے کے مشن پر بھیجا۔ وہاں کے علاقہ دراب میں ایک پولیس آفیسر نے ایک سازش کے تحت اُنہیں گرفتار کر کے جیل بھیج دیا‘ کیونکہ اِس امن مشن کے دوران اُنہوں نے اُن رشوت خور ملازمین کے ساتھ سمجھوتہ نہیں کیا۔ ۱۹۴۸ء میں وہ بھدرواہ نیشنل کانفرنس کے سیکریٹری مقرر ہوئے۔ آزاد صاحب نے مہاجرین کی بحالی کے سلسلہ میں خاطر خواہ خدمات انجام دیں۔ پھر وہ اسسٹنٹ انسپکٹر آف اسکولز پونچھ مقرر ہوئے جہاں اُنہوں نے فرقہ وارانہ بھائی چارے کے لئے رات دِن محنت کر کے اپنے مشن میں کامیابی حاصل کی۔ اِس کے بعد وہ محکمہ تعلیم میں اسسٹنٹ اِنسپکٹر آف اسکولز اُدھم پور اور ڈوڈہ اور ہیڈ ماسٹر ٹیچر ٹریننگ اسکول بھدرواہ کے عہدوں پر فائز رہے۔ ۱۹۵۵ء-۱۹۵۶ء کے دوران اُنہیں خواجہ عبدالعزیز بٹ وغیرہ کے ساتھ اِنگلینڈ بھیجا گیا۔ ایک سالہ تعلیمی کورس مکمل کرنے کے بعد جب وہ واپس لوٹے تو اُنہیں آر.ایس. پورہ ہائیر سیکنڈری اسکول کا پرنسپل مقرر کیا گیا۔ کچھ دیر وہ ڈوڈہ‘ اُدھم پور‘ پونچھ اور راجوری علاقوں میں سپیشل آفیسر کے طور پر بھی کام کرتے رہے اور اُنہوں نے اِن علاقوں کی جائزہ رپورٹ

مکمل کر کے حکومت کو پیش کی۔ ۱۹۵۶ء میں اُن کی دُوسری شادی محترمہ فاطمہ بیگم دختر خواجہ غلام محمد کچلو کشتواڑ سے ہوئی۔ ۱۹۵۵ء سے ۱۹۶۹ء تک وہ ٹیچرز فیڈریشن کے بانی صدر رہے اور ساتھ ہی ساتھ وہ نیشنل کانفرنس کے صوبائی سطح کے جائنٹ سیکریٹری بھی رہے۔ ۱۹۵۷ء میں ملازمت کو خیرباد کہہ کر مدرّسین کی سیٹ پر قانون ساز کونسل کے ممبر کے طور پر اِنتخاب لڑ کر صوبہ جموں سے کامیاب ہوئے اور ۱۹۶۲ء تک اساتذہ کی نمائندگی کرتے رہے۔ ۱۹۶۲ء سے ۱۹۶۳ء تک دوبارہ کونسل ہذا کے ممبر رہ کر مستعفی ہوئے اور ڈپٹی ڈائریکٹر جموں مقرر ہوئے۔ اِس کے بعد اُنہوں نے بہت سے اعلیٰ عہدوں پر کام کیا۔ آزاد صاحب کو ۱۹۶۹ء میں ڈائریکٹر تعلیم جموں وکشمیر بنایا گیا۔ وہ اِس عہدے سے ۱۹۷۱ء میں سبکدوش ہوئے۔ اِس کے بعد وہ ریاست کے کئی بورڈوں کے ممبر بھی رہے۔ ۱۹۷۸ء کے بعد بہت سی سماجی، سیاسی تنظیموں سے منسلک رہے۔ وہ کالج آف ایجوکیشن جموں اور ڈِگری کالج بھدرواہ کے پرنسپل اور ڈپٹی ڈائریکٹر ایجوکیشن سرینگر اور جموں بھی رہے۔

آزاد صاحب عمر بھر لوٹ کھسوٹ، سیاسی اِستحصال، فرقہ واریت، آمریت، چور بازاری، رِشوت خوری، بے انصافی، کنبہ پروری، غریبی، پسماندگی، جہالت، بدامنی، فریب کاری اور دیگر سماجی بدعتوں کے خلاف برسرِ پیکار رہے اور عالمی بھائی چارے، فرقہ وارانہ یگانگت، لوگوں کی خوشحالی اور اِنصاف کا درس دیتے رہے۔ وہ بچپن سے ہی بڑے نڈر، صاف گو، حقیقت پسند، اِنسان پرور، روادار، خداترس اور پُرخلوص شخص تھے۔ اُنہوں نے غریب لوگوں کی امداد اور اساتذہ کی فلاح کے لئے اپنی زِندگی وقف کر ڈالی تھی۔ اِن صفات کے علاوہ وہ بہترین اُستاد اور ماہرِ تعلیم، ایک دیانتدار صحافی اور ایک اعلیٰ پایہ کے سیاسی اور سماجی کارکن تھے۔ اُن کی حیات پر بہت کچھ لکھا جاچکا ہے۔ اُن کی خودنوشت سوانح عمری ''جدوجہد'' کی تکمیل مسٹر محمد اقبال زرگر پرنسپل نے کی اور مسٹر غلام رسول چوگانی نے اُن کی ''یادوں کے نقوش'' میں اپنی محبت اور عقیدت کے پھول

بڑی قدر ومنزلت سے دیکھتا ہے اور اُن کے اصولوں کا معترف ہے۔ چند سال قبل اُن کی اہلیہ محترمہ سعیدہ تھوڑی سی علالت کے بعد اِس جہانِ فانی سے کوچ کر گئیں۔

منشی محمد انور (سابقہ ایم.ایل.اے.):

منشی محمد انور موضع سوتی بھلیس میں پیدا ہوئے۔ پرائمری اسکول کلہوتران سے درجہ پنجم اور ہائی اسکول بھدرواہ سے مڈل کلاس کا اِمتحان پاس کیا۔ وہ ۱۹۴۷ء سے قبل منشی غلام رسول ملِک کی فرم میں بحیثیت منشی کام کرتے رہے۔ وہ بڑے معاملہ فہم اور دُور اندیش اِنسان تھے۔ آزاد صاحب (مرحوم) نے اُنہیں علاقہ بھلیس میں نیشنل کانفرنس کا صدر نامزد کیا جس سے منشی صاحب کی سیاسی زِندگی کا آغاز ہوا۔ بخشی غلام محمد کے دورِ حکومت میں وہ ایم.ایل.اے بنائے گئے۔ اِس کے بعد اُنہوں نے اِندروال حلقۂ اِنتخاب سے چناؤ جیتا۔ سیاسی میدان میں اُن کی رہنمائی مرحوم غلام رسول آزاد نے کی۔ بھلیس کے گوناگوں مسائل حل کروانے میں وہ مقدور بھر کوشش کرتے رہے۔ موصوف بہت ہی ملنسار، فرض شناس اور سیدھے سادے اِنسان تھے۔

پروفیسر سلطان محمد خان:

پروفیسر سلطان محمد خان موضع سوارہ (علاقہ بھلیس) میں عطا محمد خان کے ہاں پیدا ہوئے۔ اُن کا نسبی سلسلہ افغانستان کے شہر قندھار کے یوسف زئی قبیلہ سے جا ملتا ہے۔ خان صاحب نے اپنی اِبتدائی تعلیم بھلیس ہی کے مدرسوں میں پائی اور ۱۹۴۱ء میں امر سنگھ ہائی اسکول بھدرواہ سے میٹرک اور ۱۹۴۴ء میں جموں سے بی.اے پاس کیا۔ ۱۹۵۱ء-۱۹۵۲ء میں علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی سے ایم.اے، ایل.ایل.بی کی ڈِگریاں حاصل کر کے اُنہوں نے بھدرواہ میں وکالت شروع کی۔

شیخ محمد عبداللہ صاحب کا عوامی دور شروع ہوتے ہی وہ قرضہ جات مصالحتی

بورڈ کے ممبر مقرر ہوئے۔ ۱۹۵۵ء میں وہ گاندھی میموریل سائنس کالج جموں میں اُردو کے لیکچرار تعینات کئے گئے۔ سروس سے سبکدوش ہونے تک جموں کے کالجوں میں ہی اپنے تدریسی فرائض بڑھے اچھے ڈھنگ سے نبھاتے رہے۔ اُنہوں نے نیشنل کیڈٹس کارپس (این۔سی۔سی) آفیسر کے طور پر بھی اپنا سکّہ منوایا اور این۔سی۔سی۔ کیڈٹس میں ہردلعزیز رہے۔ دُوسری طرف وہ اپنے علاقہ کے لوگوں اور ضرورت مندوں کی بھی خدمت کرتے رہے۔ ٹھاٹھری۔ کلھوتران روڈ کے سلسلہ میں اُنہوں نے غلام رسول آزاد صاحب کا خوب ساتھ دیا۔

پروفیسر شیخ محمد ایوب کے بقول "—— وہ فطرتاً ایک نیک سیرت، غریب پرور، نرم دل، مخلص اور مہمان نواز شخص تھے۔ مہمان نوازی میں اُن کا مقابلہ نہیں تھا۔ اُن کے ہاں اکثر اللہ کے مہمانوں کی بے وقت آمد اور روانگی کا عمل سردیوں میں زیادہ اور گرمیوں میں کم جاری وساری رہتا —— آؤ بھگت کے لئے اُن کی رفیقۂ حیات ہر وقت پورے حوصلے کے ساتھ تیار رہتی تھیں ——"

خان صاحب کا پیر فقیروں اور ٹونا جادو والوں کے ساتھ خاص رابطہ رہتا تھا۔ اولیاء اللہ کے وہ بے حد گرویدہ تھے۔ وہ سماجی اور مذہبی امورات میں بھی پیش پیش رہتے تھے۔ ۱۹۴۷ء کے خونین فسادات میں اُجڑے ہوئے جموی مُسلمانوں کی مدد کرنے، اُنھیں پڑھانے، اُن کی شادی بیاہ کے معاملات کو اُستوار کرنے، اُنہیں محکمہ کسٹوڈین اور محکمہ اوقاف کے مکانوں میں کمرے الاٹ کروانے جیسے اہم کارناموں کے لئے اُنھیں ہمیشہ یاد کیا جاتا رہے گا۔ بقول مالک رام آنند "—— مولانا شیخ عبدالرحمان، سابق ممبر پارلیمنٹ اور سابق ایڈمنسٹریٹر اوقاف اسلامیہ جموں، جو خود بھی ۱۹۴۷ء میں اپنے سبھی عزیز واقارب کو کھو بیٹھے تھے، محلّہ مست گڑھ کی ایک قدیم مسجد سے ملحقہ سرکاری مکان میں رہائش پذیر تھے اور اُن کے ہاں کئی بے سہارا مُسلم لڑکے پَل بڑھ رہے تھے، جن میں ایک نوجوان عبدالقیوم قریشی بھی تھا، جس کے آباؤاجداد کا

تعلق پونچھ کے ایک سرحدی دیہات کے ایک قریشی خاندان سے تھا۔عبدالقیوم کے دادا عبدالقادر قریشی اپنے چند رِشتہ داروں کے ساتھ ۱۹۱۱ء میں بعہد مہاراجہ پرتاپ سنگھ جموں چلے آئے تھے اور محلہ پیر میٹھا میں رہائش پذیر تھے۔اُن کے چند رِشتہ دار جموں میں سرکاری ملازم بھی رہے۔عبدالقادر قریشی گرم مصالحوں کے کاروبار اور پیری مریدی سے وابستہ تھے اور اِس سلسلے میں جموں، سری نگر، راجوری، کٹھوعہ، اُدھم پور، بھدرواہ، ڈوڈہ، کشتواڑ، ہماچل پردیش اور پنجاب کے کئی شہروں میں میں اُن کا آنا جانا لگا رہتا تھا۔۱۹۴۷ء میں عبدالقادر قریشی اپنے فرزند محمد عبداللہ قریشی اور دیگر افرادِ خانہ کے ساتھ اُن مہاجرین میں شامل تھے، جنہیں بخیر و عافیت پاکستان پہنچانے کا جھانسہ دے کر نومبر ۱۹۴۷ء میں بے رحمی کے ساتھ قتل کر دیا گیا تھا۔بلوائیوں کے اُس حملے میں اِس خاندان کے اِکیس افراد مارے گئے لیکن عبدالقیوم اور اُس کے دو بڑے بھائی معجزاتی طور پر بچ نکلے۔آٹھ نو برس کے عبدالقیوم اور اُن کے دونوں بھائیوں کو ایک تاجر خاندان گھریلو خدام کی حیثیت سے اپنے ساتھ دہلی لے گیا جہاں کچھ عرصہ بعد اُس کے دونوں بھائی اُس سے بچھڑ گئے اور پھر اُن کا کوئی پتہ نہیں چل سکا۔فروری ۱۹۴۸ء میں وہ کسی نیک ڈوگرہ ہندو کی مدد سے جموں لوٹے، جس نے اس بے سہارا بچّے کو بلراج پوری صاحب کی مدد سے مولانا شیخ عبدالرحمان کے سپرد کر دیا۔عبدالقیوم کو پڑھانے لکھانے اور سرکاری ملازمت دِلوانے میں سلطان خان نے ایک بڑے بھائی کا رول نبھایا اور اُن کی شادی موضع وجے پور، تحصیل سانبہ کے گاؤں چک سلاریہ کے نامور زمیندار شہاب دین سلاریہ کی دختر فاطمہ بی بی سے کروائی۔شہاب دین سلاریہ ۱۹۴۷ء میں اپنے افرادِ خانہ کے ساتھ سیالکوٹ ہجرت کر گئے تھے لیکن وہاں پھیلی ہوئی انارکی سے تنگ آ کر اور مادرِ وطن کی محبت سے مجبور ہو کر تین چار برس کے بعد وہ واپس آ گئے۔چک سلاریہ میں موجود مُسلمانوں کے سبھی مکانات چونکہ بلوائیوں نے نذرِ آتش کر دیئے تھے اور اُن کی زمینوں پر ہندو مہاجرین نے قبضہ جما لیا تھا، اِس لئے وہ جموں چلے آئے اور تالاب کھٹیکاں میں کسٹوڈین کے ایک مکان میں

کئی برس تک رہائش پذیر ہوئے۔ پروفیسر سلطان محمد خان اور شہاب الدّین سلاریہ تالاب کھٹیکاں میں ایک دُوسرے کے پڑوسی بھی تھے ——— ''[1]

پروفیسر سُلطان محمد خان کو دیسی طریقۂ علاج کے ساتھ خاص لگاؤ تھا اور کئی امراض کے لئے وہ خود ہی دیسی دوائیاں تیار کرتے تھے۔ اُن کی کثیر المقاصد خواب گاہ میں کتب، رسائل، جریدے، اخبارات موجود ہوتے۔ وہیں ڈھیروں مرکبات سے بھری بوتلیں اور خشک جڑی بوٹیاں بھی دیکھنے میں آتی تھیں۔ اُسی کمرے میں اُن کے رفقاء کی محفل جمتی، جس میں سنجیدہ اور دِلکش گفتگو ہوتی۔ ۱۹۹۰ء میں پروفیسر صاحب کو حجِ بیت اللہ کی سعادت نصیب ہوئی۔ بالآخر جون ۲۰۰۰ء میں رحلت پائی۔ کیا خوب اِنسان تھے! حق مغفرت کرے![2]

عبدالحق سہروردی:

بقول غلام حسین پڈر '' ——— مولوی عبدالصمد سہروردی کشمیر سے بھدرواہ آئے اور یہاں کی جامع مسجد کے امام بنائے گئے۔ اُن کے بعد اُن کے فرزند عبدالواحد سہروردی نے امامت کی اور پھر واحد صاحب کے فرزند مولوی عبدالعزیز امام بنے۔ اُن کے چار فرزندان ہوئے ——— بڑے فرزند الحاج غلام حسین اپنے والدِ محترم کی وفات کے بعد امام جامع مسجد بھدرواہ مقرر ہوئے۔ اُن کے دُوسرے فرزند کا نامِ گرامی عبدالحق سہروردی ہے۔[3] حق صاحب نے پنجاب یونیورسٹی لاہور سے میٹرک کے اِمتحان

---

[1] مالک رام آنند اُردو کے کہنہ مشق افسانہ نگار اور سیکولر مزاج اِنسان ہیں۔ پروفیسر سلطان محمد خان کے ساتھ اُن کے بڑے دوستانہ تعلقات تھے۔ آنند صاحب کا خاندان بھی تقسیم وطن کے بعد جموں چلا آیا، جہاں پروفیسر سلطان محمد خان نے اُن کی آبادکاری میں بھی بڑی مدد کی۔

[2] راقم الحروف کو جنوری ۱۹۵۳ء میں بطرف رام بن ملازمت کے سلسلہ میں اُن کا بٹوت تک شریک سفر ہونے کا موقعہ ملا۔ اُن کی ہمدردی، سادگی اور شفقت راقم کبھی نہیں بھول پائے گا۔

[3] ''قلمی نسب نامہ بھدرواہ'' از غلام حسن پڈر

میں پہلی پوزیشن حاصل کی۔ حالانکہ اُن کے مالی حالات بہت ہی خراب تھے اور اُنہیں کسی قسم کی سہولیت میسر نہ تھی۔ اِس شاندار کامیابی سے اُنہوں نے نہ صرف بھدرواہ بلکہ ساری ریاست کا نام روشن کیا۔ ۱۹۴۷ء تک یعنی تقسیمِ ہند تک ۸۵۰ نمبرات میں سے ۲۴۷ نمبر کا اُن کا ریکارڈ کوئی اُمیدوار توڑ نہیں سکا تھا۔ اُنہوں نے بی۔ ایس۔ سی کا اِمتحان لاہور اِسلامیہ کالج سے اور ایم۔ اے؛ ایل۔ ایل۔ بی علی گڑھ سے پاس کیا۔ اِس کے بعد اُنہوں نے کشمیر سول سروس (.K.C.S) کا اِمتحان بھی اوّل پوزیشن لے کر پاس کیا۔ ۱۹۴۷ء کے فسادات کے دوران کرنل عدالت خان کے ساتھ مہاجرین کی بحالیاتی کے امورات کے سلسلہ میں تحصیلدار مقرر ہوئے۔

سہروردی صاحب ۲۴ر اکتوبر ۱۹۴۸ء کو سرینگر سے سوچیت گڑھ کے راستے سیالکوٹ جانے والی آخری کانوائی میں پاکستان چلے گئے۔ جاتے ہی اُنہیں آزاد کشمیر میں پہلے سیکریٹری اور پھر چیف سیکریٹری کے عہدوں پر فائز کیا گیا۔ وہ پاکستان کی فیڈرل گورنمنٹ میں بھی جائنٹ سیکریٹری رہے اور پھر ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ اُن کے بھائیوں میں تیسرے بھائی کا نام عبدالحفیظ سہروردی (حال اِنگلینڈ) ہے اور الحاج فیض اللہ سہروردی (اکاوٗنٹنٹ خزانہ) بھدرواہ بھی اُن کے برادر ہیں۔[1]

خواجہ عبدالصمد ٹھگ:

خواجہ عبدالصمد ٹھگ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد مہاراجہ ہری سنگھ کے دورِ حکومت میں محکمہ فوڈ اینڈ سپلائز میں اچھے عہدے پر تعینات ہوئے اور اُنہیں میر پور (موجودہ آزاد کشمیر) میں پوسٹ کیا گیا۔ دورانِ فسادات وہ گھر نہ آسکے تاہم مقبوضہ کشمیر (آزاد کشمیر) کی حکومت کا ڈھانچہ بننے پر وہ وزارتی کونسل کے رُکن بھی رہے لیکن اُنہوں نے کالج کی معلّمی کو وزارتی عہدے پر ترجیح دی اور کافی عرصہ تک بحیثیت

---

[1] سہروردی صاحب کے بارے میں کچھ معلومات محترم غلام حسن نجار، حال مظفر آباد سے بھی حاصل ہوئیں۔

پروفیسر کام کرنے کے بعد وہ نوکری سے سبکدوش ہوئے۔ بخشی غلام محمد کے دور میں اُن کے خاندان کے بہت سے لوگ یہاں سے مظفر آباد اور سیالکوٹ چلے گئے۔ موصوف بہت ہی نیک اور ایماندار شخص تھے۔

کوتوال منسارام:

بھدرواہ کی تعلیمی کہکشاں کے نامور اور روشن ستاروں میں آنجہانی کوتوال منسارام (ساکن ڈنڈی) کا نام ہمیشہ احترام سے لیا جاتا رہے گا۔ سائنس اور حساب کے شعبوں میں آج تک اُن کی اہلیت کا اُستاد پیدا نہیں ہوسکا ہے۔ وہ بحیثیت مدرّس' بطور ہیڈ ماسٹر' بطور ڈِسٹرکٹ اِنسپکٹر اور صوبائی سطح پر ڈپٹی ڈائریکٹر تعلیمات کی حیثیت میں نہایت ہی کامیاب مدرّس اور آفیسر رہے۔ نہایت ہی خوبصورت' خوش مزاج' سلیقہ مند اور ہمدرد اُستاد ہونے کے ناطے وہ ہر دلعزیز تھے۔ حُب الوطنی کا جذبہ مذہبی الائشوں سے بالاتر ہوکر' اُن میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ ندامت اُن کی شخصیت کا خاصہ تھا۔ اُن کے خاندان میں اُن کے فرزند ستیش کمار کوتوال بحیثیت چیف انجینئر ریٹائر ہوئے۔ اُن کے دُوسرے فرزند محکمۂ صحت میں بلاک میڈیکل آفیسر کے طور پر کام کر رہے ہیں۔

کوتوال چونی لال:

بھدرواہ کے معروف قانون دانوں میں آنجہانی کوتوال چونی لال کا نام ہمیشہ یاد کیا جاتا رہے گا۔ وہ محلّہ کھکھل' بھدرواہ میں شری ارجن دیو کوتوال کے ہاں پیدا ہوئے۔ اُنہوں نے قانون کی ڈِگری حاصل کرنے کے بعد بھدرواہ میں وکالت شروع کی۔ وہ ۱۹۵۰ء-۱۹۵۱ء کے دوران شیخ محمد عبداللہ کی نیشنل کانفرنس میں شامل ہوئے اور ۳۱/اکتوبر ۱۹۵۱ء کے اسمبلی اِنتخابات میں حلقۂ اِنتخاب بھدرواہ سے کامیابی حاصل

کی۔ شیخ محمد عبداللہ کی گرفتاری کے بعد وہ بخشی غلام محمد کے دور میں ۱۹۵۷ء کے اسمبلی چناؤ میں کامیاب قرار دئے گئے۔ اُن کی اِن کامیابیوں کا سلسلہ ۱۹۶۲ء سے ۱۹۶۷ء تک ہوئے چناؤ تک قائم رہا جب کہ ۱۹۶۷ء میں بھدرواہ حلقہ انتخاب کوشیڈیولڈ کاسٹ اُمیدوار کے لئے مخصوص کیا گیا۔ وہ اپنی صلاحیتوں کی بدولت ۱۹۵۱ء سے ۱۹۶۷ء تک ریاستی وزارت میں بطور منسٹر فائز ہوتے رہے اور بھدرواہ کے لوگوں کی خدمت میں خصوصی طور پر جٹے رہے۔ بحیثیت وزیر برائے تعمیراتِ عامہ اُن کی گرانقدر خدمات کی ہمیشہ سراہنا ہوتی رہی۔ اُن کے چاروں فرزندان ریاستی حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں۔

خواجہ عبدالغنی گونی:

خواجہ عبدالغنی گونی، خواجہ غلام حسن گونی کے ہاں بھدرواہ قصبہ میں ۱۶/جون ۱۹۲۰ء کو پیدا ہوئے۔ میٹرک تک مقامی ہائی اسکول میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۹۴۲ء میں اُنہوں نے پرنس آف ویلز کالج جموں سے بی۔اے اور ۱۹۴۸ء میں بنارس ہندو یونیورسٹی سے فرسٹ ڈویژن میں قانون کی ڈگری (ایل۔ایل۔بی) حاصل کی۔ ۱۹۴۲ء تا ۱۹۴۶ء تک اُنہوں نے اِنڈین آرمی میں بطور وائس رائے کمشنر اپنی خدمات بطریق احسن انجام دیں۔ جبکہ ۱۹۴۸ء کے دوران ہی کے۔سی۔ایس (جوڈیشل) پاس کر کے فرسٹ کلاس جوڈیشل مجسٹریٹ (Judicial Magistrate) کے عہدے کے لئے چُنے گئے لیکن اُنہوں نے اِس پوسٹ پر سیاسی اور سماجی خدمات کو ترجیح دی اور ۱۹۴۷ء تا ۱۹۴۸ء کے دوران ہی بطورِ سٹوڈنٹ لیڈر کئی بار گرفتاری پیش کی۔ تاہم اِسی دوران ریاست کی مختلف عدالتوں میں پریکٹس بھی شروع کی۔ ۱۹۵۱ء میں وہ ریاستی قانون ساز اسمبلی کے رُکن چُنے گئے اور ۱۹۶۲ء تک بدستور ایم۔ایل۔اے رہے۔ ۱۹۵۳ء کے دوران وہ شیخ محمد عبداللہ کی گرفتاری کی احتجاجی مہم میں شامل ہونے کی وجہ سے گرفتار کئے

گئے اور ۱۹۵۶ء تک زیرِ حراست رہے۔ ۱۹۵۸ء تا ۱۹۶۲ء اُنہوں نے چیف پارلیمانی سیکریٹری کے طور کام کیا اور ۱۹۶۲ء سے ۱۹۶۷ء تک لوک سبھا کے ممبر کی حیثیت میں شمالی ریاستوں کے علاقائی وہپ (Regional Whip) اور ایڈوائزری کمیٹی برائے امورِ خارجہ کے علاوہ صنعت وحرفت کی صلاح کار کمیٹی کے ممبر بھی رہے۔ ۱۹۶۷ء تا ۱۹۷۰ء ریاستی کابینہ میں بحیثیت سٹیٹ منسٹر فائنانس، ایگریکلچر اور اِمداد باہمی رہے۔ ۱۹۷۰ء سے ۱۹۷۲ء کے دوران وہ وزارتی کونسل کے ممبر اور وزیر برائے صنعت، بجلی، صحتِ عامہ، زراعت، آبپاشی اور شہری ترقی اور تعمیراتِ مکان وغیرہ رہے۔ مارچ ۱۹۷۲ء تا ستمبر ۱۹۷۷ء وہ قانون ساز اسمبلی کے سپیکر کے عہدۂ جلیلہ پر رونق افروز رہے۔ اِس دوران وہ بہت سی قومی اور بین الاقوامی سطح کی تنظیموں کے ممبر رہے اور ۱۹۷۲ء میں اُنہوں نے لندن میں کامن ویلتھ پارلیمانی کانفرنس میں بھی شرکت کر کے اپنی قابلیت کے جوہر دِکھائے۔ وہ محاذِ رائے شماری کے بانی صدر بھی رہے۔

خواجہ عبدالغنی گونی صاحب کو بہت سے اعزازات سے بھی نوازا جاتا رہا جن میں ڈیفنس میڈل، وِکٹری میڈل اور شاہِ جارڈن کے ہاتھوں اِستقبال میڈل شامل ہیں۔ اُنہیں ۱۹۸۲ء میں ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈِگری ملی۔ وہ عمان اور جارڈن میں ہندوستانی حکومت کی طرف سے سفیر بھی رہے۔ امورِ خارجہ، ایڈمنسٹریشن، منصوبہ بندی اور ترقیات اُن کی خصوصی دِلچسپی کے موضوعات رہے ہیں۔ وہ کئی کتابوں کے مُصنف بھی ہیں جن میں اُن کی سوانح حیات ''صدائے بازگشت''، ''الحاق اور گونی'' (تقاریر کا مجموعہ)، ''اسرارِ الٰہی'' (حیاتِ پیر بابا بدرالدین بیلگاؤں، کرناٹک)، ''اسرارِ خداوندی'' (حیاتِ پیر بابا بڈھن علی شاہؒ جموں) وغیرہ شامل ہیں۔ ''روزِز اِن دِی ڈیزرٹ'' ابھی زیرِ طبع ہے۔ ''صدائے بازگشت'' میں اُن کی خدمات اور اُن کے اندازِ فکر کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

گونی صاحب کی ساری زِندگی ایک عملی جدوجہد اور کشمکش کی غماز ہے۔ وہ

نہایت ہی حلیم الطبع، ملنسار، غریب پرور، خوش گو، خوش رفتار، اِنسان دوست اور اِنسان شناس شخصیت کے حامل ہیں۔ کبھی کسی سے عداوت نہیں رکھتے بلکہ اپنے دُشمنوں سے بھی بغلگیر ہوتے دیکھے جاتے ہیں۔ وہ اپنی محنت، جذبہ حُب الوطنی اور ذہانت کے علاوہ اِنسانی بھائی چارے، اِنصاف اور برابری کے اصولوں کے قائل ہونے کی وجہ سے بڑے ہردلعزیز سیاسی اور سماجی راہنما کے طور پر اُبھرے۔

بھدرواہ کے لئے اُنہوں نے اپنے دُوسرے ساتھیوں کے ساتھ مل کر اِنٹر کالج، چمبہ - بھدرواہ روڈ، بھدرواہ - بسوہلی روڈ، بھدرواہ - چنتہ - جائی روڈ اور ٹھاٹھری - کلہوتران روڈ کی تعمیر اور کئی دیگر فلاحی کام شروع کروانے میں ایک اہم کردار ادا کیا۔ وہ عام لوگوں کی خدمت کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ اُنہوں نے یہاں کے کئی طلباء اور طالبات کو پیشہ وارانہ کالجوں میں برائے تربیت منتخب کروایا اور کئی پڑھے لکھے نوجوانوں کو روزگار مہیا کروانے میں بڑی مدد کی۔ گو وہ آج کل سرینگر کے باغات برزلہ میں مقیم ہیں تاہم اُن کا دِل وطنِ عزیز بھدرواہ کو فراموش نہیں کر پاتا۔

عبدالخالق ملک:

منشی عبدالرحمان مِلک بھدرواہ کے مشہور عرائض نویس تھے۔ اُنہوں نے اپنے دو فرزندان مِلک عبدالخالق اور نذیر احمد مِلک کو مناسب تعلیم دِلوا کر محکمہ مال میں بھرتی کروایا۔ عبدالخالق اُن کے بڑے فرزند تھے جو پہلے نائب تحصیلدار، پھر تحصیلدار اور بعد میں ڈپٹی کمشنر کے عہدے تک پہنچے۔ رسا صاحب مرحوم نے اُن کے بی.اے پاس کرنے پر فی البدیہہ یہ شعر کہہ ڈالا تھا

یار بی.اے ہو گئے اغیار بی.اے ہو گئے
حضرتِ خالق بھی آخر کار بی.اے ہو گئے

موصوف بخشی غلام محمد کے دور میں بخشی صاحب کے قریبی صلاح کاروں اور

سرکاری کارندوں میں شمار ہوتے تھے۔ کافی عرصہ ملازمت کرنے کے بعد وہ سبکدوش ہوئے۔ ۱۹۶۲ء کے اسمبلی چناؤ کے دوران اُنہوں نے بخشی صاحب کے لئے ایک تاریخ ساز کام کیا یعنی بہت سے اُمیدواروں کو بلا مقابلہ کامیاب قرار دیا اور مخالف پارٹیوں کے اُمیدواروں کے کاغذاتِ نامزدگی مسترد کرڈالے۔ خالق صاحب بڑے ملنسار اور دوست شناس آفیسر تھے جو کچھ عرصہ پہلے اِس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے۔ اُن کے بھائی نذیر احمد ملک بحیثیت اسسٹنٹ کمشنر ریونیو ریٹائر ہوئے اور بعد میں وکالت شروع کی۔ وہ ۲۰۰۸ء میں کشمیر میں رحلت کر گئے۔

شیخ غلام رسول:

بھدرواہ کی معروف شخصیات میں شیخ غلام رسول، سابق چیف کنزرویٹر آف فارسٹس ایک اہم مقام رکھتے تھے۔ بھدرواہ جاگیر کے وہ غالباً پہلے مسلمان تھے جنہوں نے ڈی.ڈی.آر کی ڈِگری حاصل کی اور رینج آفیسر کے عہدے سے ترقی پاتے پاتے ڈی.ایف.او اور بالآخر کنزرویٹر آف فاریسٹ کے اُونچے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔ اپنی سروس کے دوران اُنہوں نے کئی مستحق اُمیدواروں کو مختلف اسامیوں پر تعینات کیا اور ساتھ ساتھ اپنے سبھی فرزندان کو اعلیٰ تعلیم کے جوہر سے آراستہ کیا جن میں ڈاکٹر اقبال، شیخ غلام محمد اور شیخ غلام مصطفےٰ قابلِ ذِکر ہیں۔

پروفیسر رام رتن پریہار:

آنجہانی پروفیسر رام رتن بڑے روشن خیال مدرّس تھے جنہوں نے اپنی قابلیت اور پیشہ ورانہ صلاحیتوں سے جموں یونی ورسٹی میں اپنی دھاک جمائی تھی۔ وہ کبھی کبھی اپنی جنم بھومی بھدرواہ بھی آتے رہے۔ کئی سال پہلے اُن کی موت واقع ہوئی جس کی وجہ سے اُن کے سینکڑوں شاگردوں اور مداحوں میں صفِ ماتم بچھ گئی۔

پروفیسر شنکر لال پریہار:

پروفیسر شنکر لال پریہار صوبہ جموں کے بہترین کالج پروفیسروں میں شمار کیے جاتے تھے۔ وہ زیادہ تر اپنی سبکدوشی تک' پرنس آف ویلز کالج (موجود سائنس کالج) جموں میں بطریقِ احسن اپنا تدریسی کام کرتے رہے۔ بہت سال پہلے اُن کا اِنتقال ہوا جس پر نہ صرف بھدرواہ واسیوں بلکہ صوبہ جموں کے بہت سے اُن کے مداحوں نے دُکھ کا اِظہار کیا۔ اپنی جنم بھومی کی طرف بھی کبھی کبھی تشریف لایا کرتے تھے۔ پسماندہ علاقوں کے بچوں سے اُنہیں کافی لگاؤ رہتا تھا۔

ماسٹر چندو لال کوتوال (بھلیس):

ماسٹر چندو لال کوتوال ساکن چنیسر علاقہ بھلیس کے معروف سماجی کارکُن تصور کئے جاتے ہیں۔ خواجہ غلام رسول آزاد (مرحوم) اور خواجہ عبدالعزیز بٹ کے ساتھ ہی اُنہوں نے پنجاب یونی ورسٹی لاہور سے میٹرک پاس کر کے اپنے گاؤں چنیسر میں ہی ایک پاٹھ شالہ کھول کر بہت سے طلباء کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کیا۔ ایک متمول گھرانے سے تعلق رکھنے کے باوجود اُنہوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بجائے اُس دُور اُفتادہ گاؤں میں بچوں کو اچھی تعلیم دینے کا بندوبست کیا۔ یہی وجہ ہے کہ چنیسر گاؤں کے بہت سے افراد اُونچے سرکاری عہدوں تک پہنچنے میں کامیاب ہوئے جن میں اُن کے اپنے رِشتہ داروں کی خاصی تعداد شامل ہے۔ بعد میں وہ محکمہ امدادِ باہمی میں مُلازم ہوئے اور ایکسٹینشن آفیسر کے عہدے سے سبکدوش ہوئے۔

جسٹِس اِقبال کرشن کوتوال:

جسٹِس اقبال کرشن کوتوال صاحب بھدرواہ کے سرولباغ گاؤں سے تعلق

رکھتے تھے۔ ایل.ایل.بی کی ڈِگری حاصل کرنے کے بعد وہ بھدرواہ میں ہی کافی عرصہ تک وکالت کرتے رہے۔ اِس دوران اُن کے پھیپھڑوں میں کچھ تکلیف شروع ہوئی جس کی وجہ سے اُنہیں یہاں سے نقل مکانی کرکے جموں جانا پڑا' جہاں پر اُن کی وکالت کو چار چاند لگے۔ اعلیٰ کارکردگی کی بِنا پر اُنہیں جج ہائی کورٹ مقرر کیا گیا۔ وہ اِس عہدے پر کافی دیر تک فائز رہے اور پھر ریٹائر ہو گئے۔ بعد میں اُنہوں نے سرکار کی طرف سے قائم کردہ کچھ کمیشنوں کی بھی سربراہی کی۔ وہ بڑے ذہین اور ملنسار اِنسان تھے۔ بھدرواہ کی خوبصورتی پر اُنہیں بہت ناز تھا۔

پنڈت بھگوان داس راز دان:

راز دان خاندان کے بہت سے افراد وادیٔ کشمیر سے بھدرواہ آئے تھے۔ اِس خاندان اور کول خاندان کے لوگ پال دور میں راج گُرو بھی رہ چکے ہیں۔ پنڈت بھگوان داس راز دان ۱۹۳۱ء میں بھدرواہ میں مہتمم بندوبست تعینات کئے گئے تھے۔ پنڈت صاحبان کی یہاں آمد کے وقت بھدرواہ ایک ضلع کی حیثیت رکھتا تھا' جو اُس سے پہلے کسی وقت ایک صوبے کا درجہ بھی رکھتا تھا۔

ماسٹر چونی لال کوتوال:

بھدرواہ کے نامور اساتذہ میں ماسٹر چونی لال جی کا نام جہاں اُن کی اعلیٰ تدریسی اہلیت اور احسن کارکردگی کی وجہ سے بڑے احترام سے لیا جاتا رہے گا' وہیں بھدرواہی زبان و ادب کی ترویج میں اُن کے قابلِ تحسین کردار کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکے گا۔ وہ بھدرواہی زبان کے قدآور شعرا میں شمار کئے جاتے ہیں۔ اُن کی تخلیقات نے یہاں کے مقامی میلوں اور تہواروں کو نئی زِندگی بخشی ہے۔ اُن کی حب الوطنی کا بے ساختہ اِظہار اِس شعر سے بخوبی ہوتا ہے ؎

ایجاں بڈلا ہے کدے کال میرے مِٹلا' ایجاں بڈلا ہے کدے کال
ہیراں بڈلا ہیر و حال میرے مِٹلا' ہیراں بڈلا ہیر و حال

ماسٹر چونی لال کوتوال کے کلام کو محفوظ رکھنے کی خاطر اُس کو ترتیب دے کر اِشاعت کروانا وقت کی اہم پکار ہے۔

ڈاکٹر محمد اکبر ملِک:

ڈاکٹر محمد اکبر ملِک موضع اُدرانہ بھدرواہ میں ۲۳ / مارچ ۱۹۲۳ء کو پیدا ہوئے۔ مقامی ہائی اسکول میں میٹرک پاس کرنے کے بعد اُنہوں نے پرنس آف ویلز کالج جموں سے ایف۔ایس۔سی کا اِمتحان پاس کیا۔ پنجاب ایگریکلچر یونیورسٹی لاہور سے بی۔وی۔ایس۔سی اینڈ اے۔ایچ کا کورس فسادات کی وجہ سے اُدھورا چھوڑنا پڑا۔ تاہم حصار ویٹری کالج سے فائنل اِمتحان میں ۱۹۴۸ء کے دوران کورس مکمل کر کے گولڈ مڈل حاصل کیا اور بھدرواہ میں ویٹری اسسٹنٹ سرجن تعینات ہوئے۔ محکمہ افزائشِ حیوانات میں ترقی کرتے کرتے ڈائریکٹر کے عہدے تک پہنچ کر مارچ ۱۹۷۸ء میں ریٹائر ہوئے۔ ۱۹۵۰ء میں ایک خاتونِ نیک سیرت غلام فاطمہ سے رِشتۂ اِزدواج میں بندھ گئے۔ سال ۲۰۰۰ء کے دوران زیارتِ بیت اللہ سے فیضیاب ہوئے اور ۲۵ / فروری ۲۰۰۸ء کو اِس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے۔ مرحوم نہایت ہی ہمدرد، ایماندار اور ذہین و فہیم ہونے کے علاوہ ایک خداترس سماجی کارکُن بھی تھے۔ باغبانی، کُتب بینی اور مویشی پالنا اُن کے مشاغل میں شامل تھے۔

خواجہ غلام محمد داند:

خواجہ غلام محمد داند (مرحوم) محکمہ صحت میں مُلازمت کرتے تھے۔ اُنہوں نے تن من دھن سے نیشنل کانفرنس کی خدمت کی اور ۱۹۵۳ء تک شیرِ کشمیر شیخ محمد عبداللہ کا

ساتھ دیتے رہے۔ بعد میں بخشی غلام محمد اور اُن کے بھائی بخشی رشید کے ہمنوا بن گئے۔ وہ نہ صرف ایک سلجھے ہوئے سیاست دان اور اعلیٰ پایہ کے سماجی کارکن تھے بلکہ ایک دُور اندیش اور ہمدرد قسم کے اِنسان تھے۔ ہر وقت اور ہمہ تن خدمتِ خلق میں جُٹے رہتے۔ وہ اِنسانی بھائی چارے کے مُتمنی بھی تھے۔

لالہ شام لال گپتا:

بھدرواہ کے بڑے تاجر اور اچھے سماجی کارکن کے طور پر لالہ شام لال گپتا کا نام ہمیشہ عزت و احترام سے لیا جاتا رہا ہے۔ وہ ۱۹۴۷ء کے فسادات سے پہلے محلّہ قلعہ میں رہائش کرتے تھے لیکن کچھ شرپسندوں کے ہاتھوں اُن کا مکان نذرِ آتش ہو جانے کے بعد وہ محلّہ حویلی میں واقع اپنے مکان میں منتقل ہوئے۔ وہ کافی دیر تک بھدرواہ بیوپار منڈل کے صدر بھی رہے۔ وہ ہندو مسلم بھائی چارے کے بڑے علمبردار تھے۔ بازار سیری میں اُن کی بزازی کی بڑی دُکان تھی۔ بیوپار منڈل میں خواجہ عبدالرحمان صابری اور لالہ امرناتھ وغیرہ ممبران بھی شامل تھے۔

لالہ چھانگوشاہ:

بھدرواہ کے بڑے تاجروں میں لالہ چھانگوشاہ کا نام مشہور ہے۔ اُن کی دُکانیں موجودہ ڈسٹرکٹ ہسپتال کے متصل تھیں جو ۱۹۴۷ء کے بعد غالباً اُنہوں نے بیچ ڈالیں۔ ۱۹۴۱ء میں اُن کے نئے تعمیر شدہ مکان میں کچھ شرپسند گھس گئے جس کی وجہ سے اُن کا یہ مکان جلا دیا گیا۔ بدقسمتی سے بھدرواہ کے فسادات کی شروعات اِسی مکان سے ہوئی۔ خود لالہ جی بہت شریف اور ہر دلعزیز تھے۔ غالباً کسی رِشتہ دار کی ایماء پر مذکورہ بندوق بردار اُن کے مکان میں داخل ہوئے تھے۔ اِس واقعہ پر ایک ضرب المثل بھی بنی ہے —— کرمؤ کس نے کی تا' اَپُو۔ چٹ اندر تے پھُو —— یہ بھی قابلِ ذکر بات

ہے کہ محلّہ قلعہ میں رہائش کرتے ہوئے اُن کے عیال کو قلعہ محلّہ کے کچھ ہمسایوں نے دُوسرے ہندو پڑوسیوں کے ساتھ بھدرواہ کے قلعہ میں محفوظ طور پر پہنچا دیا تھا' جب کہ اُن کے بازار صرافاں کے مکان میں چھپے کچھ شر پسند فتنہ کا باعث بنے۔

لالہ امرناتھ شاہ:

بھدرواہ ہی کے ایک اور تاجر' سماجی کارکن اور اِنسانی بھائی چارے پر یقین رکھنے والے شخص لالہ امرناتھ تھے۔ اُن کی دُکان سیری بازار بھدرواہ میں تھی۔ وہ بھدرواہ کے مشہور شاعر رسؔا جاودانی کے بڑے گہرے دوست اور مداح بھی تھے۔ رسؔا مرحوم کو اکثر بار لالہ جی کی دُکان پر اُن سے مصروفِ گفتگو دیکھا جا سکتا تھا۔ بھدرواہ میں فسادات کے دوران اُن کے تعمیری کردار کو ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔ اچھی عمر پانے کے بعد وہ چند سال پہلے کٹھوعہ میں فوت ہوئے۔

کوتوال کرپارام:

کوتوال کرپارام ویسے تو دُکانداری کے پیشے سے وابستہ تھے' تاہم اُنہیں اِبتداء سے ہی سیاست کے ساتھ لگاؤ رہا۔ بھدرواہ میں جن سنگھ کے قیام کے دوران وہ اِس کے اِبتدائی کارکنوں میں شمار کئے جاتے تھے۔ ۱۹۵۳ء کی پرجا پریشد ایجی ٹیشن میں اُنہوں نے دُوسرے کارکنوں کے ساتھ سرگرمی سے حصّہ لیا۔ وہ بڑے خوش اخلاق اور مُحبِ وطن اِنسان تھے۔

چوہدری احمد جُو گنائی:

محلّہ حویلی بھدرواہ کی ایک ممتاز شخصیت چوہدری احمد جُو گنائی' اِبتداء سے ہی مسلم کانفرنس کے لیڈر اور اہم سماجی کارکن تسلیم کئے جاتے تھے۔ اُنہوں نے چوہدری

غلام عباس کے خطّہ ڈوڈہ کے دوروں کے دوران بھدرواہ میں جلسے جلوسوں کا اہتمام کروایا۔ حکومتِ وقت نے اُنہیں گرفتار بھی کیا اور جیل کی سلاخوں کے پیچھے سخت اذیتیں بھی دیں۔ ایک بار منشی دِلاور بخش کے ساتھ ٹکٹکی پر بھی چڑھایا لیکن وہ اپنے موقف سے کبھی نہیں ہٹے۔ وہ مشہور تجار خواجہ قادر جو' خطیب' ملک غلام احمد' خواجہ عبدالرحمان دیوانہ' خواجہ حبیب اللہ ٹاک اور خواجہ محمد شریف بابا کے ساتھ مقامی طور پر چھوٹے موٹے گھریلو جھگڑوں کو طرفین کی رضامندی سے نپٹا لیتے تھے۔ ۱۹۴۷ء کے دوران بھدرواہ میں امن وشانتی قائم کرنے کے لئے اُنہوں نے بھی کافی کام کیا۔

کوتوال سوامی راج وکیل:

کوتوال سوامی راج نے قانون کی ڈِگری حاصل کرنے کے بعد بھدرواہ اور ڈوڈہ میں وکالت کی۔ وہ ایک جوشیلے سیاسی کارکن تھے جو مقامی جن سنگھ سے آخری عمر تک وابستہ رہے۔ وہ کئی سال تک پرجا پریشد تنظیم کے ضلع سطح کے صدر بھی رہے اور بہت عرصہ پہلے وفات پا گئے۔

شیخ محمد ابراہیم:

محلّہ قلعہ بھدرواہ کے شیخ محمد ابراہیم نیشنل کانفرنس اور محاذِ رائے شماری کے سرگرم کارکن تصوّر کئے جاتے تھے۔ وہ دینی امورات میں بھی ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے اور ایک ہمدرد اِنسان اور سماجی کارکن بھی تھے۔ اُنہوں نے دورانِ فسادات کئی مہاجن بزرگوں کو دُوسرے ساتھیوں کے ساتھ رات کے وقت قلعہ بھدرواہ میں پہنچا کر کسی ناگہانی مصیبت سے بچانے کی قابلِ تعریف کوشش کی۔ شیخ محمد ابراہیم ایک اچھے مقرّر بھی تھے۔

ڈاکٹر شیخ محمد اقبال:

پروفیسر (ڈاکٹر) شیخ محمد اقبال، شیخ غلام رسول ریٹائرڈ کنزرویٹر آف فاریسٹ کے فرزندِ ارجمند تھے۔ ڈاکٹر صاحب (مرحوم) نے ایم.ایس.سی. کیمسٹری کی اعلیٰ ڈگری حاصل کرنے کے بعد اِنگلینڈ سے پی.ایچ.ڈی بھی کی۔ وہ کافی عرصہ تک سائنس کالج جموں کے شعبۂ کیمسٹری میں لیکچرار کے طور پر کام کرتے رہے اور یہاں پر ہی پروفیسر اور ایچ.او.ڈی بھی رہے۔ پسماندہ علاقوں خاص کر غیر منقسم ضلع ڈوڈہ، پونچھ، راجوری، اُدھم پور اور کٹھوعہ کے طلباء کی حوصلہ افزائی کے علاوہ اُن کی طرح طرح سے مدد کرتے رہے۔ اِس کے بعد جائنٹ ڈائریکٹر ایجوکیشن جموں تعینات کئے گئے۔ اِس عہدے پر رہ کر اُنہوں نے بہت سے مستحق اُمیدواروں کو محکمۂ تعلیم میں بھرتی کیا اور عام اساتذہ اور آفیسران کی مدد کرتے رہے۔ دُور دراز علاقوں میں واقعہ اسکولوں کا معائنہ کر کے اُن کو مفید مشوروں سے نوازتے رہے۔ کئی اسکولوں کے سٹاف اور عمارات کی کمی کو دُور کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ کچھ سال کے بعد وہ بھدرواہ کالج کے پرنسپل کے طور پر کام کرتے رہے اور اُن ہی دِنوں اُن کو ایک جان لیوا عارضے نے گھیر لیا اور وہ غالباً ۱۹۷۹ء کو اللہ کو پیارے ہو گئے۔ صوبہ بھر کے اُستادوں اور اُن کے پرستاروں اور تعلیمی اِداروں نے اُن کی رحلت پر رنج و افسوس کا اِظہار کیا۔ وہ نہایت ہی بااخلاق، ہمدرد اور مخلص اِنسان تھے اور ذہین و فہیم اُستاد ہونے کے علاوہ ہر دل عزیز آفیسر تھے جو ہندو مسلم بھائی چارے کے لئے کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کرتے تھے۔

شیخ غلام محمد بھدرواہی:

شیخ غلام محمد بھدرواہی ۳۰؍جولائی ۱۹۲۳ء کو بھدرواہ میں پیدا ہوئے۔ مقامی اسکولوں سے اِبتدائی تعلیم کے مراحل طے کرنے کے بعد جموں کے پرنس آف ویلز

کالج میں داخلہ لیا۔ یہاں سے فارغ ہونے کے بعد ۱۹۴۵ء سے ۱۹۴۷ء تک مسلم کانفرنس کے جواں سال سرگرم کارکن رہے۔ ۱۹۴۷ء میں وہ راولپنڈی چلے گئے اور وہاں پر اُنہیں جیل بھیج دیا گیا۔ واپسی پر اُنہیں فرقہ وارانہ فسادات کے دوران بے گھر ہوئے لوگوں کے بحالیاتی امورات میں بھدرواہ اور چمبہ کے علاقوں میں کافی محنت کرنی پڑی۔ وہ انجمن اِسلامیہ بھدرواہ کے بھی صدر رہے۔ بھدرواہی صاحب ایک اعلیٰ سیاست دان، بہترین مقرر، بلند حوصلہ شخص، بڑے بے باک اور ہمدرد اِنسان ہیں جو کئی سماجی تنظیموں سے بھی جڑے رہے ہیں۔ شیخ محمد عبداللہ کی برطرفی کے بعد اُنہیں ۱۹۵۵ء میں گرفتار کیا گیا اور ۱۹۵۸ء تک نظر بندی کے دِن گزارتے رہے۔ ۱۹۵۸ء میں محاذِ رائے شماری ڈوڈہ کے ضلعی صدر بنائے گئے اور بعد میں ۱۹۶۴ء کے دوران اُنہیں محاذِ رائے شماری کا صوبائی صدر مقرر کیا گیا۔ ۱۹۶۵ء سے ۱۹۶۷ء تک روپوش ہونے کے باوجود محاذِ رائے شماری کی ذِمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوتے رہے۔ اگست ۱۹۶۷ء کو اُنہیں خواجہ بشیر احمد کچلو کے ساتھ سرینگر کے کسی مکان سے گرفتار کیا گیا۔ کچھ دیر زیرِ حراست رہنے کے بعد وہ رِہا ہوئے لیکن ۱۹۷۲ء میں پھر نظر بند کئے گئے۔ اُنہیں اِسی دوران عالمی سطح کا اعزاز یعنی "ضمیر کا قیدی" ملا۔ ۱۹۷۵ء میں نیشنل کانفرنس کے جنرل سیکریٹری کے عہدے پر برقرار رہے۔ غلام محمد شاہ کی حکومت میں وہ وزیر برائے بحالیات اور شہری ترقی بنائے گئے، جو جولائی ۱۹۸۴ء تا نومبر ۱۹۸۶ء قائم رہی۔ اُنہوں نے ۱۹۸۳ء کے اسمبلی چناؤ میں اِندروال حلقۂ اِنتخاب سے گونی صاحب کو ہرا کر الیکشن جیتا لیکن ۱۹۸۷ء کے چناؤ میں خود ہار گئے۔

عبدالرحمان مغل (ڈی. ایف. او.):

عبدالرحمان مغل بھدرواہ کے ایک متوسط مغل گھرانے میں پیدا ہوئے۔ میٹرک تک مقامی ہائی اسکول میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد جموں کے پرنس آف ویلز

کالج سے ایف.ایس.سی کا اِمتحان پاس کرنے کے بعد محکمہ جنگلات میں بحیثیت رینج آفیسر تعینات ہوئے۔ محکمانہ طور پر ڈی.ڈی.آر.کورس کے لئے منتخب ہوئے اور اُس کے بعد کئی عہدوں پر کام کیا۔ محکمہ جنگلات میں اپنی اعلیٰ کارکردگی اور ذہانت کی بدولت آئی.ایف.ایس.کاڈر میں شامل کئے گئے۔ وہ ہر پوسٹ پر اپنے فرائض بطریق احسن انجام دیتے رہے اور بحیثیت ڈی.ایف.او.سروس سے سبکدوش ہوئے۔ کچھ سال پہلے سرینگر کے ائیرپورٹ سے واپسی پر ایک کار حادثہ میں اپنی اہلیہ اور بڑی دختر سمیت وفات پاگئے۔ اُن تینوں کی تجہیز و تکفین بھدرواہ میں ہوئی۔ اُن کی دردناک موت سے بھدرواہ میں صفِ ماتم بچھ گئی۔

خواجہ عبدالعزیز خان:

بھدرواہ کے سلجھے ہوئے سرکاری ملازمین، سیاسی اور سماجی کارکنوں میں خواجہ عبدالعزیز خان، ریٹائرڈ ڈپٹی ڈائریکٹر فوڈ اینڈ سپلائز کا نام ہمیشہ بڑی عزت اور احترام سے لیا جاتا رہے گا۔ میٹرک پاس کرنے کے بعد وہ پرائمری اسکول عسر (ڈوڈہ) میں بطور اُستاد تعینات ہوئے۔ ساتھ ساتھ وہ بھدرواہ میں قائم کی گئی نیشنل کانفرنس تنظیم کے بھی ایک سرگرم کارکن کے طور کام کرتے رہے۔ بخشی غلام محمد کی حکومت میں وہ تحصیل سپلائی آفیسر بنے۔ بعد میں ضلع سطح کی منصبی ذِمہ داریوں سے بھی بطریق احسن عہدہ برآ ہوئے۔ بالآخر اُنہیں ڈپٹی ڈائریکٹر کے عہدے پر ترقی دی گئی۔ اِس عہدے پر رہ کر اُنہوں نے اپنی قابلیت کا سکّہ منوالیا۔ اپنی ریٹائرمنٹ کے بعد وہ دینی اور سماجی فلاحی کے کاموں میں جُٹ گئے۔ پاسری کی مسجد شریف کی تعمیر میں اُن کا اہم کردار رہا۔ وہ بہت اِنسان شناس، غریب پرور، ہمدرد اور شفیق و مشفق قسم کے اِنسان تھے۔ اُن کے احباب کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ بدقسمتی سے اُنہیں کچھ عرصہ ایک ناقابل علاج عارضہ سے پالا پڑا اور وہ اِس دنیائے فانی سے کوچ کرگئے۔

بھگت تیج رام (ڈی. ایف. او):

بھگت تیج رام اپنی اِبتدائی تعلیم مکمل کرنے کے بعد محکمہ جنگلات میں بطور رینج آفیسر تعینات ہوئے۔ وہ علاقہ چِنتہ بھدرواہ کے رہنے والے تھے۔ وہ کچھ عرصہ کے بعد ہی ترقی پاکر ڈویژنل فاریسٹ آفیسر کی پُروقار پوسٹ پر فائز ہوئے۔ دہرادُون سے ڈی. ڈی. آر کیا تھا۔ اپنی قابلیت کی بناء پر اُنہیں آئی. ایف. ایس کے گریڈ سے بھی نوازا گیا۔ مرحوم نے گرلز ہائی سکینڈری اسکول بھدرواہ کے پاس ہی اپنا مکان تعمیر کیا تھا۔ سروس سے ریٹائر ہونے کے بعد وہ کافی عرصہ تک اِسی مکان میں رہے۔

ڈاکٹر خیرات محمد ابنِ رسؔا:

خیرات محمد دیو بھدرواہ کے معروف شاعر رسؔا جاودانی کے ہاں ۱۹۲۵ء میں پیدا ہوئے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ایم. ایس. سی کی ڈِگری حاصل کرنے کے بعد وہ ۱۹۴۸ء کے دوران پاکستان چلے گئے۔ ۱۹۴۸ء سے ۱۹۵۶ء تک ایف. سی. کالج لاہور میں کام کرنے کے دوران وہ تحقیق (Research) کے سلسلہ میں یو. ایس. اے کے لئے منتخب ہوئے۔ ڈاکٹریٹ کورس کی تکمیل کے بعد اُنہوں نے امریکہ کی اٹامک انرجی کمیشن کے لئے ۱۹۵۹ء تا ۱۹۷۵ء کام کیا۔ پاکستان کے پرائم منسٹر ذُوالفقار علی بھٹو نے اُنہیں امریکہ سے واپس بُلا کر پنجاب یونیورسٹی لاہور کا وائس چانسلر مقرر کیا جہاں وہ تقریباً دس سال تک کام کرتے رہے۔ وہ ۱۹۷۹ء کے دوران رسا جاودانی کی علالت کے دوران بھدرواہ بھی آئے۔ اِتفاقاً رسؔا صاحب کی موت بھی اُن کی موجودگی میں ہی ہوئی۔ بعد میں اُنہیں کیسا بلانکا مراکو میں قائم آئی. ایس. ای. ایس. سی. او کے ڈائریکٹر جنرل کی حیثیت سے منتخب کیا گیا۔ آج کل وہ اِسلام آباد کی دُوسری یونیورسٹی کے اِنچارج ہیں اور فیڈرل حکومت کے ایک صلاح کار کے طور بھی کام کر رہے ہیں۔

شیخ عبدالرحمان:

شیخ عبدالرحمان موضع خالو بھدرواہ میں شیخ عبدالصمد کے ہاں ۷/ستمبر ۱۹۳۴ء کو پیدا ہوئے۔ ۱۹۴۷ء کے فسادات میں وہ معجزانہ طور سے بلوائیوں کے ایک زبردست حملے میں ایسے حالات میں بچ نکلے جب کہ موضع خالو کے کچھ مسلم باشندوں کے علاوہ شیخ صاحب کے خاندان کے تقریباً سارے افراد قتل کرڈالے گئے۔ میٹرک تک اِبتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ کم عمری میں میدانِ سیاست میں داخل ہوئے۔ فسادات کے بعد ہی وہ پرجا پریشد کے رُکن بنے۔ ۱۹۵۲ء۔ ۱۹۵۳ء کی پرجا پریشد کی تحریک کے بھدرواہ میں ہی رُوحِ رواں تھے۔ وہ پردیش جن سنگھ کے جوائنٹ سیکریٹری اور اُس کی مجلسِ عاملہ کے تقریباً ۱۸ برس تک رُکن بنے رہے۔ پنڈت پریم ناتھ ڈوگرہ کی وفات کے بعد وہ جن سنگھ کے ریاستی صدر بھی مقرر ہوئے۔ کچھ اِختلافات کی وجہ سے اُنہوں نے جن سنگھ چھوڑ کر لوک دل کا ریاستی یونٹ قائم کیا۔ وہ ایمرجنسی کے دوران اِس تنظیم کے قائم مقام چیئرمین بھی رہے اور ۱۹۷۷ء میں بھارتی جنتا پارٹی کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر بھی رہے۔ لوک دل کی طرف سے وہ ۱۹۷۸ء سے ۱۹۸۴ء تک راجیہ سبھا کے ممبر بھی رہے اور کچھ سال راجیہ سبھا میں لوک دل کے لیڈر بھی چنے گئے۔ پھر ۱۹۶۶ء میں بہوجن سماج پارٹی کے صدر بننے کے بعد ۱۹۶۶ء کے چناؤ میں بھدرواہ حلقہ اسمبلی سے ممبر چنے گئے۔ اِس چناؤ میں اُنہیں ۲۱,۶۱۵ ووٹ ملے۔ اُنہیں اِس چناؤ میں نیشنل کانفرنس کی حمایت حاصل رہی۔ سال ۲۰۰۰ء میں شیخ صاحب کو ''بہترین قانون ساز'' کے ایوارڈ سے بھی نوازا گیا۔ وہ ''ہل ڈیویلپمنٹ فورم ڈوڈہ'' کے بانی صدر بھی ہیں۔ لداخ ہل ڈیویلپمنٹ کونسل کی طرز پر وہ ڈوڈہ کے لئے بھی ایسی ہی کونسل قائم کرنے کی کافی عرصہ سے مانگ کررہے ہیں۔ وہ ایک شعلہ بیان، نڈر، بے باک اور محبِ وطن قسم کے لیڈر ہیں۔ ہر وقت غریب، پسماندہ اور مظلوم لوگوں کی مدد کرتے رہتے ہیں۔ وہ



بشیر احمد کچلو (مرحوم)



شیخ عبدالرحمان



ایس. آر. شرما (آئی. اے. ایس)



وجے کوتوال (آئی. اے. ایس)



عنایت خطیب (چیف انجینئر)



بی. آر. وزیر (چیف انجینئر)

قومی سطح کے لیڈروں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ وہ بھدرواہ کی اجتماعی ترقی کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔

ہری لال ہتیشی:

مسٹر ہری لال ہتیشی ۷؍مارچ ۱۹۲۴ء کو موضع ڈوگہ چنتہ تحصیل بھدرواہ میں پیدا ہوئے۔ بی۔اے کرنے کے بعد اُنہوں نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ایم۔اے اور ایل۔ایل۔بی کی ڈِگریاں حاصل کیں۔ ساتھ ہی کچھ مضامین میں آنرس بھی کیا۔ وہ محکمۂ تعلیم میں بہت سے عہدوں پر فائز رہے جہاں اُنہوں نے بڑی لگن سے کام کیا۔ بحیثیت ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر ڈوڈہ' ملازمت سے قبل از وقت ریٹائرمنٹ حاصل کر کے سیاست میں عملی طور پر داخل ہو کر الیکشن لڑا لیکن کامیاب نہ ہو پائے۔

۱۹۷۷ء تا ۱۹۸۰ء ضلع ڈوڈہ کی کانگریس کمیٹی کے جنرل سیکرٹری مقرر کئے گئے اور اِس کے بعد کانگریس کمیٹی کے ضلع صدر بھی رہے۔ اِسی دوران ۱۹۷۷ء تا ۱۹۸۰ء جموں وکشمیر میں آل اِنڈیا شیڈ ویلڈ کاسٹ فیڈریشن کے ریاستی صدر بھی رہے۔ ۱۹۸۳ء کے اسمبلی چناؤ میں بھدرواہ حلقۂ اِنتخاب میں کامیاب قرار دئے گئے۔ دُوسری بار ۱۹۸۷ء کے چناؤ میں بھی کامیابی حاصل کی۔ ڈاکٹر فاروق عبداللہ نے اُنہیں وزیرِ مملکت برائے تعلیم مقرر کیا۔ وہ نیشنل کانفرنس میں بھی شامل ہوئے لیکن اُن کا کانگریس کی ہی طرف جھکاؤ رہا۔ وہ نہایت ہی شریف النفس' ملنسار' اِنسان شناس' قابل اور نیک دل اِنسان تھے جن کی محکمہ تعلیم میں بھی اعلیٰ کارکردگی رہی اور جو سیاسی میدان میں بھی ایک اچھے ہریجن لیڈر کے طور پر اُبھرے۔ اُردو' ہندی اور سنسکرت زبانوں کے پرستار اور شاعر بھی تھے اور صاحبِ تصنیف بھی تھے۔ اُن کا ماہ دسمبر ۲۰۰۸ء کے آخر پر جموں میں اِنتقال ہوا۔ بھدرواہ کی ترقی اور آپسی بھائی چارے کی خاطر اُن کی خدمات کو ہمیشہ یاد کیا جائے گا۔ اُن کی وفات پر بہت سی سیاسی تنظیموں اور سماجی حلقوں نے

اِظہارِ افسوس کیا۔

خواجہ غلام نبی گونیؔ گورگانی:

خِطّہٴ چناب کی صفِ اوّل کی ممتاز شخصیات میں خواجہ غلام نبی گونیؔ گورگانی کا نام بڑے فخر، عزت و احترام سے لیا جاتا رہے گا، جو بھدرواہ کے معروف گونی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ اُنہوں نے اِبتدائی تعلیم بھدرواہ کے مقامی سکولوں سے پا کر مُسلم یونی ورسٹی علی گڑھ سے ایم۔اے۔ ہسٹری اور ساتھ ہی ساتھ ایل۔ ایل۔ بی۔ کی ڈگری حاصل کی۔ اِبتداً بھدرواہ کی ہی عدالتوں میں وکالت شروع کی۔ اُن کے برادرِ اکبر خواجہ عبدالغنی گونی نے تعلیم و تربیت میں اُن کی قدم قدم پر راہنمائی کی، جو خود بھی معروف قانون دان اور سیاست دان ہیں۔ دیکھتے دیکھتے گورگانی (مرحوم) کی وکالت میں چار چاند لگ گئے۔ وہ بقولِ ان کے ''ہر روز گڑھے کھود کر پانی نکالتے رہے۔'' اِس مقتدر پیشہ کے ضروری تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے وہ شاعری کے میدان میں بھی ایک معتبر آواز بن کر اُبھر آئے۔ شعرائے قدیم کے گہرے مطالعے کے ساتھ ساتھ اُن کو ہم عصر شاعروں کے کلام سے بھی دِلچسپی رہی۔ فارسی، اُردو اور انگریزی زبانوں پر پورا عبور ہونے کی وجہ سے اُن کی شعری کاوشوں میں فارسیت چھائی رہی۔ اُن کا کلام چھوٹی بحور میں پُر از تاثیر، معنی خیز اور فکر انگیز ہے۔ بسا اوقات، وہ شعری قیود کی پروا کیے بغیر تخلیقِ شعر کرتے تھے اور اپنے آپ کو شاعرِ کشمیر کہلانے میں فخر محسوس کرتے تھے۔ اُن کے افکار، اُسلوب کی رنگینی اور نئے پن کے حوالے سے کوئی بھی قاری اُن کے اشعار کی داد دیئے بِنا نہیں رہ سکتا تھا۔ دراصل اُن کو شاعرِ مشرق علاّمہ اقبالؒ کے کلام نے بہت حد تک متاثر کیا تھا۔ اُن کے تلمّذ کے غائبانہ علم بردار ہونے کے ناتے وہ اُن کی ہی طرزِ نگارش میں شعر گوئی کرتے رہے۔ اقبالؒ کے شاعرانہ مسلک کے ساتھ اپنی گہری وابستگی کا اِظہار خود کو فرزندِ اقبالؒ کہہ کر اِن جیسے اشعار میں کیا کرتے۔

کیا پوچھتے ہو شاعرِ کشمیر کی نسبت
اقبالؔ کا فرزند ہے تلمیذ خُدا ہے

اُردو زبان و ادب کے ساتھ اُنہیں دیوانگی کی حد تک لگاؤ تھا۔ ہر وقت اپنے اقرباء اور احباب کو اِسی زبان میں شعر و شاعری کرنے کی تلقین کرتے۔ راقم الحروف سے بھی کئی بار کشمیری زبان کی بجائے اُردو میں شعر کہنے کی فہمائش کرتے۔ اِس لئے نہیں کہ اُن کو اِس زبان سے کسی قسم کی نفرت یا عدم دِلچسپی تھی، صرف اِس لئے کہ اُردو زبان کے شعر و ادب کی وُسعتیں آفاقی ہیں اور کشمیری زبان کا ادبی دائرہ وادیٔ کشمیر وغیرہ تک ہی محدود ہے۔ البتہ جب بھی کوئی کشمیری شعر اُنہیں پسند آتا تو خوب داد بھی دے لیتے۔

وادیٔ چناب اور خِطّۂ ڈوڈہ کے وُکلاءؔ، شعراءؔ و ادباءؔ اور سماجی کارکنوں میں گونیؔ (مرحوم) کو اِنفرادی مقام حاصل تھا۔ ایک ذہین و فطین اِنسان اور ایک پُر وقار شخصیت کے مالک ہونے کے علاوہ ایک نامور وکیل، ایک شعلہ بیان مقرر، ایک سلجھے ہوئے تاریخ دان، ایک باشعور سیاستدان اور ایک معتبر شاعر تھے۔ اُن کے کلام میں علاّمہ اقبالؒ کے فلسفۂ اِسلام کی جھلکیں دُور سے ہی پہچانی جا سکتی ہیں۔ اِسلامی تواریخ اور اِسلامیات پر اُن کی گہری نگاہ ہونے کی وجہ سے اُن کے اشعار میں ملّتِ اِسلامیہ کے کردار اور اقدار میں رُو پذیر ہونے والے زوال کا کرب نمایاں ہے۔ تاہم وہ جمہوری اُصولوں کے پاسدار اور رواداری اور بھائی چارے کے متمنی تھے۔

کشمیر کے لوگوں کی حالتِ زار، اُن کی بے حِسّی اور غفلت شعاری کی روش دیکھ کر اُن کے جذبات کو ٹھیس لگتی ہے اور وہ یوں پکار اُٹھتے ہیں ؎

کہہ رہی ہے یہ مادرِ کشمیر غمِ دوراں بیاں نہیں ہوتا
یا لڑکپن ہے یا بڑھاپا ہے کوئی بیٹا جواں نہیں ہوتا

گونیؔ گورگانی بہت ہی با اخلاق، ملنسار، ہمدرد، باجرأت اور مخلص اِنسان تھے۔ وہ ''اقبالؔ بزمِ ادب بھدرواہ'' کے اولین خیر خواہوں اور سرپرستوں میں شمار ہوتے

ہیں۔اِس بزم کی ہفتہ وار نشستوں میں جموں منتقل ہونے تک برابر شریک ہوتے رہے۔اُن کی ذہنی بالیدگی اور سیاسی شعور کے علاوہ عصری آگہی کے ساتھ ساتھ اُن کے دِل نشین اندازِ بیان کے سب قائل ہو جاتے تھے۔اُن کے خلوص بھرے جذبات کے اُن کے متعدد اشعار غماز اور عکاس ہیں۔وہ عالمی برادری کے متمنی تھے اور ریاکاری اور ظاہرداری، ظلم و جبر، سماجی بدعات اور سیاست دانوں کی شعبدہ بازیوں اور چالاکیوں سے متنفر تھے۔بسا اوقات اپنے اشعار میں اُن عناصر کو ننگا کر کے رکھ دیتے تھے ۔

ہے زبوں حالتِ جمہور تو بے مصرف ہے
کوئی فیصلؔ، کہ غدافیؔ کہ علی احمد ہو

یا

کچھ ناز نہیں دولتِ اسلام پر اُن کو
پٹرول کی بہتات ہے، مغرور عرب میں

گوہرؔ (مرحوم) اپنی شاعری کی تشہیر سے گریز کرتے رہے۔اُن کے کلام کو سمجھنے اور عام کرنے کے علاوہ اُن کے نثری شاہکاروں کی ڈھول چھانٹ کر کتابی صورت میں محفوظ کرنے کی اہم ضرورت محسوس ہوتی رہی ہے، جو اُن کے فرزندِ ارجمند محمد اسلم گوہرؔ ہی کے بس کی بات ہے جنہوں نے اُن کی حیات میں اُن کے شائع شدہ شعری مجموعات ''ارمغانِ کشمیر'' (۱۹۸۴ء) اور ''زمزم سے جہلم تک'' (۱۹۹۲ء) کے بعد اپنے والد مرحوم کے غیر شائع شدہ شعری مجموعوں کو یکجا کر کے ''گلبانگِ کشمیر'' کے نام سے چھپوانے کی سعادت حاصل کی۔ایں سعادت بزورِ بازو نیست!

گوہرؔ گورگانی ہمیں اُس وقت داغِ مفارقت دے گئے جبکہ اُن کی رُوح اُن کے جسدِ خاکی سے ۲ر مئی ۱۹۹۷ء کو پرواز کر گئی۔اُردو زبان و ادب کے تئیں اُن کی خدمات کو ہمیشہ یاد کیا جاتا رہے گا۔

ع۔زمین کھا گئی آسماں کیسے کیسے!

ٹھاکر ایشر سنگھ بلاوریہ:

ٹھاکر ایشر سنگھ بلاوریہ ضلع ڈوڈہ کے صحافت کے کارواں میں اوّلین سپہ سالاروں میں تصور کئے جاتے ہیں۔ اُنہوں نے جموں سے اخبار ''چناب'' کا اجراء کر کے ریاست کے پسماندہ علاقوں کے مسائل کی بالعموم اور سابقہ ڈوڈہ کی بالخصوص بہترین اور بے لوث ترجمانی کی۔ ساتھ ساتھ وہ اِس پسماندہ ضلع کی اہم شخصیات پر بھی لکھتے رہے۔ اِس اخبار کی عبارتیں اُن کی اُردو شناسی کے علاوہ اُن کی حب الوطنی کی غماز رہی ہیں۔ ''چناب'' ۱۹۲۳ء سے کئی سال تک بڑی آب و تاب سے چھپتا رہا۔ بلاوریہ صاحب کی وفات کے بعد اِس کی ادارت کی ذِمہ داری معروف وکیل اور سماجی کارکن مسٹر او. پی. ٹھاکور کافی دیر تک نبھاتے رہے۔

کوتوال دیا کرشن:

کوتوال دیا کرشن موضع اُدرانہ تحصیل بھدرواہ کے ایک معزز گھرانے میں پیدا ہوئے۔ حصولِ تعلیم کے بعد وہ جن سنگھ کی بھدرواہ شاخ سے منسلک ہو گئے۔ وہ بھاجپا کے اوّلین اور سرکردہ کارکنوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ وہ بھارتیہ جنتا پارٹی کے پردیش صدر بھی رہے اور کچھ سال قانون ساز کونسل میں حزبِ اِختلاف کے قابلِ قدر راہنما کے طور پر بھی اپنے فرائض بڑی گرم جوشی سے نبھاتے رہے۔ ۱۹۶۹ء میں حلقۂ اِنتخاب بھدرواہ سے چناؤ لڑا لیکن شیخ عبدالرحمان، صدر بہوجن سماج وادی پارٹی سے ہار کھائی۔ ۲۰۰۸ء کے چناؤ میں بھی وہ جیت نہ سکے۔ تاہم وہ اپنی پارٹی کے اچھے لیڈروں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ ۱۹۵۳ء اور حالیہ جموں کی ایجی ٹیشن میں اُن کا نمایاں رول رہا۔ وہ بڑے نڈر، صاف گو اور جوشیلے لیڈر ہیں۔ سماجی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیتے ہیں۔

خواجہ غلام نبی آزاد:

خواجہ غلام نبی آزاد ضلع ڈوڈہ علاقہ بھلیس کے موضع سوتی میں خواجہ رحمت اللہ بٹ کے ہاں ۸/ مارچ ۱۹۴۹ء کو پیدا ہوئے۔ اُنہوں نے میٹرک تک کی اِبتدائی تعلیم ہائی اسکول کلہوتران سے حاصل کی۔ بعدازاں ڈگری کالج بھدرواہ میں گیارھویں کلاس میں داخلہ لیا اور پھر اپنے چچا خواجہ غلام رسول آزاد سابقہ ناظم تعلیمات ریاست جموں وکشمیر کی راہنمائی میں ریاست کے معروف اِدارے یعنی ایس. پی. کالج سرینگر سے بی. ایس. سی. کا اِمتحان اچھے نمبرات لے کر پاس کیا۔ ۱۹۷۲ء میں اُنہوں نے کشمیر یونیورسٹی سے زاولوجی میں ایم. ایس. سی. کی ڈِگری حاصل کی اور اِسی سال اپنے آبائی گاؤں سوتی چلے آئے۔ اپنے سرینگر قیام کے دوران اُنہوں نے اپنے چچا آزاد صاحب (مرحوم) سے سیاست کے ابتدائی دروس حاصل کیئے اور ان کے طرزِ فکر، اطوارِ زندگی اور ہمہ گیر شخصیت کے مختلف پہلوؤں کی چھاپ، شعوری اور غیر شعوری طور پر اُن کی شخصیت پر بھی پڑتی رہی۔ آزاد صاحب کی دیانتداری، بے لوث اِنسانی خدمات، حق پرستی، بے باکی، سیاسی اور سماجی معاملات میں سنجیدگی جیسے اوصاف اُن کے کردار اور اندازِ فکر میں بھی عود کر آئے۔ اُن کے والد صاحب جو علاقہ بھلیس میں کانگریس کمیٹی کے صدر تھے، نے اُنہیں وہاں کی کانگرس کمیٹی کا بلاک سیکریٹری مقرر کیا۔ اِس عہدے پر آزاد صاحب ۱۹۷۳ء تا ۱۹۷۵ء تک فائز رہے۔ اِس طرح سے اُنہوں نے رسمی طور پر اپنا سیاسی سفر شروع کیا۔ بعدازاں وہ ریاستی یوتھ کانگرس کے صدر منتخب ہوئے۔ غلام نبی آزاد کے روابط ”گاندھی فیملی“ کے ساتھ ۱۹۷۰ء سے ہی راجیو گاندھی کے ساتھ مراسم کی بدولت شروع ہو چکے تھے۔ اپنی بُردباری اور ذہانت کے علاوہ کانگریس پارٹی کے ساتھ دِلی لگاؤ اور جذباتی میلان کی وجہ سے اُنہوں نے پارٹی اور حکومت کے مختلف عہدوں پر کام کر کے اپنا سیاسی مقام اور نام پیدا کیا اور وہ کانگرس پارٹی کے ہردِل عزیز،

باوقار اور قابلِ اعتبار رُکن کے طور پر اُبھرے۔ ۱۹۷۷ء میں وہ ڈوڈہ کانگریس کے ضلعی صدر بنائے گئے اور ساتھ ہی اُنہیں آل اِنڈیا یوتھ کانگرس کا صدر بھی مقرر کیا گیا۔ اِن عہدوں پر اپنی خداداد صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ کرنے کی بدولت وہ ملکی سطح کی سیاست پر ایک ہر دلعزیز لیڈر کے طور پر اُبھر آئے۔ یہاں تک کہ ۱۹۸۰ء کے وہ واشم مہاراشٹر حلقۂ انتخاب سے بھاری ووٹوں سے ممبر پارلیمنٹ چُنے گئے۔ اِس طرح سے اُن کا پارلیمانی سفر شروع ہوا۔ خوش قسمتی سے وہ سال اُن کی زندگی کی کامیابی اور اُن کی نجی خوشیوں کا موجب بھی بنا۔ جبکہ محترم [redacted] دیو کی دختر نیک اختر محترمہ شمیمہ آزاد جو ریاست بلکہ ملک کی نامور گلوکارہ ہیں' اُن کے رشتۂ ازدواج میں آگئیں جو اُس وقت سرینگر کے ایک کالج میں بطور لیکچرار کام کرتی تھیں۔ شادی کے بعد ہی وہ ایک باوقار شریک حیات کے طور پر آزاد صاحب کی سیاسی' سماجی اور نجی زندگی کے معاملات میں شریکِ کار ہوگئیں۔

آزاد صاحب ۱۹۷۸ء سے ۱۹۸۱ء تک آل انڈیا مُسلم یوتھ فیڈریشن کے صدر بھی رہے اور اِندرا گاندھی کی مرکزی سرکار میں پہلی بار ۱۹۸۲ء میں بطور ڈپٹی منسٹر لا' جسٹس اور کمپنی معاملات مقرر کئے گئے۔ قریباً ایک سال کے بعد ہی اِطلاعات اور نشریات کے محکمے بھی اُن کے سپرد کئے گئے۔ اِندرا جی اُنہیں اپنے بچوں کی مانند ہی پیار کرتی تھیں۔ ایمرجنسی کے دوران آزاد صاحب نے گاندھی خاندان کا پورا ساتھ دیا۔ اِندرا جی کی وفات کے بعد راجیو گاندھی نے اُنہیں پارلیمانی معاملات کا چارج سپرد کیا۔ ۱۹۸۵ء میں وہ ایک بار پھر واشم (مہاراشٹر) کے حلقہء انتخاب سے چناؤ جیتے اور انہیں منسٹر آف سٹیٹ فار ہوم بنایا گیا۔ اِس کے بعد ۱۹۸۶ء میں وزارتِ خوراک اور سول سپلائز اُنہیں تفویض کی گئی۔ ۱۹۹۰ء میں راجیہ سبھا کے ممبر چنے گئے اور نرسمہا راؤ سرکار میں پہلی بار پارلیمانی امورات کا منسٹر مقرر کیا گیا اور بعد میں ٹورازم اور سول ایوی ایشن کے محکمے بھی سپرد کئے گئے۔ ۱۹۸۶ء میں وہ کانگرس کمیٹی کے ایک اہم رُکن

کے طور پر نامزد ہوئے اور ۱۹۹۶ء میں اپنی آل انڈیا کمیٹی کا جنرل سیکریٹری مقرر کیا گیا۔ اِس عہدے پر وہ کئی بار منتخب ہوتے رہے۔ اِن عہدوں پر کام کرنے سے اُنھوں نے اپنی تنظیمی قابلیت کا سکّہ جما دیا جس وجہ سے اُنہیں کچھ ریاستوں کے تنظیمی امورات سپرد کیئے گئے۔ اُن کی حکمت عملی اور فراست کی وجہ سے کانگریس کرناٹک اور آندھرا پردیش کے اسمبلی چناؤ جیت سکی۔ ڈاکٹر من موہن سنگھ کی سرکار میں وہ پارلیمانی امورات اور شہری ترقی کے وزیر مقرر ہوئے۔ اِسی دوران اُنہیں جموں و کشمیر کانگریس تنظیم کا صدر مقرر کیا گیا۔ اُنھوں نے اِس تنظیم کے بکھرے ہوئے شیرازے کو سنوار کر ریاست میں کانگرس کو اِکیس (۲۱) سیٹوں پر کامیابی دِلا کر حکومت سازی کے قابل بنایا۔ ایک سمجھوتے کے تحت پی.ڈی.پی اور کانگریس سرکار کی ملی جلی حکومت کی سربراہی مفتی محمد سعید نے یکم نومبر ۲۰۰۲ء سے ۲؍نومبر ۲۰۰۵ء تک کی۔ مرکزی سرکار نے کافی مالی امداد فراہم کر کے ریاست کے اِنتظامی ڈھانچے اور ترقیاتی منصوبوں کی عمل آوری میں بڑا سدھار لایا۔ اِسی دور میں پاکستان کے ساتھ بات چیت کا دور شروع ہو گیا اور ''ہیلنگ ٹچ پالیسی'' پر عمل کیا گیا۔

غلام نبی آزاد صاحب تین سال کے بعد ۲؍نومبر ۲۰۰۵ء کو ریاست کے وزیرِ اعلیٰ مقرر ہوئے۔ اُنھوں نے حلقۂ اسمبلی بھدرواہ سے ۶۲,۰۷۲ ووٹ لے کر ریکارڈ توڑ کامیابی حاصل کی۔ جگہ جگہ ترقیاتی منصوبوں پر کام شروع ہو گیا۔ ریاست بھر میں پُلوں، نہروں، سڑکوں، اسکول، ہسپتال اور دیگر عمارتوں کی تعمیر کا ایک تاریخی دور شروع ہوا۔ ہزاروں پرائمری، مڈل اور ہائی اسکول کھولے گئے۔ بے شمار مڈل، ہائی اسکولوں کا درجہ بڑھایا گیا۔ کئی کالج کھولے گئے اور کئی نئے ضلعوں، تحصیلوں وغیرہ کی منظوری دی گئی۔ ریاست بھر میں سیاحتی پروگرام ایک منصوبہ بند طریقہ سے شروع کیئے گئے جن کی کچھ جھلکیں اِس کتاب کے مختلف ابواب میں قارئین کو مل سکیں گی۔ آزاد صاحب کا سنہری دور جولائی ۲۰۰۸ء کو پی.ڈی.پی کی حمایت واپس لینے کے بعد ختم

ہوا۔ اسمبلی تحلیل کی گئی۔ گورنر راج میں اسمبلی کے چناؤ عمل میں لائے گئے۔ آزاد صاحب نے اِس بار بھی بھدرواہ حلقۂ انتخاب سے شاندار کامیابی حاصل کی۔

کوتوال دیناناتھ بھال:

کرشنا کوتوال:

کوتوال دیناناتھ بھال موضع کنسو علاقہ بھلیس کے رہنے والے ہیں۔ اُنہوں نے بھدرواہ سے میٹرک کا اِمتحان پاس کرنے کے بعد جموں اور علی گڑھ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور این.ای.ایس بلاک بھدرواہ میں بطور بلاک ڈویلپمنٹ آفیسر تعینات کئے گئے۔ اُنہوں نے یہاں پر بڑی دیانتداری سے ترقیاتی کاموں کی تکمیل کی جن میں دریائے نیرو پر کئی پُلوں کی تعمیر بھی شامل ہے۔ غالباً یہ ۱۹۵۵ء-۱۹۵۶ء کی بات ہے کہ اُن کا رشتۂ ازدواج شریمتی کرشنا کوتوال (سابق ڈی.ای.او) سے طے ہوا۔ اُس کے بعد کوتوال صاحب ریاستی اِنتظامیہ کے کئی اعلیٰ عہدوں پر زینت افروز ہوتے رہے۔ اُنہیں آئی.اے.ایس کاڈر سے بھی نوازا گیا جس کے وہ اپنی پُرخلوص اور دیانتدارانہ کارکردگی کی وجہ سے مستحق تھے۔ وہ کافی دیر تک ریاست کے فائنانشل کمشنر بھی رہے اور بطورِ چیف سیکریٹری بھی ایکٹ کیا۔

محترمہ کرشنا کوتوال موضع سرولباغ بھدرواہ کے معزز کوتوال خاندان سے تعلق رکھتی ہیں جو پہلے پہل یہاں کے مقامی مڈل اسکول کی ہیڈ مسٹرس مقرر ہوئیں۔ پھر گرلز اسکول کی ہیڈ رہیں۔ وہ ترقی کرتے کرتے ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر کی حیثیت میں شاندار اور قابلِ رشک کارکردگی کے بعد سبکدوش ہوئیں۔ گورنمنٹ گرلز اسکول بھدرواہ میں اُن کی تعلیمِ نسواں کے حوالے سے خدمات کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ وہ ایک باوقار خاتون ہیں۔

کنور راجندر سنگھ رانا (ریٹائرڈ چیف انجینئر):

کنور راجندر سنگھ رانا موضع کلھوتہ علاقہ مرمت کے ایک مشہور رانا خاندان میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والدِ بزرگوار رانا گوپال سنگھ طالب ایک نامور بزرگ اور شاعر تھے[1] جو ۱۹۶۸ء میں ۸۷ سال کی عمر پا کر جموں میں فوت ہوئے۔ رانا راجندر سنگھ نے انجینئرنگ کی ڈِگری حاصل کرنے کے بعد محکمہ پبلک ورکس میں بحیثیت اسسٹنٹ انجینئر ملازمت شروع کی اور ترقی کی منازل طے کرتے ہوئے چیف انجینئر کے عہدے پر فائز ہوئے اور کئی سال تک اِسی عہدے پر بطریق احسن کام کرنے کے بعد نوکری سے سبکدوش ہوئے۔ اُنہوں نے ۲۰۰۶ء میں جموں میں وفات پائی۔ اُن کے فرزندان میں ڈاکٹر جتندر سنگھ رانا میڈیکل کالج جموں میں بطور اسسٹنٹ پروفیسر تعینات ہیں اور دُوسرے فرزند رانا دیویندر سنگھ اِس وقت موجودہ چیف منسٹر عمر عبداللہ کے سیاسی مشیر مقرر ہوئے ہیں۔[2]

کنور صاحبان کی زمینیں اور باغات وغیرہ موضع کلھوتہ میں واقع ہیں۔ رانا راجندر سنگھ بہت قابل اور محنتی انجینئر تھے جنہوں نے بہت سی سڑکیں اور عمارات تعمیر کروائیں۔ وہ اچھے ادب نواز اور ادب شناس بھی تھے۔

غلام محمد بٹ (ریٹائرڈ ناظمِ تعلیمات):

غلام محمد بٹ موضع کرساڑی، تحصیل بھدرواہ میں مسٹر غلام رسول بٹ کے ہاں ۲۷ راگست ۱۹۲۸ء کو پیدا ہوئے۔ اُن کے جدِ امجد کوکرناگ اِسلام آباد سے ہجرت کر کے بھدرواہ آئے تھے۔ بٹ صاحب نے اِبتدائی تعلیم پرائمری اسکول گاٹھہ میں

---

[1] رانا گوپال سنگھ کے بارے میں حصّہ ''شعروادب'' میں مفصل طور پر ذِکر آچکا ہے۔

[2] دیویندر سنگھ جی کے بارے میں الگ سے اِسی باب میں دیکھئے۔

حاصل کی اور شری امر سنگھ ہائی اسکول بھدرواہ سے میٹرک کا اِمتحان درجہ اوّل میں پاس کیا اور اسی سال ۱۹۴۳ء کو بحیثیت اُستاد پرائمری اسکول ڈوڈہ تعینات ہوئے۔ اُنہوں نے بی۔اے کا اِمتحان جموں و کشمیر یونیورسٹی سے پاس کیا اور بی۔ٹی کا کورس سرینگر کے بی۔ٹی کالج سے مکمل کیا۔ ۱۹۵۵ء میں بطور ہیڈ ماسٹر ترقی پائی اور اِس کے بعد تحصیل اور ضلع سطح کی پوسٹوں پر اُنہیں کافی عرصہ تک کام کرنے کے مواقع ملے۔ اساتذہ برادری کی تنظیموں سے وہ ریٹائرمنٹ تک بڑی سرگرمی سے وابستہ رہے۔ ۱۹۶۲ء میں ایم۔اے کا اِمتحان بھی پاس کیا۔ وہ کئی ہائر سکینڈری اسکولوں کے پرنسپل بھی رہے اور ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر ڈوڈہ اور راجوری بھی تعینات ہوئے۔ ۱۹۷۷ء میں نائب ناظمِ تعلیمات جموں اور بعد میں یعنی ۱۹۸۲ء میں ڈائریکٹر اسکول ایجوکیشن جموں مقرر ہوئے۔ اِس پوسٹ پر ۳۱ راگست ۱۹۸۴ء تک بڑی محنت لگن اور دیانتداری سے کام کیا اور سروس سے فارغ ہوگئے۔ ۱۹۸۵ء میں اُنہوں نے امیرانگر بھدرواہ میں ایک پرائیویٹ اسکول بھی کھولا اور آخری دم تک پسماندہ اور غریب طبقوں کے بچوں کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کرتے رہے۔ بالآخر ۹ر جنوری ۱۹۹۷ء کو اِس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے۔

پروفیسر ٹھاکر اُودھے چند:

پروفیسر ٹھاکر اُودھے چند موضع کوٹلی بھدرواہ میں پیدا ہوئے۔ وہ یہاں کے قدیم راجاؤں کی نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ میٹرک تک مقامی طور پر تعلیم حاصل کی اور علی گڑھ یونیورسٹی سے ایم۔اے ہسٹری اور ایل۔ایل۔بی کی ڈِگریاں حاصل کر کے بھدرواہ آئے۔ کچھ دیر وکالت کی لیکن غالباً ۱۹۵۶ء میں ہسٹری کے لیکچرار مقرر ہو کر بھدرواہ کالج میں عمر بھر تدریسی اور تحقیقی عمل میں مصروف رہے۔ ڈِگری کالج بھدرواہ میں طلبا کو ساز سنگیت سے بھی متعارف کروایا۔ اُن کے مضامین کالج میگزین ''شاہین'' میں شائع ہوتے رہے جو یہاں کی تاریخ کی بنیادی اور اساسی اہمیت کے حامل ہیں؛

ن سے بہت سے تذکرہ نگاروں اور تواریخ نویسوں نے فائدہ اُٹھا کر بھدرواہ کی اریخ کے کچھ خاکے تحریر کیے ہیں۔ ٹھاکور صاحب ایک بہترین تواریخ دان، قلمکار، ایت کار، سنگیت کار اور گلوکار بھی تھے۔ اُن کے تواریخی اور ثقافتی مضامین کو کتابی ورت دینے کی ضرورت ہے۔ توقع ہے کہ اُن کے فرزندان اُس ثقافتی سرمایہ کو محفوظ رنے کی پوری کوشش کریں گے۔ وہ اُردو زبان خصوصاً ''غزل'' کے شیدائی تھے۔ رمونیم اور طبلہ نوازی میں اُن کا کوئی ثانی نہ تھا۔

پروفیسر جنک راج راٹھور:

وادیٔ بھدرواہ کے مایہ ناز سپوت مسٹر جنک راج راٹھور موضع سرولباغ میں ۱/اپریل ۱۹۳۳ء کو پیدا ہوئے۔ ہائی اسکول بھدرواہ سے بہت اچھے نمبرات میں یٹرک کا اِمتحان پاس کر کے اُنہوں نے جموں سے بی۔اے کا اِمتحان پاس کیا اور ساتھ ی ریاضی (Mathematics) میں ایم۔اے اور پھر پبلک ایڈمنسٹریشن میں ڈپلوما بھی اصل کیا۔ وہ محکمہ تعلیم میں بحیثیت لیکچرر تعینات ہوئے اور تھوڑی دیر کے بعد سینئر لیکچرر ر پھر پروفیسر مقرر کیے گئے۔ اِن عہدوں پر اُنہوں نے ۱۶ سال تک بڑی جانفشانی سے کام کیا۔ ۱۹۶۵ء میں نیشنل کیڈٹ کارپس کے ایئر فورس وِنگ میں سکیوڈرن لیڈر کے ور پر دس سال تک ڈیپوٹیشن پر کام کرتے رہے۔ واپسی پر جموں یونی ورسٹی میں پانچ سال تک بحیثیت رجسٹرار کام کیا۔ دو سال تک بورڈ آف اسکول ایجوکیشن کے سکریٹری ہے اور ایک سال تک ڈائریکٹر اسکول ایجوکیشن جموں کے عہدے پر فائز رہے۔ یہاں سے وہ جموں یونی ورسٹی میں ڈائریکٹر کالج ڈویلپمنٹ مقرر ہو کر گئے، جہاں تین سال تک کام کرنے کے بعد وہ جموں و کشمیر بورڈ آف اسکول ایجوکیشن کے چیئرمین نائے گئے۔ یہاں پر بھی اُنہوں نے حسبِ معمول بڑی محنت، لگن اور جذبۂ ایثار سے کام کرتے ہوئے کچھ اِنقلابی اقدامات اُٹھائے جس کے اعتراف میں اُنہیں ۲۶/جنوری

۱۹۹۶ءکوراج بھون جموں میں ۱۹۹۵ء کا گولڈ میڈل عطا کیا گیا۔

اپنی سروس کے دوران راٹھور صاحب کو بین الاقوامی سطح کی کئی فیلوشپس کے اعزازات سے بھی نوازا گیا۔ اِس سلسلہ میں امریکہ' برطانیہ' تھائی لینڈ اور اِنڈونیشیا کے علاوہ سلطنتِ عمان اور موریشیس کے ذی وقار تعلیمی اِداروں اور تنظیموں سے جُڑے رہے اور وہاں اپنی قابلیت کا سکّہ جمانے میں کامیاب ہوتے رہے۔ راٹھور صاحب نے مُلکی سطح کے کئی تعلیمی بورڈوں اور کمیٹیوں کے صدارتی یا رُکنی فرائض بڑی خوش اسلوبی سے سرانجام دیئے۔

کئی سال سے وہ آچاریہ میڈیکل کالج جموں میں ڈائریکٹر ایڈمنسٹریشن کے طور پر کام کر رہے ہیں اور کئی تعلیمی اِداروں اور کمیٹیوں کے باوقار ممبر بھی ہیں۔ محکمہ تعلیم کے مختلف عہدوں پر خصوصاً بحیثیت پروفیسر' ناظم تعلیمات اور چیئرمین بورڈ آف اسکول ایجوکیشن اُن کی قابلِ قدر اور قابلِ تحسین کارکردگی کو ہمیشہ سنہری حروف سے لکھا جائے گا جس کو بیان کرنے کے لئے ایک ضخیم کتاب کے صفحات بھی متحمل نہیں ہوسکتے وہ ایک اعلیٰ پایہ کے منتظم' ماہرِ تعلیم اور خلیق اِنسان ہیں جو اِنسانی اقدار اور عالمی بھائی چارے کے زبردست حامی ہیں۔

عطا محمد دیو (ریٹائرڈ سُپرنٹنڈنگ انجینئر):

خواجہ عطا محمد دیو اپنے والد خواجہ منور جُو دیو کے ہاں ۴/جون ۱۹۳۴ء کو بھدرواہ میں پیدا ہوئے۔ عطا صاحب نے اِبتدائی تعلیم بھدرواہ میں ہی حاصل کی اور پھر ایف۔ایس۔سی کا اِمتحان سائنس کالج جموں سے پاس کیا۔ یونی ورسٹی آف مدراس سے بی۔ای۔سول کا کورس مکمل کرنے کے بعد ۱۹۵۹ء میں اسسٹنٹ انجینئر تعینات ہوئے اور محکمہ پی۔ڈبلیو۔ڈی (آر اینڈ بی) میں اِسی عہدے پر ۱۹۶۸ء تک فائز رہے۔ اُنہیں ۱۹۶۸ء میں ترقی ملی اور ایگزیکیٹو انجینئر کی حیثیت سے ۱۹۸۴ء تک بڑی لگن سے کام

کرتے رہے۔ ۱۹۸۴ء میں وہ ترقی پا کر بطور سپرنٹنڈنگ انجینئر ۱۹۹۲ء تک کام کرتے
رہے۔ ۱۹۵۹ء تا ۱۹۶۰ء اُنہوں نے ٹھاٹھری۔ کلھوتران روڈ کے سروے کا کام انجام
دیا۔ ۱۹۶۲ء تا ۱۹۶۳ء کے دوران خونی نالہ (نیشنل ہائی وے) کے سیکٹر میں سڑک کی
کشادگی اور تجدید کاری کا کام کیا۔ ۱۹۶۶ء میں ٹھاٹھری۔ کلھوتران روڈ کو ہلکے ٹریفک
کے لئے کھول دینے کا اہم فریضہ انجام دیا۔ ۱۹۷۵ء تا ۱۹۷۸ء بھدرواہ۔ چمبہ روڈ کی
تعمیر کے ساتھ ساتھ بھدرواہ۔ چنتہ۔ جائی روڈ کا چنتہ تک تعمیری کام مکمل کروایا۔
۱۹۷۸ء ۱۹۸۲ء میں بٹوت۔ کشتواڑ نیشنل ہائی وے کی تعمیری منصوبہ بندی کے علاوہ
اس کی تجدید کاری کروائی۔ اِس کے بعد جموں شہر کے تعمیری کاموں کی تکمیل کے علاوہ
جموں۔ کٹھوعہ سرکل کی سڑکوں اور پلوں وغیرہ کی تعمیر کا کام مکمل کروایا۔ اپنے فرائضِ
منصبی کی احسن طریقہ سے ادائیگی کے علاوہ وہ ریڈیو کشمیر کے ''پندرہ روزہ کالج میگزین''
کے بھی ایڈیٹر رہے۔ اُن کے کئی افسانے ریڈیو کشمیر جموں سے نشر ہوتے رہے۔ آج
کل وہ اپنے برادرِ اکبر اور معروف شاعر رسا جاودانی کی تحریروں اور مضامین کی تالیف
میں مصروف ہیں۔ تاریخی اور ادبی کتب کا مطالعہ اُن کا خاص مشغلہ ہے۔ اب وہ مستقل
طور پر جموں ہی میں مقیم ہیں۔

سوامی راج شرما (آئی۔اے۔ایس):

سوامی راج شرما (آئی۔اے۔ایس) پنڈت شاہنو رام جی کے فرزند ہیں جو
موضع اینڈہ کے رہنے والے تھے۔ سوامی راج جی اِسی گاؤں میں ۲/اکتوبر ۱۹۳۵ء کو پیدا
ہوئے۔ اُنہوں نے مُسلم یونی ورسٹی علی گڑھ سے ہسٹری میں ایم۔اے کر کے گولڈ میڈل
حاصل کیا اور وہیں سے ایل۔ایل۔بی کی ڈِگری بھی سال ۱۹۵۵ء-۱۹۵۶ء کے دوران
حاصل کی۔ پھر انڈین اِنسٹی چیوٹ آف پبلک ایڈمنسٹریشن دہلی سے پبلک ایڈمنسٹریشن
میں ماسٹرس ڈپلوما حاصل کیا جو ماسٹرس ڈِگری کے برابر تصور ہوتا ہے۔ بعد میں ۱۹۷۸ء

کے دوران یونی ورسٹی آف ایسیک (Essex) انگلینڈ سے دو ماہ کا ایڈمنسٹریشن کورس بھی کیا۔ وہ ۱۹۵۸ء میں ایکسائز اینڈ ٹیکسیشن آفیسر تعینات ہوئے۔ ۱۹۶۹ء میں ڈپٹی سیکریٹری اور ۱۹۷۱ء میں جوائنٹ رجسٹرار کوآپریٹیو سوسائیٹیز مقرر کئے گئے۔ اِس عہدے پر ۱۹۷۵ء تک کام کرتے ہوئے اُن کے پاس جوائنٹ کمشنر ایگریکلچر کا چارج بھی رہا جو بعد میں ۱۹۷۶ء تک اُن کے پاس ہی رہا۔ اِس کے علاوہ کچھ اور اہم عہدے بھی اُنہیں سپرد کئے گئے۔ ۱۹۷۶ء سے ۱۹۷۸ء تک محکمہ زراعت کے ایڈیشنل سیکریٹری بھی بنائے گئے۔ ۱۹۷۹ء کے دوران اُنہیں آئی۔اے۔ایس کاڈر میں ترقی دی گئی اور ڈپٹی کمشنر بڈگام تعینات کیا گیا۔ وہ کٹھوعہ اور پلوامہ کے اضلاع کے علاوہ ضلع راجوری کے بھی ڈپٹی کمشنر رہے۔ بعدازاں اُنہیں اننت ناگ کا ڈپٹی کمشنر مقرر کیا گیا جہاں اُنہوں نے فرقہ وارانہ جھڑپوں پر قابو پالیا۔ پھر وہ ۱۹۸۷ء میں پونچھ کے ڈپٹی کمشنر بنائے گئے۔ اِسی طرح سے اُن کو بہت سے کلیدی عہدوں پر فائز کیا جاتا رہا۔ وہ بالآخر ۳۵ سال کی بے لاگ اور پُر وقار سروس کی تکمیل کے بعد ۱۹۹۳ء میں سبکدوش ہوئے۔ وہ جہاں بھی رہے اُنہوں نے بڑی لگن، محنت اور بے لوث طریقہ سے لوگوں کی خدمت کی۔ اپنی سروس کے دوران کئی غریب اور مستحق بچوں کو روزگار دِلوایا۔ اُن کو جب سپیشل کمشنر ڈوڈہ کا چارج دیا گیا تو بورڈ میٹنگوں میں اُنہوں نے حُب الوطنی کے جذبے سے سرشار ہو کر نگر۔ سرتنگل لنک روڈ، بھالا۔ ملوٹھی روڈ، گھٹی۔ گوڑا کہ روڈ کی منصوبہ بندی اور اُن کی تعمیر میں ذاتی دِلچسپی لی۔ کئی اسکولوں کا درجہ بڑھایا اور کئی نئے اسکول منظور کروائے۔ وہ دو کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ اُنہوں نے کانگریس کی ٹکٹ پر ۱۹۹۶ء کے دوران بھدرواہ حلقۂ اِنتخاب سے الیکشن بھی لڑا لیکن جیت نہ پائے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد ہائی کورٹ جموں میں بطور ایڈوکیٹ کام کرتے ہوئے اُنہیں جناب آزاد صاحب نے ۲۰۰۷ء کے دوران سٹیٹ فائنانشل کمیشن کا ممبر مقرر کیا۔ وہ آج کل گاندھی نگر جموں میں مقیم ہیں۔

عنایت اللہ خطیب:

خواجہ عنایت اللہ خطیب، ریٹائرڈ چیف انجینئر پاور ڈویلپمنٹ ڈیپارٹمنٹ خواجہ منور دین خطیب کے فرزندِ ارجمند ہیں، جو بھدرواہ میں ۲۴/مارچ ۱۹۳۵ء کو پیدا ہوئے۔ مقامی اسکولوں میں دسویں کلاس تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد اُنہوں نے ایف. ایس. سی کا اِمتحان جی. جی. ایم. کالج جموں سے پاس کیا اور اُس کے بعد ہی ۱۹۵۴ء میں دیالباغ آگرہ کے انجینئرنگ کالج سے ۱۹۵۸ء میں انجینئرنگ کی ڈِگری حاصل کی۔ اُنہوں نے کچھ دیر اِسی کالج میں کام کیا اور پھر ریاستی محکمہ بجلی میں بحیثیتِ اسسٹنٹ انجینئر ۱۹۵۹ء سے ۱۹۷۰ء تک، بطور ایگزیکٹو انجینئر ۱۹۷۰ء سے ۱۹۸۲ء تک، بطور سپرنٹنڈنگ انجینئر ۱۹۸۲ء سے ۱۹۹۱ء تک اور بطور چیف انجینئر ۱۹۹۱ء سے ۱۹۹۳ء تک کام کیا۔ اپنی ملازمت کے درمیانی حصّے میں اُنہوں نے سلال پن بجلی پروجیکٹ میں ۱۹۷۶ء سے ۱۹۷۸ء تک اور پھر سعودی عرب میں ایک بڑے اہم پروجیکٹ میں بطور مینجر کامیابی سے کام کر کے اپنی ریاست اور وطن کا نام روشن کیا۔ اُن کی ہر جگہ اور ہر حیثیت میں اعلیٰ کارکردگی کو سراہا جاتا رہا۔ وہ ۳۵ سال کی شاندار منصبی خدمات انجام دینے کے بعد ۱۹۹۳ء میں سبکدوش ہوئے۔

۱۹۶۵ء کے دوران سرتنگل (پن بجلی) پاور ہاؤس بھدرواہ کی تکمیل کے سلسلہ میں خواجہ عنایت اللہ خطیب نے کافی محنت کی اور ریاست میں بجلی کی ترسیل کے کئی اہم منصوبوں کے علاوہ چھنی اور لوئر جہلم کے بجلی گھروں کی تعمیر کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں اہم کردار نبھایا اور پونچھ اور راجوری کے علاقوں میں بجلی پہنچانے کا اہتمام کیا۔ وہ ذہین، فہیم اور اعلیٰ اقدار کے مالک ہیں۔ پابندِ صوم وصلوٰۃ ہونے کے ساتھ ساتھ دینی کاموں میں پیش پیش رہتے ہیں۔

پروفیسر محمد ایوب شیخ:

پروفیسر محمد ایوب شیخ ایک مشہور سماجی کارکن شیخ ہدایت اللہ ساکن واسک ڈیرہ کے فرزندِ سعادت مند ہیں۔ وہ ۲۸/ اکتوبر ۱۹۳۶ء کو بھدرواہ میں تولد ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مقامی مدرسوں میں حاصل کرنے کے بعد جموں کے گاندھی میموریل کالج سے ۱۹۵۵ء میں بی۔اے کا امتحان پاس کیا۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبۂ فارسی سے ایم۔اے کیا اور ساتھ ساتھ ایل۔ایل۔بی کی ڈگری بھی حاصل کی۔ کشمیر یونیورسٹی سے ۱۹۶۶ء میں ایم۔اے۔ اردو میں بھی کامیابی حاصل کی۔ ۱۹۵۷ء سے ۱۹۵۹ء تک وکالت سے سلسلہ روزگار کی شروعات کی اور ۱۹۵۹ء میں ہی فارسی کے لیکچرار مقرر ہوئے۔ بطورِ لیکچرار اُنہوں نے ڈگری کالج پونچھ اور ایم۔اے۔ایم کالج جموں میں ۱۹۷۰ء تک کام کیا۔ ۱۹۷۲ء میں ترقی پاکر پروفیسر بنے۔ مارچ ۱۹۶۲ء میں این۔سی۔سی آفیسر بھی رہے لیکن کالج کا پرنسپل مقرر ہونے پر اُنہیں یہ پوسٹ چھوڑ کر پونچھ میں ۱۹۸۱ء کو جوائن کرنا پڑا۔ جہاں ۱۹۸۳ء تک کام کرنے کے بعد ڈگری کالج بھدرواہ میں تعینات ہوئے۔ بھدرواہ میں بطور پرنسپل ۱۹۸۶ء تک کام کیا۔ بعد میں اُدھم پور آئے جہاں اپنے کالج کے علاوہ اُنہوں نے ڈگری کالج فار وومین کے پرنسپل انچارج کے طور پر بھی اپنی خدمات بطریقِ احسن انجام دیں۔ ۱۹۹۰ء کے دوران وہ جموں و کشمیر بورڈ ایجوکیشن کے سیکریٹری بھی رہے اور یہاں سے ہی جولائی ۱۹۹۲ء کو سروس سے سبکدوش ہوئے۔

پروفیسر محمد ایوب شیخ نے ۱۹۹۳ء میں نیشنل کالج آف کمپٹیشن (N.C.C) کی بنیاد ڈالی اور ساتھ ہی چناب ویلی ہل ڈویلپمنٹ فورم کے صدارتی فرائض بھی ۱۹۹۵ء سے نبھاتے چلے آرہے ہیں۔ سابقہ ڈوڈہ کے اسکولوں اور کالجوں سے نقل کی وبا کو ختم کرنے کے لئے اُنہوں نے اپنے ساتھیوں کے تعاون سے سرتوڑ کوشش کی۔ وہ کئی

پی.ایچ.ڈی کی ڈِگری حاصل کی جواُنہیں ۱۹۷۶ء کے پہلے کانووکیشن میں دی گئی۔ وہ ۱۹۵۹ء میں بطور اسکول ٹیچر تعینات ہوئے اور اِس پوسٹ پر وہ ۱۹۶۲ء تک مختلف سرکاری اسکولوں میں کام کرتے رہے۔ بعدازاں بطورِ سائنس اور ہندی ٹیچر ۱۹۶۳ء سے ۱۹۶۹ء تک ہائر سکینڈری اسکولوں میں کام کیا۔ ۱۹۶۹ء سے ۱۹۷۳ء تک ہائر سکینڈری اسکول کے لیکچرار کے طور پر کام کیا۔ ۱۹۷۳ء میں پبلک سروس کمیشن کا ٹیسٹ کوالیفائی کرنے کے بعد ڈِگری کالج کے شعبۂ ہندی کے لیکچرار مقرر ہوئے اور ۱۹۹۴ء تک مختلف کالجوں میں بطور پروفیسر بھی کام کیا۔

ڈاکٹر پریتم کرشن کول نے ہندی، ڈوگری، بھدرواہی اور دیگر بولیوں پر کئی مقالے اور کتابیں تحریر کیں۔ اُن کی تحقیق کا دائرہ اِس قدر وسیع ہے کہ اِس کی تفصیل دینے کے لئے اِس جیسی کئی کتابیں بھی متحمل نہیں ہوسکتیں۔ اُنہوں نے ہندی، بھدرواہی اور انگریزی میں چودہ کتابیں تصنیف کی ہیں جو اُن کے بقول ۳۸۴۴ صفحات کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ اُن کے دیگر تحقیقی نوعیت کے، مقالے ڈوگری، ہندی اور انگریزی زبانوں میں لکھے گئے ہیں جو تقریباً ۱۷۸ صفحات پر مشتمل ہیں۔ اُن کی لکھی ہوئی تقریظیں کئی صفحات پر اور دیگر پیپر اور ریڈیو مضامین، سینکڑوں صفحات پر مشتمل ہیں۔ اُن کی ہندی شاعری پر مشتمل کتاب ''ارچنا'' کے نام سے ۱۹۷۰ء، ''بھدرواہی لوک ساہتیہ'' ۱۹۷۱ء، ''بھدرواہی لوک ساہتیہ'' نمبر دو اور نمبر تین ۱۹۷۵ء، ''چندر بھاگا کی تت ورتیا'' (پوگلی، پاڈری اور سراجی بولیوں کا جائزہ) ۱۹۷۷ء پی.ایچ.ڈی کے لئے اُن کا مقالہ ''فوک آف نارتھ ایسٹرن ریجن'' ۱۹۸۰ء، ''واسکی پران'' ۱۹۸۱ء، ''اُس پار کی دھرتی'' ہندی مضامین پر مشتمل تالیف ۱۹۸۶ء، ''موگل پنج'' (اُن کی ہندی شعری تصنیف) اور مشہور زمانہ تصنیف ''ہمالین پرنسی پیلٹیز اِن جموں، کانگڑہ اینڈ بھدرواہ'' ۱۹۹۳ء (جس پر اُنہیں اکاڈمی کی طرف سے ایوارڈ بھی ملا)، ''ناگ سین آف ملند پنہہ'' (یعنی بدھ سکالر ناگ سین کی سوانح) ۱۹۹۴ء، ''اِنڈیکس آف چناب ویلی'' (تانبہ کی پلیٹس،

کندہ کی گئی تحریریں اور سندیں) ۱۹۹۹ء، ''کلاسیفائڈ اینڈ اَنکلاسیفائڈ پہاڑی اینڈ اَدر ڈائلیکٹس آف جموں'' ۲۰۰۱ء (جلد ایک' جلد دوم جو ۵۱۲ اور ۵۵۹ صفحات پر بالترتیب مشتمل ہیں) آج تک شائع ہوچکی ہیں اور ''ناگا کلٹ اینڈ وُڈن آرٹ اِن دی ہلز آف جموں''، جس پر وہ ۲۰۰۴ء سے حکومت ہند کی فیلوشپ کے تحت تحقیق کررہے ہیں' تکمیل کے آخری مراحل سے گزررہی ہے۔ اُن کا ارضیات پر مشتمل مضمون ''شاہین'' ڈِگری کالج بھدرواہ کے میگزین کے ۱۹۷۱ء کے شمارے میں شائع ہوا ہے اور دیگر کئی مقالے مختلف ریاستی اور ملکی رسائل اور جرائد میں شائع ہوئے ہیں۔ پروفیسر اُودھے چند کے ساتھ ساتھ مسٹر پریتم کول کی بھدرواہ کے ارضیات اور تواریخ و ثقافت پر کی گئی تحقیق اساسی اہمیت کی حیثیت رکھتی ہے اور وہ اِس میدان کے مقامی سپہ سالاروں کے اوّلین پیش رووں میں شمار کئے جائیں گے' جن کے تحقیقی کارناموں کی بدولت بھدرواہ کی تواریخ اور اِس کی ثقافت اور تہذیب کے کچھ نئے خاکے ترتیب دینے میں عصری محققین کو کافی مدد ملی ہے۔ کول صاحب کی تحریریں اُن کے بھدرواہ اور یہاں کی تاریخ اور ثقافت کے ساتھ بے پناہ محبت اور لگاؤ کی بہترین عکاسی کرتی ہیں۔ موصوف ایک اعلیٰ پایہ کے ماہرِ لسانیات' ماہرِ ارضیات اور بہترین محقق اور مورخ ہیں' جنہوں نے اپنے وطن کی انوکھے انداز سے گوباہر رہ کر خدمت کی ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ بھدرواہ کے لوگ بلالحاظ مذہب وملّت اور رنگ ونسل کے تفرقوں کے' مل جل کر بھدرواہ کی ترقی اور خوشحالی کے لئے کوشش کریں تاکہ معمولی فائدوں کے لئے اِس کے روشن نام پر کسی قسم کی انگشت نمائی نہ ہو اور یہاں کی قدیم تواریخ اور ثقافت کا شہر شہر اور قریہ قریہ چرچا ہوسکے۔

پروفیسر جیالال کوتوال:

پروفیسر جیالال کوتوال علاقہ چراہلہ کے ایک متوسط گھرانے سے تعلق رکھتے

ہیں۔ ایم.ایس. فیزکس تک حصولِ تعلیم کے سلسلہ میں اُنہیں بہت سی مالی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا لیکن وہ یہ منزل طے کرنے کے بعد کالج کے لیکچرار مقرر کیئے گئے۔ اپنی خداداد قابلیت اور ذہانت کی بدولت بہت کم عمری میں ڈِگری کالج کے پرنسپل تعینات ہوئے۔ وہ بورڈ آف اسکول ایجوکیشن میں بطورِ جائنٹ سیکریٹری مقرر ہوئے اور بعد میں سٹیٹ سبارڈینیٹ سلیکشن بورڈ کے ایک اہم رُکن کے طور پر کام کیا۔ اُنہوں نے ہر عہدے پر رہ کر اپنی فہم وفراست کا سکّہ جمانے میں کامیابی حاصل کی۔ ملازمت سے سبکدوشی کے بعد جموں کے تالاب تلو کے علاقہ میں ایک ہائر سکینڈری اسکول چلا رہے ہیں جس میں اُن کی اہلیہ محترمہ بھی اُن کو معاونت دے رہی ہیں۔

بھگوان راج وزیر:

بھگوان راج وزیر محلّہ قلعہ بھدرواہ میں ۳۱رجولائی ۱۹۴۰ء کو پیدا ہوئے۔ اُن کے والد محترم وِشواناتھ وزیر نے اُن کی تعلیم وتربیت میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔ اُنہوں نے بی.ایس.سی. انجینئرنگ کا کورس ۱۹۶۱ء میں مکمل کیا اور اُسی سال بطور اسسٹنٹ انجینئر، محکمہ آر.اینڈ.بی میں تعینات ہوئے۔ وزیر صاحب ۱۹۷۱ء میں ترقی پا کر ایکس.ای.این اور ۱۹۹۳ء میں سپرنٹنڈنگ انجینئر مقرر ہوئے۔ اِن عہدوں پر رہتے ہوئے اُنہوں نے کئی مقامات پر اپنے فرائض منصبی بڑے احسن طریقہ سے انجام دیے۔ ۱۹۹۷ء میں وہ چیف انجینئر بن گئے اور ۱۹۹۸ء میں ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ اُن کے نمایاں کارناموں میں بھدرواہ۔ بنی روڈ کا اِبتدائی سروے (۱۹۶۱ء)، بھدرواہ۔ چمبہ روڈ کا سروے (۱۹۷۱ء)، بھدرواہ۔ سرتنگل روڈ کی تعمیر اور ڈوڈہ۔ بھدرواہ سڑک کی کشادگی (۱۹۹۷ء۔ ۱۹۹۸ء)، ڈوڈہ۔ بھدرواہ روڈ پر بوسیدہ چوبی پُلوں کی سٹیل پلوں سے تبدیلی، ٹھاٹھری۔ گندوسڑک کی تجدیدکاری اور ضلع ڈوڈہ میں کئی موٹرایبل پُلوں اور سپینشن پُلوں کی تعمیر اور بٹوت۔ پُل، ڈوڈہ۔ کشتواڑ روڈ کی کشادگی اور تجدیدکاری

کے علاوہ کئی دُوسری سڑکوں کے پروجیکٹ رپورٹوں کی تکمیل شامل ہیں۔

بھگوان راج وزیر نے پونچھ' کٹھوعہ' راجوری اور اُدھم پور اضلاع میں بھی قابلِ تحسین کارکردگی سے لوگوں کے دل جیت لئے اور کئی مستحق نوجوانوں کو روزگار فراہم کرنے میں مدد کی۔ وزیر صاحب کو اُردو شعر و ادب اور ملکی تواریخ کے مطالعہ سے کافی دلچسپی رہی ہے۔ وہ بہت ہی باکردار' شریف النفس' ہمدرد اور ذہین اِنسان ہیں اور بھدرواہ کی خوشحالی اور ترقی کے متمنی ہیں۔ گلہار۔ اٹھولی سیکٹر میں سڑک کے ایک پروجیکٹ کے سروے کے دوران چناب کی طرف گر کر معجزانہ طور پر ایک رسّی کے سہارے پہاڑی پر چڑھ کر بچ جانے کے واقعہ کے بعد اُن کے ''اِنسان دوستی'' اور ''اِنسانی ہمدردی'' کے عقیدہ کو اور بھی اِستحکام ملا۔

محمد ایاز ملک:

محمد ایاز ملک محلّہ قلعہ بھدرواہ کے ایک معزز گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مقامی طور پر مکمل کرنے کے بعد اُنہوں نے بی.ای. الیکٹرک کی ڈِگری ریجنل انجینئرنگ کالج سے حاصل کی اور محکمہ بجلی میں بطور اسسٹنٹ الیکٹریکل انجینئر تعینات ہوئے۔ اِس عہدے پر اُنہوں نے بارہمولہ' پونچھ' جموں اور ڈوڈہ اضلاع کے مختلف مقامات پر کام کیا۔ ایگزیکٹو انجینئر کے عہدے پر ترقی پا کر اُنہوں نے غیر منقسم ضلع ڈوڈہ میں ۱۹۸۶ء سے ۱۹۸۸ء تک کام کیا اور یہاں سے پونچھ تبدیل ہوئے۔ وہاں بھی اُنہوں نے ۱۹۹۲ء سے ۱۹۹۴ء تک بڑی لگن اور محنت سے کام کیا۔ جموں میں اِسی عہدے پر ۱۹۹۴ء سے ۱۹۹۶ء تک فائز رہے۔ پھر ترقی پا کر سپرنٹنڈنگ انجینئر جموں تعینات ہوئے اور دو سال کی مزید اعلیٰ کارکردگی کے بعد سرکاری ملازمت سے سبکدوش ہوگئے۔ موصوف بڑے خوش اخلاق' ذہین اور ہمدرد اِنسان ہیں۔ وہ بھدرواہ کی ترقی کے لئے ہر وقت فکرمند رہتے ہیں۔

وجے کوتوال (آئی۔اے۔ایس):

مسز وجے کوتوال موضع سرولباغ بھدرواہ میں آنجہانی ایم۔ایل۔کوتوال کے ہاں ۳۱/جولائی ۱۹۴۱ء کو تولّد ہوئیں۔اُنہوں نے ۱۹۶۰ء میں گورنمنٹ زنانہ کالج جموں سے بی۔اے کا اِمتحان پاس کیا۔اِس کے بعد دہلی یونیورسٹی سے ایل۔ایل۔بی کی ڈِگری ۱۹۶۳ء میں حاصل کی۔۱۹۶۵ء میں جموں وکشمیر میں پہلی خاتون کی اِمتیازی حیثیت سے کشمیر ایڈمنسٹریٹو سروس(K.A.S) کا اِمتحان پاس کیا اور اُسی سال ایکسائز اینڈ ٹیکسیشن آفیسر تعینات ہوئیں۔۱۹۷۹ء میں اُنہیں آئی۔اے۔ایس (.I.A.S) کا اعزاز بخشا گیا۔پھر وہ مختلف عہدوں پر اور مختلف مقامات پر اپنے فرائض منصبی انجام دیتی رہیں۔وجے کوتوال صاحبہ مُلک میں اور مُلک سے باہر بہت سے کورسوں میں شامل ہوئیں۔وہ کونسل آف آل اِنڈیا سمال انڈسٹریز کارپوریشن کی (ریاستی ہسٹری میں پہلی بار) نائب صدر اور پھر صدر منتخب ہوئیں۔بالآخر ایڈمنسٹریٹو ریفارمز اِنسٹی ٹیوٹ کی کمشنر سیکریٹری کے پُروقار عہدے سے ریٹائر ہوئیں۔

مسز وجے کوتوال کی خدمات کو ہمیشہ سراہا گیا۔وہ بڑی ایماندار، قابل اور نیک دِل خاتون ہیں جنہوں نے اپنی چھتیس (۳۶) سالہ ملازمت کے دوران بڑی لگن، محنت اور خلوص سے اپنے فرائضِ منصبی انجام دیئے۔غیر منقسم ضلع ڈوڈہ کی مجموعی ترقی کے لئے وہ ہمیشہ نہ صرف خواہاں رہیں بلکہ کوشاں بھی رہیں۔اُن کے کارہائے نمایاں کا ذِکر اِن صفحات میں ممکن نہیں ہے، البتہ ریاستی اِنتظامیہ میں ایک پہلی بھدرواہی آئی۔اے۔ایس۔اور کے۔اے۔ایس۔خاتون کے حوالے سے اُنہوں نے اپنی جنم بھومی کے وقار اور اِس کی عظمت وشان کو دوبالا کیا ہے جس کے لئے وہ ہمیشہ احترام اور قدر کی نگاہوں سے دیکھی جاتی رہیں گی۔

شمیمہ دیو آزاد:

محترمہ شمیمہ دیو جناب [redacted] دیو (مرحوم) کی دخترِ نیک اختر ہیں۔ [redacted] احمد دیو (مرحوم) ایک صوفی منش اِنسان، ایک مانے ہوئے ماہرِ تعلیم اور کشمیری زبان کے ایک معروف شاعر اور سنگیت کار تھے۔ شمیمہ جی سرینگر میں تولّد ہوئیں اور وہاں کے مقامی تعلیمی اِداروں سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ ساز سنگیت اور گلوکاری کی طرف اُن کی طبیعت بچپن سے ہی مائل تھی، جس کو پروان چڑھانے میں اُن کے والد محترم کا کافی حصّہ تھا۔ اسکولوں اور کالجوں میں اپنی تعلیم کے دوران ہی شمیمہ جی نے موسیقی اور گلوکاری میں بڑی شہرت حاصل کی۔ غالباً موسیقی میں پوسٹ گریجویشن بھی کی اور سرینگر کے ایک کالج میں وہ بطور لیکچرار تعینات ہوئیں۔ اُنہوں نے ریاست اور بیرونِ ریاست کئی کلچرل ڈیلی گیشنوں میں حصّہ لیا اور وہاں اپنی خداداد صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ ریڈیو اور ٹیلی وژن سے اُن کے گائے ہوئے سینکڑوں نغمے نشر ہوتے رہے ہیں۔ اُن کی ذاتی کیسٹیں بھی اجراء ہو کر دادِ تحسین حاصل کر چکی ہیں۔

محترمہ شمیمہ دیو ۱۹۸۰ء میں جناب غلام نبی آزاد، جو اُن دِنوں مرکزی وزیر تھے، سے رِشتۂ اِزدواج میں بندھ گئیں۔ اُنہیں ریاستی اور ملکی سطح کی اکیڈمیوں اور انجمنوں نے کئی اعزازات سے نوازا اور کچھ سال پہلے (غالباً ۲۰۰۷ء کے دوران) ملک کے قابلِ رشک ''پدم شری'' ایوارڈ سے بھی نوازا گیا۔ اپنی شادی خانہ آبادی کے بعد اُنہوں نے ملازمت سے استعفیٰ دے دیا اور آزاد صاحب کی باوقار شریکِ حیات کے طور پر اُن کی نجی، سیاسی اور سماجی زندگی کے معاملات میں شریکِ کار ہو گئیں۔ وہ ایک شہرت یافتہ فنکارہ، ممتاز گلوکارہ اور اچھی شاعرہ بھی ہیں۔ سماجی اور ثقافتی سرگرمیوں میں دِل کھول کر حصّہ لیتی آئی ہیں۔ وہ اُردو، کشمیری، ڈوگری، پنجابی، پہاڑی اور گوجری زبانوں کی بہترین مغنّیہ ہیں۔ ڈوگری زبان میں اُن کے البم کی بدولت ڈوگری موسیقی



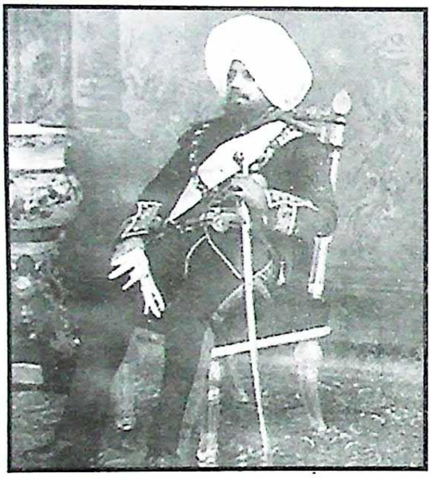
مہاراجہ رنجیت سنگھ



مہاراجہ گلاب سنگھ



مہاراجہ رنبیر سنگھ



مہاراجہ پرتاپ سنگھ



راجہ امر سنگھ



مہاراجہ ہری سنگھ

میں چار چاند لگ گئے۔ اِس زبان میں گیت گانے کے لئے ڈوگری ادب کے مداحوں نے ڈوگری سنستھا کی طرف سے اُن کی عزت افزائی بھی کی۔

لال چند اَمرؔ:

شری لال چند اَمرؔ بھدرواہی زبان کے ایک معروف شاعر تھے۔ وہ ''میلہ پٹ'' کی سالانہ تقریبات میں تقریباً ستر سال تک حِصّہ لیتے رہے اور ''رام لیلا'' کلب کے ڈائریکٹر کے طور پر بھی تقریباً پچاس سال تک بڑی جانفشانی سے کام کیا۔ اِس کے علاوہ بھدرواہی سنستھا کے صدارتی فرائض بھی بطریقِ احسن نبھاتے رہے۔ بد قسمتی سے وہ اِس جہانِ فانی سے ۱۸ر اپریل ۲۰۰۷ء کو کوچ کر گئے۔ اُن کے بڑے فرزند مسٹر چندر کانت (امر دیپ) مانے ہوئے اُستاد اور اچھے شاعر ہیں۔ اَمرؔ بھدرواہی کی موت پر بھدرواہ کے سماجی اور ادبی حلقوں نے اپنی ماتمی اِجلاسوں میں گہرے رنج اور غم کا اِظہار کیا۔

جان محمد شاپو تشنہؔ بھدرواہی:

جان محمد شاپو (مرحوم) بہ مقام کوٹلی بھدرواہ غالباً ۱۹۴۲ء میں پیدا ہوئے۔ اپنی گھریلو اور مالی پریشانیوں کی وجہ سے وہ آٹھویں جماعت کے بعد حصولِ تعلیم کا سلسلہ جاری نہ رکھ سکے' حالانکہ ایک ہائی سکول اُن کے دولت خانہ سے چار قدم کی دُوری پر واقع تھا۔ تاہم وہ ۱۹۴۷ء سے پہلے کسی طرح لاہور پہنچے اور ''مولوی'' کا کورس پاس کرنے کے بعد واپس بھدرواہ آ گئے۔ محکمہ آبپاشی میں کچھ سال نوکری کرنے کے بعد کسی مقامی معمار کی تربیت میں رہ کر اِس فن کے گُر سمجھنے کے بعد خود ایک معمار کے طور پر کام کرنے لگے جس میں اُنہیں کافی کامیابی اور شہرت حاصل ہوئی۔

ہمیں اِس بات کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ تشنہؔ (مرحوم) نے بھدرواہی زبان اور اِس کے ادب کو صنفِ غزل کا تحفہ عطا کیا جس سے یہ زبان پہلے نابلد تھی۔ یہ

صنف شامل ہونے کی وجہ سے اِس میٹھی اور رسیلی زبان میں ایک نئی رُوح اور نئی جان پیدا ہوئی۔ حالانکہ اُن کی تقلید میں بھدرواہی زبان کے کئی قد آور شاعروں نے غزل لکھنے کی کوشش کی لیکن وہ تشنہؔ جیسا مرتبہ حاصل نہ کر سکے۔ تشنہؔ (مرحوم) نے بھدرواہی زبان اور ادب کو نئی اِصطلاحات، انوکھی تراکیب اور رموز و آہنگ سے ہم کنار کیا جس وجہ سے وہ ہمیشہ یاد کئے جاتے رہیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ خواجہ غلام نبی گونیؔ، تشنہؔ کو بھدرواہی زبان کا ''رسول میرؔ'' اور پروفیسر اُودھے چند اُنہیں بھدرواہی شاعری کا ''غالبؔ'' کہتے تھے۔ وہ اُردو اور کشمیری زبانوں میں بھی شعر گوئی کرتے تھے لیکن جو بات اُن کو بھدرواہی زبان میں اِمتیاز بخشتی ہے وہ اِن میں کہاں......؟

بھدرواہی زبان وادب کا یہ معروف اور تاریخ ساز شاعر اور مخلص اِنسان مارچ ۲۰۱۰ء میں تھوڑا عرصہ علیل رہنے کے بعد اِس جہانِ فانی سے کوچ کر گیا۔ اُن کے کچھ اشعار آفاقی [illegible] کے حامل ہیں، جن میں ؎

اِیجان بڈلا ہے کدے کال میرے مِٹلا - ہیراں بڈلا ہیر و حال

اور ؎ لہو شکھاتے خیال تیرو میس.........جیسے لافانی اشعار شامل ہیں۔

بال کرشن چوہان:

شری بال کرشن چوہان موضع ڈوگہ چِنتہ، تحصیل بھدرواہ میں ۲۰ر جولائی ۱۹۳۳ء کو پیدا ہوئے۔ ۱۹۵۰ء کے دوران سری امر ہائی اسکول بھدرواہ سے دسویں کلاس کا اِمتحان پاس کیا اور ۲۶ر فروری ۱۹۵۲ء کو بحیثیت اُستاد تعینات ہوئے۔ بعد ازاں نجی طور پر ہی تعلیم حاصل کی اور ایم.اے. ہندی کا بھی اِمتحان پاس کیا۔ ۱۹۵۹ء تا ۱۹۶۰ء میں بی.ایڈ کرنے کے بعد اُنہیں ماسٹر گریڈ میں ترقی ملی۔ اُس کے بعد ہیڈ ماسٹر بن گئے۔ سروس کے آخری برسوں میں بحیثیت ٹی.ای.او اور پرنسپل ہائر سکینڈری اسکول کام کیا اور سروس سے غالباً جولائی ۱۹۹۱ء میں سبکدوش ہوئے۔ اِسی عرصہ کے دوران

یعنی ۱۹۶۸ء میں اُنہوں نے بھدرواہی زبان اور اِس کے علم وادب کی ترویج اور ترقی کے لئے ''بھدرواہی سنستھا'' نامی تنظیم کی بنیاد ڈالی' جس کی راہنمائی وہ اب تک کر رہے ہیں۔ اُن کی تصنیفات میں ''بھدرواہی لوک گیتوں کا مطالعہ'' کے علاوہ ڈوگری ڈرامہ ''نماں گراں'' کا ہندی ترجمہ ''نیا گاؤں'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ ۱۹۷۳ء میں اُنہوں نے بھدرواہی ثقافت کے جائزے کے طور پر ''ہنسیاں'' نام کی کتاب شائع کروائی۔ اُنہوں نے کلچرل اکاڈمی کی طرف سے ''ڈوگری لغت'' کی تکمیل کے دوران بھدرواہی بولی کے بہت سے الفاظ اِس میں شامل کروائے۔ بھدرواہی بولی اور اُس کے ادب کی تشہیر کے لئے اُن کی خدمات یادگاری حیثیت رکھتی ہیں۔ اُنہوں نے دہلی اور جموں میں منعقدہ مشاعروں میں بھی حصّہ لیا۔

پروفیسر پی. آر. کھجوریہ:

مسٹر پی. آر. کھجوریہ بھدرواہ تحصیل کے ایک خوبصورت گاؤں کپرہ میں ۱۹۴۱ء میں پیدا ہوئے۔ مقامی سکول سے میٹرک پاس کرنے کے بعد اُنہوں نے اِنٹرمیڈیٹ کا اِمتحان گورنمنٹ کالج بھدرواہ سے پاس کیا اور جی. ایم. سائنس کالج جموں سے ۱۹۶۲ء میں بی. ایس. سی. کی ڈگری حاصل کر کے کشمیر یونی ورسٹی کے شعبۂ حیاتیات سے ایم. ایس. سی. کا اِمتحان اچھے نمبرات لے کر پاس کیا۔ ۱۹۶۳ء کے دوران وہ بھدرواہ کالج میں لیکچرر تعینات ہوئے۔ کچھ دیر وہ ۱۹۶۸ء کے دوران وادیٔ کشمیر کے سوپور کالج میں بھی تعینات رہے تاہم سبکدوش ہونے تک ڈِگری کالج بھدرواہ میں بطورِ پروفیسر اور بعد میں بحیثیتِ پرنسپل اپنے فرائضِ منصبی بطریقِ احسن نبھاتے رہے۔

کھجوریہ صاحب بڑے روشن خیال' روادار اور صاف گو اِنسان ہیں۔ حصولِ تعلیم کے دوران اُنہیں جموں اور علی گڑھ جیسے مقامات پر کچھ کمیونسٹ دوستوں اور اساتذہ کی صحبت اور ہم نشینی حاصل رہی جس کا اثر اُن کی شخصیت پر اب تک قائم ہے۔

وہ تنگ نظری، فرقہ پرستی، علاقائی تعصب، رِشوت ستانی اور اِمتحانات میں نقل کی وبا کے زبردست مخالف رہے ہے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد سماجی اور سیاسی امورات میں بڑی دِلچسپی لیتے رہے ہیں۔ کانگریس کی طرف اُن کا کافی حد تک جھکاؤ ہے۔ اپنے علاقے کے علاوہ بھدرواہ کے مختلف حصّوں کی ترقی کے لئے دِن رات کوشش میں مگن رہنا اُن کی طبیعت ثانی بن گئی ہے۔ اُن کی اہلیہ محترمہ بھی کھجوریہ صاحب کی طرح ہی بڑی روشن خیال ہیں اور ہمیشہ فرقہ پرستی کے خلاف نبرد آزما ہوتی رہی ہیں۔ وادیٔ بھدرواہ کے سب فرقوں کے لوگ اُن کو بڑی عزت اور قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

گھنشام سنگھ منہاس:

اٹھکھار بھدرواہ جیسے خوبصورت علاقہ کے باسی مسٹر گھنشام سنگھ منہاس ایک مانے ہوئے ماہرِ تعلیم ہونے کے علاوہ ایک سلجھے ہوئے سیاستدان، ہمدرد سماجی کارکن اور ایک روشن خیال شخص ہیں۔ وہ اپنی ملازمت کے دوران اپنی روشن خیالی کی بدولت ڈپٹی ڈائریکٹر فیلڈ پبلسٹی بھی رہے اور کافی دیر تک بطور ہیڈ ماسٹر ہائی اسکول بھی کام کیا۔ غالباً بحیثیت ٹی.ای.او. ریٹائر ہوئے۔ آج کل کانگریس پارٹی کے ایک سرگرم کارکن ہیں اور بھدرواہ کے ترقیاتی کاموں میں کافی دلچسپی رکھتے ہیں۔ اُردو زبان کے شیدائی اور بہترین مقرر ہیں۔ وہ کم تنخواہ پانے والے ملازمین کی تنظیموں کے علاوہ مدرّسین کی تنظیموں سے بھی وابستہ رہے ہیں۔

اوم پرکاش چوہان:

آنجہانی شری دینا ناتھ چوہان، ساکن موضع ڈوگہ (چنتہ) کے فرزند شری اوم پرکاش چوہان نے مقامی اسکولوں میں میٹرک تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۹۶۰ء میں بھدرواہ کالج سے ایف.ایس.سی کا اِمتحان پاس کیا اور ۱۹۶۵ء میں پنجاب انجینئرنگ کالج

چندی گڑھ سے فرسٹ کلاس میں بی .ایس .سی انجینئرنگ (الیکٹرک) کا کورس مکمل کیا۔ وہ اُسی سال انجینئر تعینات ہوئے اور کئی مقامات پر ۱۹۷۹ء تک بحیثیت اسسٹنٹ انجینئر کام کرتے رہے۔ ۱۹۷۹ء سے ۱۹۹۵ء تک ایگزیکٹیو انجینئر (الیکٹریکل) اور بعد میں ۱۹۹۵ء سے ۱۹۹۹ء تک بطورِ سپرنٹنڈنگ انجینئر (محکمہ بجلی) اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔ سروس کے آخری ماہ یعنی اکتوبر ۱۹۹۹ء کے دوران وہ چیف انجینئر کے عہدے پر فائز رہے۔

چوہان صاحب نے غیر منقسم ضلع ڈوڈہ میں اپنی سروس کے دوران بجلی کی ترسیل کو ممکن بنانے میں بڑی محنت سے کام کیا۔ دیہاتی سطح پر بجلی کی سکیموں پر عمل آوری کے علاوہ اُنہوں نے سابقہ ضلع ڈوڈہ کو ''گرڈ سسٹم'' کے ساتھ منسلک کیا اور کئی مقامات پر ۳۳/۱۱ کلوواٹ کے رسیونگ سٹیشن تعمیر کر کے سارے ضلع میں بجلی کے ترسیلی ڈھانچے میں سدھار لایا۔ اُنہوں نے کرگل جیسی دُور اُفتادہ جگہ پر بھی سب دیہات میں بجلی پہنچانے کی کوشش کی اور کئی دیہات میں ڈیزل جنریٹنگ سیٹس لگوائے۔ خطۂ ڈوڈہ کی ترقی کے لئے اُن کے خیال میں یہاں کی خداداد پیداواری صلاحیتوں خصوصاً پن بجلی پروجیکٹس، سیاحتی سرگرمیوں اور جنگلات کی حفاظت کی طرف منصوبہ بند طریقہ سے فوری توجہ دینے کی اشد ضرورت ہے۔ وہ ۸؍ اکتوبر ۱۹۴۱ء کے روز ڈوگہ میں پیدا ہوئے تھے۔

جملی پہلوان:

علاقہ بھلیس کی نامور شخصیات میں ''جملی پہلوان'' کا نام بڑے فخر کے ساتھ لیا جاتا ہے جو بقولِ مسٹر غلام رسول چوگانی[1] ''چنگا بھلیس کا ایک اِنتہائی شکیل، توانا اور قد آور نوجوان تھا جو عقل و دانش میں بھی گوہر یک دانہ تھا۔'' اُس کے پہلوانی کرتبوں کا چرچہ نہ صرف صوبہ جموں میں عام تھا بلکہ علاقہ چمبہ کے سبھی پہلوان اُس کا لوہا مان چکے تھے۔ ''۱۹۴۷ء کے فرقہ وارانہ فسادات کے دوران اُس نے بھلیس کے

---

[1] مراسلہ غلام رسول چوگانی بنام مصنف

سینکڑوں ہندوؤں کو تحفظ دے کر جمبہ کی حدود میں پہنچا دیا تھا۔ وہ بھلیس کا پہلا سرپنچ اور پہلا صدر نیشنل کانفرنس تھا۔ اُس کی تربیت اور راہنمائی میں بھلیس میں بیسویں نامور پہلوان پیدا ہوئے۔"

محمد شریف نیاز:

مسٹر محمد شریف ناز ۱۹۴۴ء میں بمقام چنگا بھلیس متولد ہوئے اور ۱۹۶۰ء میں ہائی اسکول کلہوتران سے میٹرک کا اِمتحان پاس کرنے کے بعد تحصیل گول گلاب گڑھ کے موضع کنڈردان کے پرائمری اسکول میں بطور مدرّس تعینات ہوئے۔ ۱۹۶۸ء میں وہ کلہوتران تبدیل ہو کر آئے اور لو پیڈ ملازمین کی تنظیم کے ساتھ منسلک ہو گئے۔ اُن دِنوں بھلیس میں قحط سالی کی وجہ سے لوگ فاقہ کشی کے شکار ہو رہے تھے اور دُوسری طرف رِشوت خوری کا زور تھا۔ اُنہوں نے وقت کی اِنتظامیہ کے خلاف دُھواں دھار تقریریں کیں جس کی وجہ سے اُنہیں نوکری سے معزول ہونا پڑا۔ لیکن نوکری سے مستعفی ہو کر وہ خدمتِ خلق میں جُٹ گئے۔ اُنہوں نے اُس وقت کانگریس میں شمولیت کی جب مسز اِندرا گاندھی نے الیکشن ہار لیا تھا۔ آزاد صاحب نے اُنہیں اِندروال حلقۂ اِنتخاب سے مینڈیٹ دِلوایا لیکن چناؤ ہار گئے۔ بعد میں ایک بار پھر چناؤ لڑا اور کامیاب ہوئے۔ فاروق سرکار میں اُنہیں سٹیٹ منسٹر بنایا گیا۔ ۲۰۰۲ء کے چناؤ میں وہ بھدرواہ حلقۂ اِنتخاب سے بھاری اکثریت سے چناؤ جیتنے میں کامیاب ہوئے اور مفتی سرکار میں پاور منسٹر بنائے گئے۔ اِس دوران اُنہوں نے محکمہ بجلی میں کافی سدھار لایا۔ بجلی کے ترسیلی نظام کو دُرست کیا۔ بھدرواہ۔ بھلیس کی طرف خاصی توجہ دی۔ ریاست میں پن بجلی کے کئی پروجیکٹوں کی منصوبہ بندی کی۔ اسکول کھلوائے اور کچھ اسکولوں کا درجہ بڑھوایا۔ اُن کی احسن کارکردگی سے بھدرواہ کے باشندے بے حد خوش ہوئے۔ ۲۰۰۶ء میں اپنی اسمبلی سیٹ مسٹر غلام نبی آزاد کے لئے خالی کی۔ اُنہیں

کچھ عرصہ کے بعد ممبر قانون ساز کونسل بنایا گیا۔ ۲۰۰۸ء کے الیکشن کے دوران اُنہوں نے آزاد صاحب کے لئے حلقہ چناؤ بھلیس بھدرواہ میں رات دِن محنت کی۔ وہ گھر گھر آزاد صاحب کے لئے ووٹ مانگنے کے لئے گئے اور اُن کی کامیابی کو یقینی بنایا۔ اُسی سال آزاد صاحب نے یہ سیٹ مستعفی ہو کر نیاز صاحب کے لئے خالی کی جس کے ضمنی چناؤ میں نیاز صاحب پھر ایک بار بھاری اکثریت سے ممبر اسمبلی چُن لئے گئے۔

غلام رسول بٹ چوگانی:

غلام رسول بٹ چوگانی سری امر ہائی اسکول بھدرواہ سے میٹرک کرنے کے بعد بحیثیت اُستاد تعینات ہوئے۔ اُنہوں نے نجی طور پر ایم۔اے تک تعلیم حاصل کی۔ گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن جموں سے بی۔ایڈ کورس مکمل کرنے کے بعد ہی اُنہیں ماسٹر گریڈ میں ترقی ملی اور کچھ سال بعد ہیڈ ماسٹر ہائی اسکول تعینات کیا گیا۔ بعد میں وہ بلاک ایجوکیشن آفیسر مقرر ہوئے۔ اپنی بے مثال اور قابلِ احسن کارکردگی کے بعد وہ محکمہ تعلیم سے سبکدوش ہوئے اور سماجی کاموں میں جُٹ گئے۔ علاقہ بھلیس اور بھدرواہ کی ترقی کے لئے وہ ہمہ تن مصروف رہتے ہیں۔ محکمہ تعلیم میں بحیثیت اُستاد اُن کا تدریسی کام قابلِ رشک رہا۔ وہ ایک بہترین اُستاد ہونے کے علاوہ ایک قابل منتظم، ایک شاعر اور اعلیٰ پایہ کے نثر نگار ہیں۔ شاعری سے بھی اچھا شغف ہے۔ بحیثیت ایک تعلیمی آفیسر اُن کی خدمات کو ضلعی، صوبائی اور ریاستی سطح کے آفیسران نے ہمیشہ ہی سراہا اور تحریری طور پر اُن کے اوصاف گنائے۔

ایک بار بحیثیت اُستاد کلھوتران اُنہوں نے دریائے کالگنی میں آئے ہوئے تیز طوفان کے دوران ایک طالب علم محمد اسلم خطیب کی جان دریا میں چھلانگ لگا کر بچالی۔ حالانکہ تماشہ بین یہ سوچتے رہے کہ چوگانی صاحب بھی طوفانی لہروں کے نذر ہو جائیں گے۔ بدھل راجوری جیسے دور اُفتادہ اسکول میں اُن کی دیانتدارانہ اور مشفقانہ

کارکردگی کو آج بھی یاد کیا جاتا ہے۔ جناب غلام رسول آزاد صاحب' سابق ناظم تعلیم اور خواجہ عبدالعزیز بٹ' سابق رجسٹرار' ہمیشہ ہی چوگانی صاحب کی شاندار کارکردگی کے گن گاتے رہے۔ وہ رسالہ ''کالگنی'' اور ''بھلیس'' کے ایڈیٹر بھی رہے' جن میں اُن کی قلمی نگارشات علاقہ بھلیس کے مسائل اور تعلیم وثقافت پر اساسی نوعیت رکھتی ہیں۔ اُن کے مضامین کئی اخبارات اور رسائل میں بھی چھپتے رہے ہیں۔ وہ دو کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ چوگانی صاحب خلوص و ایثار اور اقدار کا مجسمہ ہیں۔ وہ مسٹر غلام نبی آزاد اور مسٹر محمد شریف نیاز جیسی تاریخ ساز شخصیات کے اُستاد رہ چکے ہیں۔ وہ ۱۹۳۳ء میں موضع بٹارہ بھلیس میں پیدا ہوئے تھے۔ اب وہ بھلیس سے نقل مکانی کر کے بھدرواہ میں مقیم ہو گئے ہیں۔

خواجہ محمد اسلم گونی:

خواجہ محمد اسلم گونی ایک مشہور مفکر' شاعر اور قانون دان خواجہ غلام نبی گونی (مرحوم) کے فرزندِ ارجمند ہیں۔ وہ ریاست جموں و کشمیر کے سابق ایڈوکیٹ جنرل ہیں جن کو حال ہی میں یعنی ۲۰ / جنوری ۲۰۰۹ء کو نیشنل کانفرنس کے صدر اور سابق چیف منسٹر ڈاکٹر فاروق عبداللہ کا سیاسی مشیر مقرر کیا گیا ہے۔ گونی صاحب ایک جواں سال سیاست دان' معروف قانون دان اور شریف النفس اور با اخلاق اِنسان ہیں۔ سماجی سطح پر بھی اُنہوں نے اپنی اچھی شبیہ بنائی ہے۔ وہ ہمیشہ لوگوں کے دُکھ درد اور شادی و غمی میں شامل رہتے ہیں نیز اپنی جنم بھومی بھدرواہ کی ترقی کے خواہشمند رہتے ہیں۔ اُن کا شمار نیشنل کانفرنس کے معتبر اراکین میں ہوتا ہے اور پارٹی کے اندر اُن کو معتبر مقام حاصل ہے۔

خواجہ محمد اسلم گونی صاحب بحثیت چیئرمین بی۔ بی۔ آئی۔ (فائنانشل کمیٹی) بھی کام کرتے رہے ہیں اور آج کل اُس کے ٹور پروگرام کمیٹی کے ممبر ہیں۔ وہ ریاست

جموں وکشمیر کی کرکٹ ایسوسی ایشن کے ورکنگ پریذیڈنٹ بھی ہیں۔

ڈاکٹر عبدالرشید:

ڈاکٹر عبدالرشید مُلاّ ایک مشہور و معروف سیاستدان' سماجی کارکن اور نیشنل کانفرنس کے اہم کارکن خواجہ غلام احمد مُلاّ (مرحوم)' ساکن موضع ڈوگہ کیلاڑ' تحصیل بھدرواہ کے فرزندِ ارجمند ہیں۔ وہ ڈوگہ میں ۲۷/جون ۱۹۴۴ء کو پیدا ہوئے۔ اُنہوں نے ۱۹۶۱ء میں میٹرک اور ۱۹۶۳ء میں فرسٹ ایئر ٹی.ڈی.سی کے اِمتحانات پاس کئے۔ ۱۹۶۸ء میں ویٹنری کالج جبل پور (مدھیہ پردیش) سے بی.وی.ایس.سی اور اے.ایچ کی ڈِگری حاصل کر کے ستمبر ۱۹۶۸ء کو ویٹرنری اسسٹنٹ سرجن تعینات ہوئے۔ کالج میں تعلیمی مشاغل کے ساتھ ساتھ وہ این.سی.سی کیمپوں میں بھی شریک ہوتے رہے اور یہ سلسلہ جبل پور میں بھی جاری رہا۔ اُنہوں نے ۱۹۷۶ء میں پنت نگر (اُترانچل) سے ایم.وی.ایس.سی کرنے کے بعد وہیں سے ۱۹۸۰ء میں پی.ایچ.ڈی کی ڈِگری حاصل کی۔ بھدرواہ سے ایسی ڈگری حاصل کرنے والے وہ پہلے ڈاکٹر ہیں۔ وہ اکتوبر ۱۹۷۶ء تک ویٹرنری سرجن کے طور کام کرتے رہے۔ بعد میں ایگریکلچر کالج سوپور میں (نومبر ۱۹۷۶ء کے دوران) اسسٹنٹ پروفیسر بنائے گئے۔ دسمبر ۱۹۸۴ء سے مئی ۱۹۹۴ء تک ایسوشی ایٹ پروفیسر اور اِنچارج ڈین رہے۔ جون ۱۹۹۴ء سے دسمبر ۲۰۰۰ء تک اُنہوں نے پروفیسر اور ایسوشی ایٹ ڈائریکٹر کے طور پر سکاٹ شوہامہ سرینگر اور آر.ایس.پورہ میں بھی کام کیا۔ دسمبر ۲۰۰۰ء سے اپنی سبکدوشی تک ڈائریکٹر ریذیڈنٹ انسٹرکشنز اور ڈین پوسٹ گریجویٹ اسٹڈیز کی حیثیت میں بطریقِ احسن اپنے فرائضِ منصبی نبھاتے رہے۔

ڈاکٹر عبدالرشید نے اپنی سروس کے دوران مذکورہ اداروں میں بہت سے نئے شعبے قائم کئے اور کئی ریسرچ پیپر شائع کئے۔ اُنہوں نے کچھ کتابیں بھی لکھیں اور

درجنوں کورسز میں شرکت کی۔ ڈاکٹر موصوف نے کئی اسکالروں کی راہنمائی کی اور اِس کے ساتھ ساتھ سماجی اور دینی امورات میں بھی بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔ یہ سلسلہ تا حال جاری رہا۔ وہ نہایت ہی صاف گو، دیانتدار، مخلص، ہمدرد اور فرض شناس اِنسان ہیں۔ وہ بھدرواہ کی ترقی کے لئے ہر وقت کوشاں ہیں۔ وہ مفکرین، دینی عالموں، تعلیمی ماہروں کے ذریعے لوگوں کے ذہن و قلب میں اِنقلابی قسم کی تبدیلیاں لائے جانے کے خواہشمند ہیں اور نوجوانوں کی کردار سازی کے علاوہ ماحولیاتی آلودگی سے پاک وصاف سماج کی تعمیر کے قائل ہیں۔ ویٹرنری سائنسز پر اُنہوں نے اِتنا کام کیا ہے جسے تحریر کرنے کے لئے ایک پُر ضخامت کتاب کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

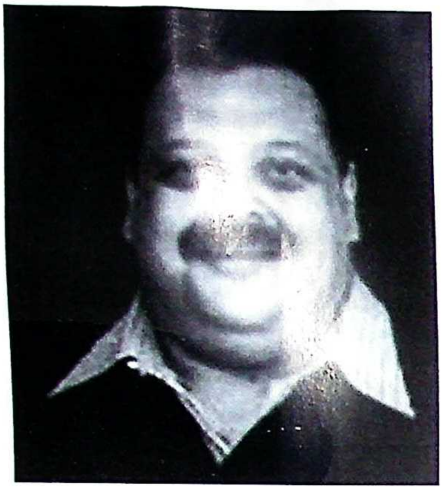
کنور دیویندر سنگھ رانا:

کنور دیویندر سنگھ رانا ریاست کے معروف انجینئر اور شاعر کنور راجندر سنگھ رانا کے نیک سپوت ہیں۔ وہ بنیادی طور پر ایک آٹو مبیل انجینئر ہیں۔ وہ ۱۹۹۳ء کے دوران امریکہ میں ایک گروپ اسٹڈی ایکسچینج اسکالر کے طور پر بھی رہے اور سات سال تک جے اینڈ کے بینک کے ایک ڈائریکٹر بھی رہے۔ کنور صاحب کئی سال عمر عبداللہ (موجودہ چیف منسٹر) کے میڈیا ایڈوائزر بھی رہے۔ ریاستی قانون ساز کونسل کے ممبر اور اب ایک سٹیٹ منسٹر کے رُتبے کے ساتھ وزیرِ اعلیٰ کے سیاسی مشیر بھی بنائے گئے ہیں جس کا اعلان ۸ر جنوری ۲۰۰۹ء کو کیا گیا۔ وہ اِس عہدے پر رہ کر کوئی تنخواہ وغیرہ نہیں لیں گے۔

کنور دیویندر سنگھ اپنی مصروفیات کے باوجود اپنے آبائی علاقہ مرمت کو نہیں بھولے ہیں۔ اپنے کانسٹی چیونسی فنڈ سے ہر سال دس لاکھ روپے کی رقم وہ مرمت کی ترقیاتی کاموں کے لئے مختص کئے ہوئے ہیں۔ یہ علاقہ بنیادی سہولیات سے محروم رہا ہے۔ وہ اِس علاقہ کی ترقی کے کوشاں ہیں اور یہاں پر ایک ڈگری کالج کے قیام کا



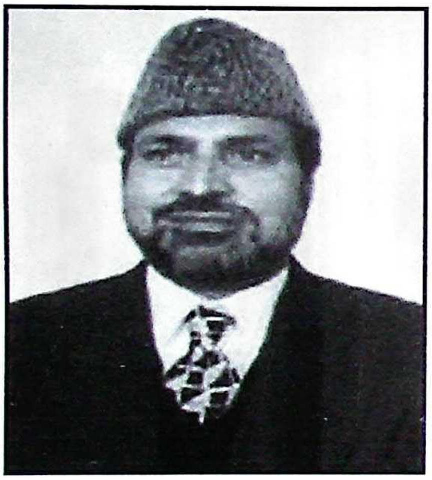
عبدالمجید وانی



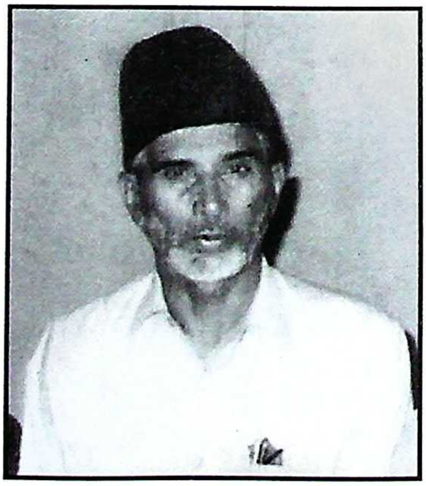
دیویندر سنگھ رانا



کوتوال دیا کرشن



مظفر حسین بیگ



غلام احمد خطیب (آرٹسٹ)



محبوبہ مفتی

مطالبہ بھی حکومت سے پُرزور الفاظ میں کر رہے ہیں۔ وہ بااخلاق، سنجیدہ اور صاف گو انسان ہیں، اِسی لئے لوگ اُن کے گرویدہ ہو جاتے ہیں۔

غلام حسین نجار:

مستری غلام رسول نجار (مرحوم) سکنہ محلہ اڈہ، بھدرواہ کے فرزند مسٹر غلام حسین نجار ۱۹۴۷ء کے دوران جموں کے پرنس آف ویلز کالج میں زیرِ تعلیم تھے۔ یہاں سے ایف۔ایس۔سی کا اِمتحان پاس کرنے کے بعد کوہاٹہ کے راستے سیالکوٹ (پاکستان) چلے گئے جہاں چوہدری غلام عباس نے پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر عمر حیات کے توسط سے اُنہیں بی۔کام میں داخلہ دلوا دیا۔ یہ کورس اُنہیں راس نہ آیا تو مسلم کانفرنس کے ساتھ تقریباً ایک سال تک وابستہ ہو گئے۔ بعد میں لاہور یونیورسٹی کے جیالوجی اور ریاضی مضامین میں داخلہ لیا۔ ۱۹۵۰ء میں کورس مکمل کر کے لاہور کالج سے ہی ۱۹۵۴ء میں قانون کی ڈگری حاصل کی۔ امریکہ کی ایک تیل کمپنی میں ملازم ہوئے۔ اُس کے بعد پاکستان انڈسٹریل ڈویلپمنٹ، کارپوریشن میں کمرشل اسسٹنٹ کے طور پر تعینات ہوئے۔ وہاں سے مزید تعلیم کے حصول کے لئے جرمنی چلے گئے۔ مائننگ میں ڈپلوما کرنے کے بعد مائننگ انجینئر مقرر ہوئے۔ وہ ۱۹۹۲ء میں بطور جنرل منیجر ریٹائر ہوئے۔

غلام حسین نجار نے مظفر آباد میں رہائشی مکان اِس لئے بنایا تا کہ اپنی ہی ریاست میں مقیم رہیں۔ وہ اپنے وطن بھدرواہ اور ریاست کی محبت سے سرشار ہیں اور کئی بار بھدرواہ آچکے ہیں۔ راقم الحروف نے ۱۶ ستمبر ۲۰۰۵ء کو حاجی بہار الدّین زرگر کے ہاں اُن سے ملاقات کی اور اپنے خویش و اقارب، جو مظفر آباد میں مقیم ہیں، کے بارے میں بھی معلومات حاصل کیں۔ ایسا محسوس ہوا کہ یہاں کے سب مہاجرین اپنے گھروں کو واپس آنا چاہتے ہیں لیکن لائن آف ایکچول کنٹرول کا کیا کیا جائے۔

کچھ اور معروف شخصیات:

بھدرواہ کی کچھ مشہور و معروف شخصیات کے کوائف دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے اِس باب میں صرف، اُن کے اسمائے گرامی ہی شامل کیے جا رہے ہیں۔ راقم کو اُمید ہے کہ مستقبل قریب و بعید کے ریسرچ اسکالر اُن بلند قد شخصیات کے حالات و واقعات کو ضرور یکجا کرنے میں کامیاب ہوں گے تاکہ مادرِ وطن بھدرواہ کے اِن سپوتوں کو بقائے دوام حاصل ہو۔

☆ کوتوال لکشمی چند، سابق ڈائریکٹر جنرل آرڈی نینس، حکومتِ ہند

☆ آنجہانی کوتوال مایا رام، گولڈ میڈلسٹ پنجاب یونی ورسٹی لاہور

☆ شری ٹی. آر. راٹھور، ونگ کمانڈر

☆ شری پربھوراج، ایس. ایل. ایئرفورس

☆ کرنل آر. پی. کوتوال

☆ بھگت منگت رام، سابق سکریٹری (جموں وکشمیر گورنمنٹ)

☆ شری سیوارام کوتوال، سابق چیئرمین رُورل بنک

☆ کوتوال تیج رام ریٹائرڈ فائنانشل کمشنر جموں وکشمیر

☆ مسٹر چیت رام کوتوال (موضع چنیسر بھلیس)

ریٹائرڈ اے. ڈی. سی، کانگڑہ

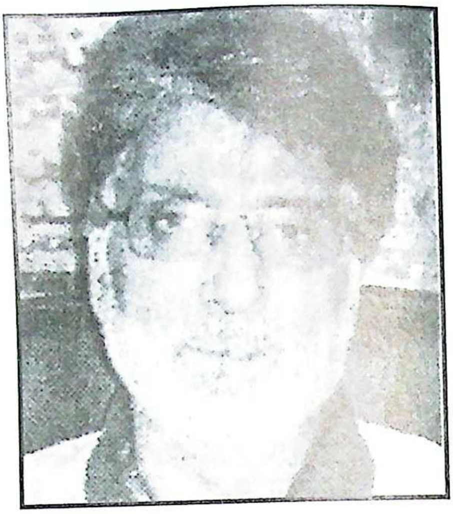
☆ مسٹر اجے کوتوال، منیجر

☆ خواجہ منور جو دیو

☆ خواجہ قادر جو خطیب

☆ پنڈت ٹھاکر لال (موضع مٹھولہ) جنرل منیجر جودھامل فرم

☆ کوتوال رام لال (موضع اُدرانہ) بھدرواہ



خواجہ محمد اسلم گونی



پروفیسر محمد اسداللہ وانی



کلدیپ راؤ



ڈاکٹر عبدالرشید



غلام مصطفیٰ بٹ (بھلیس)



رنبیر منہاس

- ☆ خواجہ رحمت اللہ بٹ سوتی (بھلیس)
- ☆ مولوی محمد اسد اللہ وانی مرحوم (بہوتہ)
- ☆ عبدالستار وانی (ملانوں)
- ☆ حاجی احمد بٹ (گواڑی)
- ☆ عبدالسبحان ماگرے (ملانوں)
- ☆ حاجی غلام قادر بٹ (کلھوتران)
- ☆ مسٹر بشیر احمد زرگر (ٹھاٹھری)
- ☆ عنایت اللہ لون (مرمت)
- ☆ حکیم رحمت اللہ (مرمت)
- ☆ مہتہ ہری لال حکیم (بھدرواہ)
- ☆ نذیر احمد وانی سرپنچ (رانکا مرمت)
- ☆ مرحوم خضر جو ٹاک (بھٹیاس)
- ☆ خواجہ غلام محمد بانہالی (چلی)
- ☆ خواجہ عبدالرحمان صابری
- ☆ خواجہ حبیب اللہ ملِک (تلوگڑہ بھلیس)

....

آئندہ صفحات میں بھدرواہ سے تعلق رکھنے والی اُن شخصیات کی فہرست پیش کی جا رہی ہے جو زِندگی اور سماج کے مختلف شعبوں سے وابستہ ہیں۔ ان حضرات میں سے کئی شخصیات کا ذِکر گزشتہ صفحات میں بھی ہوا ہوگا لیکن یہاں اُن کے اسمائے گرامی پیش کرنے کا مقصد صرف یہ واضح کرنا ہے کہ کون کون سی شخصیت کس کس شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھتی ہے۔ چونکہ اِس کتاب کے محدود صفحات کسی طرح کی تفصیل کی اجازت نہیں دے رہے اِس لئے آئندہ ابواب کو ''یک سطری ڈائریکٹری'' کے طور

پر پیش کیا جا رہا ہے اور ان ابواب کا مطالعہ اِسی نقطۂ نگاہ سے کیا جانا مقصود ہے تا کہ کسی قسم کی تشنگی کا احساس نہ ہو۔

شعبہ عدلیہ و وکلاء حضرات:

☆ شری گردھاری لال منہاس، ڈسٹرکٹ سیشن جج
☆ مسٹر ضیا الاسلام سہروردی، ریٹائرڈ ڈسٹرکٹ سیشن جج
☆ مسٹر این. ڈی. وانی، ڈسٹرکٹ سیشن جج
☆ مسٹر جنک راج کوتوال، ڈسٹرکٹ سیشن جج
☆ مسٹر جعفر بیگ، سب جج
☆ خواجہ غلام نبی گونی (مرحوم) ایڈووکیٹ ہائی کورٹ
☆ لالہ ہیم راج گپتا ایڈووکیٹ
☆ مسٹر بھوشن گپتا، ایڈووکیٹ ہائی کورٹ
☆ مسٹر محمد اسلم گونی، سابق ایڈووکیٹ جنرل ہائی کورٹ
☆ مسٹر دیویندر گپتا، ایڈووکیٹ
☆ کوتوال جسونت سنگھ، ایڈووکیٹ ہائی کورٹ
☆ عبدالواحد منگنوں، ایڈووکیٹ
☆ نریش چندر گپتا، سینئر ایڈووکیٹ، ڈسٹرکٹ پریذیڈنٹ کانگرس ڈوڈہ
☆ ایڈووکیٹ میر امتیاز احمد (بدھلی بھلیس) پی. پی. او
☆ مسٹر سمن بھگت، ایڈووکیٹ ہائی کورٹ
☆ مسٹر عبدالروف گنائی، ایڈووکیٹ ہائی کورٹ
☆ مسٹر پی. این. کھجوریہ، ایڈووکیٹ
☆ مسٹر بھوشن کوتوال، ایڈووکیٹ ہائی کورٹ

☆ مسٹر دیویندر گپتا' ایڈوکیٹ ہائی کورٹ

☆ مسٹر سوامی راج (ساکن مرمت) ایڈوکیٹ

☆ مسٹر مشتاق احمد (مرمت موٹھی) ایڈوکیٹ

☆ مسٹر عنایت اللہ (جوڑہ والے) ایڈوکیٹ

آئی.اے.ایس/ کے.اے.ایس (سول سروس):

☆ شری ڈی.این.کوتوال (کنسو بھلیس) آئی.اے.ایس' ریٹائرڈ چیف سیکریٹری

☆ شری سوامی راج شرما (رینڈہ بھدرواہ) آئی.اے.ایس' ریٹائرڈ کمشنر ممبر فائنانشل کمیشن

☆ مسز وجے کوتوال ریٹائرڈ کمشنر (ساکن سرولباغ بھدرواہ)' کے.اے.ایس/ آئی.اے.ایس

☆ شیخ محبوب اقبال' کے.اے.ایس/ آئی.اے.ایس.ڈویژنل کمشنر کشمیر

☆ مسٹر پون کوتوال' آئی.اے.ایس.ڈویژنل کمشنر جموں

☆ مسٹر نذیر احمد ملک (مرحوم) اسسٹنٹ کمشنر

☆ مسٹر اعجاز احمد شیخ' آئی.اے.ایس.کمشنر سیکریٹری

☆ مسٹر شکور احمد گنائی' ریٹائرڈ ایڈیشنل ڈی.سی

☆ مسٹر پرویز احمد ملک' کے.اے.ایس

☆ مسٹر شاہد عنایت اللہ کے.اے.ایس

☆ مسٹر راجندر سنگھ پریہار' ریٹائرڈ کمشنر' ساکن ملہوری

☆ مسٹر شکیل احمد راتھر' کے.اے.ایس' ساکن بھلیس

☆ ارون کمار منہاس' کے.اے.ایس' ساکن مٹھولہ

☆ مسٹر سراج الدین وانی' ریٹائرڈ اسسٹنٹ کمشنر

☆ مسٹر پرویز اقبال خطیب' کے.اے.ایس' ساکن بھدرواہ' چارٹرڈ اکاونٹنٹ' ایڈیشنل کمشنر سیلز ٹیکس

☆ مسٹر خالد مجید' تحصیلدار' کے.اے.ایس

☆ مسٹر بشیر احمد کین' کے.اے.ایس

☆ مسٹر پنکج کٹوچ ' کے.اے.ایس.

☆ مسٹر شاہد سلیم ڈار' کے.اے.ایس

☆ مسٹر سورج پرکاش' کے.اے.ایس

☆ مسٹر محمد یعقوب زرگر' کے.اے.ایس

☆ مسٹر جعفر عنایت اللہ (مرحوم)' کے.اے.ایس

☆ مسز نروپا رائے' کے.اے.ایس[1]

اکاونٹس سروس:

☆ مسٹر محمد اسلم ملک' کے.اے.ایس

☆ مسٹر عنایت اللہ لون' ساکن مرمت

محکمہ پولیس:

☆ مسٹر نثار احمد بٹ' بھدرواہ' آئی.پی.ایس' ایس.ایس.پی ریٹائرڈ

☆ مسٹر بشیر احمد رفیقی' ریٹائرڈ ایس.ایس.پی

☆ مسٹر مہاراج کرشن کوتوال' ریٹائرڈ ایس.ایس.پی کمیونیکیشن' بھدرواہ

☆ ڈاکٹر عبدالعزیز خان' آئی.پی.ایس' (چلنی) ریٹائرڈ ایس.ایس.پی

---

[1] پچھلے دو سال میں چند مزید نوجوانوں نے کے.اے.ایس. کے امتحان میں کامیابی حاصل کی ہے۔

- ☆ مسٹر آر منہاس (کھیلی کیلاڑ) ڈی.آئی.جی. پولیس
- ☆ مسٹر محمد سلطان خان (سنوارہ چلی) ایس. پی. ریٹائرڈ
- ☆ مسٹر رویندر کوتوال' ڈی.آئی.جی. پولیس
- ☆ مسٹر حسیب مُغل' کے. پی. ایس' ایس. پی
- ☆ مسٹر شوکت علی بٹ' ایس. پی
- ☆ مسٹر محمد اسلم بٹ' ایس. پی
- ☆ مسٹر اعجاز احمد بٹ' ایس. پی
- ☆ مسٹر گُلبیر سنگھ' ایس. پی
- ☆ مسٹر عارف ریشو' ایس. پی[1]

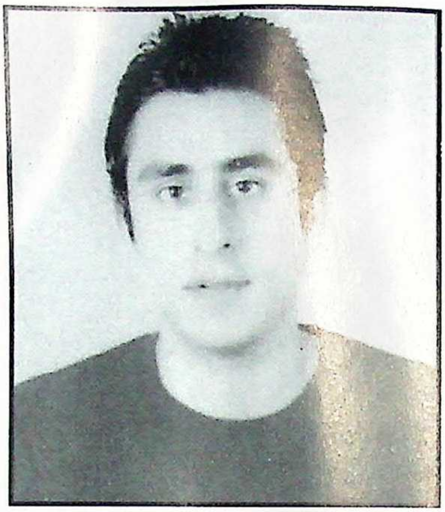
شعبۂ تعلیم کے اوّلین سپہ سالار (مرد):

- ☆ ماسٹر برج لال کول
- ☆ ماسٹر سیتارام گپتا
- ☆ ماسٹر کانشی رام گپتا
- ☆ ماسٹر محمد سلطان خطیب
- ☆ ماسٹر عبدالقادر روانی
- ☆ ماسٹر چونی لال کوتوال
- ☆ ماسٹر عبدالغفار کچلو
- ☆ ماسٹر پریم ناتھ کھجوریہ
- ☆ ماسٹر آگیارام' ملھوری
- ☆ ماسٹر پنالال' ریلا بھلیس
- ☆ پیر نجم الدین رفیقی
- ☆ ماسٹر انیرودھ سنگھ' کاہل جگاسر بھلیس
- ☆ عبدالرحمان رازدان (مرمت)
- ☆ ماسٹر لچھمن داس کوتوال
- ☆ ماسٹر بنسی لال کوتوال
- ☆ ماسٹر گھمبیر چندر رینہ
- ☆ ماسٹر مرلی دھر دت
- ☆ ماسٹر غلام محمد گنائی' منوئی' بھلیس
- ☆ ماسٹر عبدالکریم
- ☆ ماسٹر غلام محمد کیلو

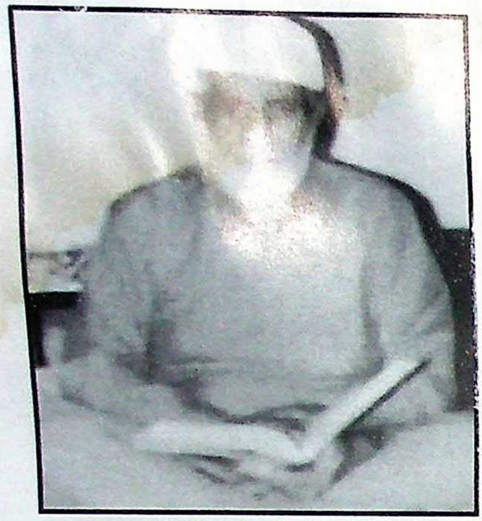
---

1. بھدرواہ کے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹس کی تعداد بھی کافی ہے۔

☆ غلام مصطفےٰ سروال (مرحوم) ملانوں
☆ ماسٹر منوہر لال پنڈت
☆ ماسٹر غلام علی کیلو
☆ ماسٹر بہارالدین وانی
☆ شیخ محمد فضل
☆ ماسٹر امرناتھ شرما
☆ ماسٹر ہنس راج شرما
☆ ماسٹر مادھولال پادہ
☆ ماسٹر جگت رام ایرین
☆ ماسٹر عبدالعزیز خطیب
☆ ماسٹر دین محمد، تھنالہ
☆ ماسٹر گھمبیر لال
☆ ماسٹر گوری لال
☆ ماسٹر عبدالغنی شیخ
☆ ماسٹر من موہن رازدان
☆ ماسٹر رام چند
☆ ماسٹر بشمبر کوتوال
☆ ماسٹر دونی چند کوتوال
☆ مولانا غلام قادر بٹ، جکیاس
☆ ماسٹر مادھولال، کیلاڑ
☆ ماسٹر بودھ راج، کیلاڑ
☆ ماسٹر غلام رسول اویسی، بھلیس
☆ ماسٹر محمد سکندر، چنیاس، بھلیس
☆ ماسٹر محمد سلطان وانی
☆ ماسٹر غلام احمد شنالی
☆ قاضی اسداللہ اسد
☆ شیخ فیروزالدّین
☆ ماسٹر برکت علی
☆ ماسٹر عبدالقادر زرگر، ہلارن
☆ ماسٹر عبدالرزاق منڈاشی
☆ ماسٹر برم لال، چراہلہ
☆ ماسٹر عبدالعزیز خوشباش
☆ ماسٹر عبدالعزیز بٹ
☆ ماسٹر کنج لال
☆ ماسٹر گل شیرخان
☆ ماسٹر سوامی راج کٹوچ
☆ ماسٹر پورن ناتھ
☆ ماسٹر دین محمد شیخ
☆ ماسٹر محمد امین ٹاک
☆ ماسٹر عنایت اللہ ملک
☆ ماسٹر عبدالقیوم خطیب
☆ ماسٹر بھگت سنگھ
☆ ماسٹر غلام رسول ملاّ، کیلاڑ
☆ ماسٹر محمد شریف متو، بھلیس



عاکف کچلو (فرزند ڈاکٹر آفتاب)



ماسٹر عبدالغفار کچلو



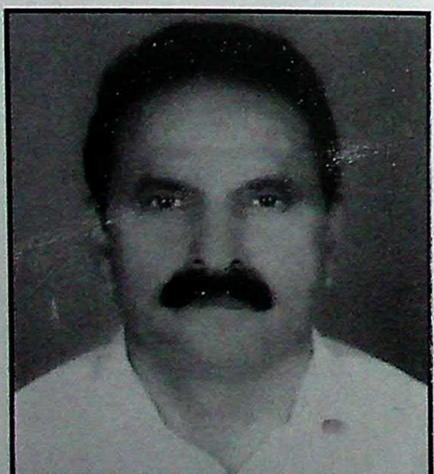
وحیدہ تبسم (دختر مُصنِف)



ڈاکٹر آفتاب احمد کچلو (دامادِ مُصنِف)



ڈاکٹر وحیدہ پروین (دختر مُصنِف)



ڈاکٹر فاروق احمد کچلو (دامادِ مُصنِف)

☆ ماسٹر غلام رسول چوگانی، بھلیس
☆ ماسٹر عبدالرشید شیخ
☆ ماسٹر غلام نبی کمہار
☆ ماسٹر غلام نبی ڈنڈی
☆ ماسٹر غلام علی، کیلاڑ
☆ ماسٹر جیالال شرما
☆ ماسٹر سُبھاش گپتا
☆ ماسٹر اجودھیالال کوتوال
☆ ماسٹر عبدالرحمان بٹ
☆ ماسٹر محمد شریف بٹ
☆ ماسٹر عبدالقیوم (ڈنڈی)
☆ ماسٹر ودیا ساگر

خواتین اساتذہ:

☆ مسز سُکھ مالی پنڈت
☆ مسز کرشنا کوتوال
☆ محترمہ سکینہ بیگم کچلو
☆ محترمہ سعیدہ ملک
☆ محترمہ ساجا ملک
☆ شریمتی کانتا کول
☆ شریمتی گوراں دیوی
☆ محترمہ بختی بیگم
☆ محترمہ سعیدہ گونی
☆ محترمہ بختی بیگم شیخ
☆ محترمہ کلثوم بیگم خان
☆ شریمتی شنکری دیوی
☆ شریمتی کانتا کوتوال
☆ مسز للتا راٹھور
☆ مسز اقبالہ ملک
☆ مِس شفیقہ گونی
☆ مسز شمشاد مُغل
☆ شریمتی رام پیاری
☆ محترمہ حنیفہ بیگم رشو
☆ مسز ثریا بیگم فانی
☆ مسز سارا بیگم ملک
☆ مسز ریحانہ مُغل
☆ مسز حاجرا بیگم
☆ مسز سردار بیگم خان

☆ مسٹر محمد اشرف، بھلیس
☆ مسٹر محمد شفیع متو
☆ مسٹر عبدالقیوم میر
☆ مسٹر عبدالحمید گنائی
☆ مسٹر غیاث الدین میر
☆ مسٹر سوامی راج کوتوال
☆ مسٹر دیوراج شرما
☆ مسٹر منکتو خان، بھلیس
☆ مسز اقبالہ ملک
☆ مسٹر راج راٹھور
☆ مسٹر غلام قادر شیخ
☆ مسز ریحانہ مُغل
☆ مسٹر عبدالطیف زرگر
☆ مسٹر اوم پرکاش کوتوال
☆ مسٹر باغ سنگھ، کانڈوت
☆ مسٹر دھیان سنگھ
☆ مسٹر چرنجیت لال
☆ مسٹر محمد عبداللہ بٹ (مرحوم)
☆ مسٹر محمد حسین خان
☆ مسٹر اوم پرکاش راؤ
☆ مسٹر محمد اقبال گنائی
☆ مسٹر مست رام بھگت

☆ مسٹر محمد شفیع زرگر
☆ مسٹر محمد شریف میر
☆ مسٹر وید پرکاش شرما
☆ مسٹر عنایت اللہ شیخ
☆ مسٹر اشونی کول
☆ مسٹر معراج الدین شیخ
☆ مسٹر دیس راج کاٹل
☆ مسٹر احمد اللہ میر، بھلیس
☆ مسٹر عبدالحفیظ فانی
☆ مسٹر پرکاش رام بھگت
☆ مسٹر عبدالقیوم شیخ
☆ مسز شمشاد مغل
☆ مسٹر ظفر اللہ خطیب
☆ مسٹر رسیلا رام
☆ مسٹر دھرم پال ڈوگرہ
☆ مسٹر شادی لال کوتوال
☆ مسٹر لیکھ راج کوتوال
☆ مسٹر بلدیو سنگھ
☆ غلام حسین خان
☆ مسٹر ایس. آر. کٹوچ
☆ مسٹر شوکت ملک
☆ مسٹر پرکاش رام بھگت

☆ مسز شمشاد رفیقی ☆ مسز شہمالہ بیگم شیخ
☆ مسز پیار دیوی بھگت ☆ مسٹر ہنس راج دت، ریٹائرڈ پرنسپل[1]
☆ مسٹر یوگ راج راٹھور ☆ مسٹر چمن لال گپتا

محکمہ زراعت و باغبانی:

☆ مسٹر شاہ دین ڈار، چیف ایگری کلچر آفیسر (ریٹائرڈ)
☆ مسٹر راجندر وزیر، سی. اے. او.
☆ مسٹر عبدالقیوم شاپو (مرحوم)، گراس ڈویلپمنٹ آفیسر
☆ مسٹر عبدالواحد بٹ، جوائنٹ ڈائریکٹر (ریٹائرڈ)
☆ مسٹر عبدالمجید وچکو (مرحوم)، جونیئر سائنٹسٹ
☆ مسٹر محمد شفیع مُغل، سینئر سائنٹسٹ (ریٹائرڈ)
☆ ڈاکٹر (پروفیسر) ایم.سی. پریہار
☆ ڈاکٹر ڈی. آر. کوتوال، چیف سائنٹسٹ (ریٹائرڈ)
☆ ڈاکٹر نذیر احمد وانی، مرمت، ڈائریکٹر ہارٹی کلچر (ریٹائرڈ)
☆ غلام محمد بیگ (مرحوم)، سی. اے. او.
☆ مسٹر عطا محمد ضیا (مرحوم)، ڈی. اے. او.
☆ مسٹر فتح محمد مہتہ، ڈی. اے. او. (ریٹائرڈ)
☆ مسٹر غلام حسین شیخ، ڈائریکٹر زراعت ریٹائرڈ
☆ مسٹر عبدالقیوم بٹ، سی. اے. او. (ریٹائرڈ)
☆ مسٹر عبدالحمید گنائی، پروجیکٹ آفیسر، ڈی. پی. اے. پی.

---

[1] ہیڈ ماسٹر حضرات اور لیکچراروں کی فہرست بہت طویل ہے، جس کے لئے اِس کتاب کے صفحات متحمل نہیں ہو سکتے۔

☆ مسٹر عبدالقیوم آس، سی. اے. او. (ریٹائرڈ)

☆ مسٹر اعجاز احمد بٹ، ڈسٹرکٹ آفیسر[1]

محکمہ دیہات سدھار:

☆ مسٹر بشیر احمد تاج (مرحوم)، اسسٹنٹ کمشنر

☆ مسٹر عبداللطیف خان، اسسٹنٹ کمشنر

محکمہ ڈرگ کنٹرول:

☆ مسٹر محمد اسلم خطیب، ڈرگ کنٹرولر جموں و کشمیر سٹیٹ، (ریٹائرڈ)

☆ مسٹر مشتاق احمد خطیب، اسسٹنٹ ڈرگ کنٹرولر، سرینگر (ریٹائرڈ)

شعبہ حیوانات و پشو پالن:

☆ ڈاکٹر محمد اکبر ملک، ریٹائرڈ ڈائریکٹر ویٹرنری

☆ ڈاکٹر عبدالرشید، ڈائریکٹر ریذیڈنٹ اِنسٹرکشن و ڈین پوسٹ گریجویٹ اسٹڈیز، ایگری کلچر یونی ورسٹی، جموں

☆ ڈاکٹر موہن لال شرما، ڈائریکٹر اینیمل ہسبنڈری (ریٹائرڈ)

☆ ڈاکٹر سنتوش کمار شرما، ڈسٹرکٹ اینیمل ہسبنڈری آفیسر

☆ ڈاکٹر ڈی. پی. کوتوال، چیف اینیمل ہسبنڈری آفیسر (ریٹائرڈ)

☆ ایچ. پی. پادھا، ڈسٹرکٹ اینیمل ہسبنڈری آفیسر

☆ ڈاکٹر وِنود گپتا، جوائنٹ ڈائریکٹر اینیمل ہسبنڈری

---

1. ایگری کلچر اسسٹنٹوں اور بلاک ڈویلپمنٹ آفیسران کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے۔



گلناز (مُصنِّف کی بہو)



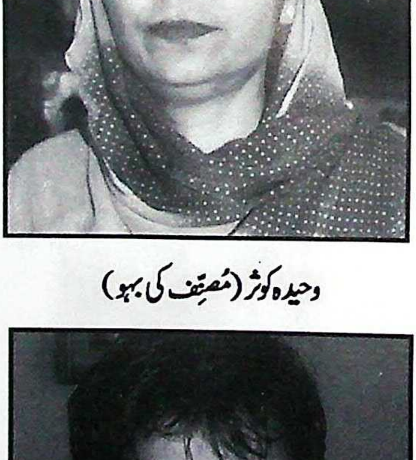
ڈاکٹر محمد اقبال خطیب (فرزندِ مُصنِّف)



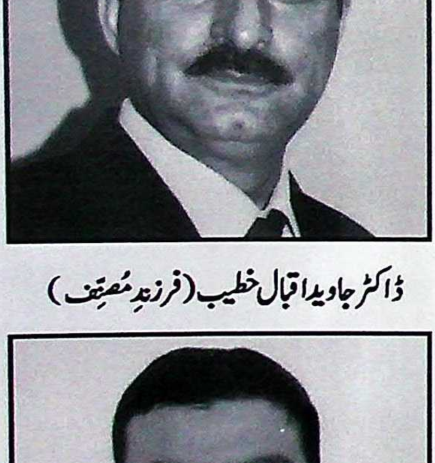
وحیدہ کوثر (مُصنِّف کی بہو)



ڈاکٹر جاوید اقبال خطیب (فرزندِ مُصنِّف)



عدنان (فرزند جاوید خطیب)



پرویز اقبال خطیب (فرزندِ مُصنِّف)

☆ ڈاکٹر محمد اقبال خطیب، ڈسٹرکٹ شیپ ہسبنڈری آفیسر

☆ ڈاکٹر جاوید اقبال خان (مرحوم) بھلیس

☆ ڈاکٹر منظور احمد زرگر، ڈسٹرکٹ شیپ ہسبنڈری آفیسر

☆ ڈاکٹر عبدالواحد خطیب (مرحوم) شیپ ہسبنڈری آفیسر

☆ ڈاکٹر سیت سنگھ، ڈپٹی ڈائریکٹر شیپ ہسبنڈری، ساکن بھلیس

☆ ڈاکٹر مکند لال شرما، جوائنٹ ڈائریکٹر، شیپ ہسبنڈری

☆ ڈاکٹر بلدیو راج کوتوال، جوائنٹ ڈائریکٹر، شیپ ہسبنڈری

محکمہ روڈس اینڈ بلڈنگس، بجلی و پبلک ہیلتھ:

☆ شیخ غلام مصطفیٰ (مرحوم) چیف انجینئر (پی. ڈبلیو. ڈی.)

☆ مسٹر کیول کرشن کوتوال، چیف انجینئر (پی. ڈی. ڈی.)

☆ مسٹر ویریندر پرکاش کوتوال، چیف انجینئر (پی. ڈبلیو. ڈی.)

☆ مسٹر ستیش کمار کوتوال، چیف انجینئر (پی. ڈبلیو. ڈی.) ریٹائرڈ

☆ مسٹر عبدالستار راتھر (بھلیس) چیف انجینئر پی. ایچ. ای، ریٹائرڈ

☆ مسٹر سُریندر کمار کوتوال، چیف انجینئر (پی. ڈبلیو. ڈی.) ریٹائرڈ

☆ مسٹر رمیش چندر کوتوال، چیف انجینئر (پی. ایچ. پی. سی.)

☆ مسٹر ست لال کوتوال (چرالہ) ریٹائرڈ چیف انجینئر و جنرل منیجر ہائڈرو الیکٹرک پروجیکٹ

☆ مسٹر آر. سی. کوتوال، ریٹائرڈ چیف انجینئر (پی. ڈبلیو. ڈی.)

☆ شری ہنس راج پادھا، ریٹائرڈ چیف انجینئر (پی. ایچ. ای.)

☆ مسٹر امر دیو منہاس، انجینئر (لندن)

☆ مسٹر نعیم گونی، ریٹائرڈ چیف انجینئر (پی. ایچ. ای.)

☆ مسٹر تنویر احمد ملک، ریٹائرڈ چیف انجینئر (پی.ڈبلیو.ڈی.)

☆ مسٹر نذیر احمد (مرحوم) ایکس.ای.این.(پی.ڈبلیو.ڈی.)

☆ مسٹر جاوید اقبال زرگر (ہلارن) ایکس.ای.این.(پی.ڈبلیو.ڈی.)

☆ مسٹر عبدالطیف شنالی، ریٹائرڈ چیف انجینئر (پی.ڈبلیو.ڈی.)

☆ مسز سعیدہ بانو وانی، ایکس.ای.این.(پی.ڈی.ڈی.)

☆ مسز سویٹی مُغل، ایکس.ای.این.(پی.ڈی.ڈی.)

☆ مسٹر غلام محمد بٹ، ایکس.ای.این.(پی.ایچ.ای.) ساکن بھلیس

☆ مسٹر غلام نبی راتھر (مرحوم)

☆ مسٹر دیوان چند منہاس (پی.ڈی.ڈی.) ایکس.ای.این.ریٹائرڈ

☆ عبدالحفیظ بٹ، سپرنٹنڈنگ انجینئر (پی.ڈی.ڈی.)

☆ مسٹر بہارالدین زرگر، ریٹائرڈ ایکس.ای.این.(پی.ایچ.ای.)

☆ مسٹر عبدالطیف ٹاک، ریٹائرڈ ایکس.ای.این.(آر.اینڈ بی.)

☆ مسٹر وِجے کوتوال، ریٹائرڈ ایکس.ای.این.(آر.اینڈ بی.)

☆ مسٹر محمد اقبال ملک، ریٹائرڈ ایکس.ای.این.(پی.ایچ.ای.)

☆ مسٹر دیانند کوتوال (کنسو، بھلیس) ریٹائرڈ ایکس.ای.این.(پی.ڈبلیو.ڈی.)

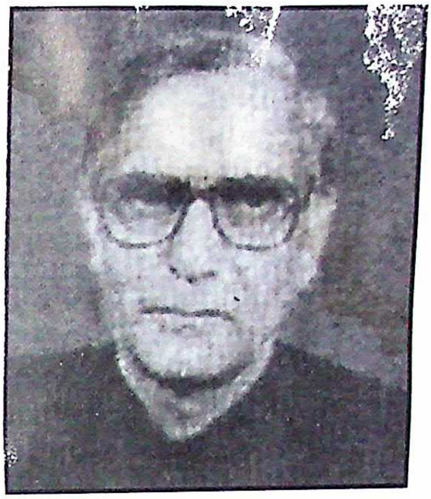
محکمہ صحت وخاندانی بہبود:

☆ ڈاکٹر آر.این.پریہار (ریٹائرڈ) ڈائریکٹر

☆ ڈاکٹر پریم ناتھ راٹھور

☆ ڈاکٹر دیوراج منہاس (ماہر امراضِ قلب، امریکہ)

☆ ڈاکٹر وید پرکاش گپتا (ریٹائرڈ) ڈائریکٹر



او. پی. ٹھاکور



ڈاکٹر عبدالمجید



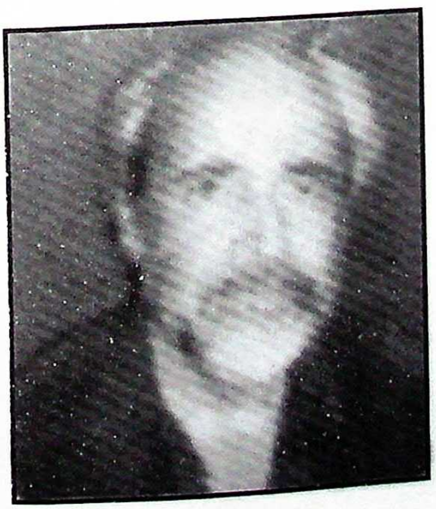
منظور خطیب



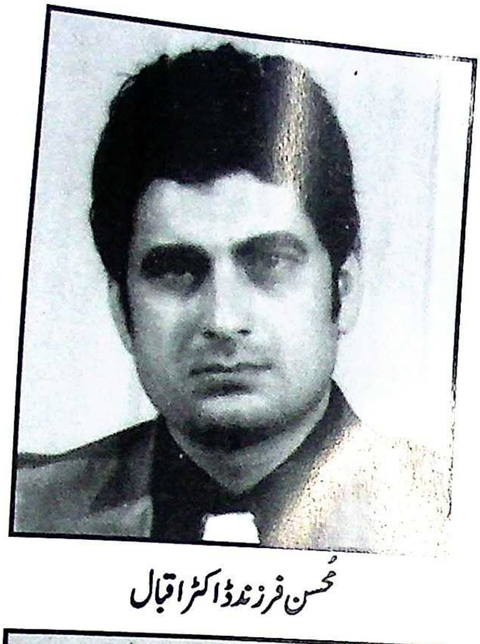
رِند. بھدرواہی



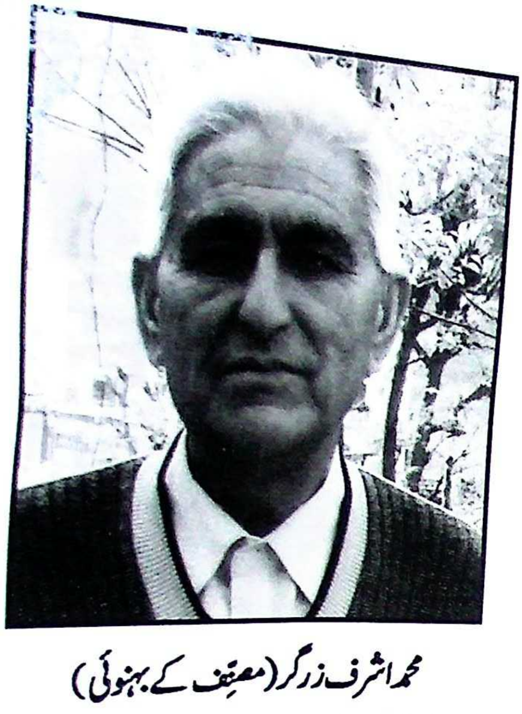
ڈاکٹر ممتاز گونی



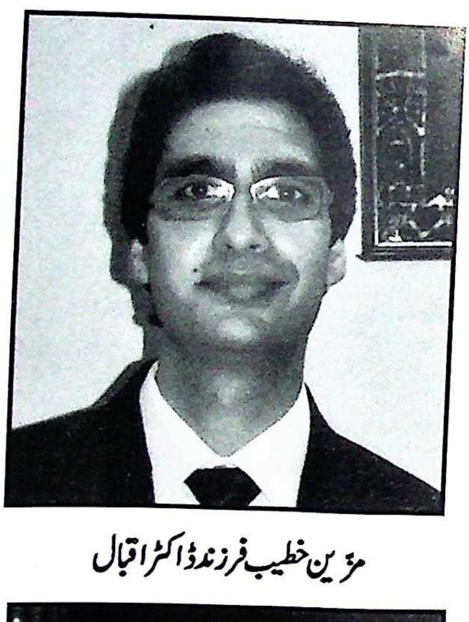
اِندر منہاس



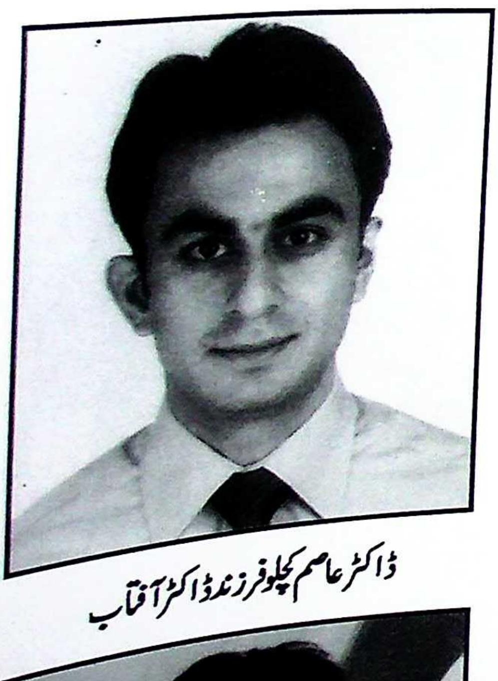
مُحسن فرزند ڈاکٹر اقبال



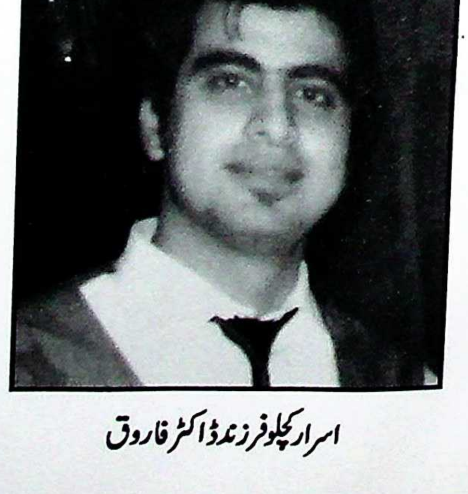
محمد اشرف زرگر (مصنّف کے بہنوئی)



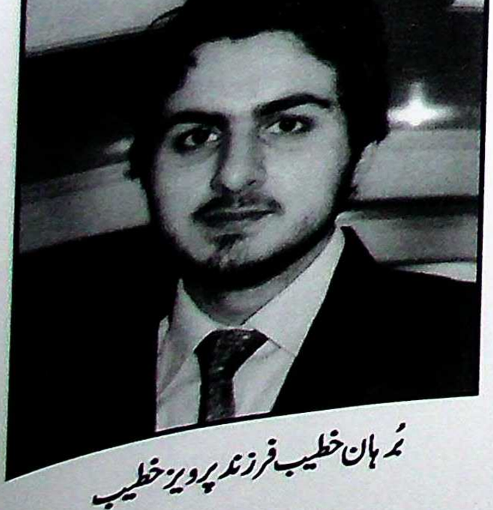
مزّین خطیب فرزند ڈاکٹر اقبال



ڈاکٹر عاصم کچلو فرزند ڈاکٹر آفتاب



اسرار کچلو فرزند ڈاکٹر فاروق



بُرہان خطیب فرزند پرویز خطیب

☆ ڈاکٹر شادی لال (اِنگلینڈ)

☆ ڈاکٹر ریاض احمد گونی (اِنگلینڈ)

☆ ڈاکٹر امن وزیر

☆ ڈاکٹر عنایت اللہ (ایچ.او.ڈی.) ریٹائرڈ

☆ ڈاکٹر ممتاز گونی، ریٹائرڈ پرنسپل، اسسٹنٹ پروفیسر، میڈیکل کالج

☆ ڈاکٹر طارق آزاد، سرجن سپیشلسٹ (میڈیکل کالج)

☆ ڈاکٹر شبیر احمد سلاریہ (آرتھو سرجن)

☆ ڈاکٹر رگھبیر سنگھ منہاس، پروفیسر میڈیکل کالج

☆ ڈاکٹر راجیو کوتوال (فیزیشن سپیشلسٹ)

☆ ڈاکٹر او. پی. بھگت (فیزیشن سپیشلسٹ)

☆ ڈاکٹر محمد شریف خان، ریٹائرڈ ڈپٹی ڈائریکٹر

☆ ڈاکٹر عبدالمجید شورگڑ، ریٹائرڈ ڈپٹی ڈائریکٹر

☆ ڈاکٹر عبدالمجید شنالی مرحوم (ریٹائرڈ ڈپٹی ڈائریکٹر)

☆ ڈاکٹر جاوید اقبال (موٹھی مرمت) فیزیشن (سعودی عرب)

☆ ڈاکٹر احسان کیلو مرحوم (ڈپٹی سی.ایم.او.)

☆ ڈاکٹر مشتاق احمد کچلو (سی.ایم.او.)

☆ ڈاکٹر جتندر سنگھ رانا، اسسٹنٹ پروفیسر میڈیکل کالج، ساکن مرمت

☆ ڈاکٹر نذیر احمد ٹاک (ریٹائرڈ ڈپٹی سی.ایم.او.)

☆ ڈاکٹر بشیر احمد بٹ (ڈپٹی سی.ایم.او.)

☆ ڈاکٹر افتخار احمد شاپو، ڈپٹی ڈائریکٹر (جموں)

☆ ڈاکٹر شاہد احمد مُغل (سی.ایم.او.)

☆ ڈاکٹر محمد امین امینؔ (بی.ایم.او.)

☆ ڈاکٹر شوکت ماگرے (ڈپٹی سی۔ایم۔او۔)

☆ ڈاکٹر آفتاب احمد کچلو (بی گریڈ سپیشلسٹ' حال سعودی عرب)

☆ ڈاکٹر محمد اشرف میر (بی۔ایم۔او۔)

☆ ڈاکٹر شفقت اللہ خطیب' فیزیشن سپیشلسٹ' ریاض سعودی عرب

☆ ڈاکٹر محمد شفیع ملک (مرحوم) سرجن سپیشلسٹ

☆ ڈاکٹر بلقیس ملک' سرجن سپیشلسٹ ریٹائرڈ

☆ ڈاکٹر رمیش کوتوال (بی۔ایم۔او۔)

☆ ڈاکٹر عنایت اللہ دوانی (بی۔ایم۔او۔)

☆ ڈاکٹر امر سنگھ (ساکن بٹارہ)

☆ ڈاکٹر اقبال ٹھوکر (بی۔ایم۔او۔)

☆ ڈاکٹر پنکج کوتوال (بی۔ایم۔او۔)

☆ ڈاکٹر عبدالرشید زرگر' ریٹائرڈ ڈپٹی ڈائریکٹر

☆ ڈاکٹر مشتاق احمد بابا (مرحوم) ریٹائرڈ ڈپٹی میڈیکل آفیسر

☆ ڈاکٹر محمد اقبال بٹ (مرحوم) ڈسٹرکٹ میڈیکل آفیسر[1]

محکمہ یوتھ سروسز اینڈ سپورٹس:

☆ مسٹر پریتم کوتوال (ریٹائرڈ ڈپٹی ڈائریکٹر)

☆ مسٹر جے راج بھگت (ڈسٹرکٹ آفیسر)

---

1. متعدد ڈاکٹر حضرات کا ذکر پہلے ہی آچکا ہے اور اِسی طرح سے ڈاکٹر صاحبان کا بھی۔ لوئر اور جونیئر رینک کے متعدد انجینئر اور ڈاکٹر حضرات کی فہرست کافی طویل ہے' جسے شاملِ کتاب کرنا ناممکن ہے۔

☆ مسٹر ذاکر حسین شاپو (زونل آفیسر)
☆ مسٹر محمد دین (زونل آفیسر)
☆ مسٹر عبدالحمید مُغل (زونل آفیسر)
☆ مسٹر پرویز احمد شیخ (زونل آفیسر)
☆ مسٹر مشتاق احمد بٹ (زونل آفیسر)
☆ مسٹر انیس احمد ملک (زونل آفیسر)
☆ مسٹر تصدق حسین ملک مرحوم (کالج ڈیپارٹمنٹ)

محکمہ جنگلات:

☆ شیخ غلام رسول (مرحوم) ریٹائرڈ چیف کنزرویٹر آف فارسٹس
☆ بھگت تیج رام' ڈی.ایف.او.ریٹائرڈ (آئی.ایف.ایس.)
☆ مسٹر عبدالرحمان مُغل' ڈی.ایف.او.ریٹائرڈ (آئی.ایف.ایس.)
☆ شیخ غلام محمد (مرحوم)' چیف کنزرویٹر آف فارسٹس
☆ شری امکار سنگھ منہاس (مرحوم) ریٹائرڈ جنرل منیجر (ایس.ایف.سی.)
☆ مسٹر محمد شفیع پڑے (مرحوم) ریٹائرڈ جنرل منیجر (ایس.ایف.سی.)
☆ مسٹر خاقان احمد ملک' ڈی.ایف.او.ریٹائرڈ
☆ مسٹر اصغر عنایت اللہ (آئی.ایف.ایس.)
☆ مسٹر منظور احمد خطیب' ڈی.ایف.او.ریٹائرڈ
☆ مسٹر نظام الدین بٹ (مرحوم) ڈی.ایف.او.ریٹائرڈ
☆ مسٹر شاکر حُسین رفیقی' ریٹائرڈ ڈی.ایف.او.
☆ مسٹر محمد شریف بٹ' ڈی.ایف.او.ریٹائرڈ
☆ شری ست پال پریہار' ڈی.ایف.او.ریٹائرڈ

☆ مسٹر عبدالحفیظ بٹ' ڈی.ایف.او. ریٹائرڈ

☆ مسٹر عبدالمجید شیخ (مرحوم) ڈی.ایف.او. ریٹائرڈ

☆ مسٹر رمیش کوتوال' ڈی.ایف.او. ریٹائرڈ

☆ جسونت منہاس' ڈویژنل منیجر' (ایس.ایف.سی) ریٹائرڈ

محکمہ سماجی بہبود:

☆ شری بھگت رام' ڈسٹرکٹ آفیسر

☆ خواجہ غلام قادر بٹ (مرحوم)' ڈسٹرکٹ آفیسر

☆ مسٹر رام ناتھ یوگی' ڈسٹرکٹ آفیسر

متفرق شعبے:

☆ مسٹر محمد اسلم وانی (کوآپریٹو)

☆ مسٹر فاروق احمد خان (ایف.سی.آئی.)

☆ مسٹر جگدیش راج منہاس' فوڈ اینڈ سپلائز

☆ مسٹر معراج الدین شیخ' فوڈ اینڈ سپلائز

☆ عبدالحفیظ مُغل' ڈپٹی ڈائریکٹر سیریکلچر (ریٹائرڈ)

☆ کوتوال پریتم کرشن (اسسٹنٹ کمشنر)

☆ کوتوال سیتارام (اسسٹنٹ کمشنر)

سماجی وسیاسی کارکن:

☆ خواجہ غلام محمد داند (مرحوم) ☆ مسٹر غلام احمد مُلا

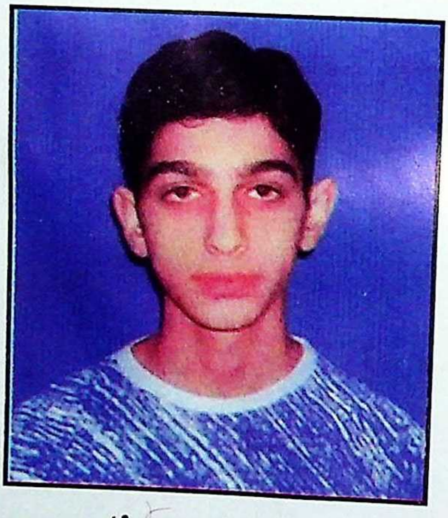
☆ پنڈت بشمبر رازدان ☆ لالہ امرناتھ شاہ

- ☆ شری ہری سرن ذیلدار (بھلیس)
- ☆ منشی احمد جوُ ملک
- ☆ خواجہ محمد شریف بابا
- ☆ بابا غلام قادر
- ☆ مسٹر دین محمد میر (بُدھلی)
- ☆ خواجہ حبیب اللہ ٹاک
- ☆ شری بدری ناتھ بھال (بھلیس)
- ☆ شری ہری سرن ذیلدار (چنتہ)
- ☆ ملک غلام رسول اویسی (بھلیس)
- ☆ خواجہ لسّہ ملِک (چالر)
- ☆ شری بھگت رام (گوڑ یکڑہ)
- ☆ ماسٹر منسارام (چونری)
- ☆ لالہ کرپارام
- ☆ چودھری عبدالکریم گندو
- ☆ خواجہ عبدالحئی خطیب
- ☆ شری ہنس راج ڈوگرہ
- ☆ شری مست ناتھ یوگی
- ☆ شیخ محمد ابراہیم
- ☆ فقیر چند گپتا (مرحوم) گوہا
- ☆ ٹھاکورامر چند (مرحوم) گوہا
- ☆ مسٹر رستم جوُ پڑے (مرمت)
- ☆ مستری غلام رسول
- ☆ نذیر احمد وانی، سرپنچ (رانکا مرمت)
- ☆ مجاہد غلام محمد
- ☆ منشی دلاور بخش
- ☆ فیض اللہ سلاریہ (مرمت)
- ☆ مسٹر محمد شفیع پیر
- ☆ مسٹر معراج الدین زرگر
- ☆ مسٹر عبدالحفیظ وانی
- ☆ مسٹر کشوری لال کوتوال
- ☆ چودھری عبدالکریم گندو
- ☆ چودھری نور محمد (ایم.ایل.سی.)
- ☆ عبدالعزیز بٹ (مرحوم) ایم.ایل.سی
- ☆ خواجہ غلام مصطفےٰ آزاد
- ☆ حکیم غلام علی شاہ (جوڑہ)
- ☆ مسٹر سوامی راج کاٹل
- ☆ خواجہ غلام حسن گونی (مرحوم)
- ☆ حاجی فتح علی لون (مرمت)
- ☆ حاجی قمر الدین لون، روٹ مرمت
- ☆ چودھری محمد سلطان گنائی (مرحوم)
- ☆ حاجی غلام قادر گنائی (مرحوم)
- ☆ چودھری عبدالحق گنائی (مرحوم)
- ☆ غلام حسن باغوان (مرحوم)
- ☆ خواجہ غلام محمد بانہالی (چلی)

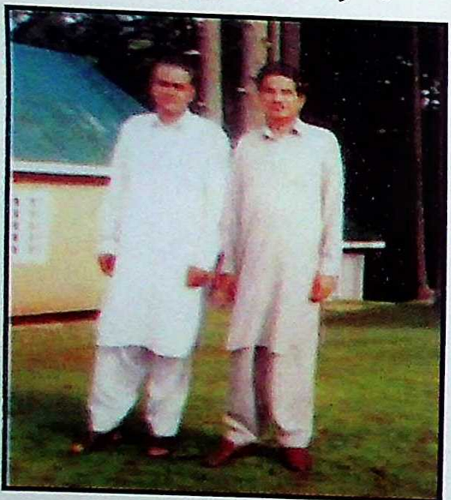
- ☆ کوتوال وید پرکاش
- ☆ لالہ ہنس راج گپتا
- ☆ عبدالرحیم گنائی (مرحوم)
- ☆ عنایت اللہ خطیب
- ☆ مسٹر عبدالمجید گنائی، ریٹائرڈ ڈی۔ایس۔پی
- ☆ رینجر رحمت اللہ بٹ (مرحوم)
- ☆ شری جمیت رام منہاس (ناٹھی)
- ☆ مسٹر اوم پرکاش ٹھاکور
- ☆ مسٹر کلدیپ کمار راؤ (ٹھاٹھری)
- ☆ مسٹر امرناتھ کوتوال
- ☆ مسٹر بلونت راج گپتا
- ☆ مسٹر بشیر احمد زرگر (ٹھاٹھری)
- ☆ ٹھاکر کلدیپ سنگھ
- ☆ غلام محمد گونی (مرحوم)
- ☆ لالہ بدری ناتھ گپتا
- ☆ غلام حسین داند
- ☆ شری اوم کارناتھ پنڈت
- ☆ مسٹر خیرات حسین فراش
- ☆ شری رُوپ چند چوہان (بھلیس)
- ☆ رینجر غلام قادر کرال (مرحوم)
- ☆ خواجہ غلام رسول شاہ مرحوم (بونجواہ)
- ☆ خواجہ مقبول احمد ٹاک
- ☆ مسٹر جمیت رام (جاگا)
- ☆ ٹھاکور دھنتر سنگھ
- ☆ مسٹر صادق کچلو مرحوم (ٹھاٹھری)



بشیر بھدرواہی اپنی اہلیہ اور داماد کے ساتھ جبلِ اُحد مدینہ شریف میں (۱۹۹۴ء)



ارباب خطیب فرزند جاوید خطیب



بشیر بھدرواہی اور غلام نبی ریشو پتنی ٹاپ میں



دائیں سے بائیں) غلام محمد بٹ (مرحوم)، غلام نبی ریشو (مرحوم)، بشیر بھدرواہی اور غلام نبی ترک

کتاب کے سر چشمے

۱۔ ''راج ترنگی''، پنڈت کلہن

۲۔ ''اے گزیٹیر آف جموں اینڈ کشمیر''، چارلس ایلی سن بیٹس

۳۔ ''سفرنامہ''، جی. ٹی. وائن، ۱۸۴۲ء

۴۔ ''تاریخ جموں و کشمیر''، مولوی حشمت اللہ لکھنوی

۵۔ ''جموں اینڈ کشمیر ٹیریٹریز''، فریڈرک ڈریو

۶۔ ''تاریخِ ڈوگرہ دیش''، دیوان نرسنگداس نرگس

۷۔ ''تاریخِ کشمیر و کشتواڑ''، پروفیسر فدا محمد حسنین

۸۔ ''شاہین'' میگزین ڈگری کالج بھدرواہ، ۱۹۷۱ء

۹۔ ''ہمالین پرنسی پیلیٹز اِن جموں' کانگڑہ اینڈ بھدرواہ''، ڈاکٹر پریتم کرشن کول

۱۰۔ ''جموں شرائنز اینڈ پلگریمیجز''، جے. این. گنہار

۱۱۔ ''ہسٹری اینڈ کلچر آف پنجاب ہل سٹیٹس'' (vi)، سکھ دیو سنگھ چاڑک

۱۲۔ ''کشمیر میں اُردو'' (جلد سوم) عبدالقادر سروری، مطبوعہ کلچرل اکاڈمی

۱۳۔ ''میری پاکستان یاترا''، لالہ ملک راج صراف، ۱۹۸۰ء

۱۴۔ ''تاریخِ کشتواڑ''، عشرت کاشمیری، ۱۹۸۳ء

۱۵۔ ''تصویرِ ضلع ڈوڈہ''، اسیر کشتواڑی، ۱۹۹۶ء

۱۶۔ ''پولیٹیکل اینڈ کلچرل ہیری ٹیج'' (ڈوڈہ، بھدرواہ)، این. سی. کوتوال

۱۷۔ ''کلچرل ہسٹری آف ڈوڈہ''، موہن لال آش، ۲۰۰۰ء

۱۸- ''ضلع ڈوڈہ کی ادبی شناخت''، اسیر کشتواڑی ۱۹۹۸ء
۱۹- ''ضلع ڈوڈہ کی ادبی اور ثقافتی شناخت''، محمد اسحاق زرگر
۲۰- ''شیرازہ'' (اُردو ماہنامہ) کلچرل اکیڈمی (جے اینڈ کے) فائل
۲۱- ''شیرازہ'' (کشمیری ماہنامہ) کلچرل اکیڈمی (جے اینڈ کے) فائل
۲۲- ''انجمن'' (رسالہ) انجمن اِسلامیہ کشتواڑ ۲۰۰۰ء تا ۲۰۰۲ء
۲۳- ''تاریخِ اقوامِ کشمیر'' (تلخیص) حِصّہ اوّل و دوم۔ محمد دین فوق
۲۴- ''نظمِ ثریا'' رسا جاودانی
۲۵- ''انوارِ فریدیہ''، فریدیہ بزمِ ادب ڈوڈہ
۲۶- ''کہکشاں''، رند بھدرواہی بزمِ اقبال بھدرواہ
۲۷- ''روشنی کا سفر'' (شمارہ اوّل) اِسلامیہ اسکول ڈوڈہ
۲۸- ''تعمیر'' (اِنتخاب نمبر) محکمہ اِطلاعات جموں و کشمیر اگست۔ ستمبر ۱۹۹۹ء
۲۹- روزنامہ ''کشمیر ٹائمز'' جموں (انگریزی) فائل
۳۰- روزنامہ ''ایکسلشیئر'' جموں (انگریزی) فائل
۳۱- روزنامہ ''سٹیٹ ٹائمز'' جموں (انگریزی) فائل
۳۲- ''ہائٹس آف لائف'' بھدرواہ (انگریزی)
۳۳- روزنامہ ''ملاپ'' (اُردو) فائل
۳۴- روزنامہ ''گریٹر کشمیر'' سرینگر (انگریزی) فائل
۳۵- روزنامہ ''کشمیر عظمیٰ'' جموں (اُردو) فائل
۳۶- ''یادِ رفتہ'' (سوانح حیات) کامریڈ کرشن دیو سیٹھی
۳۷- ''جد و جہد'' (سوانح حیات) خواجہ غلام رسول آزاد
۳۸- ''تاریخ راجگانِ جموں''، کاہن سنگھ بلوریہ
۳۹- ''ہسٹری آف پنجاب ہل سٹیشن''، ڈاکٹر ایس. ڈی. سنگھ

۴۰- ''شہاب نامہ''، قدرت اللہ شہاب

۴۱- ''احوال نامہ''، بشیر احمد - چمن لال، مطبوعہ کلچرل اکاڈمی

۴۲- ''سون ادب'' (تواریخ نویسی) جلد نمبر: ۱، ۲، ۳، ۴ مطبوعہ کلچرل اکیڈمی

۴۳- ''کشمکش''، چوہدری غلام عباس

۴۴- ''ہمارا ادب'' مطبوعہ کلچرل اکاڈمی، ۱۹۶۵ء

۴۵- ''کشمیر بالہ اپار''، پروفیسر مرغوب بانہالی

۴۶- ''جومہِ صوبک کاشرِ زبان تہِ ادبک تواریخ'' منشور بانہالی، ساہتیہ اکاڈمی

۴۷- ''کوہسار'' کالج میگزین ڈوڈہ، ۲۰۰۶ء - ۲۰۰۷ء

۴۸- ہفت روزہ ''صدائے کوہسار'' (اُردو) ڈوڈہ، مدیرِ اعلیٰ حق نواز نہرو

۴۹- ''فوکس آن جموں اینڈ کشمیر'' (انگریزی)، اسیر کشتواڑی

۵۰- ''ہسٹری اینڈ کلچر آف کشتواڑ''، ڈونی چند شرما

۵۱- ''یادوں کے نقوش'' (غلام رسول آزاد)، غلام رسول چوگانی

۵۲- ''بھلیس'' (میگزین)، غلام رسول چوگانی، ۱۹۸۷ء

۵۳- ''کالگنی'' (میگزین)، کلھوتران، غلام رسول چوگانی، ۱۹۷۳ء

۵۴- ''بھلیس''، محمد شفیع متو، ۱۹۷۰ء

۵۵- ''گوجر ٹوڈے'' (میگزین)، گوجر ہوسٹل ڈوڈہ، ۱۹۹۶ء

۵۶- ''بزم'' (رسالہ) اقبال بزمِ ادب، بھدرواہ

۵۷- ''جے اینڈ کے رپورٹر'' (انگریزی)، رنبیر منہاس، (فائل)

۵۸- ''مبلغِ اعظم قلمی''، سرتاج بھدرواہی

۵۹- ''ہیومن رائٹس''، بلراج پوری (فائل)

۶۰- ڈسٹرکٹ پروفائل (ڈوڈہ)، محکمہ اطلاعات، ۱۹۹۶ء

۶۱- ڈسٹرکٹ پروفائل (جموں و کشمیر)، محکمہ اطلاعات، ۱۹۹۸ء

٦٢- ''لنگوسٹک سروے آف انڈیا''، گریرسن

٦٣- ''سویرا''، شیخ محمد عبداللہ نمبر

٦٤- ڈویلپمنٹ اتھارٹی بھدرواہ'ڈویلپمنٹ پلان بھدرواہ' ۱۹۰۷ء-۱۹۱۰ء

٦٥- ''دی ویلی آف چناب''، ناصر فریدی

٦٦- قلمی تاریخِ بھدرواہ'' (غیر مطبوعہ) غلام حسن پڈر

Composing, Designing & Layout
Crecsent House Publications,
267-Jogi Gate, Jammu-180001.(J&K) India.
0-9419134617, 0-8803747617.

بھدرواہ کی برگزیدہ شخصیت جناب بشیرؔ بھدرواہی کی تازہ ترین تصنیف ''بھدرواہ کی تاریخ و ثقافت'' (قدیم ہمالیائی ریاستوں کے تناظر میں) ایسی دستاویز ہے جس کی ایک ایک سطر اِس امر کی شاہد ہے کہ اِس تحقیقی و تاریخی کارزار کو سَر کرنے کے لیے موصوف نے تا اِمکان جدوجہد کی ہے۔ اُردو اور کشمیری کے ایک پختہ کار اور پختہ مزاج شاعر، ادیب اور محقق کی حیثیت سے تو بشیرؔ بھدرواہی شہرت کے حامل ہیں ہی، اپنی ''بھدرواہ ترنگنی'' کو شائع کر کے اُنھوں نے ایک مستند مؤرخ کا درجہ بھی حاصل کر لیا ہے۔ ہر ماں کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اُس کی اولاد اُس کی عزت و شہرت کی باعث بنے۔ بشیرؔ بھدرواہی نے اُردو میں یہ ضخیم تاریخ لکھ کر نہ صرف اپنی مادرِ وطن بھدرواہ کی اُس خواہش کی تکمیل کی ہے بلکہ اُس کے تشخص، تقدیس اور توقیر کو بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محفوظ کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ میرے خیال میں کشمیرِ صغیر بھدرواہ کو اِس سے بڑا تحفہ کوئی دُوسرا تو کیا خود بشیرؔ بھدرواہی بھی اب نہیں دے سکیں گے۔ موصوف نے تاریخ نویسی کے تقاضوں کو یوں پورا کیا ہے کہ اُن کی کارسنجی اور کارشناسی نے بھدرواہ کے ساتھ ساتھ اُنھیں بھی حیاتِ جاوداں کا مستحق بنا دیا ہے۔ اُمید ہے بھدرواہی ''کلہنؔ'' کے اِس کارِ عظیم کو ہاتھوں ہاتھ لیا جائے گا۔

۵/اپریل ۲۰۱۰ء

امینؔ بنجارا

۲۶۷-جوگی گیٹ، جموں-۱۸۰۰۰۱